اصلاح

جلد ۴۴ ماہ محرم الحرام ۱۳۵۹ھ ہجری نمبر ۱

مدیر

جناب مولانا السید علی حیدر رضا صاحب قبلہ دام برکاتہم

دارالاشاعۃ

کھجوا (صوبہ بہار)

ضروری اطلاع اہل ہمدردان اصلاح کی خدمت میں التماس ہے کہ اس نمبر کے پہنچتے ہی اپنا چندۂ اصلاح ۵۵ھ و ۵۹ھ بذریعہ منی آرڈر عنایت فرما کر شکر گزار کریں ورنہ پندرہ یوم کے بعد وی پی حاضر خدمت ہوگا جس میں اُن کا ۳ ر پیہ زائد خرچ ہو جائے گا۔

تحفہ بخاری ہم نے اعلان کیا تھا کہ اگر کتاب جوہر قرآن و تاریخ ائمہؑ کے صرف پانچسو خریدار مل جائیں تو ایک جدید اور دلچسپ ناول "تحفہ بخاری" بھی اصلاح کے ساتھ جلد از جلد شائع ہونے لگے۔ مگر افسوس اب تک ان کتابوں کے سو جدید خریدار بھی نہیں آئے اس وجہ سے یہ شروع نہیں ہو سکی۔ اگر اب بھی ناظرین اصلاح ان دونوں کتابوں کے یا جوہر قرآن و سوانح عمری خلیفہ دوم حصہ اولے کے دو دو جدید خریدار جلد از جلد عنایت فرمائیں تو ہم آئندہ ہی نمبر سے ناول "تحفہ بخاری" بھی شائع کرنے لگیں جس سے انشاءاللہ واضح ہوگا کہ خود صحیح بخاری بھی مذہب اہلسنت کو غلط اور مذہب شیعہ ہی کو حق بتاتی ہے۔ یہ ناول بھی انشاءاللہ ہماری جماعت کے لئے بہت مفید ہوگا۔ دفتر اصلاح کی قدیم کتاب تنقید بخاری دوسری چیز ہے۔ اُس میں تو صحیح بخاری کی ایک ایک روایت کی تنقید کرکے دکھایا گیا تھا کہ مسلمانوں کا عمل کہاں تک اسکے مطابق ہے۔ اور جدید کتاب تحفہ بخاری میں پوری صحیح بخاری کی حدیثیں دو جگہ کرکے دکھادیا جائیگا کہ اسکی کس کثرت سے حدیثیں مذہب اہلسنت کے خلاف اور کس کثرت سے احادیث مذہب شیعہ کے موافق ہیں۔ غرض یہ کتاب بھی انشاءاللہ شیعوں کے لئے نعمت بے بہا ہوگی اور شیعہ قوم اس پر برابر فخر کرتی رہیگی کہ خود صحیح بخاری سے ہماری حقیت مثل آفتاب روشن ہے۔ شدید ضرورت ہے کہ یہ کتاب جلد از جلد شائع ہو تاکہ دنیا کو معلوم ہو کہ جس طرح قرآن مجید مذہب اہلسنت کو غیر حق اور مذہب شیعہ کو حق کہتا ہے اسی طرح انکی خاص کتاب صحیح بخاری بھی کتنی باتوں میں مذہب اہلسنت کو غیر حق اور مذہب شیعہ ہی کو حق ثابت کرتی ہے۔ صحیح بخاری مذہب اہلسنت کی صحیح ترین کتاب ہے جسکو وہ تقریباً قرآن مجید کے برابر سمجھتے ہیں۔ اور ان کے کسی فرقہ کو اس سے انکار نہیں۔ اگر اس سے ہماری حقیت ثابت ہوگئی تو اہلسنت کی کل جماعتوں کے مقابلہ میں ہمارا حق ہونا واضح ہو جائیگا۔ جلد اسکے شروع کرنے کا سامان کرکے قدرت خدا کا تماشہ دیکھئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اصلاح

نمبر ۱ | ماہ محرم الحرام ۱۳۵۹ھ | جلد ۴۴

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علے سید الانبیاء والمرسلین مولانا ومقتدانا ابی القاسم محمد وآلہ الطیبین الطاہرین المعصومین الہداۃ المہدیین من یومنا ہذا الے یوم الدین۔

السلام علیک یا اباعبد اللہ لقد عظمت الرزیۃ وجلت المصیبۃ بک علینا وعلے جمیع اہل الاسلام وجلت وعظمت مصیبتک فی السمٰوات والارض۔ فلعن اللہ امۃ اسست اساس الظلم والجور علیکم اہل البیت۔

عظم اللہ اجورنا واجورکم بمصابنا بالحسین علیہ السلام وجعلنا وایاکم من الطالبین بثارہ مع ولیہ الامام المہدی من آل محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

الحمد للہ والشکر لہ کہ محض اُسی منعم حقیقی کے بے حد و بے پایاں فضل و احسان و تائید و توفیق سے اسی کے دین حق اور صراط مستقیم کے خادم رسالہ اصلاح کی جلد ۴۳ مکمل ہو گئی اور اب اُس حی لا یموت و قادر علے الاطلاق نے اسکی زندگی کا چوالیسواں سال شروع کردیا۔ دعا ہے کہ اس جریدۂ مقدسہ اور اسکے خادموں نے آج تک جو کچھ علمی و دینی خدمات انجام دی ہیں خدائے کریم و رحیم اُن سب کو قبول فرماکر اپنی خوشنودی کی سند سے مشرف فرمائے اور آئندہ بھی اپنی توفیق و حمایت سے اس کو سابق سے زیادہ مفید ذی اثر

ہدایت بخش نور افشاں اور قابل قدر خدمات کے قابل بنادے۔ وھو حسبی ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

کتاب جوہر قرآن خدا کا شکریہ کسی طرح نہیں ادا ہوسکتا کہ جس طرح وعدہ کیا گیا تھا ارحم الراحمین نے دوسال میں جوہر قرآن کو مکمل کراکے مومنین تک پہونچادیا۔ اس نمبر کے ساتھ اُس کا ٹائٹل پیج اور فہرست مضامین بھی شایع ہورہی ہے۔ اب ان کو اوپر لگا کر مومنین اس کتاب کی جلد بندھوالیں۔ خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب بہت زیادہ پسند کی گئی اور نہایت مفید سمجھی گئی۔ مگر اسکی اصل قدر دانی یہ ہے کہ اس کتاب کو مومنین کے گھر گھر پہونچا دیا جائے۔ کیونکہ اس میں عقائد وعبادات۔ اصول وفروع دین غرض کل امور میں مذہب شیعہ کی حقیت پوری تحقیق سے ثابت کی گئی ہے۔ اسکے نسخے کچھ زائد اسی غرض سے چھپوائے گئے ہیں کہ ناظرین اصلاح کے اعزہ واحباب بھی اس کو طلب کریں اور مذہب شیعہ کی حقیت کا ملاحظہ کریں اور اس کتاب کو دکھلا کر دوسرے مسلمانوں کو بھی شیعہ بنانے کی کوشش کریں۔ اس کتاب میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو برادران اہلسنت سے کسی صاحب کو ناگوار گزرے۔ اس وجہ سے کل مومنین اس کتاب کو بے تامل اپنے سُنی احباب کی خدمت میں پیش کرکے ان سے فرمائش کرسکتے ہیں کہ وہ اس کو صرف ایک نظر دیکھ جائیں۔ اگر وہ نہ دیکھیں تو خود مختلف اوقات میں اسکے مضامین پڑھکر ان کو سُنا دیا کریں۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہ دیں کہ اگر اس کتاب کا ایک حوالہ بھی غلط ہو (یعنی جس کتاب کا مضمون بیان کیا گیا ہے اس کتاب میں وہ مضمون نہ ملے) تو اس کتاب کا مصنف اس غلطی کو تسلیم کرکے رسالہ اصلاح میں اعلان کر دینے کا حتمی وعدہ کرتا ہے۔ قرآن مجید تمام مسلمانوں کی مشترک کتاب ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنی مذہبی کتابوں کے پہلے اس الہی کتاب پر ایمان لائے۔ اسکے عقائد کو تسلیم کرے۔ اسکے اعمال بجالائے۔ اسکے اوامر کی تعمیل کرے۔ اسکے نواہی سے بچے اور جس راستہ کو یہ بتائے اسی راہ پر چلے۔ اسی قرآن مجید کے ضروری مضامین کا جو عقائد و اعمال سے متعلق ہیں اس دلچسپ کتاب میں جوہر کھینچ کر مسلمانوں کو سچے اسلام کی طرف بلایا گیا اور صراط مستقیم کی جانب دعوت دی گئی ہے۔ ان کا فرض ہے کہ قرآن مجید کے مقابلہ میں کسی کی کوئی بات نہ سُنیں۔ بلکہ صرف اپنے معبود حقیقی کے ارشادات کی طرف

توجہ کریں تاکہ ان کی دنیا بھی درست ہو اور عاقبت کا انجام بھی بخیر ہو۔

سوانح عمری خلیفہ دوم کا حصہ اول بھی سال گزشتہ خدا کے فضل سے تمام ہو گیا اور بفضلہ اسکا دوسرا حصہ بھی اسی سال شروع کر دیا گیا۔ پوری کوشش ہے کہ انشاء اللہ اسی سال ذی الحجہ تک یہ دوسرا حصہ بھی ۶۳۵ صفحوں پر تمام ہو جائے۔ اور یہ اسلامی خدمت بھی حد کمال کو پہونچ جائے۔ جب سے مولوی شبلی صاحب نے حضرت عمر کی سوانح عمری مسمے بہ "الفاروق" شائع کی مذہب شیعہ کے بعض تعلیم یافتہ حضرات بھی دنیوی اعتبار سے حضرت عمر کو قابل تعریف سمجھنے لگے تھے۔ اور برادران اہلسنت کی ایک بڑی جماعت تو ان کو معاذ اللہ حضرت رسو لخدا صلعم سے بھی افضل خیال کرنے لگی تھی۔ ان وجوہ سے اہل نظر شیعوں میں بڑی بےچینی تھی کہ کسی طرح حضرت عمر کی ایسی سچی سوانح عمری لکھی جائے جس سے ان کے اصلی حالات (بلا مبالغہ) منظر عام پر آجائیں اور خود سنیوں کی معتبر کتب تاریخ وحدیث وسیر سے ممدوح کے واقعی سوانح مرتب ہو جائیں۔ اور الفاروق کا جو زہریلا اثر عام مسلمانوں میں پھیلتا جا رہا ہے وہ مٹ سکے۔ الحمد للہ کہ ہمدرد دین وملت مسلمانوں کی یہ دیرینہ تمنا پوری ہوئی۔ اس سوانح عمری کے پہلے حصہ میں ممدوح کے فضائل ومناقب پر وہ زبردست تبصرہ ہو گیا جس نے مسلمانوں کو محو حیرت کر دیا ہے اور پھر آپ کے خاندان۔ آپ کے پیشہ۔ آپ کے اسلام کی وہ تصویر کھینچی گئی جس نے بہت سے جعلی پردوں کو چاک کر دیا۔ اور نمائشی وفرضی نتائج کی حقیقت واضح کر دی۔ خدا کرے دوسرے حصہ میں بھی خدمت حق وصدق کا یہی اثر نمایاں رہے اور کھوٹے کھرے میں آسانی سے تمیز ہو جائے اور اس کتاب کے ذریعہ سچے اسلام کی اشاعت وترقی میں غیر معمولی کامیابی حاصل ہو۔

تحفہ بخاری ہم نے وعدہ کیا تھا کہ اگر تاریخ ائمہ وجوہر قرآن کے پانچ سو خریدار مل جائیں تو اصلاح کے صفحات میں اضافہ کرکے تحفہ بخاری ناول بھی انشاء اللہ جلد از جلد شروع کر دینگے جس میں دکھایا جائیگا کہ صحیح بخاری میں بھی شیعوں کے موافق کس کثرت سے حدیثیں موجود ہیں یہ ناول بھی انشاء اللہ مسلمانوں میں ہلچل ڈال دیگا۔ آپ حضرات اگر اپنے احباب سے صرف دو دو حضرات کو آمادہ کرکے کتاب تاریخ ائمہ وجوہر قرآن کا خریدار بنادیں یا سوانح عمری خلیفہ دوم حصہ اول و جوہر قرآن ہی کا دو دو جدید خریدار بنا دیں تو آئندہ ماہ ہی سے اصلاح کے ساتھ تحفہ بخاری بھی شائع ہونے لگے۔

حضرت سید الشہداءؑ

حضرت امام حسین علیہ السلام کا لقب سید الشہداء ہے جس کا معنے کل شہیدوں کے سردار ہے اسکے لئے ضروری ہے کہ دنیا میں جس قدر شہید گزرے ہوں ان سب سے زیادہ شہادۃ کی صفت حضرتؑ میں پائی جائے۔ مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے لکھا ہے " اصل میں شہید وہ ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہوا مارا جائے۔ شہید اوسکو اس لئے کہا کہ اللہ تعالےٰ اور فرشتے اوسکے لئے گواہ ہیں وہ بہشت میں جائیگا۔ بعضوں نے کہا اسلئے کہ وہ مرا نہیں بلکہ زندہ اور حاضر اور خبردار ہے۔ بعضوں نے کہا اس لئے کہ رحمت کے فرشتے شہادت کے وقت اوسکے پاس حاضر رہتے ہیں۔ بعضوں نے کہا اسلئے کہ وہ امر حق کا گواہ رہا یہاں تک کہ اوسکے لئے مارا گیا۔ بعضوں نے کہا اسلئے کہ اللہ تعالےٰ نے جو عزت اور کرامت اوسکے لئے طیار کر رکھی ہے اوسکو وہ پانے والا ہے اور حاصل کرنے والا" (انوار اللغۃ پ ۱۲ ص ۱۲۹)۔ آج ہم چاہتے ہیں کہ دنیا کے دوسرے شہیدوں بلکہ دوسرے مظلوموں سے بھی حضرت امام حسینؑ کا موازنہ کریں اور دیکھیں کوئی فرد شہادت یا مظلومیت میں حضرتؑ سے بڑھی ہوئی تھی یا نہیں تاکہ معلوم ہوسکے۔ حضرتؑ کا لقب سید الشہداء آپ کے لئے کہانتک موزوں ہے

سب سے پہلے جناب آدمؑ کے فرزند ہابیل کو ان کے بھائی قابیل نے قتل کردیا (طبری جلد ۱ ص ۷۲) مگر ان کے متعلق اسکے سوا کے قتل کئے گئے کسی کتاب سے کوئی مصیبت نہیں معلوم ہوتی۔ نہ بھوک کی نہ پیاس کی۔ نہ تیر اور نیزہ کے زخموں کی۔ نہ دھوپ کی نہ گرمی کی۔ نہ احباب و اصحاب کی مفارقت کی نہ اعزہ و اولاد کے ذبح کی۔ اسی وجہ سے ظاہر ہے کہ ان کا نام لینا بھی بے وجہ ہے۔ وہ تو صرف برادرانہ رقابت کا ایک معمولی واقعہ تھا۔ اور کچھ بھی نہیں۔

حضرت ابراہیمؑ بھی مظلوم گزرے ہیں کہ نمرود نے حکم دیا آپ آگ میں ڈال دیئے جائیں۔ اُس وقت آپ کی عمر ۱۶ سال کی تھی۔ نمرود نے منجنیق میں رکھکر آپ کو آگ کے بہت بڑے ڈھیر میں پھکوا دیا۔ حضرت ابراہیمؑ چار روز تک اس آگ میں پڑے رہے مگر خدا نے اس آگ کو حکم دیا یا نار کونی برداً وسلاماً علےٰ ابراھیم۔ اے آگ ابراہیم کے لئے تو ٹھنڈک اور سلامتی کی موجب بن جا کہ ان کو کسی طرح کی اذیت نہ پہونچے۔ چنانچہ ایسا

ہی ہوا (پ ۱۷ ع ۵) - کچھ دنوں بعد آپ اس آگ سے باہر نکل آئے اور نمرود اپنی شکست
سے بہت شرمندہ ہوا - ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو صرف دو تین منٹ کی زحمت ہوئی کہ منجنیق
میں رکھے اور زمین سے آگ کی ڈھیر کی طرف پھینکے گئے - آگ کی گرمی تک کی اذیت سے
محفوظ رہے کیونکہ آپ کے پہونچنے کے قبل ہی وہ ٹھنڈی اور باعث سلامتی بنا دی گئی تھی
مفسرین نے لکھا ہے " یا اللہ تعالے نے خود فرمایا ٹھنڈک کے بعد آرام کا لفظ فرمایا ورنہ
آگ برف کی طرح ٹھنڈی ہو کر ابراہیمؑ کو تکلیف پہونچاتی - کہتے ہیں جب حضرت ابراہیمؑ کو
آگ میں ڈالنے لگے تو حضرت جبرئیلؑ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے اے ابراہیم تم ہم سے
کام لو - ابراہیمؑ نے فرمایا مجھ کو تم سے کوئی کام نہیں - انھوں نے کہا تو پھر اپنے پروردگار
سے دعا کرو - ابراہیمؑ نے کہا وہ میرا حال خوب جانتا ہے - یہی کافی ہے - آخر اللہ تعالے
نے آگ کو خود حکم دیا کہ ٹھنڈی اور راحت ہوجا - ابراہیمؑ ایسے آرام کے ساتھ اس میں رہے
کہ ہمیشہ فرمایا کرتے وہ دن کیا آرام کے دن تھے ... وہ سب شرمندہ ہوئے کہ اتنی بہت
آگ سلگائی مگر حضرتؑ کا بال بیکا نہ ہوا " (تفسیر وحیدی ص۴۲۶)

حضرت اسماعیلؑ بھی آزمائش میں لائے گئے مگر اذیت کیا اٹھائی ؟ مفسرین نے لکھا ہے
جب باپ (حضرت ابراہیمؑ) اور بیٹا (حضرت اسماعیلؑ) دونوں مستعد ہو گئے اور باپ نے
بیٹے کو ماتھے کے بل اوندھا پچھاڑا - اوندھا گرانے کا سبب یہ ہوا کہ حضرت اسماعیلؑ نے
حضرت ابراہیمؑ سے کہا جب تم مجھے ذبح کرنے لگو تو میرا منہ نیچے رکھنا ایسا نہ ہو کہ میرا منہ دیکھ
تم کو محبت آجائے اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں دیر ہو - دوسرے یہ کہ اپنی آنکھوں پر
پٹی باندھ لینا - تیسرے یہ کہ چھری کو خوب تیز کر لینا - چوتھے یہ کہ میرا ہاتھ پاؤں خوب باندھ دینا
ایسا نہ ہو کہ میں تڑپوں اور آپ پر خون اڑ کر گرے تو لوگ کہیں کیسا بے ادب بیٹا تھا -
پانچویں یہ کہ میری ماں کو تسلی اور تشفی دینا - حضرت ابراہیمؑ نے ایسا ہی کیا اور اپنے عزیز
فرزند کو اوندھا لٹایا اور ایک بارگی خوب زور سے چھری چلائی لیکن چھری کی کیا مجال تھی کہ
ایک رویاں حضرت اسماعیلؑ کا کاٹتی - حضرت اسماعیلؑ نے پکار کر کہا بابا یہ تم نے کیا کیا -
میں نے نہیں کہہ دیا تھا کہ چھری خوب تیز کر لینا - حضرت ابراہیمؑ نے پھر چھری خوب تیز کی اور
خوب زور سے چلائی لیکن ایک رویاں بھی نہ کٹا - حضرت اسماعیلؑ نے پھر وہی کہا - تیسری بار

حضرت ابراہیمؑ نے چھری کو ایسا تیز کیا کہ اگر مکھی بھی دھار پر بیٹھے تو دو ٹکڑے ہو جائے اور زور سے چھری چلائی ایک رویاں نہ کٹا۔ آخر چھری پر زور دینے کے لئے اس پر بیٹھ گئے اُس وقت آواز آئی جیسے کوئی چیز کٹ گئی اور دھڑا دھڑ خون بہنے لگا۔ حضرت ابراہیمؑ سمجھے کہ حضرت اسماعیلؑ ذبح ہو گئے اور آنکھوں سے پٹی کھولی۔ دیکھا تو اسماعیلؑ الگ کھڑے ہیں اور ایک دنبہ کٹا پڑا ہے" (تفسیر وحیدی ص۵۸۶)۔ اس واقعہ میں حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ کی اطاعت و رضا کی تصویر تو نظر آتی ہے مگر کسی مصیبت یا کسی اذیت کا ذرہ برابر بھی پتا نہیں ملتا۔ اس وجہ سے آپ شہید ہوئے نہ مظلوم کہے جا سکتے ہیں۔

حضرت زکریاؑ بھی شہید ہیں۔ جاہلوں نے شبہہ کیا کہ جناب مریم سے آپ کا ناجائز تعلق ہو گیا ہے اس وجہ سے آپ کو قتل کرنا چاہا۔ آپ اُن کے خوف سے بھاگے۔ سامنے ایک درخت تھا وہ خدا کی قدرت سے شگافتہ ہو گیا۔ اور آپ اسکے اندر چلے گئے۔ مخالفوں نے اس درخت کو حضرت زکریاؑ سمیت آرہ سے چیر ڈالا جس سے آپ شہید ہو گئے۔ آپ کی عمر اوس وقت سو سال کی تھی۔ آپ کی شہادۃ میں عذر نہیں مگر آپ نے اپنے کو بچانے کی کوشش کی اور اسی غرض سے درخت میں چھپے تاکہ ان کے ظلم سے محفوظ رہیں۔ لیکن اس کوشش میں آپ کو کامیابی نہیں ہوئی۔ اس وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ نے خوشی سے درجہ شہادت حاصل کیا۔

حضرت یحیٰیؑ بن زکریا بھی شہید کئے گئے۔ اس طرح کہ آپ کے زمانہ کا بادشاہ ہیرودس اپنی بھتیجی یا بھانجی یا اپنی بی بی کی اوس لڑکی پر جو اوسکے پہلے شوہر سے تھی عاشق ہو گیا اور دونوں نے شادی کرنی چاہی مگر حضرت یحیٰیؑ نے اوسکو منع کیا۔ بات بڑھی آخر اوس بادشاہ نے حضرت یحیٰیؑ کو قتل کر دیا۔ اس میں بھی سوائے آپ کے قتل ہو جانے کے آپ کی کسی مصیبت کا ذکر نہیں ہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اس عورت نے کہا میں بادشاہ کی خواہش پوری نہیں ہونے دونگی جب تک یحیٰیؑ کا سر نہ آجائے فلما ابت علیہ بعث الیہ فاتی براسہ۔ جب اس معشوقہ نے انکار کیا تو بادشاہ نے جلاد بھیجے اور فوراً جناب یحیٰیؑ کا سر آگیا (طبری جلد ۲ ص۱۴)

اب اسلام کے شہیدوں کا حال بھی دیکھو۔ حضرت حمزہ کی شہادت عظیم الشان

سمجھی جاتی ہے مگر ہوا کیا؟ غزوۂ احد میں آپ کھا پی کر بہ پورے اطمینان سے لڑنے نکلے ہیں ’’وہ دو دستی تلوار مارتے جاتے تھے اور جس طرف بڑھتے تھے صفیں کی صفیں صاف ہو جاتی تھیں۔ وحشی جو ایک حبشی غلام تھا اور جس سے جبیر بن مطعم اسکے آقا نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ حمزہ کو قتل کر دے تو آزاد کر دیا جائے گا۔ وہ حضرت حمزہ کی تاک میں تھا۔ حضرت حمزہ برابر آئے تو اوس نے چھوٹا سا نیزہ پھینک مارا جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا۔ حضرت حمزہ نے اوس پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کر گئی‘‘ (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۲۷۵)۔ دیکھو وحشی کا نیزہ لگنے کے قبل حضرت حمزہ پر کوئی مصیبت نہیں پڑی۔ دنیا کی کوئی زحمت نہیں ہوئی۔ کوئی رنج و غم نہیں ہوا۔ بس ایک منٹ کے اندر نیزہ کا لگنا اور شہادت کا واقع ہونا سب ختم ہو گیا۔ قتل ہونے کے بعد آپکی لاش کے ساتھ بے ادبی بھی کی گئی۔ مگر کتنی؟ ’’خاتونانِ قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا۔ ان کے ناک۔ کان کاٹ لئے۔ ہند (امیر معویہ کی ماں) نے ان پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا۔ حضرت امیر حمزہ کی لاش پر گئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئی لیکن گلے سے اُتر نہ سکا اسلئے اگل دینا پڑا۔ تاریخوں میں ہند کا لقب جو جگر خوار لکھا جاتا ہے اسی بنا پر لکھا جاتا ہے‘‘ (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۲۸۰) بس اس سے زیادہ آپ کی داستانِ مصیبت میں کوئی جملہ نہیں مل سکتا۔

اسلام میں حضرت علیؑ کے بھائی جناب جعفر کی شہادت بھی ممتاز ہے جو غزوہ موتہ میں شہید ہوئے اس کا واقعہ صرف اسقدر لکھا ہے کہ آپ مدینہ سے موتہ تشریف لے گئے۔ عیسائی فوج سے مقابلہ ہوا ’’یہ مختصر گروہ آگے بڑھا اور ایک لاکھ فوج پر حملہ آور ہوا حضرت زید برچھیاں کھا کر شہید ہوئے۔ اُن کے بعد حضرت جعفر نے علم ہات میں لیا گھوڑے سے اُتر کر پہلے خود اپنے گھوڑوں کے پاؤں پر تلوار ماری کہ اوسکی کونچیں کٹ گئیں پھر اس بے جگری سے لڑے کہ تلواروں سے چور ہو کر گر پڑے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ میں نے انکی لاش دیکھی تھی۔ تلواروں اور برچھیوں کے ۹۰ زخم تھے لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے‘‘ (سیرۃ النبیؐ جلد ا صفحہ ۳۱۷)۔ غرض آپ بھی نہ بھوکے تھے نہ پیاسے۔ نہ اصحاب و احباب کی شہادت کا داغ اوٹھایا تھا نہ اعزہ و اولاد کی مفارقت

کا صدمہ برداشت کیا تھا۔ نہ عورتوں کی بے پناہی کا غم تھا۔ نہ چھوٹے بچوں کی کس مپرسی کا رنج۔ حضرت عمر بھی شہید کہے جاتے ہیں جن کا واقعہ صرف اس قدر ہے "حضرت عمر امامت کے لئے بڑھے اور جوں ہی نماز شروع کی فیروز نے دفعۃً گھات میں سے نکل کر چھ وار کئے جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا ... خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے" (الفاروق ملٹے)۔ غرض آپ پر بھی صرف چھ وار ہوئے۔ اسکے سوا کوئی صدمہ نہیں ہوا۔ حضرت عثمان بھی شہید کہے جاتے ہیں اس طرح کہ "رعایا اور اصحاب رسولؐ آپ سے ناراض ہو گئے اور آپکے آپکے مکان میں گھیر لیا اور ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو گھر میں گھس کر آپ کو قتل کر ڈالا۔ مرنے کے بعد دفن بھی نہ کرنے دیتے تھے۔ تین دن تک آپ کی لاش مزبلہ پر پڑی رہی یہاں تک کہ آپکی ایک ٹانگ کتا کھا گیا۔ بعد میں رات کے وقت حش کوکب میں دفن کئے گئے جو یہودیوں کا قبرستان تھا"۔ آپ بھی نہ جلاوطن ہوئے نہ اپنے احباب واصحاب کی شہادۃ کا رنج اٹھایا نہ اپنے اعزہ و اولاد کے ذبح کا صدمہ برداشت کیا۔ حضرت امیرالمومنینؑ بھی ابن ملجم کی ضربت سے مسجد کوفہ میں شہید ہوئے۔ اور حضرت امام حسنؑ بھی زہر سے شہید کئے گئے۔ مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مذکورہ بالا کل شہیدوں نے مل کر بھی وہ مصائب جھیلے جو تنہا حضرت امام حسینؑ نے برداشت کئے۔ سب سے پہلی مصیبت یہ کہ بہ جبر مدینہ سے جلاوطن ہونا پڑا۔ دوسری سخت مصیبت یہ کہ روضۂ رسولؐ سے مفارقت ہوئی۔ تیسری مصیبت یہ کہ مکہ معظمہ کو بھی جو ہر مخلوق کے لئے مامن ہے چھوڑنا پڑا۔ چوتھی مصیبت یہ کہ اپنے وطن صوبہ حجاز سے غربت اختیار کرنی پڑی۔ پانچویں مصیبت یہ کہ حضرتؑ کو کربلا میں گھیر کر پہونچایا گیا۔ اور ہر طرف سے وہاں کی ناکہ بندی کر دی گئی۔ آپ پر۔ آپ کی فوج پر۔ آپ کے چھوٹے چھوٹے بچوں پر نہر فرات کا پانی بند کر دیا گیا۔ آپ کے قتل کے لئے اتنی فوجیں بھیجی گئیں جن کا تناسب حضرتؑ کے اصحاب سے کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ ایک انگریز مسٹر کارکرن نے جو زبردست مورخ اور مترجم صدر دیوان عدالت عالیہ کلکتہ تھے ایک کتاب اردو زبان میں لکھی ہے جسکا نام "تاریخ چین" ہے جو دو جلدوں میں ہے اور ۱۸۴۷ء میں بزبان اردو طبع کرا کے موصوف نے شائع کرائی۔ انھوں نے اس کتاب کے دفتر دوم باب ۱۶ میں جہاں مغلوں اور ختائیوں کی لڑائیوں اور بہادریوں کا ذکر کیا ہے یوں لکھا ہے "دنیا میں رستم کا نام بہادری میں مشہور

ہے لیکن کئی شخص ایسے گزر گئے ہیں کہ اُن کے سامنے رستم کا نام قابل لینے کے نہیں ہے چنانچہ اول درجہ میں حسینؑ بن علیؑ کا مرتبہ بہادری میں ہے کیونکہ میدان کربلا میں ریت پر تشنگی اور گرسنگی میں جس شخص نے ایسا کام کیا ہو اوس کے سامنے رستم کا نام وہی شخص لے سکتا ہے جو تاریخ سے واقف نہیں ہے۔ کس کے قلم کو قدرت ہے کہ امام حسینؑ کا حال لکھے۔ کس کی زبان میں یہ لطافت و بلاغت ہے کہ اُن بہتر بزرگواروں کی ثابت قدمی اور تہوّر و شجاعت اور بیس ہزار خونخوار شامی کے جواب دینے اور ایک ایک کے ہلاک ہو جانے کے باب میں مدح جیسا کہ چاہیئے کر سکے۔ کس کی نازک خیالی کی یہ رسائی ہے کہ اُن لوگوں کے دل کے حال کو تصور کرے کہ کیا کیا اُن پر گزرا۔ اُس وقت سے جب عمر سعد نے دس ہزار سوار سے اُن کو گھیر لیا اُس وقت تک کہ جب شمر ملعون نے سر کاٹ لیا۔ کیونکہ ایک کی دوا دو مثل مشہور ہے اور مبالغہ کی حد یہی ہے کہ جب کسی کے حال میں یہ کہا جاتا ہے کہ دشمن نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ لیکن حسینؑ اور بہتر تن کو آٹھ قسم کے دشمنوں نے تنگ کیا تھا۔ اور اس پر بھی قدم نہ ہٹا۔ چنانچہ چار طرف سے تو دس ہزار فوج یزید کی تھی جن کے پتھروں اور نیزوں کی بوچھار مثل آندھی کے آتی تھی۔ اور پانچواں دشمن عرب کی دھوپ تھی جس کی مثال کسی جگہ زیر فلک نہیں ملتی اور یہی کہنا ہوتا ہے کہ عرب کی دھوپ کی مانند عرب ہی کی دھوپ ہے۔ اور چھٹا دشمن وہ ریگ کا میدان تھا جو آفتاب کی تمازت میں شعلہ زن اور تنور کے خاکستر سے زیادہ پُرسوز تھا بلکہ اس کو دریائے قہر کہنا چاہیئے جس کے بلبلے بنی فاطمہ کے پاؤں کے آبلے تھے۔ اور دو دشمن سب سے ظالم بھوک اور پیاس مثل دغاباز ہمراہیوں کے جس کے برابر عدو نہیں ساتھ تھے۔ اور تشنگی سے زبان پھول کے جب پھٹ جاتی تھی تب ہی ان دو کی خواہش اند کے تھمتی تھی پس جنہوں نے ایسے معرکے میں ہزارہا کافروں کا مقابلہ کیا ہو اُن پر خاتمہ بہادری کا ہو چکا۔ (تاریخ چین مصنفہ چھکن کرن جلد ۲ باب ۱۶ صلاا) ۔ ان مصائب کے ساتھ حضرت امام حسینؑ کا اپنے اصحاب کی جدائی کا صدمہ اُٹھانا۔ جواں بھائیوں۔ گود کے پالے بھتیجوں۔ بھانجوں اور لڑکوں کا تڑپ تڑپ کر مرتے دیکھنا اور بہنوں۔ بیٹیوں بھتیجیوں کی اسیری کا تصور کرنا وہ مصائب ہیں جن کا لاکھواں حصہ بھی دنیا میں کسی شہید کو نہیں حاصل ہوا

اس وجہ سے کہنا پڑتا ہے کہ جس طرح حضرت رسول خدا صلعم سید المرسلین ہوئے امام حسین علیہ السلام بھی سید الشہداء ہوئے۔

سنی تعزیہ داروں کو مشورہ ہمارے پرانے دوست حاجی ثناء اللہ صاحب اڈیٹر اخبار اہلحدیث امرتسر نے لکھا ہے "لکھنؤ میں شیعہ سنی نفاق و شقاق کی حد یہاں تک پہونچ گئی کہ شیعہ لوگ دانستہ ایسے الفاظ بصورت توہین صحابہ کرام بولنے پر زور دیتے ہیں جن سے سنیوں کا دل نہ صرف جلے بلکہ خون ہو کر آنکھوں کی راہ بہ جائے۔ اس پر معارف اعظم گڈھ نے سنیوں کو مشورہ دیتے ہوئے لکھا ہے" اگر حقیقت میں سنیوں کو شیعوں کے فعل سے اتنی تکلیف ہے تو ان کا پہلا فرض یہ ہے کہ محرم کے ان تمام بدعات سیئہ سے جو اسلام کی رسوائی کا باعث ہیں یک قلم الگ ہو جائیں۔ ورنہ یہ کیا ہے کہ شیعوں سے نفرت کرنا اور شیعیت کے مراسم خود ادا کرنا جو باتفاق علماء سنت ناجائز اور ناروا ہیں اور متعدد بار اوسکے فتاوے شائع ہو چکے ہیں۔ اسکے بجائے عوام کی دلچسپی اور فائدہ کے لئے ان تمام اکھاڑوں اور فوجی کرتبوں کی نمائش کو جس کا موقع محرم قرار دیا گیا ہے عیدین کے موقع پر رواج دینا چاہیئے" (معارف ماہ نومبر سنہ رواں و اہلحدیث ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ)

ہمیں حاجی ثناء اللہ صاحب نیز اڈیٹر رسالہ معارف پر ہنسی آتی ہے کہ ان لوگوں کو کیا سوجھی۔ شیعیان لکھنؤ کب اس بات پر زور دیتے ہیں جس سے سنیوں کا دل نہ صرف جلے بلکہ خون ہو کر بہ جائے۔ فتنہ مدح صحابہ پر یا از خود؟ اگر بدعۃ مدح صحابہ کی وجہ سے تو آپ کیوں اس فساد کو پیدا کرتے ہیں۔ کیا تماشہ ہے کہ خود ہی صحابہ پر... کہنے کا سبب پیدا کرتے ہیں۔ اور خود ہی شکایت کرتے ہیں۔ اب بھی آپ حضرات مدح صحابہ کا فساد ترک کر دیجئے تو شیعہ بھی اس وبار کا انجکشن (تبرار) ترک کر دینگے۔ آپ فرماتے ہیں "محرم کی ان بدعات سیئہ سے الگ ہو جائیں" کس قدر حیرت ہے کہ اسلام کا دعوے کرتے ہوئے عبادات محرم کو بدعات سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے یہ وہ اسلامی شعار ہے جسکی وجہ سے اسلام زندہ ہے۔ آپ کے خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ نے کہا ہے ع حقا کہ بنار لا الہ است حسینؑ۔ اور آپ ہی کے مولانا محمد علی صاحب نے بھی کہا ہے ع اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد"۔ بتائیے یہ ہر کربلا کون ہے جسکے بعد اسلام زندہ

ہوتا ہے؟ حقیقی کربلا تو دنیا میں ایک ہی ہے۔ یہاں محمد علی صاحب نے محرم کے عبادات ہی کو تو کربلا مجازاً کہا ہے اور مطلب یہی ہے کہ ہر سال اور ہر مقام کے عبادات محرم کے بعد اسلام زندہ ہو جاتا ہے۔ ورنہ یہ مصرع بے معنی ہو جائے گا۔ پھر لکھتے ہیں:۔ "شیعیت کے مراسم خود ادا کرنا"۔ بھائیو! یہ شیعیت کے مراسم ہیں یا اسلام کے؟ شمار کر لو ہندوستان میں کتنے عزادار شیعہ ہیں اور کتنے سنی۔ اگر سنی حضرات کی تعداد بہت زیادہ نکلے تب تمہیں بھی ماننا پڑے گا کہ یہ مسلمانوں کے مراسم ہیں۔ حضرت رسولخدا صلعم کی مشہور حدیث ہے علیکم بالسواد الاعظم۔ تم لوگوں کا فرض ہے کہ بڑی جماعت کے ساتھ رہو۔ پس اب دیکھ لو کہ مسلمانوں میں بڑی جماعت کون ہے۔ وہ جو عزاداری کرتے ہیں یا وہ جو اس کو ناجائز کہتے ہیں۔ اگر وہ ہیں جو عزاداری کرتے ہیں تو تمہارا بھی فرض ہے کہ عزادار بنو تاکہ اسلام زندہ رہے اور یزید کی حمایت سے باز آؤ۔ عزاداری کی مخالفت درحقیقت یزید کی حمایت اور اوسکے چیلے چاپڑوں کا شغل ہے تاکہ اوس کا ظلم پردہ کے اندر رہے اور اوسکی خلافت پر اعتراض نہ ہو۔ آپ لوگوں کے پیشوائے اعظم مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے خوب لکھا ہے "یزید کا کوئی حق نہ تھا کہ اوسکو مسلمانوں پر حکومت ملے۔ بھلا جب فرشتے موجود ہوں تو کوئی شیطان کی حکومت منظور کرے گا؟ مگر معلوم نہیں کہ اہل شام کس قبیل کے مسلمان تھے۔ امام حسین علیہ السلام کی کفش برداری کی بھی یزید لیاقت نہیں رکھتا تھا۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ کجا عیسیٰ کجا دجال ناپاک۔ مگر امام صاحب کے موجود ہوتے ہوئے نکلے مانسوں نے یزید سے بیعت کر لی اور اوس پر بھی اکتفا نہ کی امام صاحب کی جان کے درپے ہو گئے۔ آخر کس ظلم اور شقاوت سے آپ کے بچوں اور عزیزوں سمیت قتل کر دیا ؎ اگر اسلام ہمیں ست کہ اینہا دارند:۔ وائے گر در پے امروز بود فردا ئے + پھر لطف یہ کہ اب تک ان اہل شام کے چیلے چاپڑوں سے جہان پاک نہیں ہوتا۔ کوئی تو یزید کو پیغمبر تک پہونچا دیتا ہے۔ کوئی اوس کو خلیفہ برحق کہتا ہے۔ امام صاحب کو باغی قرار دیتا ہے۔ کوئی (شیخ ابوبکر بن عربی استاد امام غزالی رح) کہتا ہے اگر یزید امام صاحب کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرتا تب بھی میں اُس پر لعنت نہ کرتا کیونکہ وہ اولو الامر منکم سے تھا۔ کوئی کہتا ہے امام حسینؑ اوسی تلوار سے مارے گئے جو

اوسکے نانا کی تھی۔ اللہ ان لوگوں سے سمجھے معلوم نہیں قیامت کے دن آنحضرتؐ کے
سامنے یہ لوگ اپنا مونہ کیسے بتائیں گے۔ ہم تو یزید کو مع اوسکے معاونین جیسے شمر لعین
ابن زیاد۔ عمر سعد۔ خولی۔ سنان وغیرہم کو ملعون اور مطرود اور اشقے الخلق والخلیقہ
جانتے ہیں۔ یزید سے بیعت تو کجا اگر ہم اوس کو پالیں تو اوسکے گوشت پوست کے
ٹکڑے کرکے چیل کووں کو کھلائیں۔ اوس وقت ہمارے دل کی کچھ تشفی ہوگی اور ہمارا
غیظ قلب کسی قدر کم ہوگا۔ الف الف لعنت یزید پر اور الف الف یزید کے طرفداروں اور
حامیوں اور تعریف کرنے والوں پر" (انوار اللغۃ پ ۱۲ ص ۱۵۳)۔ آخر میں آپ کا سنہرا مشورہ
ہے" تمام اکھاڑوں اور فوجی کرتبوں کی نمائش کو عیدین کے موقع پر رواج دینا چاہئے"
سبحان اللہ کیسی انوکھی تجویز ہے ؎ جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی :۔: پاپوش میں لگائی
کرن آفتاب کی + کیوں جناب یہ عیدین کو اکھاڑوں سے کیا نسبت؟ عید الفطر کے روز تو
یہ ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ ۳۰ دن کے بھوکے پیاسے روزہ دار اوس روز تھکے ماندے
نماز عید پڑھکر اپنے اعزہ و احباب سے گلے ملیں گے یا لنگوٹ باندھکر فوجی کرتب دکھائینگے؟
عید اضحیٰ میں بھی یہ ممکن نہیں کیونکہ نماز اور قربانی کے مشاغل اتنے ہوتے ہیں جن سے کسی
اور کام کی فرصت ہو ہی نہیں سکتی۔ اوس روز تو ہر مقام پر قربانی کی وجہ سے ہندو مسلمان
فساد کا خوف لگا رہتا ہے۔ اور مسلمانوں کو یہ فکر پریشان کئے رہتی ہے کہ کس طرح اس دفعہ
بقرعید خیریت سے گزرے گی۔ کس طرح قربانی کی رسم امن و اطمینان سے ادا ہوگی۔ کس
مسلمان کے حواس درست رہتے ہیں جو قربانی کے ساتھ اکھاڑا نکالے گا۔ برخلاف اسکے
محرم ہی اس کا بہترین زمانہ ہوتا ہے۔ عید اور بقرعید تو صرف ایک ایک دن ہوتی ہے
اس مختصر وقت میں یہ رسم کیسے انجام پا سکتی ہے۔ البتہ محرم کے دس دن اور دس راتیں
ایسی ہیں جو مسلمانوں کو علی مسلمان اور جہاد کا شائق و متمنی بنا دیتی اور انکے دلوں میں بھی یہ
اسلامی روح پھونک دیتی ہیں کہ اگر آج بھی مذہب حق پر کوئی وقت آ پڑے گا تو ہم اوسی
طرح سینہ سپر ہو جائیں گے جس طرح شہداء کربلا یزید کے حملۂ اسلام کے مقابلہ میں سینے
تانے ہوئے برچھیاں کھا رہے تھے۔ اگر اس وقت بھی دین دشمنوں کے نرغہ میں گھر جائینگے
تو ہم بھی اپنی جانیں اوسی طرح قربان کر دیں گے جس طرح انصار حسینؑ نے بروز عاشورا اپنی

جانیں فنا کر دیں۔ اگر آج بھی ہم مسلمانوں کو باطل کے سامنے جھکنے کے لیے مجبور کیا جائیگا تو ہم اسی طرح اسکی مخالفت کریں گے جس طرح نواسۂ رسولؐ اور انکے خاندان والوں نے ہمیں عملی تعلیم دی ہے۔ اگر آج بھی کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی بنیادیں ہلادی جائیں گی تو ہم عزادارانِ حسینؑ اپنا مال۔ اپنی جان۔ اپنے دوستوں اور اپنے عزیزوں کے ساتھ اس کو اسی طرح قائم رکھنے کی سعی کریں گے جس طرح فرزند رسولؐ اور اونکے حق پرست جان نثاروں نے کرکے ابدی زندگی حاصل کرلی۔ فرمائیے یہ باتیں عید فطر و عید اضحیٰ میں کہاں؟ یہ جذبات اُن ایام میں پیدا ہو ہی نہیں سکتے۔ یہ تو صدمہ اوٹھانے والوں اور چوٹ کھائے ہوئے دلوں ہی کا کام ہے۔

حنفی عزاداروں کا دلگداز نوحہ وہابیوں کو کھلا ہوا چیلنج

ذیل میں وہ نوحہ درج کیا جاتا ہے جو سُنیوں نے ایک سیاہ تعزیہ کے ساتھ سر برہنہ حنفی نوحہ خوانوں نے حنفی عزاداروں کے ایک کثیر مجمع میں چوک سے گزرتے وقت پڑھا اور جس سے بے حد اثر لیا گیا۔ جس خلوص سے پڑھا گیا اوس سے اِس نوحہ کا ہر دل پر ایک خاص اثر مترتب ہوتا تھا

اسلام پر یہ ظلم نہیں کیا ستم نہیں ⁘ کہتے ہیں آلِ پاک کا غم کوئی غم نہیں
بولے حسینؑ چھپ گئی تصویر نانا کی ⁘ اکبرؑ کی نوجوانی کا مطلق الم نہیں
جو کربلا میں آلِ نبیؐ پر ہوئے ستم ⁘ بے شک وہ سانحہ تو قیامت سے کم نہیں
مسلم بنے جو فاتحہ دلوائے آپ کی ⁘ کیا یہ حسینؑ ظلم نہیں یہ ستم نہیں
عباسؑ رن میں جاتے ہیں کہتے ہیں یہ حسینؑ ⁘ جب تم نہیں تو جان لو دنیا میں ہم نہیں
بولے حسینؑ بند کیا آب و دانہ کیوں ⁘ اسے کوفیو تمہارا یہ ظلم و ستم نہیں
وہ دل نہیں کہ جس میں نہ ہو غم حسینؑ کا ⁘ وہ آنکھ کیا جو اوسکی مصیبت میں نم نہیں
ایسے بھی ہیں حسینؑ کا غم دل میں رکھتے ہیں ⁘ ایسے بھی لوگ ہیں جنھیں مطلق الم نہیں
تم پر تمام ظلم کئے جائیں اے حسینؑ ⁘ اور ہم نہ روئیں ظلم نہیں یہ ستم نہیں
فردوس میں جنان میں۔ مدینہ میں ہند میں ⁘ وہ کون سی جگہ ہے جہاں ان کا غم نہیں
شہ کہتے تھے کہ مجھکو رضا چاہیئے تری ⁘ واللہ اپنے مٹنے کا مجھ کو الم نہیں
اسلامیوں میں ڈالتے ہیں پھوٹ اور نفاق ⁘ اور اس پہ لطف یہ ہے کہ ظلم و ستم نہیں

(روزنامہ اسعد ۱۷ محرم ۱۳۵۹ھ)

مدح صحابہ کی اجازت کیوں دیگئی تھی

بابو گوپی ناتھ سریواستوام۔ال۔اے نے جوکہ
جیل و ریلوینو کے سابق سکریٹری تھے ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے :۔
When Congress ruled (یعنی جب کانگریس نے حکومت کی) سریواستو
صاحب نے اس کتاب میں جہاں اور باتیں لکھیں وہاں یہ بھی لکھ دیا کہ واقعہ یہ ہے کہ مدح صحابہ
کا ایجی ٹیشن اوس وسیع جد و جہد کا نتیجہ تھا جسکے ذریعہ سے کانگریس کو بدنام کرنا مقصود تھا
شیعہ برابر کانگریس کے سخت حامی رہے جب کہ مسلم لیگ میں سُنیوں کی اکثریت تھی اس وقت
اس امر کا ایک سنہری موقع حاصل ہوگیا کہ اسکے ذریعہ سے مذہب کے نام پر کانگریس کو
بدنام کیا جائے۔ سریواستو صاحب کے اس بیان کی آڑ لے کر خود ساختہ ظفر الملک صاحب
بہت گرجے اور برسے ہیں اور نہ صرف شیعوں کو بُرا بھلا کہا ہے بلکہ اس مضمون میں نواب
صاحب چھتاری کانگریس سے پہلے والی گورمنٹ مولانا آزاد۔ پنتھ جی۔ کانگریس
گورمنٹ۔گوپی ناتھ سریواستوا۔ سردار پٹیل۔ مقامی حکام اور دنیا بھر کو خوب صلواتیں
سُنائی گئی ہیں۔ نواب صاحب چھتاری کو یہ الزام دیا گیا ہے کہ اُن کی وزارت میں یہ
ہمت نہ تھی کہ وہ صداقت و حق کا مقابلہ کرتی بلکہ اونھوں نے گھبرا کر اس فیصلہ کو کانگریس
وزارت پر چھوڑ دیا۔ کانگریسی وزارت کو یہ الزام دیا گیا ہے کہ اوس نے معاملات کو کھٹائی
میں ڈالے رکھا اور سُنیوں کے مسلسل مجبور کرنے اور زور دینے پر بالآخر ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء
کو اپنی رپورٹ شائع کی جس میں سُنیوں کے حق کو تسلیم کیا۔ مولانا آزاد کو یہ الزام دیا گیا ہے
کہ اونھوں نے تحریری وعدہ کے باوجود جو حسین احمد صاحب مدنی سے کیا تھا آخرالذکر
کے مسلسل اصرار کے باوجود سُنیوں سے اپنے وعدہ کو پورا نہیں کیا اور بالآخر حسین احمد صاحب
مدنی کے کہنے پر سُنی نافرمانی قانون پر مجبور ہوئے۔ پنڈت گوبند بلبھ پنتھ کو اسی مضمون میں الزام
دیا گیا ہے کہ جب اونھوں نے یہ دیکھا کہ ہم لوگ نافرمانی قانون شروع کر رہے ہیں تو پنڈت جی
نے فوراً صبح کے اخبارات میں ۱۱ر نومبر ۱۹۳۸ء کو ایک سرکاری بیان شائع کر دیا اور کہا
کہ اگر ہم لوگ نافرمانی قانون کو ترک کردیں تو وہ بہت جلد معاملات کو طے کردیں گے۔ انھوں نے
اپنے اس وعدہ کا احترام نہیں کیا اور بالآخر حامیان مدح ثلاثہ نافرمانی قانون پر مجبور ہوئے۔
پنتھ جی کے بعد اسی مضمون میں سردار ولبھ بھائی پٹیل کی خبر لی گئی ہے کہ انھوں نے یہ بالکل

جھوٹا بیان دیا کہ شیعہ ۳ کروڑ ہیں اور وہ مسلم لیگ کو اپنا نمائندہ نہیں سمجھتے بلکہ کانگریس کے ساتھ ہیں۔ خود ساختہ ظہیر الملک نے اسکے بعد وہی پرانی رٹ لگائی کہ شیعہ ہمیشہ سرکار برطانیہ کے وفادار رہے۔ انھوں نے کبھی کانگریس کا ساتھ نہیں دیا اور کانگریس کی ہندو اکثریت میں سب سے زیادہ تعداد ہماری ہی جماعت کی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ نے وہی رونا رویا ہے جو اکثر روتے آئے ہیں کہ شیعہ ۳ کروڑ نہیں صرف ۱۵ لاکھ ہیں۔ گورنر کی خدمت میں شیعیان لکھنؤ کا ایک وفد جو گیا تھا اس میں تاج برطانیہ سے وفاداری اور مسئلہ خلافت و ترک موالات سے علیحدگی کا اعلان کیا گیا تھا وغیرہ وغیرہ" (روزنامہ اسعد ۲۰ محرم ۱۳۵۹ھ)

جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے!

عزاداری حسینؑ میں سنیوں نے غیر معمولی حصہ لیا مولوی عبدالشکور صاحب کے اخبار "آفتاب" کا اقرار

ایک دنیا کو معلوم ہے کہ مدح صحابہ کے فتنہ کا مقصد عزاداری حسینؑ کو مٹانے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ لیکن اسے امام حسین علیہ السلام کا معجزہ ہی تصور کرنا چاہیئے کہ پاٹانالوی سنیوں کی تمام منحوس کوششیں قطعاً ناکام ثابت ہوئیں اور آج اون کے اخبار آفتاب مورخہ ۴ مارچ نے "ہندوستان کا محرم" کے عنوان سے جو نوٹ شایع کیا ہے وہ خود اس امر کا اقرار کر رہا ہے۔ قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے ہم اس کا ضروری اقتباس درج ذیل کرتے ہیں:۔

"افسوس ابکی سال کا محرم تو تحقیقی نقطۂ نظر سے گزشتہ سال کے محرم سے دس قدم اور آگے بڑھ گیا۔ گزشتہ سے پیوستہ سال سنیوں نے عام طور سے تعزیہ داری سے توبہ کر لی تھی اور شیعوں کا محرم بالکل مٹی ہو گیا تھا اور اسکے بعد دوسرے سال بھی سنیوں کے صرف گیارہ تعزیے نکلے لیکن اس سال کہ تبرا ایجی ٹیشن سے سنیوں کی اور آنکھیں کھل جانا چاہئے تھیں۔ معلوم ہوا ہے کہ متعدد سنیوں نے اس تحریک میں حصہ لیا اور یہ سن کر تو بہت ہی ملال ہوا کہ ابکی مرتبہ سنی اور شیعہ تعزیہ داروں اور جلوسوں کی کمان خاکسار سپاہی کر رہے تھے۔ جسکے دوسرے معنی یہ ہوئے کہ ابکی مرتبہ علامہ مشرقی اور انکی ذریات نے خوب کثرت سے تعزیہ داری کی اور کرائی" (آفتاب لکھنؤ ۴ مارچ) (منقول از اخبار سرفراز ۲۹ محرم ۱۳۵۹ھ)

اخبار غم

افسوس اصلاح کے گزشتہ نمبروں میں بہت سے احباب و اعزہ کے اخبار غم درج ہونے سے رہ گئے (۱) ۹ ذیقعدہ کو میری اپنی بھتیجی میمونہ بنت جو برادرم موسیٰ کاظم سلمہ

کی بچی تھی) انتقال کیا۔ جناب سید محمد حیدر صاحب سب رجسٹرار ساکن جائس نے بھی انتقال کیا۔ حبیب محترم جناب مولوی حکیم سید محمد صادق صاحب لکھنوی مولوی فاضل وصدر الافاضل طبیب ریاست حیدرآباد دکن کی منجھلی ہمشیر نے بھی انتقال کیا جس سے ممدوح کو نہایت صدمہ ہے۔ جناب سید ظفر عباس صاحب سب انسپکٹر انچارج تھانہ شملہ نے اچانک گھوڑے سے گر کر انتقال کیا۔ آپ کے بوڑھے باپ جناب مولوی سید محمد یحییٰ حسن صاحب ساکن نہیٹا سادات ضلع بجنور کی جو حالت ہوئی ناقابل بیان ہے۔ جناب سید اشفاق حسین صاحب ساکن اگیونہ ضلع الہ آباد کے بھانجے سید محمد کاظم صاحب مرحوم پتردل محکمہ نہر نے ۶ر جولائی کو انتقال کیا۔ کسی نے لاٹھیوں کے وار سے ہلاک کر دیا۔ مرحوم کے دو یتیم بچوں اور بی بی کا جو حال ہو رہا ہے بیان نہیں ہو سکتا۔ جناب مولوی میر امیر علی صاحب ابن میر محمد علی صاحب نے ۱۱۲ سال کی عمر میں ۱۰ر ماہ صیام کو انتقال کیا۔ خدا آپ کے فرزند میر ذاکر حسین صاحب صیغہ دار ریاست بیڑ ریاست دکن کو صبر عطا فرمائے۔ جناب نواب سید احمد مرزا صاحب دہلی کے ۱۷ سال کے جوان فرزند نے کچھ قبل انتقال کیا تھا۔ ابھی وہ زخم مندمل نہیں ہوا تھا کہ اس سال آپ کے ۶ سالہ دوسرے فرزند نے بھی اکتوبر میں انتقال کیا۔ مولوی عبد الغفور صاحب بنارسی کے فرزند نجم الحسن اختر صاحب مرحوم نے بھی ۲۹ر ماہ صیام کو انتقال کیا۔ اس سال میرے عزیز خاص محمد مرتضیٰ صاحب ساکن حسین گنج نے ۱۹ر محرم کو فالج سے انتقال کیا۔ خدا مرحومین کے درجات عالی کرے اور پس ماندگان کو صبر عطا فرمائے۔ ناظرین سورہ فاتحہ و توحید کا ثواب سب کی روحوں کو ایصال کریں۔

مخصوص شکریہ سال گزشتہ جناب سید شاہ علی امام اشرف صاحب زیدی سب انسپکٹر انچارج تھانہ ضلع بارہ بنکی نے رسالہ اصلاح کی اعانت میں صہ کا کاغذ منگا دیا اور تین جدید خریداروں سے چندہ اصلاح خود وصول کر کے بھی بھیجا تھا خدا ممدوح کو جزائے خیر دے۔ اگر اس سال بھی صرف دو سو حضرات اپنے حلقہ احباب میں دفتر اصلاح کی کتابیں محض دس دس روپیہ کی فروخت کرا دیں تو کاغذ کا کافی سامان ہو جا سکتا ہے جس کے بعد نشہ فوراً جدید دلچسپ ناول "تحفہ بخارہ" شروع کر دیا جائیگا۔ کیا عجب کتاب بھی مذہب شیعہ کی تبلیغ و ترقی کا حیرت خیز ذریعہ ثابت ہو جائے دفتر اصلاح کی موجودہ کتابوں کی فہرست مفت طلب فرما کر کل حضرات اپنے اعزہ و احباب کو بھی ضرور دیں تاکہ تبلیغ دین حق کا فرض بھی ادا ہوتا رہے۔

مرحوم جناب سید محمد عقیل صاحب کی بھی ۱۹ر محرم کو اور جناب ظفر حسین صاحب ساکن منیرا یا ضلع سارن نے ۱۰ر محرم کو انتقال کیا۔

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلهم کانوا اشد منهم قوة واثاروا الارض وعمروها اکثر مما عمروها وجاءتهم رسلهم بالبینات فما کان الله لیظلمهم ولکن کانوا انفسهم یظلمون (پ ۲۱ ع ۴)

کیا یہ لوگ روئے زمین پر چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے جو لوگ ان سے پہلے گزر گئے انکا انجام کیسا ہوا حالانکہ وہ قوت میں بھی زیادہ تھے اور جس قدر زمین ان لوگوں نے آباد کی ہے اس سے کہیں زیادہ انھوں نے جوتی بوئی بھی آباد و طیار کی تھی اور انکے پاس بھی انکے پیغمبر واضح اور روشن دلیلیں لے کر آ چکے تھے مگر انھوں نے نہ مانا تو خدا نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ لوگ آپ اپنے اوپر ظلم کرتے رہے

الحمد للہ

کہ

کتاب مستطاب ہدایت مآب

مسمٰی بہ

حضرت عمر

حصہ ثانیہ

جسمیں خدا کے فضل و کرم سے حضرت عمر بن الخطاب کی ہجرت طرف مدینہ سے وفاۃ تک کے مفصل سوانح حیات
بکمال تحقیق و جامعیت سے لکھے گئے ہیں

مصنفہ

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم مدیر جریدۂ مبارکہ اصلاح کھجوا (بہار)

ابن

حضرت فخر المتکلمین المحققین سید ظہیر العلماء، المجتہد بن زین الملة والدین حجة الاسلام والمسلمین کہف الایمان والمومنین آیة اللہ فی العالمین مولانا و مقتدانا آقا سید علی اظہر صاحب قبلہ طاب ثراہ و جعل اللہ الجنة مثواہ المتوفی

۱۲ شعبان سنہ ۱۳۵۲ ہجری

مطبع اصلاح کھجوا (صوبہ بہار) میں چھپی

بار اول

سنہ ۱۳۵۹ ہجری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علے سیدنا رحمۃ للعالمین ابی القاسم محمد وآلہ الطاہرین

اس کتاب کے پہلے حصہ میں عرض کیا گیا ہے کہ حضرت عمر کے حالات انشاء اللہ دس باب میں لکھے جائیں گے۔ الحمد للہ کہ پہلے حصہ میں پہلے باب کے حالات پوری تحقیق وجامعیت سے لکھے گئے اب کتاب کے اس دوسرے حصہ میں باقی ابواب لکھے جاتے ہیں۔ خدائے کریم اب بھی ہم پر اپنے کرم واحسان کی بارش کرتا ہے اور پہلے حصہ سے بھی زیادہ اس حصہ کو اپنے پسندیدہ دین اسلام کی سچی خدمت کا ذریعہ قرار دے۔ اس سے باطل کے پردے چاک ہو جائیں جسکے جلوے ہر شخص کو نظر آنے لگیں۔ ظلمت کی گھٹائیں دور ہوں۔ نور کی شعاعیں عالمگیر ہو جائیں۔ ضلالت کے راستے مٹیں۔ ہدایت کی راہیں چمکنے لگیں۔ کذب وزور کی صورتیں محو ہو جائیں۔ صدق وصفا کی شکلیں دکھائی دینے لگیں۔ مذہبی تعصب اور جماعتی جنبہ داری کا اثر غائب ہو جائے اور حق پرستی وصدق پسندی کا دور جاری ہو جائے۔ اس کتاب کا فیض اس درجہ عام ہو کہ ہر مسلمان یخادعون اللہ والذین آمنوا وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون (یہ لوگ خدا کو اور مومنین کو دھوکا دیتے ہیں حالانکہ وہ آپ اپنے ہی کو فریب میں مبتلا رکھتے ہیں اور سمجھتے نہیں پ۱ ع ۲) کی مصیبت سے نکل آئے اور یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون (اے ایمان والو خدا سے ڈرتے رہو جس قدر اوس سے ڈرنا چاہیئے اور تم خالص دین اسلام کے سوا کسی مذہب پر بھی نہ مرنا۔ پ۴ ع ۲) کا پورا عامل بن جائے۔ اھدنا الصراط المستقیم کو وہ اپنی سچی اور قلبی دعا وآرزو قرار دے اور حسبنا ما وجدنا علیہ آباءنا (ہم نے اپنے باپ دادا کو جس طریقہ پر پایا وہی ہمارے لئے کافی ہے (پ۷ ع ۴) کے گمراہ کن اصول سے وہ توبہ کرے۔ مختصر یہ کہ خدا نے جس اسلام کی پیروی کا ہمیں حکم دیا ہے اوسی پر سب دل سے چلیں۔ پروردگار عالم نے جس امر کے پسند کرنے کا وعدہ کیا ہے اُسی کو سب اختیار کریں اور جن باتوں کی وجہ سے اُس کا غضب نازل ہوتا ہے اُن سے علیحدہ رہیں۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

دوسرا باب ۲

پہلی فصل

مدینہ کی زندگی - واقعہ مواخاۃ

مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "حضرت عمرؓ نے بیس آدمیوں کے ساتھ مدینہ کا قصد کیا... مدینہ منورہ کی وسعت چونکہ کم تھی مہاجرین زیادہ تر قباء میں (جو مدینہ سے دو تین میل ہے) قیام کرتے تھے - حضرت عمرؓ بھی یہیں رفاعہ بن عبد المنذر کے مکان پر ٹھہرے - قباء کو عوالی بھی کہتے ہیں - چنانچہ صحیح مسلم میں ان کے فرودگاہ کا نام عوالی ہی لکھا ہے - حضرت عمرؓ کے بعد اکثر صحابہ نے ہجرت کی - یہاں تک کہ ۱۳ نبوی ۶۲۲ء میں خود جناب رسالت پناہ نے مکہ چھوڑا اور آفتاب رسالت مدینہ کے افق سے طالع ہوا - مدینہ پہنچکر سب سے پہلے آنحضرتؐ نے مہاجرین کے رہنے سہنے کا انتظام کیا - انصار کو بلا کر اُن میں اور مہاجرین میں برادری قائم کی جس کا یہ اثر ہوا کہ جو مہاجر جس انصاری کا بھائی بن جاتا تھا انصاری اوسکو اپنی جائداد، مال، اسباب، نقدی تمام چیزوں میں سے آدھا آدھا بانٹ دیتا تھا اس طرح تمام مہاجرین اور انصار بھائی بھائی بن گئے اس رشتہ کے قائم کرنے میں آنحضرتؐ طرفین کے رتبہ اور حیثیت کا فرق مراتب ملحوظ رکھتے تھے یعنی جو مہاجر جس درجہ کا ہوتا تھا اُسی رتبہ کے انصاری کو اُس کا بھائی بناتے تھے - چنانچہ حضرت عمرؓ کو جس کا بھائی قرار دیا اُنکا نام عتبان بن مالک تھا جو قبیلۂ بنی سالم کے سردار تھے" (الفاروق ص۳۶)

حضرت رسول خدا صلعم کو اتفاق و اتحاد کی خاص فکر رہتی تھی اور چاہتے تھے کہ اگر سب لوگ ملکر نہ رہ سکیں تو مسلمان ضرور متفق ہو کر زندگی بسر کریں - اسی وجہ سے حضرتؐ نے مکہ معظمہ میں بھی مسلمانوں میں مواخاۃ قائم کی اور مدینہ میں بھی - علمائے محققین نے لکھا ہے ان المواخاۃ انما وقعت مرتین - مرۃ بین المہاجرین قبل الہجرۃ و مرۃ بین المہاجرین والانصار بعد الہجرۃ - مواخاۃ کا رشتہ دو مرتبہ ہجرت کے بعد ایک مہاجر ایک انصار کے درمیان قائم کیا - ایک دفعہ ہجرت سے پہلے مہاجرین کے درمیان آپس میں - اور دوسری مرتبہ

(سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص۹۰) علامہ محب طبری نے لکھا ہے وعن ادل دلیل علی
عظم منزلتہ من رسول اللہ صنیعہ فی المواخاۃ کما تقدم فانہؐ جعل یضم الشکل
الی الشکل یؤلف بینہما الی ان آخی بین ابی بکر و عمر و ادخر علیا لنفسہ وخصہ
بذلک فیالہا مفخرۃ وفضیلۃ۔ حضرت علیؑ کو حضرت رسولخدا صلعم کے ہاں جو عظیم الشان
منزلت تھی۔ اسکی سب سے بڑی دلیل حضرت کا وہ عمل ہے جو آپ نے مواخاۃ کے موقع پر کیا کیونکہ
آنحضرتؐ ایک ایک قسم کے لوگوں کو مواخاۃ سے ملا دیتے تھے یہاں تک کہ حضرت ابوبکر و
عمر کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا مگر حضرت علیؑ کو اپنے نفس کے لئے بطور ذخیرہ رکھا اور
آپکو خاص اپنی مواخاۃ کے لئے محفوظ کر لیا۔ پس سبحان اللہ حضرت علیؑ کی یہ کیسی فضیلت
تھی اور آپ کے لئے کیسا فخر ہوا" (ریاض نضرہ جلد ۲ ص۲۱۲)۔ مگر علامہ ابن ہشام کے
الفاظ کچھ زیادہ معرفت خیز ہیں۔ لکھتے ہیں آخی رسول اللہ بین اصحابہ من المہاجرین
والانصار فقال فی ما بلغنا تآخوا فی اللہ اخوین اخوین ثم اخذ بید علی ابن
ابی طالب فقال ھذا اخی فکان رسول اللہؐ سید المرسلین وامام المتقین و
رسول رب العالمین الذی لیس لہ خطیر ولا نظیر من العباد وعلی ابن ابی طالب
اخوین۔ حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے اصحاب یعنی مہاجرین والانصار کے درمیان مواخاۃ
قائم کی اور فرمایا تم لوگ اللہ کی راہ میں ایک دوسرے کے بھائی بن جاؤ۔ پھر آنحضرتؐ نے
حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا میرے بھائی یہی ہیں۔ اس طرح حضرت رسولخدا صلعم
جو مرسلین کے سردار، متقین کے امام اور رب العالمین کے پیغمبر تھے جن کا نہ کوئی مثل ہوا
نہ نظیر اور حضرت علی بھائی بھائی قرار پائے" (سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص۲۸۵)۔ اس سے یہ امر
بھی واضح ہوا کہ حضرت ابوبکر باوجودے کہ ہجرت کے وقت آنحضرتؐ کے پیچھے چلے آئے
اور غار میں بھی حضرت کے ساتھ رہ چکے تھے مگر آنحضرت صلعم نے اپنا بھائی بنانے کے
لئے آپ کا انتخاب نہیں فرمایا۔ اور حضرت عمر کو بھی اسکے لئے پسند نہیں کیا۔ البتہ حضرت ابوبکر
و عمر میں خاص مناسبت تھی اس سبب سے ان دونوں میں مواخاۃ کا رشتہ قائم کیا۔
اسی طرح حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت علیؑ میں پوری مناسبت تھی۔ اس سبب سے آنحضرت
نے کل مہاجرین و انصار بلکہ حضرات شیخین کو بھی چھوڑ کر محض حضرت علیؑ کو اپنا بھائی بنایا۔ یہ

حضرت علیؑ کی وہ فضیلت تھی جس پر حضرت جس قدر فخر و مباہات کرتے بجا تھا۔ اور حضرت رسول خدا صلعم مواخاۃ بھی بغیر وحی خدا نہیں کر سکتے تھے۔ تو درحقیقت خدا ہی نے آنحضرت صلعم اور حضرت علی میں مواخاۃ قائم کی۔ آنحضرت صلعم نے حضرت ابو بکر و عمر کو دنیا ہی کا نہیں بلکہ آخرۃ کا بھائی بھی فرما دیا تھا۔ قال رسول اللّٰہ یا ابا بکر و عمر امرت ان او اخی بینکما انتما اخوان فی الدنیا و الاخرۃ۔ فلیسلم کل منکما علی الآخر و لیصافحہ فاخذ ابو بکر بید عمر حضرت رسولؐ نے فرمایا اے ابو بکر و عمر مجھے خدا کا حکم ہوا ہے کہ تم دونوں میں مواخاۃ کر دوں۔ تم دنیا میں بھی ایک دوسرے کے بھائی ہو اور آخرت میں بھی۔ تو ایک شخص دوسرے کو سلام کرے اور اس سے مصافحہ کرے۔ اس پر حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کا ہاتھ پکڑ لیا (ریاض نضرہ جلد ۱ صـ۱۵) علامہ علی متقی و محب طبری وغیرہ نے لکھا ہے لما اخی النبی بین اصحابہ قال علی لقد ذھب روحی و انقطع ظھری حین رأیتک فعلت باصحابک ما فعلت غیری۔ جب آنحضرتؐ اپنے اصحاب کے درمیان مواخاۃ کر چکے تو حضرت علیؑ نے کہا یا حضرت میری روح نکل گئی اور میری کمر ٹوٹ گئی کہ دیکھا حضور نے اصحاب کو اس طرح ملایا اور مجھے نہیں۔ اس پر آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا والذی بعثنی بالحق ما اخرتک الا لنفسی و انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ غیر انہ لا نبی بعدی و انت اخی و وارثی۔ قال و ما ارث منک یا نبی اللہ؟ قال ما ورثت الانبیاء من قبلی۔ قال و ما ورثتہ الانبیاء من قبلک؟ قال کتاب ربھم و سنۃ نبیھم و انت معی فی قصری فی الجنۃ مع فاطمۃ ابنتی۔ ثم تلا رسول اللہ اخوان علی سرر متقابلین المتحابون فی اللہ ینظر بعضھم الی بعض۔ اُس خدا کی قسم جس نے مجھے رسول برحق بنایا میں نے تم کو نہیں چھوڑا مگر اسلئے کہ اپنا بھائی بناؤں اور تم کو مجھ سے وہی درجہ ہے جو جناب ہارون کو حضرت موسیٰؑ سے تھا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ تم میرے بھائی ہو اور تم ہی میرے وارث بھی ہوگے۔ حضرت علیؑ نے پوچھا آپ کی کس چیز کا وارث ہوں گا؟ فرمایا جن چیزوں کے وارث میرے قبل انبیاء ہوتے رہے ہیں۔ حضرت علیؑ نے پوچھا آپکے قبل انبیاء کس چیز کے وارث ہوتے تھے؟ فرمایا اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کے اور تم میرے ساتھ میرے ہی قصر میں بہشت میں رہو گے۔ میری بیٹی فاطمہ بھی اوسی قصر

میں رہیں گی۔ پھر حضرت نے یہ آیت پڑھی کہ یہ لوگ ایسے بھائی ہیں جو بہشت میں مقابل کے تختوں پر رہیں گے۔ اللہ کی راہ میں ایک دوسرے سے دوستی کرینگے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہیں گے (ریاض نضرہ جلد ۱ صفحہ ۱۵ و کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۳۹) ۔ یہ بھی حضرت نے فرمایا قسم فما صلحت ان تکون ابا تراب اغضبت علی حین واخیت بین المهاجرین والانصار ولم اواخ بینک وبین احد منهم اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسی الا انه لیس بعدی نبی۔ الا من احبک حف بالامن والایمان ومن ابغضک اماته الله میتة الجاهلیة ۔ اٹھو کیا یہ فضیلت کم ہے کہ تم ابو تراب ہو۔ اے علی میں نے مہاجرین و انصار میں مواخاۃ کی اور تمہاری مواخاۃ کسی سے نہیں کی تو تم رنجیدہ ہوگئے کیا تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم کو مجھ سے وہی مرتبہ حاصل ہے جو جناب ہارون کو حضرت موسیٰ سے تھا سوا اسکے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اے علی سن لو جو شخص تم کو دوست رکھے گا وہ امن و ایمان سے بھر دیا جائیگا اور جو تم کو دوست نہیں رکھے گا اسکو اللہ مرتے وقت کافر اوٹھائیگا (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۵۲) ۔ اور علامہ ابوالفدا وغیرہ نے لکھا ہے آخی رسول اللہ فاتخذ رسول اللہ علی ابن ابی طالب اخا وکان علی یقول علی منبر الکوفة ایام خلافته انا عبد الله واخو رسول الله وصار ابو بکر وخارجه بن زید اخوین و ابو عبیدة بن الجراح وسعد بن معاذ اخوین وعمر بن الخطاب وعتبان بن مالک اخوین ۔ حضرت رسول خدا نے لوگوں میں مواخاۃ کی۔ خود آنحضرت صلعم نے حضرت علیؑ کو اپنا بھائی بنایا اسی وجہ سے حضرت اپنی خلافت کے زمانہ میں منبر کوفہ پر فرمایا کرتے میں اللہ کا بندہ اور رسول کا بھائی ہوں اور حضرت ابو بکر و خارجہ بن زید اور ابو عبیدہ و سعد بن معاذ اور حضرت عمر و عتبان بن مالک ایک دوسرے کے بھائی بنا دیئے گئے۔ (تاریخ ابوالفداء جلد ۱ صفحہ ۱۲۷) ۔ یہ امر قابل غور ہے کہ حضرت صلعم نے کئی بار اصحاب کے درمیان مواخاۃ کی اور تقریباً ہر مرتبہ حضرت ابو بکر و عمر میں مواخاۃ کی لیکن اپنے اور ان حضرات کے درمیان کبھی مواخاۃ کو پسند نہیں فرمایا۔ علماء نے تصریح کی ہے اخی رسول اللہ بین المهاجرین ثم اخی بین المهاجرین والانصار وقال فی کل واحدة منهما لعلی انت اخی فی الدنیا والاخرة و آخا بینه وبین نفسه حضرت رسول خدا صلعم نے مہاجرین میں

مواخاۃ کی پھر مہاجرین و انصار میں مواخاۃ کی اور ہر مرتبہ حضرت علیؑ سے فرمایا کہ دنیا
وآخرت میں میرے بھائی تم ہی ہو۔ اور حضرتؐ نے (عملی طور پر) اپنے اور حضرت علیؑ کے
درمیان مواخاۃ کر کے اس کا اعلان بھی کر دیا (ریاض نضرہ جلد ا صکا)

دوسری فصل

جناب سیّدہؑ سے شادی کی تمنّا اور اس کا نتیجہ

سنہ ۲ ہجری میں جناب سیّدہ سے شادی کی خواہش حضرت عمر نے کی مگر حضرت رسولخدا صلعم کو
اس درخواست ہی سے نہایت صدمہ و ملال ہوا مورخین و محدثین نے لکھا ہے جاء ابوبکر
الی النبیؐ فقعد بین یدیہ فقال یا رسولؐ اللہ قد علمت مناصحتی و قدمی
فی الاسلام و انی و انی۔ قال و ما ذاک قال تزوجنی فاطمۃ فسکت عنہ او قال فاعرض عنہ فرجع ابوبکر
الی عمر فقال ھلکت و اھلکت۔ قال و ما ذاک۔ قال خطبت فاطمۃ الی النبیؐ
فاعرض عنی۔ قال مکانک حتی آتی النبیؐ فاطلب مثل الذی طلبت فاتی
عمر النبیؐ فقعد بین یدیہ فقال یا رسولؐ اللہ قد علمت مناصحتی و قدمی فی
الاسلام و انی و انی۔ قال و ما ذاک۔ قال تزوجنی فاطمہ۔۔ فاعرض عنہ فرجع عمر
الی ابی بکر۔ حضرت رسولخدا کے سامنے حضرت ابوبکر آکر بیٹھ گئے اور کہا اے رسولؐ آپ
میری خیرخواہی اور اسلام میں سبقت کی حالت سے واقف ہیں اور میں ایسا۔ اور میں ویسا
حضرتؐ نے پوچھا تو پھر؟ کہا یہی کہ جناب فاطمہؑ کو مجھ سے بیاہ دیجئے۔ اس پر حضرتؐ
بالکل خاموش ہو گئے یا ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ یہ (غیظ و غضب) دیکھ کر حضرت ابوبکر
حضرت عمر کے پاس گئے اور کہنے لگے میں ہلاک ہو گیا۔ میں تباہی میں ڈال دیا گیا۔ حضرت
عمر نے پوچھا کیوں کیا ہوا؟ کہا میں نے حضرت فاطمہؑ سے شادی کا پیغام دیا تو آنحضرت صلعم نے
میری طرف سے منہ ہی پھیر لیا۔ حضرت عمر نے کہا اچھا آپ ذرہ ٹھہریئے۔ میں خود رسولؐ کے
پاس جاتا اور یہی درخواست اپنے لئے کرتا ہوں۔ غرض حضرت عمر بھی جناب رسولؐ کے
پاس پہونچے اور روبرو حضرتؐ کے بیٹھ کر کہنے لگے اے رسولخداؐ آپ میری بہی خواہی اور

اسلام میں سبقت کرنے کی حالت سے خوب واقف ہیں اور میں ایسا۔ اور میں ویسا
حضرتؐ نے پوچھا تو پھر؟ کہا فاطمہؑ کی شادی مجھ سے کردیں۔ اس پر بھی حضرتؐ (کو اتنا
غصہ اور رنج ہوکہ آپ) نے انکی طرف سے بھی منہ پھیرلیا۔ تب حضرت عمر حضرت ابوبکر
کے پاس واپس آئے (کنزالعمال جلد ۷ صفحہ ۱۱۳) علامہ ملا علی قاری نے لکھا ہے خطب
ابوبکر الی النبیؐ ابنته فاطمة فقال یا ابابکر لم ینزل القضاء۔ ثم خطبها
عمر مع عدة من قریش کلهم یقول له مثل قوله لابی بکر۔ فقیل لعلی لو خطبت
الی النبیؐ فاطمة عسی ان یزوجکها۔۔ فخطبها فقالؐ قد امرنی ربی بذلک قال
انس ثم دعانی النبیؐ بعد ایام فقال اخرج وادع لی ابابکر الصدیق وعمر
... فدعوتهم... وکان علیؑ غائبا فقال النبیؐ ... ان الله امرنی ان ازوج فاطمة
من علی فاشهدوا انی قد زوجته علی اربعمائة مثقال فضة ان رضی بذلک
علی... دخل علی علی النبیؐ فتبسم النبیؐ فی وجهه ثم قال ان الله امرنی
ان ازوجک فاطمة ان رضیت بذلک فقال قد رضیت بذلک یا رسول الله
... فقال النبیؐ جمع الله شملکما واسعد جدکما وبارک علیکما واخرج منکما
کثیرا طیبا۔ قال انس فوالله لقد اخرج منهما کثیرا طیبا۔ انس بن مالک
بیان کرتے تھے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت رسولؐ سے درخواست کی کہ یا حضرتؐ آپ جنابؑ
فاطمہ کی شادی مجھ سے کردیجئے۔ حضرتؐ نے فرمایا اے ابوبکر خدا نے مجھے اسکی اجازت
نہیں دی ہے۔ پھر حضرت عمر نے درخواست کی۔ ان کا جواب بھی حضرتؐ نے وہی دیا جو
حضرت ابوبکر سے کہا تھا۔ تب لوگوں نے حضرت علیؑ سے کہا اگر آپ خواستگاری کریں تو حضرت
ضرور منظور کرلیں گے۔ غرض حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا تو حضرتؐ نے فرمایا ہاں
خدا نے تو مجھے اس کا حکم ہی دیا ہے۔ انس کہتے تھے کہ پھر چند دنوں بعد آنحضرتؐ نے
مجھے بلایا اور فرمایا ابوبکر عمر عثمان عبدالرحمن۔ سعد۔ طلحہ۔ زبیر اور فلاں فلاں انصار کو
بلالاؤ۔ انس گئے اور سب کو بلالائے۔ اس وقت حضرت علیؑ کسی ضرورت سے کہیں گئے
ہوئے تھے۔ آپ کی غیبت ہی میں حضرت رسولؐ نے ایک خطبہ نکاح پڑھا اسمیں فرمایا اللہ نے
مجھے حکم دیا ہے کہ فاطمہؑ کی شادی علیؑ سے کردوں۔ تم سب گواہ رہنا کہ میں نے فاطمہؑ کا نکاح

علیؑ سے کردیا بشرطیکہ علیؑ اس پر راضی ہوں۔ اسکے بعد حضرت علیؑ آگئے تو آپ کو دیکھکر رسول خدا خوش ہو گئے اور فرمایا اے علیؑ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ اگر تم راضی ہو تو میں فاطمہؑ کی شادی تم سے کردوں۔ حضرت علیؑ نے عرض کی حضور! مجھے منظور ہے۔ تب آنحضرتؐ نے دعا کی کہ اللہ تم دونوں کے درمیان میل رکھے۔ تم لوگوں پر اپنی برکتیں نازل کرے اور تم دونوں سے بکثرت اور طیب وطاہر نسل پیدا کرے۔ انس کہتے تھے خدا کی قسم رسولؐ کی دعا مقبول ہوئی اور ان دونوں حضرات سے خدا نے پاکیزہ اور کثیر نسل پیدا کی (مرقاۃ شرح مشکوۃ مطبوعہ مصر جلد ۵ ص۵۷۵)

تیسری فصل

اذان کی ایجاد

مدینہ منورہ میں پہونچنے کے بعد اذان کی رائے دینا بھی آپ کا بہت شاندار کارنامہ کہا جاتا ہے۔ مولوی شبلی صاحب نے تحریر فرمایا ہے " مدینہ میں پہونچکر اس بات کا وقت آیا کہ اسلام کے فرائض اور ارکان محدود اور معین کئے جائیں کیونکہ مکہ معظمہ میں جان کی حفاظت ہی سب سے بڑا فرض تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اب تک روزہ۔ زکوۃ نماز جمعہ۔ نماز عید۔ صدقۂ فطر کوئی چیز وجود میں نہیں آئی تھی۔ نمازوں میں بھی یہ اختصار تھا کہ مغرب کے سوا باقی نمازوں میں صرف دو دو رکعتیں تھیں یہاں تک کہ نماز کے اعلان کا طریقہ بھی نہیں معین ہوا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے آں حضرتؐ نے اس کا انتظام کرنا چاہا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نماز کے اعلان کے لئے بوق اور ناقوس کا رواج تھا۔ اسلئے صحابہ نے یہی رائے دی۔ ابن ہشام نے روایۃ کی ہے کہ یہ خود آنحضرتؐ کی تجویز تھی۔ بہر حال مسئلہ زیر بحث تھا اور کوئی رائے قرار نہیں پاتی تھی کہ حضرت عمر آنکلے اور انھوں نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کے لئے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ صلعم نے اوسی وقت حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا۔ یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان نماز کا دیباچہ اور اسلام کا ایک بڑا شعار ہے۔

حضرت عمر کے لئے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہو سکتی ہے کہ یہ شعار اعظم ان ہی کی رائے کے موافق قائم ہوا" (الفاروق صـ۳۷) - مگر محدثین کے سب سے زیادہ معتبر بزرگ امام بخاری نے چند روایتیں لکھی ہیں - پہلی یہ عن انس قال ذکروا النار والناقوس فذکروا الیہود والنصاریٰ فامر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامة - جناب انس بیان کرتے تھے کہ لوگوں نے نماز کا اعلان کرنے کے لئے آگ اور ناقوس کی رائے دی - پھر یہود و نصاریٰ کا ذکر ہوا تو آنحضرتؐ نے بلال کو حکم دیا کہ اذان میں دو دو مرتبہ اور اقامت میں ایک دفعہ کہیں لہ (صحیح بخاری پ ۳ صـ۳۳۴ کتاب الاذان) - اس روایت میں حضرت عمر کا نام نہیں اور خود حضرت رسول صلعم کا ذکر ہے کہ حضور ہی نے اذان کا طریقہ مقرر کیا - دوسری وہی جسے مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے - تیسری روایت یہ ہے عن انس قال امر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامة الا الاقامة - جناب انس بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے بلال کو حکم دیا کہ اذان کے کلمے دو دو مرتبہ اور اقامت میں ایک ایک بار کہیں سوائے قد قامت الصلوٰۃ کے - چوتھی روایت یہ ہے عن انس قال لما کثر الناس قال ذکروا ان یعلموا وقت الصلوٰۃ بشئ یعرفونہ فذکروا ان یوروا نارا او یضربوا ناقوسا فامر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامة - جناب انس بیان کرتے تھے کہ جب لوگوں نے اس بات میں زیادتی کی کہ نماز کا وقت ایسی چیز سے واضح کیا جائے جس سے لوگوں کو خبر ہو جایا کرے تو کچھ لوگوں نے رائے دی کہ آگ روشن کر دی جایا کرے - کچھ نے کہا ناقوس بجایا جائے مگر حضرت رسولخدا صلعم نے بلال کو حکم دیا کہ اذان کہیں - اذان میں دو دو بار کلمے

لہ مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے لکھا ہے امر بلالا ان یشفع الاذان ویوتر الاقامة - آنحضرتؐ نے بلال کو یہ حکم دیا کہ اذان کے کلمے دو دو بار کہیں اور اقامت کے ایک ایک بار - مگر اذان میں شروع میں اللہ اکبر چار بار ہے اور اخیر میں کلمہ توحید ایک بار اور اقامت میں صرف قد قامت الصلوٰۃ دو بار کہے باقی سب کلمے ایک ایک بار" (انوار اللغة پ ۱۳ صـ۳۵)

کہیں اور اقامت میں ایک ایک بار (صحیح بخاری پ ۳ ص۳۳۶ کتاب الاذان)۔
کیا یہ انتہا درجہ کا حیرت خیز امر نہیں ہے کہ صحیح بخاری میں اذان کے متعلق چار روایتیں ہیں جن سے تین کا مضمون یہ ہے کہ خود حضرت رسولخدا صلعم نے اذان دینے کا حکم دیا۔ اور ان تینوں روایتوں میں حضرت عمر کا نام تک نہیں ہے۔ صرف ایک روایت میں آپ کا ذکر ہے۔ مگر مولوی شبلی صاحب کو حضرت عمر کے مفاخر بیان کرنے کی اتنی فکر تھی کہ جن تین روایتوں میں حضرت رسولخدا صلعم کے حکم دینے کا ذکر تھا ان سب کو نظر انداز کر دیا اور جس ایک اور صرف ایک روایت میں حضرت عمر کا بیان تھا اس کو اس زور شور سے بیان کیا کہ معلوم ہوتا ہے سیکڑوں روایتیں صرف اسی مضمون کی ہیں۔ اس امر میں مولوی صاحب نے اس قدر اہتمام کیا کہ الفاروق لکھنے کے مدت بعد سیرۃ النبیؐ لکھی اس میں بھی اس بات پر زور دیا کہ اذان حضرت عمر ہی کی ایجاد ہے۔ ممدوح کی عبارت پڑھو" نماز جماعت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ لوگ آگے پیچھے آتے اور جو جس وقت آتا نماز پڑھ لیتا۔ آنحضرتؐ کو یہ پسند نہ تھا۔ آپ نے ارادہ فرمایا کہ کچھ لوگ مقرر کر دیئے جائیں جو وقت پر لوگوں کو گھروں سے بلا لائیں۔ لیکن اسمیں زحمت تھی۔ صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا۔ لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ کسی نے کہا نماز کے وقت مسجد پر ایک علَم کھڑا کر دیا جائے۔ لوگ دیکھ دیکھ کر آتے جائیں گے۔ آپ نے یہ طریقہ ناپسند فرمایا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں اعلان نماز کے جو طریقے ہیں وہ بھی آپ کی خدمت میں عرض کئے گئے لیکن آپ نے حضرت عمر کی رائے پسند کی اور حضرت بلال کو حکم دیا کہ اذان دیں۔ اس سے ایک طرف تو نماز کی اطلاع عام ہو جاتی تھی۔ دوسری طرف دن میں پانچ دفعہ دعوت اسلام کا اعلان ہو جاتا تھا۔ صحاح ستہ کی بعض کتابوں میں ہے کہ اذان کی تجویز عبداللہ بن زید نے پیش کی تھی جو انھوں نے خواب میں دیکھی تھی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر کو بھی خواب میں توارد ہوا لیکن صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں کسی روایت کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ بخاری میں صاف تصریح ہے کہ آنحضرتؐ کے سامنے بوق اور ناقوس کی تجویزیں پیش کی گئیں لیکن حضرت عمر نے اذان کی تجویز پیش کی اور

آپ نے اس کے موافق حضرت بلال کو بلا کر اذان کا حکم دیا۔ خواب کا ذکر نہیں" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۲)۔ اگر مولوی صاحب زندہ ہوتے تو ان سے سوال کیا جاتا کہ اسی صحیح بخاری میں اگر ایک جگہ تین روایتیں بتائیں کہ اذان کی تجویز حضرت رسول خدا صلعم نے خود کی اور صرف ایک روایت بتائے کہ حضرت عمر نے اسکی رائے دی تو اجماع کس طرف سمجھا جائے گا اور کس قول کو اختیار کرنا مناسب ہے۔ اسکے ساتھ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت عمر کی رائے دینے کی روایت صرف آپ کے فرزند ذی شان عبد اللہ کی ہے کسی اور صحابی نے اس کو نہیں بیان کیا (دیکھو صحیح بخاری) برخلاف اسکے حضرت رسول خدا صلعم کے اپنی تجویز سے بلال کو حکم دینے کی روایت جناب انس سے ہے جو حضرت رسول خدا صلعم کے بیٹے نہیں تھے اور جن کو کوئی وجہ نہیں تھی کہ حضرت عمر کی فضیلت کو چھپائیں۔ اب ہر شخص خود فیصلہ کرلے کہ اذان کی ایجاد واقعاً حضرت عمر کی رائے سے ہوئی یا حضرت رسول خدا صلعم کی تجویز سے۔ اگر اب بھی دقت ہو تو اسی صحیح بخاری کی شرح سے اس مشکل کو آسان کرو۔ اول من اذن بالصلوۃ جبریل فی سماء الدنیا۔ سب سے پہلے نماز کی اذان دنیا کے آسمان میں جناب جبریلؑ نے دی۔ عن طریق سالم بن عبد اللہ بن عمر عن ابیہ قال لما اسری بالنبیؐ اوحی اللہ الیہ الاذان فنزل بہ فعلمہ بلالا۔ حضرت عمر کے بیٹے عبد اللہ کے فرزند سالم کے طریق سے یہ روایت ہے کہ جب حضرت رسول خدا صلعم کو معراج ہوئی تو خدا ہی نے حضرتؐ کو وحی کے ذریعہ سے اذان کا طریقہ بتایا۔ حضرتؐ یہ حکم لے کر معراج سے واپس تشریف لائے تو بلال کو اذان سکھائی۔ من حدیث انس ان جبریل امر النبیؐ بالاذان حین فرضت الصلوۃ۔ جناب انس کی حدیث میں ہے کہ جناب جبریلؑ نے حضرت رسول خدا صلعم کو اذان کا حکم دیا جب نماز فرض ہوئی۔ من حدیث علی قال لما اراد اللہ ان یعلم رسولہ الاذان اتاہ جبریل بدابۃ یقال لہا البراق فرکبہا فذکر الحدیث۔ حضرت علیؑ کی حدیث میں ہے کہ جب خدا نے ارادہ کیا کہ اپنے رسولؐ کو اذان کی تعلیم کرے تو حضرتؐ کے پاس جبریلؑ براق لائے۔ حضرتؐ اس پر سوار ہو کر معراج میں تشریف لے گئے اور وہاں خدا نے آپ کو اذان کی تعلیم دی (صحیح بخاری مع

شرح فتح الباری مطبوعہ دہلی پ ۳ ثلث ۳ کتاب الاذان)۔ اور علامہ احمد بن خطیب قسطلانی نے اپنی کتاب مواہب لدنیہ میں اسکی تحقیقات بڑی فراخ حوصلگی سے کی ہے اس وجہ سے اس عبارت کا ترجمہ بھی درج کردینا مناسب ہے لکھتے ہیں " ابتداء اذان کے بارے میں علماء نے بہت کچھ اختلاف کیا ہے۔ بعضوں کا یہ قول ہے کہ ہجرت کے پہلے سال میں اذان کا حکم جاری ہوا تھا۔ اور بعض اسکے مدعی ہیں کہ ۲ھ ہجری میں اسکی ابتدا ہے۔ بعض کا یہ قول ہے کہ چونکہ اوقات نماز معین تھے اس لئے نماز پڑھنے والے اپنے وقت پر خود ہی بغیر کسی طرح بلائے پہونچ جاتے تھے مگر ابن سعد یہ روایت کرتے ہیں کہ جناب بلال الصلوٰۃ جامعۃ کی صدا بلند کرتے کہ یہی اوس وقت کی اذان تھی۔ جناب رسولخدا صلعم نے ۲ھ ہجری میں اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ نماز میں لوگوں کے یکجا کرنے کے لئے کون سی تدبیر اختیار کی جائے۔ اتنی تین تجویزیں پیش ہوئیں (۱) مثل نصارے ناقوس پھونکی جائے (۲) یہود کی طرح بوق بنائے جائیں (۳) ہر نماز کے لئے آگ روشن کی جائے جس کو دیکھکر مجمع فراہم ہوجایا کرے۔ مگر ابھی تک کوئی راے نہیں قائم ہوئی تھی کہ عبد اللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبد ربہ نے جو صحابی تھے خواب میں دیکھا کہ کسی نے یہ طریقہ اذان کا تعلیم کیا اور اوسی نے خدمت رسولؐ میں آکر عرض کیا۔ امام احمد بن حنبل نے معاذ بن جبل سے روایت کی ہے کہ خواب دیکھنے والے معاذ بن جبل ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا اور اگر کہوں کہ وہ خواب نہیں تھا تو صحیح ہوگا کہ ایک شخص جس پر دو سبز کپڑے پڑے ہیں قبلہ رُخ ہوا اور کھڑے ہوکر اوس نے دو دو مرتبہ اللہ اکبر کہا جس طرح اذان کہی جاتی ہے۔ اس پر حضرتؐ نے فرمایا کہ یہ خواب سچ ہے۔ جاؤ بلال کو تعلیم کرو کہ اذان کہیں کیونکہ ان کی آواز تم سے زیادہ پاٹ دار ہے۔ معاذ بن جبل کہتے تھے کہ میں بلال کو اذان سکھارہا تھا اور وہ بہ آواز بلند کہتے جاتے تھے کہ حضرت عمر نے اس کو اپنے گھر میں سُن لیا۔ وہ وہاں سے ردا کھینچتے ہوئے نکلے اور قسم کھاکر کہتے تھے کہ ہم نے بھی یہی خواب دیکھا ہے۔ امام طبرانی نے اوسط میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکر نے بھی بیان کیا کہ میں نے یہی خواب دیکھا ہے اور امام غزالی وسیط

میں لکھتے ہیں کہ دس آدمیوں سے زیادہ لوگوں نے اس کا ادعا کیا اور عبارۃ جیلی شرح تنبیہ میں یہ ہے کہ چودہ آدمی اسکے مدعی ہوئے تھے مگر ابن صلاح و امام نووی منکر ہیں ۔ اور سیرۃ مغلطائی میں ہے کہ انصار سے سات آدمیوں نے اس کا دعوےٰ کیا ۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق سے صرف عبداللہ بن زید کی روایت ثابت ہے اور قصۂ حضرت عمر بعض طرق میں آیا ہے ۔ علامہ سہیلی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسمیں کون سی مصلحت تھی جو اذان کی صورت بعض مسلمانوں کو دکھائی گئی اور بطور وحی یہ حکم نہ آیا جیسا دوسرے شرعی احکام میں وحی نازل ہوا کرتی تھی ۔ پھر اس میں کیا مصلحت تھی کہ حضرتؐ نے اس خواب کو رویاے حق قرار دیا اور اوسی پر اذان کی بنا ہوئی ۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اذان کا اجراء بذریعہ وحی ہوا یا اور کسی طرح ۔ پھر اس کا خود ہی جواب دیا کہ حضرتؐ نے شب معراج اذان کی ابتداء اس طرح پر ملاحظہ فرمائی تھی کہ حضرت علی مرتضیٰ سے روایت ہے کہ جب براق پر سوار ہو کر حضرت تشریف لے گئے اور قریب حجاب پہونچے تو ایک فرشتہ حجاب قدرت سے نکلا ۔ اس نے پوچھا اے جبریل یہ کون شخص ہے ؟ جناب جبرئیل نے بقسم بیان کیا کہ ہم نے اوس فرشتہ کو کبھی نہیں دیکھا تھا ۔ اوسی فرشتہ نے حضرت رسولؐ کو دیکھکر کہا ۔ اللہ اکبر ۔ اللہ اکبر ۔ تب حجاب قدرت سے آواز آئی سچ کہا میرے بندہ نے ۔ میں اکبر ہوں ۔ میں اکبر ہوں ۔ اور بقیہ اذان بھی اسی طرح سُنائی دی ۔ علامہ سہیلی کہتے ہیں ۔ یہ اقوےٰ ہے وحی سے ۔ اور جب حکم اذان میں مدینہ پہونچنے تک تاخیر ہوئی اور یہ منظور ہوا کہ لوگوں کو اوقات نماز سے اطلاع دے دی جایا کرے تو وحی اوس وقت تک رُک گئی کہ عبداللہ نے وہ خواب دیکھا یہ خواب اسکے موافق ہوا جس کو حضرت رسولخداصلعم دیکھ چکے تھے ۔ اسی سبب سے آپ نے فرمایا انشاء اللہ یہ رویاے صادقہ ہے اور اوسی وقت معلوم ہوا کہ خدا نے آسمان پر جو کچھ دکھایا تھا اوس سے یہی منظور تھا کہ زمین میں بھی یہ سنت جاری ہو ۔ مگر فتح الباری میں یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حکم اذان کا اثبات عبداللہ بن زید کے خواب سے درست نہیں ہو سکتا کیونکہ پیغمبروں کے خواب کے سوائے اور کسی شخص کے خواب سے حکم شرعی ثابت نہیں ہو سکتا ۔ مگر اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس خواب کے ساتھ وحی بھی نازل

ہوئی - چنانچہ ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے جب اذان کو خواب میں دیکھا تو آکر حضرت صلعم کو خبر دینی چاہی مگر یہاں آکر انھیں معلوم ہوا کہ وحی اس کے قبل ہی آچکی ہے کیونکہ آپ نے بلال کو اذان کہتے سُنا اور حضرتؐ نے فرما بھی دیا کہ تمہارے خواب کے پہلے ہی مجھ پر اس کی وحی نازل ہو چکی ہے - یہی زیادہ صحیح ہے اوس سے جو داؤدی نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر کے خواب سے آٹھ روز پہلے جناب جبرئیل وحی کا حکم اس اذان کے بارے میں آنحضرتؐ پر لا چکے تھے - عبداللہ بن زید کا خواب بروایت ابن اسحاق یوں ہے کہ انھوں نے دیکھا کوئی شخص ناقوس لئے جاتا ہے - اونھوں نے پوچھا کیا اس کو بیچو گے ؟ اوس نے جواب دیا تم ناقوس کیا کرو گے ؟ عبداللہ نے کہا لوگوں کو نماز کے لئے بلائیں گے - اوس شخص نے جواب دیا میں اس سے بہتر چیز تم لوگوں کو بتاتا ہوں کہ نماز کے وقت اللہ اکبر اللہ اکبر کہا کرو آخر جملہ اقامت تک - اس کو ابو داؤد نے باسناد صحیح روایت کیا ہے - مسند حارث میں ہے کہ آسمان دنیا میں اول اذان دینے والے جبرئیل ہیں جس کو حضرت عمر اور بلال نے سُنا - جب بلال نے جا کر اسکی خبر دی تو حضرتؐ نے فرمایا تم سے پہلے عمر خبر دے گئے ہیں - اور بہت سی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اذان کی ابتدا مکہ ہی میں ہو چکی تھی کہ حضرت صلعم نے معراج میں دیکھا اور بلال کو اسکی تعلیم فرمائی - اور دار قطنی کی یہ روایت ہے کہ جبرئیل نے اس کا حکم دیا تھا جس وقت نماز کی تعلیم کی تھی (مواہب لدنیہ جلد ۱ صـ۲۷۵ مطبوعہ مصر) - ایک قوی دلیل اس امر کی کہ اذان کی ایجاد میں حضرت عمر کی راے وغیرہ کو کوئی دخل نہیں ہوا یہ بھی ہے کہ مورخین نے حضرت عمر کی اولیات میں (اُن باتوں میں جن کے وہی بانی ہوئے) اور امور کو لکھا مگر اذان کی راے و مشورہ کو نہیں ذکر کیا - مثلاً علامہ سیوطی نے حضرت عمر کے فضائل میں بکثرت چیزیں بھر دی ہیں اور آپ کے اولیات میں بہت سی باتیں لکھیں یہاں تک کہ پہلے پہل متعہ حرام کرنے کا فخر بھی تحریر کر دیا - تراویح کو بھی ذکر کیا - امیر المومنین کا نام اول دفعہ اختیار کرنے کو بھی لکھا لیکن اذان کے متعلق ایک حرف بھی تحریر نہیں کیا (دیکھو تاریخ الخلفاء صـ۹۳ فصل فی اولیات عمر) حالانکہ حضرت عمر کے حالات کتاب تاریخ الخلفاء

میں خاص اہتمام سے جمع کئے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ سیوطی وغیرہ نے بھی اس روایت کو کہ حضرت عمر کی راے سے اذان کی ایجاد کی گئی بالکل غلط اور نا قابل التفات سمجھا اسی وجہ سے اس غلط روایت کو اپنی کتاب میں درج کرنا تک پسند نہیں کیا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی بہت بڑے مصنف گزرے ہیں۔ انھوں نے صحابہ کے حالات میں سب سے زیادہ جامع کتاب اصابہ لکھی ہے۔ اس میں حضرت عمر کے حالات بھی لکھے ہیں۔ مگر اذان کے متعلق کوئی جملہ نہیں لکھا۔ اگر حضرت عمر کا تعلق اس سے ہلکا درجہ کا بھی ہوتا تو ممدوح آپ کی اس عظیم الشان فضیلت سے کیوں چشم پوشی کرتے۔ اسی طرح دوسرے علماء فن تاریخ وسیرۃ ورجال وغیرہ نے بھی اس سے سکوت ہی کیا ہے۔

چوتھی فصل

غزوات وسرایا میں حضرت عمر کی خدمات

مدینہ منورہ میں حضرت رسولخداؐ کو دشمنوں اور مخالفین اسلام سے بار بار جہاد کرنا پڑے ان میں حضرت عمر نے کیا خدمات انجام دیں۔ ذیل کے بیان سے واضح ہوگا۔

غزوۂ ابواء مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک جگہ کا نام ابواء ہے وہاں ماہ صفر ۲ھ میں سب سے پہلا غزوہ ہوا۔ مورخین نے اس میں حضرت عمر کا کوئی کام ذکر نہیں کیا۔ آنحضرتؐ کے چچا جناب حمزہ اس کے علم بردار تھے (تاریخ کامل جلد ۲ ص ۱۱۱ و طبری جلد ۲ ص ۲۶۰ وغیرہ)

سریہ رابغ رابغ ابواء کے قریب ہے۔ مکہ سے کچھ کفار قریش مسلح ہو کر آئے تھے انکے مقابلہ میں ۶۰ مہاجرین بھیجے گئے۔ ان کے سردار عبیدہ بن الحارث بن المطلب تھے۔ اس میں بھی حضرت عمر کا کوئی کام نہیں معلوم ہوتا (طبری جلد ۲ ص ۲۶۰ وغیرہ)

سریہ سیف البحر مدینہ میں خبر آئی کہ شام سے کچھ قریش مکہ جا رہے ہیں۔ حضرت حمزہ کے ماتحت ۳۰ مہاجرین مقابلہ پر بھیجے گئے مگر لڑائی نہیں ہوئی۔ اس میں بھی حضرت عمر کے متعلق سکوت ہے۔

سریہ خرار ایک کاروان کی خبر لینے کے لئے سعد بن ابی وقاص کے ماتحت ۲۰ مہاجرین

سوانح عمری خلیفہ دوم پر علم دوست حضرات کی قابل قدر رائیں

الحمد للہ کہ بفضل او سی کے فضل و کرم سے سوانح عمری خلیفہ دوم بھی اس درجہ پسند کی جا رہی ہے کہ بکثرت اعیان ملت وعلماء اعلام نے اسکی مدح وثنا بہت شاندار الفاظ میں کی جس پر خدا ے تبارک و تعالےٰ کے کرم و احسان کا شکریہ کسی طرح ادا نہیں ہو سکتا۔ صرف چند رائیں بطور نمونہ نقل کی جاتی ہیں (۱) جناب مرزا اکبر علی بیگ صاحب انسپکٹر پولیس پنشنر دام مجدہٗ نے کانپور سے تحریر فرمایا "جناب قبلہ دام برکاتکم تسلیم۔ خداوند کریم آپ کو بتصدق بیمار کربلا ہمیشہ صحت یاب رکھے اور عمر صد وسی سال کو پہونچائے۔ پرچہ اصلاح نے وہ کام زمانہ میں کیا کہ سب اپنے مذہب اور اوسکی حقیت اور دشمنان دین کے حالات سے واقف ہو گئے۔ خدا کرے اصلاح ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے۔ سوانح عمری اول وتاریخ ائمہ دونوں کتابیں لاجواب اور بے مثال رہیں۔ محرم کے پرچہ میں سوانح عمری ثانی اور اوسی کے ساتھ ایک کتاب جوہر قرآن شروع ہوئی ہے۔ موخر الذکر کتاب دیکھکر حیرت ہوگئی۔ بڑی ضروری و نادر کتاب ہوگی۔ سوانح عمری ثانی کے تو شروع ہی ورق میں آپ نے الفاروق کی حقیقت کھول کر رکھ دی اور اوس کو ردی کر دیا۔ خداوند کریم دونوں کتابوں کو اتمام کو پہونچادے اور یہ پرچہ اصلاح زر کثیر نثار کرنے کے قابل اور آپ کا منہ جواہرات سے بھر دینے کے لائق ہے" (۲) جناب میر علی اکبر صاحب موسوی دام مجدہٗ نے کٹک صوبہ اڑیسہ سے تحریر فرمایا "جناب مولانا عماد الملت والدین ادام اللہ فیوضکم تسلیم۔ میں سچ کہتا ہوں آپ نے قوم پر وہ احسان عظیم کئے اور کر رہے ہیں کہ جس سے وہ سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ ابھی حال کی بات ہے تصویر عزا جیسی ایک باب کتاب لکھی جسکی نظیر محال ہے۔ حضرت ابوبکر کی سوانح عمری لکھکر ایسے ایسے راز کا انکشاف کیا جو ہم نے دیکھنا تو کجا سنا تک نہیں۔ تاریخ ائمہ لکھکر مومنین و مومنات پر احسان عظیم کیا آپ کی جتنی تعریف و توصیف کی جائے کم ہے۔ سال رواں میں حضرت عمر کی سوانح اور جوہر قرآن شروع کی ہے۔ ہر دو کتاب ہدایت مآب گزشتہ سے بڑھ چڑھکر رہیں گی۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ خداوند عالم بطفیل آل عبا آپ کی صحت تادیر برقرار رکھے آمین" (۳) جناب مولانا حکیم سید محمد صادق صاحب لکھنوی مولوی فاضل وصدر الافاضل

دام مجدہ نے حیدرآباد دکن سے تحریر فرمایا "سوانح عمری خلیفہ دوم اور جوہر قرآن نہایت عمدہ اور دلچسپ طریقہ سے آپ نے تحریر فرمایا ہے مجھ کو تو بے حد پسند ہے۔ خصوصاً سوانح عمری محض سوانح عمری نہیں ہے بلکہ مولوی شبلی صاحب نے الفاروق میں اپنی عقیدت مندی سے جہاں پردہ پوشی کی اور حقیقت حال کو گول مول کیا ہے اسکی رد اور حقیقت کا اظہار بھی ہے۔ امید ہے کہ یہ سوانح عمری خلیفہ اول سے بہتر و مفید ثابت ہوگی" (۴) جناب ڈاکٹر سید منظر عباس صاحب سیفی دام مجدہ نے بلاسپور سے تحریر فرمایا "میں سوانح عمری خلیفہ اول اور تاریخ ائمہ کے متعلق کسی عریضہ میں اپنی رائے کا اظہار کر چکا ہوں - اگرچہ میں کیا اور میری رائے کیا - لیکن چونکہ اظہار حق ازبس ضروری ہے اسلئے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جوہر قرآن انشاء اللہ المستعان تحفہ اثنا عشریہ کا بہترین جواب ہوگی اور مومنین کی دیرینہ آرزو برآئیگی۔ کیا خوب ابتدا کی ہے - سبحان اللہ وجزاکم اللہ - سوانح عمری خلیفہ دوم کے ابتدائی اوراق ہنوز شائع ہو رہے ہیں مگر بتا رہے ہیں کہ ہونے والی کتاب کس درجہ مدلل ہوگی - الحق کہ تحقیق آپ کا حق ہے - خداوند عالم آپ کو صد و سی سال قائم رکھے اور مومنین کو آپ کی تصانیف سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع دے - آمین ثم آمین" (۵) جناب مولوی سید ظہیر الدین حیدر صاحب ظہیر شادانی دام مجدہ نے جگراؤں سے تحریر فرمایا "جناب مولانا دامت مفاخرکم السامیہ و زادت مآثرکم النامیہ تسلیم آپ نے جو اصلاح میں سوانح نگاری کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے بے حد کامیاب ہوا ہے - واقعی آپ کی یہ مساعی جمیلہ لائق صد ستائش ہیں - سوانح عمری خلیفہ اول ہی کیا کم تھی - سوانح عمری خلیفہ ثانی نے تو جہان اغیار میں ہلچل ڈال دی - اغیار اب ہماری طرف کھنچے چلے آتے ہیں - یہ دونوں آپ کے بہترین شاہکار ہیں" (۶) جناب سید فقیر حسین صاحب ریڈر دام مجدہ نے چکیا سے تحریر فرمایا "جناب قبلہ و کعبہ مدظلکم العالی ... خداوند عالم جناب کو بتصدق ائمہ معصومین علیہم السلام بخیر و عافیت رکھے اور عمر خضری عطا فرمائے - یوں تو پرچہ اصلاح جب سے جاری ہوا ہے اپنی آپ نظیر ہے لیکن جب سے جناب کے زیر اہتمام اسکی اشاعت شروع ہوئی ہے ماشاء اللہ انمیں اور چاند لگ گئے ہیں - علمی خزانہ سے وہ وہ جواہرات انمول جناب نے پیش کئے ہیں جسکے لئے قوم جس قدر شکریہ ادا کرے کم ہے - سنہ گزشتہ تک جو کتابیں طبع ہوئی ہیں مقبول عام ہو چکی ہیں - سنہ رواں میں کتاب حضرت عمر و جوہر قرآن جیسی نایاب کتاب جس عنوان سے شایع

ہو رہی ہے تعریف سے زبان قاصر ہے۔ کتاب کیا ہے انصاف و حق پسند کے لئے مشعل
ہدایت ہے۔ خداوندعالم جناب کی توفیق میں روز افزوں ترقی اور قلم میں زور حیدری
عطا فرمائے اور وجوہ توقف اشاعت سے دائمی نجات بخشے۔ آمین (۷) جناب مولوی سید
رضا حیدر صاحب زیدی ہیڈ مولوی دام مجدہٗ نے ضلع فیروز پور سے تحریر فرمایا "حامی ملت جعفریہ
زادعنایتکم سلام علیکم۔ حقیقت میں جناب نے وہ کام کیا ہے جو شاید علماء کی ایک جماعت برسوں
کی محنت کے بعد بھی نہ کرسکتی جزاکم اللہ خیرالجزاء" (۸) جناب سید حسن علی شاہ صاحب مشہدی
دام مجدہ نے فیروز پور سے تحریر فرمایا "خلیفہ صاحب کی سوانح عمری کا شائع شدہ حصہ قبول
ایمان و جدا آفرین ہے جزاک اللہ" (۹) جناب حاجی پرنس سید محمد عباس صاحب صفوی رئیس
دام مجدہٗ نے شمس آباد سے تحریر فرمایا "ملطام المتکلمین قمقام المناظرین دام مجدکم العالی۔ اس
حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ فن مناظرہ میں جو دست گاہ کامل آپ کو حاصل ہے وہ کسی
اور کو میسر نہیں۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ حضرت عمر کی سوانح عمری میں آپ نے
علم رجال کی رو سے اُن کے مزعومہ فضائل کو جس طرح بے نقاب کیا ہے وہ لائق صد ستایش
ہے . . . کیا خوب ہوتا اگر جناب سامی اس نقد رواۃ کے سلسلہ کو جاری رکھتے اور سوانح
حضرت ابوبکر کی طبع ثانی اور سوانح حضرت ثالث کی ابتداء میں ان حضرات کے فضائل کا
نقد فرماکر یہ ثابت فرما دیتے کہ حضرات اصحاب ثلثہ کے فضائل خود علم رجال حضرات اہلسنت
کی رو سے موضوع ہیں" (۱۰) جناب ماسٹر کریم بخش صاحب حیدری مظفر ہیڈ ماسٹر دام مجدہ نے
ضلع میانوالی سے تحریر فرمایا "فخر ملت عالی جناب عمدۃ العلماء حضرت مولانا السید علی حیدر صاحب
قبلہ دامت برکاتکم۔ سلام مسنون۔ جناب کی گراں قدر تصنیف سوانح عمری حضرت ابوبکر
ہی کیا کم تھی مگر اب تو آپ نے حضرت عمر کی پُر اسرار اور حیرت انگیز سوانح حیات لکھکر ہیبت زدہ
عالم کو انگشت بدنداں کر دیا۔ ہوا خواہان ثلاثہ کے گھروں میں ماتم کی صفیں بچھ گئیں۔
مولانا شبلی نعمانی نے جن کتابوں سے ممدوح کی ہستی بے نظیر اور عظیم الشان ثابت کرنیکی
کوشش کی تھی اب اونہیں سے اونکے ممدوح کی قلعی کھل رہی ہے۔ اے کاش آج مولانا
شبلی صاحب بقید حیات ہوتے تو اپنی مایۂ ناز کتاب الفاروق کا مسکت جواب پاکر اور
اپنے قصر امید کی دیواروں میں شگاف دیکھکر ایک بسیط و عریض نوحہ تصنیف فرماتے۔ حضرت

ممدوح کو جنرل اسلام اور ایک مدبر سیاسیات بیان کیا جاتا ہے مگر آں جناب نے جس خوش اسلوبی
سے اصل واقعات کی نقاب کشائی کی ہے وہ یقیناً مستحسن اور تعجب خیز ہیں۔ حقیقت میں اسلام
کی سچی خدمت کا یہ بہترین طریق ہے۔ آپ کے علمی کارنامے کسی تعریف کے محتاج نہیں ہیں۔
خداوند عالم آپ کو بحق محمدؐ و آل محمدؐ تادیر زندہ و سلامت رکھے۔ آمین" (۱۱) جناب ماسٹر سید انور علی
صاحب دام مجدہ نے سکندر آباد دکن سے تحریر فرمایا "جناب مولانا و مقتدانا و حامی دین مبین دام اقبالہ
سلام علیکم۔ خدا آپ کا سایہ ہم شیعوں پر قائم رکھے۔ اس سال جوہر قرآن اور سوانح حضرت عمرؓ
چل رہی ہیں انکی مدح میں میری زبان و قلم قاصر ہے۔ جناب کے طرز بیان کی تعریف ناممکن
ہے" (۱۲) جناب سید حسین صاحب ٹیلیگراف ماسٹر دام مجدہ نے نئی دہلی سے تحریر فرمایا "سوانح
عمری حضرت ثانی اور جوہر قرآن بردو لاجواب کتب آں جناب کے قلم سے وجود میں آرہی
ہیں۔ دعا ہے خداوند عالم آں جناب کو ان کی تکمیل کی توفیق رفیق کرے اور نشر علوم حقہ میں
آں جناب کو صد وسی سال زندہ و سلامت و باکرامت رکھے۔ بقول غالب مرحوم ؎

تم سلامت رہو ہزار برس ٭ ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار"

(۱۲) جناب منشی دین محمد صاحب ہیڈ دام مجدہٗ نے ضلع گرداسپور سے تحریر فرمایا "چشم بد دور رسالہ
کیا ہے مخالفین کی رگ و ریشہ کو کاٹ رہا ہے۔ اللہ اس رسالہ کو ابد الآباد تک رکھے اور
اسکے مدیر صاحب قبلہ کو عمر نوح عطا فرمائے۔ رسالہ کے مضامین علمی خزانہ ہیں اور معلومات
میں اضافہ کرنے کے خزانے ہیں ... جوہر قرآن اور سوانح عمری جو چھپنی شروع ہوئی ہے
اس سے علمی خزانہ میں گوناگوں اضافہ ہے" (۱۳) جناب سید احمد حسن صاحب دام مجدہٗ نے گکروی
سے تحریر فرمایا "حضور نے ہم لوگوں کا ایمان تازہ کر دیا۔ پروردگار آپ کو عمر نوح عطا فرمائے
تاکہ اس غریب قوم کے سر پر آپ کا سایہ رہے۔ آپ نے جوہر قرآن و سوانح عمری دوم
صاحب ایسی عجیب و غریب لکھی ہے کہ جواب نہیں ہو سکتا" (۱۴) جناب میاں عمر علی صاحب
رئیس اعظم دام مجدہ نے ضلع مظفر گڑھ سے تحریر فرمایا "سیدی و مولائی۔ جناب کے زور قلم
سے جو کتاب عالم شہود میں آتی ہے دیکھنے والا فوراً ہی کہہ دیتا ہے کہ مولانا اس جیسی دوسری کتاب
تصنیف نہ فرما سکیں گے۔ اسے حیران ہونا پڑتا ہے جب جناب کی دوسری تصنیف ہاتھ میں
پہونچتی ہے۔ بعد مطالعہ یہی کہنا پڑتا ہے کہ خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔ حضرت عمر کی سوانح عمری

بھی جس شان سے لکھی جارہی ہے یقیناً بطلان کے تار و پود کی نقاب جناب ہیرو کے رخ زیبا سے ہٹادیگی"

اس سوانحعمری سے مذہب شیعہ کی ترقی اس سوانح عمری سے بفضلہ تعالےٰ بکثرت برادران اہلسنت نے مذہب حق قبول کرلیا ہے مثلاً جناب مولوی سید محمد یحییٰ حسن صاحب رئیس نہیٹرا سادات ضلع بجنور دام مجدہٗ نے تحریر فرمایا ہے کہ "جوہر قرآن اور سوانح عمری خلیفہ دوم پڑھکر چار حضرات اہلسنت نے مذہب شیعہ قبول کرلیا"

ضروری مضامین کی مختصر فہرست

غلط نامہ

(پہلے ان غلطیوں کو درست کرلیجئے تب کتاب دیکھئے)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱۲	خلافت کے قبل	ہجرت	۵۵	۱۳	گمراہ اور	گمراہ کرنا اور
۵	۸	اُس	اُس	۵۷	۱۰	یقینا	لقینا
۹	۱۸	اُس خط کو لکھا	اُس کو خط لکھا	۵۸	۷	نستیذل	نستذل
۱۶	۱۴	ساعدی	سعدی	۵۹	۱۴	خون محفوظ	خون کے محفوظ
۲۸	۲	کبیرالسہ	کبیرالبتہ	۶۲	۲	ہوگیا لعی	ہوگئے یعنی
۳۷	۹	یبائرون	یبرؤن	"	۶	سوگئی الااب اگر	ہوگئی۔ اب اگر
۵۱	۱۲	اس کو	اُسے	۶۴	۳	محمدؐ نبی	محمدؐ کو نبی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۸۵	۹	لوگوں فتح	لوگوں کو فتح				
۱۰۳	۱۲	خدائے موافقت	خدا نے میری				
			موافقت	۱۸۴	۱۴	کوئی نئی	کوئی وجہ مانی
۱۰۸	۱۱	التشمس	التشتہین	۱۹۴	۱۵	تبراءعذاب	بڑا عذاب
"	۱۳	مللث	مللت				
۱۱۱	۲۳	زبد	زہد	۲۰۷	۲۱	اس وجہ	اس وجہ سے
۱۱۴	۱۲	تمہارے بھی	تمہارے لئے	۲۲۱	۵	آخر	آؤ
			بھی	۲۲۳	۳	بہت سے بہت	بہت
۱۱۷	۳	لیشہد	لیشہد	"	۱۲	اور ان کے	اور نہ ان کے
۱۲۸	۱۰	االط	الرطب			فرزند	فرزند
۱۳۶	۱۹			۲۲۸	۱۳	صعبتہ	صعبۃ
۱۵۶	۱۲	مغضبنا	مغضبا	۲۳۴	۸	وانکرعر	وانکر عمر
۱۵۷	۱۸	فارق	فاروق	۲۴۹	۴	اسکے معنے	اس جگہ سودا
۱۶۱	۱	ابو وعمر	ابوبکر وعمر	۲۴۹	۶	حضرت عمر	حضرت عمر کے والد
۱۷۰	۲	چاتی	پاتی	۲۵۱	۸	تھا، تا وہ	تھا کہ وہ
۱۷۱	۱۲	فرماد یا تھا	فرمادی تھی	۲۵۶	۲۳	۱۸۵	۱۸۵ وازالۃ الخفاء جلد ۲ صفحہ ۱۸
"	۲۳	سام	سالم	۲۵۶	۶	عمیرا	عمیر
۱۷۲	۱۱	المقدمۃ	المقدسۃ	۲۵۷	۴	فارق	فاروق

ان بعض کتابوں کی فہرست جنکے حوالے اس سوانح عمری میں زیادہ دیئے گئے ہیں

قرآن مجید۔

کتب تفسیر:- تفسیر در منثور علامہ سیوطی، تفسیر وحیدی مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی، تفسیر معالم التنزیل امام بغوی، تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی، تفسیر علامہ طبری۔

کتب حدیث :- صحیح بخاری، مشکوۃ شریف، فتح الباری، مسند امام احمد بن حنبل، فتح المغیث، کنز العمال، لئالی مصنوعہ، شرح سفر السعادۃ، سنن ترمذی، کتاب الارشاد، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد - جامع الاصول -

کتب تاریخ :- تاریخ تمدن اسلام از جرجی زیدان، جامع بیان العلم، فہرست ابن الندیم تاریخ ابو الفداء، تاریخ الخلفاء، روضۃ الصفاء، تاریخ طبری، تاریخ کامل ابن اثیر، مروج الذہب علامہ مسعودی، تاریخ ابن خلدون، روضۃ المناظر، تاریخ ائمہ، معارف ابن قتیبہ، سکسسرز آف محمدؐ -

کتب سیرۃ :- سیرۃ الفاروق، الفاروق، ازالۃ الخفاء، قرۃ العینین، ریاض نضرہ، سیرۃ النبیؐ طبقات ابن سعد، سیرۃ النعمان، نصائح کافیہ، تاریخ خمیس، امہات الامۃ، سیرۃ عائشہ، سیرۃ محمدیہ، سیرۃ حلبیہ، سوانح عمری حضرت ابو بکر -

کتب رجال :- میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب، اصابہ، تہذیب الکمال، استیعاب اسد الغابہ -

کتب انساب :- سبائک الذہب -

کتب ادب :- عقد فرید، ثمرۃ الاوراق، مستطرف -

کتب لغۃ :- انوار اللغۃ، قاموس، مجمع بحار الانوار -

کتب معارف :- شرح نہج البلاغہ از علامہ ابن ابی الحدید - کتاب مستطاب، نہج البلاغہ -

کتب جغرافیہ :- سفر نامہ روم و شام و مصر -

کتب فقہ :- فتاوے عزیزی -

ضروری اعلان جو صاحب اس سوانح عمری کا ترجمہ بھی انگریزی اور عربی زبان میں شایع کرنا چاہیں اُن کا فرض ہے کہ اسکے مصنف سے اجازت لیکر ایسا کریں اور جب ترجمہ کو پریس میں دینے لگیں تو مصنف کو اس کا مسودہ دکھانے کے بعد ایسا کریں تا کہ دیکھ لیا جائے ترجمہ اصل کے مطابق کیا گیا ہے یا ہمیں کچھ ترمیم کی ضرورت باقی رہ گئی ہے اوسکو درست کرنے کے بعد اسکی اشاعت قابل اعتراض نہیں رہیگی -

اس کتاب کے متعلق علم دوست حضرات کی رائیں

خدا کے فضل سے کتاب لاجواب "جوہر قرآن" کے متعلق بکثرت اہل علم اور علم دوست حضرات نے نہایت قیمتی رائیں ظاہر کی ہیں۔ صرف چند رائیں یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) جناب مرزا اکبر علی بیگ صاحب انسپکٹر پولیس پنشنر دام مجدہ کانپور "جناب قبلہ دام برکاتکم تسلیم۔ خداوند کریم آپ کو بتصدق بیمار کربلا ہمیشہ صحت یاب رکھے اور عمر صدوسی سال کو پہونچائے۔ پرچہ اصلاح نے وہ کام زمانہ میں کیا کہ سب اپنے مذہب اور اسکی حقیت سے واقف ہو گئے۔ خدا کرے اصلاح ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے۔ سوانح عمری اول و تاریخ ائمہ دونوں کتابیں لاجواب اور بے مثال رہیں۔ محرم کے پرچہ میں سوانح عمری ثانی اور اوسی کے ساتھ ایک کتاب جوہر قرآن شروع ہوئی ہے۔ موخر الذکر کتاب دیکھکر حیرت ہو گئی۔ بڑی ضروری و نادر کتاب ہوگی... یہ پرچہ اصلاح زر کثیر نثار کرنے کے قابل اور آپ کا منہ جواہرات سے بھر دینے کے لائق ہے" (۲) جناب میر علی اکبر صاحب موسوی دام مجدہٗ کوٹایڈ (اڑیسہ) "جناب مولانا عماد الملۃ والدین ادام اللہ فیوضکم تسلیم سچ کہتا ہوں آپ نے قوم پر وہ احسان عظیم کئے اور کر رہے ہیں جس سے وہ سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ ابھی حال کی بات ہے تصویر عزا جیسی نایاب کتاب لکھی جسکی نظیر محال ہے حضرت ابوبکر کی سوانح لکھکر ایسے ایسے راز کا انکشاف کیا جو ہم نے دیکھنا تو کجا سنا تک نہیں۔ تاریخ ائمہ لکھکر مومنین و مومنات پر احسان عظیم کیا۔ آپکی جتنی تعریف و توصیف کی جائے کم ہے۔ سال رواں میں حضرت عمر کی سوانح اور جوہر قرآن شروع کی ہے ہر دو کتاب ہدایت مآب گزشتہ سے بڑھ چڑھکر رہیں گی۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ خداوند عالم بطفیل آل عبا آپکی صحت تا دیر برقرار رکھے اور آفات گوناگوں سے محفوظ رکھے آمین" (۳) جناب مولانا حکیم سید محمد صادق صاحب لکھنوی مولوی فاضل وصدر الافاضل دام مجدہ۔ از حیدرآباد دکن "سوانح عمری خلیفہ دوم اور جوہر قرآن نہایت عمدہ اور دلچسپ طریقہ سے آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ مجھ کو تو بے حد پسند ہے" (۴) جناب سید قربان حسین شاہ صاحب موسوی دام مجدہٗ از ضلع رہتک "آپکی علالت سے سخت تشویش ہوئی ہے

نمازہائے فریضہ کے بعد بارگاہ ایزدی میں دعا کی جاتی ہے کہ وہ آپ کو بتصدق جناب
آقاے دوجہاں و آل ممدوح الشان کلی صحت بخشے کیونکہ آپ کی زندگی شیعہ قوم کے لئے
فخر ہے بلکہ شیعہ قوم آپ کی زندگی سے زندہ ہے" (۵) جناب ڈاکٹر سید منظر عباس صاحب سیفی
دام مجدہ از بلاسپور " میں سوانح عمری خلیفہ اول اور تاریخ ائمہ کے متعلق اپنی راے کا اظہار
کرچکا ہوں ... چونکہ اظہار حق ضروری ہے اس لئے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جوہر قرآن
انشاء اللہ المستعان تحفہ اثنا عشریہ کا بہترین جواب ہوگی اور مومنین کی دیرینہ آرزو
برآئیگی - کیا خوب ابتداء کی ہے - سبحان اللہ و جزاکم اللہ ... الحق کہ تحقیق آپ کا حق ہے
خداوند عالم آپ کو صدوسی سال قائم رکھے اور مومنین کو آپکی تصانیف سے بہرہ اندوز
ہونے کا موقع دے - آمین ثم آمین" (۶) جناب حاجی سید جلال الدین حیدر صاحب
ایم - اے دام مجدہ از لکھنؤ " شیعہ بی بی اور سُنی شوہر کا فسانہ جو میں نے محرم نمبر میں پڑھا
تو پھر بقیہ دو پرچوں میں بھی سب سے پہلے اسی افسانہ کو پڑھا - ماشاء اللہ خوب
لکھ رہے ہیں - اللہ کرے زور قلم اور زیادہ - خدا آپ کی صحت قائم رکھے اور آپ کو
افکار سے نجات دے" (۷) جناب مولوی سید شبیر حسن صاحب دام مجدہٗ از ضلع جونپور :-
"جوہر قرآن کا سلسلہ بہت خوب مرتب ہو رہا ہے - قابلیت جب انسان میں مکمل ہوتی
ہے تو اوسکے سامان بھی ہوجاتے ہیں - ناول کے طرز میں ایمان مکمل کیا جا رہا ہے - میری
راے میں جوہر ایمان کی ریزکاری آپ فرما رہے ہیں - خدا اس کا اجر دے گا - ہم لوگ
تعریف نہیں کرسکتے - اظہار مطالب کا عنوان بہت دلچسپ ہے - وسعت اپنا دامن پھیلائے
ہوئے ہے - ناظرین جواہر ریزے ایک جاکر کے ایمان کامل کر لیویں اور عاقبت اپنی
بنا لیویں - اور دل میں نور ایمان مکمل کرلیں" (۸) جناب چودہری فیروز الدین صاحب دام مجدہ
از ہوشیار پور " خداوند کریم آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور عمر خضر نصیب ہو - آپ کا سایہ
قوم شیعہ پر دائم و قائم رہے - آپ نے وہ تبلیغ مذہب حق اور جہاد قلم فرمایا ہے جوتا قیامت
اور کسی سے ناممکن ہے - آپ کی ہستی قوم کے لیئے مایۂ ناز ہے - بتصدق ائمہ معصومین علیہم السلام
آپ اپنے جملہ دلی مقاصد میں کامیاب ہوں" (۹) جناب سید اولاد حسین صاحب گورنمنٹ پنشنر
و پریسیڈنٹ ڈسٹرکٹ شیعہ کانفرنس گرداسپور دام مجدہٗ " جناب مولانا آپ کے لئے خدمت

دینی کی تعریف کرنا ایسا ہے جیسا کوئی شخص دن کو دن کہے۔ خداوند تبارک وتعالیٰ آپ کو
زندہ وسلامت رکھے اور آپ کے عقبیٰ کے مدارج کو اور بڑھائے اور دنیا میں عزت
وآبرو بخشے اور قلم میں زور دے" (۱۰) جناب سید نذر حسین شاہ صاحب ساکن زیارت
ضلع اٹک دام مجدہ "جو کام اس سال اصلاح میں شروع کیا ہے سوانح خلیفہ دوم کے
متعلق تو ابھی خاموش ہوں کہ ابھی ابتدائی سلسلہ ہے لیکن جوہر قرآن نے انشاءاللہ
معجزہ حضرت عیسیٰ کا کام کرنا ہے" (۱۱) جناب غلام نبی اظہر صاحب دام مجدہ از بنڈہ
اسحاق ضلع مظفر گڈھ "کتاب تاریخ ائمہ مکمل ہو چکی ہے ذرائع اشاعت مذہب حقہ
جو آپ کی طرف سے صادر ہیں کسی کے قلم نے ایسے کارنامجات نہیں شائع کئے۔ خدا
آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور زور قلم زیادہ ہو" (۱۲) جناب میاں عمر علی صاحب رئیس
دام مجدہ از بنڈہ اسحاق ضلع مظفر گڈھ "جناب کا قلم میدان تبلیغ میں اشاعت اور
ناموری حاصل کرنے میں اپنی نظیر آپ ہے کہ جوق جوق گم کردگان راہ صراط مستقیم پہ
آتے ہوئے یا علیؑ کے نعرے کستے دکھائی دیتے ہیں" (۱۳) جناب سید فقیر حسین صاحب
ریڈر دام مجدہ چکیا بنارس "جناب قبلہ وکعبہ مدظلکم العالی ... خداوند عالم جناب کو بتصدق
ائمہ معصومین علیہم السلام بخیر وعافیت رکھے اور عمر خضری عطا فرمائے۔ یوں تو پرچہ اصلاح
جب سے جاری ہوا ہے اپنی آپ نظیر ہے لیکن جب سے جناب کے زیر اہتمام اس کی اشاعت
شروع ہوئی ہے ماشاء اللہ اس میں اور چار چاند لگ گئے ہیں۔ علمی خزانہ سے وہ وہ جواہر
انمول جناب نے پیش کئے ہیں جن کے لئے قوم جس قدر شکریہ ادا کرے کم ہے۔ سنہ گزشتہ
تک جو کتابیں طبع ہوئی ہیں مقبول عام ہو چکی ہیں۔ سنہ رواں میں کتاب حضرت عمر و جوہر قرآن
جیسی نایاب کتاب جس عنوان سے شائع ہو رہی ہے تعریف سے زبان قاصر ہے۔ کتاب
کیا ہے انصاف وحق پسند کے لئے مشعل ہدایت ہے۔ خداوند عالم جناب کی توفیق میں
روز افزوں ترقی اور قلم میں زور حیدری عطا فرمائے۔ آمین" (۱۴) جناب مولوی سید
رضا حیدر صاحب ہیڈ مولوی دام مجدہ از ضلع فیروز پور "حامی ملت حقہ زاد عنایتکم۔
سلام علیکم۔ حقیقت میں جناب نے وہ کام کیا ہے جو شاید علماء کی ایک جماعت برسوں کی
محنت کے بعد بھی نہ کرسکتی جزاکم اللہ خیر الجزاء" (۱۵) جناب آغا شیر احمد خاں صاحب تحصیلدار

دام مجدہٗ از پانی پت "فی الحقیقت رسالہ اصلاح رد اعتراضات مخالفین و تبلیغ مذہب
حقہ اثنا عشریہ میں ایک لاجواب رسالہ ہے خصوصاً اس پُرآشوب زمانہ میں اس کی اشد
ضرورت ہے خدا آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے" (۱۶) جناب سید علی جان صاحب دام مجدہٗ
از کلکتہ "ماشاء اللہ آپکی تحریر کو کیا کہنا ۔ در اصل زبان کو طاقت کہاں جو تعریف کر سکے
جوہر قرآن پر جن صاحب کی نظر پڑتی ہے گویا جان آجاتی ہے ۔ بے شک جوہر ہے"
(۱۷) جناب سید امیر حیدر صاحب گلاس مرچنٹ دام مجدہ از بمبئی "مولانا و مقتدانا جناب
قبلہ و کعبہ مدظلہ ۔ بعد آداب و تسلیم گزارش ہے کہ کمترین جناب کی جملہ تالیفات و تصنیفات
مع رسالہ اصلاح و الشمس کا عرصہ دراز سے دلدادہ بلکہ عاشق ہے ... پروردگار عالم
اصلاح و الشمس کا طلوع بجائے ۳۰ یوم کے ۳۰ گھنٹے میں کردے اوراس کے سرپرست
صاحب کو جملہ فارغ البالیوں کے ساتھ عمر نوح عطا فرمائے آمین ... دل تو یہ چاہتا ہے
کہ دنیا کے تمام جن و انس خریدار اصلاح بن جائیں" (۱۸) جناب ماسٹر سید انور علی صاحب
دام مجدہٗ از سکندر آباد دکن "جناب مولانا و مقتدانا و حامی دین مبین دام اقبالہ سلام علیکم
سب سے اول خدائے تعالے کا لاکھ لاکھ شکر کہ اب جناب صحت یاب ہوگئے خدا آپکا
سایہ ہم شیعوں پر قائم رکھے ۔ دوسرے اس سال جوہر قرآن اور سوانح حضرت عمر جو
چل رہی ہیں میری زبان و قلم قاصر ہے کہ مدح کرسکوں ۔ جناب کے طرز بیان کی تعریف
ناممکن ہے ۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ" (۱۹) جناب سید حسین صاحب ٹیلیگراف ماسٹر
دام مجدہٗ از دہلی "سوانح عمری حضرت ثانی اور جوہر قرآن ہر دو لاجواب کتب آں جناب کے
قلم سے وجود میں آرہی ہیں دعا ہے خداوند عالم آں جناب کو ان کی تکمیل کی توفیق رفیق
کرے اور نشر علوم حقہ میں آں جناب کو تاصد وسی سال زندہ و سلامت و باکرامت رکھے
بقول غالب مرحوم ؎ تم سلامت رہو ہزار برس :: ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار"
(۲۰) جناب منشی دین محمد صاحب ٹیچر دام مجدہ از ضلع گرداسپور "اصلاح کے نمبر موصول ہوئے
خداوند جل شانہ انجام بخیر کرے ۔ چشم بد دور رسالہ کیا ہے مخالفین کی رگ و ریشہ کو کاٹ رہا
ہے ۔ اللہ اس رسالہ کو ابد الآباد تک رکھے اور اسکے مدیر صاحب قبلہ کو عمر نوح عطا
فرمائے ۔ رسالہ کے مضامین علمی خزانہ ہیں اور معلومات میں اضافہ کرنے کے خزانے ہیں...

جوہر قرآن اور سوانح عمری جو چھپنی شروع ہوئی ہے اس سے علمی خزانے میں گوناگوں اضافہ ہے" (۲۱) جناب سید احمد حسن صاحب دام مجدہ از مقام گگرولی "حضور نے ہم لوگوں کا ایمان تازہ کر دیا۔ پروردگار عالم آپ کو عمر نوح عطا فرمائے تاکہ اس غریب قوم کے سر پر آپ کا سایہ رہے۔ آپ نے جوہر قرآن و سوانح عمری دوم صاحب ایسی عجیب و غریب لکھی ہے کہ جواب نہیں ہو سکتا۔ پروردگار عالم آپ کو صحت کلی عنایت فرمائے تاکہ اشاعت دین جاری رہے" (۲۲) جناب میاں عمر علی صاحب رئیس اعظم دام مجدہ از بندۂ اسحاق ضلع مظفر گڈھ (دوسرا خط) "سیدی و مولائی السلام علیکم۔ جناب کے زور قلم سے جو کتاب عالم شہود میں آتی ہے دیکھنے والا فوراً ہی کہہ دیتا ہے کہ مولانا اس جیسی دوسری کتاب تصنیف نہ فرما سکیں گے۔ اسے حیران ہونا پڑتا ہے۔ جب جناب کی دوسری تصنیف ہاتھوں میں پہونچتی ہے۔ بعد مطالعہ یہی کہنا پڑتا ہے کہ خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔ جوہر قرآن واقعاً جوہر قرآن ہے۔ مخالفین کی کتابوں کے جوابجات عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد کے مصداق ہیں۔ بلا مبالغہ معلومات کے متعلق کہنا پڑتا ہے کہ دریا کوزہ میں بند ہے۔ تہذیب کا وہ عالم ہے کہ دشمن بھی آپ کی روش پر قربان ہوتے ہیں۔ بزم تحقیق کی شمع اگر کتاب کو کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ حضرت عمر کی سوانح عمری بھی جس شان سے لکھی جا رہی ہے یقیناً بطلان کے تار و پود کی نقاب جناب ہیرو کے رخ زیبا سے ہٹا دیگی"۔ (۲۳) جناب حاجی پرنس سید محمد عباس صاحب صفوی رئیس دام مجدہ از شمس آباد:۔ "طمطام المتکلمین قمقام المناظرین دام مجدکم العالی۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فن مناظرہ میں جو دستگاہ کامل آپ کو حاصل ہے وہ کسی اور کو میسر نہیں ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ... جوہر قرآن کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ عصر حاضر میں چند نام نہاد اہل قرآن کے علاوہ بھی ایک طبقہ ایسا موجود ہے جو گاہ گاہ حسبنا کتاب اللہ کی سنت فاروقیہ کو زندہ کر دینے کی سعی کرتا رہتا ہے۔ علاوہ بریں جوہر قرآن کا انداز بیان اتنا دلکش ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔ ضرورت ہے اور شدید ضرورت ہے اس امر کی کہ اس طرح کے مذہبی ناول بکثرت شائع ہوں"۔ (اسی طرح اور بھی بکثرت خطوط ہیں مگر گنجائش کم ہونے کی وجہ سے اسی پر اکتفاء کی جاتی ہے)

جوہر قرآن سے مذہب شیعہ کی ترقی خدا کے فضل سے کتاب جوہر قرآن مذہب شیعہ کی ترقی یعنی اچھی کامیابی حاصل کر رہی ہے۔ ابھی یہ مکمل بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ مومنین کا حلقہ وسیع ہونے لگا۔ مثلاً جناب مولوی سید محمد یحییٰ احسن صاحب رئیس نہیڑ سادات ضلع بجنور دام مجدہ نے تحریر فرمایا "جوہر قرآن اور سوانح عمری خلیفہ دوم کو پڑھکر چار سنی حضرات نے مذہب شیعہ قبول کر لیا"۔ فالحمد للہ۔ خدا اس خدمت کو قبول فرمائے اور اسکے ذریعہ سے ہر مسلمان کو صراط مستقیم مل جائے۔

مختصر فہرست مضامین

اس میں شک نہیں کہ یہ قرآن مجید خدا کی اس راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور جو ایماندار اچھے کام کرتے ہیں یا کریں گے ان کو یہ خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر اور ثواب ہے

(پ ۱۵ - رکوع ۱)

الحمد للہ

کہ

کتاب مستطاب بلہ آیت مآب

مسمے بہ

جوہر قرآن

جس میں اسلام کے ۷۳ فرقوں سے صرف ایک نجاۃ پانیوالے فرقہ کی تعیین کے متعلق ایک محقق سنی عالم اور ان کی ذی علم شیعہ بی بی کی بہت دلچسپ ۔ مہذب اور محققانہ بحثیں درج کرکے زیادہ تر یہ دکھانیکی کوشش کی گئی ہے کہ خود خدا کریم کی کتاب مبارک (قرآن مجید) اصول و فروع دین یعنی کل اعتقادات اور جملہ اعمال میں مذہب اہلسنت کو حق کہتی ہے یا مذہب شیعہ کو

مصنفہ

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم مدیر جریدۂ مبارکہ اصلاح کھجوا (صوبہ بہار)

ابن

حضرت فخر المتکلمین سید المحققین ظہیر العلماء والمجتہدین عماد الملت والدین حجۃ الاسلام والمسلمین آیۃ اللہ فی العالمین مولانا و مقتدانا آقا السید علی اظہر صاحب قبلہ طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ

المتوفے ۲۱ شعبان سنہ ۱۳۵۲ ہجری

اصلاح مشین پریس کھجوا (بہار) میں چھپی

A.H.

وضوء میں پاؤں پر مسح کرنا رسالہ قوامع الظہور میں بہت تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ وضوء میں پاؤں دھونا بالکل خلاف حکم خدا ورسول اور پاؤں پر مسح کرنا صحیح اور عمل رسولؐ وصحابہ ہے۔ اسکے ساتھ مسئلہ قرطاس۔ میراث انبیاء۔ فدک۔ جناب شہربانو کے متعلق نہایت مفید تحقیقات ہیں۔ حجم ۱۵۲ صفحات قیمت ۱۰/

جناب شیخ جیلانی صاحب کو حضرات اہلسنت غوث اعظم اور بڑے پیر مانتے اور ان کو صاحب معجزات سمجھتے ہیں۔ اس رسالہ میں ممدوح کے مفصل حالات لکھکر ثابت کیا گیا ہے کہ وہ سید نہ تھے اور ان کے معجزات سب غلط اور بالکل قابل مضحکہ ہیں۔ یہ رسالہ بھی کئی مرتبہ چھپ کر شائع ہو چکا۔ حجم ۹۶ صفحہ قیمت ۶/

مذہبی کہانی بچوں کے سمجھانے کے لئے اصول دین کو بطور ناول بہت دلچسپ صورت میں لکھا گیا ہے۔ قیمت ا/

حضرت امام غائبؑ کے وجود اور غیبت کے متعلق لاہور کی ایک سنی انجمن نے بہت سے اعتراضات کرکے ایک زہریلی کتاب شائع کی تھی اس کا تشفی بخش جواب مولانا سید محمد رضی صاحب زنگی پوری نے کشف الظلام میں لکھ کر مخالفین کو مبہوت کر دیا اور کسی سے کچھ جواب نہیں ہو سکا۔ حجم ۱۳۲ صفحہ قیمت ۹/

حالات جناب امیرؑ مشہور علامہ اہلسنت ابن ابی الحدید معتزلی نے حضرت امیرالمومنینؑ کے جو محققانہ اور نہایت نورانی حالات لکھے ہیں ان کا اردو ترجمہ۔ گویا دریا کو کوزہ میں بھر دیا ہے یا ۰ ۱۴ صفحہ میں حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے فضائل و کمالات کا جوہر کھینچ دیا ہے۔ قیمت ۸/

جواب شرر مسٹر عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی نے حضرت سکینہؑ بنت الحسینؑ کا بہت فحش اور گندہ ناول لکھ کر مسلمانوں کے دلوں میں آگ لگادی تھی۔ اس کا مفصل جواب اور تاریخی تحقیقات کا بے مثل خزانہ تیسری دفعہ چھپا ہے۔ قیمت ۸/

مناظرہ مامون اس رسالہ میں خلیفہ مامون کا وہ مشہور مناظرہ ہے جس میں جناب امیرؑ کی افضلیت خلفاء ثلثہ پر ثابت کی گئی ہے۔ قیمت ۲/

مجالس خاتون اردو زبان میں چند سال قبل تک کوئی کتاب ایسی نہیں ملتی تھی جو خاص عورتوں کی زنانی مجلسوں کے لئے لکھی گئی ہو اور جسکو بہنیں خود پڑھکر دوسری بہنوں کو سنا سکیں

اور او نھیں مشکل کرتی ہیں۔ یہ کمی بہت دنوں سے محسوس ہو رہی تھی۔ اسکو رفع کرنے کے لئے کتاب مجالس خاتون لکھی گئی جس میں پہلی محرم سے ۱۰ محرم تک ہر روز اور ہر رات میں عورتوں کے پڑھنے کی مجلسیں لکھی گئیں۔ اس طرح ۲۰ مجلسوں کا یہ ایسی قیمتی ذخیرہ ہو گیا ہے جس کا ہر شیعہ عورت کے پاس ہر وقت رہنا ضروری ہے۔ ہر مجلس کے آخر میں مصائب بہت رقت خیز اور رُلانے والے دردناک نوحے بھی لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ بہنوں کو حدیث پڑھنے کے بعد کسی دوسرے نوحہ کے رکھنے کی ضرورت نہ ہو بلکہ اسی کتاب سے یہ ضرورت بھی رفع ہو جائے۔ پہلی دفعہ چھپ کر پوری کتاب ختم ہو گئی تھی۔ اب دوبارہ چھپوائی گئی ہے اسکے بھی صرف چند نسخے باقی ہیں جلد منگائیے ورنہ تیسرے چھاپے کا انتظار کرنا ہوگا قیمت عہ

آل واصحاب اس رسالہ میں دکھایا ہے کہ اہلبیتؑ طاہرین کے ساتھ صحابہ رسولؐ کا سلوک کیسا تھا ان لوگوں نے امانت رسولؐ کے ساتھ کس درجہ بے رُخی کی۔ واقعۂ کربلا کے وقت کتنے صحابی موجود تھے مگر انھوں نے ادھر ذرہ برابر توجہ نہیں کی۔ حالانکہ وہ مدد کرتے تو امام مظلوم شہید نہ ہوتے۔ نہایت مفید اسلامی تاریخی تحقیقات کا ذخیرہ ہے۔ قیمت ۱۲ار

تاریخ ائمہ آج تک اردو زبان میں ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں شیعوں کے کل بزرگان دین کے ضروری حالات اور قابل فخر کارنامے ایک جگہ جمع کئے گئے ہوں۔ اب عظیم الشان کتاب تاریخ ائمہ میں مشہور انبیاء کرام کے ضروری حالات۔ پھر حضرت رسولخدا صلعم کے حالات لکھکر آپکی ازواج و اصحاب کرام کے حالات لکھے گئے۔ اسکے بعد حضرات ائمہ طاہرین کے مفصل سوانح زندگی اور قابل ناز دینی و دنیوی کارنامے نہایت دلچسپ عنوان سے جمع کئے گئے ہیں۔ اسکے ساتھ ساتھ ائمہ طاہرین کی ازواج و اولاد و اصحاب کے بھی نہایت معرفت خیز حالات لکھے گئے ہیں۔ علم دوست حضرات نے تسلیم کر لیا کہ اس کتاب میں گویا دریا کو کوزے میں بند کیا گیا ہے۔ آج تک ہمارے پیشوایان دین کے ایسے قابل قدر حالات دنیا کی کسی زبان (عربی۔ فارسی اردو) میں نہیں لکھے گئے۔ جناب مولانا و مقتدانا آقا سید سبط نبی صاحب قبلہ مجتہد العصر اعلے اللہ مقامہ ساکن نوگانواں سادات و شیعہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ نے اس کتاب کو اس درجہ پسند فرمایا کہ اسکے نسخے بذریعہ وی پی طلب کئے اور اسے علی گڈھ کالج و اسکول کے شیعہ طلباء کے نصاب تعلیم میں داخل کرا دیا۔ کاغذ۔ لکھائی۔ چھپائی سب اعلے درجہ کی ضخامت ۵۱۶ صفحہ قیمت صرف ع۳ پانچ نسخوں کے خریدار سے صرف ع۱۰ علاوہ محصول ڈاک۔ جلد طلب کیجئے یہ کتاب ایک نعمت بے بہا ہے۔ اپنے لڑکوں اور عورتوں کے نصاب تعلیم میں بھی رکھئے۔

تحریف قرآن | کے بارے میں اہلسنت اعتراض کرتے ہیں۔ رسالہ حد السارق میں پوری تحقیق
اور جامعیت سے ثابت کر دیا ہے کہ تحریف قرآن کے قائل اہلسنت ہیں اور انکی کتابوں سے یہ اس طرح
واضح ہے کہ کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

مسئلہ فدک | سنی شیعہ کے درمیان بہت زبردست بحث ہے۔ نواب محسن الملک بہادر
نے شیعوں کے خلاف آیات بینات میں بہت زور لگایا ہے۔ اس کا مفصل جواب کمال
تحقیق و جامعیت سے لکھا گیا ہے یہ کتاب شیعوں کے لئے نعمت عظمیٰ ہے۔ قیمت جلد اول عہ
جلد دوم ۸ر جلد سوم عار جلد چہارم عمر

مقدمہ نہج البلاغہ | بعض اہلسنت کہتے ہیں کہ نہج البلاغۃ حضرت امیر المومنین علیہ السلام
کا کلام نہیں ہے۔ اس کتاب میں نہایت تحقیق و جامعیت سے اس کو حضرت کا کلام ثابت
کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۲ار

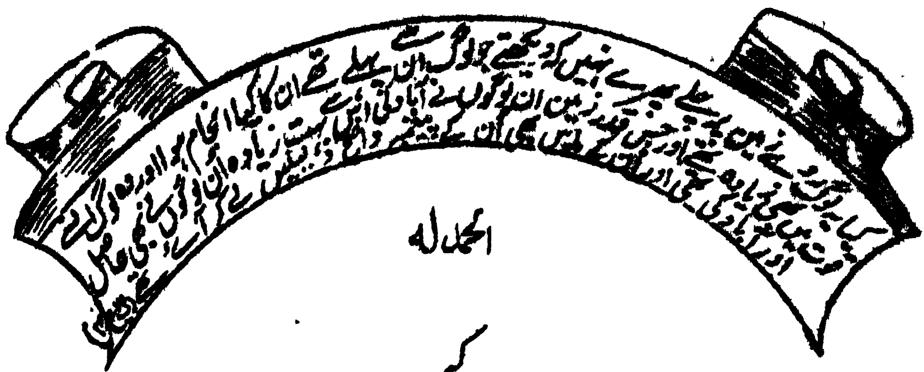
ہندو پنڈت کا رسالہ | ایک ہندو پنڈت ہر نام صاحب نے مسئلہ خلافت و امامت پر
وہ زبردست تحریر شائع کی ہے جس سے مذہب شیعہ کی حقیت مثل آفتاب روشن
ہے۔ اس رسالہ نے برادران اہلسنت میں زلزلہ ڈال دیا ہے۔ قیمت ۵ر

سوانح عمری حضرت ابوبکر | مذہب شیعہ کی حقیت ثابت کرنے کے لئے یہ بھی بہت زبردست
کتاب ہے جس میں خلیفہ اول کے مفصل حالات اور واقعات زندگی نہایت تحقیق و جامعیت
سے درج کئے گئے ہیں۔ جن کے دیکھنے سے ہر شخص کہہ دے گا کہ ایسے شخص کسی طرح
جناب حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خلیفہ نہیں ہو سکتے۔ اس کتاب کو
پڑھکر متعدد سنی حضرات نے اپنا وہ مذہب چھوڑ دیا اور شیعہ ہو گئے جلد اول ۱۰۰ صفحے قیمت دو روپیہ

تنقید بخاری حصہ اول | حضرت حجۃ الاسلام جناب مولانا السید علی اظہر صاحب
قبلہ طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ کی وہ مشہور تحقیقی کتاب جس میں صحیح بخاری کی دھجیاں اڑادی
گئیں اور اسکی صحت و عظمت کا دعوے خاک میں ملا دیا گیا۔ اس کتاب کا جواب لکھنے
کے لئے اہل حدیث کانفرنس نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا مگر کچھ بھی نہ کر سکی۔
صرف پہلی جلد پھر چھپی ہے۔ حجم ۹۰ صفحات قیمت ۵ر جلد طلب کیجئے ورنہ طبع ثالث کا انتظار کرنا ہوگا

المشتہر:۔ منیجر اصلاح کھجوا (صوبہ بہار)

(محمد غازی الدین حیدر نے مطبع اصلاح کھجوا میں چھاپکر شائع کیا)



الحمد لله

کہ

کتاب مستطاب ہدایت مآب

مسمی بہ

سوانح عمری

حضرت عمر

حصہ اول

جس میں بفضلہ تعالیٰ حضرت عمر بن الخطاب کی ولادت سے ممدوح کی ہجرت تک کے مفصل سوانح حیات بکمال تحقیق و جامعیت لکھے گئے ہیں

مصنفہ

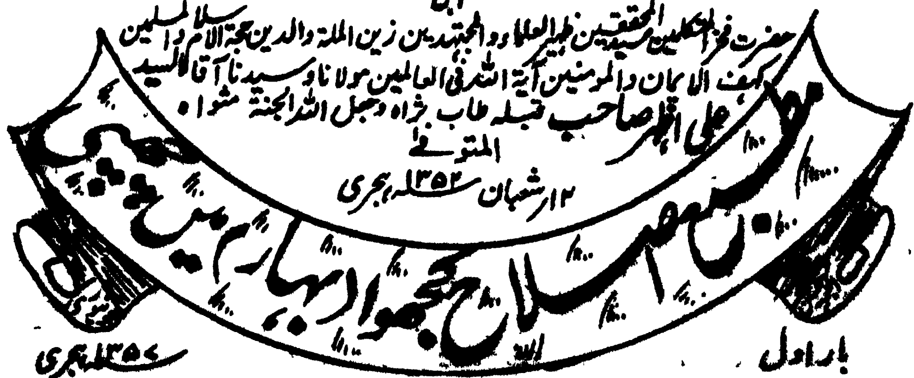
جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم مدیر جریدۂ مبارکہ اصلاح کھجوا (بہار)

ابن

حضرت فخر المتکلمین سید المحققین ظہیر العلماء و المجتہدین زین الملۃ والدین حجۃ الاسلام والمسلمین کہف الایمان والمومنین آیۃ اللہ فی العالمین مولانا و سیدنا آقا السید علی اظہر صاحب قبلہ طاب ثراہ و جعل اللہ الجنۃ مثواہ

المتوفی

۱۲ / شعبان ۱۳۵۲ھ ہجری



بار اول

۱۳۵۷ھ ہجری

حضرت ابوبکر حضرت ابوبکر کی سوانح عمری بھی خدا کے فضل و کرم سے بڑی تحقیق و جامعیت سے لکھی اور شائع کی گئی ہے۔ جسکے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں ممدوح کے مفصل حالات ہجرت تک شائع ہوئے ہیں۔ اس میں خاص کر یہ مضامین نہایت دلچسپ اور ایمان افروز ہیں۔ آپکی نسبی حالت اور عرب میں آپ کے خاندان کی حیثیت۔ آپ کے والدین و اجداد و اخوات و دیگر اعزہ مخصوصین کے حالات۔ آپ کا خاندانی پیشہ۔ آپ کے خاندانی پیشہ کے نتائج اور اسکے دنیوی و دینی خصوصیات آپ کی ولادت کے حالات۔ حلیہ۔ نام۔ کنیت۔ القاب۔ اور ان کے وجوہ و اسباب۔ عہد طفولیت تعلیم و تربیت۔ ذریعہ معاش۔ حضرت رسولخدا صلعم سے آپ کا برتاؤ۔ خاندان بنی ہاشم سے تعلقات حضرت عمر سے تعلقات۔ زمانہ جاہلیت کے کارنامے اور اُس عہد میں آپ کے مذہب کی تحقیق۔ آپ کا قبول اسلام۔ اولیۃ اسلام کی بحث۔ آپ کے اسلام قبول کرنے کے اسباب و علل۔ آپ کے اسلام یا ایمان کی حقیقت۔ ابتداء اسلام میں آپ کا اجتہاد اور اس کا نتیجہ۔ حضرت رسولخدا صلعم کی مالی اعانت کرنے کی تحقیق۔ آپ کے دل میں حضرت رسولخدا صلعم اور اسلام کی عزت و محبت۔ حضرت عائشہ کی شادی حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ کیوں کی جب کہ وہ صرف ۶ سال کی تھیں کیا ۶ سالہ لڑکیوں کی شادی ملک عرب کے شریف لوگوں میں ہوتی تھی۔ ہجرت میں آنحضرت صلعم آپ کو اپنے ساتھ لے گئے۔ یا آپ خود ہی چلے گئے۔ سفر ہجرت کے کارنامے۔ معیت غار اور اوس کے کارنامے۔ کاغذ لکھائی چھپائی اعلےٰ درجہ کی۔ ۲۶۰ صفحہ قیمت عہ

جواہر قرآن نہایت اعلےٰ درجہ کی کتاب ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح حیدرآباد دکن میں ایک تعلیم یافتہ نہایت تیز شیعہ لڑکی کی شادی ایک زبردست محقق و علامہ اہلسنت سے ہوگئی جسکے بعد سُنی مولانا صاحب نے اپنی شیعہ بی بی کو سُنی کرنا چاہا تو شیعہ لڑکی نے کہا آؤ تحقیق کریں کہ قرآن مجید سے سنی مذہب کا حق ہونا ثابت ہوتا ہے یا شیعہ مذہب کا۔ قرآن مجید جسکے مذہب کو صحیح کہے اُسی مذہب کو ہم دونوں آدمی اختیار کرلیں۔ چنانچہ یہ زبردست بحث شروع ہوئی اور کل اصول و فروع دین میں دونوں شخص اپنی قابلیت کے جوہر دکھاتے رہے۔ خصوصاً تقیہ تبرا۔ خدا کے مجسم ہونے۔ توحید۔ بداء۔ عدل۔ تحریف قرآن۔ قرآن مجید پر شیعوں کے ایمان ہونے یا نہ ہونے۔ قرآن مجید کے ساتھ سُنیوں اور شیعوں کے برتاؤ۔ نبوت۔ امامت و خلافت مسح قدمین۔ نماز میں ہاتھ کھولنے۔ بسم اللہ کہنے۔ روزے کے مسائل۔ متعہ کی تحقیق۔ نماز جماعت

بجاستہ مشرکین وغیرہ پر خوب خوب بحثیں ہوئیں مگر ہر مسئلہ میں شیعہ ہی نے ثابت کیا کہ مذہب شیعہ ہی قرآن مجید کے مطابق اور مذہب اہلسنت قرآن مجید کے مخالف ہے۔ آخر سُنی مولانا صاحب نے مذہب بدل کر اپنے شیعہ ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ ۵۱۶ صفحہ کی اس کتاب میں سُنی و شیعہ کے کل اختلافات پر کامل تحقیق و جامعیت سے تبصرہ کر کے صراط مستقیم بالکل واضح کر دی گئی ہے۔ کاغذ۔ لکھائی۔ چھپائی سب اعلےٰ درجہ کی قیمت صرف عہ

تاریخ ائمہ آج تک اردو زبان میں ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں شیعوں کے کل بزرگانِ دین کے ضروری حالات اور قابل فخر کارنامے ایک جگہ جمع کئے گئے ہوں۔ اب عظیم الشان کتاب تاریخ ائمہ میں مشہور انبیاء کرام کے ضروری حالات۔ پھر حضرت رسولخدا صلعم کے حالات لکھکر آپکی ازواج و اصحاب کرام کے حالات لکھے گئے۔ اس کے بعد حضرات ائمہ طاہرینؑ کے مفصل سوانح زندگی اور قابل ناز دینی و دنیوی کارنامے نہایت دلچسپ عنوان سے جمع کئے گئے ہیں۔ اسکے ساتھ ساتھ ائمہ طاہرینؑ کی ازواج و اولاد و اصحاب کے بھی نہایت معرفت خیز حالات لکھے گئے ہیں۔ علم دوست حضرات نے تسلیم کر لیا کہ اس کتاب میں گویا دریا کو کوزے میں بند کیا گیا ہے۔ آج تک ہمارے پیشوایان دین کے ایسے قابل قدر حالات دنیا کی کسی زبان (عربی۔ فارسی۔ اردو) میں نہیں لکھے گئے۔ جناب مولانا و مقتدانا آقا سید سبط نبی صاحب قبلہ مجتہد العصر اعلی اللہ مقامہ ساکن نوگانواں سادات و شیعہ ڈین مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نے اس کتاب کو اس درجہ پسند فرمایا کہ اسکے نسخے بذریعہ وی۔ پی طلب کئے اور اسے علی گڈھ کالج و اسکول کے شیعہ طلاب کے نصاب تعلیم میں داخل کرا دیا۔ کاغذ۔ لکھائی۔ چھپائی سب اعلےٰ درجہ کی۔ ضخامت ۵۱۶ صفحہ قیمت صرف عہ مگر خریداران اصلاح سے صرف عہ۔ علاوہ محصول ڈاک۔ جلد طلب کیجئے۔ یہ کتاب ایک نعمت بے بہا ہے۔ اگر جلد نہیں منگایئے گا تو دوسری طبع کا شدید انتظار کرنا ہوگا۔

مجالس خاتون اردو زبان میں چند سال قبل تک کوئی کتاب ایسی نہیں ملتی تھی جو خاص عورتوں کی زنانی مجلسوں کے لئے لکھی گئی ہو اور جسکو بہنیں خود پڑھکر دوسری بہنوں کو سنائیں اور اونھیں مثاب کریں۔ یہ کمی بہت دنوں سے محسوس ہو رہی تھی۔ اس کو رفع کرنے کے لئے کتاب مجالس خاتون لکھی گئی۔ جس میں پہلی محرم سے ۱۰ محرم تک ہر روز اور ہر رات میں عورتوں کے پڑھنے کی تین مجلسیں لکھی گئیں۔ اس طرح ۳۰ مجلسوں کا یہ ایسا قیمتی ذخیرہ ہو گیا

ہے جس کا ہر شیعہ عورت کے پاس ہر وقت رہنا ضروری ہے ۔ ہر مجلس کے اخیر میں مصائب
بہت رقت خیز اور رُلانے والے دردناک نوحے بھی لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ بہنوں کو حدیث
پڑھنے کے بعد کسی دوسرے نوحہ کے رکھنے کی ضرورت نہ ہو بلکہ اسی کتاب سے یہ ضرورت
بھی رفع ہو جائے ۔ پہلی دفعہ چھپ کر پوری کتاب ختم ہو گئی تھی ۔ اب دوبارہ چھپوائی گئی ہے
اسکے بھی صرف چند نسخے باقی ہیں ۔ جلد منگائیے ورنہ تیسرے چھاپے کا انتظار کرنا ہوگا ۔ قیمت عہ

مشعل ہدایت | جناب حاجی سید اظہار حسنین صاحب بی اے مجسٹریٹ پنشنر کجھوا کی
مشہور اور زبردست تحقیقی کتاب جس میں دکھایا ہے کہ خدا اپنے کلام پاک میں رسول خدا
اور اُن کے آل و اصحاب کے لئے کیا فرماتا ہے ۔ اور قرآن مجید سے آل اطہار کا کیا پایہ
ثابت ہے اور اصحاب کس مرتبہ پر فائز ہیں ۔ اور ان تمام حقائق کی موجودگی میں امت
پر کسکی پیروی اور کس حد تک فرض ہے ۔ غرض بہت ہی قابل قدر کتاب ہے بحیثیت
مجسٹریٹ آپ نے سُنی شیعہ کے اختلافات کا فیصلہ بھی کمال انصاف سے کیا ہے
حجم ۲۱۲ صفحہ قیمت صرف عہ

آل و اصحاب | اس رسالہ میں دکھایا ہے کہ اہلبیت طاہرین کے ساتھ صحابہ رسولؐ کا
سلوک کیسا تھا ۔ ان لوگوں نے امانت رسولؐ کے ساتھ کس درجہ بے رُخی کی ۔ واقعہ کربلا
کے وقت کتنے صحابہ موجود تھے ۔ مگر انھوں نے ادھر ذرہ برابر توجہ نہیں کی ۔ حالانکہ وہ
مدد کرتے تو امام مظلوم شہید نہ ہوتے ۔ نہایت مفید اسلامی تاریخی تحقیقات کا ذخیرہ ہے قیمت ۱۲ر

جواب شرر | مسٹر عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی نے حضرت سکینہ بنت الحسینؑ کا بہت فحش
اور گندہ ناول لکھکر مسلمانوں کے دلوں میں آگ لگادی تھی ۔ اس کا مفصل جواب اور تاریخی
تحقیقات کا بے مثل خزانہ تیسری دفعہ چھپا ہے ۔ قیمت عہ

عقل و تہذیب اہلحدیث | فرقہ اہلحدیث کی عقل ۔ تہذیب ۔ انسانیت ۔ مذہب اور خصوصاً انکے
علماء مذہب و پیشوایان دین کے قابل مضحکہ حالات کا مکمل مجموعہ ۔ قیمت ۱۲ر

صاحب العصر والزمان | حضرت حجۃؑ کے وجود اور غیبت کی بہت زبردست دلیلیں اور قادیانی
فرقہ نے حضرتؑ کے بارے میں جو اعتراضات کئے ہیں ان کا مفصل اور تشفی بخش جواب ۔ قیمت ۱۲ر

المشتہر :- مینجر اصلاح کجھوا (بہار)

(سید غازی الدین حیدر نے جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ کے واسطے اصلاح پریس کجھوا میں چھپوا کر شائع

تاریخ ائمہ آج تک اردو زبان میں ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں شیعوں کے کل پیشوایان دین کے ضروری حالات اور قابل فخر کارنامے ایک جگہ جمع کئے گئے ہوں۔ اس عظیم الشان کتاب تاریخ ائمہ میں مشہور انبیاء کرام کے ضروری حالات۔ پھر حضرت رسولخدا صلعم کے حالات لکھکر آپکی ازواج و اولاد کرام کے حالات لکھے گئے۔ اسکے بعد حضرات ائمہ طاہرین کے مفصل سوانح زندگی اور قابل ناز دینی و دنیوی کارنامے نہایت دلچسپ عنوان سے جمع کئے گئے ہیں۔ اسکے ساتھ ساتھ ائمہ طاہرین کی ازواج و اولاد و اصحاب کے بھی نہایت معرفت خیز حالات لکھے گئے ہیں علم دوست حضرات نے تسلیم کر لیا کہ اس کتاب میں گویا دریا کو کوزے میں بند کیا گیا ہے۔ آج تک ہمارے پیشوایان دین کے ایسے قابل قدر حالات دنیا کی کسی زبان (عربی۔ فارسی۔ اردو) میں نہیں لکھے گئے۔ جناب مولانا و مقتدانا آقا سید سبط نبی صاحب قبلہ مجتہد العصر اعلی اللہ مقامہ ساکن نوگاواں سادات و شیعہ ڈین مسلم یونیورسٹی علی گڈھ نے اس کتاب کو اس درجہ پسند فرمایا کہ اسکے نسخے بذریعہ وی پی طلب کئے اور اسے علی گڈھ کالج و سکول کے شیعہ طلبا کے نصاب تعلیم میں داخل کرا دیا۔ کاغذ لکھائی۔ چھپائی سب اعلیٰ درجہ کی ضخامت ۴۱۶ صفحہ قیمت صرف ۲ مگر خریداران اصلاح سے صرف ۱۲، علاوہ محصول ڈاک۔ جلد طلب کیجئے۔ یہ کتاب ایک نعمت بے بہا ہے

مجالس خاتون اردو زبان میں چند سال قبل تک کوئی کتاب ایسی نہیں ملتی تھی جو خاص عورتوں کی زنانی مجلسوں کے لئے لکھی گئی ہو اور جسکو بہنیں خود پڑھکر دوسری بہنوں کو سنائیں اور راہ نجات حاصل کریں۔ یہ کمی بہت دنوں سے محسوس ہو رہی تھی۔ اس کو رفع کرنے کے لئے کتاب مجالس خاتون لکھی گئی جس میں پہلی محرم سے ۱۰ محرم تک ہر روز اور ہر رات میں عورتوں کے پڑھنے کی تین مجلسیں لکھی گئیں۔ اسی طرح ۳۰ مجلسوں کا یہ ایسا قیمتی ذخیرہ ہو گیا ہے جس کا ہر شیعہ عورت کے پاس ہر وقت رہنا ضروری ہے۔ ہر مجلس کے اخیر میں مصائب بہت رقت خیز اور رلانے والے دردناک نوحے بھی لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ بہنوں کو حدیث پڑھنے کے بعد کسی دوسرے نوحے کے رکھنے کی ضرورت نہ ہو بلکہ اسی کتاب سے یہ ضرورت بھی رفع ہو جائے۔ پہلی دفعہ چھپ کر ساری کتاب ختم ہو گئی تھی۔ اب دوبارہ چھپائی گئی ہے۔ اسکے بھی صرف چند نسخے باقی ہیں جلد منگائیے ورنہ تیسرے چھاپے کا انتظار کرنا ہوگا۔ قیمت صرف ایک روپیہ آٹھ آنے

المشتہر:— منیجر اصلاح کھجوا (صوبہ بہار)

(سید غازی الدین حیدر بیٹے مولانا سید ... اصلاح پریس کھجوا میں چھپا کر شائع کیا)

اصلاح

جلد ۴۴ — ماہ محرم الحرام سنہ ۱۳۵۹ ہجری — نمبر ۱

مدیر

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم

دار الاشاعت

کھجوا (صوبہ بہار)

ضروری اطلاع کل ہمدردان اصلاح کی خدمت میں التماس ہے کہ اس نمبر کے پہونچتے ہی اپنا چندۂ اصلاح ۵۸ھ و ۵۹ھ بذریعہ منی آرڈر عنایت فرماکر شکر گزار کریں ورنہ پندرہ دن کے بعد وی پی حاضر خدمت ہوگا جس میں اُن کا ۳ ر پیسہ زائد خرچ ہو جائیگا۔

تحفۂ بخاری ہم نے اعلان کیا تھا کہ اگر کتاب جوہر قرآن و تاریخ ائمہ کے صرف پانچ سو خریدار مل جائیں تو ایک جدید اور دلچسپ ناول "تحفۂ بخاری" بھی اصلاح کے ساتھ جلد از جلد شائع ہونے لگے۔ مگر افسوس اب تک ان کتابوں کے سو جدید خریدار بھی نہیں آئے اس وجہ سے یہ شروع نہیں ہوسکی۔ اگر اب بھی ناظرین اصلاح ان دونوں کتابوں یا جوہر قرآن و سوانح عمری خلیفہ دوم حصہ اولے کے دو دو جدید خریدار جلد از جلد عنایت فرمائیں تو ہم آئندہ ہی نمبر سے ناول "تحفۂ بخاری" بھی شائع کرنے لگیں جس سے انشاء اللہ واضح ہوگا کہ خود صحیح بخاری بھی مذہب اہلسنت کو غلط اور مذہب شیعہ ہی کو حق بتاتی ہے۔ یہ ناول بھی انشاء اللہ ہماری جماعت کے لئے بہت مفید ہوگا۔ دفتر اصلاح کی قدیم کتاب تنقید بخاری دوسری چیز ہے۔ اُس میں تو صحیح بخاری کی ایک ایک روایت کی تنقید کرکے دکھایا گیا تھا کہ مسلمانوں کا عمل کہاں تک اسکے مطابق ہے۔ اور جدید کتاب تحفۂ بخاری میں پوری صحیح بخاری کی حدیثیں دو جگہ کرکے دکھادیا جائیگا کہ اسکی کس کثرت سے حدیثیں مذہب اہلسنت کے خلاف اور کس کثرت سے احادیث مذہب شیعہ کے موافق ہیں۔ غرض یہ کتاب بھی انشاء اللہ شیعوں کے لئے نعمت بے بہا ہوگی اور شیعہ قوم اس پر برابر فخر کرتی رہیگی کہ خود صحیح بخاری سے ہماری حقیت مثل آفتاب روشن ہے۔ سخت ضرورت ہے کہ یہ کتاب جلد از جلد شائع ہو تا کہ دنیا کو معلوم ہو کہ جس طرح قرآن مجید مذہب اہلسنت کو غیر حق اور مذہب شیعہ کو حق کہتا ہے اسی طرح انکی خاص کتاب صحیح بخاری بھی کتنی باتوں میں مذہب اہلسنت کو غیر حق اور مذہب شیعہ ہی کو حق ثابت کرتی ہے۔ صحیح بخاری مذہب اہلسنت کی صحیح ترین کتاب ہے جسکو وہ تقریباً قرآن مجید کے برابر سمجھتے ہیں۔ اور ان کے کسی فرقہ کو اس سے انکار نہیں۔ اگر اس سے ہماری حقیت ثابت ہوگئی تو اہلسنت کی کل جماعتوں کے مقابلہ میں ہمارا حق ہونا واضح ہو جائیگا۔ جلد اسکے شروع کرنے کا سامان کرکے قدرت خدا کا تماشہ دیکھئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم



اصلاح

نمبر ۱ | ماہ محرم الحرام ۱۳۵۹ھ | جلد ۴۴

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین مولانا ومقتدانا ابی القاسم محمد وآلہ الطیبین الطاہرین المعصومین الہداۃ المہدیین من یومنا ہذا الی یوم الدین۔

السلام علیک یا اباعبد اللہ لقد عظمت الرزیۃ وجلت المصیبۃ بک علینا وعلی جمیع اہل الاسلام وجلت وعظمت مصیبتک فی السموات والارض۔ فلعن اللہ امۃ اسست اساس الظلم والجور علیکم اہل البیت۔

عظم اللہ اجورنا واجورکم بمصابنا بالحسین علیہ السلام وجعلنا وایاکم من الطالبین بثارہ مع ولیہ الامام المہدی من آل محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

الحمد للہ والشکر لہ کہ محض اُسی منعم حقیقی کے بے حد و بے پایاں فضل و احسان و تائید و توفیق سے اسی کے دین حق اور صراط مستقیم کے خادم رسالہ اصلاح کی جلد ۴۳ مکمل ہو گئی اور اب اُس حی لایموت و قادر علی الاطلاق نے اسکی زندگی کا چوالیسواں سال شروع کر دیا۔ دعا ہے کہ اس جریدۂ مقدسہ اور اسکے خادموں نے آج تک جو کچھ علمی و دینی خدمات انجام دی ہیں خدائے کریم و رحیم اُن سب کو قبول فرما کر اپنی خوشنودی کی سند سے مشرف فرمائے اور آئندہ بھی اپنی توفیق و حمایت سے اس کو سابق سے زیادہ مفید ذی اثر

ہدایت بخش نورافشاں اور قابل قدر خدمات کے قابل بنادے۔ وھو حسبی ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

کتاب جوہر قرآن | خدا کا شکر یہ کسی طرح نہیں ادا ہو سکتا کہ جس طرح وعدہ کیا گیا تھا ارحم الراحمین نے دو سال میں جوہر قرآن کو مکمل کر کے مومنین تک پہونچا دیا۔ اس نمبر کے ساتھ اُس کا ٹائٹل پیج اور فہرست مضامین بھی شایع ہو رہی ہے۔ اب ان کو اوپر لگا کر مومنین اس کتاب کی جلد بندھوالیں۔ خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب بہت زیادہ پسند کی گئی اور نہایت مفید سمجھی گئی۔ مگر اسکی اصل قدردانی یہ ہے کہ اس کتاب کو مومنین کے گھر گھر پہونچا دیا جائے۔ کیونکہ اس میں عقائد و عبادات۔ اصول و فروع دین غرض کل امور میں مذہب شیعہ کی حقیت پوری تحقیق سے ثابت کی گئی ہے۔ اسکے نسخے کچھ زائد اسی غرض سے چھپوائے گئے ہیں کہ ناظرین اصلاح کے اعزہ و احباب بھی اس کو طلب کریں اور مذہب شیعہ کی حقیت کا زور ملاحظہ کریں اور اس کتاب کو دکھلا کر دوسرے مسلمانوں کو بھی شیعہ بنانے کی کوشش کریں۔ اس کتاب میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو برادران اہلسنت سے کسی صاحب کو ناگوار گزرے۔ اس وجہ سے کل مومنین اس کتاب کو بے تامل اپنے سُنی احباب کی خدمت میں پیش کرکے ان سے فرمائش کر سکتے ہیں کہ وہ اس کو صرف ایک نظر دیکھ جائیں۔ اگر وہ نہ دیکھیں تو خود مختلف اوقات میں اسکے مضامین پڑھکر ان کو سُنا دیا کریں۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہ دیں کہ اگر اس کتاب کا ایک حوالہ بھی غلط ہو (یعنی جس کتاب کا مضمون بیان کیا گیا ہے اس کتاب میں وہ مضمون نہ ملے) تو اس کتاب کا مصنف اس غلطی کو تسلیم کرکے رسالہ اصلاح میں اعلان کر دینے کا حتمی وعدہ کرتا ہے۔ قرآن مجید تمام مسلمانوں کی مشترک کتاب ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنی مذہبی کتابوں کے پہلے اس الٰہی کتاب پر ایمان لائے۔ اسکے عقائد کو تسلیم کرے۔ اسکے اعمال بجالائے۔ اسکے اوامر کی تعمیل کرے۔ اسکے نواہی سے بچے اور جس راستہ کو یہ بتائے اسی راہ پر چلے۔ اسی قرآن مجید کے ضروری مضامین کا جو عقائد و اعمال سے متعلق ہیں اس دلچسپ کتاب میں جوہر کھینچ کر مسلمانوں کو سچے اسلام کی طرف بلایا گیا اور صراط مستقیم کی جانب دعوت دی گئی ہے۔ ان کا فرض ہے کہ قرآن مجید کے مقابلہ میں کسی کی کوئی بات نہ سُنیں۔ بلکہ صرف اپنے معبود حقیقی کے ارشادات کی طرف

توجہ کریں تاکہ ان کی دنیا بھی درست ہو اور عاقبت کا انجام بھی بخیر ہو۔

سوانح عمری خلیفہ دوم کا حصہ اول بھی سال گزشتہ خدا کے فضل سے تمام ہو گیا اور بفضلہ اسکا دوسرا حصہ بھی اسی سال شروع کر دیا گیا۔ پوری کوشش ہے کہ انشاء اللہ اسی سال ذی الحجہ تک یہ دوسرا حصہ بھی ۵۰۰ صفحوں پر تمام ہو جائے۔ اور یہ اسلامی خدمت بھی حد کمال کو پہونچ جائے۔ جب سے مولوی شبلی صاحب نے حضرت عمر کی سوانح عمری مسمے بہ "الفاروق" شائع کی مذہب شیعہ کے بعض تعلیم یافتہ حضرات بھی دنیوی اعتبار سے حضرت عمر کو قابل تعریف سمجھنے لگے تھے۔ اور برادران اہلسنت کی ایک بڑی جماعت تو ان کو معاذ اللہ حضرت رسولخدا صلعم سے بھی افضل خیال کرنے لگی تھی۔ ان وجوہ سے اہل نظر شیعوں میں بڑی بےچینی تھی کہ کسی طرح حضرت عمر کی ایسی سچی سوانح عمری لکھی جائے جس سے انکے اصلی حالات (بلا مبالغہ) منظر عام پر آجائیں اور خود سنیوں کی معتبر کتب تاریخ وحدیث وسیر سے ممدوح کے واقعی سوانح مرتب ہو جائیں۔ اور الفاروق کا جو زہریلا اثر عام مسلمانوں میں پھیلتا جارہا ہے وہ مٹ سکے۔ الحمد للہ کہ ہمدرد دین وملت مسلمانوں کی یہ دیرینہ تمنا پوری ہوئی۔ اس سوانح عمری کے پہلے حصہ میں ممدوح کے فضائل ومناقب پر وہ زبردست تبصرہ ہو گیا جس نے مسلمانوں کو محو حیرت کر دیا ہے اور پھر آپ کے خاندان۔ آپ کے پیشہ۔ آپ کے اسلام کی وہ تصویر کھینچی گئی جس نے بہت سے جعلی پردوں کو چاک کر دیا۔ اور نمائشی وفرضی تاریخ کی حقیقت واضح کر دی۔ خدا کرے دوسرے حصہ میں بھی خدمت حق وصدق کا یہی اثر نمایاں رہے اور کھوٹے کھرے میں آسانی سے تمیز ہو جائے اور اس کتاب کے ذریعہ سچے اسلام کی اشاعت وترقی میں خیر مقدم کامیابی حاصل ہو۔

تحفہ بخاری ہم نے وعدہ کیا تھا کہ اگر تاریخ ائمہ وجوہر قرآن کے پانچ سو خریدار مل جائیں تو اصلاح کے صفحات میں اضافہ کر کے تحفہ بخاری ناول بھی انشاء جلد از جلد شروع کر دینگے جس میں دکھایا جائیگا کہ صحیح بخاری میں بھی شیعوں کے موافق کس کثرت سے حدیثیں موجود ہیں یہ ناول بھی انشاء مسلمانوں میں ہلچل ڈال دیگا۔ آپ حضرات اگر اپنے احباب سے صرف دو دو حضرات کو آمادہ کر کے کتاب تاریخ ائمہ وجوہر قرآن کا خریدار بنادیں یا سوانح عمری خلیفہ دوم حصہ اول ودوجوہر قرآن ہی کا دو دو جدید خریدار بنادیں تو آئندہ ماہ سے اصلاح کے ساتھ تحفہ بخاری بھی شائع ہونے لگے۔

حضرت سید الشہداءؑ

حضرت امام حسین علیہ السلام کا لقب سید الشہداء ہے جس کا معنے کل شہیدوں کے سردار ہے اسکے لئے ضروری ہے کہ دنیا میں جس قدر شہید گزرے ہوں ان سب سے زیادہ شہادۃ کی صفت حضرتؑ میں پائی جائے۔ مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے لکھا ہے "اصل میں شہید وہ ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہوا مارا جائے۔ شہید اوسکو اس لئے کہا کہ اللہ تعالےٰ اور فرشتے اوسکے لئے گواہ ہیں وہ بہشت میں جائیگا۔ بعضوں نے کہا اسلئے کہ وہ مرا نہیں بلکہ زندہ اور حاضر اور خبردار ہے۔ بعضوں نے کہا اس لئے کہ رحمت کے فرشتے شہادت کے وقت اوسکے پاس حاضر رہتے ہیں۔ بعضوں نے کہا اسلئے کہ وہ امر حق کا گواہ ہی یہاں تک کہ اوسکے لئے مارا گیا۔ بعضوں نے کہا اسلئے کہ اللہ تعالےٰ نے جو عزت اور کرامت اوسکے لئے طیار کر رکھی ہے اوسکو وہ پانے والا ہے اور حاصل کرنے والا" (انوار اللغۃ پ ۱۳ صفحہ ۱۲۹)۔ آج ہم چاہتے ہیں کہ دنیا کے دوسرے شہیدوں بلکہ دوسرے مظلوموں سے بھی حضرت امام حسینؑ کا موازنہ کریں اور دیکھیں کوئی فرد شہادت یا مظلومیت میں حضرتؑ سے بڑھی ہوئی تھی یا نہیں تاکہ معلوم ہوسکے حضرتؑ کا لقب سید الشہداء آپ کے لئے کہاں تک موزوں ہے

سب سے پہلے جناب آدمؑ کے فرزند ہابیل کو ان کے بھائی قابیل نے قتل کردیا (طبری جلد ۱ صفحہ ۷۲) مگر ان کے متعلق اسکے سوا کہ قتل کئے گئے کسی کتاب سے کوئی مصیبت نہیں معلوم ہوتی۔ نہ بھوک کی نہ پیاس کی۔ نہ تیر اور نیزہ کے زخموں کی۔ نہ دھوپ کی نہ گرمی کی۔ نہ احباب و اصحاب کی مفارقت کی نہ اعزہ و اولاد کے ذبح کی۔ اسی وجہ سے ظاہر ہے کہ ان کا نام لینا بھی بے وجہ ہے۔ وہ تو صرف برادرانہ رقابت کا ایک معمولی واقعہ تھا۔ اور کچھ بھی نہیں۔

حضرت ابراہیمؑ بھی مظلوم گزرے ہیں کہ نمرود نے حکم دیا آپ آگ میں ڈال دیئے جائیں۔ اُس وقت آپ کی عمر ۱۶ سال کی تھی۔ نمرود نے منجنیق میں رکھکر آپ کو آگ کے بہت بڑے ڈھیر میں پھنکوا دیا۔ حضرت ابراہیمؑ چار روز تک اس آگ میں پڑے رہے مگر خدا نے اس آگ کو حکم دیا یا نار کونی برداً وسلاماً علیٰ ابراھیم۔ اے آگ ابراہیم کے لئے تو ٹھنڈک اور سلامتی کی موجب بن جا کہ ان کو کسی طرح کی اذیت نہ پہونچے۔ چنانچہ ایسا

ہی ہوا (پ ۱۷ ع ۵)۔ کچھ دنوں بعد آپ اس آگ سے باہر نکل آئے اور نمرود اپنی شکست
سے بہت شرمندہ ہوا۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو صرف دو تین منٹ کی زحمت ہوئی کہ منجنیق
میں رکھے اور زمین سے آگ کی ڈھیر کی طرف پھینکے گئے۔ آگ کی گرمی تک کی اذیت سے
محفوظ رہے کیونکہ آپ کے پہونچنے کے قبل ہی وہ ٹھنڈی اور باعث سلامتی بنادی گئی تھی
مفسرین نے لکھا ہے "یا اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ٹھنڈک کے بعد آرام کا لفظ فرمایا ورنہ
آگ برف کی طرح ٹھنڈی ہوکر ابراہیمؑ کو تکلیف پہونچاتی۔ کہتے ہیں جب حضرت ابراہیمؑ کو
آگ میں ڈالنے لگے تو حضرت جبرئیلؑ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے اے ابراہیم تم ہم سے
کام لو۔ ابراہیمؑ نے فرمایا مجھ کو تم سے کوئی کام نہیں۔ انھوں نے کہا تو پھر اپنے پروردگار
سے دعا کرو۔ ابراہیمؑ نے کہا وہ میرا حال خوب جانتا ہے۔ یہی کافی ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ
نے آگ کو خود حکم دیا کہ ٹھنڈی اور راحت ہوجا۔ ابراہیمؑ ایسے آرام کے ساتھ اس میں رہے
کہ ہمیشہ فرمایا کرتے وہ دن کیا آرام کے دن تھے ... وہ سب شرمندہ ہوئے کہ اتنی بہت
آگ سلگائی مگر حضرتؑ کا بال بیکا نہ ہوا" (تفسیر وحیدی ص۴۲۶)

حضرت اسماعیلؑ بھی آزمائش میں لائے گئے مگر اذیت کیا اٹھائی؟ مفسرین نے لکھا ہے
جب باپ (حضرت ابراہیمؑ) اور بیٹا (حضرت اسماعیلؑ) دونوں مستعد ہو گئے اور باپ نے
بیٹے کو ماتھے کے بل اوندھا پچھاڑا۔ اوندھا گرانے کا سبب یہ ہوا کہ حضرت اسماعیلؑ نے
حضرت ابراہیمؑ سے کہا جب تم مجھے ذبح کرنے لگو تو میرا منہ نیچے رکھنا ایسا نہ ہو کہ میرا منہ دیکھ کر
تم کو محبت آجائے اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں دیر ہو۔ دوسرے یہ کہ اپنی آنکھوں پر
پٹی باندھ لینا۔ تیسرے یہ کہ چھری کو خوب تیز کر لینا۔ چوتھے یہ کہ میرا ہاتھ پاؤں خوب باندھ دینا
ایسا نہ ہو کہ میں تڑپوں اور آپ پر خون اڑ کر گرے تو لوگ کہیں کیسا بے ادب بیٹا تھا۔
پانچویں یہ کہ میری ماں کو تسلی اور تشفی دینا۔ حضرت ابراہیمؑ نے ایسا ہی کیا اور اپنے عزیز
فرزند کو اوندھا لٹایا اور ایک بارگی خوب زور سے چھری چلائی لیکن چھری کی کیا مجال تھی کہ
ایک رویاں حضرت اسماعیلؑ کا کاٹتی۔ حضرت اسماعیلؑ نے پکار کر کہا بابا یہ تم نے کیا کیا۔
میں نے نہیں کہ دیا تھا کہ چھری خوب تیز کر لینا۔ حضرت ابراہیمؑ نے پھر چھری خوب تیز کی اور
خوب زور سے چلائی لیکن ایک رویاں بھی نہ کٹا۔ حضرت اسماعیلؑ نے پھر وہی کہا۔ تیسری

حضرت ابراہیمؑ نے چھری کو ایسا تیز کیا کہ اگر مکھی بھی دھار پر بیٹھے تو دو ٹکڑے ہو جائے اور زور سے چھری چلائی ایک رویاں نہ کٹا۔ آخر چھری پر زور دینے کے لئے اس پر بیٹھ گئے اُس وقت آواز آئی جیسے کوئی چیز کٹ گئی اور دھڑا دھڑ خون بہنے لگا۔ حضرت ابراہیمؑ سمجھے کہ حضرت اسماعیلؑ ذبح ہو گئے اور آنکھوں سے پٹی کھولی۔ دیکھا تو اسماعیلؑ الگ کھڑے ہیں اور ایک دنبہ کٹا پڑا ہے" (تفسیر وحیدی صفحہ ۵۸۶)۔ اس واقعہ میں حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ کی اطاعت و رضا کی تصویر تو نظر آتی ہے مگر کسی مصیبت یا کسی اذیت کا ذرہ برابر بھی پتا نہیں ملتا۔ اس وجہ سے آپ شہید ہوئے نہ مظلوم کہے جا سکتے ہیں۔

حضرت زکریاؑ بھی شہید ہیں۔ جاہلوں نے شبہہ کیا کہ جناب مریم سے آپ کا ناجائز تعلق ہو گیا ہے اس وجہ سے آپ کو قتل کرنا چاہا۔ آپ اُن کے خوف سے بھاگے۔ سامنے ایک درخت تھا وہ خدا کی قدرت سے شگافتہ ہو گیا۔ اور آپ اسکے اندر چلے گئے۔ مخالفوں نے اس درخت کو حضرت زکریاؑ سمیت آرہ سے چیر ڈالا جس سے آپ شہید ہو گئے۔ آپ کی عمر اوس وقت سو سال کی تھی۔ آپ کی شہادت میں عذر نہیں مگر آپ نے اپنے کو بچانے کی کوشش کی اور اسی غرض سے درخت میں چھپے تاکہ اون کے ظلم سے محفوظ رہیں۔ لیکن اس کوشش میں آپ کو کامیابی نہیں ہوئی۔ اس وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ نے خوشی سے درجہ شہادت حاصل کیا۔

حضرت یحییٰؑ بن زکریاؑ بھی شہید کئے گئے۔ اس طرح کہ آپ کے زمانہ کا بادشاہ ہیرودس اپنی بھتیجی یا بھانجی یا اپنی بی بی کی اوس لڑکی پر جو اوسکے پہلے شوہر سے تھی عاشق ہو گیا اور دونوں نے شادی کرنی چاہی مگر حضرت یحییٰؑ نے اوسکو منع کیا۔ بات بڑھی آخر اوس بادشاہ نے حضرت یحییٰؑ کو قتل کر دیا۔ اس میں بھی سوائے آپ کے قتل ہو جانے کے آپ کی کسی مصیبت کا ذکر نہیں ہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اس عورت نے کہا میں بادشاہ کی خواہش پوری نہیں ہونے دونگی جب تک یحییٰؑ کا سر نہ آجائے فلما ابت علیہ بعث الیہ فاتی براسہ۔ جب اس معشوقہ نے انکار کیا تو بادشاہ نے جلاد بھیجے اور فوراً جناب یحییٰؑ کا سر آگیا (طبری جلد ۲ صفحہ ۱۴)

اب اسلام کے شہیدوں کا حال بھی دیکھو۔ حضرت حمزہ کی شہادت عظیم الشان

سمجھی جاتی ہے مگر ہوا کیا؟ غزوۂ احد میں آپ کھا پی کر پورے اطمینان سے لڑنے نکلے ہیں "وہ دودستی تلوار مارتے جاتے تھے اور جس طرف بڑھتے تھے صفیں کی صفیں صاف ہو جاتی تھیں۔ وحشی جو ایک حبشی غلام تھا اور جس سے جبیر بن مطعم اسکے آقا نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ حمزہ کو قتل کر دے تو آزاد کر دیا جائے گا۔ وہ حضرت حمزہ کی تاک میں تھا۔ حضرت حمزہ برابر آئے تو اوس نے چھوٹا سا نیزہ پھینک مارا جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا۔ حضرت حمزہ نے اوس پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کر گئی" (سیرۃ النبی جلد ا ص۲۷۵)۔ دیکھو وحشی کا نیزہ لگنے کے قبل حضرت حمزہ پر کوئی مصیبت نہیں پڑی۔ دنیا کی کوئی زحمت نہیں ہوئی۔ کوئی رنج و غم نہیں ہوا۔ بس ایک منٹ کے اندر نیزہ کا لگنا اور شہادت کا واقع ہونا سب ختم ہو گیا۔ قتل ہونے کے بعد آپکی لاش کے ساتھ بے ادبی بھی کی گئی۔ مگر کتنی؟ "خاتونانِ قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا۔ ان کے ناک۔ کان کاٹ لئے۔ ہندہ (امیر معویہ کی ماں) نے ان پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا۔ حضرت امیر حمزہ کی لاش پر گئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئی لیکن گلے سے اُتر نہ سکا اسلئے اگل دینا پڑا۔ تاریخوں میں ہندہ کا لقب جو جگرخوار لکھا جاتا ہے اسی بنا پر لکھا جاتا ہے" (سیرۃ النبیؐ جلد ا صفحہ ۲۸۰)

بس اس سے زیادہ آپ کی داستانِ مصیبت میں کوئی جملہ نہیں مل سکتا۔

اسلام میں حضرت علیؑ کے بھائی جناب جعفر کی شہادت بھی ممتاز ہے جو غزوہ موتہ میں شہید ہوئے اس کا واقعہ صرف اسس قدر لکھا ہے کہ آپ مدینہ سے موتہ تشریف لے گئے۔ عیسائی فوج سے مقابلہ ہوا "یہ مختصر گروہ آگے بڑھا اور ایک لاکھ فوج پر حملہ آور ہوا حضرت زید برچھیاں کھا کر شہید ہوئے۔ اُن کے بعد حضرت جعفر نے علم ہات میں لیا گھوڑے سے اُتر کر پہلے خود اپنے گھوڑوں کے پاؤں پر تلوار ماری کہ اوسکی کونچین کٹ گئیں پھر اس بے جگری سے لڑے کہ تلواروں سے چور ہو کر گر پڑے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ میں نے انکی لاش دیکھی تھی۔ تلواروں اور برچھیوں کے ۹۰ زخم تھے لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے" (سیرۃ النبیؐ جلد ا ص۳۲۷)۔ غرض آپ بھی نہ بھوکے تھے نہ پیاسے۔ نہ اصحاب و احباب کی شہادت کا داغ اوٹھایا تھا نہ اعزہ و اولاد کی مفارقت

کا صدمہ برداشت کیا تھا۔ نہ عورتوں کی بے پناہی کا غم تھا۔ نہ چھوٹے بچوں کی کس مپرسی کا رنج۔ حضرت عمر بھی شہید کہے جاتے ہیں جن کا واقعہ صرف اس قدر ہے "حضرت عمر امامت کے لیے بڑھے اور جوں ہی نماز شروع کی فیروز نے دفعۃً گھات میں سے نکل کر چھ وار کیے جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا ... خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے" (الفاروق ص۲۰۲)۔ غرض آپ پر بھی صرف چھ وار ہوئے۔ اسکے سوا سے کوئی صدمہ نہیں ہوا۔ حضرت عثمان بھی شہید کہے جاتے ہیں اس طرح کہ "رعایا اور اصحاب رسولؐ آپ سے ناراض ہو گئے اور آپکے آپکے مکان میں گھیر لیا اور ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو گھر میں گھس کر آپ کو قتل کر ڈالا۔ مرنے کے بعد دفن بھی نہ کرنے دیتے تھے۔ تین دن تک آپ کی لاش مزبلہ پر پڑی رہی یہاں تک کہ آپکی ایک ٹانگ کتا کھا گیا۔ بعد میں رات کے وقت حش کوکب میں دفن کئے گئے جو یہودیوں کا قبرستان تھا"۔ آپ بھی نہ جلاوطن ہوئے نہ اپنے احباب و اصحاب کی شہادۃ کا رنج اٹھایا نہ اپنے اعزہ و اولاد کے ذبح کا صدمہ برداشت کیا۔ حضرت امیرالمومنینؑ بھی ابن ملجم کی ضربت سے مسجد کوفہ میں شہید ہوئے۔ اور حضرت امام حسنؑ بھی زہر سے شہید کئے گئے۔ مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مذکورہ بالا کل شہیدوں نے مل کر بھی وہ مصائب جھیلے جو تنہا حضرت امام حسینؑ نے برداشت کئے۔ سب سے پہلی مصیبت یہ کہ بہ جبر مدینہ سے جلاوطن ہونا پڑا۔ دوسری سخت مصیبت یہ کہ روضۂ رسولؐ سے مفارقت ہوئی۔ تیسری مصیبت یہ کہ مکہ معظمہ کو بھی جو ہر مخلوق کے لئے مامن ہے چھوڑنا پڑا۔ چوتھی مصیبت یہ کہ اپنے وطن صوبہ حجاز سے غربت اختیار کرنی پڑی۔ پانچویں مصیبت یہ کہ حضرتؑ کو کربلا میں گھیر کر پہونچایا گیا۔ اور ہر طرف سے وہاں کی ناکہ بندی کر دی گئی۔ آپ پر۔ آپ کی فوج پر۔ آپ کے چھوٹے چھوٹے بچوں پر نہر فرات کا پانی بند کر دیا گیا۔ آپ کے قتل کے لئے اتنی فوجیں بھیجی گئیں جن کا تناسب حضرتؑ کے اصحاب سے کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ ایک انگریز مسٹر کارکرن نے جو زبردست مورخ اور مترجم صدر دیوان عدالت عالیہ کلکتہ تھے ایک کتاب اردو زبان میں لکھی ہے جسکا نام "تاریخ چین" ہے جو دو جلدوں میں ہے اور ۱۸۴۸ء میں بزبان اردو طبع کرا کے موصوف نے شائع کرائی۔ انھوں نے اس کتاب کے دفتر دوم باب ۱۶ میں جہاں مغلوں اور ختائیوں کی لڑائیوں اور بہادریوں کا ذکر کیا ہے۔ یوں لکھا ہے " دنیا میں رستم کا نام بہادری میں مشہور

ہے لیکن کئی شخص ایسے گزر گئے ہیں کہ اُن کے سامنے رستم کا نام قابل لینے کے نہیں ہے
چنانچہ اول درجہ میں حسینؑ بن علیؑ کا مرتبہ بہادری میں ہے کیونکہ میدان کربلا میں ریت پر
تشنگی اور گرسنگی میں جس شخص نے ایسا کام کیا ہو اوس کے سامنے رستم کا نام وہی
شخص لے سکتا ہے جو تاریخ سے واقف نہیں ہے۔ کس کے قلم کو قدرت ہے کہ امام حسینؑ
کا حال لکھے۔ کس کی زبان میں یہ لطافت و بلاغت ہے کہ اُن بہتر بزرگواروں کی ثابت
قدمی اور تہور و شجاعت اور بیس ہزار خونخوار شامی کے جواب دینے اور ایک ایک کے
ہلاک ہوجانے کے باب میں مدح جیسا کہ چاہیئے کر سکے۔ کس کی نازک خیالی کی یہ رسائی
ہے کہ اُن لوگوں کے دل کے حال کو تصور کرے کہ کیا کیا اُن پر گزرا۔ اُس وقت سے
جب عمر سعد نے دس ہزار سوار سے اُن کو گھیر لیا اُس وقت تک کہ جب شمر ملعون نے سر
کاٹ لیا۔ کیونکہ ایک کی دوا دو مثل مشہور ہے اور مبالغہ کی حد یہی ہے کہ جب کسی کے حال
میں یہ کہا جاتا ہے کہ دشمن نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ لیکن حسینؑ اور بہتّر تن کو آٹھ قسم
کے دشمنوں نے تنگ کیا تھا۔ اور اس پر بھی قدم نہ ہٹا۔ چنانچہ چار طرف سے تو
دس ہزار فوج یزید کی تھی جن کے پتھروں اور نیزوں کی بوچھار مثل آندھی کے آتی
تھی۔ اور پانچواں دشمن عرب کی دھوپ تھی جسکی مثال کسی جگہ زیر فلک نہیں ملتی اور یہی
کہنا ہوتا ہے کہ عرب کی دھوپ کی مانند عرب ہی کی دھوپ ہے۔ اور چھٹا دشمن وہ
ریگ کا میدان تھا جو آفتاب کی تمازت میں شعلہ زن اور تنور کے خاکستر سے زیادہ پُر سوز تھا
بلکہ اس کو دریائے قہر کہنا چاہیئے جسکے بلبلے بنی فاطمہ کے پاؤں کے آبلے تھے۔ اور دو دشمن سب سے
ظالم بھوک اور پیاس مثل دغاباز ہمراہیوں کے جسکے برابر عدو نہیں ساتھ تھے۔ اور تشنگی
سے زبان بھول کے جب پھٹ جاتی تھی تب ہی ان دو کی خواہش اندکے تھمتی تھی۔ پس
جنہوں نے ایسے معرکے میں ہزارہا کا فروں کا مقابلہ کیا ہو اُن پر خاتمہ بہادری کا ہو چکا
(تاریخ چین مصنفہ جیمکل کرن جلد ۲ باب ۱۶ صلالا)۔ ان مصائب کے ساتھ حضرت
امام حسینؑ کا اپنے اصحاب کی جدائی کا صدمہ اُٹھانا۔ جوان بھائیوں۔ گود کے پالے
بھتیجوں۔ بھانجوں اور لڑکوں کا تڑپ تڑپ کر مرتے دیکھنا اور بہنوں۔ بیٹیوں۔ بھتیجیوں
کی اسیری کا تصور کرنا وہ مصائب ہیں جن کا لاکھواں حصہ بھی دنیا میں کسی شہید کو نہیں حاصل ہوا

اس وجہ سے کہنا پڑتا ہے کہ جس طرح حضرت رسول خدا صلعم سید المرسلین ہوئے امام حسین علیہ السلام بھی سید الشہداء ہوئے۔

سُنّی تعزیہ داروں کو مشورہ ہمارے پُرانے دوست حاجی ثناء اللہ صاحب اڈیٹر اخبار اہلحدیث امرتسر نے لکھا ہے "لکھنؤ میں شیعہ سنی نفاق وشقاق کی حد یہاں تک پہونچ گئی کہ شیعہ لوگ دانستہ ایسے الفاظ بصورت توہین صحابہ کرام بولنے پر زور دیتے ہیں جن سے سُنیوں کا دل نہ صرف جلے بلکہ خون ہو کر آنکھوں کی راہ بہ جائے۔ اس پر معارف اعظم گڈھ نے سُنیوں کو مشورہ دیتے ہوئے لکھا ہے" اگر حقیقت میں سُنیوں کو شیعوں کے فعل سے اسقدر تکلیف ہے تو ان کا پہلا فرض یہ ہے کہ محرم کے ان تمام بدعات سیئہ سے جو اسلام کی رسوائی کا باعث ہیں یک قلم الگ ہو جائیں۔ ورنہ یہ کیا ہے کہ شیعوں سے نفرت کرنا اور شیعیت کے مراسم خود ادا کرنا جو باتفاق علماء سنت ناجائز اور ناروا ہیں اور متعدد بار اوسکے فتاوے شائع ہو چکے ہیں۔ اسکے بجائے عوام کی دلچسپی اور فائدہ کے لئے ان تمام اکھاڑوں اور فوجی کرتبوں کی نمائش کو جس کا موقع محرم قرار دیا گیا ہے عیدین کے موقع پر رواج دینا چاہیئے" (معارف ماہ نومبر سنہ رواں و اہلحدیث ۳ ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ)

ہمیں حاجی ثناء اللہ صاحب نیز اڈیٹر رسالہ معارف پر ہنسی آتی ہے کہ ان لوگوں کو کیا سوجھی۔ شیعیان لکھنؤ کب اس بات پر زور دیتے ہیں جس سے سُنیوں کا دل نہ صرف جلے بلکہ خون ہو کر بہ جائے۔ فتنہ مدح صحابہ پر یا از خود؟ اگر بدعتہ مدح صحابہ کی وجہ سے تو آپ کیوں اس فساد کو پیدا کرتے ہیں۔ کیا تماشہ ہے کہ خود ہی صحابہ پر... کہنے کا سبب پیدا کرتے ہیں۔ اور خود ہی شکایت کرتے ہیں۔ اب بھی آپ حضرات مدح صحابہ کا فساد ترک کر دیجئے تو شیعہ بھی اس وبار کا انجکشن (تبرا) ترک کر دینگے۔ آپ فرماتے ہیں "محرم کی ان بدعات سیئہ سے الگ ہو جائیں" کس قدر حیرت ہے کہ اسلام کا دعوے کرتے ہوئے عبادات محرم کو بدعات سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے یہ وہ اسلامی شعار ہے جسکی وجہ سے اسلام زندہ ہے۔ آپ کے خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ نے کہا ہے ؏ حقا کہ بنار لا الہ است حسینؑ۔ اور آپ ہی کے مولانا محمد علی صاحب نے بھی کہا ہے ؏ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد۔ بتایئے یہ ہر کربلا کون ہے جسکے بعد اسلام زندہ

ہوتا ہے؟ حقیقی کربلا تو دنیا میں ایک ہی ہے۔ یہاں محمد علی صاحب نے محرم کے عبادات ہی کو تو کربلا مجازاً کہا ہے اور مطلب یہی ہے کہ ہر سال اور ہر مقام کے عبادات محرم کے بعد اسلام زندہ ہو جاتا ہے۔ ورنہ یہ مصرع بے معنی ہو جائے گا۔ پھر لکھتے ہیں:۔
"شیعیت کے مراسم خود ادا کرنا" بھائیو! یہ شیعیت کے مراسم ہیں یا اسلام کے؟ شمار کر لو ہندوستان میں کتنے عزادار شیعہ ہیں اور کتنے سُنی۔ اگر سُنی حضرات کی تعداد بہت زیادہ نکلے تب تمہیں بھی ماننا پڑے گا کہ یہ مسلمانوں کے مراسم ہیں۔ حضرت رسول خدا صلعم کی مشہور حدیث ہے علیکم بالسواد الاعظم۔ تم لوگوں کا فرض ہے کہ بڑی جماعۃ کے ساتھ رہو۔ پس اب دیکھ لو کہ مسلمانوں میں بڑی جماعۃ کون ہے۔ وہ جو عزاداری کرتے ہیں یا وہ جو اس کو ناجائز کہتے ہیں۔ اگر وہ ہیں جو عزاداری کرتے ہیں تو تمہارا بھی فرض ہے کہ عزادار بنو تاکہ اسلام زندہ رہے اور یزید کی حمایۃ سے باز آؤ۔ عزاداری کی مخالفت درحقیقت یزید کی حمایت اور اوسکے چیلے چاپڑوں کا شغل ہے تاکہ اوس کا ظلم پردہ کے اندر رہے اور اوسکی خلافت پر اعتراض نہ ہو۔ آپ لوگوں کے پیشوائے اعظم مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے خوب لکھا ہے "یزید کا کوئی حق نہ تھا کہ اوسکو مسلمانوں پر حکومت ملے۔ بھلا جب فرشتے موجود ہوں تو کوئی شیطان کی حکومت منظور کرے گا؟ مگر معلوم نہیں کہ اہل شام کس قبیل کے مسلمان تھے۔ امام حسین علیہ السّلام کی کفش برداری کی بھی یزید لیاقت نہیں رکھتا تھا۔ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔ کجا عیسٰے کجا دجال ناپاک۔ مگر امام صاحب کے موجود ہوتے ہوئے بھلے مانسوں نے یزید سے بیعت کر لی اور اوس پر بھی اکتفا نہ کی امام صاحب کی جان کے درپے ہو گئے۔ آخر کس ظلم اور شقاوت سے آپ کے بچوں اور عزیزوں سمیت قتل کر دیا ؎ اگر اسلام ہمیں ست کہ اینہا دارند.:. وائے گر در پسِ امروز بود فردائے ✢ پھر لطف یہ کہ اب تک ان اہل شام کے چیلے چاپڑوں سے جہان پاک نہیں ہوتا۔ کوئی تو یزید کو پیغمبر تک پہونچا دیتا ہے۔ کوئی اوس کو خلیفہ برحق کہتا ہے۔ امام صاحب کو باغی قرار دیتا ہے۔ کوئی (شیخ ابوبکر بن عربی استاد امام غزالی ہم) کہتا ہے اگر یزید امام صاحب کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرتا تب بھی میں اُس پر لعنت نہ کرتا کیونکہ وہ اولو الامر منکم سے تھا۔ کوئی کہتا ہے امام حسینؑ اوسی تلوار سے مارے گئے جو

اونکے نانا کی تھی۔ اللہ ان لوگوں سے سمجھے۔ معلوم نہیں قیامت کے دن آنحضرتؐ کے
سامنے یہ لوگ اپنا مونہ کیسے بتائیں گے۔ ہم تو یزید کو مع اوسکے معاونین جیسے شمر لعین
ابن زیاد۔ عمر سعد۔ خولی۔ سنان وغیرہم کو ملعون اور مطرود اور اشقے الخلق والخلیقہ
جانتے ہیں۔ یزید سے بیعت تو کجا اگر ہم اوس کو پالیں تو اوسکے گوشت پوست کے
ٹکڑے کرکے چیل کووں کو کھلائیں۔ اوس وقت ہمارے دل کی کچھ تشفی ہوگی اور ہمارا
غیظ قلب کسی قدر کم ہوگا۔ الف الف لعنت یزید پر اور الف الف یزید کے طرفداروں اور
حامیوں اور تعریف کرنے والوں پر" (انوار اللغۃ پ ۱۲ ص ۱۵۳)۔ آخر میں آپ کا سنہرا مشورہ
ہے "تمام اکھاڑوں اور فوجی کرتبوں کی نمائش کو عیدین کے موقع پر رواج دینا چاہئے"
سبحان اللہ کیسی انوکھی تجویز ہے ؎ جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی :: پاپوش میں لگائی
کرن آفتاب کی + کیوں جناب یہ عیدین کو اکھاڑوں سے کیا نسبت؟ عید الفطر کے روز تو
یہ ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ ۳۰ دن کے بھوکے پیاسے روزہ دار اوس روز تھکے ماندے
نماز عید پڑھکر اپنے اعزہ واحباب سے گلے ملیں گے یا لنگوٹ باندھکر فوجی کرتب دکھائینگے؟
عید اضحےٰ میں بھی یہ ممکن نہیں کیونکہ نماز اور قربانی کے مشاغل اتنے ہوتے ہیں جن سے کسی
اور کام کی فرصت ہو ہی نہیں سکتی۔ اوس روز تو ہر مقام پر قربانی کی وجہ سے ہندو مسلمان
فساد کا خوف لگا رہتا ہے۔ اور مسلمانوں کو یہ فکر پریشان کئے رہتی ہے کہ کس طرح اس دفعہ
بقرعید خیریت سے گزرے گی۔ کس طرح قربانی کی رسم امن واطمینان سے ادا ہوگی۔ کس
مسلمان کے حواس درست رہتے ہیں جو قربانی کے ساتھ اکھاڑا نکالے گا۔ برخلاف اسکے
محرم ہی اس کا بہترین زمانہ ہوتا ہے۔ عید اور بقرعید تو صرف ایک ایک دن ہوتی ہے
اس مختصر وقت میں یہ رسم کیسے انجام پاسکتی ہے۔ البتہ محرم کے دس دن اور دس راتیں
ایسی ہیں جو مسلمانوں کو عملی مسلمان اور جہاد کا شائق ومتمنی بنادیتی اور انکے دلوں میں بھی یہ
اسلامی روح پھونک دیتی ہیں کہ اگر آج بھی مذہب حق پر کوئی وقت آپڑے گا تو ہم اوسی
طرح سینہ سپر ہوجائیں گے جس طرح شہدائے کربلا یزید کے حملۂ اسلام کے مقابلہ میں سینے
تانے ہوئے برچھیاں کھارہے تھے۔ اگر اس وقت بھی دین دشمنوں کے نرغہ میں گھر جائیگا
تو ہم بھی اپنی جانیں اوسی طرح قربان کردیں گے جس طرح انصار حسینؑ نے بروز عاشورا اپنی

جانیں فنا کر دیں۔ اگر آج بھی ہم مسلمانوں کو باطل کے سامنے جھکنے کے لئے مجبور کیا جائیگا تو ہم اسی طرح اسکی مخالفت کریں گے جس طرح نواسۂ رسولؐ اور انکے خاندان والوں نے ہمیں عملی تعلیم دی ہے۔ اگر آج بھی کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی بنیادیں ہلا دی جائیں گی تو ہم عزادارانِ حسینؑ اپنا مال۔ اپنی جان۔ اپنے دوستوں اور اپنے عزیزوں کے ساتھ اس کو اسی طرح قائم رکھنے کی سعی کریں گے جس طرح فرزند رسولؐ اور انکے حق پرست جان نثاروں نے کر کے ابدی زندگی حاصل کر لی۔ فرمائیے یہ باتیں عید فطر و عید اضحیٰ میں کہاں؟ یہ جذبات اُن ایام میں پیدا ہو ہی نہیں سکتے۔ یہ تو صدمہ اٹھانے والوں اور چوٹ کھائے ہوئے دلوں ہی کا کام ہے۔

حنفی عزاداروں کا دلگداز نوحہ وہابیوں کو کھلا ہوا چیلنج

ذیل میں وہ نوحہ درج کیا جاتا ہے جو حنفیوں کے ایک سیاہ تعزیہ کے ساتھ سر برہنہ حنفی نوحہ خوانوں نے حنفی عزاداروں کے ایک کثیر مجمع میں چوک سے گزرتے وقت پڑھا اور جس سے بے حد اثر لیا گیا۔ جس خلوص سے پڑھا گیا اس سے اس نوحہ کا ہر دل پر ایک خاص اثر مترتب ہوتا تھا

اسلام پر یہ ظلم نہیں کیا ستم نہیں ؛ کہتے ہیں آلِ پاک کا غم کوئی غم نہیں
بولے حسینؑ چھپ گئی تصویر نانا کی ؛ اکبرؑ کی نوجوانی کا مطلق الم نہیں
جو کربلا میں آلِ نبیؐ پر ہوئے ستم ؛ بے شک وہ سانحہ تو قیامت سے کم نہیں
مسلم بنے جو فاتحہ دلوائے آپ کی ؛ کیا یہ حسینؑ ظلم نہیں یہ ستم نہیں
عباسؑ رن میں جاتے ہیں کہتے ہیں یہ حسینؑ ؛ جب تم نہیں تو جان لو دنیا میں ہم نہیں
بولے حسینؑ بند کیا آب و دانہ کیوں ؛ اے کوفیو تمہارا یہ ظلم و ستم نہیں
وہ دل نہیں کہ جس میں نہ ہو غم حسینؑ کا ؛ وہ آنکھ کیا جو اسکی مصیبت میں نم نہیں
ایسے بھی ہیں حسینؑ کا غم دل میں رکھتے ہیں ؛ ایسے بھی لوگ ہیں جنھیں مطلق الم نہیں
تم پر تمام ظلم کئے جائیں اے حسینؑ ؛ اور ہم نہ روئیں ظلم نہیں یہ ستم نہیں
فردوس میں جنان میں۔ مدینہ میں ہند میں ؛ وہ کون سی جگہ ہے جہاں ان کا غم نہیں
شہ کہتے تھے کہ مجھکو رضا چاہئے تری ؛ واللہ اپنے مٹنے کا مجھ کو الم نہیں
اسلامیوں میں ڈالتے ہیں پھوٹ اور نفاق ؛ اور اس پہ لطف یہ ہے کہ ظلم و ستم نہیں

(روزنامہ اسد ۱۷ محرم ۱۳۵۹ھ)

مدح صحابہ کی اجازت کیوں دیگئی تھی

بابو گوپی ناتھ سریواستوا ایم۔ ایل۔ اے نے جو محکمہ جیل و ریونیو کے سابق سکریٹری تھے ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے :۔ When Congress ruled (یعنی جب کانگریس نے حکومت کی) سریواستو صاحب نے اس کتاب میں جہاں اور باتیں لکھیں وہاں یہ بھی لکھ دیا کہ واقعہ یہ ہے کہ مدح صحابہ کا ایجی ٹیشن اوس وسیع جد و جہد کا نتیجہ تھا جسکے ذریعہ سے کانگریس کو بدنام کرنا مقصود تھا شیعہ برابر کانگریس کے سخت حامی رہے جب کہ مسلم لیگ میں سُنیوں کی اکثریت تھی اس وقت اس امر کا ایک سنہری موقع حاصل ہوگیا کہ اسکے ذریعہ سے مذہب کے نام پر کانگریس کو بدنام کیا جائے۔ سریواستو صاحب کے اس بیان کی آڑ لے کر خود ساختہ ظفر الملک صاحب بہت گرجے اور برسے ہیں اور نہ صرف شیعوں کو بُرا بھلا کہا ہے بلکہ اس مضمون میں نواب صاحب چھتاری کانگریس سے پہلے والی گورنمنٹ مولانا آزاد۔ پنتھ جی۔ کانگریس گورنمنٹ۔ گوپی ناتھ سریواستوا۔ سردار پٹیل۔ مقامی حکام اور دنیا بھر کو خوب صلواتیں سُنائی گئی ہیں۔ نواب صاحب چھتاری کو یہ الزام دیا گیا ہے کہ اُن کی وزارت میں یہ ہمت نہ تھی کہ وہ صداقت و حق کا مقابلہ کرتی بلکہ اونھوں نے گھبرا کر اس فیصلہ کو کانگریس وزارت پر چھوڑ دیا۔ کانگریسی وزارت کو یہ الزام دیا گیا ہے کہ اوس نے معاملات کو کھٹائی میں ڈالے رکھا اور سُنیوں کے مسلسل مجبور کرنے اور زور دینے پر بالآخر ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء کو اپنی رپورٹ شائع کی جس میں سُنیوں کے حق کو تسلیم کیا۔ مولانا آزاد کو یہ الزام دیا گیا ہے کہ اونھوں نے تحریری وعدہ کے باوجود جو حسین احمد صاحب مدنی سے کیا تھا آخر الذکر کے مسلسل اصرار کے باوجود سُنیوں سے اپنے وعدہ کو پورا نہیں کیا اور بالآخر حسین احمد صاحب مدنی کے کہنے پر سُنی نافرمانی قانون پر مجبور ہوئے۔ پنڈت گوبند بلبھ پنتھ کو اسی مضمون میں الزام دیا گیا ہے کہ جب اونھوں نے یہ دیکھا کہ ہم لوگ نافرمانی قانون شروع کر رہے ہیں تو پنڈت جی نے فوراً صبح کے اخبارات میں ۱۱ر نومبر ۱۹۳۸ء کو ایک سرکاری بیان شائع کر دیا اور کہا کہ اگر ہم لوگ نافرمانی قانون کو ترک کر دیں تو وہ بہت جلد معاملات کو طے کر دیں گے۔ انھوں نے اپنے اس وعدہ کا احترام نہیں کیا اور بالآخر حامیان مدح ثلاثہ نافرمانی قانون پر مجبور ہوئے۔ پنتھ جی کے بعد اسی مضمون میں سردار ولبھ بھائی پٹیل کی خبر لی گئی ہے کہ انھوں نے یہ بالکل

جھوٹا بیان دیا کہ شیعہ ۳ کروڑ ہیں اور وہ مسلم لیگ کو اپنا نمائندہ نہیں سمجھتے بلکہ کانگریس کے ساتھ ہیں۔ خود ساختہ ظہیرالملک نے اسکے بعد وہی پرانی رٹ لگائی کہ شیعہ ہمیشہ سرکار برطانیہ کے وفادار رہے۔ انھوں نے کبھی کانگریس کا ساتھ نہیں دیا اور کانگریس کی ہندو اکثریت میں سب سے زیادہ تعداد ہماری ہی جماعت کی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ نے وہی رونا رویا ہے جو اکثر روتے آئے ہیں کہ شیعہ ۳ کروڑ نہیں صرف ۱۵ لاکھ ہیں۔ گورنر کی خدمت میں شیعیان لکھنؤ کا ایک وفد جو گیا تھا اس میں تاج برطانیہ سے وفاداری اور مسئلہ خلافت و ترک موالات سے علیحدگی کا اعلان کیا گیا تھا وغیرہ وغیرہ" (روزنامہ اسد ۲۰ محرم ۱۳۵۹ھ)

جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے!

عزاداری حسینؑ میں سنیوں نے غیر معمولی حصہ لیا مولوی عبدالشکور صاحب کے اخبار "آفتاب" کا اقرار

ایک دنیا کو معلوم ہے کہ مدح صحابہ کے فتنہ کا مقصد عزاداری حسینؑ کو مٹانے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ لیکن اسے امام حسین علیہ السلام کا معجزہ ہی تصور کرنا چاہیے کہ پاٹانالوی سنیوں کی تمام منحوس کوششیں قطعاً ناکام ثابت ہوئیں اور آج ادن کے اخبار آفتاب مورخہ ۴ مارچ نے "ہندوستان کا محرم" کے عنوان سے جو نوٹ شایع کیا ہے وہ خود اس امر کا اقرار کر رہا ہے۔ قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے ہم اس کا ضروری اقتباس درج ذیل کرتے ہیں:۔

"افسوس ابکی سال کا محرم تو تحقیقی نقطۂ نظر سے گزشتہ سال کے محرم سے دس قدم اور آگے بڑھ گیا۔ گزشتہ سے پیوستہ سال سنیوں نے عام طور سے تعزیہ داری سے توبہ کرلی تھی اور شیعوں کا محرم بالکل مٹی ہو گیا تھا اور اسکے بعد دوسرے سال بھی سنیوں کے صرف گیارہ تعزیے نکلے لیکن اس سال کہ تبرا ایجی ٹیشن سے سنیوں کی اور آنکھیں کھل جانا چاہئے تھیں۔ معلوم ہوا ہے کہ متعدد سنیوں نے اس تحریک میں حصہ لیا اور یہ سن کر تو بہت ہی ملال ہوا کہ ابکی مرتبہ سنی اور شیعہ تعزیہ داروں اور جلوسوں کی کمان خاکسار سپاہی کر رہے تھے۔ جسکے دوسرے معنی یہ ہوئے کہ ابکی مرتبہ علامۂ مشرقی اور انکی ذریات نے خوب کثرت سے تعزیہ داری کی اور کرائی" (آفتاب لکھنؤ ۴ مارچ) (منقول از اخبار سرفراز ۲۹ محرم ۱۳۵۹ھ)

اخبار غم

افسوس اصلاح کے گزشتہ نمبروں میں بہت سے احباب و اعزہ کے اخبار غم درج ہونے سے رہ گئے (۱) ۹ ذیقعدہ کو میری اپنی بھتیجی میمونہ جو برادرم موسیٰ کاظم سلمہ

کی بچی تھی انتقال کیا۔ جناب سید محمد حیدر صاحب سب رجسٹرار ساکن جائس نے بھی انتقال کیا۔ حبیب محترم جناب مولوی حکیم سید محمد صادق صاحب لکھنوی مولوی فاضل وصدر الافاضل طبیب ریاست حیدر آباد دکن کی مجھلی ہمشیر نے بھی انتقال کیا جس سے ممدوح کو نہایت صدمہ ہے۔ جناب سید ظفر عباس صاحب سب انسپکٹر انچارج تھانہ شملہ نے اچانک گھوڑے سے گر کر انتقال کیا۔ آپ کے بوڑھے باپ جناب مولوی سید محمد یحیٰی حسن صاحب ساکن نہٹور سادات ضلع بجنور کی جو حالت ہوئی ناقابل بیان ہے۔ جناب سید اشفاق حسین صاحب ساکن اگیونہ ضلع الہ آباد کے بھانجے سید محمد کاظم صاحب مرحوم پتر دل محکمہ نہر نے ۹ جولائی کو انتقال کیا۔ کسی نے لاٹھیوں کے وار سے ہلاک کر دیا۔ مرحوم کے دو یتیم بچوں اور بی بی کا جو حال ہو رہا ہے بیان نہیں ہو سکتا۔ جناب مولوی میر امیر علی صاحب ابن میر محمد علی صاحب نے ۱۱۲ سال کی عمر میں ۱۰ ماہ صیام کو انتقال کیا۔ خدا آپ کے فرزند میرزا اکبر حسین صاحب صیغہ دار ریاست بیدر ریاست دکن کو صبر عطا فرمائے۔ جناب نواب سید احمد مرزا صاحب دہلی کے ۱۷ سال کے جوان فرزند نے کچھ قبل انتقال کیا تھا۔ ابھی وہ زخم مندمل نہیں ہوا تھا کہ اس سال آپ کے ۶ سالہ دوسرے فرزند نے بھی اکتوبر میں انتقال کیا۔ مولوی عبد الغفور صاحب بنارسی کے فرزند نجم الحسن اختر صاحب مرحوم نے بھی ۲۹ ماہ صیام کو انتقال کیا۔ اس سال میرے عزیز خاص محمد مرتضیٰ صاحب ساکن حسین گنج نے ۹ محرم کو فالج سے انتقال کیا۔ خدا مرحومین کے درجات عالی کرے اور پس ماندگان کو صبر عطا فرمائے۔ ناظرین سورہ فاتحہ و توحید کا ثواب سب کی روحوں کو ایصال کریں۔

مخصوص شکریہ سال گزشتہ جناب سید شاہ علی امام اشرف صاحب زیدی سب انسپکٹر انچارج تھانہ ضلع بارہ بنکی نے رسالہ اصلاح کی اعانت میں ۵۰؎ کا کاغذ منگا دیا اور تین جدید خریداروں سے چندہ اصلاح خود وصول کر کے بھی بھیجا تھا خدا ممدوح کو جزائے خیر دے۔ اگر اس سال بھی صرف دو سو حضرات اپنے حلقہ احباب میں دفتر اصلاح کی کتابیں محض دس دس روپیہ کی فروخت کرا دیں تو کاغذ کا کافی سامان ہو جا سکتا ہے جس کے بعد انشاء فوراً جدید دلچسپ ناول "تحفہ عماریہ" شروع کر دیا جائیگا۔ کیا محبت کتاب بھی مذہب شیعہ کی تبلیغ و ترقی کا حیرت خیز ذریعہ ثابت ہوگا دفتر اصلاح کی موجودہ کتابوں کی فہرست مفت طلب فرما کر کل حضرات اپنے اعزہ و احباب کو بھی خریدیں تاکہ تبلیغ دین حق کا فرض بھی ادا ہو تا رہے۔

جناب سید محمد عقیل رضا صاحب خلف جناب سید حسین صاحب ساکن منڈیاؤں ضلع سارن نے ۱۰ محرم کو انتقال کیا۔

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلهم کانوا اشد منهم قوة واثاروا الارض وعمروها اکثر مما عمروها وجاءتهم رسلهم بالبینات فما کان الله لیظلمهم ولکن کانوا انفسهم یظلمون (پ ۲۱ ع ۴)

کیا یہ لوگ روئے زمین پر چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے جو لوگ ان سے پہلے گزر گئے انکا انجام کیسا ہوا حالانکہ وہ قوت میں بھی زیادہ تھے اور جس قدر زمین ان لوگوں نے آباد کی ہے اس سے کہیں زیادہ انہوں نے بھی آباد و تیار کی تھی اور انکے پاس بھی انکے پیغمبر واضح اور روشن دلیلیں لے کر آ چکے تھے مگر انہوں نے نہ مانا تو خدا نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ لوگ آپ اپنے اوپر ظلم کرتے رہے

الحمد للہ

کہ

کتاب مستطاب ہدایت مآب

مسمے بہ

حضرت عمر

حصہ ثانیہ

جسمیں خدا کے فضل و کرم سے حضرت عمر بن الخطاب کی ہجرت طرف مدینہ سے وفات تک کے مفصل سوانح حیات
کمال تحقیق و جامعیت سے لکھے گئے ہیں

مصنفہ

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم مدیر جریدۂ مبارکہ اصلاح کھجوا (بہار)

ابن

حضرت فخر المتکلمین سید المحققین ظہیر العلماء، المجتہد معز الملة والدین حجة الاسلام والمسلمین کہف الایمان والمومنین آیة اللہ فی العالمین مولانا و مقتدانا آقا سید علی اظہر صاحب قبلہ طاب ثراہ و جعل الجنة مثواہ المتوفی

۱۲ر شعبان سنہ ۱۳۵۲ ہجری

مطبع اصلاح کھجوا (صوبہ بہار) میں چھپی

بار اول

سنہ ۱۳۵۹ ہجری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا رحمۃ للعالمین ابی القاسم محمد وآلہ الطاہرین

اس کتاب کے پہلے حصہ میں عرض کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے حالات انشاء اللہ دس باب میں لکھے جائیں گے۔ الحمدللہ کہ پہلے حصہ میں پہلے باب کے حالات پوری تحقیق وجامعیت سے لکھے گئے اب کتاب کے اس دوسرے حصہ میں باقی ابواب لکھے جاتے ہیں۔ خدائے کریم اب بھی ہم پر اپنے کرم واحسان کی بارش کرتا ہے اور پہلے حصہ سے بھی زیادہ اس حصہ کو اپنے پسندیدہ دین اسلام کی سچی خدمت کا ذریعہ قرار دے۔ اس سے باطل کے پردے چاک ہوجائیں حق کے جلوے ہر شخص کو نظر آنے لگیں۔ ظلمت کی گھٹائیں دور ہوں۔ نور کی شعائیں عالمگیر ہوجائیں۔ ضلالت کے راستے مٹیں۔ ہدایت کی راہیں چمکنے لگیں۔ کذب وزور کی صورتیں محو ہوجائیں۔ صدق وصفا کی شکلیں دکھائی دینے لگیں۔ مذہبی تعصب اور جماعتی جنبہ داری کا اثر غالب ہوجائے اور حق پرستی وصدق پسندی کا دور جاری ہوجائے۔ اس کتاب کا فیض اس درجہ عام ہو کہ ہر مسلمان یخادعون اللہ والذین آمنوا وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون (یہ لوگ خدا کو اور مومنین کو دھوکا دیتے ہیں حالانکہ وہ آپ اپنے ہی کو فریب میں بتلا رکھتے ہیں اور سمجھتے نہیں پ۱ ع ۲) کی مصیبت سے نکل آئے اور یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون (اے ایمان والو خدا سے ڈرتے رہو جس قدر اوس سے ڈرنا چاہیئے اور تم خالص دین اسلام کے سوا کسی مذہب پر بھی نہ مرنا۔ پ۴ ع ۲) کا پورا عامل بن جائے۔ اھدنا الصراط المستقیم کو وہ اپنی سچی اور قلبی دعا وآرزو قرار دے اور حسبنا ما وجدنا علیہ آباءنا (ہم نے اپنے باپ دادا کو جس طریقہ پر پایا وہی ہمارے لئے کافی ہے (پ۷ ع ۴) کے گمراہ کن اصول سے وہ توبہ کرے۔ مختصر یہ کہ خدا نے جس اسلام کی پیروی کا ہمیں حکم دیا ہے اوسی پر سب دل سے چلیں۔ پروردگار عالم نے جس امر کے پسند کرنے کا وعدہ کیا ہے اُسی کو سب اختیار کریں اور جن باتوں کی وجہ سے اُس کا غضب نازل ہوتا ہے اُن سے علیحدہ رہیں۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

دوسرا باب ۲

پہلی فصل

مدینہ کی زندگی - واقعہ مواخاۃ

مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "حضرت عمرؓ نے بیس آدمیوں کے ساتھ مدینہ کا قصد کیا... مدینہ منورہ کی وسعت چونکہ کم تھی مہاجرین زیادہ تر قباء میں (جو مدینہ سے دو تین میل ہے) قیام کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ بھی یہیں رفاعہ بن عبد المنذر کے مکان پر ٹھہرے۔ قباء کو عوالی بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ان کے فرودگاہ کا نام عوالی ہی لکھا ہے۔ حضرت عمرؓ کے بعد اکثر صحابہ نے ہجرت کی۔ یہاں تک کہ ۱۳ نبوی ۶۲۲ء میں خود جناب رسالت پناہ نے مکہ چھوڑا اور آفتاب رسالت مدینہ کے افق سے طالع ہوا۔ مدینہ پہنچکر سب سے پہلے آنحضرتؐ نے مہاجرین کے رہنے سہنے کا انتظام کیا۔ انصار کو بلا کر اُن میں اور مہاجرین میں برادری قائم کی جس کا یہ اثر ہوا کہ جو مہاجر جس انصاری کا بھائی بن جاتا تھا انصاری اوسکو اپنی جائداد، مال، اسباب، نقدی تمام چیزوں میں سے آدھا آدھا بانٹ دیتا تھا اس طرح تمام مہاجرین اور انصار بھائی بھائی بن گئے اس رشتہ کے قائم کرنے میں آنحضرت طرفین کے رتبہ اور حیثیت کا فرق مراتب ملحوظ رکھتے تھے یعنی جو مہاجر جس درجہ کا ہوتا تھا اُسی رتبہ کے انصاری کو اُس کا بھائی بناتے تھے چنانچہ حضرت عمرؓ کو جس کا بھائی قرار دیا اُنکا نام عتبان بن مالک تھا جو قبیلۂ بنی سالم کے سردار تھے" (الفاروق ص۲۶)

حضرت رسول خدا صلعم کو اتفاق و اتحاد کی خاص فکر رہتی تھی اور چاہتے تھے کہ اگر سب لوگ ملکر نہ رہ سکیں تو مسلمان ضرور متفق ہوکر زندگی بسر کریں۔ اسی وجہ سے حضرتؐ نے مکہ معظمہ میں بھی مسلمانوں میں مواخاۃ قائم کی اور مدینہ میں بھی۔ علمار محققین نے لکھا ہے ان المواخاۃ انما وقعت مرتین۔ مرۃ بین المہاجرین قبل الھجرۃ و مرۃ بین المہاجرین والانصار بعد الھجرۃ۔ مواخاۃ کا رشتہ دو مرتبہ ہجرت سے بعد ایک مہاجر ایک انصار کے درمیان

وقائم کی گئی۔ ایک دفعہ ہجرت سے پہلے مہاجرین کے درمیان آپس میں۔ اور دوسری مرتبہ

(سیرۃ حلبیہ جلد ۲ صہ ۹) علامہ محب طبری نے لکھا ہے وعن ادل دلیل علی عظم منزلتہ من رسول اللہ صنیعہ فی المواخاۃ کما تقدم فانہ جعل یضم الشکل الی الشکل یؤلف بینھما الی ان آخی بین ابی بکر و عمر وادخر علیا لنفسہ وخصہ بذلک فیالھا مفخرۃ وفضیلۃ ۔ حضرت علیؑ کو حضرت رسولخدا صلعم کے ہاں جو عظیم الشان منزلت تھی ۔ اسکی سب سے بڑی دلیل حضرت کا وہ عمل ہے جو آپ نے مواخاۃ کے موقع پر کیا کیونکہ آنحضرتؐ ایک ایک قسم کے لوگوں کو مواخاۃ سے ملا دیتے تھے یہاں تک کہ حضرت ابوبکر و عمر کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا مگر حضرت علیؑ کو اپنے نفس کے لئے بطور ذخیرہ رکھا اور آپکو خاص اپنی مواخاۃ کے لئے محفوظ کر لیا ۔ پس سبحان اللہ حضرت علیؑ کی یہ کیسی فضیلت تھی اور آپ کے لئے کیسا فخر ہوا" (ریاض نضرہ جلد ۲ صہ ۲۱۲) ۔ مگر علامہ ابن ہشام کے الفاظ کچھ زیادہ معرفت خیز ہیں ۔ لکھتے ہیں آخی رسول اللہ بین اصحابہ من المہاجرین والانصار فقال فی ما بلغنا تاخوا فی اللہ اخوین اخوین ثم اخذ بید علی ابن ابی طالب فقال ھذا اخی فکان رسول اللہ سید المرسلین وامام المتقین و رسول رب العالمین الذی لیس لہ خطیر ولا نظیر من العباد وعلی ابن ابی طالب اخوین ۔ حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے اصحاب یعنی مہاجرین وانصار کے درمیان مواخاۃ قائم کی اور فرمایا تم لوگ اللہ کی راہ میں ایک دوسرے کے بھائی بن جاؤ ۔ پھر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا میرے بھائی یہی ہیں ۔ اس طرح حضرت رسولخدا صلعم جو مرسلین کے سردار متقین کے امام اور رب العالمین کے پیغمبر تھے جن کا نہ کوئی مثل ہوا نہ نظیر اور حضرت علی بھائی بھائی قرار پائے (سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ صہ ۲۸۱) ۔ اس سے یہ امر بھی واضح ہوا کہ حضرت ابوبکر باوجود سے کہ ہجرت کے وقت آنحضرتؐ کے پیچھے چلے آئے اور غار میں بھی حضرت کے ساتھ رہ چکے تھے مگر آنحضرت صلعم نے اپنا بھائی بنانے کے لئے آپ کا انتخاب نہیں فرمایا ۔ اور حضرت عمر کو بھی اسکے لئے پسند نہیں کیا ۔ البتہ حضرت ابوبکر و عمر میں خاص مناسبت تھی اس سبب سے ان دونوں میں مواخاۃ کا رشتہ قائم کیا ۔ اسی طرح حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت علیؑ میں پوری مناسبت تھی ۔ اس سبب سے آنحضرت نے کل مہاجرین وانصار بلکہ حضرات شیخین کو بھی چھوڑ کر محض حضرت علیؑ کو اپنا بھائی بنایا ۔ یہ

حضرت علیؑ کی وہ فضیلت تھی جس پر حضرت جس قدر فخر و مباہات کرتے بجا تھا۔ اور حضرت رسول خدا صلعم مواخاۃ بھی بغیر وحی خدا نہیں کر سکتے تھے۔ تو درحقیقت خدا ہی نے آنحضرت صلعم اور حضرت علی میں مواخاۃ قائم کی۔ آنحضرت صلعم نے حضرت ابو بکر و عمر کو دنیا ہی کا نہیں بلکہ آخرۃ کا بھائی بھی فرما دیا تھا۔ قال رسول اللہ یا ابا بکر و عمر ارحمت ان اواخی بینکما انتما اخوان فی الدنیا و الاخرۃ۔ فلیسلم کل منکما علی الآخر و لیصافحہ فاخذ ابو بکر بید عمر۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا اے ابو بکر و عمر مجھے (خدا کا) حکم ہوا ہے کہ تم دونوں میں مواخاۃ کر دوں۔ تم دنیا میں بھی ایک دوسرے کے بھائی ہو اور آخرت میں بھی۔ تو ایک شخص دوسرے کو سلام کرے اور اس سے مصافحہ کرے۔ اس پر حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کا ہاتھ پکڑ لیا (ریاض نضرہ جلد ۱ ص۱۵) علامہ علی متقی و محب طبری وغیرہ نے لکھا ہے لما آخی النبیؐ بین اصحابہ قال علی لقد ذھب روحی و انقطع ظھری حین رأیتک فعلت باصحابک ما فعلت غیری۔ جب آنحضرتؐ اپنے اصحاب کے درمیان مواخاۃ کر چکے تو حضرت علیؑ نے کہا یا حضرت میری روح نکل گئی اور میری کمر ٹوٹ گئی کہ دیکھا حضور نے اصحاب کو اس طرح ملایا اور مجھے نہیں۔ اس پر آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا والذی بعثنی بالحق ما اخرتک الا لنفسی و انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ غیر انہ لا نبی بعدی و انت اخی و وارثی۔ قال وما ارث منک یا نبی اللہ؟ قال ما ورثت الانبیاء من قبلی۔ قال وما ورثتہ الانبیاء من قبلک؟ قال کتاب ربھم و سنۃ نبیھم و انت معی فی قصری فی الجنۃ مع فاطمۃ ابنتی۔ ثم تلا رسول اللہ اخوانا علی سرر متقابلین المتحابون فی اللہ ینظر بعضھم الی بعض۔ اُس خدا کی قسم جس نے مجھے رسول برحق بنایا میں نے تم کو نہیں چھوڑا مگر اسلئے کہ اپنا بھائی بناؤں اور تم کو مجھ سے وہی درجہ ہے جو جناب ہارون کو حضرت موسیٰؑ سے تھا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ تم میرے بھائی ہو اور تم ہی میرے وارث بھی ہوگے۔ حضرت علیؑ نے پوچھا آپ کی کس چیز کا وارث ہوں گا؟ فرمایا جن چیزوں کے وارث میرے قبل انبیاء ہوتے رہے ہیں۔ حضرت علیؑ نے پوچھا آپکے قبل انبیاء کس چیز کے وارث ہوتے تھے؟ فرمایا اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کے اور تم میرے ساتھ میرے ہی قصر میں بہشت میں رہوگے۔ میری بیٹی فاطمہ بھی اوسی قصر

میں رہیں گی۔ پھر حضرت عمرؓ نے یہ آیت پڑھی کہ یہ لوگ ایسے بھائی ہیں جو بہشت میں مقابل کے تختوں پر رہیں گے۔ اللہ کی راہ میں ایک دوسرے سے دوستی کرینگے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہیں گے (ریاض نضرہ جلد ۱ صفحہ ۱۵ و کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۳۹) ۔ یہ بھی حضرت عمرؓ نے فرمایا قم فما صلحت ان تکون ابا تراب اغضبت علی حین واخیت بین المہاجرین والانصار ولم اواخ بینک وبین احد منھم اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسے الا انہ لیس بعدی نبی۔ الا من احبک حف بالامن والایمان ومن ابغضک اماتہ اللہ میتۃ الجاھلیۃ ۔ اٹھو کیا یہ فضیلت کم ہے کہ تم ابو تراب ہو۔ اے علیؓ میں نے مہاجرین وانصار میں مواخاۃ کی اور تمہاری مواخاۃ کسی سے نہیں کی تو تم رنجیدہ ہوگئے کیا تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم کو مجھ سے وہی درجہ حاصل ہے جو جناب ہارون کو حضرت موسےؑ سے تھا سوائے اسکے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اے علیؓ سن لو جو شخص تم کو دوست رکھے گا وہ امن وایمان سے بھر دیا جائیگا اور جو تم کو دوست نہیں رکھے گا اسکو اللہ مرتے وقت کافر اوٹھائیگا (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۰۱) ۔ اور علامہ ابوالفدا وغیرہ نے لکھا ہے اٰخیٰ رسول اللہ فاتخذ رسول اللہ علی ابن ابی طالب اخا وکان علی یقول علی منبر الکوفۃ ایام خلافتہ انا عبداللہ واخو رسول اللہ وصار ابوبکر وخارجہ بن زید اخوین وابوعبیدہ بن الجراح وسعد بن معاذ اخوین وعمر بن الخطاب وعتبان بن مالک اخوین ۔ حضرت رسولخداؐ نے لوگوں میں مواخاۃ کی۔ خود آنحضرت صلعم نے حضرت علیؑ کو اپنا بھائی بنایا اسی وجہ سے حضرتؑ اپنی خلافۃ کے زمانہ میں منبر کوفہ پر فرمایا کرتے میں اللہ کا بندہ اور رسولؐ کا بھائی ہوں اور حضرت ابوبکر وخارجہ بن زید اور ابوعبیدہ وسعد بن معاذ اور حضرت عمر وعتبان بن مالک ایک دوسرے کے بھائی بنادیئے گئے۔ (تاریخ ابوالفداء جلد ۱ صفحہ ۱۲۷) ۔ یہ امر قابل غور ہے کہ حضرت سلعم نے کئی بار اصحاب کے درمیان مواخاۃ کی اور تقریباً ہر مرتبہ حضرت ابوبکر وعمر میں مواخاۃ کی لیکن اپنے اور ان حضرات کے درمیان کبھی مواخاۃ کو پسند نہیں فرمایا۔ علماء نے تصریح کی ہے اٰخیٰ رسول اللہؐ بین المہاجرین ثم اٰخیٰ بین المہاجرین والانصار وقال فی کل واحدۃ منھما لعلی انت اخی فی الدنیا والاٰخرۃ واٰخا بینہ وبین نفسہ حضرت رسولخدا صلعم نے مہاجرین میں

مواخاۃ کی پھر مہاجرین و انصار میں مواخاۃ کی اور ہر مرتبہ حضرت علیؑ سے فرمایا کہ دنیا
و آخرت میں میرے بھائی تم ہی ہو۔ اور حضرتؐ نے (عملی طور پر) اپنے اور حضرت علیؑ کے
درمیان مواخاۃ کر کے اس کا اعلان بھی کر دیا (ریاض نضرہ جلد ۱ صکا)

دوسری فصل

جناب سیّدہؑ سے شادی کی تمنّا اور اُس کا نتیجہ

سنہ ۲ ہجری میں جناب سیّدہ سے شادی کی خواہش حضرت عمر نے کی مگر حضرت رسولخدا صلعم کو
اس درخواست ہی سے نہایت صدمہ و ملال ہوا یورخین وحی۔ شبلی نے لکھا ہے جاء ابوبکر
الی النبیؐ فقعد بین یدیہ فقال یا رسولؐ اللہ قد علمت مناصحتی و قدمی
فی الاسلام و انی و انی۔ قال و ماذا قال تزوجنی فاطمۃ فسکت عنہ او قال فاعرض عنہ فرجع ابوبکر
الی عمر فقال ھلکت و اھلکت۔ قال وما ذاک۔ قال خطبت فاطمۃ الی النبیؐ
فاعرض عنی۔ قال مکانک حتے آتی النبیؐ فاطلب مثل الذی طلبت فاتے
عمر النبیؐ فقعد بین یدیہ فقال یا رسولؐ اللہ قد علمت مناصحتی و قدمی فی
الاسلام و انی و انی۔ قال وماذاک۔ قال تزوجنی فاطمہ۔۔ فاعرض عنہ فرجع عمر
الی ابی بکر۔ حضرت رسولخداؐ کے سامنے حضرت ابو بکرؓ آ کر بیٹھ گئے اور کہا اے رسولؐ آپ
میری خیر خواہی اور اسلام میں سبقت کی حالت سے واقف ہیں اور میں ایسا۔ اور میں ویسا
حضرتؐ نے پوچھا تو پھر؟ کہا یہی کہ جناب فاطمہؑ کو مجھ سے بیاہ دیجئے۔ اس پر حضرتؐ
بالکل خاموش ہو گئے یا ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ یہ (غیظ و غضب) دیکھ کر حضرت ابوبکر
حضرت عمر کے پاس گئے اور کہنے لگے میں ہلاک ہو گیا۔ میں تباہی میں ڈال دیا گیا۔ حضرت
عمر نے پوچھا کیوں کیا ہوا؟ کہا میں نے حضرت فاطمہؑ سے شادی کا پیغام دیا تو آنحضرت صلعم نے
میری طرف سے منہ ہی پھیر لیا۔ حضرت عمر نے کہا اچھا آپ ذرہ ٹھہریئے۔ میں خود رسولؐ کے
پاس جاتا اور یہی درخواست اپنے لئے کرتا ہوں۔ غرض حضرت عمر بھی جناب رسولؐ کے
پاس پہونچے اور روبرو حضرتؐ کے بیٹھ کر کہنے لگے اے رسولخداؐ آپ میری بہی خواہی اور

اسلام میں سبقت کرنے کی حالت سے خوب واقف ہیں اور میں ایسا۔ اور میں ایسا حضرت نے پوچھا تو پھر؟ کہا فاطمہ کی شادی مجھ سے کر دیں۔ اس پر بھی حضرت (کرنا غصہ اور رنج ہو کہ آپ) نے انکی طرف سے بھی منہ پھیرلیا۔ تب حضرت عمر حضرت ابوبکر کے پاس واپس آئے (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۱۳) علامہ ملا علی قاری نے لکھا ہے خطب ابوبکر الی النبیؐ ابنتہ فاطمۃ فقال یا ابا بکر لم ینزل القضاء۔ ثم خطبھا عمر مع عدۃ من قریش کلھم یقول لہ مثل قولہ لابی بکر۔ فقیل لعلی لو خطبت الی النبیؐ فاطمۃ علیہ السلام ان یزوجکھا.. فخطبھا فقالؐ قد امرنی ربی بذلک قال انس ثم دعانی النبیؐ بعد ایام فقال اخرج وادع لی ابابکر الصدیق وعمر ... فدعوتھم... وکان علی غائبا فقال النبیؐ ... ان اللہ امرنی ان ازوج فاطمۃ من علی فاشھدوا انی قد زوجتہ علی اربعمائۃ مثقال فضۃ ان رضی بذلک علی... دخل علی علی النبیؐ فتبسم النبیؐ فی وجھہ ثم قال ان اللہ امرنی ان ازوجک فاطمۃ ان رضیت بذلک فقال قد رضیت بذلک یا رسول اللہ ... فقال النبیؐ جمع اللہ شملکما واسعد جدکما وبارک علیکما واخرج منکما کثیرا طیبا۔ قال انس فواللہ لقد اخرج منھما کثیرا طیبا۔ انس بن مالک بیان کرتے تھے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت رسولؐ سے درخواست کی کہ یا حضرتؐ آپ جناب فاطمہ کی شادی مجھ سے کر دیجئے۔ حضرتؐ نے فرمایا اے ابوبکر خدا نے مجھے اسکی اجازت نہیں دی ہے۔ پھر حضرت عمر نے درخواست کی۔ ان کا جواب بھی حضرتؐ نے وہی دیا جو حضرت ابوبکر سے کہا تھا۔ تب لوگوں نے حضرت علیؑ سے کہا اگر آپ خواستگاری کریں تو حضرت ضرور منظور کرلیں گے۔ غرض حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا تو حضرتؐ نے فرمایا ہاں خدا نے تو مجھے اس کا حکم ہی دیا ہے۔ انس کہتے تھے کہ پھر چند دنوں بعد آنحضرتؐ نے مجھے بلایا اور فرمایا ابوبکر عمر عثمان عبد الرحمن۔ سعد۔ طلحہ۔ زبیر اور فلاں فلاں انصار کو بلالاؤ۔ انس گئے اور سب کو بلالائے۔ اس وقت حضرت علیؑ کسی ضرورت سے کہیں گئے ہوئے تھے۔ آپ کی غیبت ہی میں حضرت رسولؐ نے ایک خطبہ نکاح پڑھا جس میں فرمایا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ فاطمہؑ کی شادی علیؑ سے کر دوں۔ تم سب گواہ رہنا کہ میں نے فاطمہؑ کا نکاح

علیؑ سے کر دیا بشرطیکہ علیؑ اس پر راضی ہوں۔ اسکے بعد حضرت علیؑ آگئے تو آپ دیکھکر رسول خدا خوش ہو گئے اور فرمایا اے علیؑ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ اگر تم راضی ہو تو میں فاطمہؑ کی شادی تم سے کر دوں۔ حضرت علیؑ نے عرض کی حضور! مجھے منظور ہے۔ تب آنحضرتؐ نے دعا کی کہ اللہ تم دونوں کے درمیان میل رکھے۔ تم لوگوں پر اپنی برکتیں نازل کرے اور تم دونوں سے بکثرت اور طیب وطاہر نسل پیدا کرے۔ انس کہتے تھے خدا کی قسم رسولؐ کی دعا مقبول ہوئی اور ان دونوں حضرات سے خدا نے پاکیزہ اور کثیر نسل پیدا کی (مرقاۃ شرح مشکوۃ مطبوعہ مصر جلد ۵ ص۵۷۵)

تیسری فصل

اذان کی ایجاد

مدینہ منورہ میں پہونچنے کے بعد اذان کی رائے دینا بھی آپ کا بہت شاندار کارنامہ کہا جاتا ہے۔ مولوی شبلی صاحب نے تحریر فرمایا ہے " مدینہ میں پہونچکر اس بات کا وقت آیا کہ اسلام کے فرائض اور ارکان محدود اور معین کئے جائیں کیونکہ مکہ معظمہ میں جان کی حفاظت ہی سب سے بڑا فرض تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اب تک روزہ، زکوۃ نماز جمعہ۔ نماز عید۔ صدقۂ فطر کوئی چیز وجود میں نہیں آئی تھی۔ نمازوں میں بھی یہ اختصار تھا کہ مغرب کے سوا باقی نمازوں میں صرف دو دو رکعتیں تھیں یہاں تک کہ نماز کے اعلان کا طریقہ بھی نہیں معین ہوا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے آں حضرتؐ نے اس کا انتظام کرنا چاہا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نماز کے اعلان کے لئے بوق اور ناقوس کا رواج تھا۔ اسلئے صحابہ نے یہی رائے دی۔ ابن ہشام نے روایۃ کی ہے کہ یہ خود آنحضرتؐ کی تجویز تھی۔ بہرحال مسئلہ زیر بحث تھا اور کوئی رائے قرار نہیں پاتی تھی کہ حضرت عمر آنکلے اور انھوں نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کے لئے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ صلعم نے اوسی وقت حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا۔ یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان نماز کا دیباچہ اور اسلام کا ایک بڑا اشعار ہے۔

حضرت عمر کے لئے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہو سکتی ہے کہ یہ شعار اعظم ان ہی کی رائے کے موافق قائم ہوا" (الفاروق صـ۳) ۔ مگر محدثین کے سب سے زیادہ معتبر بزرگ امام بخاری نے چند روایتیں لکھی ہیں ۔ پہلی یہ عن انس قال ذکروا النار والناقوس فذکروا الیھود والنصاری ہے فامر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامۃ ۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ لوگوں نے نماز کا اعلان کرنے کے لئے آگ اور ناقوس کی رائے دی ۔ پھر یہود و نصاری کا ذکر ہوا تو آنحضرتؐ نے بلال کو حکم دیا کہ اذان میں دو دو مرتبہ اور اقامت میں ایک دفعہ کہیں ۔لـه (صحیح بخاری پ ۳ صـ۳۴۲ کتاب الاذان) ۔ اس روایت میں حضرت عمر کا نام نہیں اور خود حضرت رسول صلعم کا ذکر ہے کہ حضور ہی نے اذان کا طریقہ مقرر کیا ۔ دوسری وہی جسے مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے ۔ تیسری روایت یہ ہے عن انس قال امر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامۃ الا الاقامۃ ۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے بلال کو حکم دیا کہ اذان کے کلمے دو دو مرتبہ اور اقامۃ میں ایک ایک بار کہیں سوائے قد قامت الصلوۃ کے ۔ چوتھی روایت یہ ہے عن انس قال لما کثر الناس قال ذکروا ان یعلموا وقت الصلوۃ بشیء یعرفونہ فذکروا ان یوروا نارا او یضربوا ناقوسا فامر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامۃ ۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ جب لوگوں نے اس بات میں زیادتی کی کہ نماز کا وقت ایسی چیز سے واضح کیا جائے جس سے لوگوں کو خبر ہو جایا کرے تو کچھ لوگوں نے رائے دی کہ آگ روشن کر دی جایا کرے ۔ کچھ نے کہا ناقوس بجایا جائے مگر حضرت رسولخدا صلعم نے بلال کو حکم دیا کہ اذان کہیں ۔ اذان میں دو دو بار کلمے

لـه مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے لکھا ہے امر بلال ان یشفع الاذان ویوتر الاقامۃ ۔ آنحضرتؐ نے بلال کو یہ حکم دیا کہ اذان کے کلمے دو دو بار کہیں اور اقامۃ کے ایک ایک بار ۔ مگر اذان میں شروع میں اللہ اکبر چار بار ہے اور اخیر میں کلمہ توحید ایک بار اور اقامت میں صرف قد قامت الصلوۃ دو بار کہے باقی سب کلمے ایک ایک بار" (انوار اللغۃ پ ۱۳ صـ۳۵)

کہیں اور اقامت میں ایک ایک بار (صحیح بخاری پ ۳ ص ۴۳۶ کتاب الاذان)۔
کیا یہ انتہا درجہ کا حیرت خیز امر نہیں ہے کہ صحیح بخاری میں اذان کے متعلق چار روایتیں
ہیں جن سے تین کا مضمون یہ ہے کہ خود حضرت رسولخدا صلعم نے اذان دینے کا حکم دیا۔
اور ان تینوں روایتوں میں حضرت عمر کا نام تک نہیں ہے۔ صرف ایک روایت
میں آپ کا ذکر ہے۔ مگر مولوی شبلی صاحب کو حضرت عمر کے مفاخر بیان کرنے کی اتنی
فکر تھی کہ جن تین روایتوں میں حضرت رسولخدا صلعم کے حکم دینے کا ذکر تھا ان
سب کو نظرانداز کر دیا اور جس ایک اور صرف ایک روایت میں حضرت عمر کا بیان تھا
اس کو اس زور شور سے بیان کیا کہ معلوم ہوتا ہے سیکڑوں روایتیں صرف اسی
مضمون کی ہیں۔ اس امر میں مولوی صاحب نے اس قدر اہتمام کیا کہ الفاروق لکھنے
کے مدت بعد سیرۃ النبیؐ لکھی اس میں بھی اس بات پر زور دیا کہ اذان حضرت عمر ہی
کی ایجاد ہے۔ ممدوح کی عبارت پڑھو "نماز جماعت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ لوگ آگے
پیچھے آتے اور جو جس وقت آتا نماز پڑھ لیتا۔ آنحضرتؐ کو یہ پسند نہ تھا۔ آپ نے ارادہ فرمایا
کہ کچھ لوگ مقرر کر دیئے جائیں جو وقت پر لوگوں کو گھروں سے بلا لائیں۔ لیکن اسمیں
زحمت تھی صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا۔ لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ کسی نے کہا نماز کے
وقت مسجد پر ایک علَم کھڑا کر دیا جائے۔ لوگ دیکھ دیکھ کر آتے جائیں گے۔ آپ نے
یہ طریقہ ناپسند فرمایا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں اعلان نماز کے جو طریقے
ہیں وہ بھی آپ کی خدمت میں عرض کئے گئے لیکن آپ نے حضرت عمر کی رائے پسند کی
اور حضرت بلال کو حکم دیا کہ اذان دیں۔ اس سے ایک طرف تو نماز کی اطلاع عام
ہو جاتی تھی۔ دوسری طرف دن میں پانچ دفعہ دعوت اسلام کا اعلان ہو جاتا تھا۔
صحاح ستہ کی بعض کتابوں میں ہے کہ اذان کی تجویز عبداللہ بن زید نے پیش
کی تھی جو انھوں نے خواب میں دیکھی تھی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر کو
بھی خواب میں توارد ہوا لیکن صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں کسی روایت کو ترجیح
نہیں دی جا سکتی۔ بخاری میں صاف تصریح ہے کہ آنحضرتؐ کے سامنے بوق اور
ناقوس کی تجویزیں پیش کی گئیں لیکن حضرت عمر نے اذان کی تجویز پیش کی اور

آپ نے اس کے موافق حضرت بلال کو بلا کر اذان کا حکم دیا۔ خواب کا ذکر نہیں" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ ص ۲) ۔ اگر مولوی صاحب زندہ ہوتے تو ان سے سوال کیا جاتا کہ اسی صحیح بخاری میں اگر ایک جگہ تین روایتیں بتائیں کہ اذان کی تجویز حضرت رسولخدا صلعم نے خود کی اور صرف ایک روایت بتائے کہ حضرت عمر نے اسکی رائے دی تو اجماع کس طرف سمجھا جائے گا اور کس قول کو اختیار کرنا مناسب ہے۔ اسکے ساتھ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت عمر کی رائے دینے کی روایت صرف آپ کے فرزند ذی شان عبداللہ کی ہے کسی اور صحابی نے اس کو نہیں بیان کیا (دیکھو صحیح بخاری) برخلاف اسکے حضرت رسولخدا صلعم کے اپنی تجویز سے بلال کو حکم دینے کی روایت جناب انس سے ہے جو حضرت رسولخدا صلعم کے بیٹے نہیں تھے اور جن کو کوئی وجہ نہیں تھی کہ حضرت عمر کی فضیلت کو چھپائیں۔ اب ہر شخص خود فیصلہ کرلے کہ اذان کی ایجاد واقعاً حضرت عمر کی رائے سے ہوئی یا حضرت رسولخدا صلعم کی تجویز سے۔ اگر اب بھی دقت ہو تو اسی صحیح بخاری کی شرح سے اس مشکل کو آسان کرو اول من اذن بالصلوۃ جبریل فی سماء الدنیا۔ سب سے پہلے نماز کی اذان دنیا کے آسمان میں جناب جبریلؑ نے دی۔ عن طریق سالم بن عبد اللہ بن عمر عن ابیہ قال لما اسری بالنبیؐ اوحی اللہ الیہ الاذان فنزل بہ فعلمہ بلالا۔ حضرت عمر کے بیٹے عبداللہ کے فرزند سالم کے طریق سے یہ روایت ہے کہ جب حضرت رسولخدا صلعم کو معراج ہوئی تو خدا ہی نے حضرتؐ کو وحی کے ذریعہ سے اذان کا طریقہ بتایا۔ حضرتؐ یہ حکم لے کر معراج سے واپس تشریف لائے تو بلال کو اذان سکھائی۔ من حدیث انس ان جبریل امر النبیؐ بالاذان حین فرضت الصلوۃ۔ جناب انس کی حدیث میں ہے کہ جناب جبرئیلؑ نے حضرت رسولخدا صلعم کو اذان کا حکم دیا جب نماز فرض ہوئی۔ من حدیث علی قال لما اراد اللہ ان یعلم رسولہ الاذان اتاہ جبریل بدابۃ یقال لہا البراق فرکبہا فذکر الحدیث۔ حضرت علیؑ کی حدیث میں ہے کہ جب خدا نے ارادہ کیا کہ اپنے رسولؐ کو اذان کی تعلیم کرے تو حضرتؐ کے پاس جبرئیلؑ براق لائے۔ حضرتؐ اس پر سوار ہو کر معراج میں تشریف لے گئے اور وہاں خدا نے آپ کو اذان کی تعلیم دی (صحیح بخاری مع

شرح فتح الباری مطبوعہ دہلی پ ۳ صفحہ ۳۳ کتاب الاذان) ۔ اور علامہ احمد بن خطیب قسطلانی نے اپنی کتاب مواہب لدنیہ میں اسکی تحقیقات بڑی فراخ حوصلگی سے کی ہے اس وجہ سے اس عبارت کا ترجمہ بھی درج کردینا مناسب ہے لکھتے ہیں " ابتداء اذان کے بارے میں علماء نے بہت کچھ اختلاف کیا ہے ۔ بعضوں کا یہ قول ہے کہ ہجرت کے پہلے سال میں اذان کا حکم جاری ہوا تھا ۔ اور بعض اسکے مدعی ہیں کہ ۲ھ ہجری میں اسکی ابتدار ہے ۔ بعض کا یہ قول ہے کہ چونکہ اوقات نماز معین تھے اس لئے نماز پڑھنے والے اپنے وقت پر خود ہی بغیر کسی طرح بلائے پہونچ جاتے تھے مگر ابن سعد یہ روایت کرتے ہیں کہ جناب بلال الصلوٰۃ جامعۃ کی صدا بلند کرتے کہ یہی اوس وقت کی اذان تھی ۔ جناب رسولخدا صلعم نے ۲ھ ہجری میں اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ نماز میں لوگوں کے یک جا کرنے کے لئے کونسی تدبیر اختیار کی جائے ۔ اتنی تین تجویزیں پیش ہوئیں (۱) مثل نصارے ناقوس پھونکی جائے (۲) یہود کی طرح بوق بنائے جائیں (۳) ہر نماز کے لئے آگ روشن کی جائے جس کو دیکھکر مجمع فراہم ہوجایا کرے ۔ مگر ابھی تک کوئی راے نہیں قائم ہوئی تھی کہ عبد اللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبد ربہ نے جو صحابی تھے خواب میں دیکھا کہ کسی نے یہ طریقہ اذان کا تعلیم کیا اور اوسی نے خدمت رسولؐ میں آکر عرض کیا ۔ امام احمد بن حنبل نے معاذ بن جبل سے روایت کی ہے کہ خواب دیکھنے والے معاذ بن جبل ہیں ۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا اور اگر کہوں کہ وہ خواب نہیں تھا تو سچ ہوگا کہ ایک شخص جس پر دو سبز کپڑے پڑے ہیں قبلہ رُخ ہوا اور کھڑے ہوکر اوس نے دو دو مرتبہ اللہ اکبر کہا جس طرح اذان کہی جاتی ہے ۔ اس پر حضرتؐ نے فرمایا کہ یہ خواب سچ ہے ۔ جاؤ بلال کو تعلیم کرو کہ اذان کہیں کیونکہ ان کی آواز تم سے زیادہ پاٹ دار ہے ۔ معاذ بن جبل کہتے تھے کہ میں بلال کو اذان سکھا رہا تھا اور وہ بہ آواز بلند کہتے جاتے تھے کہ حضرت عمر نے اس کو اپنے گھر میں سُن لیا ۔ وہ وہاں سے ردا کھینچتے ہوئے نکلے اور قسم کھا کر کہتے تھے کہ ہم نے بھی یہی خواب دیکھا ہے ۔ امام طبرانی نے اوسط میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکر نے بھی بیان کیا کہ میں نے یہی خواب دیکھا ہے اور امام غزالی وسیط

میں لکھتے ہیں کہ دس آدمیوں سے زیادہ لوگوں نے اس کا ادعا کیا اور عبارۃ جیلی شرح تنبیہ میں یہ ہے کہ چودہ آدمی اسکے مدعی ہوئے تھے مگر ابن صلاح و امام نووی منکر ہیں - اور سیرۃ مغلطائی میں ہے کہ انصار سے سات آدمیوں نے اس کا دعوے کیا - اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق سے صرف عبداللہ بن زید کی روایت ثابت ہے اور قصہ حضرت عمر بعض طرق میں آیا ہے - علامہ سہیلی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسمیں کون سی مصلحۃ تھی جو اذان کی صورت بعض مسلمانوں کو دکھائی گئی اور بطور وحی یہ حکم نہ آیا جیسا دوسرے شرعی احکام میں وحی نازل ہوا کرتی تھی - پھر اس میں کیا مصلحۃ تھی کہ حضرتؐ نے اس خواب کو رویاے حق قرار دیا اور اوسی پر اذان کی بنا ہوئی - تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اذان کا اجراء بذریعہ وحی ہوا یا اور کسی طرح - پھر اس کا خود ہی جواب دیا کہ حضرتؐ نے شب معراج اذان کی ابتداء اس طرح پر ملاحظہ فرمائی تھی کہ حضرت علیؑ مرتضیٰ سے روایت ہے کہ جب براق پر سوار ہو کر حضرت تشریف لے گئے اور قریب حجاب پہونچے تو ایک فرشتہ حجاب قدرت سے نکلا - اس نے پوچھا اے جبریل یہ کون شخص ہے ؟ جناب جبرئیل نے بقسم بیان کیا کہ ہم نے اوس فرشتہ کو کبھی نہیں دیکھا تھا - اوسی فرشتہ نے حضرت رسولؐ کو دیکھکر کہا - اللہ اکبر - اللہ اکبر - تب حجاب قدرت سے آواز آئی سچ کہا میرے بندہ نے - میں اکبر ہوں - میں اکبر ہوں - اور بقیہ اذان بھی اسی طرح سُنائی دی - علامہ سہیلی کہتے ہیں - یہ اقوے ہے وحی سے - اور جب حکم اذان میں مدینہ پہونچنے تک تاخیر ہوئی اور یہ منظور ہوا کہ لوگوں کو اوقات نماز سے اطلاع دے دی جایا کرے تو وحی اوس وقت تک رُک گئی کہ عبداللہ نے وہ خواب دیکھا یہ خواب اسکے موافق ہوا جس کو حضرت رسولخدا صلعم دیکھ چکے تھے - اسی سبب سے آپ نے فرمایا انشاء اللہ یہ رویاے صادقہ ہے اور اوسی وقت معلوم ہوا کہ خدا نے آسمان پر جو کچھ دکھایا تھا اوس سے یہی منظور تھا کہ زمین میں بھی یہ سنت جاری ہو - مگر فتح الباری میں یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حکم اذان کا اثبات عبداللہ بن زید کے خواب سے درست نہیں ہو سکتا کیونکہ پیغمبروں کے خواب کے سوا اور کسی شخص کے خواب سے حکم شرعی ثابت نہیں ہو سکتا - مگر اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس خواب کے ساتھ وحی بھی نازل

ہوئی۔ چنانچہ ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے جب اذان کو خواب میں دیکھا تو آکر حضرت صلعم کو خبر دینی چاہی مگر یہاں آکر انھیں معلوم ہوا کہ وحی اس کے قبل ہی آچکی ہے کیونکہ آپ نے بلال کو اذان کہتے سُنا اور حضرتؐ نے فرما بھی دیا کہ تمہارے خواب کے پہلے ہی مجھ پر اس کی وحی نازل ہو چکی ہے۔ یہی زیادہ صحیح ہے اوس سے جو داؤدی نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر کے خواب سے آٹھ روز پہلے جناب جبرئیل وحی کا حکم اس اذان کے بارے میں آنحضرتؐ پر لاچکے تھے۔ عبداللہ بن زید کا خواب بروایت ابن اسحاق یوں ہے کہ انھوں نے دیکھا کوئی شخص ناقوس لئے جاتا ہے۔ اونھوں نے پوچھا کیا اس کو بیچو گے؟ اس نے جواب دیا تم ناقوس کیا کرو گے؟ عبداللہ نے کہا لوگوں کو نماز کے لئے بلائیں گے۔ اوس شخص نے جواب دیا میں اس سے بہتر چیز تم لوگوں کو بتاتا ہوں کہ نماز کے وقت اللہ اکبر اللہ اکبر کہا کرو آخر جملہ اقامت تک۔ اس کو ابو داؤد نے باسناد صحیح روایت کیا ہے۔ مسند حارث میں ہے کہ آسمان دنیا میں اول اذان دینے والے جبرئیل ہیں جس کو حضرت عمر اور بلال نے سُنا۔ جب بلال نے جاکر اسکی خبر دی تو حضرتؐ نے فرمایا تم سے پہلے عمر خبر دے گئے ہیں۔ اور بہت سی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اذان کی ابتدا مکہ ہی میں ہو چکی تھی کہ حضرت صلعم نے معراج میں دیکھا اور بلال کو اسکی تعلیم فرمائی۔ اور دارقطنی کی یہ روایت ہے کہ جبرئیل نے اس کا حکم دیا تھا جس وقت نماز کی تعلیم کی تھی (مواہب لدنیہ جلد ۱ صـ۲۶ مطبوعہ مصر)۔ ایک قوی دلیل اس امر کی کہ اذان کی ایجاد میں حضرت عمر کی راے وغیرہ کو کوئی دخل نہیں ہوا یہ بھی ہے کہ مورخین نے حضرت عمر کی اولیات میں (اُن باتوں میں جن کے وہی بانی ہوئے) اور امور کو لکھا مگر اذان کی راے و مشورہ کو نہیں ذکر کیا۔ مثلاً علامہ سیوطی نے حضرت عمر کے فضائل میں بکثرت چیزیں بھر دی ہیں اور آپ کے اولیات میں بہت سی باتیں لکھیں یہاں تک کہ پہلے پہل متعہ حرام کرنے کا فخر بھی تحریر کر دیا۔ تراویح کو بھی ذکر کیا۔ امیرالمومنین کا نام اول دفعہ اختیار کرنے کو بھی لکھا لیکن اذان کے متعلق ایک حرف بھی تحریر نہیں کیا (دیکھو تاریخ الخلفاء صـ۹۳ فصل فی اولیات عمر) حالانکہ حضرت عمر کے حالات کتاب تاریخ الخلفاء

میں خاص اہتمام سے جمع کئے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ سیوطی وغیرہ نے بھی اس روایت کو کہ حضرت عمر کی رائے سے اذان کی ایجاد کی گئی بالکل غلط اور ناقابل التفات سمجھا اسی وجہ سے اس غلط روایت کو اپنی کتاب میں درج کرنا تک پسند نہیں کیا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی بہت بڑے مصنف گزرے ہیں۔ انھوں نے صحابہ کے حالات میں سب سے زیادہ جامع کتاب اصابہ لکھی ہے۔ اس میں حضرت عمر کے حالات بھی لکھے ہیں۔ مگر اذان کے متعلق کوئی جملہ نہیں لکھا۔ اگر حضرت عمر کا تعلق اس سے ہلکا درجہ کا بھی ہوتا تو ممدوح آپ کی اس عظیم الشان فضیلت سے کیوں چشم پوشی کرتے۔ اسی طرح دوسرے علماء فن تاریخ وسیرۃ ورجال وغیرہ نے بھی اس سے سکوت ہی کیا ہے۔

چوتھی فصل

غزوات وسرایا میں حضرت عمر کی خدمات

مدینہ منورہ میں حضرت رسولخدا کو دشمنوں اور مخالفین اسلام سے بار بار جہاد کرنا پڑے ان میں حضرت عمر نے کیا خدمات انجام دیں۔ ذیل کے بیان سے واضح ہوگا۔

غزوۂ ابواء مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک جگہ کا نام ابواء ہے وہاں ماہ صفر ۲ھ میں سب سے پہلا غزوہ ہوا۔ مورخین نے اس میں حضرت عمر کا کوئی کام ذکر نہیں کیا۔ آنحضرت کے چچا جناب حمزہ اس کے علم بردار تھے (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۱ و طبری جلد ۲ صفحہ ۲۶۰ وغیرہ)

سریہ رابغ رابغ ابواء کے قریب ہے۔ مکہ سے کچھ کفار قریش مسلح ہو کر آئے تھے انکے مقابلہ میں ۶۰ مہاجرین بھیجے گئے۔ ان کے سردار عبیدہ بن الحارث بن المطلب تھے۔ اس میں بھی حضرت عمر کا کوئی کام نہیں معلوم ہوتا (طبری جلد ۲ صفحہ ۲۶۰ وغیرہ)

سریہ سیف البحر مدینہ میں خبر آئی کہ شام سے کچھ قریش مکہ جارہے ہیں۔ حضرت حمزہ کے ماتحت ۳۰ مہاجرین مقابلہ پر بھیجے گئے مگر لڑائی نہیں ہوئی۔ اس میں بھی حضرت عمر کے متعلق سکوت ہے۔

سریہ خرار ایک کاروان کی خبر لینے کے لئے سعد بن ابی وقاص کے ماتحت ۲۰ مہاجرین

سوانح عمری خلیفۂ دوم پر علم دوست حضرات کی قابل قدر آرائیں

الحمد للہ کہ محض اوسی کے فضل و کرم سے سوانح عمری خلیفۂ دوم بھی اس درجہ پسند کی جا رہی ہے کہ بکثرت اعیان ملت و علماء اعلام نے اسکی مدح و ثنا بہت شاندار الفاظ میں کی جس پر خدا ے تبارک و تعالےٰ کے کرم و احسان کا شکریہ کسی طرح ادا نہیں ہو سکتا۔ صرف چند رائیں بطور نمونہ نقل کی جاتی ہیں (۱) جناب مرزا اکبر علی بیگ صاحب انسپکٹر پولیس پنشنر دام مجدہٗ نے کانپور سے تحریر فرمایا "جناب قبلہ دام برکاتکم۔ تسلیم خداوند کریم آپ کو بتصدق بیمار کربلا ہمیشہ صحت یاب رکھے اور عمر صد و سی سال کو پہونچائے۔ پرچہ اصلاح نے وہ کام زمانہ میں کیا کہ سب اپنے مذہب اور اوسکی حقیت اور دشمنان دین کے حالات سے واقف ہو گئے۔ خدا کرے اصلاح ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے۔ سوانح عمری اول و تاریخ ائمہ دونوں کتابیں لاجواب اور بے مثال رہیں۔ محرم کے پرچہ میں سوانح عمری ثانی اور اوسی کے ساتھ ایک کتاب جوہر قرآن شروع ہوئی ہے۔ موخر الذکر کتاب دیکھکر حیرت ہو گئی۔ بڑی ضروری و نادر کتاب ہو گی۔ سوانحعمری ثانی کے تو شروع ہی ورق میں آپ نے الفاروق کی حقیقت کھول کر رکھدی اور اوسکو ردی کردیا۔ خداوند کریم دونوں کتابوں کو اتمام کو پہونچادے اور یہ پرچہ اصلاح زر کثیر نثار کرنے کے قابل اور آپ کا منہ جواہرات سے بھر دینے کے لائق ہے" (۲) جناب میر علی اکبر صاحب موسوی دام مجدہٗ نے کھوٹا پڈ صوبہ اڑیسہ سے تحریر فرمایا "جناب مولانا عماد الملت والدین ادام اللہ فیوضکم۔ تسلیم۔ میں سچ کہتا ہوں آپ نے قوم پر وہ احسان عظیم کئے اور کر رہے ہیں کہ جس سے وہ سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ ابھی حال کی بات ہے تصویر عزا جیسی لاجواب کتاب لکھی جسکی نظیر محال ہے۔ حضرت ابوبکر کی سوانح عمری لکھکر ایسے ایسے راز کا انکشاف کیا جو ہم نے دیکھنا تو کجا سنا تک نہیں۔ تاریخ ائمہ لکھکر مومنین و مومنات پر احسان عظیم کیا آپ کی جتنی تعریف و توصیف کی جائے کم ہے۔ سال رواں میں حضرت عمر کی سوانح اور جوہر قرآن شروع کی ہے۔ ہر دو کتاب ہدایت مآب گزشتہ سے بڑھ چڑھکر رہیں گی۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ خداوند عالم بطفیل آل عبا آپ کی صحت تا دیر برقرار رکھے آمین" (۳) جناب مولانا حکیم سید محمد صادق صاحب لکھنوی مولوی فاضل و صدر الافاضل

دام مجدہ نے حیدرآباد دکن سے تحریر فرمایا "سوانح عمری خلیفہ دوم اور جوہر قرآن نہایت عمدہ اور دلچسپ طریقہ سے آپ نے تحریر فرمایا ہے مجھ کو تو بے حد پسند ہے۔ خصوصاً سوانح عمری محض سوانح عمری نہیں ہے بلکہ مولوی شبلی صاحب نے الفاروق میں اپنی عقیدت مندی سے جہاں پردہ پوشی کی اور حقیقت حال کو گول مول کیا ہے اوسکی رد اور حقیقت کا اظہار بھی ہے۔ امید ہے کہ یہ سوانح عمری خلیفہ اول سے بہتر و مفید ثابت ہوگی" (۴) جناب ڈاکٹر سید منظر عباس صاحب سیفی دام مجدہ نے بلاسپور سے تحریر فرمایا "میں سوانح عمری خلیفہ اول اور تاریخ ائمہ کے متعلق کسی عریضہ میں اپنی رائے کا اظہار کر چکا ہوں - اگرچہ میں کیا اور میری رائے کیا۔ لیکن چونکہ اظہار حق ازبس ضروری ہے اسلئے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جوہر قرآن انشاء اللہ المتعال تحفہ اثنا عشریہ کا بہترین جواب ہوگی اور مومنین کی دیرینہ آرزو برآئیگی۔ کیا خوب ابتدا کی ہے۔ سبحان اللہ وجزاکم اللہ۔ سوانح عمری خلیفہ دوم کے ابتدائی اوراق ہنوز شائع ہو رہے ہیں مگر بتا رہے ہیں کہ ہونے والی کتاب کس درجہ مدلل ہوگی - الحق کہ تحقیق آپ کا حق ہے۔ خداوند عالم آپ کو صد وسی سال قائم رکھے اور مومنین کو آپ کی تصانیف سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع دے - آمین ثم آمین" (۵) جناب مولوی سید ظہیر الدین حیدر صاحب ظہیر شادانی دام مجدہ نے جگراؤں سے تحریر فرمایا "جناب مولانا دامت مفاخرکم السامیہ و زادت مآثرکم النامیہ تسلیم آپ نے جو اصلاح میں سوانح نگاری کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے بے حد کامیاب ہوا ہے۔ واقعی آپ کی یہ مساعی جمیلہ لائق صد ستائش ہیں - سوانح عمری خلیفہ اول ہی کیا کم تھی - سوانح عمری خلیفہ ثانی نے تو جہانِ اغیار میں ہلچل ڈال دی - اغیار اب ہماری طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ یہ دونوں آپ کے بہترین شاہکار ہیں" (۶) جناب سید فقیر حسین صاحب ریڈر دام مجدہ نے چکیا سے تحریر فرمایا "جناب قبلہ و کعبہ مدظلکم العالی ... خداوند عالم جناب کو بتصدق ائمہ معصومین علیہم السلام بخیر و عافیت رکھے اور عمر خضری عطا فرمائے۔ یوں تو پرچہ اصلاح جب سے جاری ہوا ہے اپنی آپ نظیر ہے لیکن جب سے جناب کے زیر اہتمام اسکی اشاعت شروع ہوئی ہے ماشاء اللہ اسمیں اور چاند لگ گئے ہیں۔ علمی خزانہ سے وہ وہ جواہرات انمول جناب نے پیش کئے ہیں جسکے لئے قوم جس قدر شکریہ ادا کرے کم ہے۔ سنہ گزشتہ تک جو کتابیں طبع ہوئی ہیں مقبول عام ہو چکی ہیں۔ سنہ رواں میں کتاب حضرت عمر و جوہر قرآن جیسی نایاب کتابیں جس عنوان سے شایع

ہو رہی ہے تعریف سے زبان قاصر ہے۔ کتاب کیا ہے انصاف و حق پسند کے لئے مشعل
ہدایت ہے۔ خداوند عالم جناب کی توفیق میں روزافزوں ترقی اور قلم میں زور حیدری
عطا فرمائے اور وجوہ توقف اشاعت سے دائمی نجات بخشے۔ آمین (۷) جناب مولوی سید
رضا حیدر صاحب زیدی ہیڈ مولوی دام مجدہٗ نے ضلع فیروز پور سے تحریر فرمایا "حامی ملت جعفریہ
زاد عنایتکم سلام علیکم۔ حقیقت میں جناب نے وہ کام کیا ہے جو شاید علماء کی ایک جماعت برسوں
کی محنت کے بعد بھی نہ کر سکتی جزاکم اللہ خیر الجزاء" (۸) جناب سید حسن علی شاہ صاحب مشہدی
دام مجدہ نے فیروز پور سے تحریر فرمایا "خلیفہ صاحب کی سوانح عمری کا شائع شدہ حصہ قبول
ایمان وجد آفرین ہے جزاک اللہ" (۹) جناب حاجی پرنس سید محمد عباس صاحب صفوی رئیس
دام مجدہٗ نے شمس آباد سے تحریر فرمایا "مطاع المتکلمین قمقام المناظرین دام مجدکم العالی۔ اس
حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فن مناظرہ میں جو دستگاہ کامل آپ کو حاصل ہے وہ کسی
اور کو میسر نہیں۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ حضرت عمر کی سوانح عمری میں آپ نے
علم رجال کی رو سے اُن کے مزعومہ فضائل کو جس طرح بے نقاب کیا ہے وہ لائق صد ستائش
ہے ... کیا خوب ہوتا اگر جناب سامی اس نقد رواۃ کے سلسلہ کو جاری رکھتے اور سوانح
حضرت ابوبکر کی طبع ثانی اور سوانح حضرت ثالث کی ابتداء میں ان حضرات کے فضائل کا
نقد فرما کر یہ ثابت فرما دیتے کہ حضرات اصحاب ثلثہ کے فضائل خود علم رجال حضرات اہلسنت
کی رو سے موضوع ہیں" (۱۰) جناب ماسٹر کریم بخش صاحب حیدری مضطر ہیڈ ماسٹر دام مجدہ نے
ضلع میانوالی سے تحریر فرمایا "فخر ملت عالی جناب عمدۃ العلماء حضرت مولانا السید علی حیدر صاحب
قبلہ دامت برکاتکم۔ سلام مسنون۔ جناب کی گراں قدر تصنیف سوانح عمری حضرت ابوبکر
ہی کیا کم تھی مگر اب تو آپ نے حضرت عمر کی پُراسرار اور حیرت انگیز سوانح حیات لکھکر دنیائے
عالم کو انگشت بدنداں کر دیا۔ ہوا خواہان ثلاثہ کے گھروں میں ماتم کی صفیں بچھ گئیں۔
مولانا شبلی نعمانی نے جن کتابوں سے ممدوح کی ہستی بے نظیر اور عظیم الشان ثابت کرنے کی
کوشش کی تھی اب اونہیں سے اونکے ممدوح کی قلعی کھل رہی ہے۔ اسے کاش آج مولانا
شبلی صاحب بقید حیات ہوتے تو اپنی مایہ ناز کتاب الفاروق کا مسکت جواب پاکر اور
اپنے قصر امید کی دیواروں میں شگاف دیکھکر ایک بسیط وعریض نوحہ تصنیف فرماتے۔ حضرت

ممدوح کو جنرل اسلام اور ایک مدبر سیاسیات بیان کیا جاتا ہے مگر آں جناب نے جس خوش اسلوبی سے اصل واقعات کی نقاب کشائی کی ہے وہ یقیناً مستحسن اور تعجب خیز ہیں۔ حقیقت میں اسلام کی سچی خدمت کا یہ بہترین طریق ہے۔ آپ کے علمی کارنامے کسی تعریف کے محتاج نہیں ہیں۔ خداوند عالم آپ کو بحق محمدؐ و آل محمدؐ تا دیر زندہ و سلامت رکھے۔ آمین" (۱۱) جناب ماسٹر سید انور علی صاحب دام مجدہ نے سکندر آباد دکن سے تحریر فرمایا "جناب مولانا و مقتدانا و حامی دین مبین دام اقبالہم سلام علیکم۔ خدا آپ کا سایہ ہم شیعوں پر قائم رکھے۔ اس سال جوہر قرآن اور سوانح حضرت عمر چھپ چل رہی ہیں انکی مدح میں میری زبان و قلم قاصر ہے۔ جناب کے طرز بیان کی تعریف ناممکن ہے" (۱۲) جناب سید حسین صاحب ٹیلیگراف ماسٹر دام مجدہ نے نئی دہلی سے تحریر فرمایا "سوانح عمری حضرت ثانی اور جوہر قرآن ہر دو لاجواب کتب آں جناب کے قلم سے وجود میں آرہی ہیں۔ دعا ہے خداوند عالم آں جناب کو ان کی تکمیل کی توفیق رفیق کرے اور نشر علوم حقہ میں آں جناب کو صد وسی سال زندہ و سلامت و باکرامت رکھے۔ بقول غالب مرحوم ؎

تم سلامت رہو ہزار برس ⁂ ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار"

(۱۲) جناب منشی دین محمد صاحب ہیڈ ٹیچر دام مجدہٗ نے ضلع گرداسپور سے تحریر فرمایا "چشم بد دور رسالہ کیا ہے مخالفین کی رگ و ریشہ کو کاٹ رہا ہے۔ اللہ اس رسالہ کو ابدالآباد تک رکھے اور اسکے مدیر صاحب قبلہ کو عمر نوح عطا فرمائے۔ رسالہ کے مضامین علمی خزانہ ہیں اور معلومات میں اضافہ کرنے کے خزانے ہیں ... جوہر قرآن اور سوانح عمری جو چھپنی شروع ہوئی ہے اس سے علمی خزانہ میں گوناگوں اضافہ ہے" (۱۳) جناب سید احمد حسن صاحب دام مجدہٗ نے لگروتی سے تحریر فرمایا "حضور نے ہم لوگوں کا ایمان تازہ کر دیا۔ پروردگار آپ کو عمر نوح عطا فرمائے تاکہ اس غریب قوم کے سر پر آپ کا سایہ رہے۔ آپ نے جوہر قرآن و سوانح عمری دوم صاحب ایسی عجیب و غریب لکھی ہے کہ جواب نہیں ہو سکتا" (۱۴) جناب میاں عمر علی صاحب رئیس اعظم دام مجدہ نے ضلع مظفر گڑھ سے تحریر فرمایا "سیدی و مولائی۔ جناب کے زور قلم سے جو کتاب عالم شہود میں آتی ہے دیکھنے والا فوراً ہی کہہ دیتا ہے کہ مولانا اس جیسی دوسری کتاب تصنیف نہ فرما سکیں گے۔ اسے حیران ہونا پڑتا ہے جب جناب کی دوسری تصنیف ہاتھوں میں پہونچتی ہے۔ بعد مطالعہ یہی کہنا پڑتا ہے کہ خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔ حضرت عمر کی سوانح عمری

بھی جس شان سے لکھی جا رہی ہے یقیناً بطلان کے تار و پود کی نقاب جناب ہیرو کے رُخ زیبا سے ہٹا دیگی"

اس سوانح عمری سے مذہب شیعہ کی ترقی | اس سوانح عمری سے بفضلہ تعالےٰ بکثرت برادران اہلسنت نے مذہب حق قبول کرلیا ہے مثلاً جناب مولوی سید محمد یحیےٰ حسن صاحب رئیس نہیٹرا سادات ضلع بجنور دام مجدہٗ نے تحریر فرمایا ہے کہ "جوہر قرآن اور سوانح عمری خلیفہ دوم پڑھکر چار حضرات اہلسنت نے مذہب شیعہ قبول کرلیا۔"

ضروری مضامین کی مختصر فہرست

غلط نامہ

(پہلے ان غلطیوں کو درست کر لیجئے تب کتاب دیکھئے)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱۲	خلافت کے قبل	ہجرت	۵۵	۱۳	گمراہ اور	گمراہ کرنا اور
۵	۸	اس	اُس	۵۷	۱۰	یقینیا	یقینا
۹	۱۸	اُس خط کو لکھا	اُس کو خط لکھا	۵۸	۷	نستیذل	نستذل
۱۶	۱۴	ساعدی	سعدی	۵۹	۱۴	خون محفوظ	خون کے محفوظ
۲۸	۲	کبید السہ	کبیر البتہ	۶۲	۲	ہوگیا یعنی	ہوگئے یعنی
۳۷	۹	بیئرون	یبرون	〃	۶	سوگی الااب اگر	ہوگی۔ اب اگر
۵۱	۱۲	اس کو	اُسے	۶۴	۳	محمدؐ نبی	محمدؐ کو نبی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۸۵	۹	لوگوں فتح	لوگوں کو فتح				
۱۰۳	۱۲	خدا نے موافقت	خدا نے میری				
			موافقت	۱۸۴	۱۴	کوئی نئی	کوئی وجہ مانی
۱۰۸	۱۱	الشمس	الشتھین	۱۹۴	۱۵	تبرا، عذاب	بڑا عذاب
〃	۱۳	مللث	مللت				
۱۱۱	۲۳	زبد	زبد	۲۰۷	۲۱	اس وجہ	اس وجہ سے
۱۱۴	۱۲	تمہارے بھی	تمہارے لئے	۲۲۱	۵	آخر	آؤ
			بھی	۲۲۳	۳	بہت سے بہت	بہت
۱۱۷	۳	لیشھد	لیشھد	〃	۱۲	اور ان کے	اور نہ ان کے
۱۲۸	۱۰	الط	الرطب			فرزند	فرزند
۱۳۶	۱۹			۲۲۸	۱۳	صعبتہ	صعبۃ
۱۵۶	۱۲	مغضبنا	مغضبا	۲۴۴	۸	وانکرعر	وانکر عمر
۱۵۷	۱۸	فارق	فاروق	۲۴۹	۴	اسکے معنے	اس جگہ سودا
۱۶۱	۱	ابو وعمر	ابوبکر وعمر	۲۴۹	۶	حضرت عمر	حضرت عمر کے والد
۱۷۰	۲	چاتی	پاتی	۲۵۱	۸	تھا، تا وہ	تھا کہ وہ
۱۷۱	۱۲	فرمادیا تھا	فرمادی تھی	۲۵۶	۲۳	ص ۱۸۵	ص ۱۸۵ ازالۃ الخفاء جلد ۲
〃	۲۳	سام	سالم	۲۵۶	۶	عمیرا	عمیر
۱۷۲	۱۱	المقدمۃ	المقدسۃ	۲۵۷	۴	فارق	فاروق

ان بعض کتابوں کی فہرست جنکے حوالے اس سوانح عمری میں زیادہ دیئے گئے ہیں

قرآن مجید۔
کتب تفسیر:- تفسیر در منثور علامہ سیوطی، تفسیر وحیدی مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدر آبادی، تفسیر معالم التنزیل امام بغوی، تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی، تفسیر علامہ طبری۔

کتب حدیث:۔ صحیح بخاری، مشکوٰۃ شریف، فتح الباری، مسند امام احمد بن حنبل، فتح المغیث، کنز العمال، لئالی مصنوعہ، شرح سفر السعادۃ، سنن ترمذی، کتاب الارشاد، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد۔ جامع الاصول۔

کتب تاریخ:۔ تاریخ تمدن اسلام از جرجی زیدان، جامع بیان العلم، فہرست ابن الندیم، تاریخ ابو الفدا، تاریخ الخلفاء، روضۃ الصفاء، تاریخ طبری، تاریخ کامل ابن اثیر، مروج الذہب علامہ مسعودی، تاریخ ابن خلدون، روضۃ المناظر، تاریخ ائمہ، معارف ابن قتیبہ، سکسرز آف محمدؐ۔

کتب سیرۃ:۔ سیرۃ الفاروق، الفاروق، ازالۃ الخفار، قرۃ العینین، ریاض نضرہ، سیرۃ النبیؐ طبقات ابن سعد، سیرۃ النعمان، نصائح کافیہ، تاریخ خمیس، امہات الامۃ، سیرۃ عائشہ، سیرۃ محمدیہ، سیرۃ حلبیہ، سوانح عمری حضرت ابوبکر۔

کتب رجال:۔ میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب، اصابہ، تہذیب الکمال، استیعاب، اسد الغابہ۔

کتب انساب:۔ سبائک الذہب۔

کتب ادب:۔ عقد فرید، ثمرۃ الاوراق، مستطرف۔

کتب لغت:۔ انوار اللغۃ، قاموس، مجمع بحار الانوار۔

کتب معارف:۔ شرح نہج البلاغہ از علامہ ابن ابی الحدید۔ کتاب مستطاب، نہج البلاغہ۔

کتب جغرافیہ:۔ سفرنامہ روم و شام و مصر۔

کتب فقہ:۔ فتاوے عزیزی۔

ضروری اعلان جو صاحب اس سوانح عمری کا ترجمہ بھی انگریزی اور عربی زبان میں شایع کرنا چاہیں اُن کا فرض ہے کہ اسکے مصنف سے اجازت لیکر ایسا کریں اور جب ترجمہ کو پریس میں دینے لگیں تو مصنف کو اس کا مسودہ دکھانے کے بعد ایسا کریں تاکہ دیکھ لیا جائے ترجمہ اصل کے مطابق کیا گیا ہے یا ابھی کچھ ترمیم کی ضرورت باقی رہ گئی ہے اوسکو درست کرنے کے بعد اسکی اشاعت قابل اعتراض نہیں رہیگی۔

اس کتاب کے متعلق علم دوست حضرات کی رائیں

خدا کے فضل سے کتاب لاجواب "جوہر قرآن" کے متعلق بکثرت اہل علم اور علم دوست حضرات نے نہایت قیمتی رائیں ظاہر کی ہیں۔ صرف چند رائیں یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) جناب مرزا اکبر علی بیگ صاحب انسپکٹر پولیس پنشنر دام مجدہ کانپور "جناب قبلہ دام برکاتکم تسلیم۔ خداوند کریم آپ کو بتصدق بیمار کربلا ہمیشہ صحت یاب رکھے اور عمر صد وسی سال کو پہونچائے۔ پرچہ اصلاح نے وہ کام زمانہ میں کیا کہ سب اپنے مذہب اور اسکی حقیقت سے واقف ہو گئے۔ خدا کرے اصلاح ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے۔ سوانح عمری اول و تاریخ ائمہ دونوں کتابیں لاجواب اور بے مثال رہیں۔ محرم کے پرچہ میں سوانح عمری ثانی اور اوسی کے ساتھ ایک کتاب جوہر قرآن شروع ہوئی ہے۔ موخر الذکر کتاب دیکھکر حیرت ہو گئی۔ بڑی ضروری و نادر کتاب ہو گی ... یہ پرچہ اصلاح زر کثیر نثار کرنے کے قابل اور آپ کا منہ جواہرات سے بھر دینے کے لائق ہے" (۲) جناب میر علی اکبر صاحب موسوی دام مجدہٗ کوٹاپڈ (اڑیسہ) "جناب مولانا عماد الملۃ والدین ادام اللہ فیوضکم تسلیم سچ کہتا ہوں آپ نے قوم پر وہ احسان عظیم کئے اور کر رہے ہیں جس سے وہ سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ ابھی حال کی بات ہے تصویر عزا جیسی نایاب کتاب لکھی جسکی نظیر محال ہے حضرت ابوبکر کی سوانح لکھکر ایسے ایسے راز کا انکشاف کیا جو ہم نے دیکھنا تو کجا سنا تک نہیں۔ تاریخ ائمہ لکھکر مومنین و مومنات پر احسان عظیم کیا۔ آپکی جتنی تعریف و توصیف کی جائے کم ہے۔ سال رواں میں حضرت عمر کی سوانح اور جوہر قرآن شروع کی ہے ہر دو کتاب ہدایت مآب گزشتہ سے بڑھ چڑھکر رہیں گی۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ خداوند عالم بطفیل آل عبا آپکی صحت تادیر برقرار رکھے اور آفات گوناگوں سے محفوظ رکھے آمین" (۳) جناب مولانا حکیم سید محمد صادق صاحب لکھنوی مولوی فاضل و صدر الافاضل دام مجدہ۔ از حیدر آباد دکن "سوانح عمری خلیفہ دوم اور جوہر قرآن نہایت عمدہ اور دلچسپ طریقہ سے آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ مجھ کو تو بے حد پسند ہے" (۴) جناب سید قربان حسین شاہ صاحب موسوی دام مجدہٗ از ضلع رہتک "آپکی علالت سے سخت تشویش ہوئی ہے

نماز ہائے فریضہ کے بعد بارگاہ ایزدی میں دعا کی جاتی ہے کہ وہ آپ کو بتصدق جناب آقائے دوجہاں و آل محمد ممدوح الشان کلی صحت بخشے کیونکہ آپ کی زندگی شیعہ قوم کے لئے فخر ہے بلکہ شیعہ قوم آپ کی زندگی سے زندہ ہے" (۵) جناب ڈاکٹر سید منظر عباس صاحب سیفی دام مجدہ از بلاسپور" میں سوانح عمری خلیفہ اول اور تاریخ ائمہ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کر چکا ہوں ... چونکہ اظہار حق ضروری ہے اس لئے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جوہر قرآن انشاء اللہ المستعان تحفہ اثنا عشریہ کا بہترین جواب ہوگی اور مومنین کی دیرینہ آرزو بر آئیگی ۔ کیا خوب ابتداء کی ہے ۔ سبحان اللہ وجزاکم اللہ ... الحق کہ تحقیق آپکا حق ہے خداوند عالم آپ کو صدوسی سال قائم رکھے اور مومنین کو آپکی تصانیف سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع دے ۔ آمین ثم آمین" (۶) جناب حاجی سید جلال الدین حیدر صاحب ایم ۔ اے دام مجدہ از لکھنؤ "شیعہ بی بی اور سنی شوہر کا فسانہ جو میں نے محرم نمبر میں پڑھا تو پھر بقیہ دو پرچوں میں بھی سب سے پہلے اسی افسانہ کو پڑھا ۔ ماشاء اللہ خوب لکھ رہے ہیں ۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ۔ خدا آپ کی صحت قائم رکھے اور آپ کو افکار سے نجات دے" (۷) جناب مولوی سید شبیر حسن صاحب دام مجدہٗ از ضلع جونپور :- "جوہر قرآن کا سلسلہ بہت خوب مرتب ہو رہا ہے ۔ قابلیت جب انسان میں مکمل ہوتی ہے تو اوسکے سامان بھی ہو جاتے ہیں ۔ ناول کے طرز میں ایمان مکمل کیا جا رہا ہے ۔ میری رائے میں جوہر ایمان کی ریزکاری آپ فرما رہے ہیں ۔ خدا اس کا اجر دے گا ۔ ہم لوگ تعریف نہیں کر سکتے ۔ اظہار مطالب کا عنوان بہت دلچسپ ہے ۔ وسعت اپنا دامن پھیلائے ہوئے ہے ۔ ناظرین جواہر ریزے ایک جا کر کے ایمان کامل کر لیویں اور عاقبت اپنی بنا لیویں ۔ اور دل میں نور ایمان مکمل کر لیں" (۸) جناب چودہری فیروز الدین صاحب دام مجدہ از ہوشیار پور "خداوند کریم آپ کو صحۃ کاملہ عطا فرمائے اور عمر خضر نصیب ہو ۔ آپ کا سایہ قوم شیعہ پر دائم و قائم رہے ۔ آپ نے وہ تبلیغ مذہب حق اور جہاد قلم فرمایا ہے جو تا قیامت اور کسی سے ناممکن ہے ۔ آپ کی ہستی قوم کے لئے مایۂ ناز ہے ۔ بتصدق ائمہ معصومین علیہم السلام آپ اپنے جملہ دلی مقاصد میں کامیاب ہوں" (۹) جناب سید اولاد حسین صاحب گورنمنٹ پنشنر و پریسیڈنٹ ڈسٹرکٹ شیعہ کانفرنس گرداسپور دام مجدہٗ "جناب مولانا آپ کے لئے خدمت

دینی کی تعریف کرنا ایسا ہے جیسا کوئی شخص دن کو دن کہے۔ خداوند تبارک وتعالےٰ آپ کو
زندہ وسلامت رکھے اور آپ کے عقیدے کے مدارج کو اور بڑھائے اور دنیا میں عزت
وآبرو بخشے اور قلم میں زور دے" (۱۰) جناب سید نذر حسین شاہ صاحب ساکن زیارت
ضلع اٹک دام مجدہ "جو کام اس سال اصلاح میں شروع کیا ہے سوانح خلیفہ دوم کے
متعلق تو ابھی خاموش ہوں کہ ابھی ابتدائی سلسلہ ہے لیکن جوہر قرآن نے انشاءاللہ
معجزہ حضرت عیسیٰؑ کا کام کرنا ہے" (۱۱) جناب غلام نبی اظہر صاحب دام مجدہ از بنڈہ
اسحاق ضلع مظفرگڈھ "کتاب تاریخ ائمہ مکمل ہو چکی ہے ذرائع اشاعت مذہب حقہ
جو آپ کی طرف سے صادر ہیں کسی کے قلم نے ایسے کارنامجات نہیں شائع کئے۔ خدا
آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور زور قلم زیادہ ہو" (۱۲) جناب میاں عمر علی صاحب رئیس
دام مجدہ از بنڈہ اسحاق ضلع مظفرگڈھ "جناب کا قلم میدان تبلیغ میں اشاعت اور
ناموری حاصل کرنے میں اپنی نظیر آپ ہے کہ جوق جوق گم کردگان راہ صراط مستقیم پر
آتے ہوئے یا علیؑ کے نعرے کستے دکھائی دیتے ہیں" (۱۳) جناب سید نصیر حسین صاحب
ریڈر دام مجدہ چکیا بنارس "جناب قبلہ وکعبہ مدظلکم العالی ... خداوند عالم جناب کو بتصدق
ائمہ معصومین علیہم السلام بخیر وعافیت رکھے اور عمر خضری عطا فرمائے۔ یوں تو پرچہ اصلاح
جب سے جاری ہوا ہے اپنی آپ نظیر ہے لیکن جب سے جناب کے زیر اہتمام اس کی اشاعت
شروع ہوئی ہے ماشاءاللہ اس میں اور چار چاند لگ گئے ہیں۔ علمی خزانہ سے وہ وہ جواہر
انمول جناب نے پیش کئے ہیں جس کے لئے قوم جس قدر شکریہ ادا کرے کم ہے۔ سنہ گزشتہ
تک جو کتابیں طبع ہوئی ہیں مقبول عام ہو چکی ہیں۔ سنہ رواں میں کتاب حضرت عمر و جوہر قرآن
جیسی نایاب کتاب جس عنوان سے شائع ہو رہی ہے تعریف سے زبان قاصر ہے۔ کتاب
کیا ہے انصاف وحق پسند کے لئے مشعل ہدایت ہے۔ خداوند عالم جناب کی توفیق میں
روز افزوں ترقی اور قلم میں زور حیدری عطا فرمائے۔ آمین" (۱۴) جناب مولوی سید
رضا حیدر صاحب ہیڈ مولوی دام مجدہ از ضلع فیروز پور "حامی ملت حقہ زاد عنایتکم۔
سلام علیکم۔ حقیقت میں جناب نے وہ کام کیا ہے جو شاید علماء کی ایک جماعت برسوں کی
محنت کے بعد بھی نہ کر سکتی جزاکم اللہ خیر الجزاء" (۱۵) جناب آغا شیر احمد خاں صاحب تحصیلدار

دام مجدہٗ از پانی پت" فی الحقیقت رسالہ اصلاح رد اعتراضات مخالفین و تبلیغ مذہب حقہ اثنا عشریہ میں ایک لاجواب رسالہ ہے خصوصاً اس پُر آشوب زمانہ میں اس کی اشد ضرورت ہے خدا آپ کو جزاے خیر عطا فرمائے" (۱۶) جناب سید علی جان صاحب دام مجدہ از کلکتہ " ماشاء اللہ آپکی تحریر کو کیا کہنا ۔ دراصل زبان کو طاقت کہاں جو تعریف کر سکے جوہر قرآن پر جن صاحب کی نظر پڑتی ہے گویا جان آجاتی ہے ۔ بے شک جوہر ہے" (۱۷) جناب سید امیر حیدر صاحب گلاس مرچنٹ دام مجدہ از بمبئی" مولانا و معتمد انا جناب قبلہ و کعبہ مدظلہ ۔ بعد آداب و تسلیم گزارش ہے کہ کمترین جناب کی جملہ تالیفات و تصنیفات مع رسالہ اصلاح و الشمس کا عرصہ دراز سے دلدادہ بلکہ عاشق ہے ... پروردگار عالم اصلاح و الشمس کا طلوع بجاے ۳۰ یوم کے ۳۰ گھنٹے میں کردے اور ان کے سرپرست صاحب کو جملہ فارغ البالیوں کے ساتھ عمر نوح عطا فرمائے آمین ... دل تو یہ چاہتا ہے کہ دنیا کے تمام جن و انس خریدار اصلاح بن جائیں" (۱۸) جناب ماسٹر سید انور علی صاحب دام مجدہٗ از سکندر آباد دکن "جناب مولانا و معتمدانا و حامی دین مبین دام اقبالہ سلام علیکم سب سے اول خداے تعالے کا لاکھ لاکھ شکر کہ اب جناب صحت یاب ہو گئے خدا آپکا سایہ ہم شیعوں پر قائم رکھے ۔ دوسرے اس سال جوہر قرآن اور سوانح حضرت عمر جو چل رہی ہیں میری زبان و قلم قاصر ہے کہ مدح کرسکوں ۔ جناب کے طرز بیان کی تعریف ناممکن ہے ۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ" (۱۹) جناب سید حسین صاحب ٹیلیگراف ماسٹر دام مجدہٗ از دہلی" سوانح عمری حضرت ثانی اور جوہر قرآن ہر دو لاجواب کتب آں جناب کے قلم سے وجود میں آرہی ہیں دعا ہے خداوند عالم آں جناب کو ان کی تکمیل کی توفیق رفیق کرے اور نشر علوم حقہ میں آں جناب کو تا صد دسی سال زندہ و سلامت و باکرامت رکھے بقول غالب مرحوم ؎ تم سلامت رہو ہزار برس :: ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار"۔
(۲۰) جناب منشی دین محمد صاحب ٹیچر دام مجدہ از ضلع گرداسپور" اصلاح کے نمبر موصول ہوئے خداوند جل شانہ انجام بخیر کرے ۔ چشم بددور رسالہ کیا ہے مخالفین کی رگ و ریشہ کو کاٹ رہا ہے ۔ اللہ اس رسالہ کو ابد الآباد تک رکھے اور اسکے مدیر صاحب قبلہ کو عمر نوح عطا فرمائے ۔ رسالہ کے مضامین علمی خزانہ ہیں اور معلومات میں اضافہ کرنے کے خزانے ہیں...

جوہر قرآن اور سوانح عمری جو چھپنی شروع ہوئی ہے اس سے علمی خزانے میں گوناگوں اضافہ ہے" (۲۱) جناب سید احمد حسن صاحب دام مجدہ از مقام گڑولی تحصیل... نے ہم لوگوں کا ایمان تازہ کر دیا۔ پروردگار عالم آپ کو عمر نوح عطا فرمائے تاکہ اس غریب قوم کے سر پر آپ کا سایہ رہے۔ آپ نے جوہر قرآن و سوانح عمری دوم صاحب ایسی عجیب و غریب لکھی ہے کہ جواب نہیں ہو سکتا۔ پروردگار عالم آپ کو صحت کلی عنایت فرمائے تاکہ اشاعت دین جاری رہے" (۲۲) جناب میاں عمر علی صاحب رئیس اعظم دام مجدہ از بنڈہ اسحاق ضلع مظفر گڑھ (دوسرا خط) "سیدی و مولائی السلام علیکم۔ جناب کے زور قلم سے جو کتاب عالم شہود میں آتی ہے دیکھنے والا فوراً یہی کہہ دیتا ہے کہ مولانا اس جیسی دوسری کتاب تصنیف نہ فرما سکیں گے۔ اس سے حیران ہونا پڑتا ہے۔ جب جناب کی دوسری تصنیف ہاتھوں میں پہونچتی ہے۔ بعد مطالعہ یہی کہنا پڑتا ہے کہ خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔ جوہر قرآن واقعاً جوہر قرآن ہے۔ مخالفین کی کتابوں کے جوابات عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد کے مصداق ہیں۔ بلا مبالغہ معلومات کے متعلق کہنا پڑتا ہے کہ دریا کوزہ میں بند ہے۔ تہذیب کا وہ عالم ہے کہ دشمن بھی آپ کی روش پر قربان ہوتے ہیں۔ بزم تحقیق کی شمع اگر کتاب کو کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ حضرت عمر کی سوانح عمری بھی جس شان سے لکھی جا رہی ہے یقیناً بطلان کے تار و پود کی نقاب جناب ہیرو کے رخ زیبا سے ہٹا دیگی"۔

(۲۳) جناب حاجی پرنس سید محمد عباس صاحب صفوی رئیس دام مجدہ از شمس آباد:۔

" ظلام المتکلمین قمقام المناظرین دام مجدکم العالی۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فن مناظرہ میں جو دستگاہ کامل آپ کو حاصل ہے وہ کسی اور کو میسر نہیں ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء... جوہر قرآن کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ عصر حاضر میں چند نام نہاد اہل قرآن کے علاوہ بھی ایک طبقہ ایسا موجود ہے جو گاہ گاہ حسبنا کتاب اللہ کی سنت فاروقیہ کو زندہ کر دینے کی سعی کرتا رہتا ہے۔ علاوہ بریں جوہر قرآن کا انداز بیان اتنا دلکش ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔ ضرورت ہے اور شدید ضرورت ہے اس امر کی کہ اس طرح کے مذہبی ناول بکثرت شائع ہوں"۔ (اسی طرح اور بھی بکثرت خطوط ہیں مگر گنجائش کم ہونے کی وجہ سے اسی پر اکتفاء کی جاتی ہے)

جوہر قرآن سے مذہب شیعہ کی ترقی | خدا کے فضل سے کتاب جوہر قرآن مذہب شیعہ کی ترقی میں اچھی کامیابی حاصل کر رہی ہے۔ ابھی یہ مکمل بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ مومنین کا حلقہ وسیع ہونے لگا۔ مثلاً جناب مولوی سید محمد تقی احسن صاحب رئیس نہٹور سادات ضلع بجنور دام مجدہ نے تحریر فرمایا "جوہر قرآن اور سوانح عمری خلیفہ دوم کو پڑھکر چار سنی حضرات نے مذہب شیعہ قبول کر لیا"۔ فالحمد للہ۔ خدا اس خدمت کو قبول فرمائے اور اسکے ذریعہ سے ہر مسلمان کو صراط مستقیم مل جائے۔

مختصر فہرست مضامین



الحمد لله

کہ

کتاب مستطاب ہدایت مآب

مسمی بہ

سوانح عمری حضرت عمر

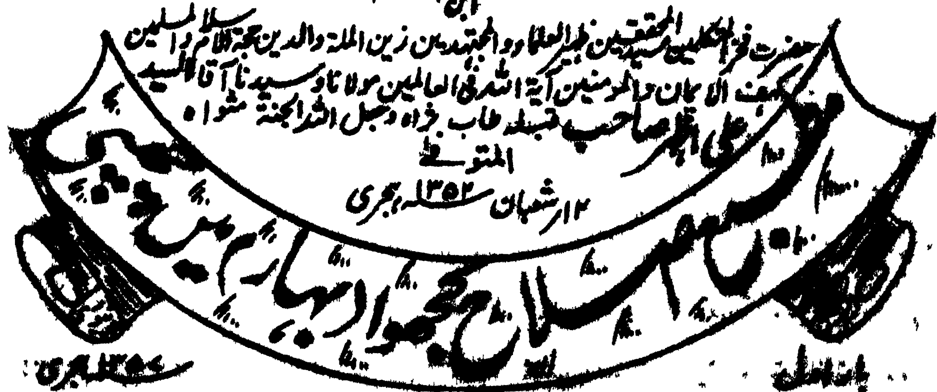
حصہ اول

جس میں بفضلہ تعالیٰ حضرت عمر بن الخطاب کی ولادت سے ممدوح کی ہجرت تک کے مفصل سوانح حیات کمال تحقیق و جامعیت سے لکھے گئے ہیں

مصنفہ

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم مدیر جریدۂ مبارکہ اصلاح کھجوا (بہار)

ابن



حضرت فخر المتکلمین سید المحققین ظہیر العلماء و المجتہدین زین الملۃ والدین حجۃ الاسلام و المسلمین کہف الایمان حامی المومنین آیۃ اللہ فی العالمین مولانا و سیدنا آقا السید علی اظہر صاحب قبلہ طاب ثراہ و جعل اللہ الجنۃ مثواہ

المتوفیٰ

۱۲ شعبان ۱۳۵۲ ہجری

حضرت ابوبکر حضرت ابوبکر کی ۱۰ ہجری کی ...شا کے فضل و کرم سے بڑی تحقیق بہ نہایت ... لکھی اور شائع کی گئی ہے۔ جسکے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں ممدوح کے مفصل حالات ... شائع ہوئے ہیں۔ اس میں خاص کر یہ مضامین نہایت دلچسپ اور ایمان افروز ہیں۔ آپکی نسبی حالت اور عرب میں آپ کے خاندان کی حیثیت۔ آپ کے والدین و اجداد و اخوات و دیگر اعزہ مخصوصین کے حالات۔ آپ کا خاندانی پیشہ۔ آپ کے خاندانی پیشہ کے نتائج اور اسکے دنیوی و دینی خصوصیات آپ کی ولادت کے حالات۔ حلیہ۔ نام۔ کنیت۔ القاب۔ اور ان کے وجوہ و اسباب۔ عہد طفولیت تعلیم و تربیت۔ ذریعہ معاش۔ حضرت رسولخدا صلعم سے آپ کا برتاؤ۔ خاندان بنی ہاشم سے تعلقات حضرت عمر سے تعلقات۔ زمانہ جاہلیت کے کارنامے اور اس عہد میں آپ کے مذہب کی تحقیق۔ آپ کا قبول اسلام۔ اولیۃ اسلام کی بحث۔ آپ کے اسلام قبول کرنے کے اسباب و علل۔ آپ کے اسلام یا ایمان کی حقیقت۔ ابتداء اسلام میں آپ کا اجتہاد اور اس کا نتیجہ۔ حضرت رسولخدا صلعم کی مالی اعانت کرنے کی تحقیق۔ آپ کے دل میں حضرت رسولخدا صلعم اور اسلام کی عزت و محبت۔ حضرت عائشہ کی شادی حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ کیوں کی جب کہ وہ صرف ۶ سال کی تھیں کیا ۶ سالہ لڑکیوں کی شادی ملک عرب کے شریف لوگوں میں ہوتی تھی۔ ہجرت میں آنحضرت صلعم آپ کو اپنے ساتھ لے گئے۔ یا آپ خود ہی چلے گئے۔ سفر ہجرت کے کارنامے۔ معیت غار اور اس کے کارنامے۔ کاغذ لکھائی چھپائی اعلیٰ درجہ کی۔ ۲۶۰ صفحہ قیمت ...

جوہر قرآن نہایت اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح حیدرآباد دکن میں ایک تعلیم یافتہ نہایت تیز شیعہ لڑکی کی شادی ایک زبردست محقق و علامہ اہلسنت سے ہوگئی جسکے بعد سنی مولانا صاحب نے اپنی شیعہ بی بی کو سنی کرنا چاہا تو شیعہ لڑکی نے کہا آؤ تحقیق کریں کہ قرآن مجید سے سنی مذہب کا حق ہونا ثابت ہوتا ہے یا شیعہ مذہب کا۔ قرآن مجید جسکے مذہب کو صحیح کہے اسی مذہب کو ہم دونوں آدمی اختیار کرلیں۔ چنانچہ یہ زبردست بحث شروع ہوئی اور کل اصول و فروع دین میں دونوں شخص اپنی قابلیت کے جوہر دکھاتے رہے۔ خصوصاً تبرا۔ خدا کے مجسم ہونے۔ توحید۔ بداء۔ عدل۔ تحریف قرآن۔ قرآن مجید پر شیعوں کے ایمان ہونے یا نہ ہونے۔ قرآن مجید کے ساتھ سنیوں اور شیعوں کے برتاؤ۔ نبوت۔ امامت و خلافت مسح قدمین۔ نماز میں ہاتھ کھولنے۔ بسم اللہ کہنے۔ روزے کے مسائل۔ متعہ کی تحقیق۔ نماز جماعت

نجاست وغیرہ مسائل تو خوب خوب تحقیق ہوئیں مگر ہر مسئلہ میں شیعہ علی بی نے ثابت کیا
کہ مذہب شیعہ ہی قرآن مجید کے مطابق اور مذہب اہلسنت قرآن مجید کے مخالف ہے۔ آخر کار
مولانا صاحب نے مذہب بدل کر اپنے شیعہ ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ ۵۱۶ صفحہ کی اس کتاب
میں سنی و شیعہ کے کل اختلافات پر کامل تحقیق وجامعیت سے تبصرہ کر کے صراط مستقیم بالکل واضح
کر دی گئی ہے۔ کاغذ۔ لکھائی۔ چھپائی سب اعلےٰ درجہ کی قیمت صرف ۲؎

تاریخ ائمہ | آج تک اردو زبان میں ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں شیعوں کے کل بزرگان
دین کے ضروری حالات اور قابل فخر کارنامے ایک جگہ جمع کئے گئے ہوں۔ اب عظیم الشان کتاب
تاریخ ائمہ میں مشہور انبیاء کرام کے ضروری حالات۔ پھر حضرت رسولخدا صلعم کے حالات لکھکر آپکی
ازواج و اصحاب کرام کے حالات لکھے گئے۔ اس کے بعد حضرات ائمہ طاہرین کے مفصل سوانح عمری
اور قابل ناز دینی و دنیوی کارنامے نہایت دلچسپ عنوان سے جمع کئے گئے ہیں۔ اسکے ساتھ
ساتھ ائمہ طاہرین کی ازواج و اولاد و اصحاب کے بھی نہایت معرفت خیز حالات لکھے گئے ہیں۔
علم دوست حضرات نے تسلیم کر لیا کہ اس کتاب میں گویا دریا کو کوزے میں بند کیا گیا ہے۔ آج تک
ہمارے پیشوایان دین کے ایسے قابل قدر حالات دنیا کی کسی زبان (عربی۔ فارسی۔ اردو) میں
نہیں لکھے گئے۔ جناب مولانا و مقتدانا آقا سید سبط نبی صاحب قبلہ مجتہد العصر اعلی اللہ مقامہ
ساکن نوگانواں سادات و شیعہ ڈین مسلم یونیورسٹی علیگڈھ نے اس کتاب کو اس درجہ پسند
فرمایا کہ اسکے نسخے بذریعہ وی۔ پی طلب کئے اور اسے علی گڈھ کالج و اسکول کے شیعہ طلباء
کے نصاب تعلیم میں داخل کرا دیا۔ کاغذ۔ لکھائی۔ چھپائی سب اعلےٰ درجہ کی ضخامت ۵۱۶ صفحہ
قیمت صرف ۳؎ مگر خریداران اصلاح سے صرف ۲؎۔ علاوہ محصول ڈاک۔ جلد طلب کیجئے۔ یہ کتاب
ایک نعمت بے بہا ہے۔ اگر جلد نہیں منگائیے گا تو دوسری طبع کا شدید انتظار کرنا ہوگا۔

مجالس خاتون | اردو زبان میں چند سال قبل تک کوئی کتاب ایسی نہیں ملتی تھی جو خاص
عورتوں کی زنانی مجلسوں کے لئے لکھی گئی ہو اور جسکو بیبیاں خود پڑھکر دوسری بہنوں کو سنا سکیں
اور ان کو مثاب کریں۔ یہ کمی بہت دنوں سے محسوس ہو رہی تھی۔ اس کو رفع کرنے کے
لئے کتاب مجالس خاتون لکھی گئی۔ جس میں پہلی محرم سے ۱۰ محرم تک ہر روز اور ہر رات میں
عورتوں کے پڑھنے کی تین مجلسیں لکھی گئیں۔ اس طرح ۳۰ مجلسوں کا یہ ایسا قیمتی ذخیرہ ہو گیا

ہے جس کا ہر شعبہ صورت کے پاس ہر وقت رہنا ضروری ہے۔ ہر مجلس کے ذخیرہ معا
بہت بروقت خیر اور زلالہ واثے دردناک نسخے بھی لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ بہنوں کو مجلس
پڑھنے کے بعد کسی دوسرے ذخیرہ کے رکھنے کی ضرورت نہ ہو بلکہ اسی کتاب سے یہ ضرورت
بھی رفع ہو جائے۔ پہلی دفعہ چھپ کر جلد ہی کتاب ختم ہو گئی تھی۔ اب دوبارہ چھپوائی گئی ہے
اسکے بھی صرف چند نسخے باقی ہیں۔ جلد منگا لیجئے ورنہ تیسرے چھاپے کا انتظار کرنا ہوگا قیمت

مشعل ہدایت جناب حاجی سید اقبال حسین صاحب بی اے مجسٹریٹ پنشنر کی
مشہور اور زبردست تحقیقی کتاب جس میں دکھایا ہے کہ خدا نے کلام پاک میں رسول خدا
اور اُن کے آل و اصحاب کے لئے کیا فرمایا ہے۔ اور قرآن مجید سے آل اطہار کا کیا پایہ
ثابت ہے اور اصحاب کس مرتبہ پر فائز ہیں۔ اور ان تمام حقائق کی موجودگی میں امت
پر کسکی پیروی اور کس حد تک فرض ہے۔ غرض بہت ہی قابل قدر کتاب ہے بحیثیت
مجسٹریٹ آپ نے سُنی شیعہ کے اختلافات کا فیصلہ بھی کمال انصاف سے کیا ہے
حجم ۱۱۲ صفحہ قیمت صرف عہ

آل و اصحاب اس رسالہ میں دکھایا ہے کہ اہلبیت طاہرین کے ساتھ صحابہ رسولؐ کا
سلوک کیسا تھا۔ ان لوگوں نے امانت رسولؐ کے ساتھ کس درجہ بے رُخی کی۔ واقعہ کربلا
کے وقت کتنے صحابہ موجود تھے۔ مگر اُنھوں نے ادھر ذرہ برابر توجہ نہیں کی۔ حالانکہ وہ
مدد کرتے تو امام مظلوم شہید نہ ہوتے۔ نہایت مفید اسلامی تاریخی تحقیقات کا ذخیرہ ہے قیمت ۱۲؍

جواب شرر مسٹر عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی نے حضرت سکینہ بنت الحسینؑ کا بہت فحش
اور گندہ ناول لکھکر مسلمانوں کے دلوں میں آگ لگا دی تھی۔ اس کا مفصل جواب اور تاریخی
تحقیقات کا بے مثل خزانہ تیسری دفعہ چھپا ہے۔ قیمت عہ

عقل و تہذیب اہلحدیث فرقہ اہلحدیث کی عقل۔ تہذیب۔ انسانیت۔ مذہب اور خصوصاً انکے
علماء مذہب و پیشوایان دین کے قابل مضحکہ حالات کا مکمل مجموعہ۔ قیمت ۱۲؍

صاحب العصر والزمان حضرت حجتؑ کے وجود اور غیبت کی بہت زبردست دلیلیں اور قادیانی
فرقہ نے حضرتؑ کے بارے میں جو اعتراضات کئے ہیں ان کا مفصل اور تشفی بخش جواب۔ قیمت ۱۲؍

المشتہر:- منیجر اصلاح کھجوا (بہار)

(سید غازی الدین حیدر نے جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ کے واسطے اصلاح پریس کھجوا میں چھپوایا)

اس میں شک نہیں کہ یہ قرآن مجید خدا کی اس راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور جو ایماندار اچھے کام کرتے ہیں یا کریں گے ان کو یہ خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لئے بہت بڑا اجر اور ثواب مہیا ہے

(پ ۱۵-ر کوع ۱)

الحمد للہ

کہ

کتاب مستطاب ہدایت مآب

مسمے بہ

جوہر قرآن

جس میں اسلام کے ۷۳ فرقوں سے صرف ایک نجات پانیوالے فرقہ کی تعیین کے متعلق ایک محقق سنی عالم اور ساونکی ذی علم شیعہ بی بی کی بہت دلچسپ۔ مہذب اور محققانہ بحثیں درج کرکے زیادہ تر یہ دکھانیکی کوشش کی گئی ہے کہ خود خدا کریم کی کتاب مبارک (قرآن مجید) اصول و فروع دین یعنی کل اعتقادات اور جملہ اعمال میں مذہب اہلسنت کو حق کہتی ہے یا مذہب شیعہ کو

مصنفہ

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم مدیر جریدۂ مبارکہ اصلاح کھجوا (صوبہ بہار)

ابن

حضرت فخر المتکلمین سید المحققین تجمیر العلماء والمجتہد بن عماد الملت والدین حجۃ الاسلام والمسلمین آیۃ اللہ فی العالمین مولانا و مقتدانا آقا السید علی اظہر صاحب قبلہ طاب ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ

المتوفی ۱۲ر شعبان ۱۳۵۲ھ ہجری

اصلاح مشین پریس کھجوا (بہار) میں چھپی

A.H.

وضو میں پاؤں پر مسح کرنا | رسالہ توامع الظہور میں بہت تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ وضو میں پاؤں دھونا بالکل خلاف حکم خدا اور رسولؐ اور پاؤں پر مسح کرنا صحیح اور عمل رسولؐ و صحابہ ہے۔ اسکے ساتھ مسئلہ قرطاس۔ میراث انبیاء۔ فدک۔ جناب شہربانو کے متعلق نہایت مفید تحقیقات ہیں۔ حجم ۱۵۲ صفحات قیمت ۱ر

جناب شیخ جیلانی | صاحب کو حضرات اہلسنت غوث اعظم اور بڑے پیر مانتے اور ان کو صاحب معجزات سمجھتے ہیں۔ اس رسالہ میں ممدوح کے مفصل حالات لکھکر ثابت کیا گیا ہے کہ وہ سید نہ تھے اور ان کے معجزات سب غلط اور بالکل قابل مضحکہ ہیں۔ یہ رسالہ بھی کئی مرتبہ چھپ کر شائع ہو چکا۔ حجم ۹۶ صفحہ قیمت ۶ر

مذہبی کہانی | بچوں کے سمجھانے کے لئے اصول دین کو بطرز ناول بہت دلچسپ صورت میں لکھا گیا ہے۔ قیمت ار

حضرت امام غائبؑ | کے وجود اور غیبت کے متعلق لاہور کی ایک سنی انجمن نے بہت سے اعتراضات کرکے ایک زہریلی کتاب شائع کی تھی اس کا تشفی بخش جواب مولانا سید محمد رضی صاحب زنگی پوری نے کشف الظلام میں لکھکر مخالفین کو مبہوت کر دیا اور کسی سے کچھ جواب نہیں ہو سکا۔ حجم ۱۳۲ صفحہ قیمت ۹ر

حالات جناب امیرؑ | مشہور علامہ اہلسنت ابن ابی الحدید معتزلی نے حضرت امیرالمومنینؑ کے جو محققانہ اور نہایت نورانی حالات لکھے ہیں ان کا اردو ترجمہ۔ گویا دریا کو کوزہ میں بھر دیا ہے یا۔ ۴۸ صفحہ میں حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے فضائل و کمالات کا جوہر کھینچ دیا ہے۔ قیمت ۸ر

جواب شرر | مسٹر عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی نے حضرت سکینہ بنت الحسینؑ کا بہت فحش اور گندہ ناول لکھ کر مسلمانوں کے دلوں میں آگ لگا دی تھی۔ اس کا مفصل جواب اور تاریخی تحقیقات کا بے مثل خزانہ تیسری دفعہ چھپا ہے۔ قیمت عہ

مناظرہ مامون | اس رسالہ میں خلیفہ مامون کا وہ مشہور مناظرہ ہے جس میں جناب امیرؑ کی افضلیت خلفاء ثلثہ پر ثابت کی گئی۔ قیمت ۳ر

مجالس خاتون | اردو زبان میں چند سال قبل تک کوئی کتاب ایسی نہیں ملتی تھی جو خاص عورتوں کی زنانی مجلسوں کے لئے لکھی گئی ہو اور جسکو بہنیں خود پڑھکر دوسری بہنوں کو سنا سکیں

اور وہ تمیں مفقود تھیں - یہ کمی بہت دنوں سے محسوس ہو رہی تھی - اسکو رفع کرنے کے لئے کتاب
مجالس خواتین لکھی گئی جس میں پہلی محرم سے ۱۰ محرم تک ہر روز اور ہر رات میں عورتوں کے
پڑھنے کی مجلسیں لکھی گئیں - اس طرح ۲۰ مجلسوں کا یہ ایسی قیمتی ذخیرہ ہو گیا ہے جس کا
ہر شیعہ عورت کے پاس ہر وقت رہنا ضروری ہے - ہر مجلس کے آخر میں مصائب بہت رقت
خیز اور رُلانے والے درد ناک نوحے بھی لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ بہنوں کو حدیث پڑھنے کے
بعد کسی دوسرے نوحہ کے رکھنے کی ضرورت نہ ہو بلکہ اسی کتاب سے یہ ضرورت بھی رفع
ہو جائے - پہلی دفعہ چھپ کر پوری کتاب ختم ہو گئی تھی - اب دوبارہ چھپوائی گئی ہے اسکے
بھی صرف چند نسخے باقی ہیں جلد منگائیے ورنہ تیسرے چھاپے کا انتظار کرنا ہوگا قیمت ۸ر

آل و اصحاب | اس رسالہ میں دکھایا ہے کہ اہلبیت طاہرین کے ساتھ صحابہ رسول کا سلوک کیسا
تھا ان لوگوں نے امانت رسول کے ساتھ کس درجہ بے رُخی کی - واقعۂ کربلا کے وقت کتنے صحابہ
موجود تھے مگر انھوں نے ادھر ذرہ برابر توجہ نہیں کی - حالانکہ وہ مدد کرتے تو امام مظلوم شہید
نہ ہوتے - نہایت مفید اسلامی تاریخی تحقیقات کا ذخیرہ ہے - قیمت ۱۲ر

تاریخ ائمہ | آج تک اردو زبان میں ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں شیعوں کے کل بزرگان دین کے ضروری
حالات اور قابل فخر کارنامے ایک جگہ جمع کئے گئے ہوں - اب عظیم الشان کتاب تاریخ ائمہ میں مشہور انبیاء کرام کے
ضروری حالات - پھر حضرت رسول خدا صلعم کے حالات لکھکر آپکی ازواج و اصحاب کرام کے حالات لکھے گئے۔ اسکے
بعد حضرات ائمہ طاہرین کے مفصل سوانح زندگی اور قابل ناز دینی و دنیوی کارنامے نہایت دلچسپ عنوان سے
جمع کئے گئے ہیں - اسکے ساتھ ساتھ ائمہ طاہرین کی ازواج و اولاد و اصحاب کے بھی نہایت معرفت خیز
حالات لکھے گئے ہیں - علم دوست حضرات نے تسلیم کر لیا کہ اس کتاب میں گویا دریا کو کوزے میں بند کیا
گیا ہے - آج تک ہمارے پیشوایان دین کے ایسے قابل قدر حالات دنیا کی کسی زبان (عربی - فارسی
اردو) میں نہیں لکھے گئے - جناب مولانا و مقتدانا آقا سید سبط نبی صاحب قبلہ مجتہد العصر اعلی اللہ
مقامہ ساکن نوگانواں سادات و شیعہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ نے اس کتاب کو اس درجہ پسند فرمایا
کہ اسکے نسخے بذریعہ وی پی طلب کئے اور اسے علی گڈھ کالج و اسکول کے شیعہ طلباء کے نصاب تعلیم میں
داخل کرا دیا - کاغذ - لکھائی - چھپائی سب اعلیٰ درجہ کی ضخامت ۵۱۶ صفحہ قیمت صرف ۲ر پانچ نسخوں کے
خریدار سے صرف ۸ر علاوہ محصول ڈاک - جلد طلب کیجئے یہ کتاب ایک نعمت بے بہا ہے - اپنے لڑکوں
اور عورتوں کے نصاب تعلیم میں بھی رکھئے

تحریف قرآن کے بارے میں اہلسنت اعتراض کرتے ہیں۔ رسالہ حد السارق میں پوری تحقیق اور جامعیت سے ثابت کر دیا ہے کہ تحریف قرآن کے قائل اہلسنت ہیں اور انکی کتابوں سے یہ اس طرح واضح ہے کہ کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

مسئلہ فدک سنی شیعہ کے درمیان بہت زبردست بحث ہے۔ نواب محسن الملک بہادر نے شیعوں کے خلاف آیات بینات میں بہت زور لگایا ہے۔ اس کا مفصل جواب کمال تحقیق و جامعیت سے لکھا گیا ہے یہ کتاب شیعوں کے لئے نعمت عظمے ہے۔ قیمت جلد اول ۸ر جلد دوم ۸ر جلد سوم ۶ر جلد چہارم صر

مقدمہ نہج البلاغہ بعض اہلسنت کہتے ہیں کہ نہج البلاغۃ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا کلام نہیں ہے۔ اس کتاب میں نہایت تحقیق و جامعیت سے اس کو حضرت کا کلام ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۲ ر

ہندو پنڈت کا رسالہ ایک ہندو پنڈت [illegible] نام صاحب نے مسئلہ خلافت و امامت پر وہ [illegible] تحریر شائع کی ہے جس سے مذہب شیعہ کی حقیت مثل آفتاب روشن ہے۔ اس رسالہ نے اوراق اہلسنت میں زلزلہ ڈال دیا ہے۔ قیمت ۵ ر

سوانح عمری حضرت ابوبکر مذہب شیعہ کی حقیت ثابت کرنے کے لئے یہ بھی بہت زبردست کتاب ہے جس میں خلیفہ اول کے مفصل حالات اور واقعات زندگی نہایت تحقیق و جامعیت سے درج کئے گئے ہیں۔ جن کے دیکھنے سے ہر شخص کہہ دے گا کہ ایسے شخص کسی طرح جناب حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خلیفہ نہیں ہو سکتے۔ اس کتاب کو پڑھکر متعدد سنی حضرات نے اپنا مذہب چھوڑ دیا اور شیعہ ہوگئے جلد اول ۲۰۰ صفحہ قیمت دو روپیہ

تنقید بخاری حصہ اول حضرت حجۃ الاسلام جناب مولانا السید علی اظہر صاحب قبلہ طاب ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ کی وہ مشہور تحقیقی کتاب جس میں صحیح بخاری کی دھجیاں اڑادی گئیں اور اسکی صحت و عظمت کا دعوے خاک میں ملا دیا گیا۔ اس کتاب کا جواب لکھنے کے لئے اہل حدیث کانفرنس نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا مگر کچھ بھی نہ کر سکی۔ صرف پہلی جلد پھر چھپی ہے۔ حجم ۹۶ صفحات قیمت ۵ ر جلد طلب کیجئے ورنہ طبع ثالث کا انتظار کرنا ہوگا

المشتہر:۔ مینیجر اصلاح کھجوا (صوبہ بہار)

[illegible] الدین حیدر نے مطبع اصلاح کھجوا میں چھاپ کر شائع کیا

اطبائے دربار شاہان لکھنؤ کی ہر مرض کی خاندانی مجربات ادویات پیٹنٹ

فہرست ادویات ازراہ قومی و (تجربہ شدہ دو سو سال) مذہبی ہمدردی مفت جلد طلب کیجئے

عمر اسلاف شہنشاہوں میں ساری گزری ❊ پانچویں پشت طبابت میں ہماری گزری

اگر کوئی دوا فوراً نفع نہ دیگی تو تا صحت بلا قیمت ادویات صرف محصول ڈاک و پیکنگ و مزدوری تیاری دوا موصول ہونے پر روانہ ہونگی۔ مرض لاعلاج ہو جائیگا تو حلفیہ قیمت واپس ہوگی۔ فروختگی ادویات کا کل منافع خالص مذہبی و قومی مفید کاموں میں روانہ ہوگا۔ جواب طلب امور کے لیے ہمراہ خط ٹکٹ ڈاک ضرور آوے۔ ذریعہ وی پی تعمیل آرڈر ہوگی۔ آرڈر میں حوالہ اصلاح ضرور دیں۔

حبوب آتشک نمبر ۲۱ :- یہ وہ مہلک و خطرناک مرض ہے کہ ورا ثتاً چند پشتوں میں پہنچتا ہے جس سے ہر خاص و عام بخوبی واقف ہے ہمارے یہ حبوب بے مثل و بے نظیر مثل اکسیر کے ہیں فوراً آرام ہوجاتا ہے۔ نہ دست اس سے آتے ہیں نہ قے آتی ہے ازحد زود اثر ہیں۔ خون کو بھی صاف کر دیتے ہیں۔ پھر تمام عمر یہ مرض ہرگز عود نہیں کرتا ہے۔ اگر آپ کو اپنی صحت عزیز ہے تو جلد ان حبوب کو استعمال فرمائیے بے عذر مثل اکسیر کے ہیں۔ قیمت مع محصول ۱۲/ 5/12/0

مرہم زخم آتشک نمبر ۲۲ :- کیسے ہی نئے یا پرانے زخم بیماری آتشک کے عضو مخصوص پر ہوں فوراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ زخم تھا ہی نہیں قیمت فی شیشی مع محصول مبلغ ۱۲/ 2/12/0

اکسیر سوزاک نمبر ۲۳ :- ۲۴ گھنٹہ کے اندر جراثیم اور جو زخم نالی پیشاب میں ہوتے ہیں انکو بھر کر زخم کی سوزش کو فوراً رفع کرکے مواد کا آنا بند کر دیتی ہے زہریلے خون کے اثر کو بھی زائل کرتی ہے۔ پھر اس مرض کی کوئی شکایت تمام عمر نہیں ہوتی۔ زود اثر تجربہ شدہ ہزاروں مریضوں کی ہے۔ قیمت مع محصول ڈاک حسب ذیل ہے۔ اگر مرض ۳ سال سے ہے تو مبلغ ۹/ 9/9/0

۳ سال سے زائد ہے تو مبلغ ۲/ 7/2/0

دوا پچکاری سوزاک :- یہ دوا پچکاری کی ہمراہ دوائے سوزاک نمبر ۲۳ کے استعمال کرنا ازحد ضروری ہے اگر دوائے خوردنی و پچکاری کی استعمال کرلی جائے تو اس موذی مرض سے تمام عمر کو شرطیہ نجات مل جاتی ہے۔ قیمت مع محصول ۱۲/ [illegible]

خادم قوم حکیم حاذق سید محمد حسین رضوی لکھنوی گورنمنٹ پنشنر و رجسٹرڈ (اے) کلاس

(مقام [illegible] ضلع مرادآباد (یو۔ پی) دواخانہ بہار [illegible]

اصلاح

نمبر ۲ ماہ صفر المظفر ۱۳۵۹ھ ہجری جلد ۴۴

مدیر

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم

دار الاشاعۃ

کھجوا (صوبہ بہار)

ضروری اطلاع کل ہمدردان اصلاح کی خدمت میں التماس ہے کہ اس نمبر کے پہنچتے ہی اپنا چندۂ اصلاح [illegible] بذریعہ منی آرڈر عنایت فرما کر شکر گزار کریں ورنہ پندرہ دن کے بعد وی پی حاضر خدمت ہوگا جس میں ان کا ۳ ر [illegible] زائد خرچ ہو جائے گا۔

تحفۂ بخاری ہم نے اعلان کیا تھا کہ اگر کتاب جوہر قرآن و تاریخ ائمہ کے صرف پانچ سو خریدار مل جائیں تو ایک جدید اور دلچسپ ناول تحفۂ بخاری بھی اصلاح کے ساتھ جلد از جلد شائع ہونے لگے۔ مگر افسوس اب تک ان کتابوں کے سو جدید خریدار بھی نہیں آئے اس وجہ سے یہ شروع نہیں ہو سکی۔ اگر اب بھی ناظرین اصلاح ان دونوں کتابوں کے یا جوہر قرآن و سوانح عمری خلیفہ دوم حصہ اول کے دو دو جدید خریدار جلد از جلد عنایت فرمائیں تو ہم آئندہ ہی نمبر سے ناول تحفۂ بخاری بھی شائع کرنے لگیں جس سے انشاء اللہ واضح ہوگا کہ خود صحیح بخاری بھی مذہب اہلسنت کو غلط اور مذہب شیعہ ہی کو حق بتاتی ہے۔ یہ ناول بھی انشاء اللہ ہماری جماعت کے لئے بہت مفید ہوگا۔ دفتر اصلاح کی قدیم کتاب تنقید بخاری دوسری چیز ہے۔ اس میں تو صحیح بخاری کی ایک ایک روایت کی تنقید کرکے دکھایا گیا تھا کہ مسلمانوں کا عمل کہاں تک اسکے مطابق ہے۔ اور جدید کتاب تحفۂ بخاری میں پوری صحیح بخاری کی حدیثیں دو جگہ کرکے دکھا دیا جائیگا کہ اسکی کس کثرت سے حدیثیں مذہب اہلسنت کے خلاف اور کس کثرت سے احادیث مذہب شیعہ کے موافق ہیں۔ غرض یہ کتاب بھی انشاء اللہ شیعوں کے لئے نعمت بے بہا ہوگی اور شیعہ قوم اس پر برابر فخر کرتی رہیگی کہ خود صحیح بخاری سے ہماری حقیت مثل آفتاب روشن ہے۔ شدید ضرورت ہے کہ یہ کتاب جلد از جلد شائع ہو تاکہ دنیا کو معلوم ہو کہ جس طرح قرآن مجید مذہب اہلسنت کو غیر حق اور مذہب شیعہ کو حق کہتا ہے اسی طرح انکی خاص کتاب صحیح بخاری بھی کتنی باتوں میں مذہب اہلسنت کو غیر حق اور مذہب شیعہ ہی کو حق ثابت کرتی ہے۔ صحیح بخاری مذہب اہلسنت کی صحیح ترین کتاب ہے جسکو وہ تقریباً قرآن مجید کے برابر سمجھتے ہیں۔ اور ان کے کسی فرقہ کو اس سے انکار نہیں۔ اگر اس سے ہماری حقیت ثابت ہوگئی تو اہلسنت کی کل جماعتوں کے مقابلہ میں ہمارا حق پر ہونا واضح ہو جائیگا۔ جلد اسکے شروع کرنے کا سامان کرکے قدرت خدا کا تماشہ دیکھئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اصلاح

نمبر ۲ | ماہ صفر المظفر ۱۳۵۹ ہجری | جلد ۴۴

جوہر قرآن و سوانح عمری خلیفہ دوم کی اہمیت

الحمد للہ کہ محض اُسی کے فضل و کرم سے کتاب جوہر قرآن مکمل اور سوانح عمری خلیفہ دوم حصہ اول نہایت تحقیق و جامعیت سے مرتب ہو کر شائع ہو گئی۔ ناظرین ان کتابوں کو بھی نہایت درجہ پسند کر رہے ہیں جناب منشی محمد شفیع صاحب عاجز نے پٹھان کوٹ ضلع گورداسپور سے لکھا "خداوند قدیر کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے اپنی رحمت واسعہ سے آپکو اشاعت اصلاح جلد ۴۳ کے ساتھ نہایت مفید اور ضروری ایمان افروز کتب سوانح عمری خلیفہ ثانی حصہ اول اور جوہر قرآن مسلم کی تکمیل کی کامیابی کا شرف بخشا فالحمد للہ حمداً کثیرا۔ عالی جاہا آپ کی خدمات دینی کے جوہر روز افزوں کھلتے جا رہے ہیں۔ قوم کے بچہ بچہ کی گردن پر آپ کے احسانات عظیم کا بوجھ ضروری معلومات کی فراہمی سے رہتی دنیا تک رہیگا۔ حضور کے قلم معجز رقم نے وہ وہ ذخیرہ علوم دینیہ تشنہ کامانِ جرعۂ صداقت کو پیش فرمائے ہیں جن کی تازگی سے نور ایمان میں عرفان و حقیقت کی کرنیں جلوہ افروز رہا کریں گی خداوند کریم آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے اور قوم کو اردیاد قدردانی کی توفیق بخشے اور آپکو ہر جسمانی رحم زمانہ سے اپنے حفظ امن میں رکھے۔ تحفہ بخاری کی اشاعت کے تہیہ کا اشارہ اور بھی ذوق افزا ہوا۔ دعا ہے کہ خدا کارساز یہ ضروری کام بھی آپ کے مبارک ہاتھ سے انجام پذیر کرا کے زینت آرائے ذخائر علوم و معارف دینیہ فرمائے تا تشنہ کامانِ شربتِ حقانیت بدرجہ اتم سیراب ہو جائیں اور اغیار کی مخالفت کا جن اُنھیں کے سر چڑھ کر دے جس سے تائید مذہب حقہ اثنا عشریہ کی صدائیں بیار دانگ عالم میں بلند ہوں۔ آمین"۔ اسی طرح اور بھی بکثرت خطوط ہیں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ جب سے حضرات اہلسنت کے مشہور علامہ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے حضرت عمر کی مشہور سوانح عمری مسمی بہ "الفاروق" شائع کی مذہب شیعہ پر اس سے بہت بڑا حملہ ہو گیا تھا اور شیعوں میں اُس کا اثر نہایت مضر ہو رہا تھا۔ بہت سے مومنین حضرت عمر کو بعض جہات سے قابل تعریف جاننے لگے تھے اور خاصکر تعلیم یافتہ مومنین انکو بڑا مدبر، سیاست دان، غیر معمولی صاحب الرائے ہمدرد اسلام، بہی خواہ مسلمین اور نہ معلوم کیا کیا سمجھنے لگے تھے۔ اور بعض حضرات تو ان کو زبان سے نہیں مگر دل میں حضرت رسول صلعم سے بھی افضل اور اعلے خیال کرنے لگے تھے۔ اسی وجہ سے انصاف پسند مسلمانوں اور خصوصاً دیندار شیعوں میں بڑی بے چینی تھی کہ کسی طرح حضرت عمر کی ایسی صحیح اور تحقیقی سوانح عمری لکھی جائے جس سے انکے کچے چٹھے حالات

خود سنیوں ہی کی معتبر کتب تاریخ و حدیث و سیرۃ سے واضح ہو جائیں۔ اور الفاروق کا جو زہریلا اثر عام مسلمانوں میں اور خاصکر شیعہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں پھیلتا جا رہا ہے وہ مٹ سکے۔ الحمد للہ کہ فرقہ حقہ شیعہ کی یہ دیرینہ آرزو بر آئی۔ جو علمی تحقیقات انکو محال معلوم ہوتی تھیں وہ پیش نظر ہو گئیں۔ اور حضرت عمر کے حالات پر جو فرضی اور مصنوعی پردے ڈال دیئے گئے تھے محض خدا کے فضل و کرم سے وہ سب چاک ہو گئے۔ اس سوانح عمری میں جو اس وقت تک شایع ہو چکی اور ہو رہی ہے موصوف کی ایسی سچی تصویر انہیں کے ماننے والوں کی معتبر کتابوں سے کھینچی گئی ہے جس سے جہالت اور غفلت کے پردے ہٹ گئے اور علم دوست طبقہ میں اس کتاب کی دھوم ہو گئی۔ اب اس سوانح عمری نے ہندوستان کے مسلمانوں کو محو حیرت کر دیا ہے کیونکہ اس کے ہر لفظ سے حضرت عمر کی ناگفتہ بہ باتیں عالم آشکار ہو رہی ہیں۔ شدید ضرورت ہے کہ یہ سوانح عمری مومنین میں کثرت سے پھیلائی جائے اور سنی بھائیوں کو بھی دکھائی جائے تاکہ تبلیغ حق کا فریضہ اچھی طرح ادا ہو۔ ہماری پوری کوشش ہے کہ انشاء اللہ اسی سال ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ تک یہ آخری حصہ ختم ہو جائے اور ممدوح کی سوانح عمری کا کوئی اہم مضمون اس سے چھوٹ نہ جائے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی کوشش ہے کہ اگر تاریخ ائمہ و جوہر قرآن و سوانح عمری خلیفہ دوم کے پہلے حصہ کے تین سو نسخے بھی جلد از جلد فروخت ہو جائیں تو کاغذ کا کافی سامان کر کے انشاء اللہ ایک اور دلچسپ تحقیقی اور نہایت مفید و ضروری ناول "تحفہ بخاری" بھی شروع کر دیں۔ جس میں پہلے صحیح بخاری کی کل خرابیاں دکھائی جائیں۔ پھر دکھایا جائے کہ انکی اس سب سے زیادہ صحیح و معتبر کتاب سے ان کے مذہب کا ابطال کس طرح ہوتا ہے۔ پھر اسی صحیح بخاری سے مذہب شیعہ کی حقیقت بھی دکھائی جائے۔ یہ نہایت مشکل کام ہے۔ لیکن اگر خدا کے فضل و کرم سے یہ کتاب بھی مکمل شایع ہو گئی تو کیا عجب ہندوستان کی سنی دنیا گھبرا اٹھے اور شیعوں کی عظیم الشان فتح کا ڈنکا بجنے لگے۔ کیونکہ اس کتاب کو وہ قرآن مجید کے برابر سمجھتے ہیں۔ پھر اگر وہ بھی مذہب شیعہ کے موافق ہونے لگے تو مذہب اہلسنت کے ضعف و اضمحلال کا کس قدر زبردست سامان ہو جائیگا۔ اگر ناظرین اصلاح مذکورہ بالا کتابوں کے بکثرت خریدار مہیا کر کے کاغذ کا سامان کر دیں تو یہ عجیب و غریب کتاب بھی جلد از جلد اسلامی دنیا کے سامنے آجائے۔ دفتر اصلاح کی کتابیں پانچ روپیہ یا اس سے زیادہ کی منگائی جائیں تو فی روپیہ ۲ر اور دس روپیہ یا اس سے زیادہ کی منگائی جائیں تو فی روپیہ ۴ر کمیشن بھی دیا جائیگا۔

انصار اصلاح | حسب ذیل حضرات نے رسالہ اصلاح کے جدید خریدار عنایت فرما کر شکر گزار کیا (۱) جناب سید مجتبیٰ حسین صاحب ہیڈ امین بلرام پور (۲) جناب ملک فتح محمد خاں صاحب آدان پٹواری ا، ر پ (۳) جناب سید اصطفےٰ حسین صاحب ہیڈ کنسٹبل ضلع فیروز پور (۴) جناب سید صغیر حسین صاحب سب انسپکٹر ضلع ہوشیار پور (۵) جناب مرزا سلطان صاحب ٹونجی بر ما (۶) جناب سید پیر بادشاہ صاحب افسر چوکی کھلوہل ا (باقی آئندہ)

حسینؑ اور قرآن

(از عالی جناب مولوی عینی شاہ صاحب نظامی دام مجدہ حیدرآباد دکن)

جناب سید الشہدا بلکہ سید الاقطاب اور سید الاولیا بقعہ نور بلکہ نورٌ علیٰ نور۔ سراپا اسلام بلکہ روح روانِ اسلام۔ سرتاپا دین بلکہ بناء لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ آپ کے کیا کہنے۔ آپ خامۂ کبریا۔ لختِ دلِ مصطفٰے۔ قرۃ العین مرتضٰی۔ جگر گوشۂ صدیقۂ کبریٰ۔ شاہباز بلند پرواز۔ عنقاے یکہ تاز۔ روح روانِ قدسیان۔ امام ہمام کرد بیان۔ نائب پیغمبرؐ۔ وارث سید البشر۔ آیت من آیات اللہ۔ معجزہ رسول اللہؐ۔ مالک خزاین ولایات۔ مبدا و معاد مقامات۔ نہایت تفسیر ہر تفسیر۔ غایت آیت تطہیر۔ سید شباب اہل الجنہ۔ فرزند امام الانس والجنہ۔ امام ابن امام ابو عبد اللہ حسین علیہ التحیۃ والسلام ہیں۔ نانا کی فراست باپ کی حکمت۔ ماں کی عصمت آپ میں خمیر ہو چکی تھی۔ بات کے دھنی۔ وعدے کے سچے۔ دُھن کے پکے۔ ہاتھ کے سخی۔ کریم النفس عدیم المثل۔ خدا کے امین۔ دین کے حصن حصین۔ پیکر عصمت۔ مجسم طہارت۔ تواضع میں ضرب المثل۔ خودداری میں بے مثل۔ غیرت کا مجسمہ۔ صبر کا مرقع۔ اخلاص کا پیکر تسلیم و رضا کا ہمالیہ۔ اور خدائی وقار کا پہاڑ تھے۔ کیا کہوں حسینؑ کیا تھے۔ بابا کی تفسیر اور نانا کی تصویر تھے۔ خدا نے محمدؐ روحی فداہ پر نبوت و رسالت۔ علیؑ پر فتوت و خلافت۔ فاطمہؑ پر عصمت و طہارت۔ حسنؑ پر جود و سخاوت اور حسینؑ پر صبر و شہادت ختم کر دی۔ حسینؑ کا قول عین عمل اور ہر عمل ہدایت کی ایک روشن مشعل تھا۔ جو کہہ جاتے وہ کر جاتے۔ جو کر جاتے اُسی پر قائم رہ جاتے۔ کربلا کے کڑے امتحان کو ہی دیکھئے۔ کتنا سخت امتحان کیسی کڑی آزمائش اور کس قدر صبر آزما فتنہ تھا مگر حسینؑ نے کس آسانی اور کس طمانیت سے اُس کو جھیلا۔ اس تصویر وفا نے خدا کے وعدے کو اور اپنے نانا کے فرمان کو کس جیداری سے پورا کیا۔ بات کے دھنی ایسے کہ نصرت مانگنے والوں کے بُلاوے کو ٹالا نہیں۔ دُھن کے پکے اتنے کہ روکنے والوں کی ایک نہ سُنی۔ دین کے پابند اتنے کہ اپنی جان دے کر نانا کے دین کو سنبھالا۔ نہیں نہیں بلکہ زندہ کیا۔ بے پروا اتنے کہ شب عاشورہ ہزاروں ساتھی چلد یئے مگر ابرو پر بل نہ آیا۔ حق پرست اتنے کہ جان دی مگر خدا کو نہ دیا۔ نانا کی لاج ایسی رکھی کہ اپنے کو اور اپنے بہتر بھوکوں پیاسوں کو دین پر سے قربان کر دیا۔ باطل پرست اس زعم میں کہ رسولؐ کا چراغ بجھ گیا اور حق پرست اس اطمینان میں کہ "نور خدا" ہنوز روشن ہے اور واللہ متم نورہ صحیح ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے اس امام ہمام نے خدا کے کلام ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء کو کیونکر صحیح کر دکھایا۔ یہ زبانی جمع خرچ نہیں۔ کوئی شاعری نہیں بلکہ واقعہ ہے کہ دشمنوں نے بھوکے پیاسے حسینؑ کو زخموں سے چور چور کر کے شہید کر دیا۔ سر اقدس کو تنِ انور سے جُدا کیا۔ ستر گھوڑے لاش اطہر پر سے دوڑائے جسم نازک کے پرزے

اٹھائے اور نیزے پر سر امام کو لگایا۔ رسول زادیوں کو رسن و زنجیر میں جکڑے ہوئے بے محافہ سواریوں پر کھلے بندوں کوچہ بکوچہ پھراتے ہوئے کوفہ اور کوفہ سے دمشق لے گئے۔ یہ ساری وارداتیں ایک سانس میں کہدی گئیں اور ایک گردشِ قلم سے لکھدی گئیں۔ مگر کوئی زینب وام کلثوم سے سُنے کہ مخدراتِ عصمت پر کیا گزری اور امام زین العابدین سے پوچھے کہ طوق و زنجیر کس کو کہتے ہیں۔ کورچشم تو سمجھے یہی کہ چلو خاندان رسالت کی آخری شمع گل کر دی گئی اور ایمان سوزوں نے یقین کر لیا کہ ہم نے شہید کر دیا جسم اطہر کو پامال کر دیا اور سر اقدس کو نیزہ پر لئے پھر رہے ہیں۔ نہ حسینؑ رہے نہ اونکی روک ٹوک رہی۔ اب ہم اپنی من مانی کریں گے مگر جب حق سبحانہٗ نے اُس سرِ اقدس کو کوفہ و شام میں گویائی بخشی اور دو چار مرتبہ سر اقدس گویا ہوا تو ان کی حیرت و سراسیمگی کی کوئی انتہا نہ رہی اور بعد از خرابی بصرہ سمجھے کہ حسین زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔ پہلی روایت یہ ہے کہ جب اسیرانِ اہلبیتؑ اور سرہائے شہدا کوفہ پہونچے تو تماشہ بین جمع ہو گئے ان میں سے کسی نے پوچھا یہ کون مجرم ہیں؟ تو سر اقدس نے جواب دیا نحن حزب اللّٰہ المفلحون وعترۃ رسولہ المطہرون واھل بیتہ الطیبون واحد الثقلین خلفھما جدی رسول اللّٰہ فیکم۔ لوگ سراسیمہ ہو گئے اور بعض زار زار رونے لگے۔

دوسری روایت یہ ہے اہل بیت کی سر دربار تذلیل کرنے کے بعد ابن زیاد نے اسیروں کو داخل زندان کیا۔ سر امام ہمام کو کوفہ کی گلی کوچوں میں پھرانے کا حکم دیا۔ جب سر اقدس حضرت زید بن ارقم کے مکان سے گزرا تو اُس وقت زید ام حسبت ان اصحاب الکھف والرقیم کانوا من آیاتنا عجباً پڑھ رہے تھے ایک سر امام ہمام نے فی البدیہہ فرمایا یا ابن ارقم ان حال الحسین اعجب منه زید باہر آئے اور سر اقدس کو دیکھا تو رونے لگے اور کہا ان لک ولا ھلک عند اللّٰہ اجراً عظیما اس پر سرِ اطہر نے فرمایا وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ تیسری روایت یہ ہے سر شہدا اور اسیرانِ آل محمدؐ کو لئے بے دین جب دمشق چلے تو راستہ میں ایک کلیسا پہلی منزل پر اُنھیں ملا۔ یہ رات گزارنے یہیں ٹھہر گئے۔ یہاں کے قسیس نے جب ان اسیروں اور شہیدوں کے حالات سُنے تو اُس نے پاسبانوں سے استدعا کی کہ بمعاوضہ یک ہزار دینار شب بھر کے لئے سر امام ہمام اُس کے حوالہ کریں۔ زر پرست بخوشی راضی ہو گئے۔ راہب نے سر اقدس کو عطر و گلاب سے دھویا اور بخورات جلا کر خوشبودی اور صندل کے صندوق پر اس کو رکھے ہوئے دست بستہ بیٹھ گیا۔ آدھی رات کو راہب نے دیکھا کہ سر اقدس سے نور بلند ہوا اور افق پر پھیلا اور سر اقدس گویا ہوا ولا تحسبن اللّٰہ غافلاً عما یعمل الظالمون وما اصاب من مصیبۃ الا باذن اللّٰہ۔ زاہد نے سر اقدس کے مواجہہ میں کلمہ پڑھا اور صبح میں باچشم تر سر اقدس کو پاسبانوں کے حوالے کرتے ہوئے انھیں

شب کا واقعہ بھی سُنا دیا۔ چوتھی روایت یہ ہے کہ جب یہ پلید اسیرانِ ظلم وستم کو لئے ہوئے سر ہائے شہداء کے ساتھ دمشق پہونچے تو حسب احکام یزید پلید شہر کے صدر دروازہ باب الساعت سے گزرے۔ ٹھٹ کی ٹھٹ تماشائیوں کی لگ گئی اور خاندان رسولؐ کا تماشا دیکھنے لگی۔ ان کے آگے آگے نقیب پکارتے جا رہے تھے من خارج علے الامیر ھذا مآلہ۔ تماشہ بین تو تماشہ بینی میں لگے تھے مگر فاطمہ زہراؐ کی بیٹیاں شرم سے آب آب ہو رہی تھیں۔ اپنے چہروں کو بالوں سے چھپا رہی تھیں۔ ان بے دینوں نے حرم محترم رسالت کو اس حالت سے لئے ہوئے جامع دمشق کے رو برو قیام کیا۔ اور نماز جمعہ پڑھنے مسجد میں داخل ہو گئے کیا اچھی نماز تھی۔ ختم نماز کے بعد لوگ جوق جوق مسجد سے چلے تو ان اسیروں کے اطراف کھڑے ہو گئے۔ ان ہی میں سے ایک سورۂ کہف پڑھ رہا تھا۔ جب وہ آیت ام حسبت ان اصحاب الکھف پر پہونچا تو سراقدس نے نہایت ہی فصاحت سے فرمایا نحن اھل بیت نبیکم قتلنا وحلنا اعجب من ذالک۔ یہ سُنتے ہی لوگ ڈر کے بھاگنے لگے۔ اور بعض اہلبیتؐ کی اس مصیبت پر رونے بھی لگے۔ مورخ اور محدث کہتے ہیں کہ سراقدس کا گویا ہونا خدا کی قدرت اور اعجاز امام ہے۔ مگر مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اس میں کیا شک جس کے گھر کے ادنیٰ خادم میں بھی ولایت وکرامت ہوں اُن سے ایسی باتوں کا صدور اعجوبہ نہیں مگر دیکھنا یہ ہے کہ یہ مخصوص اعجاز آخر کر زسہ کر ز کیوں سرزد ہوا۔ اس سے کیا محض اظہار اعجاز مقصود تھا یا اور کوئی خاص مقصود بھی پیش نظر رہا اس ذات ستودہ صفات کا کوئی فعل بے معنی ہو نہیں سکتا غالباً اس کے تکرار وتوع کی یہی وجہ تھی کہ منکرین احیاء اموات کو احیاء اموات کا مشاہدہ کروانا اور آیت ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء کی صداقت کو ثابت کروانا تھا۔ اور یہ رسولؐ کے فرزند کے سوا اور کون کر سکتا تھا؟ قرآن والے نے ہی قرآن کی تصدیق اپنی جان دیکر دکھا دی۔ دوسرا راز اس میں یہ مضمر تھا کہ یزیدی قتلِ امام کو جائز تصور کرتے تھے اور آپ کو سید الشہداء تسلیم کرنے سے انکار کرتے تھے جیسا کہ آج بھی بعض کور بختوں کا عندیہ ہے تو سر امام نے مجمع عام میں گفتگو فرما کر ثابت کردیا کہ قتلِ حسینؐ کفر ہے اور حسینؐ زندہ ہے اور وہ تا قیامت سید الشہداء ہے۔ تیسرا راز سراقدس کی اس گویائی میں یہ تھا کہ حق سبحانہ نے آیت ولو اننا نزلنا الیھم الملائکۃ وکلمھم الموتیٰ وحشرنا علیھم کل شیء قبلاً ما کانوا لیومنوا میں دعوےٰ فرمایا ہے کہ بے دین اگر نزولِ ملائکہ و گفتگوے اموات وانکشاف مغیبات روز حشر بھی دیکھیں گے تو ایمان نہ لائیں گے تو امام حسینؐ کے سراقدس نے اپنے نانا پر اُتری ہوئی کتاب کے اس دعوے کو اپنی شہادت سے ثابت کر دکھایا۔ چنانچہ آپکی لاش اطہر پر تیرہ دن

عمامہ پوش ملائکہ نازل ہوئے اور ان بے دینوں میں سے طرماح بن عدی - عرفجہ بن خارجہ اور اشعث بن قیس نے اس کا مشاہدہ کیا - سر اقدس کی گویائی کوفیوں نے بھی سُنی اور شامیوں نے بھی سُنی - آفتاب کا سہ روزہ انکساف ہزاروں نے دیکھا آسمان سے خونی بارش ہونا اور زمین سے خون کا اُبلنا اور در و دیواروں پر خون سے اترجوا امۃ قتلت حسیناً شفاعۃ جدہ یوم الحساب لکھا ہوا نظر آنا اتنی متواتر و مشہور ہیں کہ شک و شبہہ کی گنجائش نہیں - پھر بھی یزیدی تائب نہ ہوئے - اور آج بھی بعض انکے مقلد ان باتوں کو کہانیاں تصور کر رہے ہیں - کیا یہ ساری باتیں حسینؑ نے سچی کر دکھائی نہیں؟ اور اپنی جان دے کر ثابت نہیں کر دیا کہ قرآن من اولہ الیٰ آخرہ سچا ہے - طور کے درخت نے تنہائی میں حضرت موسیٰؑ کو خطاب کیا تھا تو اُس کے اتنے چرچے رہے کہ تاریخ و سیر تفسیر و شعر بھر گئے - مگر نہال محمدی روحی فداہ کے بے جان سر نے نیزہ پر ہزاروں کی مواجہہ میں باتیں کیں اور تلاوتیں کیں اور دنیا کو ثابت کر دکھایا کہ قرآن کی ہر آیت سچی ہے تو آج اُسی حسینؑ کے نانا کے امتی حسینؑ کی صداقت میں متامل ہیں (رہنما) (ماخوذ از اسلامی دنیا بدایوں مئی و جون و جولائی ۱۹۳۹ء)

عزاداری امام حسین علیہ السلام (جناب مولوی عینی شاہ صاحب نظامی دام مجدہ) - سُنا ہی نہ تھا بلکہ پڑھا بھی تھا کہ مسرت کی لہر - غم و الم کا اثر اور دشمنی کی شدت مرور ایام پر ٹھنڈی پڑ جاتی ہے اور سال دو سال کے بعد مدھم ہوتے ہوتے کلیتاً مفقود ہو جاتی ہے - یہ نفسیات کا زبردست کلیہ اور انسانی فلسفہ کا صغریٰ و کبریٰ ہے - محرم سنہ ۶۱ھ کے دلدوز واقعہ کے بعد اسلاف اسی نظریہ کے تحت رفت و گزشت والے تخیل میں ڈوبے رہے کہ "حسینؑ دشمنی" کی یہ تیز رَو بھی چلتے چلاتے ماند پڑ جائیگی مگر تجربہ و مشاہدہ نے اُنھیں اور تاریخ نے ہمیں دکھا دیا کہ "حسینؑ دشمنی" لازوال و لایموت سی شے ہے جو کسی صدی اور کسی قرن میں بھی آلِ ابی سفیان کے دلوں سے نہ مٹ سکی - اور آج تیرہ سو سال بعد بھی اور کہیں نہ سہی مگر ہندوستان کے بعض مسلمانوں کے دلوں میں بھڑک رہی ہے - سال سال کے مشاہدہ اور محرم محرم کے تجربہ نے بتا دیا ہے کہ "حسینؑ دشمنی" کا اظہار در دورِ بنی امیہ و بنی عباس کی طرح تیر و سنان سے نہ سہی - شمشیر و تیغ سے نہ سہی کم از کم زبان و قلم سے اور خطابت و صحافت سے ہندوستان کے بعض مسلمانوں کا وطیرہ ہو چکا ہے - کوئی عزائے حسینؑ کے خلاف محاذ بنانے کی فکروں میں خون پانی ایک کر رہے ہیں - کوئی مرثیہ خوانوں پر نوحہ خوانیاں کر رہے ہیں - کوئی تعزیوں کے خلاف مقالے کے مقالے لکھے جا رہے ہیں - کوئی محبین حسینؑ کی پکار پر چیخ پکار کرتے نظر آ رہے ہیں - محرم کا چاند کیا نظر آتا ہے کہ عزاداریٔ حسینؑ پر شل برسنے لگتے ہیں

اور ماتم حسینؑ پر غیظ و غضب کے بم گرائے جاتے ہیں۔ گویا ہندوستان کا ہر محرم اپنے ساتھ کربلا بھی لے آتا ہے۔ اور شہر شہر قصبہ قصبہ ۶۱ھ کا وہی منظر پیش کرتے رہتا ہے۔ اصرار یہ کہ ماتمی جلوس بند ہوں۔ یہ عزاداریاں ختم ہوں اور لوگ حسینؑ کو بھول جائیں۔ یعنی یہ ناممکن ممکن ہو جائے اور آل ابی سفیان کے رسوائے عالم کارناموں پر سے پردہ اٹھنے نہ پائے۔ دوسری طرف اسلام جو حسینؑ کے نانا کا لایا ہوا دین ہے حسینؑ کی اس قربانی کو سال کے سال تازہ کر دکھاتا ہے۔ محرم کے محرم حسینؑ کی یاد دلاتے رہنا اور حسینؑ حسینؑ کی فلک دوز صداؤں سے ہر مومن و مسلمان کے دل میں نام حسینؑ کو مرکوز کرتے رہتا ہے۔ تاکہ امت حسینؑ کی مشکور رہے حسینؑ کی ممنون رہے۔ اور حسینؑ کے اس بلند کارنامے کو یاد کرتی رہے۔ اس سانحۂ جانکاہ کو گزرے صدیاں ہوگئیں۔ قرون گزر چکے۔ زمانہ گزر گیا۔ مگر پھر بھی وہ سال کے سال تازہ۔ محرم کے محرم نیا۔ یعنی پیغمبرؐ عالم کی اس پیشین گوئی۔ فتدمع علیه عیون المومنین وتصلی علیه الملائکة الی یوم القیامة کو قدرت پوری کرتی جارہی ہے۔ اور اتنی کثیر مخالفتوں کے باوجود شہر شہر قصبہ قصبہ۔ سال کے سال حسینؑ کی عزاداریاں ہوتی جارہی ہیں۔ اور بڑی دھوم دھام سے ہوتی ہیں۔ قربانیوں کے ساتھ ہو رہی ہیں۔ جانیں بھی کھو کر ہو رہی ہیں۔ اور سر دے کر بھی کی جارہی ہیں۔

کیوں نہ ہو یہ حسینؑ کا ماتم ہے۔ یہ حسینؑ کی عزاداری۔ یہ حسینؑ کی یاد ہے۔ جس نے اپنا خون پلا کر اسلام کو سینچا ہے۔ جس نے سر دے کر اسلام کو سربلند کیا۔ جس نے اپنی جان دے کر اسلام کو زندگی دی۔ بھلا اسلام حسینؑ کو بھول بھی سکتا ہے۔ اور سچا مسلمان حسینؑ کے اس احسان عظیم کو دل سے بھلا بھی سکتا ہے؟ یہ اس امام حریت کی عزاداری ہے جسکی پیغمبرؐ عالم نے بنا ڈالی۔ اس امر ناشدنی کا بار بار ذکر فرمایا۔ اس سانحۂ جانکاہ پر خود بھی رویا۔ علیؑ و فاطمہؑ کو رلایا۔ ازواج مطہرات کو رلایا۔ اور صحابہ کو رلایا۔ وہ بھی حادثہ کے پچپن سال پیشتر سے۔ اگر ہم واقعہ کے بعد اس پر رونے دھونے لگیں تو غدر کیا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ بروایات ترمذی و طبرانی و حاکم و بیہقی بروز عاشورہ قبر شریف سے متوجہ کربلا ہوتے ہیں اور اپنے فرزند کو امت کے ہاتھوں قتل ہوتے دیکھتے ہیں۔ اور مدینہ میں حضرت ام سلمہ کو کمیں حضرت ابن عباس کو اور بصرہ میں براء ابن عازب کو اور شام میں عامر ابن سعد البجلی کو اس واقعہ ہائلہ کی اسی روز اور اسی ساعت قتل الحسینؑ آنفاً بکربلا کے دلدوز الفاظ میں خبر دیتے ہیں۔ مسلمان ذرا اپنے پیغمبرؐ کی اس بے چینی اور شدت رنج و الم کا احساس کریں! یہ وہ حادثۂ ہائلہ ہے جس پر پیغمبرؐ اشکبار رہے۔ جس پر انبیاء سلف روئے۔ جس پر اجلہ روئے۔ جس پر وحوش و طیور روئے۔ جس پر زمین و آسمان روئے۔ جس پر

مومنین سال سال روتے رہیں گے۔ اور بروایت شیخ عبدالقادر جیلانی قبر امام مظلوم پر ستر ہزار فرشتے تا
قیامت روتے اور درود و سلام عرض کرتے رہیں گے (غنیۃ الطالبین باب عاشورا) اگر اپنے مقدس پیغمبرؐ
کی تقلید میں، انبیاء سلف کے اتباع میں اور فرشتوں کی پیروی میں اہل ایمان سال میں ایک مرتبہ حسینؑ اور
آل محمدؐ پر روئیں رلائیں اور انکی عزاداری کریں تو از روے اسلام کون سا گناہ ہوا۔ ہم تو اپنے پیغمبرؐ کے
غلام ہیں اور اپنے پیغمبرؐ کی اتباع ضرور کریں گے۔ چاہے کوئی جلے کوئی بھنے اسکی کوئی پرواہ نہیں۔ اور
یہ رونا رلانا ماثور بھی تو ہے۔ حضرت ختمی مرتبت جناب حمزہ کی لاش پر یا عم رسول اللہ یا حمزۃ یا ذاب
عن وجہ رسول اللہ فرماتے تھے اور روتے تھے اور اتنا روئے کہ تقریباً غشی کے قریب ہو گئے
علامہ سہیلی روض الانف میں، علامہ علی برہان الدین الشافعی محدث انسان العیون میں اور شیخ عبدالحق
دہلوی نے مدارج النبوۃ میں تفصیل سے اس پیغمبری عزاداری و گریہ و بکا کا ذکر کیا ہے۔ "از عبد اللہ بن مسعود
مرویست کہ گفت ندیدیم ما آنحضرتؐ را گریہ کنندہ بہ ہرگز سخت تر از گریہ وے بر حمزہ بن عبد المطلب
استاد بر جنازہ وے گریہ کرد۔ و برداشت آواز تا قریب بہ بیہوشی شد و گفت یا حمزۃ یا عم رسول اللہ
یا اسد اللہ یا اسد رسولہ یا حمزۃ یا فاعل الخیرات۔ یا حمزۃ یا ذاب عن وجہ رسول اللہ۔" یہ
مرثیہ نہیں تو اور کیا تھا حسینؑ حسینؑ کہہ کر رونا پھر کس شریعت سے بدعت ہے؟ یہی نہیں بلکہ بروایت فخر رازی اور تفسیر
کبیر اپنے مکان میں مجلس عزاداری حمزہ بپا فرمائی۔ حضرت سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ اور معاذ ابن جبل
کے خاندان کی عورتیں خانہ پیغمبرؐ میں جمع ہوئیں اور مجلس عزا برپا کی۔ آپ نے انھیں دعائیں دیں۔ اس کے
بعد فخر رازی لکھتے ہیں کہ "ومن ثم جری الرسم بالمدینۃ اذا مات میت یبدؤن بالبکاء علی حمزۃ۔"
مدارج النبوۃ جلد دوم ص۱۲۵ پر مروی ہے کہ بروز احد حضرت فاطمہؑ زہرا نے جب افواہ شہادت آنحضرتؐ
سنی تو مدینہ سے سر پیٹتی اور روتی نکلیں اور سیدھے احد پہونچیں۔ مدارج جلد دوم ص۸۸۶ پر مروی ہے کہ
وفات آنحضرتؐ پر عائشہ اپنا منہ پیٹ پیٹ کر رونے لگیں۔ مدارج جلد دوم ص۸۸۸ پر مروی ہے کہ سیدۃ
عالمین فاطمہ زہرا وفات پیغمبر پر یا ابتاہ یا سیداہ کہتی تھیں اور زار و فریاد رو رہی تھیں اور دو مہینے
یوں ہی روتی رلاتی جنت تشریف فرما ہو گئیں (مستدرک حاکم جلد ۳ ص۱۶۳)۔ حاکم نے مستدرک جلد سوم ص۱۷۳ پر باسناد
جید روایت کی ہے کہ حضرت امام حسنؑ کی شہادت پر بنی ہاشم نے مہینہ بھر نوحہ کیا اور مہینہ بھر تک بازار نہیں پھرے
اور مدینہ والے آپ کا غم و ماتم کرتے رہے۔ ان شرعی ثبوتوں کے بعد بدعت بدعت کی چیخ پکار عبث اور بیہودہ ہے۔ ہم
مسلمانوں کو چاہیے کہ انکی خرافات میں نہ پڑیں بلکہ پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع میں نواسہ امام ہمام کا غم منا لیا کریں

اقتباس از خطبہ صدارت شیعہ آل پارٹیز کانفرنس

منعقدہ لکھنؤ بتاریخ ۱۴ اپریل ۱۹۴۰ء

(از سر سید سلطان احمد کے۔ ٹی۔ ڈی۔ ایل بار ایٹ لا پٹنہ)

(ممدوح نے ملکی مسائل کے بعد شیعوں کے متعلق حسب ذیل خطبہ پڑھا)

ہمارے مطالبات اب میں اپنے فرقہ کے مطالبات اور ضروریات کے اہم سوال کی طرف رخ کرتا ہوں جو موجودہ حالات میں ہمارے پیش نظر ہیں۔ رواداری اسلام کی روح ہے جو اپنی جماعت کے ہر فرقہ اور ہر گروہ کے لئے فکر و عمل کی پوری آزادی کی سفارش اور ہدایت منصفانہ برتاؤ کی تاکید کرتا ہے۔ ان تاریخی خدمات کی روشنی میں جو شیعوں نے ملت اسلامیہ کی سیاسی اور تہذیبی ارتقا کے سلسلے میں سرانجام دی ہیں۔ یہ لازمی ہے کہ انکے جائز مطالبات کو پورا کرکے انکی ضرورتوں کو ہر طرح مطمئن کر دیا جائے۔ اختصار کے ساتھ انکے حقوق اور مطالبات کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔ (۱) ہمیں عزاداری امام مظلوم کے جملہ مراسم کو ادا کرنے کی پوری آزادی رہے (۲) صوبائی اور مرکزی مجالس قانون ساز اور لوکل باڈیوں میں انکی نمائندگی کی تعداد ر واجاً متعین کر دی جائے (۳) مدح صحابہ کی مجالس اور جلوس اور اس قسم کے تمام دل آزار مظاہرے ممنوع قرار دیئے جائیں۔

امامت کا مسئلہ مسئلہ امامت یا ائمہ کا منصوص من اللہ ہونا شیعوں کا ایک اصولی عقیدہ ہے۔ حضرت علیؑ امامیہ مذہب کے پہلے حضرت حسنؑ دوسرے اور حضرت حسینؑ تیسرے امام ہیں اور انکے بعد نو امام اور ہوئے۔ حضرت شہید کربلا کے زمانہ میں امامت کے اس مقدس سلسلے کو ایک سخت ترین امتحان کا مقابلہ کرنا پڑا۔ یہ واقعات تاریخی ہیں کہ ۶۰ھ میں عربوں کا سیاسی اور سماجی زاویہ نگاہ اس حد تک بدل چکا تھا کہ وہ خلافت کی جانشینی کے موروثی اصول کو بھی تسلیم کر لینے کے لئے آمادہ ہو چکے تھے۔ یزید استعماریت کے تمام آلوں سے مسلح ہو کر رسولؐ کی مسند پر بیٹھ چکا تھا۔ لیکن جب تک کہ امام حسینؑ کی ذات امت محمدیہ میں موجود تھی اور جب تک انکی دست حق پرست نے اسکی بیعت نہ کی تھی، اس وقت تک اس کو کوئی شرعی استحقاق حاصل نہ تھا کہ وہ ملت اسلامی کی روحانی قیادت کا مدعی ہوتا۔ اس نے حسینؑ کو بیعت کی دعوت دی۔ لیکن بیعت کا مسئلہ حسینؑ کی شخصیت کے لئے ایک خاص اہمیت رکھتا تھا۔ بیعت حسینؑ سے بحیثیت حسینؑ کے مانگی نہیں جا رہی تھی بلکہ اسلام کی مقدس امانت کے حامل اور امین کی حیثیت سے۔ ان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنے عمل اور اپنی زبان سے یزید کے خلاف شرع طرز عمل کی تصدیق کرکے اسلام کی موت کے پروانے پر اپنی مہر ثبت کر دیں۔ سر محمد سلیمان گورنمنٹ ڈیڈس آف حسینؑ میں فرماتے ہیں "یہ ایک انتہائی آزمائش و ابتلا کا وقت تھا جب کہ اسلام کی قسمت امام حسینؑ کے فیصلہ پر منحصر تھی۔ یزید کا چالنج تمام مادی طاقتوں کے ساتھ سامنے تھا۔ حسینؑ نے اپنے مقصد کے لئے آخر تک لڑتے رہنے کا آہنی عزم کر لیا۔ اور واقعات اسکی وضاحت کرتے ہیں کہ حسینؑ نے اپنے فرض کو اسی شدت عزم کے ساتھ ادا کیا جو ان کے شایان شان تھا"۔ سید الشہداء کی شہادت اسلام اور علی الخصوص امامت کی تاریخ کا ایک ایسا نمایاں واقعہ ہے جس نے تاریخ کے اوراق میں ایک مستقل عنوان کا اضافہ کیا۔ یہ اصول امامت کی ایک بہت بڑی فتح تھی۔ اور ایک ایسا حادثہ تھا جس پر مورخین کا قلم خون کے آنسو رو تا رہا ہے۔ مشہور مورخ گبن لکھتا ہے "بعید ترین زمانوں اور بعید ترین اقلیموں میں بھی حسینؑ کی موت کے اندوہناک مناظر ٹھنڈی سے ٹھنڈی طبیعت کے آدمی میں بھی ہمدردی کے شعلے پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتے"۔ مسٹر براؤن اپنی مشہور کتاب تاریخ ادبیات ایران میں لکھتے ہیں "حسینؑ کا قتل مدینہ کی تاراجی اور مکہ کے محاصرہ۔ ان تین تاریخی چیرہ دستیوں میں پہلی چیرہ دستی ایسی تھی

جس نے تمام اسلامی دنیا کو لرزہ براندام کردیا۔ اور ایک شخص بھی جسکے سینہ میں جذبات تھے اس دردناک کہانی کو سُن کر بے چین ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔" جسٹس سلیمان اسی حقیقت کا اعتراف اپنے مخصوص انداز بیان میں اس طرح کرتے ہیں "بہادرانہ کارناموں کی یہ ایک ایسی لاجواب مثال ہے جو تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ آج دنیا میں ایک مسلمان بھی ایسا نہیں جو امام مظلوم کی شہادت کے اندوہناک واقعات کو سُن کر یا پڑھکر اپنے آنسوؤں پر قابو پاسکے۔ حضرت امامؑ کی شخصیت کو ہر عہد کے مسلمانوں سے محبت اور عقیدت کا خراج ملتا رہا اور ان کا نام اسلامی تاریخ کے شہداء کی فہرست میں سب سے اونچا رہا اور رہے گا۔" اس شہادت کبریٰ کے بعد کربلا کا میدان اور اسکی مقدس خاک اپنی تمام مقدس روایات اور مقدس امانتوں کے ساتھ شیعی دنیا کی ذہنی، اخلاقی، تہذیبی، معاشرتی اور سیاسی سرگرمیوں کا مرکز رہی اور امام مظلوم کی قابل تقلید زندگی، ان کا قابل فخر کردار، انکا استقلال، انکی اولوالعزمی، ان کا جذبۂ صداقت، ان کا جوانمردانہ مقابلہ، اور انکی بہادرانہ موت، سب ل جلکر حسینؑ کی ذات کو آفتاب کی طرح ایک ایسا نظام کشش بنائے ہوئے ہے جسکے گرد تمام اسلامی دنیا کے دل سیاروں کی طرح گردش کررہے ہیں۔ اس واقعہ شہادت کی وہ سالانہ یادگار جو عزاداری کے مختلف مراسم کی شکل میں منائی جاتی ہے شیعوں کی حیات اجتماعی کی ایک ایسی کار فرما روح ہے جو انکی زندگی کے ہر شعبے پر حکمراں ہے۔ اگر آپ اسمیں مداخلت کرینگے تو گویا ان کے اس خزینۂ حیات پر ڈاکہ ڈالیں گے جس کو وہ اپنی ہر چیز سے زیادہ عزیز سمجھتے ہیں۔ اور جو انکے لئے موت اور زندگی کا سوال ہے۔

ہندوستان میں تعزیہ داری کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں تعزیہ داری کی ابتداء تیمور سے ہوئی۔ تیمور نے ہندوستان پر سنہ ۹۹-۱۳۹۸ء میں حملہ کیا اور گو اسکی کوئی تاریخی شہادت فی الحال ہمارے پیش نظر نہیں ہے۔ لیکن جہاں تک ان قدیم روایات کا تعلق ہے جو سینہ بہ سینہ چلی آرہی ہیں انکی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ تعزیہ تیمور کی ایجاد ہے۔ تیمور چونکہ شیعہ تھا اس لئے وہ ہر سال محرم کے مہینہ میں روضۂ حسینی کی زیارت کو جایا کرتا۔ ہندوستان میں جب محرم کا زمانہ آیا تو اس نے امام مظلوم کے روضہ کی شکل بنوا کر اپنے جذبات عزا کی تسکین چاہی۔ اسکے بعد سے ہندوستان کے مسلمانوں نے اس کی تقلید شروع کی اور تعزیہ داری کا رواج عام ہونے لگا۔ یہاں تک کہ مغلوں کا عہد شروع ہوا۔ یہاں پھر ایک قدیم نیم تاریخی روایت کی روشنی ہمیں نظر آتی ہے کہا جاتا ہے کہ ہمایوں نے شاہ طہماسپ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اگر شیر شاہ پر فتح حاصل کرکے اپنی کھوئی ہوئی مملکت پر دوبارہ قبضہ کرے گا تو ہندوستان میں عزاداری امام کو عام کرنے کی کوشش کریگا اور اپنی مملکت کے ہر قریہ اور ہر بستی میں ایک بیگھ زمین حسینؑ مظلوم کے نام پر نکال دیگا۔ کہا جاتا ہے کہ ہمایوں نے اپنے وعدے کو پورا کیا۔ چنانچہ آج دیہاتوں میں جس چبوترے پر تعزیئے رکھے جاتے ہیں اور جسے عوام کی اصطلاح میں چوک کہتے ہیں وہ ہمایوں کے اسی ایفاے عہد کی بولتی ہوئی نشانی ہیں اور جن کی زبان حال ہمارے لئے ایک تاریخی شہادت کا کام دے رہی ہے۔ اسکے علاوہ بعض تاریخی شہادتیں بھی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمایوں کے عہد میں مجالس عزاء منعقد ہوا کرتی تھیں اور رحید رطوفی کے مراثی بہت مقبول تھے۔ اکبر کے عہد میں بیرم خاں خانخاناں نے ایک عَلَم صرف کثیر سے تیار کروایا یہاں تک اورنگزیب کے خالص اسلامی عہد میں بھی عزاداری بلکہ تعزیہ داری کا سراغ ہمیں جابجا ملتا ہے۔ خود اسکی بیٹی زیب النساء عزادار تھی اور مجالس حسینی میں حصہ لیتی تھی۔ محمد شاہ کے زمانہ حکومت میں عزاداری انتہائی نقطۂ عروج پر پہونچی، جب کہ علم اور تابوت کے جلوس تمام شہروں میں نوحہ و ماتم کے حلقہ کے ساتھ نکلا کرتے تھے۔ سنہ ۱۲۲۳ھ میں اکبر شاہ ثانی کے حکم سے دہلی میں ایک امامباڑہ تعمیر کیا گیا، جسے مجلس خانہ کہتے تھے اور جہاں مسلمان جمع ہو کر مرثیہ خوانی کرتے تھے۔ ہندوستان کے آخری تاجدار

حضرت بہادر شاہ ظفر نے ایک مہلک مرض سے صحت پاکر لکھنؤ کی درگاہ حضرت عباسؑ میں سونے کا عَلَم چڑھایا۔ شمالی ہندوستان کی طرح جنوبی ہندوستان میں بھی محرم کا تیوہار منایا جاتا تھا، بلکہ مرثیہ گوئی کی ابتدا، دکن میں ہوئی اور دکھنی شعراء نے دکھنی زبان میں بھی شہادت کے واقعات نظم کئے۔ تاریخ فرشتہ ہمیں برہام شاہ والی احمدنگر کے مذہب شیعہ اختیار کرنے کی دلچسپ کہانی سناتی ہے۔ سنہ ۱۵۴۳ء میں اس کا لڑکا بیمار ہوا۔ اس نے ائمہ سے منّت مانگی اور لڑکے کی صحت کے بعد اپنے تمام خاندان کے ساتھ شیعہ ہوگیا۔ سلطان شہاب الدین احمد شاہ بہمنی نے جو عاشور خانہ تعمیر کرایا تھا۔ اس کے آثار اب بھی شاہ پور کے قریب موجود ہیں۔ عادل شاہی اور قطب شاہی فرمانرواؤں کے عہد میں عزاداری بڑی دھوم سے ہوا کرتی تھی۔ تابوت عَلَم تعزیہ اور محل کے جلوس نکلا کرتے تھے۔ جس میں بادشاہانِ وقت سر و پا برہنہ شریک رہتے۔ ان امام باڑوں کے کچھ حصے دکن میں (اب تک موجود) ہیں جو ان فرمانرواؤں نے تعمیر کرائے تھے، اور آج بھی جہاں حضور نظام کے حکم سے محرم کی مجلسیں بڑی شان و شوکت سے منعقد ہوتی ہیں۔ امجد علی شاہ نے سنہ ۱۸۴۶ء میں مذہب اثنا عشریہ کو حکومت اودھ کا مذہب بنایا اور اس زمانہ سے لکھنؤ اودھ میں عزاداری کا مرکز ہوگیا اور نہ صرف شیعہ بلکہ ہر فرقہ کے مسلمان اور ہندو محرم کے تہوار میں پوری دلچسپی سے حصہ لینے لگے۔ جو امام باڑے ہندوؤں نے تعمیر کئے ان میں مہاراجہ جھاؤلال اور مہاراجہ میوارام کے امام باڑے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ہندوستانی ریاستوں میں گوالیار کی عزاداری اور مہاراجہ گوالیار کا امام باڑہ اور اس کا عظیم الشان تعزیہ خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کے قابل ہے۔ ان تاریخی شواہد کی روشنی میں ہم اپنے مسلم اور غیر مسلم بھائیوں کی خدمت میں یہ گزارش کرتے ہیں کہ ہم اپنے طریقہ پر واقعات کربلا کی یادگار جو مناتے ہیں اس سے ہمارا مقصد عمداً یا سہواً کسی کے جذبات کو ٹھیس لگانا نہیں ہوتا ہم سوگوار اور ماتم دار ہیں اور ہماری یہ سوگواری اور ماتم داری ان کی ہمدردی کی مستحق ہے۔

ہماری نمائندگی | ہمارا ایک خاص مطالبہ یہ ہے کہ ہماری صحیح نمائندگی مجالس مقننہ اور لوکل باڈیز میں ہونی چاہیے موجودہ صورت قابل اطمینان نہیں ہے۔ جو ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے امیدواران بالعموم اس سبب سے گھاٹے میں رہتے ہیں کہ امیدواران سواد اعظم اپنی تمام انتخابی جدوجہد کو "اکثریت بہ مقابلہ اقلیت" کی بنیاد پر قائم کرتے ہیں اور امیدواران کی ذاتی قابلیت کو نظرانداز کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فرقہ وارانہ اختلافات پر زور دیا جاتا ہے اور فضا مسموم و مکدر ہوجاتی ہے۔ یہ ایک ایسی بدنما بات ہے جس کو ہمیں بخیال استحکام ملت ترک کردینا چاہیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر طبقہ اور ہر فرقہ کی ان مجالس میں نمائندگی ہونی چاہیئے تاکہ وہ صرف یہ نہ سمجھے کہ اس کو نظرانداز نہیں کردیا گیا۔ بلکہ یہ بھی سمجھے کہ اس کو ان مجالس میں قومی اور ملی مفاد کے لحاظ سے مناسب نمائندگی دی گئی ہے۔ اب یہ سوال ہے کہ ایسی نمائندگی کیسے ہو۔ میری تجویز یہ ہے کہ مسلم لیگ کے انتخابی بورڈ یہ اصول قائم کریں کہ ہر جگہ ہمارے کوئی نہ کوئی امیدوار منتخب کرلیئے جائیں۔ میں ایک منٹ کے لیئے بھی یہ نہیں کہتا ہوں کہ امیدواران کی ذاتی قابلیت کا لحاظ نہ کیا جائے۔ لیکن جہاں مناسب امیدوار موجود ہوں اور مجھے یقین ہے کہ ہر جگہ بہت سے ایسے امیدوار موجود ہوں گے تو ایسے موقع پر رواجاً یہ اصول طے ہوجانا چاہیئے کہ انتخابی بورڈ کسی ایسے امیدوار کو نظرانداز نہ کرے۔ اگر ایسا کیا گیا تو مجھے یقین ہے کہ خاطر خواہ نتیجہ مرتب ہوگا۔ اور اس سے مسلمانوں کی سیاسی وحدت مضبوط اور مستحکم ہوجائیگی۔

قضیہ مدح صحابہ | یہ احساس کس قدر المناک ہے کہ "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کے اصول پر جس کا مظاہرہ

ممالک متحدہ کی کانگریسی حکومت نے قضیہ مدح صحابہ کو نامناسب عنوان سے سامنے لاکر کیا اور مسلمانوں کی شیرازہ بندی کو شدید نقصان پہونچایا۔ میں یہ پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ہندوستان کے ہر حصہ میں اور نیز اسلامی ممالک میں شیعہ آداب محرم کو تحتی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اہلسنت اور نیز ہندوؤں نے بھی ان میں حصہ لیا ہے۔ ۱۹۰۵ء یا ۱۹۰۶ء میں بعض اہلسنت نے پہلی بار مدح صحابہ کے جلوس اور چار یاری جھنڈا اور اٹھانے کی کوشش کی کل کارروائی اس عنوان سے ہوئی جس سے شیعوں کو تکلیف پہونچی اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے متعلق بہت سی آفتیں پیش آئیں۔ ممالک متحدہ کی حکومت نے ایک نمائندہ کمیٹی جس کے صدر مسٹر گیٹ تھے۔ اس معاملہ پر غور کرنے کے لئے مقرر کی۔ اس کمیٹی کے تجویزات منجملہ یہ ہوئیں کہ چار یاری نظم یعنی مدح صحابہ ایک نو ایجاد بات ہے۔ اور مدح صحابہ کی نظمیں محض شیعوں کی دل شکنی اور دل آزاری کے لئے پڑھی جاتی ہیں۔ اس وقت کی حکومت نے کمیٹی کے سفارشات کو منظور کیا اور مدح صحابہ کو ممنوع قرار دیا۔ لفٹنٹ گورنر نے اپنی مابعد کی مختلف تقریروں میں کمیٹی کے تجویزات کا اعادہ کیا اور قرار دیا کہ مدح صحابہ کی اجازت نہ ملنی چاہئے۔ کیونکہ اس سے شیعوں کی دل آزاری ہوتی ہے۔ سُنی اور شیعہ میں کچھ تو تو میں میں ہو کر ۱۹۱۳ء میں صفا صاف ہوگئی۔ اور ۱۹۱۳ء سے ۱۹۳۵ء تک یعنی ۲۲ سال تک مدح صحابہ قطعاً نہ ہوئی۔ مگر ابین ۱۹۳۵ء و ۱۹۳۶ء پھر یہی صورتیں رونما ہوئیں شیعوں اور سنیوں کے درمیان جب مصالحت کی کوششیں ناکامیاب ہو چکیں تو حکومت نے ایک اور کمیٹی جس کے صدر مسٹر جسٹس آلسپ جج عدالت العالیہ الہ آباد تھے مقرر کی۔ اس کمیٹی نے از سر نو کل معاملات پر غور کیا اور منجملہ قرار داد کے حسب ذیل نتیجوں تک پہنچی

(۱) اگر سُنی فرقہ اپنے خلفاء کی مدح کرنے کے خواہشمند ہوتے اور ان کا منشا شیعوں پر کوئی فتح حاصل کرنے کا نہ ہوتا تو وہ علانیہ مدح بعنوان احسن پڑھ سکتے تھے۔ مگر انھوں نے کبھی ایسا کرنے کی کوشش نہ کی (۲) جب ہم تمام واقعات پر بحیثیت مجموعی غور کرتے ہیں تو لا محالہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ تحریک حقیقتاً شیعوں کے خلاف اٹھائی گئی (۳) ہماری رائے ہے کہ ۱۹۳۵ء و ۱۹۳۶ء میں مقامی حکام مدح صحابہ کے جلوس کو روکنے میں حق بجانب تھے (۴) ہمارا یہ خیال نہیں ہے کہ یہ فرض کر لیا جائے کہ مدح صحابہ کا پڑھنا ہمیشہ اور ہر صورت میں ناروا ہے۔ مگر ہم کو یہ کہدینا ضروری ہے کہ حکام کے لئے آئندہ بھی ایسے حالات میں ایسی ہی کارروائی ناگزیر ہے۔ خصوصاً جب کہ اہلسنت کی یہ تحریک جاری ہے (۵) مدح صحابہ اور جلوس تعزیہ میں کوئی مماثلت نہیں ہے۔ صحیح مماثلت مدح صحابہ اور تبرا میں ہے اور اس لئے ہمارے خیال میں کسی حیثیت سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حکومت کی تجویزوں میں سُنیوں کی کوئی حق تلفی ہوئی ہے (۶) ہم علانیہ تبرا کے ساتھ نہیں ہیں اور بحالت موجودہ شیعہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ قابل اعتراض ہے۔ لیکن اگر سنیوں کو مدح صحابہ کی اس وجہ سے اجازت دیجائے کہ وہ اپنے اس عقیدے کی کہ خلفاء ثلثہ ہر تعریف کے سزاوار ہیں اشاعت کریں تو اس صورت میں شیعہ بھی از روئے انصاف تبرا پڑھنے کا مطالبہ اس غرض سے کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے جاہل اور ناخواندہ بھائیوں کو یہ تعلیم دیں کہ خلفائے ثلثہ واقعی قابل مدح نہیں ہیں۔ سنیوں نے بحث کی ہے کہ مذہبی پیشواؤں کو بُرا بھلا کہنا قانوناً ممنوع ہے مگر تعریف کبھی قابل اعتراض نہیں ہو سکتی لیکن کوئی قضیہ کلیتاً صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ایک نقطۂ نظر سے مذہبی پیشواؤں پر نیک نیتی کے ساتھ تنقید کرنا اور کسی کے مذہبی جذبات عمداً بدنیتی سے مجروح کرنے کی نیت نہ رکھنا کوئی جرم نہیں ہے۔ اور دوسری طرف بیحد مثالیں مل سکتی ہیں جہاں مدح ناروا اور اشتعال انگیز ہو سکتی ہے۔ مثلاً ایک اشتراکی جلوس کی رہ گزر پر ایک فسطائی قائد THE DIST LEADER کی شان میں اگر گیت گائے جائیں تو اس موقع پر احتجاج ہو اسے کوئی غلط نہیں کہ سکتا۔ کمیٹی کے ان روئدادوں کو حکومت نے اپنے کمیونک مورخہ ۱۸ مارچ ۱۹۳۸ء میں منظور کر لیا۔ دوسرا کمیونک نومبر ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا جس میں حکومت نے

اٹھایا گیا کہ مدح صحابہ کا علانیہ پڑھنا بالالتزام نہ تھا۔ بلکہ جو چیز معرض نزاع میں تھی۔ وہ طریقہ مدح تھا۔ ۳۰ مارچ ۱۹۳۹ء کو ایک تیسرا کمیونک
شائع ہوا جس میں شیعوں کے اس حق کو تسلیم کرتے ہوئے کہ وہ سال کے ہر دن میں مدح صحابہ پڑھ سکتے ہیں۔ صرف بارہ وفات کے دن مدح صحابہ
کی اجازت دی گئی۔ اس طور پر کانگریسی حکومت نے کامیابی کے ساتھ مسلمانوں کی جماعت میں اختلاف کی تخم ریزی کی اور ہمیں ابتلا آزمائش
کی ایک سخت ترین مصیبت میں مبتلا کیا جو ہوا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیعوں نے فی الفور سول نافرمانی جاری کر دی اور تبرا پڑھ کر اپنے کو گرفتار
کرانا شروع کر دیا۔ ۳۰ مارچ ۱۹۳۹ء کا بدبخت کمیونک السوپ کمیٹی اور پگٹ کمیٹی کے سفارشات کی موجودگی میں اتنا غیر متوقع تھا کہ ہندستان
کے ہر شیعہ نے اس ناگہانی فیصلہ کی خبر پا کر اپنی جگہ یہ محسوس کیا کہ اسکے فرقہ کے ساتھ ایک بدترین ناانصافی کی گئی ہے۔ پوری شیعی دنیا
میں اِس گوشہ سے اُس گوشہ تک اضطراب کی ایک لہر دوڑ گئی جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ کم و بیش ۱۵ ہزار شیعہ سر سے کفن باندھ کر لکھنؤ
پہونچ گئے۔ اور سید سجاد کی پیروی میں جیل کی تنگ و تاریک کوٹھریاں آباد کرنے لگے۔ ان شیعوں میں جو فرض کی پکار سُن کر جیل
کی طرف بڑھے ہر طبقہ کے لوگ تھے۔ بیرسٹر بھی وکلاء بھی۔ پنشن یافتہ سرکاری ملازمین بھی تعلقدار اور زمیندار بھی علماء و حکماء بھی
لیکن حکومت اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی۔ میں اپریل ۳۹ء کی ابتداء میں لکھنؤ پہنچا اور بحران دو چار دنوں کے جب مجھے بعض
اہم ضرورتوں کی بنا پر پٹنہ آنا پڑا۔ عملی طور پر ۲۹ مئی تک وہیں مقیم رہا۔ اپنے قیام لکھنؤ کے دوران میں میں نے اپنے سنی بھائیوں سے
عاجزانہ گزارش کی کہ وہ اس مسئلہ میں اپنی فیاضی دکھائیں اور صرف اس اجازت پر قناعت کریں جو انھیں جلوس مدح صحابہ کے
سلسلہ میں گورنمنٹ سے حاصل ہو چکی ہے۔ اس وقت مصالحت کی متعدد تجویزیں پیش کی گئیں۔ لیکن میری رائے میں اس مسئلہ
کا کوئی معقول حل ہو سکتا تھا۔ تو وہ یہ کہ سنی و شیعہ دونوں مدح صحابہ اور تبرا کی تحریک سے ہمیشہ کے لئے دستبردار ہو جاتے۔ میں
دوسری بار مسٹر قدوائی سے ملا۔ انھوں نے مجھ سے بعض ایسی باتیں کہیں جن کی بنیاد پر میں نے اپنے علماء کرام سے یہ گزارش کی کہ
وہ شیعوں کو بارہ وفات کے دن مدح صحابہ کے جلوس سے کسی قسم کا تعرض کرنے سے منع کر دیں۔ بہرحال گورنمنٹ نے قیام امن
کی غرض سے غیر معمولی انتظامات کئے اور راستہ کے دونوں طرف خاردار تاروں کی دیواریں کھڑی کر دیں تاکہ جلوس اور جلسہ
بخیر و خوبی انجام پائے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر میں شیعوں کو اس کا یقین نہ دلائے ہوتا کہ مدح صحابہ کا یہ جلوس پہلا اور آخری جلوس
ہوگا۔ تو اس تاریخ کو لکھنؤ میں بلوہ ہو کر رہتا اور طرفین سے خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔ مجھے کس بات کا یقین دلایا گیا تھا اور مجھ سے
کیا وعدے کئے گئے۔ یہ میرے اس خط سے معلوم ہوگا جو میں نے جلوس نکل جانے کے بعد مسٹر قدوائی کو لکھا تھا جس کا جواب آج کی تاریخ تک
موصوف پر ایک اخلاقی قرض کی طرح باقی ہے۔ اس انگریزی خط کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔ "علی منزل لکھنؤ مورخہ ۱۴ مئی ۱۹۳۹ء۔
ڈیر مسٹر قدوائی۔ آپکو یاد ہوگا کہ پرسوں شب کو وزیر اعظم کے دولتکدے پر آپ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ ۳۰ مارچ کا کمیونک غالباً
آج صبح تک واپس لے لیا جائیگا۔ اور ان سنی لیڈروں نے بھی جو مدح صحابہ کی تحریک کو چلا رہے ہیں آپکو یقین دلا دیا ہے کہ
وہ کل کے جلوس اور جلسہ کے بعد خود گورنمنٹ سے اسی امر کی گزارش کرینگے! اسی گمان پر کہ وہ کمیونک غالباً واپس لے لیا
جائیگا۔ میں نے ایک درخواست اس مضمون کی متعدد شیعوں کے دستخط سے آپ کے حوالہ کی جس میں یہ مطالبہ تھا کہ انھیں بھی جلسہ
و جلوس کی اجازت دی جائے۔ کل بھی آٹھ بجے صبح کو آپ نے ٹیلیفون سے ازراہ نوازش مجھے دوبارہ واضح طور پر یہ یقین
دلایا کہ وہ کمیونک آج صبح واپس لے لیا جائیگا۔ اور مدح صحابہ کی خوانندگی گزرگاہ عوام پر ہمیشہ کے لئے ممنوع قرار دیدی جائیگی
اور جو درخواست میں نے حوالہ کی ہے اس پر بھی بعد میں غور کیا جائیگا۔ انھیں حالات کے ماتحت میں نے اپنی جماعت کے ممبروں سے
اپنے قول کی تکمیل کی کہ وہ ان تمام حرکتوں سے باز رہیں جن سے جلسہ و جلوس میں کسی قسم کی برہمی پیدا ہو۔ اور جوابی مظاہرہ میں شرکت

کی غرض سے جانا چاہیں ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں۔ میں پورے یقین کے ساتھ یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں ایسا کرنے میں
حق بجانب تھا۔ بہرحال میری اس ہدایت کا نتیجہ یہ ہوا کہ کل کا جلسہ و جلوس بغیر کسی رکاوٹ کے پُرامن طریقہ پر انجام پا گیا۔ میں نے
شیعوں کو یہ بھی اطمینان دلایا تھا کہ سنی جلوس اور جلسہ کے علی الرغم انھوں نے ایک شیعہ جلوس و جلسہ کی جو درخواست
کی ہے گورنمنٹ اس پر بھی غور کرے گی۔ آپکو یاد ہوگا کہ اس کوشش کے سلسلہ میں جو میں نے مدح صحابہ اور تبرا کی کشمکش کو حل کرنے
کے لئے تین ہفتہ پہلے شروع کی تھی۔ لکھنؤ میں میرا یہ تیسرا سفر ہے۔ آپکو یہ بھی معلوم ہے کہ جب آپ اور وزیر اعظم وہاں موجود
تھے تو میں مولانا ابوالکلام آزاد سے ملنے کے لئے کلکتہ بھی گیا تھا۔ میری تمام بےچینیوں کا مقصد یہ تھا کہ اس نزاع کا کوئی ایسا
معقول حل تلاش کیا جائے جو سنیوں اور شیعوں کے لئے یکساں قابل قبول ہو اور نیز یہ کہ یہ حل گورنمنٹ ہی کی طرف سے
ہو۔ سمجھوتہ اور مصالحت کی جو سہل ترین راہ بھی حافظ محمد ابراہیم اور دوسرے ہمدردوں کی طرف سے پیش کی گئی۔ وہ زیادہ سے زیادہ
یہ تھی کہ اہلسنت کو جو استحقاق اس سرکاری فرمان کے ماتحت ملا ہے اس کو وہ صرف اسی سال استعمال کریں۔ اور آئندہ اس کا سلسلہ
جاری نہ رکھیں میری گزارش برابر یہی رہی ہے کہ سنی اسلام کے سواد اعظم ہونے کی حیثیت سے موقعہ کی نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے
اپنی فیاضی کا ثبوت دیں اور جو استحقاق انھیں حاصل ہو گیا ہے اس سے دست بردار ہو کر اپنے مصالحانہ رویہ کا اپنی طرف
سے اعلان کر دیں۔ اسکے ساتھ میں نے یہ بھی یقین دلایا کہ شیعی حلقوں کی طرف سے ان کے اس مصالحانہ رویہ کا... بہت ہی
مخلصانہ جواب دیا جائیگا۔ اور نہ صرف باہمی تعلقات کی یہ موجودہ تلخی ہی رفع ہو جائیگی۔ بلکہ صلح خوش اعتقادی اور اخلاص کی
ایک ایسی فضا لکھنؤ میں تیار ہو جائیگی۔ جس کا سہرا ہمیشہ کے لئے اسلام کے ان دونوں فرقوں کے سر رہیگا۔ آپ براہ کرم یہ نہ بھولیں
کہ میں نے گفتگو کے دوران میں شاید ہی کبھی اس زیر بحث کمیونک کی صحت اور عدم صحت جواز اور عدم جواز کی طرف اشارہ کیا ہو یا
کسی نزاعی نکتہ بحث کو مشورے کے دوران میں آنے کی اجازت نہ دی۔ بلکہ میں بہرحال اس حسن ظن کی رہنمائی میں چلتا
رہا کہ گورنمنٹ نے ایک مناسب حکم نامہ اس غرض سے جاری کر دیا ہے تاکہ تنقیح طلب امور ایک دائرہ میں سمٹ آئیں۔ لیکن جو
سول نافرمانی کی وہ تحریک اسی زیر بحث کمیونک کے خلاف چلائی گئی تھی اس لئے اس کشمکش کا جو بھی معقول حل نکالا جاتا اور اسلام
کے ان دو بڑے فرقوں میں خوشگوار تعلقات پیدا کرکے ہمیشہ کے لئے ایک امن کی فضا پیدا کرنے کی غرض سے جو مفاہمت
بھی تلاش کی جاتی۔ اسکی بنیاد لازماً اسی کمیونک کی منسوخی پر ہوتی۔ وہ منسوخی خواہ اس حق کے استعمال کے بعد ہوتی۔ یا اس
حق کے استعمال کے پہلے جو اس سرکاری فرمان کے ماتحت دیا گیا تھا۔ اس نزاع کے اس پس منظر کے پیش نظر جو سنہ ۱۹۰۸ء اور ۱۹۰۹ء
اور سنہ ۱۹۳۵ء میں ہمارے سامنے آتا رہا۔ اور نیز السوپ اور پیگوٹ کمیٹیوں کی سفارشات اور ان سفارشات پر سرکاری
تجویزات کے اجراء کو سامنے رکھتے ہوئے مصالحت کی گفتگو جو گزشتہ تین چار ہفتوں تک چھڑی رہی وہ بجز اس بنیاد
کے کسی دوسری بنیاد پر ہو ہی نہیں سکتی تھی جو میری جانب سے پیش کی گئی۔ مجھے افسوس ہے کہ مجھے صفائی کے ساتھ
اپنا پوزیشن اور شیعی جماعت کا پوزیشن واضح کرنے کے خیال سے آپکو اس طویل خط پڑھنے کی زحمت دینی پڑی۔ اب یہ
سوال کہ ان سنی لیڈروں کی طرف سے عہد شکنی ہوئی یا نہیں جنھوں نے گورنمنٹ کو یہ یقین دلایا تھا کہ وہ ان حقوق کے استعمال
سے دستبردار ہو جائیں گے جو اس کمیونک کے ماتحت انھیں حاصل ہوئے ہیں تو یہ معاملہ ان کے اور آپکی گورنمنٹ کے درمیان ہے لیکن
مجھے یقین ہے کہ آپ بھی اس سے متفق ہونگے کہ وہ یقین جو آپ نے مجھے دلایا تھا اور وہ وعدے جو آپ نے مجھ سے کئے
تھے جن کو میں نے ایک پیامبر کی حیثیت سے شیعوں تک پہنچا دیا تھا۔ اسکے ایفا کا وقت آگیا اس میں دیر نہیں ہونی چاہئے

اس لئے کہ دیر بعض اوقات خلاف تصور نتائج کی ذمہ دار ہو جاتی ہے۔ آخر میں آپ سے اپیل کرتا ہوں اسلام کے نام پر جو بلا
تمام فرقہ وارانہ اختلافات کے ہم سبھوں کو یکساں عزیز ہے۔ اپنے رسولؐ کے نام پر جن کے یوم ولادت کی تقریب ہم اس ماہ
مقدس میں منا رہے ہیں صلح اور خیر اندیشی کے نام پر جو ہر نظام حکومت کا منتہائے آرزو ہونا چاہئے کہ آپ اپنے کیے
کو واپس لیکر شیعوں کو اسی طرح مطمئن کر دیں جس طرح آپ نے جلوس نکلوا کر سنیوں کو مطمئن کر دیا۔ آپ کا مخلص سلطان احمد

بہر حال ۱۴ مئی کو سویرے وزیر موصوف نے مجھے ٹیلیفون کیا صرف یہ کہنے کے لئے کہ انھوں نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اسکے
متعلق مجھے غلط فہمی ہوئی۔ انھوں نے کیبنٹ کی واپسی کا جو وعدہ مجھ سے کیا تھا وہ اس بنا پر تھا کہ سُنی لیڈروں نے انھیں یقین
دلایا تھا کہ وہ ایک مرتبہ اپنے حق کو استعمال کر لینے کے بعد خود گورنمنٹ سے آکر یہ کہہ دیں گے کہ وہ آئندہ اس استحقاق کو استعمال کرنا
نہیں چاہتے۔ لیکن بالکل ہی خلاف توقع سُنی لیڈر جلوس سے فارغ ہو کر ۱۳ مئی کی شام کو انکے پاس آئے اور کہنے لگے کہ انھوں نے
پہلے جو کچھ کہا تھا وہ اب اس پر عمل نہیں کر سکتے اور کسی حال میں اپنے حق سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔ یہ کہکر قدوائی صاحب نے شیعوں
کو مطمئن کرنے سے مجبوری ظاہر کی۔ انھوں نے اس سے انکار نہیں کیا کہ سُنی لیڈروں نے فی الواقع ان سے دستبرداری کا وعدہ کیا
تھا بلکہ انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ سُنی اپنے وعدہ پر قائم نہ رہ سکے۔ اسکے علاوہ انھوں نے میرے اس بیان کی بھی تردید نہیں کی
جو میرے مندرجہ بالا خط میں اس طرح مذکور ہے "میں نے اپنی جماعت کے ممبروں سے یہ گزارش کی تھی کہ وہ ان تمام حرکتوں سے بچا
رہیں جن سے جلسہ و جلوس میں کسی قسم کی برہمی پیدا ہو۔ اور جو لوگ اس مظاہرے میں شرکت کی غرض سے جانا چاہتے ہیں
ان سے کوئی تعرض نہ کریں۔ میری اس ہدایت کا نتیجہ یہ ہوا کہ کل کا جلوس اور جلسہ بغیر کسی رکاوٹ کے انجام کو پہونچا"
بہر کیف شیعوں کی سول نافرمانی جاری رہی۔ یہاں تک کہ ملک کے مقتدر مسلمانوں کی طرف سے دو پیغامات یکے بعد دیگرے
شائع ہوئے۔ پہلی اپیل ملک کے بائیس ۲۲ سربرآوردہ سُنی شیعہ لیڈروں کی دستخط سے اخبارات میں شائع ہوئی۔ دستخط
کنندگان میں سر سکندر حیات خاں، مسٹر فضل الحق، سر شفاعت احمد خاں، سر محمد یعقوب، سر حسام الدین، سر محمد یامین
خاں، سر ایچ غزنوی، سر عبد اللہ ہارون، سر ضیاء الدین احمد، سر شیر محمد خاں کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر
ہیں۔ دوسری اپیل اس کے ساتھ ہی ساتھ مولانا ابو الکلام آزاد کی جانب سے نکلی۔ دونوں اپیلوں میں شیعوں
سے یہ گزارش کی گئی تھی کہ وہ مصالحت کے لئے ایک موافق فضا تیار کرنے کی غرض سے اپنی سول نافرمانی کو ملتوی کر دیں
ملت اسلامیہ کے بائیس ۲۲ زعماء نے اپنی اپیل میں دونوں جماعتوں کو یہ بھی مشورہ دیا تھا کہ فریقین مدح صحابہ اور تبرا دونوں
سے باز آجائیں۔ ان اپیلوں کا یہ اثر ہوا کہ شیعوں نے سول نافرمانی کی تحریک ملتوی کر دی۔ اسکے بعد مولانا ابو الکلام
نے باوجود اپنی بیماری کے لکھنؤ تک پہونچنے کی زحمت فرمائی۔ اور وہاں کچھ دنوں تک قیام فرما کے اس عقدہ کو
سلجھانے کی مسلسل کوشش کرتے رہے۔ میں ذاتی طور پر مولانائے موصوف کی ان زحمتوں کا بہت ہی مشکور ہوں جو
انھیں اس مسئلہ کے حل کے سلسلہ میں اٹھانی پڑیں۔ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ مولانا مسلمانوں کی ان دو دکھی
ہوئی جماعتوں کو ایک دوسرے سے گلے ملوا دینے کے لئے کس قدر بے چین تھے۔ لیکن انتہائی بدقسمتی تھی کہ قبل اس کے
کہ مولانا کا آخری فیصلہ حکومت تک پہونچے کانگریسی وزارت اپنے عہدوں سے مستعفی ہو کر باہر نکل آئی اور اس مسئلہ کے سلجھانے
کی ساری ذمہ داری ہز اکسلنسی گورنر یوپی کے کاندھوں پر آپڑی۔ اب یہ انھیں کو فیصلہ کرنا ہے کہ آئندہ چند دنوں میں جو حالات
پیدا ہونے والے ہیں اور جسکے آثار سیاہ بادل کے منتشر ٹکڑوں کی طرح فضا میں منڈلا رہے ہیں اسکے ماتحت کون سی

کارروائی مناسب حال ہوگی۔ اس دوران میں مولانا ابوالکلام آزاد کی خدمت میں بھی یہ گزارش کروں گا کہ موصوف ان شیعوں کے سا
جنھوں نے ان کے فرمان پر سول نافرمانی کی تحریک ملتوی کر دی تھی انصاف کرتے ہوئے یہ اعلان فرمائیں کہ (۱) کیا وہ ۲۱ رجنوری کے
کیونک کو اپنی جگہ درست سمجھتے ہیں (۲) کیا اس دنیا میں کوئی ملک ایسا ہے جہاں لکھنؤ کی طرح مدح صحابہ کا جلوس اور مدح
صحابہ کی مجلس کبھی منعقد کی گئی ہے۔ میں اب اس موضوع کو زیادہ نہ پھیلا کر اپنے مقدمہ کو ہز ایکسلنسی گورنر اور اپنے برادران اہلسنت
کے ہاتھوں میں چھوڑ دینا بہتر سمجھتا ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ آئندہ ہفتہ چند دن ہماری جماعت کی تاریخ میں یادگار رہوں۔ اگر ہمارے
سنی بھائی موقع کی نزاکت کا لحاظ کرتے ہوئے صلح کے لئے اٹھ کھڑے ہوں جیسا کہ میری دعا ہے اور میرا یقین ہے کہ وہ
درد ملت سے بے چین ہو کر فرداً فرداً اٹھ کھڑے ہوں گے تو ان کا یہ اٹھ کھڑا ہونا اسلام اور مسلمانوں کی ایسی خدمت ہوگی
جس پر لکھنؤ ہمیشہ فخر کرے گا۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ مدح صحابہ اور تبرا کے جلسہ و جلوس کے لئے ہر اعلان اور ہر اشتہار
اور اس کے مطابق جلسہ و جلوس کا انعقاد ہمیشہ کے لئے موقوف کر دینا چاہئے۔ میرا عقیدہ ہے کہ جو شخص اس اصول کی خلاف
ورزی کر کے اس سلسلہ میں کسی جماعت کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اس کا عمل اور اسکی سرگرمی شریعت کے دائرے سے خارج ہے
میرا عقیدہ ہے کہ ہم مذہب کے مقدس نام پر کوئی ایسی کارروائی کر کے جس کا مقصود دوسرے کی دل آزاری ہو ہرگز خدا و
رسول کو خوش نہیں کر سکتے۔ آؤ اے میرے بھائیو ہم دونوں مل جل کر اس ماہ مقدس کی مبارک تاریخوں میں اپنے رسول مقبول کا
یوم ولادت منائیں اور اپنے دلوں سے کدورت کی گرد دھو کر اسلام کی فتحمندی کے گیت گائیں۔ یہاں پر میں ۲۲ رفروری کے ایک اپیل کا ایک جملہ
نقل کرتا ہوں جسکی روشنی میں حقیقت اور نمایاں ہو سکتی ہے" کوئی چیز بھی ہمارے تصور سے اتنی بعید نہیں ہو سکتی جتنا کہ سنی اور شیعوں
کے ان مذہبی رواسم پر پابندیاں عائد کرنے کی تجویز جو اس نزاع سے پہلے ادا کئے جاتے تھے" آخر میں قطعی طور پر یہ میری
ذاتی رائے ہے کہ آپ اپنے تمام سیاسی اور اجتماعی رجحانات کے ساتھ ایک جھنڈے کی چھاؤں میں آجائیں اور ایک ایسے سیاسی ادارہ
میں شریک ہونے کا فیصلہ کریں جو آپکو آپکے مطالبات کے سلسلہ میں فائدہ پہونچا سکے۔ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مسلمانوں
کا ایک مشترکہ سیاسی ادارہ ہو جس میں تمام شیعہ سنی مقلد اور غیر مقلد شانہ بشانہ کھڑے ہو کر ملت اسلامیہ کی مستقبل کی تعمیر
میں منہمک ہو جائیں۔ ایک ایسا ہی مشترک ادارہ ہیں اور ہمارے حالات کے تقاضوں کو ہر طرح مطمئن کر سکتا ہے۔ پھر میں ایک بار آپ سے یہ کہنا
ضروری سمجھتا ہوں کہ مفاہمت کے ہر گوشہ کا سمجھ بوجھ کے جائزہ لیجئے لیکن جلدی میں کوئی ایسا گھبرایا ہوا قدم نہ اٹھایئے
جو مصالحت کے امکان کے لئے مہلک ثابت ہو۔ میں آپکے ساتھ اپنے سنی بھائیوں سے بھی ایک بار پھر یہ عاجزانہ التجا کروں گا کہ
اتحاد اسلامی کی ترقی و بقا کی کوشش میں ہماری مدد کریں۔ اسلام کو ایک کنبہ فرض کر لیں اور اپنے ساتھ ہم کو بھی اسی کنبہ کا ایک رکن سمجھیں۔ اگر وہ
ایسا سمجھنے کو تیار ہیں تو میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ انکے جذبات اخوت شیعوں کی طرف سے تشنہ جواب نہیں رہیں گے۔ اس خطبہ کو ختم کرتے ہوئے میں پھر
پرزور لفظوں میں سفارش کرتا ہوں کہ مسلمانوں پر ربیع الاول کے مہینہ کا احترام فرض ہے۔ ہمارے سنی بھائیوں کو چاہئے کہ اس مہینہ کی عظمت
کا لحاظ کرتے ہوئے جلسہ و جلوس کے ارادہ کو بالکل فسخ کر دیں۔ اس ماہ مقدس میں کوئی ایسی کارروائی کرنا جو مسلمانوں کے دو گروہوں
میں وجہ نزاع بن جائے حد درجہ نامناسب ہے۔ اختلافی سرگرمیوں کے مقابلہ میں یہ کہیں زیادہ بہتر ہے کہ یہ بابرکت مہینہ
اور اسکی بابرکت تاریخیں صلح کی کوششوں میں گزاری جائیں۔ مسلمانوں کے ہر فرقہ اور ہر گروہ کو میرا یہ پیام ہے۔ میرا پیام نہیں
بلکہ وقت کا پیام ہے۔ میں وقت کی آواز سے اپنی آواز ملا کر کہتا ہوں کہ برادران عزیز اپنے پچھلے اختلافات اور جھگڑوں کو
بھول کر ایک مرتبہ پھر جمع ہو جاؤ اور اپنی یکجہتی کی راہ سے ان تمام روڑوں کو ہٹا دو جن سے تمہاری ترقی کی رفتار کو خطرہ لاحق
ہے۔ یاد رکھو کہ تم اپنی وحدت سے نہ صرف اپنی مدد کر سکتے ہو بلکہ فرقہ وارانہ منافقات کی اس مسموم فضا میں حالات کا رخ
بدل کر اپنے ملک کی بھی ایک بہت بڑی خدمت انجام دے سکتے ہو۔

زندہ باد اسلام۔ زندہ باد ہندوستان۔ پائندہ باد حسینیت"۔ (ماخوذ سرفراز مورخہ ۱۴ رفروری ۱۹۴۰ء)

بھیجے گئے جو میدان خرار تک گئے مگر قافلہ نہ ملا تو واپس آئے۔ اس میں بھی حضرت عمر کا کوئی ذکر نہیں

غزوہ بواط ربیع الاول ۲ ہجری میں آنحضرتؐ ایک قافلہ کی تلاش میں نکلے اور مقام بواط تک تشریف لے گئے۔ اس میں بھی حضرت عمر کا کوئی کام نہیں ملتا (طبری جلد ۲ صفحہ ۲۶۰)

کرز بن جابر کی تلاش اسی ماہ میں آنحضرتؐ کرز بن جابر کی تلاش میں تشریف لے گئے اس میں علم حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا مگر حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں ملا (طبری جلد ۲ صفحہ ۲۶۱)

غزوہ ذات العشیرہ آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ قافلہ قریش شام کو جارہا ہے۔ آنحضرتؐ اسکی تلاش میں نکلے۔ ایک مقام ذوالعشیرہ تک پہونچکر معلوم ہوا کہ قافلہ پہلے نکل گیا۔ آنحضرتؐ واپس آئے۔ افسوس اس غزوہ میں بھی حضرت عمر کا کوئی کارنامہ نہیں ملتا (طبری جلد ۲ صفحہ ۲۶۲)

سریہ بطن نخلہ آنحضرت صلعم نے کرز بن جابر کی تلاش سے مدینہ واپس آکر بارہ مہاجرین کو اپنے پھوپھی زاد بھائی عبد اللہ بن جحش کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ کیا۔ اس سریہ میں مسلمانوں کے ہاتھ سے عمر بن عبد اللہ حضرمی مارا گیا اور بکثرت مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا مگر کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت عمر اس سریہ میں بھیجے گئے یا آپ نے کوئی کام کیا (طبری جلد ۲ صفحہ ۲۶۳)

غزوہ بدر کبرے حضرمی کے قتل سے قریش کا غیظ وغضب بہت بڑھ گیا۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ قافلۂ قریش جو ابو سفیان کے ساتھ شام سے مکہ آرہا ہے اس پر مسلمان حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ یہ غلط خبر تھی مگر قریش نے جنگ کی طیاری شروع کردی تو آنحضرت صلعم نے اپنی حفاظت کا سامان کیا اور ایک لشکر لیکر مدینہ سے روانہ ہو گئے۔ اس میں فوج کے تین حصے کئے گئے اور تینوں کا علم جدا جدا تھا۔ ایک کے علم بردار سعد دوسرے کے مصعب۔ تیسرے کے حضرت علیؓ مقرر ہوئے۔ لشکر بدر میں آکر ٹھہرا۔ قریش کا لشکر بھی پوری شان سے آپہونچا۔ دونوں فوجوں میں سخت لڑائی ہوئی مگر اس جنگ میں بھی حضرت عمر کو نہ کوئی علم ملا نہ آپ کے ماتحت کوئی فوج کی گئی۔ نہ آپ لڑے نہ کوئی اور اسلامی خدمت کی بلکہ آنحضرت صلعم کے خلاف مزاج ایسی باتیں کیں جن سے آنحضرت صلعم کو بہت اذیت پہونچی۔ حضرتؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ ان کفار قریش سے جنگ کی جائے یا نہیں۔ حضرت ابو بکر و عمر نے اسکے جواب میں کفار قریش کی ایسی مدح وثنا

کی جس سے آنحضرتؐ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ طبری وغیرہ نے تو صرف اَحْسَنَ اَحْسَنَ (دونوں بزرگوں نے اچھی بات کہی) لکھا ہے لیکن اور علماء نے تصریح کر دی ہے کہ ان لوگوں نے کیا کہا تھا۔ امام احمد بن حنبل و علامہ سید احمد زینی دحلان وغیرہ نے لکھا ہے فتکلم ابو بکر فاعرض عنه ثم تکلم عمر فاعرض عنه۔ حضرتؐ کے سوال پر حضرت ابو بکر کچھ بولے تو آنحضرتؐ نے انکی طرف سے منہ پھیر لیا۔ پھر حضرت عمر بھی بولے تو آنحضرتؐ نے ان کی طرف سے بھی منہ پھیر لیا (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۲۲۰ و ۲۱۹ و سیرۃ محمدیہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۳ وغیرہ)۔ اور علامہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے فقال ابو بکر ان العیر کانت بوادی کذا و کذا ... فقال عمر انها قریش وعزها والله ما ذلت منذ عزت ولا آمنت منذ کفرت والله لتقاتلنك فتاهب لذلك اهبته واعدد له عدته فقال رسول الله اشیروا علی فقال المقداد بن عمرو انا لا نقول لك كما قال اصحاب موسی اذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون ولكن اذهب انت وربك فقاتلا انا معكم متبعون۔

آنحضرت صلعم کے جواب میں حضرت ابو بکر بولے کہ قریش کا قافلہ فلاں وادی میں ہے ... اور حضرت عمر نے کہا اے رسولؐ یہ قریش اور اسکی طاقت کا مقابلہ ہے۔ خدا کی قسم جب سے وہ لوگ صاحب عزت ہوئے کبھی کسی سے دبے نہیں۔ اور جب سے کافر ہوئے کبھی ایمان لائے ہی نہیں اس وجہ سے آپ ان کے مقابلہ کا پورا سامان کر کے تشریف لیجلیں مگر آنحضرت صلعم نے (ان دونوں بزرگوں کی رائے کو نفرت و حقارت کی نظر سے ٹھکرا کر) فرمایا اور کوئی مجھے مشورہ دے۔ اس پر جناب مقداد بولے یا حضرتؐ ہم تو وہ بات نہیں کہیں گے جو حضرت موسیٰؑ کے اصحاب نے ان سے کہی تھی کہ اے موسیٰؑ آپ اور آپکے اللہ جائیں اور جہاد کریں ہم لوگ یہیں بیٹھے رہیں گے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ آپ تشریف لے چلیں اور جہاد کریں میں بھی آپ کے ساتھ ہوں (تفسیر درمنثور جلد ۳ صفحہ ۱۶۹ [illegible])

مولوی شبلی صاحب اسی واقعہ کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں "آنحضرتؐ کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے صحابہ کو جمع کیا اور واقعہ کا اظہار فرمایا۔ حضرت ابو بکر وغیرہ نے جاں نثارانہ تقریریں کیں" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۳۰۲)۔ جب ممدوح ان باتوں کو جاں نثارانہ سمجھتے ہیں تو کسی انکار کیوں ہو لاشک اسست فیہ کا مصداق ہے کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت عمر کو اسکی

موجود ہوں کوئی علم عہدہ دیا کسی جماعت کی سرداری آپ کے حوالہ کی گئی ہو یا کوئی جنگی خدمت آپ کے سپرد ہوئی ہو۔ مولوی شبلی صاحب نے تحریر فرمایا ہے "حضرت عمر اگرچہ اس معرکہ میں رائے و تدبیر، جانبازی و پامردی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ کے دست و بازو رہے لیکن انکی شرکت کی محسوس خصوصیات یہ ہیں (۱) قریش کے تمام قبائل اس معرکہ میں آئے لیکن بنو عدی یعنی حضرت عمر کے قبیلہ میں سے ایک متنفس بھی شریک جنگ نہیں ہوا (۲) یہ امر جہاں تک قیاس کیا جا سکتا ہے صرف حضرت عمر کے رعب و داب کا اثر تھا۔ (۲) حضرت عمر کے ساتھ اُن کے قبیلہ اور حلفاء کے بارہ آدمی شریک جنگ تھے (۳) سب سے پہلے جو شخص اس معرکہ میں شہید ہوا وہ مہجع حضرت عمر کا غلام تھا (۴) عاص بن ہشام بن مغیرہ جو قریش کا ایک معزز سردار اور حضرت عمر کا ماموں تھا حضرت عمر کے ہاتھ سے مارا گیا" (الفاروق صفحہ ۲۱) اس عبارت میں کئی جملے قابل تبصرہ ہیں آپ فرماتے ہیں "حضرت عمر اس معرکہ میں رائے و تدبیر جانبازی و پامردی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ کے دست و بازو رہے"۔ مگر افسوس نہ آپ نے کسی کتاب کا حوالہ دیا جس سے اس دعوے کی تصدیق ہوتی نہ کسی موقع کا پتا بتایا جس میں آنحضرتؐ نے انکی رائے دریافت کی اور نہ کسی مشورہ کا ذکر کیا جس سے آپ کا دست و بازوئے رسولؐ ہونا ثابت ہو۔ بلکہ کل کتابیں اس کے خلاف ہی بول رہی ہیں کہ جب حضرتؐ نے صحابہ سے رائے و مشورہ چاہا تو حضرت ابوبکر و عمر نے ایسی بات کہی جس سے آنحضرت صلعم کو اتنی اذیت ہوئی کہ ان دونوں کی طرف سے آپ نے منہ پھیر لیا۔ مولوی صاحب کا فرض تھا کہ اپنے دعوے کی تائید میں کوئی ایک ہی امر بطور نمونہ ذکر کر دیتے جس سے واضح ہوتا کہ واقعاً آپ رائے و تدبیر میں آنحضرت صلعم کے دست و بازو رہے۔ تاریخی واقعات تو قیاس۔ اجتہاد و اعتقاد سے تسلیم نہیں کئے جا سکتے۔ اگر آپ نے کوئی مفید رائے دی ہوتی۔ کسی قسم کی ہمدردی کی ہوتی کوئی نمایاں خدمت آپ سے انجام پائی ہوتی تو مورخین و محدثین جو سب حضرت کے بیر و بلکہ فدائی تھے جلی حرفوں میں اس کو لکھکر ڈھنڈورا پیٹتے ہوتے۔ علامہ طبری ایسا مشہور مورخ جس نے اپنی کتاب کے ۴۳ بڑے صفحے اس واقعہ کے بیانات میں وقف کر دیئے ان واقعات کو کیوں پوشیدہ کرتا۔ علامہ ابن اثیر جزری کیوں ان امور کو مخفی رکھتا۔

اسی طرح دوسرے مورخین کیوں خاموش رہتے۔ اور بنو عدی کے نہ آنے کی وہ وجہ جو عقل میں نہیں آتی جو مولوی صاحب نے لکھی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو حضرت عمر کے رعب و داب سے وہ مسلمان کیوں نہ ہوگئے؟ کیا حضرت عمر صرف یہ چاہتے تھے کہ وہ لوگ لڑنے نہ نکلیں۔ یا یہ چاہتے تھے کہ سب مسلمان ہوجائیں۔ پھر یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت عمر کے رعب و داب کا اثر صرف انکے خاندان والوں پر کیوں ہوا۔ اگر واقعاً آپ کا رعب و داب تھا تو قریش کے دوسرے قبیلوں کو زیادہ خوف زدہ ہونا چاہئے تھا بلکہ آپ کے قبیلہ کو تو بالکل نڈر ہو کر آنا مناسب تھا کیونکہ ان کو اطمینان تھا کہ جب ان کے خاندان کے حضرت عمر وہاں موجود ہیں تو ان کی خاطر سے دوسرے مسلمان بھی ان لوگوں پر حملہ نہیں کرینگے۔ اصل یہ ہے کہ ابوسفیان شام سے مکہ واپس آئیگا تو مکہ کے اکثر قبیلوں کے لوگ اسکے ساتھ تھے۔ اور جب مکہ معظمہ میں یہ خبر پھیل گئی کہ مسلمان قافلہ لوٹنے کو آرہے ہیں تو کل قریش مدینہ کی طرف اپنے اعزہ کو بچانے کے لئے نکل پڑا مگر قریش کو بدر کے قریب پہونچکر معلوم ہوا کہ ابوسفیان کا قافلہ خطرہ کی زد سے نکل گیا تو کئی قبیلہ والوں نے کہا انکم انما خرجتم لتمنعوا عیرکم ورجالکم واموالکم فقد نجاها الله فارجعوا فقال ابوجهل بن هشام والله لا نرجع حتى نرد بدرا ... فقال الاخنس یا بنی زهرة قد نجى الله لكم اموالكم وخلص لكم صاحبكم مخرمه ابن نوفل وانما نفرتم لتمنعوه وماله فارجعوا فانه لا حاجة بكم فی ان تخرجوا ... فرجعوا فلم یشهدها زهری واحد ولم یکن بقی من قریش بطن الا نفر منهم ناس الا بنی عدی بن کعب لم یخرج منهم رجل واحد فرجعت بنو زهرة فلم یشهد بدرا من هاتین القبیلتین احد۔ تم لوگ تو صرف اس غرض سے آئے کہ اپنے قافلوں اپنے مردوں اور اپنے مالوں کو بچاؤ۔ اور خدا نے ان سب کو محفوظ کر دیا ہے تو اب مکہ کو واپس چلو۔ اس پر ابوجہل بولا خدا کی قسم ہم واپس نہیں جائیں گے بلکہ بدر پر پہونچ کر دم لیں گے۔ . . تو اخنس نے بنو زہرہ سے کہا اے بنی زہرہ خدا نے تمہارے مالوں کو بچا دیا۔ اور تمہارے صاحب مخرمہ بن نوفل کو بھی محفوظ کر دیا اور تم لوگ اسی لئے نکلے تھے کہ اس کو اور اس کے مال کو بچالو تو واپس چلو

کیونکہ اب تمہارے جانے کی ضرورت باقی نہیں رہی... غرض بنو زہرہ سب واپس گئے۔ اور ان کا کوئی شخص اس جنگ میں شریک نہیں ہوا اور قریش کی کوئی شاخ ایسی نہیں تھی جس کا کوئی ممبر اس میں نہ گیا ہو سوائے بنو عدی کے کہ اس کا کوئی شخص نہیں نکلا۔ اور بنو زہرہ سب واپس آئے۔ اس طرح ان دونوں قبیلوں (بنو عدی و بنو زہرہ) سے کوئی شخص بھی غزوۂ بدر میں شریک ہی نہیں ہوا (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۷۶)

اس کا نتیجہ واضح ہے کہ بنو عدی یا اس وجہ سے نہیں گئے کہ ان کا کوئی شخص شام کی طرف گیا ہی نہیں تھا۔ نہ ان کا کچھ مال وہاں سے واپس آتا تھا۔ یا اس وجہ سے نہیں گئے کہ ان کو جنگ سے کچھ بھی دلچسپی نہیں تھی۔

یہ تماشہ بھی قابل عبرت ہے کہ مولوی صاحب موصوف نے حضرت عمر کی سوانح عمری میں تو بنو عدی کے نہ جانے کی وجہ آپ کا رعب و داب قرار دی مگر حضرت رسول خدا صلعم کی سوانح عمری میں اس عبارت آرائی کی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ سچی بات لکھ دی۔ تحریر فرمایا "قریش کو بدر کے قریب پہونچکر معلوم ہوا کہ ابو سفیان کا قافلہ خطرہ کی زد سے نکل گیا ہے تو قبیلہ زہرہ اور عدی کے سرداروں نے کہا "اب لڑنا ضرور نہیں"۔ لیکن ابو جہل نے نہ مانا۔ زہرہ اور عدی کے لوگ واپس چلے گئے باقی فوج آگے بڑھی" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۲۳۲)

جس سے واضح ہو گیا کہ حضرت عمر کے قبیلہ کے شریک جنگ نہ ہونے کی وجہ حضرت ممدوح کا رعب و داب نہیں بلکہ یہ تھی کہ ان کا کوئی شخص یا کوئی مال وہاں تھا ہی نہیں جسکے بچانے کو یہ لوگ زحمت سفر اختیار کرتے۔ دوسرا امر کہ حضرت عمر کے ساتھ ان کے قبیلہ اور حلفاء کے بارہ آدمی شریک جنگ تھے تفصیل طلب ہے کہ ان لوگوں کی شرکت کس قسم کی تھی۔ صرف تماشہ بینی کے طور کی یا جہاد کے عنوان کی۔ تیسرا امر کہ آپ کا غلام مہجع غزوۂ بدر میں شہید ہوا بے شک قابل قدر ہے۔ علامہ ابن حجر نے ان کے بارے میں لکھا ہے اصلہ من عک فاصابہ سباء فمن علیہ عمر فاعتقہ مہجع اصل میں عک سے تھے۔ اتفاقاً کہیں قید ہو گئے تو حضرت عمر نے مہربانی کرکے ان کو آزاد کر دیا (اصابہ جلد ۲ صفحہ) اس سے واضح ہوا کہ یہ حضرت عمر کی غلامی میں نہیں رہے بلکہ صرف آپ کے ذریعہ سے آزاد کئے گئے۔ ان کی شہادت کے بارے میں مرقوم ہے کہ سب سے پہلے

نفقتل۔ کافروں نے مسلمانوں کی طرف تیر پھینکے ۔ ایک تیر مہجع کے لگ گیا جس سے وہ قتل ہو گئے (تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۸ و استیعاب جلد ۱ ص ۲۹۲) جس سے معلوم ہوا کہ وہ لڑتے ہوئے تلوار سے نہیں مرے بلکہ دور سے تیر آکر اُن کو لگ گیا اس سے شہادۃ واقع ہوئی تھا امر عاصی بن ہشام بن مغیرہ کا حضرت عمر کے ہاتھ سے مارا جانا یقیناً باعث فخر ہے ۔ مگر حیرت یہ ہے کہ مشہور مورخین سے کسی نے بھی اس امر کو نہیں لکھا کہ حضرت عمر نے اس غزوہ میں اپنے ماموں کو قتل کیا ۔ تاریخ طبری کو دیکھ جاؤ ۔ تاریخ کامل کو پڑھ جاؤ ۔ تاریخ ابو الفدا کو تلاش کر جاؤ ۔ ایک مورخ بھی تو ایسا نہیں ملتا جس نے حضرت ممدوح کا یہ کارنامہ ذکر کیا ہو ۔ کیوں سب خاموش رہے ؟ مولوی صاحب نے سیرۃ ابن ہشام کا حوالہ دیا ہے ۔ مگر اس کتاب کا مصنف بھی اس کا قائل نہیں ہے ۔ البتہ اس نے یہ روایت نقل کی ہے ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال لسعید بن العاص ومر بہ انی اراک کان فی نفسک شیئا اراک تظن انی قتلت اباک انی لو قتلتہ لم اعتذر الیک من قتلہ ولکنی قتلت خالی العاص بن ہشام بن المغیرۃ ۔ ایک دفعہ راہ میں حضرت عمر کو سعید بن عاص ملے تو ممدوح نے سعید سے کہا میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے دل میں میری طرف سے بغض بھرا ہوا ہے ۔ میرا خیال یہ ہے کہ تم گمان کرتے ہو میں ہی نے تمہارے باپ کو قتل کیا ہے اگر میں ان کو قتل کئے بھی ہوتا تو اسکی معذرت تم سے نہیں کرتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ میں نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا تھا (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۲۶) لیکن اس بیان میں حضرت عمر نے یہ نہیں بتایا کہ انھوں نے اپنے ماموں کو غزوۂ بدر میں قتل کیا یا اور کسی غزوہ میں ۔ یہ بھی نہیں کہا کہ مکہ معظمہ میں قتل کیا یا مدینہ منورہ یا بدر یا احد میں ۔ یہ بھی نہیں واضح کیا کہ زمانہ جاہلیۃ میں قتل کیا یا عہد اسلام میں ۔ دور رسالت مآبؐ میں یا اپنی خلافت میں ۔ یہ بھی نہیں ظاہر کیا کہ ان کے ماموں اُس وقت بچے تھے یا جوان یا بوڑھے قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ زمانہ جاہلیۃ کا ہے اسی وجہ سے کسی مورخ نے غزوۂ بدر کے ذکر میں یہ نہیں لکھا کہ حضرت عمر نے بھی اپنے ماموں کو قتل کیا ۔ ورنہ اُن لوگوں کو بھی یہ واقعہ جلی حرفوں سے لکھنے کا موقع مل جاتا ۔ اسکے بعد کے حالات میں مولوی صاحب ممدوح لکھتے ہیں " اس معرکہ میں مخالف کی فوج میں سے جو لوگ زندہ گرفتار ہوئے انکی تعداد

کم وبیش ۷۰ تھی اور ان میں سے اکثر قریش کے بڑے بڑے معزز سردار تھے ... اس بنا پر یہ بحث پیدا ہوئی کہ ان لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے۔ رسول اللہ نے تمام صحابہ سے رائے لی۔ اور لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ یہ اپنے ہی بھائی بند ہیں اس لئے ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمر نے اختلاف کیا اور کہا اسلام کے معاملہ میں رشتہ و قرابت کو دخل نہیں ان سب کو قتل کر دینا چاہیئے اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کر دے۔ علی عقیل کی گردن ماریں۔ حمزہ عباس کا سر اڑا دیں اور فلاں شخص جو میرا عزیز ہے اس کا کام میں تمام کر دوں۔ آنحضرتؐ نے شان رحمت کی اقتضاء سے حضرت ابوبکر کی رائے پسند کی اور فدیہ لیکر چھوڑ دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی ما کان لنبی ان یکون له اسریٰ حتی یثخن فی الارض کسی پیغمبر کے لئے یہ زیبا نہیں کہ اُسکے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ خوب خوں ریزی نہ کرلے" (الفاروق ص۲۲) ۔ مطلب یہ ہے کہ اس امر میں بھی خدا نے حضرت رسولخدا صلعم کی رائے اور فعل کو غلط اور حضرت عمر کے مشورہ کو حق قرار دیا۔ اب مورخین سے دریافت کرو کہ واقعہ کیا ہے۔ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کان رسول اللہؐ یشاور ابابکر وعمر وعلیا فی الاسارے فاشار ابوبکر بالفداء واشار عمر بالقتل قال رسول اللہؐ الی القتل فانزل اللہ تعالےٰ ما کان لنبی ان تکون له اسرے الخ۔ قیدیوں کے بارے میں حضرت رسولخدا صلعم حضرت ابوبکر و عمر و علیؑ سے مشورہ کر رہے تھے تو حضرت ابوبکر نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی اور حضرت عمر نے قتل کر دینے کی رائے دی۔ حضرت رسولخدا صلعم بھی قتل کر دینے ہی کی طرف مائل تھے تو خدا نے یہ آیت نازل کی (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ) ۔ یہ تو مولوی صاحب کی تحریر کے بالکل خلاف ہے جس سے معلوم ہوا کہ خود حضرت رسولخدا صلعم ان لوگوں کو قتل کر دینا چاہتے تھے اور اسی کی وحی بھی نازل ہوئی کہ ہاں اے رسول جو ان کو قتل کرنا چاہتے ہو یہی بہتر ہے کیونکہ کسی پیغمبر کے لئے یہ زیبا نہیں کہ اسکے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ خوب خوں ریزی نہ کرلے۔

حضرت رسولخدا صلعم نے تین رات میدان بدر میں اقامت فرماکر مال غنیمت لیتے

ہوئے مدینہ کی طرف مراجعت کی۔ راستہ میں مقام صفراء پر پہونچکر بدر کی غنیمت سے ایک خمس خدا اور رسولؐ کا الگ کرکے باقی مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ بعض کتابوں میں ہے کہ مال غنیمت سے ایک تلوار جسے ذوالفقار کہتے تھے اور جو منبہ بن حجاج کی ملک تھی آنحضرتؐ کے حصہ میں آئی۔ آنحضرتؐ نے وہ تلوار حضرت علیؓ کو عطا فرما دی (طبری جلد ۲ ص ۲۹۶)

سریہ سالم بن عمیر ۲۵ رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری میں آنحضرت صلعم نے ایک یہودی عورت عصماء بنت مروان کو قتل کرنے کے لیے ایک صحابی عمیر کو بھیجا۔ اس سریہ میں بھی حضرت عمرؓ کی کسی خدمت یا کسی قسم کی شرکت معلوم نہیں ہو سکی۔

غزوہ قرقرۃ الکدر عراق اور مکہ کی راہ میں مدینہ سے تین منزل کے فاصلہ پر ایک مقام قرقرۃ الکدر ہے۔ شوال سنہ ۲ھ میں مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ وہاں بنو سلیم و بنو غطفان فساد کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلعم اُدھر روانہ ہوئے۔ عَلَم حضرت علیؓ کو مرحمت ہوا۔ اس غزوہ میں بھی حضرت عمرؓ کی کسی خدمت کا پتا نہیں لگ سکا (تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۹۹)

غزوۂ بنی قینقاع مدینہ میں بنو خزرج کے یہودیوں کا ایک قبیلہ بنی قینقاع تھا جو مسلمانوں کی ترقی پر بہت جلتا تھا۔ انھوں نے مسلمانوں سے بے ادبیاں شروع کر دیں اور فساد پر آمادہ ہوئے۔ پہلے آنحضرت صلعم نے ان کو بہت سمجھایا اور نرمی سے اس قصہ کو فرو کرنا چاہا مگر وہ کسی طرح باز نہیں آئے۔ آخر لڑائی کی نوبت پہونچی۔ آنحضرتؐ ان کی طرف فوج کے ساتھ تشریف لے گئے تو وہ اپنے قلعہ میں پناہ گیر ہو گئے۔ اس غزوہ میں لشکر کے عَلَم بردار حضرتؐ کے چچا جناب حمزہ تھے۔ مگر حضرت عمرؓ کی کسی قسم کی شرکت یا خدمت کا پتا اس جنگ میں بھی نہ مل سکا (تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۹۰)

غزوۂ سویق غزوۂ بدر کی شکست اور کفار قریش کے مقتولین کا کفار مکہ کو نہایت صدمہ تھا۔ خصوصاً ابوسفیان نے تو قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ آنحضرت صلعم سے پھر نہیں لڑیگا اور اپنے اعزہ کے خون کا بدلہ نہیں لے لیگا نہ کوئی خوشبو سونگھیگا۔ نہ کسی عورت کو ہاتھ لگائیگا وہ پورا سامان جنگ کرکے ذی الحجہ سنہ ۲ھ میں آنحضرتؐ سے لڑنے کے لئے نکلا اور مقام عریض میں جو مدینہ سے ۳ میل کے فاصلہ پر واقع ہے انصار کے ایک شخص اور اسی کے مزدور کو قتل کرکے اور کھجور کے چند درختوں اور لوگوں میں آگ لگا کر اُس نے اپنی قسم پوری

کرلی ۔ اس واقعہ کی خبر آنحضرتؐ کو ہوئی تو ابوسفیان کے تعاقب میں تشریف لے گئے۔ ابوسفیان بھاگا اور جاتے ہوئے اپنی سواری کا بوجھ ہلکا کرنے کی غرض سے ستو کی بوریاں گراتا گیا ۔ اسی وجہ سے اس غزوہ کو غزوۂ سویق (ستو والا غزوہ) کہنے لگے ۔ اس غزوہ میں بھی حضرت عمر کی کسی مدد کسی خدمت یا کسی طرح کی شرکت کا پتا نہیں چل سکا (طبری جلد ۲ صفحہ ۲۹۹ وغیرہ)

قتل کعب بن اشرف کعب بن اشرف ایک یہودی شاعر بہت شریر اور مفسد شخص مدینہ کے قریب ایک اونچی جگہ پر قلعہ میں رہتا تھا ۔ وہ جنگ بدر کے بعد مکہ میں گیا ۔ اور قریش کو مسلمانوں سے بدلہ لینے پر ابھارنے لگا ۔ اس کے ساتھ رسول خدا کی ہجو اور مسلمان عورتوں کو فضیحت بھی کرتا تھا ۔ آنحضرتؐ نے اسکے فسادوں سے تنگ آ کر فرمایا کہ کعب ابن اشرف کی اذیتوں سے مجھے کون شخص نجات دیگا؟ اس حکم پر ۱۴ ربیع الاول ۳ھ ہجری کو بنی اوس سے ایک انصاری نے جا کر اس کو قتل کر دیا ۔ اس واقعہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں ملا (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲)

قتل ابو رافع ابو رافع یہودی بھی اسلام اور مسلمانوں کا سخت مخالف اور حضرت رسول خدا کا جانی دشمن تھا ۔ وہ بھی خیبر میں رہتا اور مشرکوں کی مدد کرتا ۔ آنحضرتؐ کے حکم پر عبد اللہ بن عتیک اور چند آدمی جمادی الاخرے ۳ھ میں گئے اور اس کو قتل کر دیا ۔ اس میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں ملا (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۶)

غزوۂ غطفان ربیع الاول ۳ھ ہجری میں آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ ذی امر کے کچھ یہودی مسلمانوں پر اچانک حملہ کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں ۔ آنحضرتؐ چار سو کی فوج لیکر وہاں پہونچے ۔ یہود پہاڑوں میں چھپ گئے ۔ چوتھے دن آنحضرتؐ ایک درخت کے نیچے اکیلے سوتے تھے کہ ایک یہودی دعثور نامی ہاتھ میں تلوار لیکر پہاڑ سے اُتر آیا اور آنحضرتؐ کے سر پر پہونچکر کہا "بتاؤ اب تمہیں کون بچائیگا؟" آنحضرتؐ نے کمال اطمینان سے فرمایا "اللہ تعالیٰ" اس جواب کا اُس پر ایسا اثر ہوا کہ اُس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی ۔ تب آنحضرتؐ نے وہی تلوار لے کر پوچھا اب بتاؤ تمہیں کون بچائیگا؟ اُس یہودی نے فوراً کہہ دیا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ اس غزوہ میں لڑائی نہیں ہوئی اور آنحضرتؐ

واپس تشریف لائے ۔ اس غزوہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں ملا (سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص۴۲۷ وغیرہ)

غزوۂ بنو سلیم جمادی الاولیٰ ۳ھ میں مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے بنو سلیم کے بہت لوگ جمع ہو گئے تھے ۔ آنحضرتؐ کو خبر ہو گئی تو تین سو کی فوج کے ساتھ اُدھر تشریف لے گئے مگر وہ لوگ منتشر ہو گئے اور جنگ کی نوبت نہیں آئی ۔ اس غزوہ میں بھی حضرت عمر کی کسی سرداری یا خدمت یا اعانت کا حال نہیں معلوم ہوتا (سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص۴۳۶ وغیرہ)

سریہ قردہ مکہ والوں کا ایک قافلہ قردہ کے راستے سے شام جاتا تھا ۔ ابو سفیان اور صفوان بھی اس میں تھے ۔ آنحضرتؐ کو معلوم ہوا تو زید بن حارثہ کو اس طرف روانہ کیا مگر لڑائی نہیں ہوئی ۔ قریش بھاگتے ہوئے بہت کثرت سے نقد اور جنس چھوڑ گئے ۔ اس سریہ میں بھی حضرت عمر کی سرداری یا کسی خدمت کا پتا نہیں مل سکا (تاریخ خمیس جلد ۱ ص۴۱۸ وغیرہ)

غزوۂ احد غزوۂ بدر میں کفار قریش کے نامی سردار چُن چُن کر مارے گئے ۔ قریش کو ماتم سے فرصت ملی تو انتقام کا جوش بڑھا ۔ ابو سفیان ۳ ہزار کی فوج لیکر شوال ۳ھ میں مدینہ پر چڑھ آیا ۔ آنحضرتؐ کو خبر ہوئی تو تقریباً سات سو کے ساتھ مقابلہ کو نکلے اور ایک پہاڑ احد کی گھاٹی میں جاکر اُترے ۔ مصعب بن عمیر کو علم دیا ۔ زبیر بن العوام کو رسالہ کا افسر مقرر کیا ۔ اور حضرت حمزہ کو اس حصہ فوج کی کمان دی جو زرہ پوش نہ تھا ۔ پشت کی طرف سے دشمن کے حملہ کا خوف تھا تو عبد اللہ بن جبیر کے ماتحت پچاس تیر اندازوں کا دستہ معین فرما کر حکم دیا کہ تم یہاں کسی حالت میں بھی نہ ہٹنا ۔ اور روایت یعنی بڑا علم حسب معمول حضرت علیؓ ہی کو ملا (تاریخ خمیس جلد ۱ ص۴۲۷) لڑائی شروع ہو کر مسلمانوں کی فتح ہونے لگی تو وہ لوٹ میں مصروف ہو گئے ۔ یہ دیکھکر عبد اللہ بن جبیر کے ساتھیوں کو لالچ ہوا ۔ وہ بھی درہ سے نکل کر لوٹنے لگے ۔ اس پر خالد بن ولید نے موقع پاکر پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا ۔ مسلمان بالکل دشمن کے حلقہ میں پڑ گئے فتح کی صورت شکست سے بدل گئی ۔ کفار نے مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کیا ۔ مصعب بن عمیر تک شہید ہو گئے ۔ آنحضرتؐ نے ان کا علم بھی حضرت علیؓ کے سپرد کیا ۔ حضرتؓ نے وہ علم بھی لیکر اور فوج میں گھس کر کفار کو قتل کرنا شروع کیا ۔ مورخین نے لکھا ہے لما قتل علی اصحاب الالویۃ ابصر رسول اللہ جماعۃ من مشرکی قریش ۔ فقال لعلی احمل علیھم ففرق جمعھم ... ثم ابصر رسول اللہ جماعۃ من مشرکی قریش فقال لعلی احمل علیھم

فحمل علیھم ففرق جماعتھم... فقال جبریل یا رسول اللہ ان ھذہ لامواساۃ فقال رسول اللہ انہ منی وانا منہ فقال جبریل وانا منکما قال فسمعوا صوتا سلاو سیف الا ذوالفقار ولا فتی الا علی۔ جب حضرت علی نے کافروں کے علم برداروں کو قتل کر دیا تو حضرت رسول خدا نے کفار قریش کی ایک جماعت کو دیکھکر حضرت علیؑ سے فرمایا ان پر حملہ کرو۔ حضرتؑ نے حملہ کر کے سب کو بھگا دیا۔ پھر آنحضرتؐ نے دوسری جماعت دیکھی تو وہی فرمایا حضرت علیؑ نے ان پر بھی حملہ کر کے ان سب کو متفرق کر دیا سلہ اس پر حضرت جبرئیلؑ نے

سلہ غالباً غزوۂ بدر میں آنحضرتؐ کو جو تجربہ ہوا اس وجہ سے آپ اس غزوہ میں بھی حضرت علیؑ ہی کو بار بار حملہ کرنے کے لئے بھیجتے رہے۔ مولوی شبلی صاحب تک نے لکھ دیا ہے کہ "آنحضرتؐ کے ارشاد کے مطابق انصار ہٹ آئے اور حضرت حمزہ۔ علیؑ۔ عبیدہ میدان میں آئے۔ چونکہ ان لوگوں کے چہروں پر نقاب تھی عتبہ نے پوچھا تم کون ہو؟ سب نے نام ونسب بتائے۔ عتبہ نے کہا ہاں اب ہمارا جوڑ ہے۔ عتبہ حضرت حمزہ سے اور ولید حضرت علیؑ سے مقابل ہوا اور دونوں مارے گئے لیکن عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہ کو زخمی کیا۔ حضرت علیؑ نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا۔ اور عبیدہ کو کندھے پر اٹھا کر رسول اللہؐ کی خدمت میں لائے" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۲۳۶) اور علامہ یحیٰی عامری نے لکھا ہے وکان لہ الاثر العظیم فی کل مشھد حتے لایعلم لاحد من الصحابۃ فی الشجاعۃ ومبالات الحرب ومالہ ہر جہاد اور ہر جنگ میں حضرت علیؑ کا ایسا اثر عظیم ثابت ہوا ہے کہ شجاعت اور بہادرانہ جنگ کے متعلق اُن کے برابر اصحاب رسولؐ میں سے کسی کا اثر معلوم نہیں ہوتا (الریاض المستطابہ صفحہ ۱۴۲)۔ خلیفہ مامون نے ایک بڑے عالم سے پوچھا تھا ھل تجد لاحد الادون ماتجد لعلی یوم بدر اخبرنی کم قتلے بدر قلت نیف وستون رجلا۔ قال فکم قتل علیؑ وحدہ قلت لاادری قال ثلاثۃ وعشرین والالاس بوت لسائر الناس جنگ بدر میں حضرت علیؑ کے جو کارنامے ہیں کیا اور صحابہ کی خدمات اُن سے بہت کم اور نہایت حقیر نہیں ہیں؟ بتاؤ اس میں کتنے کافر قتل کئے گئے؟ اُن عالم نے جواب دیا ساٹھ سے زیادہ۔ مامون نے پوچھا ان ساٹھ سے حضرت علیؑ نے کتنوں کو قتل کیا؟ اُن عالم نے کہا معلوم نہیں۔ مامون نے کہا ۲۳ کافروں کو صرف حضرت علیؑ نے اور باقی ۴۰ کو دوسرے

کہا اے رسولخدا یہ البتہ مساواۃ ہے! حضرتؐ نے فرمایا کیوں نہ ہو۔ علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔ جبرئیل نے کہا اور میں آپ دونوں سے ہوں۔ اُس وقت ہاتف غیبی کی آواز سنی گئی جو کہتا تھا ذوالفقار کے سوائے کوئی تلوار نہیں اور حضرت علیؑ کے سوائے کوئی بہادر جوان نہیں (تاریخ طبری جلد ۳ صـ۱۷ و تاریخ کامل جلد ۲ صـ۵۵ وغیرہ)۔ غرض مسلمانوں کی بُری حالت ہوگئی آنحضرتؐ کے دو اگلے دانت بھی شہید ہوگئے۔ بہت سے مسلمان بھاگ گئے۔ حضرت عمر کے متعلق کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی علَم یا رایتہ یا لواء آپ کو ملا ہو۔ یا کوئی خاص خدمت آپکے سپرد ہوئی ہو یا آپ کسی دستہ کے سردار بنائے گئے ہوں۔ یا کسی کافر کو قتل کیا یا جنگ کے متعلق کوئی مفید رائے دی ہو۔ البتہ وہاں سے بھاگنے والوں میں حضرت ممدوح کا نام بھی ہے۔ مگر مولوی شبلی صاحب نے اس سے انکار کی کوشش کی ہے۔ لکھتے ہیں "علامہ بلاذری معروف ایک مورخ ہیں جنہوں نے انساب الاشراف میں حضرت عمر کے حال میں لکھا ہے دکان ممن انکشف یوم احد فغفر لہ یعنی حضرت عمر اُن لوگوں میں تھے جو احد کے دن بھاگ گئے تھے لیکن خدا نے ان کو معاف کر دیا۔ علامہ بلاذری نے ایک اور روایت کی ہے جس کا یہ خلاصہ ہے کہ حضرت عمر نے جب اپنی خلافت کے زمانہ میں لوگوں کے روز ینے مقرر کئے تو ایک شخص کے روزینے کی نسبت لوگوں نے کہا کہ ان سے زیادہ مستحق آپ کے فرزند عبداللہ ہیں حضرت عمر نے فرمایا نہیں۔ کیونکہ اس کا باپ احد کی لڑائی میں ثابت قدم رہا تھا اور عبداللہ کا باپ (یعنی خود حضرت عمر) نہیں رہا تھا۔ لیکن یہ روایت قطع نظر اس کے کہ درایۃً غلط ہے کیونکہ معرکۂ جہاد سے بھاگنا ایک ایسا ننگ تھا جس کو کوئی شخص علانیہ تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ اصول روایت کے لحاظ سے بھی ہم اس پر اعتبار نہیں کر سکتے۔ علامۂ موصوف نے جن رواۃ کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے اُن میں عباس بن عبداللہ الباکسائے اور فرص بن اسحاق ہیں اور یہ دونوں مجہول الحال ہیں۔ اس کے علاوہ اور تمام روایتیں اسکے خلاف ہیں (الفاروق جلد ۱ صـ۴۲)۔ جناب مولوی شبلی صاحب کی ذات بھی مجموعۂ عجائب و غرائب ہے۔ ایک صفحہ میں جو بات لکھتے دوسرے ہی صفحہ میں اس کے خلاف تحریر فرما کر لوگوں کو حیرانی و پریشانی میں

(بقیہ حاشیہ صـ۲) صحابہ نے نقل کیا (عقد فرید جلد ۳ صـ۳۴) ۱۲ منہ

جتلا کردیتے تھے۔ یہاں تو یہ لکھ گئے کہ "معرکۂ جہاد سے بھاگنا ایک ایسا ننگ تھا جس کو کوئی شخص علانیہ تسلیم نہیں کرسکتا تھا" حالانکہ اس کے چند ہی سطر بن اد پراسی غزوۂ احد سے بھاگنے والے صحابہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھ چکے ہیں "جب آنحضرتؐ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو کچھ لوگ تو ایسے سراسیمہ ہوئے کہ انھوں نے مدینہ سے اِدھر دم نہیں لیا۔ کچھ لوگ جان پر کھیل کر لڑتے رہے کہ رسولؐ اللہ کے بعد جینا بیکار ہے۔ بعضوں نے مایوس ہوکر سپر ڈال دی کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ ہے" (الفاروق صفحہ ۱۵)۔ مولوی صاحب سے کون پوچھے کہ جب "جہاد سے بھاگنا ایک ایسا ننگ تھا جس کو کوئی شخص علانیہ تسلیم نہیں کرسکتا تھا" تو اُن صحابہ کرام نے اس ننگ کو کیوں تسلیم کرلیا جن کے بارے میں آپ خود لکھ چکے ہیں "ایسے سراسیمہ ہوئے کہ انھوں نے مدینہ سے اوہر دم نہیں لیا"؟ رہا روایۃ پر اعتراض تو آپ نے اوس کو قطع و برید کرکے کیوں نقل کیا۔ پوری روایت علامہ بلاذری کی لکھتے تب کتب رجال سے آپ کو بتا دیا جاتا کہ عباس بن عبدالصمد سے وہ روایت کیوں لی گئی اور عیض ابن اسحاق سے کیوں ذکر کی گئی اور کس طرح وہ دونوں معروف الحال ہیں۔ بجائے پوری روایت لکھنے کے آپ نے اُس کا صرف آخری ٹکڑا وکان ممن انکشف یوم احد نقل کردیا تو آپ کو اس روایت کی قوت وصحت کیونکر بتائی جائے؟ اب مورخین ومحدثین کے بیانات سنو۔ وفر اصحاب النبیؐ وصعدوا الجبل۔ حضرتؐ کے اصحاب بھاگ گئے اور پہاڑ پر چڑھ گئے (طبری جلد ۲ صفحہ ۲۹۵) وتفرق عنہ اصحابہ ودخل بعضہم المدینۃ وانطلق بعضہم فوق الجبل الی الصخرۃ فقاموا علیہا وجعل رسول اللہ یدعو الناس الی عباد اللہ الی عباد اللہ حضرت رسولخدا صلعم کے پاس آپ کے اکثر صحابہ بھاگ گئے۔ ان میں سے بعض تو مدینہ پہونچ گئے اور بعض پہاڑ پر چڑھ گئے اور وہاں جاکر کھڑے ہوگئے۔ اس وقت حضرتؐ اُن لوگوں کو پکارتے تھے کہ اے بندگانِ خدا! میری طرف آؤ۔ اے اللہ کے بندو! میرے پاس پہونچو (طبری جلد ۳ صفحہ ۲۰) اور خاص کر حضرت عمر وغیرہ کے متعلق ہے انتھی انس بن النضر عم انس بن مالک الی عمر بن الخطاب وطلحۃ بن عبید اللہ فی رجال من المھاجرین والانصار وقد القوا بایدیہم فقال ما یجلسکم قالوا قتل محمد رسول اللہ۔ قال فما

تصنعون بالحیاۃ بعدہ قوموا فموتوا۔ انس بن مالک کے چچا انس بن نضر حضرت عمر و طلحہ وغیرہ مہاجرین و انصار کے پاس آئے تو دیکھا کہ سب ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھے ہیں۔ پوچھا کیوں بیٹھے ہو؟ کہا محمدؐ تو قتل کر دیئے گئے۔ کہا پھر حضرتؐ کے بعد رہ کر کیا کرو گے؟ اٹھو اور تم بھی مر جاؤ (طبری جلد ۳ صہ ۱۹)۔ اور حضرت ابو بکر فرماتے تھے لما کان یوم احد انصرف الناس کلھم عن رسول اللہ فکنت اول من فاء جب غزوۂ احد میں ہم صحابہ حضرت رسولؐ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تو سب سے پہلے میں ہی پلٹ کر آیا (تاریخ الخلفاء صہ ۲۵ و تاریخ خمیس جلد ۱ صہ ۴۸۵ وغیرہ) وجرحوا ابا بکر و عمر وانھزم عثمان کفار نے حضرت ابو بکر و عمر کو زخمی کیا اور حضرت عثمان بھاگ گئے (تاریخ خمیس جلد ۱ صہ ۴۸۲)۔ خطب عمر یوم الجمعۃ فقرأ آل عمران وکان یعجبہ اذا خطب ان یقرأھا۔ فلما انتھیٰ الی قولہ ان الذین تولوا منکم الآیۃ قال لما کان یوم احد ھزمنا ففررت حتے صعدت الجبل فلقد رأیتنی انزو کانی اروی حضرت عمر نے جمعہ کو خطبہ میں سورہ آل عمران پڑھی جب آیۃ ان الذین تولوا منکم (تم سے جو لوگ بھاگ گئے) پر پہونچے تو کہنے لگے غزوۂ احد میں ہم لوگوں نے ہزیمت اوٹھائی تو میں نے فرار اختیار کیا یہاں تک کہ پہاڑ پر چڑھ گیا۔ وہاں میں نے اپنے کو دیکھا کہ اس طرح اُچکتا پھرتا تھا۔ گویا میں بُزِ کوہی ہوں۔ (تفسیر در منثور جلد ۲ صہ ۸۹ و تفسیر طبری جلد ۴ صہ ۹۰ و کنز العمال جلد ۱ صہ ۲۳۸ وغیرہ) [1]

---

[1] اور حضرت علیؑ کی حالت یہ لکھی ہے چون مسلمانان روے بہ ہزیمت آوردہ حضرت رسولؐ را تنہا گزاشتند حضرت در غضب آمد و عرق از پیشانی ہمایونش متقاطر گشت۔ در آں حالت نظر کرد علیؑ را کہ بر پہلوے مبارکش ایستادہ است۔ فرمود چون است کہ تو بہ برادران خود ملحق نہ گشتی۔ علیؑ گفت اکفر بعد الایمان ان لی بک اسوۃ آیا کافر شوم بعد از ایمان بدرستی کہ مرا بتو اقتدا است ... فرمود اے علیؑ مرا ازیں جمع نگاہ دار و حق خدمت و نصرت بجا آر کہ وقت نصرت است علیؑ مرتضیٰ متوجہ آں قوم شد و دمار از روزگار شان بر آورد و ایشان را متفرق گردانید ... چون علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ایں مردانگی کرد و نصرت داد جبرئیل با آنحضرت فرمود کہ ایں کمال مواسات و جوانمردی است کہ علیؑ با تو می بر د آنحضرتؐ فرمود انہ منی وانا منہ کنایۃ است

اور علامہ رازی نے لکھا ہے وذکر ان ثمانیۃ من ھولاء کانوا بایعوہ یومئذ علی الموت ثلثۃ من المھاجرین علی وطلحۃ والزبیر وخمسۃ من الانصار ابو دجانۃ والحارث بن الصمۃ وخباب بن المنذر وعاصم بن ثابت وسھل بن حنیف - لوگوں نے بیان کیا ہے کہ آٹھ شخصوں نے حضرت رسولؐ سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ مرتے وقت تک حضرتؐ کا ساتھ نہیں چھوڑینگے - تین مہاجرین سے علیؑ وطلحہ وزبیر اور پانچ انصار سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰)

از کمال اتحاد و اخلاص و یگانگی ... ظاہر اقصہ نادعلیا مظھر العجائب ہم دریں معاملہ و معارکہ واقع شدہ است ... بالجملہ وے رضؓ حق مبارزت و محاربت وجلادت و شجاعت بجا آورد کہ فوق آں تصور نہ تواں کرد ... علیؑ مرتضیٰ فرمود در روز احد شانزدہ ضربۃ بمن رسید کہ در چہار ضربۃ از اں بر زمین افتادم و ہر بار کہ می افتادم مردے خوبروے خوشبو بازو مرا می گرفت و مرا برپا کردہ می گفت متوجہ کافراں شو کہ تو در طاعت خدا و رسولؐ اوی و ایشاں ہر دو از تو راضی اند - بعد از فراغ جنگ آں واقعہ را بحضرت رسالت عرض کردم - آں سرور فرمود کہ تو او را می شناسی گفتم نے اما بدحیۂ کلبی می آنست فرمود اے علیؑ خداے تعالے چشم ترا روشن کناد آں جبرئیل بود - جب مسلمانوں نے بھاگنے کی راہ اختیار کرلی اور حضرت رسولؐ کو اکیلا چھوڑ کر چل دیئے تو حضرتؐ اس درجہ غضبناک ہوئے کہ پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگا - اس حالت میں حضرت علیؑ کو دیکھا کہ آپ کے بغل میں کھڑے ہیں فرمایا اے علیؑ تم کیوں نہ بھاگ گئے؟ عرض کی یا حضرتؐ کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا؟ مجھے تو صرف حضور سے مطلب ہے - اپنے یاروں اور بھائیوں سے جو مال غنیمت کے پیچھے چلتے بنے اور بھاگ کھڑے ہوئے مجھے کیا غرض - اس حالت میں کافروں کی ایک جماعت آنحضرتؐ کی طرف بڑھی تو حضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ مجھ کو اس جتھے سے بچاؤ اور خدمت و مدد کا جو حق ہے بجا لاؤ کہ مدد کا وقت ہے - حضرت علی مرتضیٰ اس قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور ان لوگوں پر قتل و ہلاکت کی بوچھار کرنے لگے یہاں تک ان سب کو بھگا دیا اور بہت بڑی جماعت کو دوزخ میں پہونچا دیا - اور وارد ہوا ہے کہ اس روز فرشتے بھی حاضر تھے - حضرت جبرئیل و میکائیل دو مردوں کی صورت میں حضرت کے

ابو دجانہ وحارث بن صمہ وخباب بن المنذر وعاصم وسہل (تفسیر کبیر جلد ۳ ص۱۰۱) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر اُن لوگوں میں بھی نہیں تھے جنہوں نے لڑائی شروع ہونے کے قبل آنحضرتؐ کے ہاتھ پر بیعت کر کے کہہ دیا تھا کہ جان جائے تو جائے مگر حضور کا ساتھ میں نہیں چھوڑ سکتا یعنی کہنا آسان ہوتا ہے اور کرنا بہت مشکل لیکن حضرت عمر نے زبان ہلانے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی اور قول سے بھی حضرتؐ کی حمایت کی ہمت نہیں فرمائی۔

(بقیہ حاشیہ ص۳۱)

داہنے بائیں کھڑے حفاظت کرتے اور کافروں سے لڑتے تھے … جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ بہادری انجام دی اور ایسی اعلےٰ درجہ کی مدد کی تو جناب جبرئیلؑ نے آنحضرتؐ سے کہا کہ یہ نہایت اعلےٰ درجہ کی مواساۃ اور جواں مردی ہے۔ جو حضرت علیؑ اس وقت آپ کی خدمت میں کر رہے ہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا کیوں نہ ہو وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ یہ جملہ آنحضرتؐ اور حضرت علیؑ کے درمیان کمال درجہ اتحاد۔ اخلاص اور یگانگی کی طرف اشارہ تھا۔ اور آنحضرتؐ کو جو خدا نے حکم دیا کہ ناد علیا مظہر العجائب (علیؑ کو پکارو جو عجائب و غرائب کے ظاہر کرنے والے ہیں) وہ غالباً اسی جنگ کا واقعہ ہے۔ مختصر یہ کہ حضرت علیؑ نے جہاد۔ مقابلہ۔ بہادری اور شجاعت کی وہ مثال قائم کر دی جس سے زیادہ کا تصور محال ہے۔ سعد کہتے تھے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو میں نے سنا فرماتے تھے کہ جنگ احد میں مجھ پر سولہ وار پڑے جن سے چار ایسے تھے کہ میں ان سے زمین پر گر پڑتا تھا اور ہر مرتبہ جب گرتا تھا تو ایک خوبصورت خوشبودار شخص میرا بازو پکڑ کر مجھے کھڑا کر دیتا اور کہتا کہ کافروں کی طرف بڑھو کہ تم اس وقت خدا اور رسولؐ کی اطاعت میں مشغول ہو اور دونوں (خدا اور رسولؐ) تم سے راضی ہیں۔ جب جنگ سے فراغت ہو گئی تو حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ سے اس واقعہ کو ذکر کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ تم اس شخص کو پہچانتے ہو؟ حضرت علیؑ نے کہا نہیں لیکن دحیہ کلبی سی صورت ملتی تھی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ خدا تمہاری آنکھ کو روشن رکھے وہ جناب جبرئیل تھے (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص۱۵۳) اور علامہ دیار بکری نے لکھا ہے وعلی ابن ابی طالب مع انہ مجروح مکسوۃ الیہ حل علیٰ اکلفا سوفہزمہم فجاء جبرئیل

اور فارسی کی معتبر تاریخ حبیب السیر میں ہے "و در بعضے از روایات آمدہ است کہ نوبتے زید بن وہب از عبداللہ بن مسعود پرسید کہ چنیں شنیدہ ام کہ در روز احد بغیر علی و ابودجانہ و سہل بن حنیف در خدمت حضرت رسالت ہیچ کس نماندہ بود۔ ایں خبر مطابق واقع ست یا نہ۔ جواب داد کہ در اوائل حال کہ سپاہ اسلام روے بوادی انہزام نہا دند بجز امیرالمومنین علی احدے در احد نزد آں حضرتؐ نماند۔ بعد از ساعتے عاصم بن ثابت و ابودجانہ و سہل بن حنیف و طلحہ بن عبداللہ بملازمت خیر البشر شتافتہ کمر محاربہ برمیان بستند زید باز پرسید کہ ابوبکر و عمر کجا بودند۔ گفت ایشاں حاضر نہ بودند۔ چوں از حال عثمان بن عفان استفسار نمود گفت او نیز بطرفے شتافتہ بود۔ بعض روایتوں میں وارد ہوا ہے کہ ایک دفعہ زید بن وہب نے عبداللہ بن مسعود سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے غزوۂ احد میں حضرت علیؑ و ابودجانہ اور سہل بن حنیف کے سوا سے حضرت رسولخدا کی خدمت میں کوئی بھی باقی نہیں رہا (سب بھاگ گئے تھے) یہ بات واقعہ کے مطابق اور سچی ہے یا نہیں؟۔ انھوں نے جواب دیا کہ اول اول جب سپاہ اسلام بھاگی ہے تو حضرت امیرالمومنین علیؑ کے سوا کوئی بھی حضرت رسولؐ کے پاس نہیں تھا۔ البتہ ایک ساعت کے بعد عاصم بن ثابت۔ ابودجانہ۔ سہل بن حنیف اور طلحہ بن عبداللہ حضرت خیرالبشر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور لڑنے پر آمادگی ظاہر کی۔ زید نے پھر پوچھا ابوبکر و عمر کہاں تھے؟ جواب دیا یہ: دونوں صاحب بھی غائب ہوگئے تھے۔ اور جب حضرت عثمان کا حال پوچھا تو کہا یہ بھی کسی طرف کو روانہ ہوگئے تھے (تاریخ حبیب السیر جزو ۳ صا۱۲) اگر کوئی ضرورت ہوتی تو اور بکثرت روایتیں اسی مضمون کی دوسری کتابوں سے نقل کی جاتیں مگر جو اوپر مذکور ہوئیں تحقیق امر کے لئے کافی ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صہ۳۲)

وقال یا محمد من ذا الذی بارز الکفار آنفا فان اللہ باھی بہ الملئکۃ قال ھو علیؑ حضرت علیؑ با وصف اس کے کہ آپ کا ہاتھ ٹوٹ گیا تھا اور آپ زخمی ہوگئے تھے آپ نے کفار پر حملہ کرکے ان سب کو شکست دے دی۔ اس وقت جبرئیل امین نے نازل ہوکر رسولؐ سے پوچھا یہ کون ہے ابھی کفار سے جنگ کر رہا ہے جس کی وجہ سے خدا ملائکہ پر فخر و مباہات کر رہا ہے آنحضرت نے فرمایا وہ علیؑ تھے (تاریخ خمیس جلد ا صہ۴۳۶)

ایک مشکل مسئلے کی تحقیق (ایمان حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ میں کلام) بعض مسلمانوں کے خیال میں غزوہ احد نے ایسی صورت پیدا کردی ہے جس سے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے ایمان کے متعلق ان لوگوں کو کلام کرنے کا پورا موقع پیدا ہوگیا ہے۔ وہ مسلمان کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؑ سے حضرت رسولخداؐ نے پوچھا کہ تم بھی کیوں نہیں بھاگ گئے تو حضرت علیؑ نے اس کا جواب دیا کہ اأکفر بعد الایمان۔ کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا جس سے واضح ہوتا ہے کہ غزوۂ احد سے خاص کر یا کل غزوات سے عام طور پر فرار کر جانے کی وجہ سے انسان کفر کی زد میں آجاتا تھا۔ یعنی حضرت علیؑ کا یہ خیال تھا کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد غزوہ سے فرار ہوگیا وہ کافر ہوگیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرتؑ اپنے بارے میں کیوں فرماتے کہ کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا۔ یہاں تو کفر و ایمان کی بحث ہی نہیں تھی نہ اس کا ذکر تھا بلکہ صرف جنگ سے بھاگ جانے کے متعلق حضرت رسولخداصلعم نے دریافت کیا کہ اے علیؑ تم کیوں نہیں بھاگے؟ حضرتؑ جواب دے دیتے کہ میں لڑوں گا۔ جہاد کرونگا جان دونگا۔ منہ نہیں پھیرونگا۔ مگر بجائے ان کل باتوں کے حضرتؑ نے کہا کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا۔ اس سے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کے خیال میں اس وقت بھاگ جانے کی وجہ سے ایمان والے کفر کی صفت سے متصف ہو جاتے تھے۔ اگر حضرت علیؑ کا یہ خیال غلط ہوتا تو حضرت رسولخدا کا فرض تھا کہ اسکی اصلاح کر دیتے اور فرما دیتے علی! تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا تم بھاگ جاتے تو کافر ہو جاتے؟ یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ اس وقت فرار کر جانے سے تم کافر ہو جاؤ گے؟ کیا دوسرے صحابہ جو بھاگ گئے وہ بھی کافر ہوگئے؟ پھر تم نے یہ رائے کیوں قائم کی؟ لیکن آنحضرتؐ نے نہ حضرت علیؑ کے اس خیال کو غلط کہا۔ نہ اس کی رد کی۔ نہ یہ فرمایا کہ نہیں تم کافر نہیں ہوتے بلکہ اس کو تسلیم فرما لیا جس سے واضح ہوگیا کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے اس خیال کی تصویب کی (اس کو درست سمجھا) پھر حضرت ابوبکر و عمر کا ایمان کیسے باقی رہا۔ اس خیال کے بعض مسلمان کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی یہ رائے کہ حضرت رسولخداؐ کو جنگ میں چھوڑ کر بھاگ جانے سے انسان کافر ہو جاتا ہے غلط نہیں تھی یا وہ نہ حضرتؑ کی ایجاد کردہ تھی بلکہ قرآن سے مستنبط تھی۔ کیونکہ اس میں خدائے کریم نے صاف فرما دیا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ یعنی مومن

تو بس وہی ہیں جو اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لاتے ہیں اور جب کسی ایسی بات کے لیئے جس میں لوگوں کے جمع رہنے کی ضرورت ہے پیغمبرؐ کے پاس ہوتے ہیں تو جب تک پیغمبرؐ سے اجازت نہ لیں نہیں جاتے۔ اے رسولؐ جو لوگ تم سے اجازت لے لیتے ہیں حقیقت میں وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لائے ہیں (پ ۱۸ رکوع ۱۵ سورہ نور آیت ۶۲)۔ اس آیۃ کو خدا نے لفظ انما سے شروع کیا ہے جو حصر کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ خدا فرماتا ہے مومنین صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لانے کے بعد جب اوس رسولؐ کے ساتھ کسی ایسے کام میں ہوں جس میں لوگوں کے جمع رہنے کی ضرورت ہے تو بغیر پیغمبرؐ سے اجازت لیئے نہ جائیں۔ کہ اگر بغیر اجازت حاصل کئے ہوئے چلے جائیں گے تو وہ مومن نہیں اور یہ واضح ہے کہ جہاد ایسا کام تھا جس میں مسلمانوں کے جمع رہنے کی ضرورت تھی۔ تو جو لوگ جہاد میں حضرت رسولخدا کے ساتھ گئے اور حضرتؐ سے اجازت لے کر وہاں سے ہٹے یا اپنے گھر چلے آئے۔ یا اور کسی جگہ چلے گئے۔ وہ تو یقیناً قول خدا کے مطابق مومنین ہیں۔ لیکن جو صحابہ حضرتؐ کے ساتھ جہاد میں گئے مگر بغیر آنحضرتؐ سے اجازت لئے بھاگ گئے۔ یا چلے آئے۔ یا کسی اور جگہ روانہ ہو گئے۔ وہ اس آیت کے مطابق مومنین سے خارج ہیں۔ یہ ایسا صاف مطلب ہے جس میں کوئی شک وشبہ ہو ہی نہیں سکتا۔ نہ اس آیۃ میں کوئی لفظ ایسا ہے جس میں لغت کی بحث ضروری ہو۔ نہ کسی تفسیر کی احتیاج ہے۔ لیکن مزید اطمینان وتشفی کے لئے معتبر ترین کتب تفسیر سے چند عبارتیں بھی پیش کردی جاتی ہیں۔ علامہ سیوطی نے لکھا ہے عن مجاھد فی قولہ واذا کانوا معہ علے امر جامع لم یذھبوا حتے یستاذنوہ قال ذلک فی الغزو والجمعۃ۔ مجاہد سے روایت ہے کہ خدا کے اس قول اذا کانوا معہ علے امر جامع کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ لوگ حضرت رسولؐ کے ساتھ جہاد اور نماز جمعہ میں ہوں۔ عن مکحول فی قولہ واذا کانوا معہ علے امر جامع قال اذا جمعھم لامر حزبھم من الحرب ونحوہ لم یذھبوا حتے یستاذنوہ۔ یعنی مکحول سے روایت ہے کہ خدا کے قول واذا کانوا معہ علے امر جامع کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر جب ان لوگوں کو لڑائی وغیرہ کے لئے جمع کریں تو بغیر حضرتؐ کی اجازت کے نہ جائیں (تفسیر در منثور جلد ۵ صفحہ ۶۱)۔ علامہ رازی بھی امر جامع کی تفسیر میں جہاد وغیرہ ہی لکھتے ہیں عن مجاھد فی الحرب ونحوہ یعنی مجاہد سے روایت ہے کہ امر جامع سے مراد جہاد وغیرہ ہے (تفسیر کبیر جلد ۶ ۴۲۹)

اور علامہ خازن لکھتے ہیں علی امر جامع ای یجمعھم من حرب او صلوٰۃ حضرت او جمعۃ او عید او جماعۃ او تشاور فی امر نزل یعنی امر جامع سے وہ کام مراد ہے جو لوگوں کو اکٹھے کرے جیسے جہاد۔ یا نماز۔ یا جمعہ۔ یا عید یا جماعۃ یا مشورہ کسی امر کے بارے میں جو نازل ہو جائے (تفسیر خازن جلد ۳ صفحہ ۳۴۴)۔ اور علامہ زمخشری لکھتے ہیں والامر الجامع الذی یجمع لہ الناس فوصف الامر بالجمع علی سبیل المجاز و ذلک نحو مقاتلۃ عدو یعنی امر جامع سے وہ امر مراد ہے جو لوگوں کو جمع کرے۔ تو امر کی صفت جمع لانا بطور مجاز کے ہے اور یہ جمع کرنے والا امر جیسے دشمن سے لڑنا یا کسی مہم بات میں مشورہ کرنا ہے (تفسیر کشاف جلد ۲ صفحہ ۳۱۹) اور مولانا وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے "اور جب کسی جمع ہونے کے کام میں جیسے جمعہ یا جماعۃ یا صلاح یا مشورہ یا جہاد وغیرہ پیغمبرؐ کے ساتھ ہوتے ہیں، تو جب تک اس سے اجازت نہ لیں وہاں سے اٹھکر نہیں جاتے" (تفسیر وحیدی صفحہ ۴۶۷)۔ غرض جس تفسیر کو لیجئے سب میں امر جامع سے مراد زیادہ تر جہاد ہی ہے۔ اور ایک مفسر بھی ایسا نہیں ہے جس نے امر جامع سے جہاد کو مراد نہ لیا ہو۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ جہادوں سے جب خلفاء ثلثہ بھاگ بھاگ گئے اور بغیر حضرت رسولخدا صلعم کی اجازت لئے میدان جنگ چھوڑ دیا تو وہ مومن کیسے کہے جا سکتے ہیں؟ کیا اُن لوگوں کو مسلمان یا مومن کہنا خدا کو جھٹلانا اور قرآن مجید کی مخالفت کرنا نہیں ہے؟ عہد رسولؐ میں خلفاء ثلثہ کے جہادوں سے بھاگنے کے واقعات نہایت کثرت سے بلکہ حد تواتر تک پہونچے ہوئے ہیں خصوصاً غزوۂ احد۔ غزوۂ حنین وغیرہ تو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ یہ حضرات بھاگ گئے اور غزوات سے بھاگ جانا آیۃ مذکورہ کے مطابق انسان کو ایمان سے خارج کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غزوۂ احد میں حضرت علیؑ نے بھی آنحضرتؐ سے عرض کی تھی کہ کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا۔ اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر و عثمان کے غزوات رسولؐ سے بغیر اجازت رسولؐ چلے جانے کے واقعات مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۴۹۔ تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۴۸۲۔ تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۱۔ منہاج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۶۲۔ تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۸۶۔ کنزالعمال جلد ۱ صفحہ ۲۳۸ وغیرہ میں تفصیل سے مرقوم ہیں جن سے کسی شخص کو انکار نہیں ہو سکتا پس جب یہ حضرات حضرت رسولخداؐ کو امر جامع سے چھوڑ کر بغیر آنحضرتؐ کی اجازت کے چلے جاتے تھے تو مومن کیسے کہے جا سکتے ہیں؟ اور جب اس استدلال کے مطابق وہ مسلمان تک نہیں کہے جا سکتے تو حضرت

امر جامع سے مراد جہاد ہے

رسولخداؐ کے خلیفہ کس طرح سمجھے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ خلافت رسولؐ کے لئے تو اس کا مسلمان ہونا ضروری اور پہلی شرط ہونی چاہیئے۔

غزوہ حمراء الاسد غزوۂ احد کے بعد جب آنحضرتؐ مدینہ میں تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ کفار مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضرتؐ نے اُسی زخمی بدن پر ہتھیار لگائے اور صرف انہیں اصحاب کو لے کر جو غزوۂ احد میں ناکام رہے تھے مدینہ سے روانہ ہوگئے۔ علمؐ پھر حضرت علیؑ ہی کو دیا۔ مقام حمراء الاسد میں تین دن قیام کیا۔ کفار حضرتؐ کی خبر سن کر مکہ واپس گئے۔ اس غزوہ میں بھی حضرت عمر کی کسی جان نثاری کا پتا نہیں ہے (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۶۲ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۸ وغیرہ)

سریہ ابوسلمہ آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا کہ بنو اسد مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضرتؐ نے محرم ۴ھ ہجری میں ابوسلمہ کو ۱۵۰ آدمیوں کے ساتھ ان کی طرف روانہ کیا۔ ابوسلمہ بنو اسد پر حملہ آور ہوئے اور ان کو بھگا دیا۔ اس سریہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا حال نہیں معلوم ہو سکا (طبقات ابن سعد صفحہ ۳۵)

سریہ عبداللہ بن انیس محرم ۴ھ ہجری میں سفیان بن خالد نے مدینہ پر حملہ کا قصد کیا اس کے مقابلہ پر حضرتؐ نے عبداللہ بن انیس کو بھیجا جنہوں نے لطائف الحیل سے سفیان کو قتل کیا۔ اس سریہ میں بھی حضرت عمر کی کوئی خدمت نہیں معلوم ہوئی (طبقات ابن سعد صفحہ ۳۵)

واقعہ رجیع حضرت رسولخداؐ کے پاس قبیلہ عضل اور قارہ سے کچھ لوگوں نے آکر کہا کہ ہماری قوم کی ہدایت کے لئے کسی شخص کو بھیج دیجئے۔ حضرتؐ نے عاصم بن ثابت کے ساتھ نو آدمی بھیج دیئے۔ یہ لوگ مقام رجیع پر پہونچے تو کفار نے بدعہدی کرکے ان کو قتل کرنا چاہا آخر مسلمانوں کو اُن سے لڑنا پڑا۔ اس واقعہ میں بھی حضرت عمر کی کسی شرکت کا پتا نہیں ملا۔ (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۳۰)

واقعہ بیر معونہ صفر ۴ھ ہجری میں ابو براء کلابی نے آکر آنحضرتؐ سے عرض کی کہ کچھ لوگوں کو میرے ساتھ کر دیجئے کہ میری قوم کو اسلام کی دعوت دیں۔ حضرتؐ نے ستر انصار ساتھ کر دیئے۔ ان لوگوں نے بیر معونہ پر قیام کیا اور حرام بن ملحان کو آنحضرتؐ کا خط دیکر عامر بن طفیل سردار قبیلہ کے پاس بھیجا۔ عامر نے حرام کو قتل کر دیا۔ پھر بڑا لشکر آیا اور کل صحابہ کو قتل کر دیا۔ اس واقعہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا ذکر نہیں ملتا (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۳۳)

غزوۂ بنو نضیر عمرو بن امیہ نے قبیلہ عامر کے دو آدمی جو قتل کر دیئے تھے اور اُن کا خونبہا اب تک واجب الادا تھا اس کے مطالبہ کے لیے آنحضرتؐ کچھ اصحاب کے ساتھ بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ انھوں نے مطالبہ قبول کیا لیکن در پردہ یہ سازش کی کہ ایک شخص چپکے سے کوٹھے پر چڑھ کر آنحضرتؐ پر پتھر گرا دے۔ حضرتؐ کو اس کی خبر ہو گئی فوراً واپس آئے۔ اس غزوہ میں حضرت عمر کا صرف جانا معلوم ہوتا ہے لیکن آپ کے علم لمنا یا آپکا کوئی کام کرنا نہیں معلوم ہو سکا طبری جلد ۳ صفحہ

غزوۂ ذات الرقاع یہ مقام غطفان علاقہ نجد میں واقع ہے۔ قبیلہ انمار و ثعلبہ نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو آنحضرتؐ جمادی الاولےٰ سنہ ہجری میں کئی سو صحابہ کے ساتھ نکلے اور ذات الرقاع تک تشریف لے گئے لیکن وہ سب بھاگ گئے۔ اس غزوہ میں حضرت عمر کی کسی خدمت کا ذکر نہیں ملتا (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۳۹)

غزوۂ بدر ثانی جنگ احد کی واپسی کے بعد ابو سفیان کہتا گیا تھا کہ آئندہ سال پھر آئینگے اسی وعدہ کو پورا کرنے کے لئے اس نے ایک شخص کو اس غرض سے مدینہ بھیجا کہ اجنبی بن کر کفار قریش کے سامان سے مسلمانوں کو ڈرا دے۔ اس نے آکر مدینہ میں مسلمانوں کو ڈرایا تو آنحضرتؐ ڈیڑھ ہزار کی جمیعت سے بدر تک آئے مگر کفار قریش نہیں آئے تو لڑائی بھی نہیں ہوئی۔ اس غزوہ کے علم بردار بھی حضرت علیؓ تھے اور حضرت عمر کی کسی خدمت کا ذکر اس غزوہ میں بھی نہیں ملتا (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۴۲)

غزوہ دومۃ الجندل آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ دومۃ الجندل کے سردار اکیدر بن عبد الملک نصرانی نے کچھ لوگوں کو جمع کیا جو آنے جانے والوں پر ظلم کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ ربیع الاول سنہ ھ میں ایک ہزار کی جمیعت لے کر مدینہ سے نکلے تو وہ بھاگ گئے۔ اس غزوہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا کوئی ذکر نہیں ملتا (خمیس جلد ۱ صفحہ ۵۲۲)

غزوۂ بنی مصطلق خزاعہ کے ایک خاندان بنو المصطلق نے مدینہ پر حملہ کی ٹھان لی تھی تو ۲ شعبان سنہ ھ کو آنحضرتؐ انکی طرف روانہ ہوئے۔ لڑائی ہوئی اور مسلمانوں کو بہت کچھ مال غنیمت ملا۔ اس غزوہ میں بھی حضرت علیؓ ہی علم بردار تھے اور حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں ملا (طبقات ابن سعد جلد مغازی صفحہ ۴۶ و ۴۶)

غزوۂ خندق بنو نضیر مدینہ سے نکل کر اور جلاوطن ہو کر خیبر پہونچے۔ تو ایک عظیم الشان

سازش شروع کی ۔ کچھ آدمی مکہ معظمہ گئے اور قریش کو ملا لیا ۔ پھر قبیلۂ غطفان کو شریک کیا بنو اسد بھی ساتھ ہو گئے ۔ غرض تمام قبائل عرب سے لشکر گراں طیار ہو کر مدینہ کی طرف بڑھا ۔ اس کی تعداد ۲۴ ہزار سے زائد تھی ۔ آنحضرتؐ نے یہ خبریں سُنیں تو صحابہ سے مشورہ کیا ۔ حضرت سلمان فارسی نے رائے دی کہ کھلے میدان میں نکل کر لڑنا مصلحت نہیں ۔ ایک محفوظ مقام میں لشکر جمع کیا جائے اور گرد خندق کھود دی جائے ۔ سب نے یہ رائے پسند کی اور خندق کھودنے کے آلات مہیا کئے گئے ۔ یہ ذیقعدہ ۵ھ کا واقعہ ہے ۔ بنو قریظہ بھی دشمنوں میں مل گئے ۔ موسم خوب سرد تھا ۔ دشمن مدینہ کا محاصرہ کئے ہوئے پڑے تھے ۔ حذیفہ بیان کرتے تھے کہ ایک رات آنحضرت صلعم خواب سے بیدار ہوئے اور اصحاب سے فرمایا کون ہے کہ اس وقت جائے اور دشمنوں کی خبر میرے پاس لائے ۔ جس کے عوض خدا اس کو بہشت میں میرا رفیق کرے ۔ مگر کسی نے جواب نہیں دیا ۔ دوبارہ فرمایا کوئی ہے جو اس قوم کی خبر لادے ۔ اب بھی کوئی نہیں بولا ۔ جب تین مرتبہ حضرتؐ فرما چکے اور کوئی صاحب آمادہ نہیں ہوئے تو حضرتؐ نے نام لے کر صحابہ سے فرمایا کہ جا کر خبر لاؤ ۔ مگر ہر شخص پہلو تہی کرتا رہا لما کرر قوله الارجل یاتینی بخبر القوم یکون معی یوم القیامة ولم یجبه احد قال ابوبکر یارسول الله حذیفة ۔ جب حضرتؐ نے بار بار لوگوں سے کہا کہ کیا کوئی بھی جا کر خبر نہیں لا سکتا ؟ تو حضرت ابوبکر نے فرمایا آپ حذیفہ سے کہئے کہ وہی جا کر خبر لائیں (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۳۲۶) ۔ اور علامہ علی متقی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر نے فرمایا یارسول الله ابعث حذیفة اے رسولؐ حذیفہ کو بھیج دیجئے (کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۲۷۹) مگر علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ حذیفہ بیان کرتے تھے جب کسی صحابی نے حضرتؐ کی فرمائش پوری نہیں کی تو قال یا ابابکر قال استغفر الله ورسوله ثم قال ان شئت ذهبت فقال یا عمر فقال استغفر الله ورسوله ثم قال یا حذیفة فقلت لبیک فقمت حتی اتیت ۔ آنحضرتؐ نے نام لے کر فرمایا اے ابوبکر (تم کیوں نہیں جاتے ؟) حضرت ابوبکر نے کہا میں اللہ و رسولؐ سے معافی چاہتا ہوں ۔ حضرتؐ نے فرمایا اگر چاہو تو ضرور جا سکتے ہو (مگر اب بھی وہ نہیں اٹھے) ۔ پھر حضرتؐ نے فرمایا اے عمر (تم جا کر خبر لاؤ) ۔ انھوں نے بھی کہا میں اللہ و رسولؐ سے معافی کا خواستگار ہوں ۔ اب حضرتؐ نے فرمایا

اے حذیفہ۔ حذیفہ بولے میں حاضر ہوں اور فوراً چلے گئے (تفسیر درمنثور جلد ۵ ص ۳۵)
غرض جب مخالفوں کے لشکر نے مسلمانوں کا ہر طرف سے محاصرہ کر لیا تو مسلمانوں کے ہوش جاتے رہے۔ خاص کر عمرو بن عبدود نامی پہلوان کی وجہ سے جس کو اہل عرب ہزار بہادروں کے برابر جانتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر بیان کیا کہ ایک دن ہم قریش کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں عمرو بن عبدود بھی تھا شام کی طرف جا رہے تھے کہ دفعۃً تقریباً ہزار ڈاکوؤں نے ہمارا راستہ روک لیا۔ اہل قافلہ جان و مال سے ہاتھ دھو بیٹھے مگر عمرو بن عبدود کچھ بھی نہیں ڈرا۔ اس نے سپر کے بدلے اونٹ کا ایک بچہ ہاتھ میں لے کر اس زور کا حملہ کیا کہ وہ سب ڈاکو پریشان ہو کر بھاگ گئے اور ہمارا قافلہ اطمینان سے گزر گیا (معارج النبوۃ رکن ۴ ص ۱۶۱)۔ بہرکیف جنگ ہوتی رہی۔ ایک روز دشمن خندق پھاند کر اس پار آ گئے اور مبارز طلب کئے۔ ان میں عمرو بن عبدود بھی تھا۔ اس کی آواز پر مسلمان اور بھی بددواس ہوئے۔ کسی کو ہمت نہ ہو سکی کہ اس کے مقابلہ پر جاتا۔ آنحضرتؐ نے تین مرتبہ اپنے اصحاب سے فرمایا کہ کوئی جائے مگر سوائے حضرت علیؓ کے کسی کو جرأت نہیں ہوئی۔ اس واقعہ کو مولوی شبلی صاحب کی عبارت میں دیکھو لکھتے ہیں "۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو بن عبدود تھا۔ وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ سب سے پہلے وہی آگے بڑھا اور عرب کے دستور کے موافق پکار کر مقابلہ کو کون آتا ہے؟ حضرت علیؓ نے اوٹھ کر کہا کہ میں۔ لیکن آنحضرتؐ نے روکا کہ یہ عمرو بن عبدود ہے! حضرت علیؓ بیٹھ گئے لیکن عمرو کی آواز کا اور کسی طرف سے جواب نہیں آتا تھا۔ عمرو دوبارہ پکارا اور پھر وہی صرف ایک صدا جواب میں تھی۔ تیسری دفعہ جب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے تو حضرت علیؓ نے عرض کی ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ عمرو ہے۔ غرض آپ نے اجازت دی۔ خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی۔ سر پر عمامہ باندھا۔ عمرو کا قول تھا کہ کوئی شخص دنیا میں اگر مجھ سے تین باتوں کی درخواست کرے تو ایک ضرور قبول کروں گا۔ حضرت علیؓ نے عمرو سے پوچھا کہ کیا واقعی تیرا قول ہے۔ پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی:۔ حضرت علیؓ۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام لا۔ عمرو۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت علیؓ۔ لڑائی سے واپس چلا جا۔ عمرو۔ میں خاتونان قریش کا طعنہ نہیں سن سکتا۔ حضرت علیؓ۔ مجھ سے معرکہ آرا ہو۔ عمرو ہنسا

اور کہا مجھ کو امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائیگی۔ حضرت علیؓ پیادہ تھے۔ عمرو کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا۔ گھوڑے سے اُتر آیا۔ اور پہلی تلوار گھوڑے کے پاؤں پر ماری کہ کونچیں کٹ گئیں۔ پھر پوچھا کہ تم کون ہو؟ آپ نے نام بتایا۔ اُس نے کہا میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ آپ نے فرمایا ہاں لیکن میں چاہتا ہوں۔ عمرو اب غصہ سے بے تاب تھا۔ پرتلے سے تلوار نکالی اور آگے بڑھکر وار کیا۔ حضرت علیؓ نے سپر پر روکا لیکن تلوار سپر میں ڈوب کر نکل آئی اور پیشانی پر لگی۔ گو زخم کاری نہ تھا تاہم یہ طغرا آپ کی پیشانی پر یادگار رہ گیا۔ قاموس میں ہے کہ حضرت علیؓ کو ذوالقرنین بھی کہتے تھے جسکی وجہ یہ تھی کہ آپکی پیشانی پر دو زخموں کے نشان تھے ایک عمرو کے ہاتھ کا اور ایک ابن ملجم۔ دشمن کا وار ہو چکا تو حضرت علیؓ نے وار کیا۔ انکی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اُتر آئی۔ ساتھ ہی حضرت علیؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۴۳۱)۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جب جناب امیرؓ عمرو بن عبدود کے مقابلہ میں نکلے تو آنحضرتؐ نے فرمایا برز الایمان کلہ الی الشرک کلہ۔ کہ پورا ایمان پورے کفر کے مقابلہ کو نکلا ہے (حیوۃ الحیوان جلد ۱ صفحہ ۴۳۳ وسیرۃ محمدیہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۲)۔ شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے "از علی مرتضیٰؓ در غزوہ خندق مبارزہا ومقاتلہا واقع شد از حد قیاس وعقل بیروں چنانکہ در اخبار واقع شدہ است لمبارزۃ علی ابن ابی طالب یوم الخندق افضل من عمل امتی الی یوم القیامۃ۔ وآنحضرتؐ دعا ہا کرد در حق علی مرتضیٰؓ وشمشیر خود را کہ ذوالفقار نام داشت بوے عطا نمود۔ یعنی غزوہ خندق میں حضرت علی مرتضیٰؓ سے ایسی شجاعت و بہادری اور وہ کارنامے ظاہر ہوئے جو حد قیاس سے خارج ہیں۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا یقیناً جنگ خندق میں حضرت علیؓ کا جہاد میری امت کے ان کل اعمال سے افضل ہے جو وہ قیامت تک کرتی رہیگی۔ نیز حضرت رسول مقبولؐ نے حضرت علیؓ کے حق میں دعائیں فرمائیں اور اپنی تلوار ذوالفقار آپ کو عطا فرمائی (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۱۳)۔ جب عمرو بن عبدود کی بہن بھائی کی لاش پر آئی اور دیکھا کہ قاتل نے عمرو کا کوئی سامان نہیں لیا تو کہنے لگی ما قتلہ الا کفو کریم۔ میرے بھائی کا قاتل یقیناً کوئی شریف اور بزرگ شخص ہے۔ پھر اوس نے قاتل کا نام پوچھا۔ جب معلوم ہوا کہ علیؓ ہیں تو اوس نے یہ شعر کہے ؎ لو کان قاتل عمرو غیر قاتلہ۔ لکنت ابکی علیہ آخر الابد + لکن قاتلہ من لا یعاب بہ۔ من کان یدعی قدیما بیضۃ البلد + اگر عمرو کا قاتل علیؓ کے

سوائے کوئی ہوتا تو میں اللہ پر ندگی بھر روتی مگر اس کا قاتل تو وہ بزرگ ہے جس میں کوئی عیب مل ہی نہیں سکتا اور جس کو لوگ ہمیشہ سے بیضۃ البلد (سردار عرب) کہتے آئے ہیں (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۴۸۵ وغیرہ)۔ غرض اس غزوہ میں بھی حضرت علیؑ کے کارنامے شروع سے آخر تک ملتے ہیں لیکن حضرت عمر کی کسی خدمت کا سوائے استغفراللہ کہنے کے کوئی پتا نہیں ملتا۔ البتہ اتنی بات اور ملتی ہے کہ جب حضرت علیؑ معرکۂ جنگ سر کر کے پھرے تو حضرت ابوبکر و عمر نے اٹھکر آپکا سر چوم لیا (معارج النبوۃ رکن ۴ صفحہ ۱۶۳ و روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۵۵ وغیرہ)۔ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے کہ "ایک حصہ پر حضرت عمر معین تھے چنانچہ یہاں اُن کے نام کی ایک مسجد آج بھی موجود ہے"۔ مگر خود ہی اسکی حقیقت بھی ظاہر کر دی کہ "یہ واقعہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے لیکن میں نے کسی کتاب میں اسکی سند نہیں پائی" (الفاروق صفحہ ۵۰)۔ ظاہر ہے کہ جب غزوۂ احد سے بارہ سو برس کے بعد دہلی میں بیٹھکر شاہ صاحب ایسی بے سند باتیں لکھیں تو انکی طرف کون شخص توجہ کر سکتا ہے!

واقعہ ضرار مورخین نے لکھا ہے کہ جب حضرت علیؑ عمرو بن عبدود کو قتل کر کے اسلام کا عَلَم بلند کر چکے تو "ثم حمل ضرار ابن الخطاب وهبيرة بن ابی وهب علی علی وهو اقبل اليهما فاما ضرار فلما نظر الی وجه علی ولی هاربا و بعد ذلک سئل عن سبب فراره قال تخيل لی ان الموت يبرز فی صورته۔ واما هبيرة فثبت فی مقاتلته حتی اصابه الی ان فنته ذلک الی فترة عنه وهرب۔ وفی رواية حمل ضرار ابن الخطاب و هبيرة ابن ابی وهب و عمرو بن الخطاب بعد قتل علی عمرا علی بقية اصحاب عمرو وقد كان ضرار ابن الخطاب يفر و عمر يثبته فی اثره فكر ضرار راجعا وحمل علی عمر بالرمح ليطعنه ثم امسک وقال يا عمر هذه نعمة مشكورة اثبتها عليک و يد لی عندک غير مجزی بها فاحفظها"۔ ضرار بن خطاب اور ہبیرہ بن ابی وہب نے حضرت علیؑ پر حملہ کیا تو حضرت علیؑ بھی ان دونوں کی طرف جھپٹے مگر ضرار نے جب حضرتؑ کی صورت دیکھی تو بھاگ نکلا۔ اس واقعہ کے بعد جب اس سے بھاگنے کا سبب پوچھا گیا تو کہا علیؑ کے حملہ کرنے پر مجھے ایسا معلوم ہوا کہ مجسم موت میرے سامنے کھڑی ہو گئی ہے۔ البتہ ہبیرہ کچھ عرصہ ٹھہرا مگر حضرت علیؑ کی تلوار کی آنچ لگتے ہی زرہ پھینک کر وہ بھی بھاگا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت علیؑ عمرو بن عبدود کو قتل کر چکے تو ضرار اور حضرت عمر بن خطاب نے

عمرو بن عبد ود کے باقی ساتھیوں پر حملہ کرنا چاہا۔ ان لوگوں میں ضرار بن خطاب بھی تھا جو بھاگا جاتا تھا اور حضرت عمر اس کے پیچھے دوڑے جا رہے تھے۔ آگے بڑھکر اس نے پلٹکر دیکھا کہ کوئی تعاقب کر رہا ہے۔ جب دیکھا کہ حضرت عمر ہیں تو مطمئن ہو کر پلٹا اور حضرت عمر پر نیزہ لے کر بڑھا کہ وار کر ہی دے۔ پھر (کچھ سوچ کر) روک لیا اور کہا عمر جاؤ تم پر میری یہ وہ نعمت ہے (کہ تم کو قابو پا کر چھوڑ دیا) جس کا تم کو شکر ادا کرنا چاہیئے اور تم پر میرا وہ احسان ہے جس کا عوض تم کبھی ادا نہیں کر سکتے۔ خیر مگر اس کو یاد رکھنا (تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۴۸۷)۔ مولوی شبلی صاحب نے بھی اس واقعہ کو قابل ذکر سمجھا۔ لکھتے ہیں "حضرت علیؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا۔ عمر کے بعد ضرار اور ہبیرہ نے حملہ کیا۔ لیکن جب ذوالفقار کا ہات بڑھا تو پیچھے ہٹنا پڑا۔ حضرت فاروق نے ضرار کا تعاقب کیا۔ ضرار نے مڑکر برچھے کا وار کرنا چاہا لیکن روک لیا اور کہا عمر! اس احسان کو یاد رکھنا۔ نوفل بھاگتے ہوئے خندق میں گرا صحابہ نے تیر مارنے شروع کئے۔ اس نے کہا مسلمانو! میں شریفانہ موت چاہتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے اسکی درخواست منظور کی اور خندق میں اتر کر تلوار سے مارا کہ شریفوں کے شایان تھا" (سیرۃ النبیؐ جلد ا صفحہ ۳۱۴)

غزوہ بنو قریظہ | غزوہ خندق کے بعد آنحضرتؐ بنو قریظہ سے لڑنے کو ذیقعدہ ۵ھ ہجری میں تشریف لے گئے۔ اس غزوہ میں بھی لشکر کا علم حضرت علی کو دیا۔ اور حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں ملتا (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۵۲ وغیرہ)

سریہ سیف البحر | بعض مورخین کی تحقیق کے مطابق اسی سال ۵ھ میں حضرت رسولِ خداؐ نے ابو عبیدہ بن جراح کے ماتحت تین سو صحابہ کا ایک لشکر سیف البحر کی طرف بھیجا مگر ابن اثیر وغیرہ نے اس کو ۸ھ میں بیان کیا ہے۔ اس میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا حال نہیں ملتا (کامل جلد ۲ صفحہ ۸۸)

غزوہ بنو لحیان | رجیع کے کچھ لوگوں سے قصاص لینے کے لئے آنحضرتؐ نے بنو لحیان پر چڑھائی کی گروہ لوگ مقابلہ میں نہیں آئے بھاگ گئے اور حضرت ۱۴ دن کے بعد مدینہ واپس آئے اس میں بھی حضرت عمر کے کسی کام کا حال نہیں ملا (کامل جلد ۲ صفحہ ۷۱ وغیرہ)

غزوہ ذی قرد | ایک شخص آنحضرتؐ کی کچھ اونٹنیاں پکڑلے گیا تھا تو آنحضرتؐ بارادہ جہاد مدینہ

سے ربیع الاولی سنہ ۶ھ میں چلے اور رجب اشتیاں مل گئیں تو واپس آئے۔ اس میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں ملتا (طبری جلد ۳ صفحہ ۶)

سریہ عیص۔ آنحضرت کو معلوم ہوا کہ قریش شام کی طرف جاتے ہیں۔ اس میں زینب کا شوہر ابو العاص بھی تھا۔ حضرت نے زید بن حارثہ کے ماتحت کچھ لوگوں کو انکی طرف روانہ کیا اس سریہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں ملا (کامل جلد ۲ صفحہ ۸۵)

سریہ دومۃ الجندل شعبان سنہ ۶ھ میں آنحضرت نے عبدالرحمن بن عوف کو ہدایت کے لیے بنو کلب کے پاس روانہ کیا۔ اس میں بھی حضرت عمرؓ کوئی شرکت نہیں معلوم ہوئی (کامل جلد ۲)

سریہ فدک شعبان سنہ ۶ھ میں آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ بنو بکر اور یہودان خیبر مدینہ پر چڑھائی کرنا چاہتے ہیں۔ حضرتؐ نے حضرت علیؓ کو سو آدمیوں کے ساتھ انکی طرف روانہ فرمایا فدک پر مقابلہ ہوا۔ دشمن کو شکست ہوئی اور مسلمان مال غنیمت لیکر واپس آئے۔ اسمیں بھی حضرت عمر کا کوئی حال نہیں ملا (کامل جلد ۲ صفحہ ۹۰)

سریہ وادی القرےٰ جناب زید شام جاتے تھے۔ وادی القرےٰ کے قریب بنو فزارہ نے ان کو لوٹ لیا تو مدینہ واپس آئے اور بدلے کرگئے تو کامیاب ہوئے۔ حضرت عمر کی کوئی خدمت اسمیں بھی نہیں معلوم ہو سکی (کامل جلد ۲ صفحہ ۹۰)

سریہ عرینہ عرینہ کے کچھ شریر آنحضرتؐ کے غلام یسار کو ہلاک کرکے بہت اونٹ بھگا لے گئے۔ آنحضرتؐ نے کچھ لوگوں کو بھیج کر ان چوروں کو گرفتار کرا لیا۔ اس میں بھی حضرت عمر کا کوئی کام نہیں ملا (کامل جلد ۲ صفحہ ۹۰)

غزوہ حدیبیہ ذیقعدہ سنہ ۶ھ میں حج کے ارادہ سے آنحضرتؐ مکہ کی طرف تشریف لے چلے۔ قریش کو معلوم ہوا تو روکنا چاہا۔ حضرتؐ ایک کنوئیں پر جس کا نام حدیبیہ تھا رک گئے۔ قریش کے ایلچی عروہ نے آنحضرتؐ سے آکر کہا اس سال آپ حج کو نہ آئیں اس نے یہ بھی کہا فواللہ انی لاریٰ وجوھا واشوابا من الناس خلقا ان یفروا ویدعوک فقال ابوبکر امصص بظر اللات انحن نفر ونذعہ۔ خدا کی قسم میں ایسے چہرے اور اوباش لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جن کی شان یہی ہے کہ سب جنگ سے بھاگ جائیں گے اور آپکو چھوڑ کر چل دینگے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے کہا جا کے آپ لات کا ٹنا چوس

واہ کیا ہم بھاگ جائیں گے اور حضرتؐ کو چھوڑ دینگے؟ (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۵)

ثم دعا رسول اللہ عمر بن الخطاب لیبعثہ الی قریش یعلمہم انہ لم یات لحرب وانما جاء زائراً فخافہم عمر فبعثہ عثمان بن عفان الی ابی سفیان واشراف قریش فخبرہم ذلک فقالوا ان احببت ان تطوف فطف فقال ما کنت لافعلہ حتی یطوف رسول اللہ فحبسوہ وبلغ رسول اللہ ان عثمان قتل فقال لا نبرح حتی تناجز القوم ودعا الی بیعۃ الرضوان تحت الشجرۃ۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمر سے فرمایا کہ تم جاکر قریش کو مطلع کردو کہ ہم لوگ لڑنے کے قصد سے نہیں آئے بلکہ زیارت خانہ کعبہ کی غرض سے آئے ہیں۔ حضرت عمر بسبب عداوت قریش کچھ ڈرنے لگے (اور ان کے خوف سے نہیں گئے) تو حضرتؐ نے حضرت عثمان کو ابوسفیان وغیرہ کے پاس بھیجا۔ چنانچہ حضرت عثمان نے جاکر رسولؐ مقبول کا پیغام پہونچایا۔ انھوں نے کہا کہ اگر تم خود طواف کرنا چاہتے ہو تو کرلو۔ حضرت عثمان نے کہا کہ میں بغیر رسولؐ اللہ کے ایسا نہیں کرسکتا۔ یہ سن کر کفار قریش نے ان کو قید کرلیا۔ یہاں آنحضرتؐ کو یہ خبر پہونچی کہ حضرت عثمان قتل کرڈالے گئے۔ پیغمبر صاحب نے کہا کہ اب ہم اس قوم سے بغیر مقاتلہ کئے نہیں رہ سکتے۔ پس آنحضرتؐ نے سب کو زیر درخت بیعت کے لئے طلب فرمایا (تاریخ ابن الوردی)۔ اس غزوہ کا نتیجہ صلح حدیبیہ کی صورت میں ظاہر ہوا کہ حضرت رحمۃ للعالمین نے نہایت نرمی اور صلح پسندی کو راہ دیا اور کفار قریش کی تقریباً کل شرطیں مان لیں۔ مگر حضرت عمر کو بہت بُرا ہوا۔ آنحضرتؐ کی نبوت تک میں شک ہوگیا۔ مورخین نے لکھا ہے نقل است از عمر بن الخطاب کہ گفت در آمد در آں روز در دل من امر عظیم و مراجعت کردم با حضرت صلعم کہ ہرگز مثل آں نکردہ بودم در رفتم بنزد رسولؐ و گفتم کہ آیا تو پیغمبر بر حق نیستی۔ فرمود بلے ہستم۔ گفتم نہ ما بر حقیم و مخالفان ما بر باطل۔ گفت بلے پس گفتم چرا ما ایں ذلت و حقارت کشیدہ و با ایں طور صلح کردہ باز گردیم۔ آنحضرتؐ فرمود اے پسر خطاب بدرستی کہ من فرستادۂ خدایم و بے فرمان وے نمی کنم و وے تا مر و معین من است و مرا ضائع نخواہد گذاشت۔ حضرت عمر سے روایت ہے کہ صلح حدیبیہ کے وقت میرے دل میں خطرۂ عظیم گزرا اور میں نے رسولؐ اللہ کے ساتھ ایسے مقابلہ کی بے باکانہ باتیں کیں کہ اس سے پہلے کبھی نہیں کی تھیں۔ چنانچہ رسولؐ اللہ کے پاس جاکر

میں نے کہا کیا آپ پیغمبر برحق نہیں ہیں؟ آنحضرت نے فرمایا بے شک ہوں۔ میں نے کہا کیا ہم حق پر اور ہمارے مخالف باطل پر نہیں ہیں؟ آنحضرت نے فرمایا بے شک ہیں۔ میں نے کہا پھر کیوں ہم ایسی حقارت و ذلت گوارا کریں اور اس طور سے صلح کر کے واپس ہوں؟ آنحضرت نے فرمایا اے خطاب کے بیٹے! میں خدا کا رسول ہوں اور بغیر اس کے حکم کے کچھ نہیں کرتا۔ وہی میرا حامی و مددگار ہے اور وہ میرے کام کو ضائع نہیں کرے گا (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۶۴) اور امام بخاری نے لکھا ہے قال عمر بن الخطاب فاتیت النبیؐ فقلت الست نبی اللہ حقا۔ قال بلے۔ قلت السنا علے الحق وعدونا علے الباطل۔ قال بلے۔ قلت فلم نعطی الدنیۃ فی دیننا اذا! قال انی رسول اللہ و لست اعصیہ وھو ناصری۔ حضرت عمر نے کہا بروز صلح حدیبیہ میں نے رسولؐ سے پوچھا کیا آپ نبی برحق نہیں ہیں؟ آنحضرت نے فرمایا کیوں نہیں ہوں۔ میں نے کہا کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا بے شک ہم حق پر اور ہمارے مخالف باطل پر ہیں۔ میں نے کہا پھر کیوں اس وقت ہم دین میں دباؤ اور جھکنا گوارا کریں؟ آنحضرت نے فرمایا سنو میں خدا کا رسولؐ ہوں۔ اس کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتا اور وہ میرا مددگار ہے (صحیح بخاری پ ۱۱ ص ۱ مطبوعہ دہلی) اور علامہ عینی نے لکھا ہے قال عمر فقد دخلنی امر عظیم وراجعت النبیؐ مراجعۃ ما راجعتہ مثلھا قط۔ حضرت عمر نے فرمایا بروز صلح حدیبیہ میرے دل میں خطرۂ عظیم گزرا اور میں نے پیغمبر صاحب کے ساتھ ایسی رد و بدل کی کہ پہلے کبھی نہ کی تھی (عمدۃ القاری جلد ۶ صفحہ ۱۴۴) اور علامہ دیاربکری و سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے روے عن عمر انہ قال واللہ ما شککت منذ اسلمت الا یومئذ فاتیت النبیؐ فقلت الست نبی اللہ حقا۔ قال بلے قلت السنا علے الحق وعدونا علے الباطل قال بلے۔ قلت الیس قتلانا فی الجنۃ وقتلاھم فی النار۔ قال بلے۔ قلت فلم نعطی الدنیۃ فی دیننا قال انی رسولؐ اللہ ولست اعصیہ وھو ناصری۔ خود حضرت عمر فرماتے تھے کہ خدا میں جب سے اسلام لایا آج کے سوا کبھی مجھے شک نہیں ہوا چنانچہ میں نے پیغمبر صاحب کے پاس جا کر کہا کیا آپ نبی برحق نہیں ہیں؟ آنحضرت نے فرمایا بے شک ہوں۔ میں نے

کہا کیا ہم حق پر اور ہمارے مخالف باطل پر نہیں ہیں اور کیا ہمارے مقتول بہشت میں جانے والے اور ان کے کشتگان دوزخی نہیں ہیں ؟ آنحضرتؐ نے فرمایا ہم بر وحق ہیں اور ہمارے دشمن باطل پر ہیں اور ہمارے مقتول جنتی ہیں۔ اور ان کے مقتول جہنمی۔ میں نے کہا کہ پھر دین میں دبنا اور پست ہونا چہ معنی دارد؟ حضرتؐ نے فرمایا میں اللہ کا رسولؐ ہوں اوسکی نافرمانی نہیں کرسکتا اور وہ میرا معین و مددگار ہے اسکے بعد حضرت عمر فرماتے تھے کہ میں نے اس جرأت کے کفارے میں جو بروز حدیبیہ مجھ سے واقع ہوئی اکثر اعمال صالحہ مثل روزے نماز و صدقہ کے ادا کئے (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۲۱ و تفسیر درمنثور جلد ۶ ص۷۷ و سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص۲۲ وغیرہ)۔ مولوی شبلی صاحب نے بھی ان واقعات کو تسلیم کیا ہے لکھتے ہیں " رسول اللہ نے چاہا کہ اکابر صحابہ میں کسی کو سفارت کے طور پر بھیجیں کہ ہم کو لڑنا مقصود نہیں۔ چنانچہ حضرت عمر کو اس خدمت پر مامور کرنا چاہا۔ انھوں نے عرض کی کہ قریش کو مجھ سے سخت عداوت ہے اور میرے خاندان میں وہاں کوئی شخص میرا حامی موجود نہیں۔ عثمان کے عزیز و اقارب وہیں ہیں اس لئے ان کو بھیجنا مناسب ہوگا ان شرائط پر معاہدہ ہوا کہ اس دفعہ مسلمان الٹے واپس جائیں.. مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص قریش کو ہاتھ آجائے تو ان کو اختیار ہوگا کہ اس کو اپنے پاس روک لیں۔ اخیر شرط چونکہ بظاہر کافروں کے حق میں زیادہ مفید تھی حضرت عمر کو نہایت اضطراب ہوا۔ معاہدہ ابھی لکھا نہیں جا چکا تھا کہ وہ حضرت ابوبکر کے پاس پہنچے۔ اور کہا کہ اس طرح دب کر کیوں صلح کی جائے۔ انھوں نے سمجھایا رسولؐ اللہ جو کچھ کرتے ہیں اسی میں مصلحت ہوگی۔ لیکن

ے تعجب ہے کہ حضرت عمر باوجود اس شجاعت و قوت اور رعب جلال کے جس کا ذکر مولوی شبلی صاحب نے اسی الفاروق میں بار بار کیا ہے ایک معمولی پیغام پہونچانے میں بھی کفار قریش سے اس طرح سہمے رہتے تھے۔ وہ وقت جنگ کا تو تھا نہیں۔ اور جنگ بھی ہوتی تو آپکو فرار نامناسب نہیں تھا چہ جائیکہ معمولی بات چیت کرنے کی ہمت بھی آپکو نہیں ہوئی اور اس چھوٹے سے کام کے لئے آنحضرتؐ سے معذرت کرنے ہی کی ضرورت سمجھی۔ مگر حضرت عثمان نے کوئی عذر نہیں کیا تشریف لے گئے اور وہاں کفار نے قید کر لیا تو

حضرت عمرؓ کو تسکین نہیں ہوئی تو خود رسول اللہؐ کے پاس گئے اور اس طرح گفتگو کی۔ یا رسول اللہ
کیا آپ رسولِ خدا نہیں ہیں؟ رسول اللہؐ۔ بے شک ہوں۔ حضرت عمرؓ۔ کیا ہمارے
دشمن مشرک نہیں ہیں؟ رسول اللہؐ۔ ضرور ہیں۔ حضرت عمرؓ۔ پھر ہم اپنے مذہب کو
کیوں ذلیل کریں۔ رسول اللہؐ۔ میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کے خلاف
نہیں کرتا۔ حضرت عمرؓ کی یہ گفتگو اور خصوصاً انداز گفتگو اگرچہ خلاف ادب تھا چنانچہ
بعد میں ان کو سخت ندامت ہوئی اور اسکے کفارے کے لئے روزے رکھے نفلیں
پڑھیں۔ خیرات دی۔ غلام آزاد کئے۔ تاہم سوال وجواب کی اصل بنا اس نکتہ پر تھی
کہ رسولؐ کے کون سے افعال انسانی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں اور کون سے رسالت
کے صنف سے" (الفاروق ص۵۳)۔ غرض قریش نے سہیل بن عمرو کو آنحضرتؐ کے پاس
صلح کی درخواست لے کر بھیجا جس کو آپ نے منظور فرمایا اور حضرت علیؑ کو بلا کر ارشاد
فرمایا کہ لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سہیل بولا کہ ہم یہ نہیں جانتے لکھو بسمک اللھم۔
یہی لکھا گیا۔ پھر حضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ لکھو یہ وہ صلح نامہ ہے جسکی بنا پر محمدؐ
رسول اللہ نے سہیل بن عمرو سے مصالحت کی۔ سہیل نے کہا اگر ہم تم کو رسول اللہ
جانتے تو لڑتے کیوں۔ بجائے اس کے اپنے والد کا نام لکھو۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ
سے کاغذ لے لیا اور لفظ رسولؐ اللہ کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھ کر حضرت علیؑ سے فرمایا
اے علیؑ ایک وقت تم کو بھی ایسا ہی معاملہ پیش آئیگا (تاریخ کامل جلد ۲ ص۷۷ و
روضۃ الاحباب جلد ۱ ص۳۵۶ و معارج النبوۃ رکن ۴ ص۱۹۵ و خصائص نسائی ص۳۶
وغیرہ)۔ صلحنامہ مکمل ہونے کے بعد آنحضرت صلعم نے صحابہ کو حکم دیا کہ قربانی کا جانور ذبح
کریں فواللہ ما قام منہم رجل حتی قال ذلک ثلاث مرات۔ فلما لم یقم
منہم احد قام فدخل علی ام سلمۃ مگر خدا کی قسم ایک صحابی بھی نہیں اٹھا حضرتؐ
نے تین مرتبہ یہی فرمایا اور ہر بار صحابہ نے حکم رسولؐ کی مخالفت کی۔ جب کسی طرح کوئی
آمادہ نہیں ہوا تو آنحضرتؐ نے جناب ام سلمہ کے کہنے پر خود قربانی کر ڈالی (طبری جلد ۳

(بقیہ حاشیہ ص۴۷) خوشی سے اس پر بھی راضی ہو گئے جس کا کچھ برا انجام بھی نہیں ہوا ۱۲ منہ

ستے) ان امور کے بعد حضرت مدینہ کی طرف واپس تشریف لائے۔ حضرت عمر کے حالات لکھے گئے ان سے زیادہ کوئی خدمت اس غزوہ میں بھی معلوم نہیں ہوتی (طبری جلد ۳ صفحہ)

غزوۂ خیبر ۷ھ میں مشہور خیبر کی لڑائی ہوئی۔ یہودیوں کی شرارت دفع کرنے کے لئے آنحضرت ان کی طرف چلے گر مسلمان جب خیبر میں پہونچے تو خیبر کے یہودی اپنے قلعوں میں پناہ گیر ہو گئے۔ مورخین نے لکھا ہے فلما نزل رسول اللہؐ خیبر اخذته الشقیقة فلم یخرج الی الناس وان ابابکر اخذ رایة رسول اللہ ثم نهض فقاتل قتالا شدیدا ثم رجع فاخذها عمر فقاتل قتالا شدیدا هو اشد من القتال الاول ثم رجع حضرت رسولؐ جب خیبر میں پہونچے تو حضرتؐ کو دردِ شقیقہ ہو گیا اور آپ باہر نہیں آ سکے۔ اس وقت حضرت ابوبکر نے عَلَم لے لیا گئے اور سخت لڑائی کی گر فتح نہ کر سکے اور واپس آئے۔ پھر حضرت عمر گئے اور حضرت ابوبکر سے زیادہ لڑے مگر ان سے بھی فتح نہیں ہوئی تو واپس آئے۔ دوسری روایت میں ہے فانکشف عمر واصحابه فرجعوا الی رسول اللہؐ یجبنه اصحابه ویجبنهم۔ حضرت عمر اور ان کے اصحاب بھاگ گئے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے تو حضرت عمر کی فوج کہتی تھی یا حضرت ہمارے سردار حضرت عمر نے نامردی کی اور حضرت عمر کہتے تھے کہ یا حضرتؐ ہماری فوج ہی نے نامردی کی (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۹۳)۔ اب اس اختلاف عظیم کا فیصلہ کیونکر ہو کہ کس نے نامردی کی۔ اگر آنحضرتؐ حضرت عمر کو سچا سمجھتے تو ان کی سرداری قائم رکھ کر ان کے ماتحت دوسری فوج بھیج دیتے مگر حضرتؐ نے فوج وہی رکھی اور اس کے سرداری کو اسکے بعد بدل دیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت عمر کے قول کو غلط اور انکی فوج کے دعوے کو صحیح سمجھ کر حضرت عمر کو نامرد تسلیم کر لیا اور ارشاد فرمایا لاعطین الرایة غدا رجلا یحب اللہ ورسوله ویحبه اللہ ورسوله۔ کل میں یہ علم یقیناً ایسے بہادر شخص کو عطا کروں گا جو اللہ اور اُسکے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور اللہ و رسولؐ بھی اس کو دوست رکھتے ہیں (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۹۳ و صحیح بخاری کتاب المغازی پارہ باب غزوۂ خیبر)۔ اس ارشاد نبوی نے صحابہ میں خاص ولولہ پیدا کر دیا۔ امام بخاری وغیرہ نے لکھا ہے فبات الناس یدوکون لیلتهم ایهم یعطاها۔ رات بھر صحابہ اس فکر میں طرح طرح کی باتیں بناتے رہے کہ دیکھیں حضرت کس کو علم عنایت فرماتے ہیں۔ امام مسلم

وغیرہ نے لکھا ہے ان عمر قال ما احببت الامارۃ الا یومئذ ۔حضرت عمر فرمایا کرتے کہ میں نے اُس روز کے سوا کبھی امیر بننے کی آرزو نہیں کی ۔ اور علامہ طبری وغیرہ نے لکھا ہے فلما کان من الغد تطاول لہا ابوبکر و عمر ۔ جب صبح ہوئی تو اس عَلَم کی آرزو میں حضرت ابوبکر و عمر دونوں نے اپنے کو لمبا کر کے دکھانا شروع کیا (تاکہ حضرتؐ کی نظر انہیں پر پڑ جائے اور عَلَم دے دیں طبری جلد ۳ صفحہ ۹۳) [1] یہ امر قابل غور ہے کہ اس واقعہ میں حضرت ابوبکر و عمر کا علم بردار بننا کتابوں میں مذکور تو ہے مگر اکثر میں یہ نہیں ہے کہ خود

[1] مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "تاہم کے بعد اور قلعے بہ آسانی فتح ہو گئے لیکن قلعہ قموص مرحب کا تخت گاہ تھا ۔ اس مہم پر آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر و عمر کو بھیجا لیکن دونوں ناکام واپس آئے ۔ طبری میں روایت ہے کہ جب خیبری قلعے سے نکلے تو حضرت عمر کے پاؤں نہ جم سکے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ فوج نے نامردی کی لیکن فوج نے انکی نسبت خود بھی شکایۃ کی ۔ اس روایت کو طبری نے جس سلسلہ سند سے نقل کیا ہے اُس کے راوی عوف ہیں ۔ ان کو بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے لیکن بندار جب اُن کی روایت بیان کرتے تو کہتے تھے کہ وہ رافضی اور شیطان تھا ۔ یہ لفظ بہت سخت ہے لیکن انکی شیعیت مسلم تسلیم ہے اور گو شیعہ ہونا بے اعتباری کی دلیل نہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ جس روایت میں حضرت عمر کے بھاگنے کا واقعہ بیان کیا جائے شیعہ کی زبان سے اس روایۃ کا رتبہ کیا رہ جاتا ہے ۔ انکے علاوہ اوپر کے راوی عبداللہ بن بریدہ ہیں جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں لیکن محدثین کو اس بات میں شبہ ہے کہ انکی جو روایتیں باپ کے سلسلہ سے منقول ہیں صحیح بھی ہیں یا نہیں " (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۔۔) ۔ اس روایۃ پر مولوی شبلی صاحب نے دو اعتراض کئے ہیں ۔ ایک عوف کا شیعہ ہونا ۔ مگر یہ نہیں بیان کیا کہ عوف کو شیعہ کن لوگوں نے تسلیم کیا ہے کیا بندار کا کسی کو شیعہ یا کاذب کہہ دینا ہی کافی ہے ؟ کیا علامہ طبری ایسے محقق کا اسکی روایت کرنا اسکی دلیل نہیں کہ بندار نے مذہبی تعصب سے عوف کو رافضی کہہ دیا ہو ۔ اب اسکی تحقیق کرو کہ خود بندار کیسا سچا تھا ۔ اہلسنت کے مشہور علامہ ذہبی نے راویوں کے حال میں جو زبردست اور نہایت مقبول کتاب لکھی ہے ۔ اس میں لکھا ہے بندار ابن عمرو الہیلانی

حضرت رسولؐ نے ان کو علم دیا بلکہ طبری کی عبارت میں جو اوپر نقل کی گئی ہے کہ آنحضرتؐ کو درد سر ہو گیا باہر تشریف لا سکے ہی نہیں اور خود حضرت ابوبکرؓ نے علم لے لیا۔ اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی لکھا ہے کہ لما کان یوم خیبر اخذ ابوبکر اللواء فرجع ولم یفتح له فلما کان الغد اخذہ عمر فرجع ولم یفتح له۔ جب جنگ خیبر شروع ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے جھنڈا لے لیا گئے مگر واپس آئے۔ اور فتح نہیں کر سکے۔ پھر جب صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ نے اس علم کو لیا اور گئے مگر وہ بھی واپس آئے اور فتح نہیں کر سکے (فتح الباری شرح صحیح بخاری پارہ ۱۵ صفحہ ۔ اسد الغابہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ)

شیخ الفقیہ نصر المقدسی قال النخشی کذاب یعنی بندار جو عمر رویانی کا بیٹا اور نصر مقدسی کا استاد تھا اس کے بارے میں نخشی کا قول ہے کہ کذاب (اصل درجہ) کا جھوٹا تھا (میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۱۶۲)۔ بندار ایسا جھوٹا تھا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے معتبر راویوں کے حالات میں جو نہایت مبسوط اور مفصل کتاب تہذیب التہذیب ۱۲ جلدوں میں لکھی ہے اس میں مصنف نے ایسے شخص کا ذکر تک جائز نہیں سمجھا۔ اس کتاب میں ہزاروں راویوں اور محدثین کے حالات لکھ ڈالے ہیں لیکن بندار کا نام ترک کر دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اس کو کوئی چیز ہی نہیں قرار دیا۔ علامہ ابن حجر نے جھوٹے اور بیہودے راویوں کے حال میں بھی ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے لسان المیزان۔ اس میں البتہ اس کا حال لکھا ہے تحریر فرماتے ہیں بندار ابن عمر الرویانی۔ شیخ للفقیہ نصر المقدسی قال النخشی کذاب۔ بندار بن عمر رویانی بڑا جھوٹا شخص تھا (لسان المیزان جلد ۲ صفحہ ۶۲ مطبوعہ ریاست حیدر آباد دکن)۔ کیا مولوی شبلی صاحب ایسے مشہور مصنف کے لئے یہ نہایت شرمناک امر نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ کی حمایت میں ایسے شخص کے قول کی پناہ لیتے ہیں جو خود ان کے علماء و محدثین کی نظروں میں انتہا درجہ کا جھوٹا تھا؟ اب عوف کا حال دیکھو۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کا حال اپنی معتبر کتاب تہذیب التہذیب میں درج کیا ہے جو خود اس کی کافی دلیل ہے کہ عوف نہایت معتبر تھا کیونکہ تہذیب التہذیب میں صرف ان ہی راویوں کے حالات ہیں جو نہایت معتبر اور ثقہ تھے۔ لکھتے ہیں ثقۃ صالح الحدیث۔ عوف بڑے معتبر تھے ان کی حدیث بہت خوب ہوتی تھی۔ عن ابن معین ثقۃ وقال ابوحاتم صدوق صالح وقال النسائی ثقۃ

میں ہے کہ آنحضرتؐ کی پوری حدیث اس طرح تھی لاعطین الرایۃ غدا رجلا کرارا غیر فرار یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ یفتح اللہ علی یدیہ یعنی کل میں اس شخص کو دوں گا جو بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہے اور بھاگنے والا نہیں ہے۔ جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے۔ اور اللہ اور اس کے رسولؐ بھی اس کو دوست رکھتے ہیں۔ خدا اسی کے ہاتھ پر اس قلعہ کو فتح کر دے گا (روضۃ الاحباب جلد ۱ ص ۳۹۹)۔ الخ

(بقیہ حاشیہ ص ۵)

ثبت کان یسمی الصدوق۔ وذکرہ ابن حبان فی الثقات۔ ابن معین کہتے تھے کہ عوف بڑے مقدس نہایت معتبر اور سچے تھے۔ ابو حاتم کہتے تھے کہ عوف اول درجہ کے سچے اور صالح تھے اور امام نسائی کہتے تھے کہ عوف بہت معتمد علیہ اور ثقہ تھے۔ وہ ایسے اعلیٰ درجہ کے سچے تھے کہ ان کا نام ہی صدوق (نہایت سچے) مشہور ہو گیا تھا۔ اور ابن حبان نے ان کو ان راویوں میں شمار کیا ہے جو نہایت سچے۔ معتمد علیہ اور ثقہ تھے (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۱۶۷)۔ کیا تماشہ ہے کہ عوف ایسے مقدس معتبر راوی کو جن کی تو ثیق سے حدیث مدلح تھی بندار ایسا اول تبرکا جھوٹا شخص شیطان کہتا ہے تو مولوی شبلی صاحب اس جھوٹے کی پیروی کرنے لگے اور اپنے ایسے مقدس جلیل القدر صحابی کی بھی بات سے منہ موڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ ممدوح کے پیش نظر عرب کا یہ مشہور شعر بھی ضرور ہوگا ؎ واذا اتتک مذمتی من ناقص۔ فھی الشھادۃ لی بانی کامل جب میری برائی کوئی برا شخص بیان کرے تو یہی اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ مجھ میں کوئی برائی نہیں ہے۔ فلیبک علی الاسلام من کان باکیا۔ دوسرا اعتراض مولوی شبلی صاحب نے یہ کیا ہے کہ "عبد اللہ بن بریدہ کی روایتوں میں محدثین کو شبہ ہے" مگر موصوف نے یہ نہیں لکھا کہ کن محدثین کو شبہ ہے۔ اور ان کا شبہ کن کتابوں میں مذکور ہے۔ اور کیا صرف شبہ ہونے کی وجہ سے کسی روایت کے متعلق کوئی تامل کیا جا سکتا ہے؟ آپ نے جن محدثین کے متعلق لکھا ہے کہ ان کو شبہ ہے ان کا کوئی درجہ بھی نہیں لکھا کہ محدثین میں وہ کس پایہ کے تھے تاکہ غور کیا جاتا ان کا شبہ قابل توجہ بھی ہے یا نہیں۔ عبد اللہ بن بریدہ کے متعلق بھی دیکھو کہ علماء محققین کیا لکھتے ہیں۔ علامہ ابن حجر نے لکھا ہے قاضی مرو عبد اللہ

حسب الحکم بعد ازاں بمقاتلہ عمر صاحب اقدام نمود صدر دوم ابوبکر بمقاتلہ بدرا عنقا انہزام یافت قوم او ملامت می کردند۔ روز سیم بازعمر بامر قتال قیام فرمود و منہزم شدہ۔ او لشکریان را بجبن منسوب می داشت و لشکریان او را۔ چون بمعسکر خیر البشر رسید و خسرو کواکب آن موجہ و لہ اضطراب گردید حضرت رسالتؐ فرمود کہ لاعطین الرایۃ غدًا رجلاً کرار غیر فرار یحب اللّٰہ و رسولہ و یحبہ اللّٰہ و رسولہ یفتح اللّٰہ علی یدیہ۔ پہلے دن حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳)

ایسا معتمد علیہ شخص تھا کہ مرو کا قاضی بنا دیا گیا تھا وقال ابن معین والعجلی و ابوحاتم ثقۃ۔ ابن معین و عجلی اور ابوحاتم کہتے تھے کہ عبداللہ بڑا معتبر شخص ہے۔ قال ابن خراش صدوق۔ ابن خراش کہتے تھے کہ عبداللہ بن بریدہ بڑے سچے راوی تھے (کتاب تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۱۵۸)۔ اب ہم آپ لوگوں کے اس بزرگ کو پیش کرتے ہیں جن کا درجہ امام بخاری و امام مسلم کے قریب مانا گیا ہے۔ یعنی امام حاکم جو عبداللہ بن بریدہ کی روایت کو اصح الاسانید (سب سے زیادہ صحیح اسناد والی) سمجھتے تھے (دیکھو تہذیب جلد ۵ صفحہ ۱۵۸)۔ اس کے بعد اس بزرگ کی روایت کو دیکھئے جو تحقیق حدیث میں ہندوستان کے کل علماء اہلحدیث کے سرتاج سمجھے جاتے ہیں یعنی شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی (جو شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی مصنف تحفہ اثنا عشریہ کے والد ماجد ہیں) جن کے بارے میں خود مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انہی کے زمانہ میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا اس کے لحاظ سے یہ امید نہیں رہی تھی کہ پھر کوئی صاحبِ دل و دماغ پیدا ہوگا لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشہ دکھلانا تھا کہ اخیر زمانہ میں جب کہ اسلام کا نفس بازپسیں تھا شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جن کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی۔ رازی۔ ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے ... ختم تحصیل کے بعد بارہ برس تک درس و تدریس کا شغل قائم رہا۔ پھر حرمین تشریف لے گئے۔ ۱۱۴۳ھ ہجری میں حج سے مشرف ہوئے۔ قریباً دو برس تک حرمین میں قیام رہا اور یہاں شیخ ابوطاہر اور دیگر محدثین سے حدیث کی تکمیل کی۔ علماء حرمین سے اکثر افادہ و استفادہ رہا" (علم الکلام صفحہ ۱۰۹)۔ غرض مولوی شبلی صاحب نے شاہ ولی اللہ صاحب کے فضائل اصغر میں جمع کیے اور ان کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے

عمر نے جنگ کی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ دوسرے روز حضرت ابوبکرؓ گئے مگر شکست کھا کر
بھاگ کھڑے ہوئے۔ آپ کے بھاگ گئے پر لوگ آپکی ملامت کرتے تھے۔ تیسرے دن بحضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳)

اب انہیں شاہ صاحب کی تحقیق ملاحظہ ہو کہ اس واقعہ کے متعلق کیا لکھتے ہیں "چہارم آں
کہ در بعض ایام خیبر او امیر لشکر بود مجاہدہا فرمود۔ ہر چند فتح بردست حضرت مرتضیٰ واقع
شد و فضیلت وےؓ دریں واقعہ غالب برآمد۔ علی مرتضیٰؓ گفت سار رسول اللہ الی خیبر
فلما اتاها بعث عمر و بعث الناس الی مدینتهم او قصرهم فقاتلوهم فلم یلبثوا ان
هزموا عمر و اصحابه فجاؤا یجبنونه و یجبنهم اخرجه الحاکم۔ چوتھی بات یہ کہ
جنگ خیبر کے بعض ایام میں حضرت عمر سردار لشکر ہوئے تو لڑائیاں کیں۔ اگرچہ فتح حضرت مرتضیٰ
ہی کو ہوئی اور حضرتؓ کی فضیلت اس واقعہ میں بہت بڑھ گئی۔ حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے تھے کہ
حضرت رسول خداؐ خیبر کی طرف گئے۔ جب وہاں پہونچے تو عمر کو لوگوں کے ساتھ ان کے قلعہ
کی طرف بھیجا۔ ان لوگوں نے جا کر جہاد کیا مگر کافروں نے حضرت عمر کو شکست دیکر بھگا دیا اور حضرت
عمر کے ساتھی رسول خداؐ کے پاس آ کر کہنے لگے کہ یا حضرتؐ میرے سردار عمر نے نامردی کی اور
حضرت عمر کہتے تھے کہ نہیں یا حضرتؐ میرے ساتھیوں ہی نے نامردی کی اس حدیث کو امام حاکم
نے درج کیا ہے (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ صفحہ ۲۴۱)۔ اس عبارت سے ثابت ہوا کہ اس روایۃ
کے بیان کرنے والے امام حاکم اور ان سے نقل کرنے والے شاہ ولی اللہ صاحب ہیں۔ اگر
اس واقعہ میں شک و شبہہ کی گنجائش ہوتی تو شاہ ولی اللہ صاحب سیکڑوں صفحے اس کے لئے
سیاہ کر سکتے تھے۔ ہم نے اس وجہ سے کچھ بسط سے کام لیا کہ مولوی شبلی صاحب سے فاحش غلطی
ہو گئی تھی جس کی حقیقت واضح کر دینا ضروری تھا۔ اسکے بعد موصوف لکھتے ہیں "تاہم اس قدر
ضرور صحیح ہے کہ اس مہم پر پہلے اور بڑے بڑے صحابہ بھیجے گئے تھے۔ لیکن فتح کا فخر کسی
اور کی قسمت میں تھا۔ جب مہم میں زیادہ دیر ہوئی تو ایک دن شام کو آنحضرتؐ نے ارشاد
فرمایا کہ کل میں اس شخص کو علم دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا اور جو خدا اور خدا کے
رسولؐ کو چاہتا ہے اور خدا اور خدا کا رسولؐ بھی اس کو چاہتے ہیں (یہ صحیح بخاری کے الفاظ
ہیں)۔ یہ رات نہایت امید اور انتظار کی رات تھی۔ صحابہ نے تمام رات اس بے قراری میں

عمر لڑنے گئے مگر آپ پھر شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے تو کہتے تھے کہ میری فوج ہی نامرد تھی مگر فوج والے کہتے تھے کہ حضرت عمر خود نامرد نکلے۔ جب یہ ہارا ہوا لشکر حضرت رسولؐ تک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴)

کالی کر دیکھئے۔ یہ تاج فخر کس کو ہاتھ آتا ہے۔ حضرت عمر نے قناعت پسندی اور بلند نظری کی بنا پر کبھی حکومت اور سرداری کی تمنا نہیں کی۔ لیکن جیسا کہ صحیح مسلم باب فضائل علیؑ میں مذکور ہے ان کو خود اعتراف ہے کہ اس موقع کی تمنا میں ان کی خودداری بھی قائم نہ رہ سکی۔ صبح کو دفعتہً یہ آواز کانوں میں آئی کہ علیؑ کہاں ہیں؟ یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی کیونکہ جناب موصوف کی آنکھوں میں آشوب تھا اور سب کو معلوم تھا کہ وہ جنگ سے معذور ہیں۔ غرض حسب طلب وہ حاضر ہوئے۔ آنحضرتؐ نے انکی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی۔ جب ان کو علم عنایت ہوا تو انھوں نے عرض کی کہ کیا یہود کو لڑ کر مسلمان بنا دوں؟ ارشاد ہوا کہ بہ نرمی اُن پر اسلام کو پیش کرو۔ اگر ایک شخص بھی تمہاری ہدایت سے اسلام لائے تو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور صحیح بخاری میں منقول ہے لیکن یہودی اسلام یا صلح کے قبول کرنے پر راضی نہیں ہو سکتے تھے۔ مرحب قلعہ سے یہ رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا ؎ قد علمت خیبر انی مرحب۔ شاکی السلاح بطل مجرب۔ خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں دلیر ہوں۔ تجربہ کار ہوں۔ سلاح پوش ہوں۔ مرحب کے سر پر یمنی زرد رنگ کا مغفر اور اُس کے اوپر سنگی خود تھا۔ قدیم زمانہ میں گول پتھر بیچ سے خالی کر لیتے تھے۔ یہی خود کہلاتا تھا۔ مرحب کے جواب میں حضرت علی علیہ السلام نے یہ رجز پڑھا ؎ انا الذی سمتنی امی حیدرہ۔ کلیث غابات کریہ المنظرہ۔ میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا تھا شیر نیستاں کی طرح مہیب و بدمنظر ہوں۔ مرحب بڑے طمطراق سے آیا لیکن حضرت علیؑ نے اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اُتر آئی اور ضربت کی آواز فوج تک پہونچی (طبری ص ۱۵۷۹ و سیرۃ النبیؐ جلد ۱ ص ۴۵۸)۔ اور دوسری کتاب میں لکھا ہے سب قلعے جلد جلد فتح ہو گئے وطیح و سلالم جن پر عرب کا مشہور بہادر مرحب قابض تھا آسانی سے فتح نہیں ہو سکتے تھے۔ آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر کو سپہ سالار بنا کر بھیجا لیکن وہ ناکام آئے پھر حضرت عمر مامور ہوئے وہ بھی برابر دو دن جا جا کر لڑے لیکن دونوں دن ناکام رہے۔ آنحضرتؐ نے یہ دیکھکر فرمایا کہ کل

پاس پہونچا اور آفتاب نے غروب کیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا کل میں یہ عَلَم اُس بہادر کو دونگا جو بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہوگا۔ وہ بھاگنے والا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اللہ و رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ و رسولؐ اس کو دوست رکھتے ہیں (ص۱۳۲)۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کے شکست کھا کر بھاگنے پر صحابہ ان کی ملامت کرتے تھے۔ مگر اسکی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ شاید انکی شکست میں کوئی بات ایسی ہو جو ہر شخص کو بری معلوم

(بقیہ حاشیہ ص۵۵)

میں ایسے شخص کو عَلَم دونگا جو حملہ آور ہوگا۔ اگلے دن تمام اکابر صحابہ عَلَمِ نبوی کی امید میں بڑے سر و سامان سے ہتھیار سج سج کر آئے۔ ان میں حضرت عمر بھی تھے اور اُن کا خود بیان ہے کہ میں نے کبھی اس موقع کے سوا عَلَم برداری اور افسری کی آرزو نہیں کی لیکن قضا و قدر نے یہ فخر حضرت علیؑ کے لئے اٹھا رکھا تھا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے کسی کی طرف توجہ نہیں کی۔ اور حضرت علیؑ کو بلا کر عَلَم ان کو عنایت کیا۔ مرحب حضرت علیؑ کے ہات سے مارا گیا اور اس کے قتل پر اس معرکہ کا بھی خاتمہ ہوگیا" (الفاروق ص۵۵)۔ حضرت علیؑ کی شجاعت اور کامیابی کا ایسا شہرہ تھا کہ مورخین نے لکھا ہے جب حضرت رسولؐ نے آپ کو عَلَم دیکر روانہ کیا فنهض بها وعليه حلة حمراء فاتے خيبر فاشرف عليه رجل من يهود فقال من انت۔ قال انا علی ابن ابی طالب فقال اليهودی غلبتم يا معشر يهود حضرت علیؑ عَلَم لے کر چلے اُس وقت آپ سُرخ عبا اوڑھے ہوئے تھے۔ قلعہ خیبر کے دروازے پر پہونچے تو قلعہ کے اوپر سے ایک یہودی نے دیکھکر پوچھا اے شخص تو کون ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا علی ابن ابیطالب۔ اس پر وہ یہودی چیخ پڑا۔ اے قوم یہود بس اب تم لوگ ضرور مغلوب ہو جاؤ گے (تاریخ کامل جلد ۲ ص۸۳) اور شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے "علیؑ عَلَم بر گرفتہ رواں شد و بپائے حصار قموص آمد و عَلَم را بر تودہ از سنگ ریزہ کہ در آں جا بود بزد۔ یکے از احبار یہود کہ بالائے حصار بود پرسید کہ اے صاحب عَلَم تو کیستی و نام تو چیست گفت منم علیؑ ابن ابی طالب پس آں یہودی با قوم خویش گفت سوگند بتوریت کہ شما مغلوب شدید۔ ایں مرد فتح ناکردہ برنہ خواہد گشت ظاہراً آں حبر صفات علیؑ و شجاعۃ وے را می دانست کہ در توریت وصف او را خواندہ بود۔ یعنی حضرت علیؑ عَلَم

تاریخ ائمہ آج تک اردو زبان میں ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں معصومین کے کل ضروری
کے ضروری حالات اور قابل فخر کارنامے یکجا جمع کئے گئے ہوں۔ اس عظیم الشان کتاب تاریخ ائمہ میں
مشہور انبیاء کرام کے ضروری حالات۔ پھر حضرت رسول خدا صلعم کے حالات لکھ کر آپکی ازواج و ا[illegible]
کرام کے حالات لکھے گئے۔ اسکے بعد حضرات ائمہ طاہرین کے مفصل سوانح زندگی اور قابل ناز
دینی و دنیوی کارنامے نہایت دلچسپ عنوان سے جمع کئے گئے ہیں۔ اسکے ساتھ ساتھ
ائمہ طاہرین کی ازواج و اولاد و اصحاب کے بھی نہایت معرفت خیز حالات لکھے گئے ہیں
علم دوست حضرات نے تسلیم کرلیا کہ اس کتاب میں گویا دریا کو کوزے میں بند کیا گیا
ہے۔ آج تک ہمارے پیشوایان دین کے ایسے قابل قدر حالات دنیا کی کسی زبان
(عربی۔ فارسی۔ اردو) میں نہیں لکھے گئے۔ جناب مولانا و مقتدانا آقا سید سبط نبی صاحب
قبلہ مجتہد العصر اعلی اللہ مقامہ ساکن نوگاواں سادات و شیعہ ڈین مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے
اس کتاب کو اس درجہ پسند فرمایا کر اسکے نسخے بذریعہ وی پی طلب کئے اور اسے علی گڑھ کالج و اسکول کے
شیعہ طلباء کے نصاب تعلیم میں داخل کرادیا۔ کاغذ کھلائی۔ چھپائی سبط علی درجہ کی ضخامت ۵۱۶ صفحہ قیمت صرف
[illegible] مگر خریداران اصلاح سے صرف ۶ر علاوہ محصول ڈاک۔ جلد طلب کیجئے۔ یہ کتاب ایک نعمت بے بہا ہے

مجالس خاتون اردو زبان میں چند سال قبل تک کوئی کتاب ایسی نہیں ملتی تھی جو خاص عورتوں
کی زنانی مجلسوں کے لئے لکھی گئی ہو اور جسکو بہنیں خود پڑھکر دوسری بہنوں کو سنائیں اور ان میں [illegible]
کریں۔ یہ کمی بہت دنوں سے محسوس ہو رہی تھی۔ اس کو رفع کرنے کے لئے کتاب مجالس خاتون
لکھی گئی جس میں پہلی محرم سے ۱۰ محرم تک ہر روز اور ہر رات میں عورتوں کے پڑھنے کی
تین مجلسیں لکھی گئیں۔ اس طرح ۳۰ مجلسوں کا ایسا قیمتی ذخیرہ ہو گیا ہے جس کا ہر شیعہ عورت
کے پاس ہر وقت رہنا ضروری ہے۔ ہر مجلس کے آخر میں مصائب بہت رقت خیز اور رلا دینے
والے دردناک نوحے بھی لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ بہنوں کو حدیث پڑھنے کے بعد کسی دوسری
نوحے رکھنے کی ضرورت نہ ہو بلکہ اسی کتاب سے یہ ضرورت بھی رفع ہو جائے۔ پہلی مرتبہ
چھپ کر پوری کتاب ختم ہو گئی تھی۔ اب دوبارہ چھپائی گئی ہے۔ اسکے بھی صرف چند نسخے
[illegible] جلد منگا لیجئے ورنہ تیسرے چھاپے کا انتظار کرنا ہوگا۔ قیمت صرف ایک روپیہ [illegible]

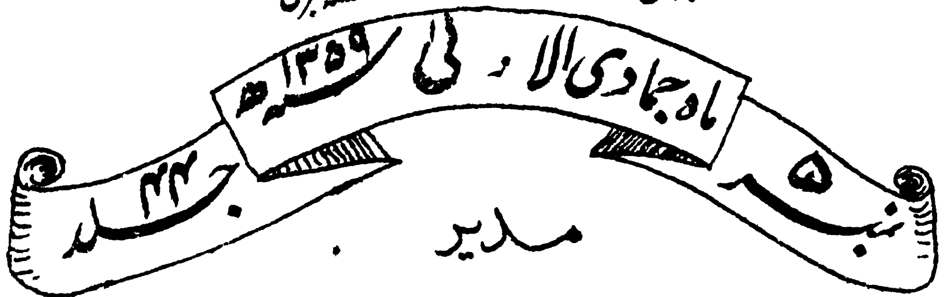
المشتہر — منیجر اصلاح کھجوا (صوبہ بہار)

[illegible]

جریدۂ مبارکہ

اصلاح

تاریخ اجراء ۱۵ شعبان سنہ ۱۳۱۵ ہجری



مدیر

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم

مقام اشاعت

کجھوا (صوبہ بہار)

چندہ سالانہ خاص ہمدردوں کے پانچ روپیہ
مع محصول ڈاک

سالانہ عام خریداروں کے تین روپیہ
[illegible] سالانہ [illegible] روپیہ

جوہر قرآن، سوانح عمری خلیفۂ دوم کی قیمت میں زبردست رعایت

دلچسپ ناول جوہر قرآن کی طرح

"تحفۂ بخاری" نام کا ایک اور بہت دلچسپ، مفید اور محققانہ ناول بھی رسالہ اصلاح کے ساتھ انشاء اللہ جلد از جلد شروع کیا جائیگا جس میں دکھایا جائیگا کہ خود اہلسنت کی مشہور کتاب صحیح بخاری میں بھی جس کو قرآن مجید کے برابر سمجھا جاتا ہے مہملات و مضحکات کا کس قدر انبار لگا ہوا ہے اور عقل و قرآن مجید کے خلاف کس کثرت سے حدیثیں بھری ہوئی ہیں۔ اس کے ساتھ مذہب شیعہ کے موافق بھی کتنا زبردست ذخیرہ موجود ہے۔ جس سے ہر انصاف پسند شخص آسانی سے تسلیم کرلیگا کہ اسلام میں مذہب شیعہ ہی حق ہے اس کے مقابلہ میں دوسرے فرقے اپنے کو حق نہیں ثابت کرسکتے۔ اس جدید کتاب کی وجہ سے رسالہ کے صفحات میں اضافہ کرنا پڑیگا جس کے کاغذ کا جلد از جلد انتظام کرنے کے لئے ۳۰ ذی الحجہ ۵۹ھ تک رسالہ اصلاح کے جدید خریداروں کو کتاب تاریخ ائمہ بجائے ۱۲؍ کے ۵؍ میں دلچسپ ناول جوہر قرآن ۱۶۵ صفحہ بجائے ۱۲؍ کے ۸؍ میں۔ اور سوانح عمری خلیفہ دوم کا پہلا حصہ ۲۷۶ صفحہ بجائے ۱۲؍ کے صرف ۸؍ میں دیا جائے گا۔ جلد طلب کرلیجئے ورنہ طبع ثانی کے انتظار کی سخت زحمت ہوگی۔

سوانح عمری حضرت خلیفۂ دوم حصۂ اولی

یہ کتاب بھی ۲۷۶ صفحہ پر دفتر اصلاح کھجوا سے شائع ہوگئی ہے جو شیعوں کا عظیم الشان علمی اور اسلامی کارنامہ ہے۔ جب سے مشہور علامہ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے خلیفہ دوم حضرت عمر کی مشہور سوانح عمری "الفاروق" شائع کی مذہب شیعہ پر اس سے بڑا حملہ ہو رہا تھا اور شیعوں کے خیالات پر اس کا نہایت مضر اثر پڑنے لگا تھا۔ خاص کر تعلیم یافتہ شیعہ بھی ان کو بڑا مدبر سیاست داں پر مغز صائب الرائے ہمدرد اسلام بھی مسلمین حیرت انگیز حکمران اور قابل فخر اسلامی ہیرو سمجھنے لگے تھے۔ اسی وجہ سے انصاف پسند مسلمانوں میں بڑی بے چینی تھی کہ کسی طرح حضرت عمر کی ایسی سچی اور تحقیقی سوانح عمری بھی لکھی جاتی جس سے آپ کے اصلی حالات اور صحیح حالات زندگی معتبر کتابوں سے واضح ہو جاتے۔ اور "الفاروق" کا زہریلا اثر مٹ جاتا۔ الحمد للہ کہ یہ دیرینہ آرزو بر آئی اور دفتر اصلاح سے حضرت ممدوح کی ایسی ہی سوانح عمری کا پہلا حصہ ۲۷۶ صفحہ میں شائع ہوگیا جس میں ممدوح کے فضائل کی کل حدیثوں پر تبصرہ کرکے ان کا موضوع ہونا ثابت کردیا گیا۔ اور پھر آپ کی پیدائش سے ہجرت مدینہ تک کے حالات جمع کردیئے گئے ہیں۔ اس سوانح عمری نے مسلمانوں کو محو حیرت کردیا ہے۔ قیمت صرف ۱۲؍ جلد منگا لیجئے تاکہ دوسرے حصہ کے ساتھ پہلے حصہ کے ملاحظہ کا لطف بھی حاصل ہو۔

جوہر قرآن نہایت اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح حیدرآباد دکن میں ایک تعلیم یافتہ نہایت تیز شیعہ لڑکی کی شادی ایک نہایت زبردست محقق و علامۂ اہلسنت سے ہوگئی جس کے بعد سنی مولانا صاحب نے

(بقیہ ٹائٹل صفحہ ۳ پر دیکھئے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اصلاح

نمبر ۵ | ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۹ھ | جلد ۴۴

الحمد للہ کہ محض اُسی کے فضل وکرم سے اصلاح ماہ جمادی الاولیٰ سنہ رواں کا یہ نمبر شائع ہو رہا ہے۔ اس دفعہ رسالہ کی اشاعت میں اس قدر تاخیر ہوئی کہ غالباً اکثر ہمدردوں کو شبہ پیدا ہو گیا ہوگا کہ خدانخواستہ یہ رسالہ بند ہو گیا۔ بلکہ بعض خریداروں کے خطوط بھی اسی مضمون کے آئے۔ اور بکثرت حضرات دریافت کرتے رہے کہ اب تک رسالہ کیوں نہیں شائع ہوا۔ مگر ہم سب سے بہت شرمندہ ہیں کہ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے ان کو جواب تک نہیں دے سکے۔ ہم ایسے حالات ہی میں مبتلا تھے کہ نہ کچھ جواب دے سکتے تھے نہ کچھ اور کر سکتے تھے۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ جس طرح ہماری ذاتی زندگی خدا کے اختیار میں ہے اسی طرح اس رسالہ کی بقا بھی محض اسی منعم حقیقی کے فضل وکرم پر موقوف ہے۔ اگر وہ اس کو جاری نہ رکھنا چاہے تو ہمارے چلائے یہ چل نہیں سکتا۔ اور اگر وہ اس کا بند ہونا پسند نہیں کرے تو ظاہری اسباب کتنے ہی مخالف ہوں مگر یہ بند نہیں ہو سکتا۔ البتہ گذشتہ چند مہینوں میں ہم پر اتنے آلام ومصائب کا ہجوم ہوا کہ اکثر اوقات ہم کو خود اپنی زندگی کی طرف سے خوف پیدا ہو گیا تھا۔ خصوصاً قلبی حالت بہت خطرناک ہو گئی تھی۔ پھر رسالہ اصلاح کا کیا ذکر ہے۔ اُن آلام ومصائب کو مفصل ظاہر کر کے ہم اپنے ہمدردوں کو پریشان کرنا نہیں چاہتے۔ بس مختصراً یہ سمجھ لیجئے کہ مذہب حق کے خادموں کو دنیا میں جن اذیات ومکروہات کا سامنا ہوتا ہے اُن سے دفتر اصلاح کو بھی محفوظ نہیں رہنا چاہیئے۔ کیونکہ دین حق اور صراط مستقیم ہی کی خدمت کا شرف اس کو بھی ۴۴ سال سے حاصل ہے جب اس کے مقتدایان دین ہمیشہ مصائب وآفات میں مبتلا رہے اور ان کو ہر قسم کی اذیت برداشت کرنی پڑی تو یہ سلسلۂ خدمت دین اس سے کیونکر بچے۔ اس کے ساتھ ہم یہ کہنے پر بھی مجبور ہیں کہ اگر ہمدردان دین وملت واعوان وانصار اصلاح اس کی طرف اپنی توجہ رکھتے تو ہمارے ذاتی نیز دفتر کے مصائب کے

ساتھ ساتھ رسالہ کی اشاعت میں اس قدر تاخیر نہیں ہوتی۔ ہمیشہ ہم اس کی درخواست کرتے ہیں کہ محرم سے نیا سال شروع ہونے کے ساتھ ہی کل ہمدردانِ اصلاح اپنا سالانہ چندہ بذریعہ منی آرڈر عنایت کر دیا کریں کہ انھیں چندوں سے رسالہ کے مصارف پورے ہوتے ہیں۔ ہر اخبار و رسالہ کا قاعدہ ہے کہ اپنا سالانہ چندہ پیشگی لے لیتا ہے تب خریداروں کے پاس بھیجتا ہے۔ کیونکہ کاغذ۔ روشنائی۔ ٹکٹ۔ کتابت و طباعت کی اُجرت سب پہلے ادا کر دی جاتی ہے تب اخبار یا رسالہ کا کوئی نمبر طیار ہوتا ہے مگر افسوس بہت کم حضرات اس کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ بلکہ لطف یہ ہے کہ جس قدر اس کی تاکید کی جاتی ہے اور اس پر دفتر کی طرف سے زور دیا جاتا ہے اسی قدر اس کی طرف سے غفلت برتی جاتی اور اس درخواست کو ناقابلِ توجہ سمجھا جاتا ہے۔ پھر آپ حضرات خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ہمارا کام مضمون لکھ دینا ہے۔ خدا کے فضل سے وہ ایک ماہ میں دو مہینوں کا ہو جا سکتا ہے لیکن ہمارا لکھا ہوا مضمون تو آپ کے پاس اُس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کاتب صاحب اس کی کاپیاں نہ لکھ دیں۔ کاغذ کے کارخانہ سے کاغذ نہ منگا لیا جائے۔ کاریگروں سے چھپوا نہ لیا جائے۔ اور ڈاک خانہ سے ٹکٹ لیکر پرچہ پر چسپاں کر کے اس کو دفتر سے روانہ نہ کر دیا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی کام بغیر مال صرف کئے انجام نہیں پا سکتا خصوصاً کاغذ کی مصیبت زیادہ پریشان کن رہتی ہے۔ اور اب تو موجودہ جنگ یورپ کی وجہ سے یہ اور بڑھ گئی ہے کیونکہ بہت گراں ہو گیا۔ روشنائی کی قیمت بھی بہت زیادہ ہو گئی پھر بھی رسالہ کی اشاعت کسی نہ کسی طرح کی جاتی ہے۔ مگر سب سے بڑی مشکل یہ ہوئی کہ الفاء اصلاح کی ہمدردی بھی بہت کم ہو گئی۔ پہلے ہندوستان۔ برما۔ ملایا۔ سنگاپور۔ ممباسہ۔ زنجبار وغیرہ کے متعدد مقامات سے اکثر ہمدردانِ دین و ملت دفتر اصلاح کی اعانت میں ڈیڑھ سو یا سو روپیہ تک بھیج دیا کرتے تھے جس سے اس کا کاغذ منگا لینے میں آسانی ہوتی تھی مگر سال گذشتہ سے اس وقت تک کسی جگہ سے پچیس روپیہ بھی دفتر اصلاح میں نہیں آئے جس کی وجہ سے رسالہ کی اشاعت میں غیر معمولی دقتیں پیدا ہو گئیں۔ خیر سال گذشتہ تو خدا کے فضل و کرم سے اس کے پورے نمبر کسی طرح شائع ہو گئے اور سوانح عمری خلیفۂ دوم کا پہلا حصہ بھی مکمل ہو گیا۔ مگر اس سال (۱۳۵۹ھ میں) اس کے صرف ۴ نمبر شائع ہو سکے۔ جس کے بعد کئی ماہ تک کاغذ کے انتظار میں رسالہ کی اشاعت رکی رہی۔ بہت کچھ کوشش کی گئی کہ ۵ ہی کے کاغذ کا سامان

جلد ہو جائے مگر بہت کم کامیابی ہوئی۔ صرف صوبہ سرحد کے ایک ہمدردِ اصلاح نے پچیس
روپیہ کا کاغذ بھجوا دیا۔ جس کے ساتھ کچھ قرض کا انتظام کرکے ہم کاغذ منگالیا گیا اور ۵ء ۸۴ صفحوں
پر شائع کر دیا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں ناظرین اصلاح خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ہم کیا
کر سکتے تھے۔ بار بار درخواست کی گئی کہ (الف) کل خریدارانِ اصلاح اپنا چندہ اصلاح ۵۹ء ھ
بذریعہ منی آرڈر عنایت کریں۔ اور (ب) دو دو جدید خریدار بھی عنایت کرکے شکر گزار کریں۔
مگر انجام یہ ہوا کہ یہ سال ختم ہو رہا ہے اور اب تک (الف) پہلے کے خریدارانِ اصلاح سے
۱۶۰ خریداروں کا چندہ ۵۹ھ ہجری وصول ہوا ہے۔ اور (ب) صرف ۴۱ جدید خریدار اس
سال ہوئے ہیں۔ اب آپ حضرات بتائیں کہ صرف دوسو چندوں سے اصلاح کے کتنے
نمبر شائع ہو سکتے ہیں؟ تقریباً سو خریداروں کے چندوں سے صرف ایک نمبر کے مصارف
پورے ہوتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ اس سرد مہری کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ حالانکہ اس وقت
رسالہ اصلاح اس عظیم الشان دینی و علمی خدمت کے انجام دینے میں مشغول ہے جس کو اکثر
ہمدردانِ اصلاح اس کی زندگی کا بہت بڑا کارنامہ سمجھتے ہوں گے یعنی خلیفۂ دوم کی سوانح عمری
جب سے شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی کی مشہور کتاب "الفاروق" شائع ہوئی۔
مومنین کے کل علمی حلقوں میں اس کی مفصل رد کی اہمیت زوردار عبارتوں میں بیان ہوتی
رہی ہے۔ اخباروں میں بھی اس کی طرف اہل علم حضرات کو متوجہ کیا گیا۔ علمی رسالوں سے بھی
خواہش کی گئی اور علماء کرام سے بھی درخواستیں کی گئیں مگر اب جبکہ شیعوں کی یہ دیرینہ تمنا
دفتر اصلاح کی موجودہ سوانح عمری سے بقول اکثر ناظرین بہترین طور پر پوری ہو رہی ہے۔ اہل
مومنین کی یہ ۴۲ سالہ آرزو (کیونکہ الفاروق ۱۸۹۸ء میں شائع ہوئی) کمال تحقیق و جامعیت سے
آراستہ ہو کر بر آ رہی ہے اور اسی سال اس کو مکمل کرنا ضروری ہے۔ ہمدردانِ اصلاح اس کی
اعانت سے بالکل غافل بیٹھ گئے ہیں۔ ہم نے تو یہ بھی درخواست کی کہ اگر اصلاح کے جدید
خریدار نہیں ملتے تو دفتر کی جدید علمی و دینی کتابوں (تاریخ ائمہ قیمتی ۵ؔ ۵۱۶ صفحہ۔ جوہر قرآن
۵۱۶ صفحہ قیمتی ۵ؔ۔ ذخیرہ حق ۳۴۴ صفحہ قیمتی ۱ؔ۔ سوانح عمری خلیفۂ اول حصہ اولیٰ ۲۶۰ صفحہ
قیمتی ۱ؔ۔ سوانح عمری خلیفہ دوم حصہ اولیٰ ۲۶۸ صفحہ۔ قیمتی ۱ؔ) ہی کے جدید خریدار عنایت
کریں کہ ان کتابوں ہی کی قیمت سے کاغذ جلد جلد منگوا کر سوانح عمری خلیفہ دوم کو ۵۲۶ صفحہ

میں ختم اور جدید دلچسپ ناول تحفۂ بخاری شروع کر دیا جائے۔ لیکن افسوس اس پر بھی صرف اتنے حضرات نے توجہ کی جو انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔

اب کیا کیا جائے؟ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سال ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ تک اصلاح کے باقی ۷ نمبر۔ اور سوانح عمری کے ۳۰۶ صفحے کیونکر شائع کئے جائیں۔ جن میں تقریباً چھ سو روپیہ کا کاغذ لگے گا۔ اگر ہمدردانِ دین و ملت اب بھی تھوڑی سی توجہ کر دیں تو یہ سب باتیں آسانی سے ہو جا سکتی ہیں۔ اس طرح کہ اسی وقت کل خریدارانِ اصلاح کے نام ۱۳۵۹ھ کے چندہ اصلاح کے لئے ایک پرچہ بذریعہ وی۔ پی روانہ کیا جاتا ہے۔ ان سب کو فوراً وصول کر کے شکر گزار کریں۔ اور کسی وی۔ پی کو واپس نہ کریں۔ اور اپنے اعزہ و احباب کو دفتر کی کتابیں دکھا کر کوشش کریں کہ صرف دس دس روپیہ کی کتابیں اُن کے پاس بھی طلب کر لی جائیں۔ اس طرح ان تحقیقی مضامین کی تبلیغ و اشاعت بھی ہو جائے گی جس سے مومنین کی مذہبی معلومات میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا۔ اور سوانح عمری خلیفہ دوم کے بقیہ حصہ کے لئے کاغذ کا کافی سامان بھی ہو جائے گا۔ جو انشاء اللہ اسی سال مکمل ہو کر آپ کل حضرات کے پاس پہنچ جائے گی۔

صرف پچاس ہمدردوں کی ضرورت اگر صرف پچاس ہمدردانِ دین و ملت بھی اس نمبر کے دیکھتے ہی اپنے حلقۂ اعزہ و احباب میں دس دس روپیہ کی کتابیں اس دفتر سے منگوا دیں جن کی رقموں سے فوراً پانچ سو روپیہ کا کاغذ منگا لیا جائے۔ تو اس وقت کی دقتیں رفع ہو جا سکتی ہیں۔ اور انشاء اللہ اطمینان سے سوانح عمری کا کام جلد از جلد ختم ہو جائے گا۔ آپ حضرات مایوس نہ ہوں خدا کے فضل سے سوانح عمری خلیفہ دوم کا دوسرا حصہ بھی ۵۳۶ صفحے میں مکمل ہو کر آپ کے پاس پہنچ جائے اور حضرت عمر کی مدح و ثنا کا جو زبردست فرضی قلعہ قائم کر دیا گیا ہے اس کی حقیقت بھی واضح ہو جائے۔

حاجی ثناء اللہ صاحب ایڈیٹر اہلحدیث کو ناظرین اصلاح اچھی طرح جانتے ہوں گے۔ آپ نے حال میں پھر شیعوں کے سامنے آنے کی ہمت کی ہے۔ لکھتے ہیں "دست بستہ نماز پڑھنے کا ثبوت کتب شیعہ سے" شیعہ سنی میں عرصہ سے یہ مسئلہ اختلافی چلا آیا ہے کہ نماز ہاتھ باندھ کر پڑھی جائے یا چھوڑ کر۔ شیعہ گروہ باتفاق اس امر پر مصر ہے کہ نماز ہاتھ چھوڑ کر پڑھنی چاہئے ہمیں شیعوں کی کتب حدیث سے ایک روایت ملی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ عن زرارۃ قال

[illegible]

اذا قامت المرأة فی الصلوٰۃ جمعت بین قدمیها ولا تفرج بینهما وتضم یدیها الی صدرها مکان ثدییها۔ (فروع کافی جلد ا صفحہ ۱۹۵) (ترجمہ) زرارہ راوی سے روایت ہے کہ عورت جب نماز میں کھڑی ہو تو پیروں کو اکٹھا کرے اور دونوں ہاتھ ملا کر پستانوں کے پاس سینے پر رکھے"۔

جب عورت کو ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا حکم ہے تو مرد کے لئے علیحدہ حکم نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح شیعہ کی معتبر کتاب مجمع المعارف میں ہے۔ منقول از ابی عبداللہ است کہ "در نماز دست بستن بہتر است"۔ بس اب یہ مسئلہ صاف ہوگیا۔ امید ہے کہ شیعہ حضرات اس کو قبول کرکے ہدایت یاب ہوں گے"۔ (اخبار اہلحدیث ۲۹۔ ربیع الثانی ۵۹ ھجری)۔ کس بھولے پن سے فرماتے ہیں "جب عورت کو ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا حکم ہے تو مرد کے لئے علیحدہ حکم نہیں ہوسکتا"۔ جناب حاجی صاحب! کیوں نہیں ہوسکتا؟ پھر تو آپ کہیئے گا کہ جب عورت کو پردہ میں بیٹھنے کا حکم ہے تو مرد کو باہر نکلنے کا نہیں ہوسکتا۔ جب عورت کو غسل حیض کا حکم ہے تو مرد کے لئے علیحدہ حکم نہیں ہوسکتا۔ جب عورت کو اپنے حمل کی حفاظت کا حکم ہے تو مرد کے لئے علیحدہ حکم نہیں ہوسکتا۔ جب عورت کو دودھ پلانے کا حکم ہے تو مرد کے لئے علیحدہ حکم نہیں ہوسکتا۔ سچ کہیئے گا جس طرح آپ کی اہلیہ محترمہ دودھ پلاتی ہیں آپ بھی اپنے بچوں کو دودھ پلاتے ہیں؟ جس طرح عورتیں ہر مہینہ کچھ دنوں کی نماز چھوڑ دیتی ہیں آپ بھی ترک کردیتے ہیں؟ عورت کو ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت ہے کیا آپ کے لئے بھی ہے؟ عورت کو سونے کے زیور پہننے کی اجازت ہے کیا آپ کے لئے بھی ہے؟ کیونکہ مرد کے لئے علیحدہ حکم نہیں ہوسکتا۔ میری رائے ہے کہ آپ عورتوں کے زیورات پہنکر اپنا فوٹو کھچوالیں۔ اور اپنے اخبار میں شائع کردیں۔ پھر دیکھئے آپ کا اخبار ہاتھوں ہاتھ بک جاتا ہے۔ آریہ حضرات تو اس کے نہایت قدرداں ہوجائیں گے۔ اب سنئے اسی فروع کافی کے اسی صفحہ میں مردوں کے لئے علیحدہ حکم اس طرح موجود ہے اذا قمت فی الصلوٰۃ فلا تلصق قدمک بالاخریٰ وارسل یدیک مرد جب نماز کو کھڑا ہو تو اپنا ایک پاؤں دوسرے سے ملائے اور دونوں ہاتھوں کو کھول کر نماز پڑھے۔ (فروع کافی جلد ا صفحہ ۱۹۵ سطر ۲) رہی دوسری کتاب مجمع المعارف تو بتائیے وہ کس کی ہے۔ کہاں چھپی ہے؟ کس صفحہ میں فارسی عبارت ہے۔ اور

وہ مردوں کے لئے ہے یا عورتوں کے لئے۔ اگر آپ کسی شیعہ کتاب میں یہ دکھا دیجئے کہ نماز میں مردوں کے لئے ہاتھ باندھنے کا حکم ہے تو آپ کو کافی انعام دیا جائے۔ اب لیجئے میں آپ کی کتابوں سے بتاتا ہوں کہ نماز میں ہاتھ باندھنا نہیں بلکہ کھولنا چاہیئے۔ آپ کے مشہور امام محمد معین صاحب لاہوری لکھتے ہیں ان اجماع اھل المدینۃ المطھرۃ حجۃ حتی انہ عولت علماء مذھب فی ارسال الیدین حالۃ القیام فی الصلوٰۃ علے ایلھا۔ مدینہ کے مسلمانوں کا اجماع حجت ہے یہاں تک کہ ان کے علماء نے حالت قیام میں ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کا حکم اسی وجہ سے دیا ہے کہ مدینہ کے مسلمانوں کا یہی عمل تھا۔ کان ابن الزبیر اذا صلّی یرسل یدیہ جناب ابن زبیر (جو حضرت عائشہ کے حقیقی بھانجے اور حضرت زبیر کے فرزند تھے) ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے تھے۔ (دراسات اللبیب مطبوعہ لاہور صفحہ ۱۳۸)

اور کتاب مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے اُن لوگوں کا بیان جو نماز میں اپنے ہاتھوں کو چھوڑا کرتے تھے۔ ہشیم یونس سے وہ حسن سے اور مغیرہ وہ ابراہیم سے روایت کرتے تھے کہ وہ دونوں ہاتھ کھول کر یا چھوڑ کر نماز پڑھتے تھے۔ اور ابن زبیر جب نماز پڑھتے تو اپنے دونوں ہاتھ چھوڑ دیا کرتے۔ ابن سیرین سے سوال کیا گیا کہ نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ سے پکڑیں تو کہا یہ نہیں کیا تھا مگر بسبب خون کے۔ عمر بن ہارون عبداللہ بن یزید سے روایت کرتے تھے کہ کہا کبھی میں نے ابن المسیب کو ہاتھ پکڑتے نہیں دیکھا۔ وہ برابر نماز میں دونوں ہاتھ چھوڑ دیا کرتے تھے عبداللہ بن غزار بیان کرتے تھے کہ میں ایک دفعہ سعید بن جبیر کے ساتھ طواف کر رہا تھا۔ ایک آدمی کو انھوں نے دیکھا کہ وہ نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر یا یہ اُس پر رکھے ہے۔ تو دونوں گئے اور اُس کے دونوں ہاتھوں کو جدا کیا۔ پھر واپس آئے۔

اور امام عبدالوہاب شعرانی نے لکھا ہے فی روایۃ عن مالک وھی المشھورۃ انہ یرسل یدیہ ارسالا۔ امام مالک صاحب سے روایت ہے اور وہی مشہور بھی ہے کہ وہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔ (کتاب رحمۃ الامۃ مطبوعہ مصر صفحہ ۳۸) اور علامہ علی متقی نے ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے کی بہت سی روایتیں لکھی ہیں۔ میں صرف ترجمہ لکھتا ہوں۔ حضرت رسول خدا صلعم فرماتے تھے کسی کی نماز پوری نہیں ہوگی جب تک وہ اس طرح نہ پڑھے کہ پورا وضو ٹھیک طور پر کرے جس طرح خدا نے حکم دیا ہے کہ پہلے اپنا منہ دھوئے پھر کہنیوں تک دونوں ہاتھ

دھوئے۔ پھر سر اور اپنے دونوں پاؤں پر مسح کرے۔ پھر تکبیر کہے۔ پھر حمد و تمجید خدا بجا لائے۔ پھر خدا نے جس قدر قرآن کی سورہ پڑھنے کا حکم دیا ہے اُس قدر سورے پڑھے۔ پھر تکبیر کہکر رکوع میں جائے۔ اور اپنی دونوں ہتھیلیاں دونوں گھٹنوں پر رکھے۔ پھر سیدھا کھڑا ہوکر سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے۔ پھر سیدھا ہی کھڑا رہکر تکبیر کہے۔ پھر سجدہ میں جائے۔ اور مٹی پر اپنی پیشانی رکھے۔ پھر تکبیر کہکر سر اُٹھائے اور برابر بیٹھے۔ پھر تکبیر کہکر سجدہ میں جائے اور مٹی پر پیشانی کو رکھے۔ غرض کسی کی نماز کامل نہیں ہوگی جب تک یہ سب نہ کرے۔ (کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۹۳)۔ ملاحظہ ہو اس میں حضرت رسول مقبول صلعم نے نماز کی کل حرکتیں بہ تفصیل بیان کردیں۔ ہاتھ اُٹھانے اور رکوع میں دونوں ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھنے تک کی تصریح فرمادی مگر ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں کیا۔ اس سے واضح تر دلیل کیا ہوگی اس امر کی کہ نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم نہ خدا نے دیا نہ رسولؐ نے۔ اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ حکم خدا و رسولؐ کے خلاف کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے فرقہ اہلسنت ہی کا ایک طبقہ یعنی فرقہ مالکی برابر ہاتھ چھوڑکر نماز پڑھتا ہے۔ اور اس کے پیشوا امام مالک صاحب بھی ہاتھ چھوڑکر ہی نماز پڑھتے تھے۔ اور نماز میں ہاتھ نہ باندھنے بلکہ چھوڑکر پڑھنے کی سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری میں ہے (صرف ترجمہ لکھتا ہوں) ایک دفعہ حضرت رسولخدا نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ قوم جنات کے ایک دیو نے پچھلی رات کو مجھ پر حملہ کردیا تاکہ میری نماز توڑدے۔ اس پر میں اُس سے لڑنے لگا۔ تو خدا نے مجھ کو اُس پر غالب کردیا۔ میں نے چاہا کہ اُس دیو کو اسی مسجد کے کسی پایہ سے باندھ دوں تاکہ تم لوگ صبح کے وقت اُس کو دیکھ لو۔ مگر مجھے بھائی سلیمان پیغمبر کا قول یاد آگیا تو اُس کو چھوڑ دیا۔ (صحیح بخاری پارہ ۵ ۲۵ صفحہ ۲۷۶)۔ کتاب الصلوٰۃ باب الاسیر والغریم بربط المسجد)۔ یہ واقعہ خاص آنحضرتؐ کی نماز کا ہے کہ نماز ہی میں اُس دیو یا بھوت نے حضرتؐ پر حملہ کیا۔ اور نماز ہی میں حضرتؐ اس بھوت سے کشتی لڑے اور نماز ہی میں اُس بھوت پر غالب آئے۔ اور نماز ہی میں چاہا کہ اُس کو مسجد کے پایہ سے باندھ دیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر حضرت رسولؐ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے تو اُس دیو یا بھوت سے کشتی کیونکر لڑ سکتے؟ کیا کوئی شخص اپنے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کو پکڑے ہوئے بھی کسی دیو یا بھوت سے لڑ سکتا ہے؟

یہ سب صورتیں اسی وقت ممکن ہیں جب حضرت ہاتھ کھول کر یا چھوڑ کر نماز پڑھتے ہوں۔ اگر باندھ کر پڑھتے تو اُس دیو یا بھوت کے حملہ کرتے ہی حضرتؐ خود گر جاتے نہ کہ اُس کو پچھاڑ کر اس کا گلا گھونٹ سکتے۔ البصی رسول اللہؐ رجلا یعبث بلحیتہ فی الصلوٰۃ حضرت رسولؐ نے ایک صحابی کو دیکھا کہ نماز میں اپنی ڈاڑھی سے کھیل رہے ہیں۔ (منتخب کنزالعمال جلد ۳ صفحہ ۲۲)۔ اگر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھی جاتی تو صحابہ کو اپنی ڈاڑھی کے ساتھ کھیلنے کا موقع کیونکر ملتا؟ یہ روایت بھی قابل دید ہے کان عمر بن الخطاب یقتل القملۃ فی الصلوٰۃ حتی یظہر دمھا علی یدہ۔ حضرت عمر کا معمول تھا کہ اپنی نماز میں اپنے کپڑوں سے جوئیں نکال نکال کر مارا کرتے۔ یہاں تک کہ ان جوؤں کا خون اُن کے ہاتھ میں دکھائی دینے لگتا تھا۔ (کنزالعمال جلد ۴ صفحہ ۲۳۴)۔ اِس سے معلوم ہوا کہ ممدوح دو چار جوئیں نہیں مارتے تھے کیونکہ اس سے خون ظاہر نہیں ہو سکتا ہے بلکہ سیکڑوں جوئیں مارتے رہتے تھے۔ جن سب کا خون آپ کے ہاتھوں میں اتنا بھر جاتا تھا کہ ظاہر ہو جاتا تھا۔ یہ امر بھی اس بات کی بہت زبردست دلیل ہے کہ حضرت عمر بھی برابر ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے تھے۔ اگر ہاتھ باندھ کر پڑھا کرتے تو اپنے کپڑوں سے اس کثرت سے جوئیں کیونکر نکالا کرتے اور ان سب کا خون کیونکر کر سکتے؟ کیا کوئی شخص ہاتھ باندھ کر بھی اپنی نماز میں اس کثرت سے جوئیں مار سکتا ہے؟ یا آپ حضرات اپنے کسی عالم کے بارے میں بھی ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے میں اس کثرت سے جوئیں مارتے تھے؟ آپ اپنے ہی متعلق بتائیے کہ اگر جاڑے کے دنوں میں آپ کے کپڑوں میں جوئیں بھر جائیں اور آپ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے لگیں اور جوئیں آپ کو کاٹنا شروع کریں تو آپ کس طرح ان جوؤں کو نکال اور مار سکتے ہیں؟ خصوصاً اگر وہ جوئیں آپ کے پائجامہ میں بھری ہوں تب آپ کی جو حالت ہوگی وہ غالباً محتاج بیان نہیں ہو سکتی۔ ان تمام امور سے مثل آفتاب روشن ہو جاتا ہے کہ نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم نہ رسولؐ نے دیا تھا نہ صحابہ نے۔ نہ اس پر اُن میں سے کسی کا عمل تھا۔ فقط سید آغا جعفر نقوی۔

ضروری اطلاع کل خریداران اصلاح کے نام ۵۹ھ کے سالانہ چندہ کے لئے وی پی روانہ کیا جاتا ہے جلد وصول فرما کر شکرگزار کریں تاکہ اس سال کے بقیہ نمبر جلد جلد شائع ہو جائیں اور خلیفہ دوم کی سوانح عمری کا دوسرا حصہ بھی ۴۳۶ صفحوں پر ذی الحجہ ۵۹ھ تک مکمل ہو جائے۔

نے ذکر کیا۔ ان کو عبیداللہ نے خبر دی۔ ان سے حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ پھر پ ۲۳
ص۳۸۲ میں ہے کہ امام بخاری سے عبداللہ بن محمد نے کہا۔ ان سے عبدالرزاق نے بیان
کیا۔ ان سے معمر نے ذکر کیا۔ ان کو زہری نے خبر دی۔ ان سے عبیداللہ بن عبداللہ نے
نقل کیا۔ ان سے حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ پھر پ۳ ص... میں ہے کہ امام بخاری سے ابراہیم
بن موسےٰ نے کہا۔ ان سے ہشام نے بیان کیا۔ ان سے معمر نے ذکر کیا۔ ان کو زہری نے
خبر دی۔ ان سے عبیداللہ بن عبداللہ نے نقل کیا۔ ان سے حضرت ابن عباس نے فرمایا
کہ جب رسول خداؐ کی رحلت کا وقت آیا تو آپ نے کاغذ قلم دوات طلب کی اسی طرح صحیح مسلم میں
یہ روایتیں متعدد معتبر صحابی و تابعی راویوں سے درج ہے۔ پھر جس روایت کو امام بخاری
و امام مسلم جو عہد رسولؐ سے کس درجہ قریب تھے اتنے راویوں سے سُنیں۔ بلکہ ان کی تحقیق
کریں ان کو جانچیں۔ اور ان سب مرحلوں کے بعد اس کو اپنی کتاب میں لکھ دیں وہ قابل
اعتبار ہوگی یا صرف چودھویں صدی میں مولوی شبلی صاحب کے شبہ کر دینے سے مشکوک
ہو جا سکتی ہے؟ اب اس کو بھی دیکھو کہ کیا واقعاً حضرت ابن عباس اس حدیث کی روایت میں
منفرد ہیں؟ کیا کسی اور صحابی نے اس حدیث کی روایت نہیں کی ہے؟ کیا مولوی شبلی صاحب کا
یہ دعوےٰ صحیح ہے؟ احادیث رسولؐ کا بہت بڑا ذخیرہ مسند امام احمد بن حنبل ہے۔ اس میں
یہ حدیث اس طرح بھی مروی ہے حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا موسیٰ بن داود ثنا
ابن لهيعة عن ابي الزبير عن جابر ان النبي صلى الله عليه وسلم دعا عند موته بصحيفة
ليكتب فيها كتابا لا يضلون بعده قال فخالف عليها عمر بن الخطاب حتى رفضها امام
احمد بن حنبل سے عبداللہ نے۔ ان سے ان کے باپ نے۔ ان سے موسےٰ نے۔ ان سے ابن لہیعہ نے
ان سے ابو الزبیر نے اور ان سے جناب جابر بن عبداللہ انصاری نے بیان کیا کہ حضرت رسول خدا
نے اپنی وفات کے قریب کاغذ مانگا تاکہ اس میں ایسا وصیت نامہ لکھوا دیں جس کے بعد اہل اسلام
گمراہ نہ ہوں۔ تو اس کے متعلق حضرت عمر بن الخطاب نے حضرت رسول خدا صلعم سے مخالفت کی
یہاں تک مخالفت کی کہ موصوف نے اس کاغذ کو لیکر پھینک بھی دیا (مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص۳۴۶ مطبوعہ مصر)
اس روایت میں کہیں جناب عباس کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس کے مستقل بیان کرنے والے جابر بن
عبداللہ انصاری ایسے معزز اور محترم صحابی رسولؐ ہیں۔ ان کی روایت سے یہ بات بھی معلوم

ہوئی کہ حضرت رسولخدا صلعم کے پاس وصیت نامہ کیلئے کاغذ بھی گیا تھا مگر حضرت عمر نے آنحضرتؐ کی اس درجہ مخالفت کی کہ اس کاغذ کو لیکر پھینک بھی دیا اور دوسرے صحابہ اس پر حضرت عمر سے کچھ بھی نہ بولے۔ اب دیکھو کہ جابر بن عبداللہ انصاری کس درجہ کے صحابی ہیں۔ علامہ ابن اثیر جزری وغیرہ نے لکھا ہے " جابر بن عبداللہ انصاری بیعۃ عقبہ ثانیہ میں بحالت صغر سن اپنے والد کے ہمراہ شریک تھے۔ خود کہتے تھے کہ میں رسولخداؐ کے ہمراہ سترہ غزوات میں شریک تھا۔ اخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے ... یہ جابر حدیث کے زیادہ روایت کرنے والوں اور حدیث کے حافظوں میں ہیں۔ ان سے محمد بن علی بن حسین نے اور عمرو بن دینار نے اور ابوالزبیر مکی نے اور عطا نے اور مجاہد وغیرہ نے روایت کی ہے .. جابر کہتے تھے کہ میرے لئے رسولخدا نے اونٹ والی رات میں پچیس مرتبہ استغفار کیا۔ حضرت جابر نے ۷۴ھ میں اور بقول بعض ۷۸ھ میں وفات پائی۔ آپکی عمر ۹۴ سال کی تھی (ترجمہ اسدالغابہ جلد ۲ صفحہ ۴۵) اور علامہ ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے کان آخر اصحاب رسول اللّٰہ موتا بالمدینۃ ... مات سنۃ ثمان وسبعین فاوصی ان لا یصلی علیہ الحجاج اصحاب رسول میں سے مدینہ میں جن لوگوں نے انتقال کیا ان سب کے آخر جابر تھے۔ آپ نے ۷۸ھ میں انتقال کیا اور وصیت کی کہ حجاج بن یوسف ثقفی آپکے جنازہ کی نماز نہ پڑھانے پائے (اصابہ جلد اصفحہ ۲۲۳) آپکے والد بھی حضرت رسولخدا صلعم کے صحابی تھے۔ جناب جابر حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت میں برابر رہتے اور حتی الامکان کسی غزوہ تک میں حضور کی صحبت نہیں چھوڑی۔ خود بیان کرتے تھے کہ میں رسولؐ اللہ کے ہمراہ ۱۹ غزووں میں شریک ہوا۔ میں غزوۂ بدر و احد میں شریک نہیں ہو سکا۔ کیونکہ میرے والد نے مجھے روک لیا تھا۔ چنانچہ جب وہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تو پھر میں کسی جہاد میں آنحضرتؐ سے جدا نہیں ہوا۔ (اصابہ جلد ا صفحہ ۲۲۳) چونکہ آپ برابر آنحضرت صلعم کے ہم صحبت اور ہم رکاب ہے اور آنحضرت کے انتقال تک کبھی خدمت اقدس سے جدا نہیں ہوئے۔ اسی وجہ سے آنحضرتؐ کی حدیثیں بھی بہت کثرت سے نقل کیں اور دوسرے صحابہ سے بھی بہت روایت کی ہے۔ آپ کی عمر ۹۴ سال کی اور تاریخ وفات ۷۴ھ لکھی گئی ہے۔ اس سے واضح ہے کہ وفات رسولؐ کے وقت آپ ۳۰ سال کے تھے اور امام احمد بن حنبل حنبلی کتاب مسند میں حدیث قرطاس جناب جابر کی روایت سے بھی موجود ہے اور امام بخاری اور مسلم کے بھی استاد تھے۔ چنانچہ ترجمہ مشکوٰۃ کے دیباچہ میں ہے "احوال امام احمد کا۔ نام انکا

احمد بن محمد بن حنبل ہے۔ اور کنیت ان کی ابو عبداللہ ہے۔ امام احمد حدیث اور فقہ اور زہد و ورع میں
لوگوں کے پیشوا اور مقتدا تھے۔ ان کی جلالت کے واسطے یہی کافی ہے کہ امام بخاری اور مسلم اور ابوداؤد
اور ابوداؤد سجستانی وغیرہ ان کے شاگرد ہیں۔ اور کتاب ان کی جس کا نام مسند احمد ہے محدثین کے
درمیان مشہور ہے۔ تیس ہزار سے زیادہ اس میں حدیثیں ہیں ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے بغداد میں
اور ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے بغداد میں۔ ان کے جنازہ پر قریباً آٹھ لاکھ آدمی حاضر تھے اور ساٹھ
ہزار عورتیں اور بیس ہزار یہود و نصاریٰ نے اُس دن مسلمان ہوئے" (ترجمہ مشکوٰۃ مطبوعہ لاہور جلد ا
صلا۔ دیباچہ) یہ کس قدر افسوسناک امر ہے کہ مولوی شبلی صاحب ایسے عالم متبحر جو ہزاروں کتابیں
دیکھ چکے ہوں گے اور جنکے ایسا وسیع النظر عالم ان کی جماعت میں غالباً کوئی تھا ہی نہیں اتنا بڑا
دعوے لیکر بیٹھے کہ "بجز عبداللہ بن عباس کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف
بھی منقول نہیں" حالانکہ جناب جابر کی روایت کتاب مسند احمد بن حنبل سے دکھا دی گئی اور یہ کتاب
یقیناً ممدوح نے پڑھی بھی ہوگی لیکن آپ کو اپنی کتاب کے ہر دلعزیز بنانے کا اس قدر جوش تھا کہ
کتاب مسند احمد بن حنبل کی اس روایت سے آنکھیں بند کرلیں۔ ابھی معلوم نہیں کتنی کتابوں میں کس کس
صحابی سے یہ حدیث مروی ملیگی مگر سب سے نقل کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ دوسرا امر جس پر آپنے
بہت زیادہ اور بار بار زور دیا ہے یہ ہے کہ "عبداللہ بن عباس کی عمر اُس وقت صرف ۱۳-۱۴ برس کی تھی" لیکن
اگر ہو بھی تو اس سے اعتراض کیا ہو سکتا ہے؟ ۱۴ سال کی عمر حدیثوں کے یاد کرنے کیلئے کافی ہے
خود ہندوستان میں کتنے لڑکے ۱۴ سال کی عمر میں حافظ قرآن مجید ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ اس کا
ایک لفظ بھی سمجھتے نہیں۔ کیونکہ ان کی زبان اُردو ہوتی ہے اور قرآن مجید عربی زبان میں تھا۔ پھر جناب
ابن عباس ۱۳-۱۴ سال کی عمر میں حدیث قرطاس کو کیوں نہ یاد رکھتے درصورتیکہ ان کی زبان عربی
تھی اور حدیث بھی عربی ہی کی تھی۔ آپ کے علم و فضل کی حالت تو ایسی تھی کہ اگر ۴-۵ سال کے ہوتے
جب بھی آپکی کل حدیثوں پر یقین ہو جاتا۔ علماء رجال نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ "آپ کے
بارے میں حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا تھا "اے اللہ ان کو کتاب و حکمۃ کا علم عطا فرما" اور
خود جناب ابن عباس فرماتے تھے کہ مجھ کو رسول اللہ نے اپنے سینے سے لگا کر فرمایا "اے اللہ ان کو
حکمۃ تعلیم فرما"۔ ان کو لوگ بحر (سمندر) کہتے تھے بوجہ اس کے کہ ان کا علم بہت وسیع تھا اور لوگ انکو
حبر الامۃ بھی کہتے تھے۔ نبیؐ نے اپنا لعاب دہن آپکے منہ میں ڈالدیا تھا... آپنے جبرئیل کو رسولؐ کے پاس

دو مرتبہ دیکھا تھا... اور رسول نے آپ کے لئے دو مرتبہ دعا کی۔ حضرت عمر کے پاس جب پیچدار مقدمات آتے تو وہ حضرت ابن عباس سے کہتے کہ یہ پیچدار مقدمات ہمارے پاس آئے ہیں۔ ایسے مقدمات کے لئے تمہیں ہو۔ پھر انھیں کے قول پر عمل کرتے۔ اور اس قسم کے کاموں کیلئے سوائے ابن عباس کے کسی کو طلب نہ کرتے تھے... عبیداللہ کہتے تھے کہ حضرت ابن عباس چند باتوں میں تمام لوگوں سے فوقیت رکھتے تھے، ان سے پہلے جس قدر احادیث ہو چکی تھیں ان کے علم میں اور علم فقہ میں جسکی لوگوں کو ضرورت رہتی ہے اور حلم میں اور نسب میں اور تاویل میں میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ ان سے زیادہ رسولخدا کی گذشتہ حدیثوں کا علم رکھتا ہو۔ یا ابوبکر و عمر و عثمان کے فیصلوں کا ان سے زیادہ علم رکھتا ہو یا شعر و عربیت یا تفسیر قرآن یا حساب یا فرائض کا علم ان سے زیادہ رکھتا ہو۔ یا لوگوں کو جن باتوں کی ضرورت ہے ان باتوں میں ان سے زیادہ مضبوط رائے رکھتا ہو۔ وہ ایک دن بیٹھتے تھے اور سوائے فقہ کے اُس دن اور کچھ نہ بیان کرتے تھے۔ اور ایک دن تفسیر بیان کرتے تھے اور ایک دن واقعات عرب۔ میں نے جس عالم کو دیکھا کہ ان کے پاس بیٹھا اُس نے ضرور ان کے سامنے سر جھکا لیا۔ جس سائل نے ان سے کوئی بات پوچھی اُس نے ان کے پاس علم پایا۔ لیث بن ابی سلیم کہتے ہیں میں نے طاؤس سے کہا کہ تم اس لڑکے یعنی ابن عباس کے پاس ملے بیٹھے ہو اور تم نے اکابر صحابہ کو چھوڑ دیا۔ طاؤس نے جواب دیا کہ میں نے ۷۰ آدمیوں کو اصحاب رسولخدا سے دیکھا کہ جب وہ کسی امر میں اختلاف کرتے تھے تو حضرت ابن عباس کے قول کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس نے نبیؐ اور حضرت عمر اور حضرت علیؓ اور معاذ بن جبل اور ابوذر سے روایت کی ہے اور ان سے حضرت عبداللہ بن عمر اور انس بن مالک اور ابوالطفیل اور ابوامامہ بن سہل بن حنیف اور اُن کے بھائی کثیر بن عباس اور ان کے بیٹے علی بن عبداللہ بن عباس اور اُن کے غلاموں عکرمہ اور کریب اور ابو معبد نافذ نے اور عطاء بن ابی رباح اور مجاہد اور ابن ابی ملیکہ اور عمرو بن دینار اور عبید بن عمیر اور سعید بن مسیب اور قاسم بن محمد اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عقبہ اور سلیمان بن یسار اور عروہ بن زبیر اور علی بن حسین اور ابوالزبیر اور محمد بن کعب اور طاؤس اور وہب بن منبہ اور ابوالضحیٰ اور اور بہت سے لوگوں نے علاوہ ان کے روایت کی ہے... جب آپ دفن کر دیئے گئے تو جناب محمد بن حنفیہ نے کہا کہ واللہ آج کے دن اس امت کا عالم مرگیا۔ جس وقت نبیؐ کی وفات ہوئی تھی ان کی عمر ۱۳ سال کی تھی اور بعض لوگوں نے کہا ہے ۱۵ سال کی تھی۔ (جب انسان بالغ ہو جاتا ہے)

(ترجمہ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۶۶) اگر جناب ابن عباس کی کم سنی سے آپ کی روایت کمزور ہو سکتی تو اتنے بڑے صحابہ (حضرت عمر کے فرزند حضرت عبداللہ یا جناب انس بن مالک وغیرہ) اور اتنے عظیم الشان تابعین کیوں آپ سے حدیثیں لیتے ؟ آپ تو جناب ابن عباس کی عمر وفاتِ رسولؐ کے وقت ۱۳-۱۴ سال بتاتے ہیں مگر خود جناب ابن عباس نے اس سے زیادہ بتائی ہے - امام احمد بن حنبل نے لکھا ہے عن ابن عباس قال توفی رسول اللہ وانا ابن خمس عشرۃ سنۃ جناب ابن عباس بیان فرماتے تھے کہ وفات رسولؐ کے وقت میں پندرہ سال کا تھا (مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۳۷۳) بہرکیف آپ خواہ پندرہ سال کے ہوں یا چودہ سال یا تیرہ سال کے آپ کی کمسنی کی وجہ سے آپ کی حدیث پر کوئی شبہ نہیں ہو سکتا - آئیے ہم آپ کو آپ ہی کی کتاب الفاروق اور آپ ہی کے ہیرو حضرت عمر کے قول سے ایسی عبارت یاد دلائیں جس سے آپ کی پوری تشفی ہو جائے - اور پھر آپ کیلئے کچھ بھی جائے دم زدن باقی نہ رہے - آپ ہی دوسری جگہ لکھتے ہیں "محدث عبدالبر نے استیعاب میں لکھا ہے کان عمر یحب بن عباس ویقربہ یعنی حضرت عمر ابن عباس کو محبوب رکھتے تھے اور ان کو تقرب دیتے تھے - اکثر ایسا ہوتا تھا کہ حضرت عمر کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا عبداللہ بن عباس اس کا جواب دینا چاہتے لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے حضرت عمر ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے کہ علم سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے" (الفاروق حصہ دوم ص ۲۳۹ مطبوعہ کانپور) غالباً اس سے واضح تر کوئی قول حضرت ابن عباس کے متعلق آپ کے اطمینان کے لئے نہیں ہو سکتا - اور اس وجہ سے اب حدیث قرطاس پر کوئی شبہ بھی نہیں ہو سکتا - پھر آپ نے لکھا ہے "سب سے بڑھکر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس موقع پر عبداللہ بن عباس خود موجود نہ تھے اور معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انھوں نے کس سے سُنا"۔

اس پر پہلا سوال یہ ہے کہ کیونکر معلوم ہوا اُس موقع پر عبداللہ بن عباس خود موجود نہ تھے ؟ اگر خود موجود نہ ہوتے تو ان کے زمانہ ہی میں وہ صحابہ جن سے آپ نے یہ حدیث بیان کی کیا آپ سے یہ سوال نہ کرتے کہ آپ خود تو اُس موقع پر تھے نہیں پھر آپ نے اس کو کس سے سُنا ؟ خود آپ لکھ چکے ہیں کہ صحیح بخاری میں یہ روایت ۷ طریقوں سے مروی ہے - تو ہر طریق کے راویوں کو جناب ابن عباس پر اعتراض کرنے کا موقع ملتا کہ آپ خود تو اُس موقع پر تھے نہیں - پھر آپ کیوں اس حدیث کو روایت کرتے ہیں ؟ صحیح بخاری میں پہلے طریقہ کی روایت میں

ہے کہ جناب ابن عباس نے جناب عبید اللہ بن عبد اللہ سے اس حدیث کو بیان کیا تو اُس وقت
عبید اللہ نے موصوف پر کیوں نہیں اعتراض کیا کہ اے جناب آپ تو اُس موقع پر تھے نہیں پھر
آپ کیوں اسے بیان کرتے ہیں؟ بجائے اس کے انھوں نے یہ روایت موصوف سے لی اور دوسرے
معتبر راویوں سے برابر بیان کرتے رہے۔ دوسرے طریقہ کی روایت میں ہے کہ جناب ابن عباس نے
جناب سعید بن جبیر سے بیان کیا۔ انھوں نے بھی کیوں یہ حدیث موصوف سے لی۔ کیوں دوسروں
سے اس کی روایت کی اور کیوں نہ حضرت ابن عباس پر اعتراض کیا کہ آپ خود تو اس موقع
پر تھے نہیں۔ پھر آپ کو معلوم کیونکر ہوا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی
تھی؟ پھر عبید اللہ بن عبد اللہ اور جناب سعید بن جبیر نے جن لوگوں سے اس حدیث کی
روایت کی انھوں نے بھی ان دونوں بزرگوں پر یہ اعتراض نہیں کیا کہ آپ نے جناب ابن عباس
سے یہ حدیث کیوں لی۔ اس کی کیوں روایت کرتے ہیں۔ اسکو کیوں صحیح سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ جناب
ابن عباس تو اُس وقت اس موقع پر تو تھے ہی نہیں اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انھوں نے کس سے
سنا۔ سب سے آخر میں امام بخاری و مسلم پر اعتراض ہوگا کہ کیا ان کے ایسے محقق و حفاظ محدثوں
کو بھی خبر نہیں ہوئی کہ حضرت ابن عباس اُس موقع پر نہیں تھے؟ جب مولوی شبلی صاحب کو چودھویں
صدی ہجری میں یہ بات معلوم ہو گئی کہ حضرت ابن عباس ۱۱ھ میں وفات رسولؐ کے وقت
وہاں نہ تھے تو امام بخاری کو دوسری صدی ہجری میں یہ بات کیوں نہ معلوم ہو سکی؟ اگر معلوم
ہوئی تو پھر انھوں نے اسکو صحیح کیوں سمجھا اور اسے اپنی کتاب صحیح بخاری میں لکھا کیوں؟ وہ
بھی ایک جگہ نہیں بلکہ سات سات موقعوں پر۔ لطف یہ ہے کہ خود اسی صحیح بخاری میں جناب ابن
عباس کے الفاظ موجود ہیں جن سے یقینی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے سامنے رسولؐ نے یہ حدیث ارشاد
فرمائی اور آپ اُس وقت وہاں موجود تھے۔ مگر اس کا کیا علاج کہ مولوی شبلی صاحب نے روایت سے آنکھیں
بند کر لیں۔ اللہ اکبر! اس سے زیادہ قابلِ افسوس امر کیا ہو سکتا ہے کہ صحیح بخاری کے الفاظ پکار رہے
ہیں کہ جناب ابن عباس کے سامنے کل واقعہ ہوا اور آپ وہیں تھے۔ مگر مولوی صاحب نہ اس
عبارت کو پڑھتے ہیں نہ اس کا ترجمہ کرتے ہیں اور خود اس کے خلاف دعویٰ کر رہے ہیں کہ وہ
تھے ہی نہیں۔ ملاحظہ فرمائیے عن ابن عباس قال لما اشتد بالنبی وجعہ قال ائتونی
بکتاب اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدہ قال عمر ان النبی غلبہ الوجع وعندنا

کتاب اللہ حسبنا فاختلفوا وکثر اللغط قال قوموا عنی ولا ینبغی عندی التنازع
فخرج ابن عباس یقول ان الرزیۃ کل الرزیۃ ما حال بین رسول اللہ و بین
کتابہ جناب ابن عباس فرماتے تھے کہ رسولؐ کا مرض شدید ہوگیا تو فرمایا میرے پاس
کاغذ لاؤ میں ایسا وصیّت نامہ لکھدوں کہ پھر تم لوگ گمراہ نہ ہوسکو۔ اس پر حضرت عمر نے کہا
ان کو درد کی بے چینی ہے اور ہمیں کتاب خدا کافی ہے۔ پھر لوگوں نے اختلاف کیا اور شوروغل
زیادہ ہوا تو رسول نے فرمایا میرے پاس سے چلے جاؤ۔ میرے پاس جھگڑا مناسب نہیں۔
اس کے بعد جناب ابن عباس وہاں سے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ پوری مصیبت یہ ہے کہ
رسولؐ کو وصیت نامہ نہیں لکھنے دیا گیا (صحیح بخاری باب کتابۃ العلم پ ۱ صفحہ ۱) فخرج ابن عباس
(جناب ابن عباس وہاں سے نکل گئے) سے زیادہ واضح کوئی عبارت ہوسکتی ہے جو بتائے
کہ وہ وہاں موجود تھے۔ اور جب دیکھ لیا کہ حضرت وصیت نامہ نہیں لکھ سکے تو اس صدمہ
میں اس حجرے سے باہر نکل آئے۔ مولوی صاحب نے اپنے دعوے کی دلیل متن کتاب میں تو
کوئی بھی نہیں دی البتہ حاشیہ میں لکھتے ہیں "بخاری باب کتابۃ العلم میں جو حدیث مذکور
ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اس واقعہ میں موجود تھے مگر
دیکھو فتح الباری باب کتابۃ العلم" کوئی شخص مولوی صاحب سے دریافت کرتا کہ اگر امام بخاری
کسی امر کا دعوےٰ کریں اور دوسرے مورخین اس کے خلاف ثابت کریں تو کس کی بات
مانی جائیگی؟ پھر امام بخاری کی کتاب کو صحیح بخاری لقب ہی کیوں دیا گیا؟ فتح الباری ہی
کو لوگوں نے صحیح فتح الباری کیوں نہیں کہا؟ اور فتح الباری میں بھی تو کوئی دلیل نہیں دی
ہے۔ آپ "بدلائل قطعیہ" لکھتے ہیں حالانکہ وہاں "بدلائل ضعیفہ" "بدلائل مستنکرہ" "بدلائل وہمیہ"
بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔ فتح الباری کی عبارت یہ ہے فخرج ابن عباس یقول ظاہرہ
ان ابن عباس کان معہم وانہ فی تلک الحالۃ خرج قائلا ھذہ المقالۃ
ولیس الامر فی الواقع علی ما یقتضیہ ھذا الظاہر بل قول ابن عباس المذکور
انما کان یقولہ عند ما یحدث بھذا الحدیث۔ جناب ابن عباس یہ کہتے ہوئے
نکلے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ جناب ابن عباس ان لوگوں کے ساتھ ہی رسولؐ کے حجرے
میں تھے۔ اور یہ کہ وہ اسی حالت میں اس بات کو کہتے ہوئے وہاں سے نکلے حالانکہ فی الواقع

ایسا نہیں ہے جیسا اس مقام کا ظاہر مقتضی ہے بلکہ جناب ابن عباس قول مذکور اُس وقت کہتے تھے جب اس حدیث کو بیان کرتے تھے (فتح الباری پ ۱۸) فرمائیے اس میں کون جملہ کون لفظ کون حرف دلیل کا ہے؟ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ جب جناب ابن عباس اس حدیث کو بیان کرتے تو اس طرح کہتے۔ اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ جناب ابن عباس اُس وقت وہاں نہیں تھے۔ حالانکہ امام بخاری کا لفظ صاف کہتا ہے کہ جناب ابن عباس وہیں تھے۔ ورنہ فخرج ابن عباس یقول (جناب ابن عباس یہ کہتے ہوئے وہاں سے نکلے) کا اور کوئی مطلب ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر امام بخاری کو عربی زبان آتی تھی۔ اگر وہ عربی عبارت لکھ سکتے تھے۔ اگر انھوں نے اس روایت کو بے ہوشی وغیرہ کی حالت میں نہیں لکھا تو آپ کو ماننا پڑیگا کہ ان کا مطلب بھی اس لکھنے سے یہی تھا کہ جناب ابن عباس وہاں سے یہ بات کہتے ہوئے نکلے کہ یہ سب سے بڑی مصیبت ہے کہ رسول وصیت نامہ لکھنا چاہتے تھے مگر آپ کو لکھنے نہیں دیا گیا۔ آخر میں مولوی صاحب نے لکھا ہے "یہ روایت خواہ مخواہ اگر صحیح سمجھی جائے تب بھی بہر حال اس قدر تسلیم کرنا ہو گا کہ راوی نے روایت میں وہ واقعات چھوڑ دیئے ہیں جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرتؐ ہوش میں نہیں ہیں اور بیہوشی کی حالت میں قلم دوات طلب فرما رہے ہیں۔ پس ایسی روایت سے جس میں کہ راوی نے اس واقعہ کی نہایت ضروری خصوصیتیں چھوڑ دیں کسی واقعہ پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے" اگر یہ روایت صحیح بخاری ایسی کتاب میں موجود ہے وہ بھی ایک نہیں بلکہ سات طریقوں سے اور اگر اس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس ایسے حبرالامۃ صحابی ہیں جن کی حدیثوں سے کتب صحاح بھری ہوئی ہیں۔ اور اس کے سلسلہ رواۃ میں کل راوی معتبر ہی ہیں تو اس کے صحیح سمجھنے میں کسی مسلمان کو شک تک نہیں ہو سکتا۔ خواہ مخواہ صحیح سمجھنا تو درکنار رہا۔ رہا کچھ واقعات کا چھوڑ دینا تو اس کا احتمال بعید تک نہیں ہے۔ رسولخداصلعم بیمار پڑے اور وصیت نامہ لکھنا چاہا تو اس کو حضرت عمر نے اپنی مصلحت کے خلاف سمجھکر روکدیا اس میں اور واقعات ہی کیا ہو سکتے ہیں جن کے چھوڑنے کا شبہ کیا جائے؟ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ صحیح مسلم صحیح بخاری، مشکوٰۃ وغیرہ میں حضرت کی زندگی کے مسلسل حالات نہیں لکھے ہیں بلکہ جس مضمون کے لکھنے کا خیال ہوا اسی کے متعلق حدیثیں جمع کی ہیں تو تاریخی

کتابوں کے بارے میں تو شبہ نہیں ہو سکتا۔ آؤ دیکھیں معتبر تاریخیں ان واقعات کو کس طرح بیان کرتی ہیں۔ اگر حدیث کی کتابوں میں کچھ واقعات چھوڑ دیئے گئے ہوں گے تو مورخین نے ضرور ان کو لکھ دیا ہو گا کیونکہ بغیر اس کے ان کا فرض تاریخ نویسی پورا نہیں ہو سکتا اور ان کی کتاب کامل نہیں سمجھی جا سکتی۔ اسلامی تاریخ میں سب سے زیادہ معتبر اور مفصل تاریخ علامہ طبری کی ہے اس کی روایت صرف اس قدر ہے عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال یوم الخمیس وما یوم الخمیس قال اشتد برسول اللہ وجعہ فقال ائتونی اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدی ابدا فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی ان یتنازع فقالوا ما شانہ اہجر استفہموہ فذھبوا یعیدون علیہ فقال دعونی فما انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ جناب سعید بن جبیر حضرت ابن عباس سے روایت کرتے تھے کہ وہ کہنے لگے۔ جمعرات کا دن۔ ہائے جمعرات کا دن! اس روز رسولؐ کا مرض تیز ہو گیا تو فرمایا میرے پاس قلم دوات کاغذ لاؤ میں وہ وصیت نامہ لکھ دوں کہ میرے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اس پر لوگوں نے جھگڑنا شروع کیا اور یہ مناسب نہیں ہے کہ رسولؐ کے پاس جھگڑا کیا جائے۔ لوگوں نے کہنا شروع کیا ان کی کیا حالت ہے۔ کیا ہذیان ہو گیا ہے؟ دریافت تو کرو۔ تو وہ لوگ حضرتؐ پر اس بات کا اعادہ کرتے ہوئے گئے۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا تم لوگ مجھے چھوڑ دو کیونکہ میں جس حال میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جسکی طرف تم مجھے بلاتے ہو (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۹۳)۔ تعجب تو یہ ہے کہ حضرت رسولؐ کے اس قول (کہ میرے پاس سے چلے جاؤ۔ مجھے چھوڑ دو۔ یہاں سے نکل جاؤ۔ تم مجھے جس طرف بلاتے ہو اس سے بہتر حالت میں ہوں) کے بعد لوگوں نے یہ نہیں کہا کہ رسولؐ کو ہذیان نہیں ہے۔ اگر آپکو ہذیان ہوتا تو ہم لوگوں کو یہاں سے نکل جانے کو نہیں فرماتے۔ ہماری باتوں سے رنجیدہ نہیں ہوتے۔ ہمارے جملہ سے اذیت نہیں پہونچتی۔ آپ ہوش وحواس میں ہیں۔ آپ ہماری ہر بات سنتے اور سمجھتے ہیں۔ ایسی حالت میں کل باتوں کا کہنے والا سمجھنے والا اور ان کا اثر لینے والا بے ہوش نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی بات ہذیان نہیں قرار پا سکتی۔ ان وجوہ سے ماننا پڑتا ہے کہ سب یہ سمجھتے تھے کہ رسولؐ کو ہذیان نہیں ہے۔ آپ بے ہوش وحواس نہیں ہیں۔ آپکا دماغ اعتدال سے بڑھا نہیں ہے بلکہ آپ صحیح حالت میں ہیں اور صرف کسی مخصوص منصوبہ کیلئے آپ کی بات ہذیان قرار دی گئی تاکہ آپ وصیت نامہ نہ لکھنے پائیں اور آپ کی وفات ہو جائے اور یہ خطرناک کسی طرح ٹالدیا جائے

عبرتناک فرق | اس میں تو کسی سچے مسلمان کو عذر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم یقیناً حضرت ابوبکر سے افضل تھے۔ پس اگر انسانی اثر کی وجہ سے حضرت رسولخدا میں کوئی عیب پیدا ہو سکتا ہے تو اس سے زیادہ حضرت ابوبکر میں پیدا ہونے کا امکان تھا۔ اور اگر کوئی عیب حضرت ابوبکر میں نہیں پیدا ہو سکتا تو حضرت رسولخدا صلعم میں بدرجۂ اولیٰ نہیں پیدا ہونا چاہیئے اب دونوں بزرگوں کی آخری حالت اور اُن میں حضرت عمر کا دونوں صاحبوں سے برتاؤ دیکھو تو تم کو آسمان و زمین کا فرق نظر آئیگا۔ حضرت رسولخدا صلعم بیمار ہوئے اور وفات کے قریب وصیت نامہ لکھنا چاہا تو حضرت عمر نے اسکو روکدیا اور کسی طرح لکھنے ہی نہیں دیا بلکہ رسول کی طرف ہذیان کی نسبت دے دی اور قرآن کے ساتھ کسی وصیت نامہ کی ضرورت نہیں سمجھی۔ حضرت ابوبکر بھی بیمار ہوئے اور وصیت نامہ لکھنا چاہا تو حضرت عمر نے نہ اس کو روکا اور نہ اس کے لکھنے میں کوئی عذر کیا بلکہ ڈنڈا لیکر لوگوں سے کہتے تھے کہ یہ خلیفۂ رسول کا وصیت نامہ ہے اسکو مان لو۔ مورخین نے بتصریح لکھا ہے قیس قال رأیت عمر بن الخطاب وھو یجلس والناس معہ و بیدہ جریدۃ وھو یقول ایھا الناس اسمعوا واطیعوا قول خلیفۃ رسول اللہ انہ یقول انی لم آلکم نصحا قال ومعہ مولیٰ لابی بکر یقال لہ شدید معہ الصحیفۃ التی فیھا استخلاف عمر قیس بیان کرتے تھے کہ میں نے دیکھا حضرت عمر کے ساتھ اور لوگ ہیں اور ان کے ہاتھ میں ڈنڈا ہے اور وہ ان لوگوں سے کہتے ہیں اے لوگو رسول اللہ کے خلیفہ (حضرت ابوبکر) کے وصیت نامہ کی بات سنو اور ان کی اطاعت کرو۔ وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے اس میں تمھاری خیر خواہی کی کوئی بات اُٹھا نہیں رکھی ہے۔ اُس وقت حضرت عمر کے ساتھ حضرت ابوبکر کا غلام شدید حضرت ابوبکر کا وہ وصیت نامہ لئے ہوئے تھا جس میں حضرت عمر کے خلیفہ بنائے جانے کا مضمون تھا (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۵۲ و کامل جلد ۲ صفحہ ۱۹۳ والامامت والسیاست جلد ۱ صفحہ ۲۳ وغیرہ) حضرت ابوبکر بھی اسی طرح مرض موت میں مبتلا ہوئے جس طرح حضرت رسولخدا صلعم ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر نے بھی اسی طرح فرش خانہ پر انتقال کیا جس طرح حضرت رسولخدا نے انتقال کیا۔ (یعنی دونوں بزرگوں سے کسی نے جنگ میں یا دشمن کے وار سے رحلت نہیں کی جس میں وصیت نامہ وغیرہ لکھنے کا موقع قدرت ہی کی طرف سے نہیں ملتا بلکہ دونوں اطمینان سے انتقال کر گئے) حضرت ابوبکر نے بھی اسی طرح وصیت نامہ لکھنا چاہا جس طرح حضرت رسولخدا صلعم نے چاہا تھا۔ حضرت ابوبکر نے بھی بغیر

اپنے خلیفہ ہی کے متعلق وہ وصیت نامہ لکھا جس طرح حضرت رسول خدا اپنے خلیفہ ہی کے متعلق وہ وصیت نامہ لکھنا چاہتے تھے مگر حضرت ابوبکر کی وصیت کے متعلق حضرت عمر کو کوئی تردد نہیں ہوا۔ ان کے اختلال حواس کا شبہ تک نہیں ہوا۔ آپ پر مرض کے غلبہ کا شک نہیں ہوا۔ آپکو ہذیان کی نسبت نہیں دی گئی۔ آپ کے وصیت نامہ پر حسبنا کتاب اللہ کی آواز نہیں بلند کی گئی۔ آپ کے سامنے نزاع نہیں پیدا ہوئی اور حضرت رسول خدا صلعم کے متعلق یہ سب باتیں صرف جائز ہی نہیں سمجھی گئیں بلکہ واقع بھی مان لی گئیں۔ پھر اس فرق کی وجہ اس کے سوائے کیا ہو سکتی ہے کہ حضرت ابوبکر کے وصیت نامہ میں حضرت عمر کا نام تھا اس سبب سے سب گوارا ہو گیا۔ اور حضرت رسول خدا کے وصیت نامہ میں کسی ایسے شخص کے خلیفہ ہونے کا اعلان ہوتا جس سے حضرت عمر کو آئندہ خلیفہ ہونے کا موقع نہ ملتا اس وجہ سے اس کی بنیاد ہی نہیں پڑنے دی۔[۱]

گیارہویں فصل

وفات رسولؐ کے وقت حضرت کی خدمتیں

وفات رسولؐ کے وقت واقعہ قرطاس کے علاوہ اور کوئی خدمت ایسی نہیں ملتی جو حضرت عمر نے حضرت رسول خدا صلعم کی انجام دی ہو اور وہ قابل ذکر سمجھی جائے۔ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "وفات کے دن آپ کی حالت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ بالکل صحت کا گمان ہو گیا۔ حضرت ابوبکر اسی خیال سے اپنے

---

[۱] صاحب حبیب السیر لکھتے ہیں کہ مذہب شیعہ کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت جو وصیت نامہ سوجہ سے نہیں لکھنے دیا کہ حضرت رسول خدا حضرت علیؑ کو خلیفہ و ولیعہد کرنے کا وصیت نامہ لکھنا چاہتے تھے جیسا کہ کشف الغمہ کی ان دو بیتوں سے مفہوم ہوتا ہے۔ اوصی النبی فقال قائلھم۔ قد ظل یھجر سید البشر وان ابابکر اصاب ولم یھجر وقد اوصی الی عمر (حضرت رسولؐ وصیت کرنے لگے تو کہنے والوں نے کہدیا کہ سید البشر کو ہذیان ہو گیا ہے۔ مگر جب حضرت ابوبکر نے حالت مرض موت میں حضرت عمر کی خلافت کیلئے وصیت کی تو وہ ہذیان نہیں سمجھی گئی) اور جناب شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے "و بیشتر از آنچہ در فہم مردم می آید و بخیال ایشاں می افتد آنست کہ مقصود آنحضرت علیہ السلام تعیین خلیفہ بود کہ بعد از وے کہ خواہد بود" (ترجمہ بات ذہن میں آتی اور ان کے خیال میں پیدا ہوتی ہے یہ ہے کہ حضرت کا مقصود یہ تھا کہ اپنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۸)

مکان کو جو مدینہ سے دو میل پر تھا واپس چلے گئے۔ لیکن حضرت عمر وفات کے وقت تک موجود رہے
آنحضرتؐ نے ۱۲۔ ربیع الاول کو دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت حضرت عائشہ کے گھر میں انتقال فرمایا۔
حضرت عمر اس قدر خود رفتہ ہوئے کہ مسجد نبوی میں جاکر اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہیگا کہ آنحضرتؐ نے وفات
پائی اسکو قتل کر ڈالوں گا لیکن اور قرائن اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ ہمارے نزدیک چونکہ مدینہ
میں کثرت سے منافقین کا گروہ موجود تھا جو فتنہ پردازی کیلئے آنحضرتؐ کی وفات کا منتظر تھا
اس لئے مصلحتاً حضرت عمر نے اس خبر کے پھیلنے کو روکا ہوگا۔ اسی واقعہ نے روایتوں کے تغیرات
سے مختلف صورت اختیار کر لی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں اس قسم کی تصریحات
موجود ہیں جو ہمارے اس قیاس سے مطابق نہیں ہوسکتیں" (الفاروق ۷۹) افسوس مولوی صاحب
حضرت عمر کے متعلق جو کچھ قیاس کرتے ہیں سب ایسا ہی ہوتا ہے جو صحیح بخاری بلکہ کل کتب حدیث
و تاریخ و سیرۃ کے مخالف ہی قرار پاتا ہے۔ امام بخاری وغیرہ نے لکھا ہے عن عائشۃ ان
رسول اللہ مات وابوبکر بالسنح فقام عمر یقول واللہ ما مات رسول اللہ قالت وقال
عمر واللہ ما کان یقع فی نفسی الا ذاک ولیبعثنہ اللہ فلیقطعن ایدی رجال وارجلہم
فجاء ابوبکر فکشف عن رسول اللہ فقبلہ، فقال بابی انت وامی طبت حیا ومیتا
والذی نفسی بیدہ لا یذیقک اللہ الموتتین ابدا ثم خرج فقال ایہا الحالف علی
رسلک فلما تکلم ابوبکر جلس عمر حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ حضرت رسولخدا صلعم نے
انتقال فرمایا تو میرے ابا جان) حضرت ابوبکر (اپنی بی بی کے پاس وہاں سے دور) مقام سنح
میں تھے حضرت عمر کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے خدا کی قسم رسولخدا مرے نہیں ہیں۔ حضرت عائشہ
فرماتی تھیں کہ حضرت عمر نے کہا خدا کی قسم اس وقت میرے ذہن میں اس کے سوائے اور
کوئی تدبیر آئی ہی نہیں۔ اور یقیناً اللہ حضرت کو دوبارہ بھیجے گا اور حضرت لوگوں کے ہاتھوں اور
پاؤں کو کاٹ کر رکھدینگے۔ پھر حضرت ابوبکر آئے اور حضرت رسولخدا کی لاش کھولی تو اسکو بوسہ
دیا اور کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ زندگی میں بھی پاک تھے اور مرنے پر بھی پاک ہی ہیں۔ خدا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۷)

ہوا اپنے خلیفہ کو معین کر کے بتا دیں کہ کون ہوگا۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۰۵) ۱۲ منہ

کی قسم اللہ پاک آپ کو دو موتوں کا مزہ نہیں چکھائیگا۔ یہ کہکر وہاں سے آپ باہر تشریف لائے اور حضرت عمر سے کہا آپ قسم کھانے والے ذرہ ٹھہر جاؤ۔ غرض جب حضرت ابوبکر نے کلام کیا تو حضرت عمر بیٹھ گئے (صحیح بخاری پ ۱۴ ص ۲۶) حضرت عمر کو اس قدر جوش تھا کہ آپ نے اس کا بھی خیال نہیں کیا کہ جھوٹی قسم کھاتے ہیں یا سچی۔ بے تکلف قسم کھا کر کہدیا کہ خدا کی قسم رسول مرے نہیں ہیں مگر جب حضرت ابوبکر آگئے اور انھوں نے کہدیا کہ رسول انتقال کر گئے تو آپکو ذرہ برابر بھی شک باقی نہیں رہا فوراً مان گئے۔ اور جناب شاہ عبدالحق صاحب نے لکھا ہے "عمر را اختلاف عقل بجدے راہ یافت کہ فریاد میکرد و سوگندمی خورد کہ رسو لخدا نمردہ است ولیکن اور اصعقہ شدہ بچوں صعقہ موسیٰ۔ اور حضرت عمر کی عقل میں اتنا اختلاف پیدا ہو گیا کہ فریاد کرنے لگے اور قسم کھانے لگے کہ رسولخدا ہر گز مرے نہیں ہیں بلکہ آپ کو بھی ایسی ہی بے ہوشی ہو گئی جیسی بے ہوشی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہو گئی تھی۔" پھر لکھتے ہیں۔ عمر چوں ایں سخن بشنید تیغ برکشید و بر در مسجد بایستاد و گفت ہر کس کہ بگوید کہ پیغمبر مُرد بایں شمشیر دو نیمش سازم۔" حضرت عمر نے یہ باتیں سنیں تو تلوار کھینچ لی اور مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہنے لگے کوئی شخص کہیگا کہ پیغمبر انتقال کر گئے تو اس تلوار سے اُس کے دو ٹکڑے کر ڈالوں گا (مدارج النبوة جلد ۲ ص ۵۱۳) مولوی حسینا نے سیرۃ النبیؐ میں لکھا ہے "عقیدت مندوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ حضور نے اس دنیا کو الوداع کہا چنانچہ حضرت عمر نے تلوار کھینچ لی کہ جو یہ کہیگا کہ آنحضرتؐ نے وفات پائی اُس کا سر اڑا دوں گا۔ لیکن جب حضرت ابوبکر آئے اور اُنھوں نے تمام صحابہ کے سامنے خطبہ دیا کہ حضور کا اس جہان سے تشریف لیجانا یقینی تھا اور قرآن مجید کی آیتیں پڑھکر سنائیں تو لوگوں کی آنکھیں کھلیں اور اس ناگزیر واقعہ کا یقین آیا" (جلد ۲ ص ۱۴۱) مولوی شبلی صاحب کا یہ خیال کہ چونکہ مدینہ میں کثرت سے منافقین کا گروہ موجود تھا جو فتنہ پردازی کے لئے آنحضرتؐ کی وفات کا منتظر تھا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ مدینہ میں منافقین تو ضرور ہی تھے مگر وہ فتنہ پردازی کیلئے آنحضرتؐ کی وفات کے منتظر نہیں تھے۔ نہ اس کی کوئی دلیل ہے۔ اگر وہ اپنے کو فتنہ پردازی کے لائق سمجھتے تو رسولؐ کی زندگی میں بھی اس سے باز نہیں آتے۔ اگر رسولؐ کی زندگی میں کسی قوت کا خوف تھا تو بعد رسولؐ بھی وہ قوت قائم رہی کیونکہ صرف رسولؐ نے وفات پائی باقی کل مسلمین اور مبادی اسلام تو زندہ ہی تھے۔ علاوہ بریں اگر وہ گروہ اس کا منتظر تھا تو جب رسولؐ غزوہ حنین

میں مدینہ سے باہر چلے گئے تھے کیوں نہیں فتنہ پردازی کی؟ جب حضرت غزوۂ تبوک میں مدینہ سے بہت دور اور کئی دن کی راہ پر جا چکے تھے کیوں نہیں فتنہ برپا کیا؟ جب رسول خدا صلعم حجۃ الوداع کیلئے مکۂ معظمہ چلے گئے تھے اور اس سفر میں مدت دراز تک رہے کیوں فتنہ و فساد کا بازار گرم نہیں کیا؟ واضح ہے کہ غزوۂ حنین۔ غزوۂ تبوک اور حجۃ الوداع میں آنحضرتؐ کے ساتھ بکثرت مسلمان بھی مدینہ سے نکل گئے تھے۔ میدان خالی تھا۔ اُس وقت فتنہ پردازوں کو کافی اور بہت آسان موقع اپنے ارادوں کی تکمیل کا ملتا مگر نہ کہیں کوئی فساد ہوا۔ نہ کوئی فتنہ قائم ہوا۔ نہ کسی نے سر اُٹھایا۔ پھر وفاتِ رسولؐ سے پہلے بھی جب حضرت مرض الموت میں مبتلا ہو چکے تھے۔ ان لوگوں کو خفیف سا موقع مل چکا تھا۔ اگر رسولؐ ہی کا خوف تھا تو حضرت مریض ہوکر صاحب فراش ہو چکے تھے اُسی وقت منافقوں کا فتنہ و فساد شروع ہو جاتا مگر ہر طرف سکون و اطمینان ہی تھا۔ پھر وفاتِ رسولؐ سے کیوں وہ فتنہ پردازی پر آمادہ ہوتے؟

تیسرا باب ۳

وفات رسولؐ سے خلیفۂ اول کی وفات تک کے مفصل حالات اور اس عہد کے زرّیں کارنامے۔ خاندانِ رسولؐ سے آپ کا برتاؤ

پہلی فصل

بعد وفات رسولؐ سقیفۂ بنی ساعدہ کے واقعات اور بحث خلافت

مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہوگئی اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کرلی جائے۔ کس کے قیاس میں آسکتا ہے کہ رسول اللہ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو ان کے عشق و محبت کا دعویٰ ہو وہ ان کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں اور اس بند و بست میں مصروف ہوں کہ مسندِ حکومت اوروں کے قبضہ میں نہ آ جائے تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل اُن لوگوں (حضرت ابوبکر و عمر) سے سرزد ہوا جو آسمان اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس فعل کی ناگواری اُس وقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے

کہ جن لوگوں کو آنحضرتؐ سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علیؑ و خاندان بنی ہاشم اُن پر فطری تعلق کا پورا اثر ہوا۔ اور اس وجہ سے اُن کو آنحضرتؐ کے درد وغم اور تجہیز و تکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔ ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب حدیث و سیر سے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر و ابوبکر وغیرہ آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے۔ یہ بھی سچ ہے کہ انھوں نے سقیفہ میں پہونچکر خلافت کے باب میں انصار سے معرکہ آرائی کی اور اس طرح ان کوششوں میں مصروف رہے کہ گویا ان پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ انھوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علیؑ سے بزور منوانا چاہا۔ گو بنو ہاشم نے آسانی سے انکی خلافت تسلیم نہیں کی" (الفاروق جلد ا ص۶۶)۔ مذکورہ بالا عبارت میں کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے جس پر تبصرہ ضروری ہو۔ البتہ اس کے بعد ممدوح لکھتے ہیں" لیکن اس بحث میں غور طلب جو باتیں ہیں وہ یہ ہیں (۱) کیا خلافت کا سوال حضرت عمر وغیرہ نے چھیڑا تھا (۲) کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے (۳) کیا حضرت علیؑ اور بنو ہاشم خلافۃ کی فکر سے بالکل فارغ تھے (۴) ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمر وغیرہ نے کیا وہ کرنا چاہئے تھا یا نہیں۔ دو پہلی بحثوں کی نسبت ہم نہایت مستند کتاب ابو یعلی کی عبارت نقل کرتے ہیں جس سے واقعہ کی کیفیت بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔ بینما نحن فی منزل رسول اللہ اذا رجل ینادی من وراء الجدار ان اخرج الی یا ابن الخطاب فقلت الیک عنی فانا عنک مشاغیل یعنی بامر رسول اللہ فقال لہ قد حدث امر فان الانصار اجتمعوا فی سقیفۃ بنی ساعدۃ فادرکو ھم ان یحدثوا امرا یکون فیہ حرب فقلت لابی بکر انطلق۔ حضرت عمر کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ کے خانۂ مبارک میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دفعۃً دیوار کے پیچھے سے ایک آدمی نے آواز دی کہ ابن الخطاب (حضرت عمر) ذرا باہر آؤ۔ میں نے کہا کہ چلو ہٹو۔ ہم لوگ آنحضرتؐ کے بند و بست میں مشغول ہیں۔ اس نے کہا ایک حادثہ پیش آیا ہے یعنے انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ہیں۔ اس لئے جلد پہنچکر اُن کی خبر لو۔ ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی بات کر اٹھیں جس سے لڑائی چھڑ جائے۔ اُس وقت میں نے ابوبکر سے کہا کہ چلو (دیکھو فتح الباری جلد ۷ ص۲۳) اس سے ظاہر ہوگا کہ نہ حضرت عمر وغیرہ نے خلافت کی بحث کو چھیڑا تھا نہ وہ اپنی خوشی سے سقیفہ بنی ساعدہ کو جانا چاہتے تھے

(الفاروق جلد ۱ صفحہ ۱۱) تو مولوی صاحب موصوف شروع میں لکھ آئے ہیں " واقعہ کی تحقیق
کے لئے پہلے راویوں کی جرح و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہئے بلکہ یہ دیکھنا چاہئے
کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں کیونکہ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا
بیکار ہے۔ علامہ موصوف نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ ان موقعوں میں امکان سے امکان عقلی
مراد نہیں بلکہ اصول عادت اور قواعد تمدن کے رو سے ممکن ہونا مراد ہے" (الفاروق جلد ۱ صفحہ ۱۱)
اسی اصول کے مطابق دیکھنا چاہئے کہ مسند ابو یعلیٰ کی روایت کا واقعہ ممکن بھی ہے یا نہیں۔ اگر
واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو مسند ابو یعلیٰ کا نہایت مستند کتاب ہونا بیکار ہے۔ یہ واضح ہو
کہ اس وقت حضرت عائشہ کے حجرہ میں حضرت عائشہ بھی تھیں۔ حضرت حفصہ بھی۔ حضرت ابو بکر
بھی آگئے تھے۔ حضرت عمر پہلے ہی سے تھے۔ حضرت کے چچا جناب عباس اور حضرت علی بھی تھے
جس پر تمام مورخین و محدثین کا اتفاق ہے۔ اختصار کے لحاظ سے صرف ایک عبارت نقل کی جاتی
ہے۔ جناب شاہ عبدالحق صاحب دہلوی نے لکھا ہے " فرمود برادر من علیؑ را بیارید علیؑ بیامد و بر
بالین آنحضرت بنشست و سر مبارکش را بر زانوے خویش نہاد و آں سرور فرمود اے علیؑ فلاں
یہودی پیش من چندیں مبلغ دارد کہ از وے برائے تجہیز لشکر اسامہ بقرض گرفتہ بودم زنہار کہ حق
وے را از ذمہ من ادا کنی۔ و فرمود اے علیؑ تو اول کسے خواہی بود کہ در لب حوض کوثر بمن رسی۔
و بعد از من مکروہات بتو خواہد رسید باید کہ دل تنگ نشوی و صبر کنی و چوں بہ بینی کہ مردم دنیا
اختیار کنند باید کہ تو آخرت را اختیار کنی ... علیؑ گوید کہ حضرت با من سخن می گفت و آب دہن وے
بمن می رسید۔ پس حال بروے متغیر شد و زناں از پس پردہ بے طاقتی می نمودند و من نیز
تحمل آں نداشتم کہ وے را باآں حال بہ بینم۔ گفتم اے عباس مرا دریاب۔ عباس آمد و باتفاق یک
دیگر وے را بخوابانیدم ذکر ھذا کلہ فی روضۃ الاحباب" حضرت رسولؐ نے فرمایا
میرے بھائی علیؑ کو میرے قریب بلا دو۔ حضرت علیؑ حضرتؐ کے پاس پہونچ گئے۔ حضرت کے سرہانے
بیٹھ گئے اور حضرتؐ کے سر مبارک کو اپنے زانو پر رکھ لیا۔ اس وقت آنحضرت صلعم نے حضرت علیؑ
سے فرمایا اے علیؑ فلاں یہودی کا میرے ذمہ اتنا مال باقی ہے جس کو میں نے اس سے اسامہ
کا لشکر روانہ کرنے کے لئے اس کے مصارف کی غرض سے بطور قرض لیا تھا۔ خوب یاد رکھنا
کہ اس کا یہ دین ضرور ادا کر دینا۔ پھر فرمایا اے علیؑ تم ہی وہ پہلے شخص

ہو گے جو حوض کوثر کے کنارے میرے پاس پہونچو گے۔ اور میرے بعد تم پر بڑے بڑے ظلم ہوں گے چاہیئے کہ اُس وقت تم دل تنگ نہ ہو بلکہ صبر کرنا اور جب دیکھنا کہ لوگ دنیا کو اختیار کر رہے ہیں تو چاہیئے کہ تم آخرت ہی کو اختیار کئے رہو۔۔ حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ آنحضرت مجھ سے اسی طرح باتیں کر رہے تھے اور حضرت کا لعاب دہن میرے اوپر گر رہا تھا اتنے میں حضرت کی حالت متغیر ہوئی اور عورتوں نے پردہ کے پیچھے سے بے قراری شروع کی اور میں بھی اس کی طاقت نہیں رکھ سکا کہ حضرتؐ کی وہ حالت دیکھ سکتا تو میں نے چچا عباس سے کہا اے چچا میری مدد کیجئے۔ اس پر جناب عباس میری طرف بڑھ آئے اور ہم دونوں آدمیوں نے مل کر حضرتؐ کو لٹا دیا۔ یہ پوری عبارت روضۃ الاحباب میں ہے (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص۵) اس سے واضح ہوا کہ اس وقت اس حجرے میں پردہ کے پیچھے عورتیں تھیں اور حضرت رسولؐ کے پاس جناب عباس اور حضرت علیؑ بھی تھے۔ پھر کیا وجہ ہوئی کہ آنحضرت صلعم کی وفات ہوتے ہی دیوار کے پیچھے سے جس شخص نے آواز دی اُس نے نہ حضرت سیدہؑ کو پکارا کہ وہی آنحضرتؐ کی بیٹی تھیں۔ نہ حضرت عائشہ کو ندا دی جو آنحضرتؐ کی بیوی تھیں اور انہیں کے حجرہ میں آنحضرتؐ اُس وقت تشریف بھی رکھتے تھے۔ نہ جناب حفصہ کو بُلایا کہ یہ بھی آنحضرتؐ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ نہ جناب عباس کو طلب کیا جو آنحضرتؐ کے چچا تھے۔ اور نہ حضرت علیؑ کو خبر دی جو آنحضرتؐ کے بھائی۔ داماد اور آخری وقت کے وصی تھے (کہ حضرت ہی سے آنحضرت صلعم نے اپنی وصیتیں بیان فرمائیں۔ کسی اور کو اس قابل نہیں سمجھا) بلکہ اُس مخبر نے سب کو چھوڑ کر فقط حضرت عمر کو آواز دی اور "یا ابن الخطاب" ہی کی صدا بلند کی۔ اگر اُس شخص نے اسلام کی ہمدردی میں ایسا کیا مسلمانوں کی بہی خواہی کی غرض سے آواز دی۔ دین رسولؐ کی حمایت کے لئے اپنی بے چینی ظاہر کی تو سب مسلمانوں سے کیوں نہیں کہا؟ آنحضرتؐ کی لاش کے پاس آکر کیوں نہیں ذکر کر دیا؟ اپنی صورت دکھا کر اس حادثہ کی خبر کیوں نہیں کی؟ دیوار کی آڑ سے سب ارکانِ اسلام و اعیان خاندان رسولؐ کو چھوڑ کر محض حضرت عمر کے پکارنے سے تو اس شبہ کی کافی گنجائش پیدا ہوتی ہے کہ اس شخص میں اور حضرت عمر میں پہلے ہی کوئی ایسا انتظام ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اُس نے سب کو چھوڑ کر صرف حضرت عمر کو اطلاع دی اُس وقت محض حضرت عمر کے پکارے جانے اور دوسرے اعزہ و مخصوصین سے چشم پوشی

کر لینے کی کوئی وجہ اس کے سوا ہوسکتی ہے؟ حضرت عمر کی لاکھ حمایت کی جائے مگر اس قلیل مدت میں آپ کی سرگرمیاں ہی ایسی ہوئیں جو شکوک و شبہات کا انبار لگا دیتی اور اسی رائے کو مضبوط کر دیتی ہیں کہ آنحضرتؐ کی وفات کے قبل ہی سے حضرت عمر آنحضرتؐ کی خلافت بلکہ اسلام کے کل امور کو اپنے ہی قبضہ میں رکھنے کے کل انتظامات نہایت مستعدی کمال تدبر اور پوری سیاست سے کر رہے تھے۔ اور اپنی زندگی بھر آپ نے اس میں کسی کا خلل گرنے نہیں دیا۔ ممکن ہے اسی غرض سے آپ نے لشکر اسامہ کے ساتھ جانے سے پہلو تہی کی ہو ممکن ہے اسی مطلب کیلئے آپ نے حضرت رسولؐ کو وصیت نامہ لکھنے سے باز رکھا ہو۔ ممکن ہے اسی مقصود کے لئے آپ نے حضرت رسولؐ کے ارشاد کو ہذیان کی نسبت دی ہو۔ ممکن ہے اسی فکر میں آپ نے حضرت رسولؐ کی وفات سے قسم کھا کر انکار کیا ہو اور اسی سبب سے وفات رسولؐ پر آپ ہی سب سے پہلے پکارے گئے ہوں اور اسی کے لئے آپ نے حضرت رسولؐ کا جنازہ چھوڑ حضرت ابوبکر کو ساتھ لیکر سقیفہ بنی ساعدہ کا رخ کیا ہو۔ اگر مولوی شبلی صاحب کی مذکورہ بالا عبارت تسلیم کر لی جائے جب بھی عقل کی رو سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ دیوار کے عقب سے آواز دینے والا آدمی کون تھا؟ بعد کو اس کا نام کیوں دریافت نہیں کیا گیا؟ محققین نے اس کا نام تحقیق کر کے کیوں نہیں لکھا؟ حالانکہ معمولی معمولی کاموں کے آدمیوں کی تحقیق ان حضرات نے کر ڈالی ہے۔ پھر کیا اس شخص نے کوئی بری بات کہی تھی جس سے اس کا نام صیغۂ راز میں رکھا گیا؟ یا کسی سازشی کمیٹی کا وہ شخص ممبر تھا؟ اس سبب سے اس کا نام پوشیدہ ہے کیونکہ نام ظاہر ہونے سے پتا چل جائے گا کہ وہ سازش کن لوگوں کی تھی۔ دوسرا سوال اس سے بہت زیادہ مشکل یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس شخص نے دیوار کے پیچھے سے کیوں پکارا؟ اس نے مجمع سے کیوں شرم کی؟ وہ اس مقام کے حاضرین کو اپنی صورت دکھلانے سے کیوں ڈرا؟ جب وہ آنحضرتؐ کے مکان کے پاس پہونچ گیا تھا تو سب کے سامنے کیوں نہیں چلا گیا کہ ہر شخص اس کو دیکھ کر پہچان لیتا اور اوس کی تردد خیز خبر پر مطلع ہو جاتا؟ تیسرا سوال اور زیادہ صعب ہے کہ جس جگہ حضرت ابوبکر و عمر تھے وہیں حضرت علیؑ و عباس و دیگر ارکان بنی ہاشم اور دوسرے مہاجرین بھی تھے۔ پھر اس محکمۂ راز کے آدمی نے خاص کر حضرت عمر کو کیوں

پکارا؟ حضرت علی کو کیوں آواز نہیں دی؟ حضرت عباس کو کیوں ندا نہیں دی؟ دوسرے مہاجرین کو کیوں نہیں بلایا؟ عام طور پر کیوں نہیں کہا کہ ایہا الناس اخرجوا الی اے لوگو ذرہ باہر چلے آؤ نئی مصیبت نازل ہو گئی ہے۔ چوتھا سوال اور زیادہ دشوار ہے کہ اس محکمہ راز کے آدمی کی صرف بیرون پردہ آواز پر خود حضرت عمر جانے کیلئے آمادہ کیوں ہو گئے؟ اس کا نام کیوں نہیں دریافت کیا؟ یا اس کو اپنے پاس کیوں نہیں بلایا؟ کہ وہاں اُس سے مفصل حالات دریافت کر لیتے اور عام حاضرین کے مشورہ سے کوئی کارروائی کی جاتی۔ ہم تو برابر دیکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی چیز کی آڑ سے کسی کو پکارتا یا اُس سے کچھ کہتا ہے تو سننے والا پہلے گھبراتا اور تعجب کرتا ہے کہ یہ کون شخص ہے۔ پاس کیوں نہیں آتا۔ صورت کیوں نہیں دکھاتا۔ وہاں سے کیوں پکارتا ہے۔ چھپ کر یہ خبر کیوں بیان کر رہا ہے۔ سامنے کیوں نہیں آتا۔ اور اُس پکارنے والے کے جواب میں بے ساختہ اُس سے کہتا ہے کہ تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ وہاں سے کیوں چیختے ہو؟ یہاں آکر کیوں نہیں بیان کرتے ہو؟ پانچواں سوال اس سے بھی بڑھا ہوا ہے کہ اُس صیغہ راز کے آدمی کی خبر پر حضرت عمر تنہا کیوں چل گئے؟ اُس نے تو صرف آپکو بلایا تھا۔ کسی اور کو ساتھ لیجانے کے لئے نہیں کہا۔ پھر آپ نے کسی کو اپنے ساتھ لیجانے کی ضرورت کیوں محسوس کی؟ چھٹا سوال اس سے بھی زیادہ اہم ہے کہ اگر حضرت عمر نے کسی شخص کو ساتھ لے جانا ضروری سمجھا تو کسی اور صحابی پر نظرِ انتخاب کیوں نہیں پڑی؟ حضرت ابوبکر کو رسولِ خدا کے جنازہ کی تجہیز و غیرہ خدمات انجام دینے کے لئے کیوں نہیں چھوڑ گئے اور کسی دوسرے شخص کو ساتھ کیوں نہیں لیگئے؟ غرض صرف حضرت عمر کے تنہا جانے اور حضرت ابوبکر کے علاوہ کسی کے نہ لے جانے میں کیا راز تھا؟ مگر اصح الکتب بعد کتاب الباری یعنی صحیح بخاری میں خود حضرت عمر کا وہ بیان موجود ہے جو واضح کرتا ہے کہ حضرت عمر کو نہ کسی نے اشارہ کیا۔ نہ کسی نے ڈرایا۔ نہ کوئی خبر پہنچی بلکہ آپ خود ہی حضرت ابوبکر کو لیکر وہاں پہونچ گئے۔ ممدوح حضرت ابوبکر کی بیعت کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

وانہ قد کان من خبرنا حین توفی اللہ نبیہ ان الانصار خالفونا واجتمعوا باسرھم فی سقیفۃ بنی ساعدۃ وخالف عنا علی والزبیر ومن معھما واجتمع المھاجرون الی ابی بکر۔ فقلت لابی بکر یا ابابکر انطلق بنا الی اخواننا ھؤلاء من الانصار فانطلقنا نریدھم۔ فلما دنونا منھم لقینا منھم رجلان صالحان فذکرا

ما تما لأعلينا القوم۔ فقالا اين تريدون يا معاشر المهاجرين۔ فقلنا نريد اخوانا هؤلاء من الانصار۔ فقالا لا عليكم الا تقربوهم۔ اقضوا امركم فقلت والله لناتينهم۔ فانطلقنا حتى اتيناهم فی سقيفة بنی ساعدة

ہماری سرگذشت یہ ہے کہ جب خدا نے اپنے پیغمبرؐ کو اوٹھالیا تو انصار نے قاطبتہً ہماری مخالفت کی اور سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور علیؑ اور زبیر اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے بھی مخالفت کی اور مہاجرین حضرت ابو بکر کے پاس جمع ہوئے تو میں (حضرت عمر) نے حضرت ابو بکر سے کہا اے ابو بکر آؤ ہم لوگ ان انصاری بھائیوں کے پاس چلیں (حضرت ابو بکر نے ذرہ برابر بھی تامل نہیں کیا۔ فوراً آمادہ ہوگئے) تو ہم دونوں آدمی انصار کے پاس جانے کے ارادہ سے روانہ ہوگئے۔ جب ان کے قریب پہونچے تو انھیں (انصار) کے دو نیک آدمی ہمیں ملے اور اس امر کو بیان کیا جس کا ارادہ انصار نے اُس وقت کرلیا تھا۔ پھر ان دونوں نے ہم لوگوں سے دریافت کیا کہ اے گروہِ مہاجرین تم کہاں جاتے ہو؟ ہم دونوں نے جواب دیا کہ قبیلۂ انصار کے ان بھائیوں سے ملنا چاہتے ہیں۔ ان دونوں نے یکسماں کہا نہیں۔ ایسا نہ کرو۔ یعنی ان کے پاس نہ جاؤ۔ تم لوگ اپنے معاملہ کو خود ہی طے کرلو۔ میں نے جواب دیا خدا کی قسم ہم لوگ ضرور ان کے پاس جائیں گے۔ غرض ہم لوگ چلے گئے۔ یہاں تک کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں ان لوگوں کے پاس پہنچ گئے (صحیح بخاری پ ۲۸ ص ۳۶۶ کتاب محاربین باب رجم الحبلیٰ)

ان دونوں روائتوں سے پہلی تو پکار کر کہتی ہے کہ خلافت کے متعلق وفات رسولؐ سے پہلے کوئی گہری سازش تھی اور ہر طرف آدمی لگے ہوئے تھے کہ جہاں کوئی بات ہو فوراً اُس کی خبر ان لوگوں کو کی جائے۔ اور دوسری روایت بتاتی ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر پہلے ہی سے طے کر چکے تھے کہ خلافت اپنے ہی قبضہ میں رکھی جائے اور کسی کو اس میں شریک نہ کیا جائے۔ کیونکہ اگر ان لوگوں کا یہ مقصود نہیں تھا تو وہ کیا بات تھی جس کے بارے میں حضرت عمر کہتے ہیں کہ ان الانصار خالفونا۔ انصار نے ہماری مخالفت کی کس امر میں مخالفت کی؟ جب کوئی بات تھی ہی نہیں تو انصار کے ارادہ کو حضرت عمر نے اپنی مخالفت سے تعبیر کیوں کیا؟ کسی کی مخالفت تو اسی جگہ بولی جاتی ہے جہاں کوئی شخص پہلے سے کوئی بات

چاہتا ہو۔ یا کسی مقصود کو طے کر چکا ہو اور دوسرا شخص ویسا نہ چاہے۔ اگر کسی امر کے متعلق
ہم لوگوں کی کوئی ذاتی خواہش نہ ہو اور دوسرے لوگ کسی بات کا ارادہ کریں تو اُس جگہ ہم یہ نہیں
کہہ سکتے کہ خالفونا۔ انھوں نے ہماری مخالفت کی بلکہ یہ کہیں گے ارادوا۔ انھوں نے یہ
چاہا مگر حضرت عمر صاف کہتے ہیں ان الانصار خالفونا۔ انصار نے ہماری مخالفت کی۔
خالف عنا علیؓ والزبیر۔ حضرت علیؓ و زبیر نے بھی ہماری مخالفت کی۔ جس کا مطلب ہر شخص
یہی سمجھیگا کہ حضرت عمر و ابوبکر پہلے سے کسی بات کا ارادہ کر چکے تھے یا وہ قبل ہی سے
کسی آرزو میں پڑ چکے تھے۔ یا وہ پہلے سے کسی امر کی کوشش کر رہے تھے مگر انصار
اور حضرت علیؓ و زبیر نے ان کا ساتھ نہیں دیا اس وجہ سے وہ ان سب لوگوں کو اپنا
مخالف کہنے لگے۔ مولوی شبلی صاحب پوچھتے ہیں (۱) کیا خلافت کا سوال حضرت عمر
وغیرہ نے چھیڑا تھا (۲) کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سقیفۂ بنی ساعدہ میں گئے تھے۔"
(الفاروق ص۶۹) ان دونوں سوالوں کا جواب صحیح بخاری کی اُس عبارت میں موجود ہے
جسکو مولوی صاحب موصوف نے بھی (الفاروق ص۶۹) میں نقل کیا ہے۔ اس روایت کو
سامنے رکھ کر بچے بھی کہدیں گے کہ بے شک خلافت کا سوال حضرت عمر ہی نے چھیڑا تھا۔
اور یقیناً یہ لوگ خود اپنی خواہش ہی سے سقیفہ میں گئے تھے۔ بہرکیف ان دونوں روائتوں سے
صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر کو اسلام کے اس حادثہ کا کہ سردارِ دو عالم کا سایہ
اُٹھ رہا ہے کچھ بھی خیال نہ تھا اور فکر تھی تو صرف خلافت کی بلکہ تمام مسلمانوں میں
صرف انھیں دو بزرگوں کو خلافت کی سب سے زیادہ بے چینی تھی اور غالباً وفات
رسولؐ کے بہت پہلے سے تھی۔ اگر یہ شبہ ہو کہ ان دونوں بزرگوں کو اپنے ذاتی نفع کیلئے
نہیں بلکہ محض اسلام کی ہمدردی اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے سبب سے اس کی فکر
تھی تاکہ اس امت میں افتراق و اختلاف نہ پیدا ہو، فتنہ و فساد کا بازار نہ گرم ہو،
اور مذہب حق کی قوت نہ منتشر ہو جائے۔ جیسا مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے۔ "اس
نازک وقت میں آیا یہ ضروری تھا کہ لوگ جزع و فزع اور گریہ وزاری میں مصروف
رہیں یا یہ کہ فوراً خلافت کا انتظام کر لیا جائے اور ایک منتظم حالت قائم ہو جائے (الفاروق ص۵۵)
تو اس کے متعلق معمولی عقل بھی فوراً کہدیگی کہ کسی چیز کا جدید انتظام اُس وقت کیا جاتا

ہے جب پہلے ہی سے اُس کا انتظام نہ ہو۔ لیکن جس مسئلہ کو بہت پہلے سے طے کر دیا گیا ہو اُس کے خلاف جد و جہد یا سازش کرنا انتظام نہیں کہا جا سکتا بلکہ بغاوت سمجھا جاتا ہے۔ اگر خود خدا و رسولؐ نے خلافت کا انتظام بہت پہلے ہی سے نہ کر دیا ہوتا تب مسلمانوں کو اس کی کوشش کا موقع تھا لیکن تاریخ و حدیث کے ذخیرے بتاتے ہیں کہ خدا و رسولؐ اپنے اس فرض سے کبھی غافل نہیں رہے اور انھوں نے اس اہم خدمتِ ارشاد و ہدایت میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ ایسی حالت میں خلافت کا جدید انتظام کرنے والے درحقیقت انتظامِ خدا و رسولؐ کے درہم و برہم کرنے والے قرار پائیں گے۔ مولوی شبلی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں "حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت عمر نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کارروائیاں کیں ان میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ انھیں بے اعتدالیوں نے اُٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا" (الفاروق ص ۱۰۰)

اب سوال یہ ہے کہ وہ فتنے کہاں اور کیونکر اوٹھے؟ کیا ان فتنوں کے اُٹھانے والے حضرت ابوبکر و عمر کے علاوہ بھی کچھ لوگ تھے؟ تاریخ و حدیث سے تو اس کا بالکل ثبوت نہیں ملتا۔ اگر کہا جائے کہ انصار نے یہ فتنے اوٹھائے تو قطعاً غلط ہے۔ حضرت رسولِ خداؐ نے تو آغازِ اسلام ہی میں حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ بنا کر عام اعلان کر دیا تھا اور اپنی زندگی میں کبھی اس حکم کو منسوخ نہیں فرمایا۔ اس وجہ سے خدا و رسولؐ کے انتظام سے حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے خلیفۂ بلا فصل سنہ ۴ بعثت ہی سے تھے۔ اسلام کا یہ روشن واقعہ ہے کہ جب سنہ ۴ بعثت میں آنحضرتؐ پر خدا کا یہ حکم نازل ہوا وانذر عشیرتك الاقربین اے رسولؐ تم اپنے رشتہ داروں کو عذابِ خدا سے ڈراؤ (پ ۱۹ ع ۱۱) تو حضرتؐ نے دعوت کا سامان کیا اور مکہ والوں کو جمع کر کے فرمایا بھائیو! میں تمھارے پاس دنیا و آخرت کی بھلائی لایا ہوں اور خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کو اس دین کی طرف بلاؤں۔ اب بتاؤ تم میں سے کون شخص اس کام میں میرا ہاتھ بٹائے گا تاکہ تمھارا میرا بھائی۔ میرا وصی (قائم مقام) اور میرا خلیفہ مقرر ہو جائے۔ اس کا کسی نے جواب نہیں دیا۔ البتہ حضرت علیؑ نے فرمایا میں حاضر ہوں۔ میں حضورؐ کا بوجھ بٹاؤں گا۔ اس پر حضرت رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ کی گردن تھام کر اور لوگوں کو دکھا کر

فرمایا کہ یاد رکھو یہی علیؑ میرے بھائی، میرے وصی اور تم لوگوں میں میرے خلیفہ ہیں تم سب لوگ ان کا حکم مانتے اور ان کی اطاعت کرتے رہنا۔ (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۷ و کامل جلد ۲ صفحہ ۲۲ و ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۱۶ و حبیب السیر جلد ۱ جزو ۳ صفحہ ۱۶ و تفسیر طبری جلد ۱۹ صفحہ ۷۵ و معالم التنزیل صفحہ ۶۶۳ و خازن جلد ۳ صفحہ ۳۷۲ و مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۱۵۳ و ازالۃ الخفا مقصد ۲ صفحہ ۲۵۲ و کنزالعمال جلد ۶ صفحہ ۳۹۲ وغیرہ) حضرت رسولخدا صلعم کا یہ قدیم انتظام خلافت ایسا واضح تھا کہ ہر شخص کو اس کی خبر تھی اور سب جانتے تھے کہ حضرت رسولؐ نے جس طرح سب کو خدا کی عبادت کی طرف بلایا اسی طرح اپنی اور اپنے خلیفہ بلافصل حضرت علیؑ کی اطاعت کا حکم بھی دے رکھا ہے۔ اسی وجہ سے وفات رسولؐ پر آنحضرتؐ کے چچا جناب عباس نے حضرت علیؑ سے کہا ابسط یدك ابا یعك فیقال عم رسول اللہ بایع ابن عم رسول اللہ۔ اپنا ہاتھ پھیلاؤ میں تمھاری بیعت کرلوں تاکہ سب کہیں رسولؐ کے چچا نے تو حضرت علیؑ کی بیعت کی ہے۔ اس پر حضرت علیؑ نے ان کو جواب دیا ومن یطلب ھذا الامر غیرنا۔ ہمیں چھوڑ کر اس خلافت کا دعوے اور کون کرسکتا ہے؟ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ طبع مصر صفحہ ۴) اور جب حضرت علیؑ پر ان لوگوں نے دباؤ ڈالا کہ حضرت ابوبکر کی بیعت کرلیجئے۔ تب بھی حضرت انکار کرکے یہی کہتے رہے۔ علامہ ابن قتیبہ نے لکھا ہے

انّ علیاً کرّم اللہ وجھہٗ اتی بہ ابوبکر وھو یقول انا عبد اللہ واخو رسولہ فقیل لہ بایع ابابکر فقال انا احقّ بھذا الامر منکم لا ابایعکم وانتم اولی بالبیعۃ لی۔

جب حضرت علیؑ حضرت ابوبکر کے پاس لائے گئے تو فرماتے تھے میں خدا کا بندہ اور رسولؐ کا بھائی ہوں۔ حضرتؑ سے کہا گیا کہ حضرت ابوبکر کی بیعت کرلیجئے تو حضرتؑ نے جواب دیا میں خلافت کا زیادہ حقدار ہوں۔ میں تم لوگوں کی بیعت نہیں کرسکتا۔ بلکہ تم لوگوں ہی کا فرض ہے کہ میری بیعت کرو۔ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ صفحہ ۴) یہی بات انصار بھی کہتے تھے کہ ہم حضرت علیؑ کے سوائے کسی کی بھی بیعت نہیں کرینگے جسکو معتبر ترین مورخ اسلام نے صاف طور پر لکھ دیا ہے۔ مثلاً علامہ

طبری لکھتے ہیں فقالت الانصار او بعض الانصار لا نبایع الا علیا قبیلہ انصار کے کل یا بعض لوگ کہتے تھے کہ ہم حضرت علیؑ کے سوائے کسی کی بیعت نہیں کریں گے (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۸) - اب نتیجہ پیدا کر لینا آسان ہے کہ ان فتنوں کو نہ انصار نے اوٹھایا - نہ بنی ہاشم نے ابھارا - یہ لوگ تو حضرت رسولؐ کے غم میں جزع و فزع اور گریہ و بکا کر رہے تھے - البتہ ان فتنوں کے بانی وہی لوگ کہے جا سکتے ہیں جن کو رسولؐ کی زندگی ہی سے یہ خوف تھا کہ کہیں حضرت قلم دوات لیکر اس خلافت کے متعلق تحریر بھی نہ دے دیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام کی خیریت اسی میں تھی کہ اسی وقت خلافت کا انتظام کر لیا جاتا۔ ورنہ اسلام مٹ جاتا - یہ دین مبین تباہ و برباد ہو جاتا - اس میں خانہ جنگی پیدا ہو جاتی - وہ یہ کیوں نہیں بتاتے کہ کیا اسلام کا درد صرف حضرت ابوبکر و عمر ہی کو تھا ؟ باقی کل اہل اسلام اس دین کی ہمدردی سے خالی تھے ؟ کیا سب اسلام کی بربادی پسند کرتے تھے ؟ کیا حضرت رسولخدا کے چچا جناب عباس سے بھی زیادہ حضرت ابوبکر و عمر کو اسلام کی فکر تھی ؟ اگر ایسا ہی تھا تو یہ بھی بتانا چاہئیے کہ اس کی وجہ کیا تھی ؟ خلافت کے انتظام کی غرض سے اور کسی نے تگ و دو کیوں نہیں شروع کی اور خاص یہی حضرات کیوں اس کے لئے تڑپتے رہے ؟ کیا ان حضرات کو خدا و رسولؐ نے امورِ اسلام کا ذمہ دار بنا دیا تھا ؟ لیکن اگر یہی باتیں ہوتیں تو حضرت رسولؐ خدا اپنے انتقال کے پہلے اس کی شدید کوشش کیوں فرماتے کہ یہ لوگ اُس وقت مدینہ میں ٹھہرنے ہی نہ پائیں اور اسامہ کے ماتحت ہو کر مدینہ سے بہت دور بلکہ ملک عرب سے بھی باہر چلے جائیں !!!

یہ عجیب تماشا ہے کہ انھیں اُٹھتے ہوئے فتنوں کے خوف سے جب حضرت رسولخدا آخر وقت میں فرمائیں کہ قلم دوات لاؤ میں تم لوگوں کو وہ نوشتہ دے جاؤں جس کے بعد تم لوگ گمراہ نہیں ہو گے تو اس وقت شور کیا جائے کہ حسبنا کتاب اللہ ہمیں خدا کی کتاب بس کرتی ہے - مگر رسولؐ کے انتقال پر جب وہ فتنے (جن کے روکنے کے لئے رسولؐ نے وہ وصیت نامہ لکھنا چاہا تھا) اُٹھنے لگے تو وہ قول حسبنا کتاب اللہ

بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔ اور کوئی شخص بھی یہ نہیں کہتا کہ خلافت اور خلیفہ کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کتاب خدا ہمارے پاس موجود ہے۔ وہ ہمیں بس کرتی ہے۔ حضرت رسول خدا صلعم ہر فتنہ کا سدباب بھی کرتے رہتے تھے۔ جب حضرتؐ کو اپنی وفات کا یقین ہو گیا تو حضرتؐ کے پیش نظر وہ کل فتنے ہو گئے جو آپ کے بعد اسلام میں پیدا ہونے والے تھے۔ اور حضرتؐ کو اپنے جن صحابہ پر اطمینان تھا اُن کو بطور اشارہ اُن فتنوں سے باخبر بھی کر دیا تھا۔ خود صحیح بخاری میں ہے عن اسامۃ بن زید قال اشرف النبیؐ علی اطم من اطام المدینۃ ثم قال ھل ترون ما اری مواقع الفتن خلال بیوتکم اسامہ بن زید بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت رسول خدا صلعم مدینہ کے ایک اونچے محل پر چڑھ کر فرمانے لگے کیا تم لوگ فتنہ و فساد کی اُن جگہوں کو دیکھتے ہو جنھیں میں دیکھتا ہوں۔ وہ سب تم صحابہؓ کے گھروں میں ہیں (صحیح بخاری پارہ ۹ ص۴۹۵ باب الغرفۃ کتاب اللقطہ)

عقل اور نقل سب کا اتفاق اس امر پر ہے کہ امت اسلام کی آبادی۔ استحکام و ترقی نیز مسلمانوں کی ہدایت و حفاظت کا خیال حضرت ابوبکر و عمر سے لاکھوں درجہ زیادہ خدا و رسولؐ کو ہونا چاہئے۔ پس جن فتنوں کے دبانے کے لئے حضرت ابوبکر و عمر نے یہ کارروائیاں کیں اُن کا انتظام خدا اور رسولؐ کو کرنا زیادہ مناسب تھا۔ اِس لئے کہ اسلام کے بانی اور موجد بھی یہی دونوں ذاتیں تھیں بلکہ رسولؐ سے بھی زیادہ خدا کو اس کی تدبیر کرنی تھی اِس لئے کہ رسولؐ کو بھی خدا ہی نے بھیجا تھا اور اسلام کو بھی اُسی نے اپنا پسندیدہ دین قرار دیا تھا۔ اِن وجوہ سے ماننا پڑے گا کہ اِس مذہب کی جس قدر محبت خدا کو ہوگی حضرت ابوبکر و عمر کو نہیں ہو سکتی۔ اِسی سبب سے آنحضرت صلعم کے بعد جو فتنے پیدا ہونے والے تھے اُن کا انتظام بھی خدا کے متعلق تھا۔ نہ اوروں کے ذمہ۔ اور ایسا ہی خدا نے کیا بھی کہ آنحضرت صلعم کی زندگی ہی میں حضرتؐ کا خلیفہ مقرر کر کے اس فرض سے سبکدوش ہو گیا تھا۔ یہ بھی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم خود سے رسولؐ نہیں بن گئے اپنے کسی یار کی بیعت سے پیغمبر نہیں ہوئے۔ اپنی پارٹی والوں کی رائے و مشورہ سے نبوت کے درجہ پر فائز نہیں ہوئے۔ دنیا کے لوگوں نے اپنے انتخاب سے حضرتؐ کو اپنا پیشوا نہیں بنایا تھا

بلکہ خود خدا نے آپ کو کافۃ الناس کی ہدایت وارشاد کے لیئے رسول مبعوث فرمایا تھا۔ تو حضرت کے خلیفہ اور وصی کا انتخاب بھی لوگوں کے اختیار میں نہیں ہونا چاہیئے بلکہ یہ بھی خاص خدا ہی کا کام تھا کیونکہ جس طرح پیغمبر کی شان دنیوی بادشاہ، امیر اور حاکم سے علٰحدہ ہے کہ بادشاہ صرف دنیا کا انتظام کرنے اور عالم کا امن قائم رکھنے کیلئے ہوتا ہے اور نبی یا رسول لوگوں کی دنیا و دین (دونوں) کی اصلاح وارشاد و ہدایت کے لئے بھیجا جاتا ہے بالکل اسی طرح رسول کے خلیفہ اور امام کی حالت بھی دنیا کے سلاطین اور سرداروں سے جدا ہے کہ یہ لوگ محض دنیا کی حالت درست کرنے کے لئے مقرر ہوتے ہیں۔ اور خلیفہ یا امام لوگوں کی دنیا و دین کی حالت بہتر رکھنے اور اس کی حفاظت کرنے اور لوگوں کو گمراہی سے بچانے کیلئے معین ہوتے ہیں۔ علاوہ بریں دنیوی بادشاہ صرف جسم اور ظاہری حالت کا حاکم ہوتا ہے۔ اور نبی یا رسول انسان کی روح و باطن کا ہادی ہوتا ہے اس وجہ سے دنیوی بادشاہ کا جانشین اُن لوگوں کے ذریعہ سے مقرر ہوسکتا ہے جنھوں نے خود بادشاہ کو بادشاہ بنایا۔ اسی طرح رسول و نبی کا قائم مقام بھی اُسی ذات کے مقرر کرنے سے ہوسکتا ہے جس نے خود ہی نبی یا رسول کو مبعوث فرمایا۔ اور وہ خدا ہی ہے۔ کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ مختصر یہ کہ جس طرح آدمیوں کے مقرر کرنے سے کوئی شخص نبی یا رسول نہیں ہوسکتا۔ بالکل اسی طرح انسان کے انتخاب سے کوئی شخص نہ خلیفۂ رسول ہوسکتا ہے اور نہ امام زمانہ۔ یہی عقل کا حکم ہے اور یہی خدا کا بھی فیصلہ جسکو اُس نے قرآن مجید کی متعدد آیات میں واضح طور پر بیان فرمادیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے وما کان لمومن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا جب اللہ اور اُس کے رسول کسی بات کو طے کردیں تو پھر کسی مومن یا مومنہ کو اس کا اختیار باقی نہیں رہتا کہ وہ اپنے امور کے لئے کسی کا انتخاب کرے اور جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرتے ہیں وہ گمراہی میں پڑتے ہیں (پ ۲۲ سورہ احزاب رکوع ۵/۲) ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ وربک یخلق ما یشاء ویختار ما کان لھم الخیرۃ سبحان اللہ وتعالٰی عما یشرکون۔ اور اے پیغمبر! تمھارا پروردگار ہی جن

لوگوں کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اُن میں سے جسکو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے انتخاب کرنا لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ لوگ جو خدا کے کاموں میں شریک ہونا یا شریک کرنا چاہتے ہیں اللہ کی ذات اُس سے پاک اور بہت بلند ہے (پارہ ۲۰ سورۂ قصص رکوع ۱/۷) ان آیتوں سے واضح تر فیصلہ اور کیا ہوتا جس سے خدا مسلمانوں کو یہ بتا دیتا کہ خلیفہ اور امام کا مقرر کرنا اہلِ اسلام کے اختیار کی بات نہیں بلکہ خاص خدا کا کام ہے جس میں نہ وہ کسی کو شریک کرتا اور جسے نہ وہ کسی پر چھوڑتا ہے۔ اب جو لوگ خدا کا اختیار اُس سے چھین کر خود کسی شخص کو خلیفہ مقرر کرتے ہیں وہ درحقیقت خدائی کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں۔ (ممکن ہے اسی وجہ سے خدا نے ان لوگوں کو مشرک قرار دیا اور ان کی صریح گمراہی کا اعلان فرما دیا ہے) اگر انصاف سے کام لیا جائے تو یقین ہو جائے کہ یہ آیتیں بحث خلافت کا قطعی فیصلہ کر دیتی ہیں اور کسی شخص کو اس کے متعلق ایک حرف بھی بولنے کی گنجائش باقی ہی نہیں رہتی ہے۔

یہ تو خلافت کے متعلق خدا کا قولی حکم تھا۔ اب اُس کا طرزِ عمل یعنی عملی اصول بھی دیکھو۔ خدا دنیا میں لوگوں کی ہدایت و اصلاحِ معاش و معاد کیلئے ہمیشہ انبیاء و مرسلین کو بھیجتا رہا ہے تاکہ کسی قوم کی کوئی حجت خدا پر قائم نہ ہو۔ اور جس طرح حضرت رسُولِ خدا کے بعد مسلمانوں کے لئے ایک خلیفہ کا ہونا ضروری تھا بعینہٖ اسی طرح حضرت کے قبل جس قدر انبیاء و مرسلین آئے ہیں ان کے انتقال پر بھی ان کی امتوں کیلئے کسی نہ کسی خلیفہ کی شدید ضرورت تھی کیونکہ جو غرض انبیاء و مرسلین کے مبعوث ہونے کی ہوتی ہے تقریباً وہی ان کے خلیفہ کے منصوب ہونے کی بھی ہے۔ انبیاء و مرسلین ایک مذہب قائم کرتے ہیں یا کوئی دین لاتے ہیں اور لوگوں کی ہدایت و اصلاح کی راہ نکالتے ہیں۔ اور جو لوگ ان کے خلیفہ ہوتے ہیں وہ ان کے بعد اُن کے مذہب کی حفاظت کرتے۔ ان کے دین کو پھیلاتے اور اُن کی راہ کو برقرار رکھتے ہیں پس اگر خدا کے لئے انبیاء و مرسلین کا بھیجنا ضروری ہے تو اُن کے خلیفہ کا انتظام کرنا بھی اُسی کا فرض ہے۔ آپ دیکھو کہ سابق انبیاء و مرسلین کے بعد ان کی شریعت کیسے

قائم رکھنے اور ان کے دین کی بقاء و حفاظت کیلئے خدا کا کیا اصول رہا ہے۔ کیا اُس نے سابق انبیاء و مرسلین کی امتوں کو آزادی دے دی تھی اور اس امر میں مختار کر دیا تھا کہ وہ خود اپنے میں سے جس شخص کو چاہیں اپنا مذہبی پیشوا۔ دینی سردار اور اپنے رسول کا خلیفہ۔ وصی۔ نائب۔ قائم مقام مقرر کریں۔ یا خدا نے خود ہی ہر نبی یا رسول کا خلیفہ بھی مقرر کر کے اُس نبی یا رسول سے اس کا اعلان کرا دیا تھا عقل تو یہی کہتی ہے کہ جب خدا نے سابق انبیاء و مرسلین کا انتخاب آدمیوں پر نہیں چھوڑا یعنی اُس زمانہ کے لوگوں کو اس کا اختیار نہیں دیا کہ اپنی ہدایت و ارشاد کیلئے وہ خود کسی کو خدا کا رسول یا اللہ کا نبی مقرر کر لیا کریں (بلکہ اس فرض کو خدا نے اپنے ہاتھ میں مخصوص رکھا) تو اُن کے جانشینوں کا انتظام بھی وہ آدمیوں پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اِس لئے کہ اگر آدمیوں کے لئے یہ جائز ہوتا کہ کسی نبی کا خلیفہ وہ خود اپنے انتخاب سے مقرر کر لیں تو نبی یا رسول کا مقرر کرنا کیوں ان کے لئے ناجائز ہوتا؟ واضح ہے کہ پیغمبر بھی انسان کی دنیوی و دینی ہدایت کیلئے آتا ہے اور اُس کا خلیفہ بھی اُس کی دینی و دنیوی ہدایت کے قائم رکھنے اور اس کی حفاظت ہی کے لئے مقرر ہوتا ہے۔ "خلافت" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنے جانشینی یا قائم مقامی کے ہیں۔ لیکن جانشینی کا مفہوم صرف جگہ پر بیٹھ جانا نہیں ہے بلکہ جانشینی بہ حیثیت عہدہ۔ بہ حیثیت منصب۔ بہ حیثیت فرائض۔ بہ حیثیت اخلاق و اعمال اور بہ حیثیت مراتب و کمال ہوتی ہے۔

ایک شاعر کا جانشین شاعر۔ طبیب کا جانشین طبیب۔ قاضی کا جانشین قاضی۔ اور وکیل کا جانشین وکیل ہوا کرتا ہے۔ ایک شاعر کی جگہ حکیم اور حکیم کی جگہ قاضی اور قاضی کی جگہ وکیل سے پُر نہیں ہو سکتی بلکہ ایک ہی نوع میں صنف کے بدلنے سے بھی خصوصیت مختلف ہو جاتی ہے۔ یعنی خود شعراء میں مرثیہ گو کا جانشین غزل گو اور غزل گو کا جانشین قصیدہ گو نہیں سمجھا جا سکتا۔ چہ جائیکہ شاعر کی جگہ لوہار اور قاضی کی جگہ ستار جانشین سمجھا جائے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خلیفہ حقیقۃً وہ ہے جو اپنے کمالات اور خصوصیات میں اپنے پیش رو کے کمالات و خصوصیات کا زیادہ سے

زیادہ بشریک وحصہ دار ہو۔ اور انبیاء و مرسلین کے کمالات وخصوصیات میں سب سے اہم جزو یہی ہے کہ وہ خاص خدا کے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں۔ انسانی انتخاب اور تجویز کی اس میں ذرہ برابر بھی شرکت نہیں ہوتی۔ پنچایت سے کبھی کوئی شخص نبی یا پیغمبر نہیں ہوا۔ تو خلیفہ میں بھی سب سے اہم جزو یہی ماننا پڑے گا کہ وہ خاص خدا کا مقرر کیا ہوا ہوتا ہے۔ اور آدمیوں کی رائے ومشورہ۔ یا پنچایت یا استخلاف یا انتخاب یا تجویز کی اس میں ذرہ برابر شرکت نہیں ہو سکتی۔

اس نظریہ کے ماتحت ہمارے سامنے قدرتاً یہ تنقیح پیش ہوتی ہے کہ حضرت رسولخداؐ کی حیثیت ایک دنیوی بادشاہ کی سی تھی یا ایک معلم روحانی کی۔ یعنی حضرت کا مقصود کوئی حکومت وسلطنت قائم کرنا تھا یا لوگوں کے اخلاق کو درست کرنا۔ ان میں انسانی خوبیاں پیدا کرنا۔ اُن کو روحانی کمالات سے آراستہ کرنا۔ اور اُن کو مذہب حق کا پابند کرنا۔ ظاہر ہے کہ حضرت کسی سلطنت کی بنیاد نہیں رکھ رہے تھے کوئی بادشاہت نہیں قائم کر رہے تھے۔ کسی دنیوی حکومت کی تعمیر نہیں کر رہے تھے بلکہ ایک قوم بنا رہے تھے جو انسانیت واخلاق کے جوہر سے آراستہ ہو اور بجائے تیر۔ تلوار۔ نیزے کے اپنے ورع وتقویٰ۔ اپنی خدا ترسی اور شرافت نفس سے روحانی حکومت دنیا میں قائم کرے۔ اگر آنحضرت صلعم کی حیثیت محض ایک دنیوی بادشاہ کی سی ہوتی تو بے شک حضرتؐ کی خلافت کیلئے ایک بادشاہ ہونے کی حیثیت کافی سمجھی جا سکتی تھی اور جو شخص بھی حضرت کا خلیفہ مقرر کر دیا جاتا کسی کو اعتراض کا حق حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن اگر رسولخدا صلعم کی حیثیت ایک بادشاہ کی سی نہ تھی بلکہ معلم روحانی۔ پیشوائے دینی۔ سردار دین ودنیا اور سب سے زیادہ خدا کی طرف سے مبعوث ہونے کی خصوصیت آپ میں پائی جاتی تھی تو ہم کو سمجھنا چاہیئے کہ آپ کے خلیفہ میں بھی جو شخص اس صفت سے متصف ہو وہی حضرت کا خلیفہ برحق ہو سکتا ہے۔ غرض جب رسول وپیغمبر ایک معلم روحانی اور اہل اسلام کے عقیدہ کے مطابق خدا کا مقرر کردہ ہادی ہوتا ہے تو اُس کی جانشینی کا انتظام بھی خدا ہی کا فعل ہونا چاہیئے۔ اور معلوم ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم کو دنیا کے لوگوں

نے اپنا ہادی اور خدا کا رسول نہیں بنایا بلکہ خود خدا نے آپ کو مبعوث فرمایا۔ بالکل اسی طرح حضرتؐ کے جانشین کو بھی دنیا کے لوگ اپنی تجویز یا اجماع یا انتخاب سے مقرر نہیں کر سکتے بلکہ خدا ہی اُس کو معین کرے گا اور وہ اپنے رسول ہی سے اس کا اعلان بھی کرائے گا۔ یہ تو عقلی فیصلہ ہے۔ اور جن فرقوں میں یہ اختلاف ہے اُن کی آسمانی کتاب قرآن مجید کی بکثرت آیتوں سے بھی یقین ہوتا ہے کہ جس طرح پیغمبروں کا بھیجنا خدا کا کام ہے اسی طرح ان کے قائم مقام۔ جانشین۔ وصی خلیفہ اور امامت کے امام کا مقرر کرنا بھی محض خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

پیغمبروں کے بارے میں خدا فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل نے خدا سے دعا کی ربنا وابعث فیھم رسولا اے پالنے والے تو ان لوگوں میں کوئی رسول بھیج (پارہ ا ع ۱۵) معلوم ہوا کہ رسول کا بھیجنا صرف خدا کا کام ہے۔ دوسری جگہ خدا فرماتا ہے کما ارسلنا فیکم رسولا منکم جس طرح ہم نے تم میں سے ایک رسول بھیجا (پارہ ۲ ع ۲) لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یقیناً اللہ نے مومنین پر احسان کیا کہ اُن کے درمیان ایک رسول انھیں لوگوں سے بھیجا۔ (پ ۴ ع ۸) ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم وہی خدا ایسا ہے جس نے جاہلوں میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا۔ (پارہ ۲۸ سورہ جمعہ ع ۱۱) اور خلیفہ و امام کے بارے میں بھی خدا کا یہی اصول معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً فرمایا واذ قال ربک للملٰئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ اے پیغمبر! لوگوں سے اُس وقت کا ذکر کرو جب تمھارے پالنے والے نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔ (پارہ اول رکوع ۴) خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ اے فرشتو تم لوگ اپنے انتخاب یا پنچایت یا اجماع سے کسی کو خلیفہ مقرر کر لو۔ نہ یہ فرمایا کہ اے فرشتو زمین کے رہنے والے آدمیوں کو میں اختیار دوں گا کہ جس شخص کو چاہیں اپنے انتخاب یا اجماع یا پنچایت سے خلیفہ مقرر کر لیں۔ نہ یہ فرمایا کہ انسان جس شخص کو بھی زمین پر خلیفہ مقرر کر لیگا میں

اوس کو حق تسلیم کرلوں گا بلکہ سب صورتوں کو ترک کر کے فرماتا ہے کہ زمین پر خلیفہ میں ہی مقرر کرونگا اور میرا ہی یہ کام ہے۔ کسی اور کا نہیں ہوسکتا۔ پھر خدا نے حضرت داؤد سے فرمایا یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض۔ اے داؤد! ہم ہی نے تم کو زمین میں اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے (پارہ ۲۳ ع ۱۱) جس سے معلوم ہوگیا کہ جب دنیا آباد ہوگئی اور بے تعداد آدمی اُس میں بس گئے جب بھی خدا نے خلیفہ بنانے کا طریقہ ان آدمیوں کا اجماع یا انتخاب یا پنچایت نہیں قرار دیا نہ اِس ضروری کام کو ان پر چھوڑا بلکہ اس کو بالکل اپنے ہاتھ میں رکھا۔

حضرت موسٰی نے جب اپنی قوم کو چھوڑ کر کوہِ طور پر جانے لگے اور آپ کی قوم کیلئے آپ کے جانشین کی ضرورت ہوئی تو آپ نے یہ نہیں کیا کہ اپنی امت سے کہا ہو میں تو جاتا ہوں تم لوگ جس شخص کو چاہنا اپنے انتخاب یا شورے یا پنچایت سے میرا خلیفہ مقرر کر لینا۔ اور نہ بغیر اپنے خلیفہ کا کوئی انتظام کئے ہوئے اپنی قوم کو چھوڑا کہ حضرت کی امت نے خود ہی کسی کو خلیفہ بنا لیا ہو بلکہ (خدا کے حکم سے) حضرت نے پہلے اپنے خلیفہ کو اپنی جگہ مقرر کیا اُس کے بعد کوہِ طور پر تشریف لیگئے جس کا بیان قرآن مجید میں اس طرح ہے وواعدنا موسیٰ ثلثین لیلۃ واتممنا ھا بعشر فتم میقات ربہ اربعین لیلۃ وقال موسیٰ لاخیہ ھارون اخلفنی فی قومی واصلح ولا تتبع سبیل المفسدین۔ اور ہم نے (اپنے پیغمبر) موسٰی سے تیس ۳۰ راتوں کا وعدہ کیا اور ہم نے دس راتیں اور بڑھا کر تیس ۳۰ کو پوری چالیس راتیں کر دیں اور یوں موسٰی کے پالنے والے کا وعدہ چالیس راتوں کا پورا ہوگیا۔ اور موسٰی کوہِ طور پر جاتے وقت اپنے بھائی ہارون سے کہتے گئے کہ میری قوم کے لوگوں میں میری نیابت اور جانشینی کرتے رہنا اور ان میں میل جول رکھنا اور مفسدوں کی راہ نہ اختیار کرنا۔ (پارہ ۹ ع ۷) یہ آیت بھی قابلِ غور ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسٰی صرف چالیس دنوں کے لئے کوہِ طور پر تشریف لے جاتے تھے پھر بھی اپنی امت کو بغیر کسی سردار کے نہیں چھوڑا بلکہ خدا کے حکم سے پہلے اپنا خلیفہ مقرر کرلیا تب وہاں سے روانہ ہوئے [1]

---

[1] پھر حضرت رسولخدا کو کیا حضرت موسٰی کے برابر بھی اپنی امت کی پریشانی اور ان کے فتنہ و فساد کی پروا نہیں تھی کہ دنیا سے ہمیشہ کیلئے چلے گئے اور امتِ اسلام کو بغیر کسی سردار یا خلیفہ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۸)

اور خدا امام کے بارے میں فرماتا ہے والّذین یقولون ربّنا ھب لنا من ازواجنا وذرّیّاتنا قرّۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما۔ یعنی وہ لوگ جو دعا کرتے ہیں کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۷)

چھوڑ دیا ہے جس کی وجہ سے حضرت کے انتقال کرتے ہی مسلمانوں نے آپ کا جنازہ ترک کر دیا اور اس جھگڑے میں مشغول ہو گئے۔ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی مصنف تحفۂ اثنا عشریہ کے والد ماجد جناب شاہ ولی اللہ صاحب ایسے جلیل القدر عالم و محقق نے اس مضمون کو اچھی طرح ادا کیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔ "چناں کہ نبوت مکتسب و جبلی نیست ہم چنیں خلافت خاصۂ پیغمبر مکتسب و جبلی نیست" یعنے جس طرح نبوت و پیغمبری کسی کے خود محنت و کوشش کرنے سے اس کو حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ خود ہی اس میں پیدا ہوتی ہے (بلکہ خدا ہی جس کو چاہتا ہے پیغمبر کرتا ہے) اسی طرح پیغمبر کی خاص خلافت بھی کسی شخص کی کوشش و محنت سے اس کو نہیں مل سکتی۔ اور نہ کسی شخص کے آپ ہی خلیفہ بنجانے یا لوگوں کے اُس کو بنا دینے سے ہو سکتی ہے۔ اور نہ خود ہی پیدا ہوتی ہی (بلکہ یہ بھی خدا ہی کے اختیار میں ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے صرف وہی رسول کا خلیفہ برحق ہوتا ہے)۔ دیکھو کتاب ازالۃ الخفاء مقصد اول صفحہ ۵۲۔ پھر ممدوح ہی لکھتے ہیں "وہ دلائل عقلیہ یقین می کنم کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لابد خلیفہ برائے امت خود معین فرمودہ است وانقیاد آں عزیز در آنچہ بخلافت تعلق دارد لازم نمودہ" یعنی عقلی دلیلوں سے ہم یقین کرتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلعم نے ضرور اپنی امت کیلئے خود ہی اپنا خلیفہ مقرر کر دیا تھا اور جو باتیں خلافت سے تعلق رکھتی ہیں ان میں اس عزیز کی اطاعت و فرمانبرداری لازم کر دی تھی۔ (ازالۃ الخفاء مقصد اول صفحہ ۲۶)۔ پھر لکھتے اور بہت خوب بلکہ نہایت قابل قدر تحریر کرتے ہیں "ہر کہ فن مغازی را تتبع نمودہ باشد البتہ می داند کہ آنحضرت ہرگاہ برائے غزوۂ از مدینہ شریفہ سفری فرمودند شخصے را حاکم مدینہ می نمودند۔ امر مسلمین را گلے مہمل نہ گذاشتہ اند پس چوں کوس رحلت از دنیا نواختند و غیبت کبرای پیش آمد آں سیرت مرضیہ خود را چرا مراعات نہ فرمایند۔ اگر تامل کنی در رافت تامۂ آنحضرت شذر و مذر گذاشتن بنی آدم بعد ہی بلیغ در تربیت و اصلاح آنہا تنافت و تناقض انگاری۔ واگر بہ سیرت علیۂ آں حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۹)

اے پالنے والے ہم کو ہماری ازواج و اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔ (پارہ ۱۹ رکوع ۴) اس سے معلوم ہوا کہ امام کو

در نصب حکام و قضاۃ و تفویض ہر امرے بہ مستحق آں نظر بر گماری بغیرِ استخلاف پدرود کردن دنیا مستنکر و مستبعد شماری۔ استقراء اکثر افراد و احوال باقیہ یکے از ادلۂ خطابیہ است کہ در معرفتِ احکام بہ آں اکتفا می تواں کرد۔ و قصصِ نواب بعد بر آمدن از غزوات از آں واضح تر است کہ بہ نقل شمۂ از آں احتیاج افتد۔ دلیلِ رابع اگر شتر لعتے را کہ آنحضرت صلعم برائے دفعِ مفاسدِ عالم و اصلاحِ جہانیاں بجا آوردہ بہ چشمِ عبرت تتبع کنی شک نہ داری در آنکہ آنحضرتؐ آں مقربات کہ افراد بنی آدم را از حضیضِ بہیمیت با وجِ ملکیت رساند بیان فرمودہ بعد ازاں ہرچہ حاجت بہ آں ناس است از آدابِ معیشت و مکاسب و معاملات و تدبیرِ منازل و سیاست مدن ہمہ را مشروح ساختہ و ہر نابایستے کہ دراں جا بود از آں منع و زجر نمودہ و از آں ہمہ گذشتہ تحمینیات و سدِ ذرائعِ مفاسد و دواعی اثم را بوجہ اتم مبین گردانید و ہر جزے بیان کردہ۔ ارکان و شروط و آداب مفصل ساختہ۔ مثل ایں حکیم دانا و مشفق مہربان عقل تجویز می کند کہ است خود را در عینِ مہلکہ سپارد و تدبیرِ خلاصِ ایشاں نہ فرماید؟ در غزوۂ تبوک متوجہ شام شود و اثارۂ قوۃ غضبیہ ر میاں کند و ایشاں را تخویف نماید و نامہ بہ کسریٰ نویسد کہ آتشِ غیرت بہ سبب آں بہ دماغ او رسد و وے از کمالِ رعونتِ خود قاصدے پیش آں حضرتؐ فرستد و قصدِ اہانت کند و متنبیان مانند مسیلمۂ کذاب و اسود عنسی از زمینِ عرب برخاستہ باشند و مردم ضعیف الاسلام دلیلے ترویجِ کفر افتادہ باشند و شورِ فرآں مانند عصافیر در دست مردم پراگندہ باشد۔ بحکمت ایں حکیم دانا و رافت ایں مشفق مہربان مناسبت دارد کہ تدبیر اصلاحِ عالم ناکردہ و امتِ خود را زیر نسقِ خلیفہ نہ سپردہ از عالم بہ گزرد۔ یعنی جس شخص نے حضرت رسولؐ کے جہادوں کے حالات اور غزوات کے انتظامات کا تتبع کیا۔ (یعنی اُن کو تفصیل سے جانا) ہے وہ اس امر سے اچھی طرح واقف ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم جب کبھی کسی غزوہ کے لئے مدینہ شریفہ سے سفر کرتے تھے تو کسی شخص کو مدینہ کا حاکم ضرور بنا جاتے تھے۔ غرض مسلمانوں کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۰)

بھی خدا ہی مقرر کرتا ہے۔ آدمی کسی شخص کو خلیفہ یا امام نہیں بنا سکتا۔ وجعلنا ھم ائمۃ یھدون بامرنا اور ہم ہی نے اُن لوگوں کو امام مقرر کیا کہ ہمارے حکم کے مطابق ہدایت

(بقیہ حاشیہ ص۱۶۹)

کاموں کو مہمل (بغیر کسی انتظام اور بغیر کسی سردار یا حاکم کی ماتحتی کے) کبھی نہیں چھوڑا۔ پھر جب حضرت دنیا سے سفر کرنے لگے اور یہاں سے آپ کی دائمی رخصت کا وقت پہنچا تو حضرت اپنی وہ مناسب سیرت (کہ اپنے جاتے وقت اپنے قائم مقام کا انتظام خود کر جاتے تھے) کیوں چھوڑ دیتے؟ اور کس سبب سے اس اصول کے خلاف عمل کرتے؟ آنحضرتؐ کی اس رحمتِ کاملہ و شفقت تامہ میں جو مسلمانوں پر تھی اگر تم لوگ غور و فکر کرو تو یقین کر لوگے کہ آنحضرت صلعم کا اپنی امت کو اس طرح پراگندہ (یعنی بغیر کسی سردار یا پیشوا کے) چھوڑ کر دنیا سے تشریف لے جانا محال تھا۔ اور اگر اس امر کو پیشِ نظر رکھو کہ آنحضرتؐ کے مبعوث ہونے کی اصلی غرض عالم میں امن و امان قائم رکھنا اور دنیا کی اصلاح کرنا تھی تو سمجھ لوگے کہ آنحضرتؐ کا بنی آدم کے درست کرنے۔ ان کے مہذب بنانے۔ ان کو زیورِ اخلاق و ایمان سے آراستہ کرنے کیلئے اِس قدر کوشش اور جدّ و جہد کرنے کے بعد انھیں لوگوں کو بغیر کسی ہادی۔ خلیفہ۔ امام اور رہنما کے مطلق العنان دیے سر کی فوج) چھوڑ جانا قطعاً خلاف عقل اور حضرتؐ کی بعثت کے اغراض و مقاصد کے بالکل خلاف تھا۔ جس سے آنحضرتؐ کی رسالت پر دھبّہ آتا ہے کہ آپ کے کاموں میں تناقض اور اختلاف رہتا تھا کہ زبان سے کچھ کہتے اور خود عمل کچھ کرتے۔ اور کبھی کوئی کام کرتے اور کبھی اُس کے خلاف عمل فرماتے۔ اور اگر تم آنحضرتؐ کی اُس سیرۃ و عادۃ پر نظر ڈالو جو حاکموں اور قاضیوں کے مقرر کرنے اور ہر شخص کو اُس کی لیاقت کے مطابق کام سپرد کرنے اور ہر کام کو اُس کے اہل کے حوالہ کرنے میں تھی تو تم کو ماننا پڑیگا کہ آنحضرت صلعم کا بغیر کسی شخص کو اپنا خلیفہ بنائے ہوئے دنیا سے رحلت فرمانا بالکل خلاف عقل اور قطعاً ناممکن تھا۔ آنحضرتؐ کے انتظامات و اصول کو تفصیل سے جاننا اور اکثر افراد و احوال کا پتا لگانا اور اُس کے مطابق دوسرے افراد و احوال میں حکم کرنا بھی خطابی دلیلوں سے ایک دلیل ہے جس پر احکام کی معرفت میں ہم لوگ اکتفا کر سکتے ہیں

(بقیہ حاشیہ ص۱۷۱)

کرتے تھے (پارہ ۱۰، ع ۵) اللہ یجتبی الیہ من یشاء اللہ ہی جس کا چاہتا ہے انتخاب

(بقیہ حاشیہ ص۱۷۰)
اور آنحضرتؐ کے غزوات میں تشریف لے جانے کے بعد نائبوں کے مقرر کرنے کے واقعات اِس سے واضح تر ہیں کہ اُن کے کسی شمہ کے نقل کرنے کی ضرورت ہو۔
چوتھی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی شریعت کو جسے آنحضرتؐ مفاسدِ عالم کے دفع کرنے اور دنیا والوں کی اصلاح کیلئے لائے تھے چشمِ عبرت سے دیکھو اور اُس کی تفصیلات میں ڈوبو تو تم کو اس بات میں ذرہ برابر بھی شک نہیں رہیگا کہ حضرت رسولِ خدا نے ان تمام خوبیوں اور ذریعوں کو واضح طور پر بیان فرما دیا تھا جن سے لوگ حیوانیت کے پست درجہ سے نکل کر فرشتوں کی صف میں داخل ہو سکتے اور اوجِ ملکیت تک پہنچ جا سکتے ہیں۔ اُس کے بعد آدابِ معیشت طرزِ معاشرت۔ ذرائعِ معاش و معاملات و تدبیرِ منازل و سیاستِ مدن وغیرہ امور سے جس جس امر کی ضرورت پیش آتی گئی سب کو مفصل اور مشرح طور پر بیان فرما دیا۔ اور جو بُری اور نامناسب باتیں تھیں اُن سب سے منع فرما دیا۔ علاوہ بریں اعمالِ خیر پر آمادہ کرنے کی جس قدر تدبیریں اور شر و فساد۔ فسق و فجور و اسبابِ گناہ سے روکنے کی جو صورتیں تھیں اُن سب کو بھی اچھی طرح واضح کر دیا۔ اور ہر چیز کو بیان کر کے اُس کے ارکان و شرائط و آداب کو بھی تفصیل سے بتا دیا۔ ایسے اعلیٰ درجہ کے مُدبّر و حکیم دانا و مشفق و مہربان کے بارے میں کیا عقل اس بات کو تسلیم کر سکتی ہے کہ وہ اپنی امت کو بالکل ہلاکت اور گمراہی و تباہی کے سپرد کر دے اور اُس کو جہنم سے بچانے کی کوئی کوشش نہ کر جائے؟
ایسا صاحبِ عقل پیغمبر جو سید المرسلین تھا اپنی زندگی کے آخری زمانہ میں غزوۂ تبوک کیلئے ملکِ شام کی طرف توجہ کر کے رومیوں کی قوتِ غضبیہ کو برانگیختہ اور اُن لوگوں کو اپنی ہیبت سے سخت خوف میں مبتلا کر دے اور کسریٰ کو ایسا خط لکھے جس کی وجہ سے آتشِ غیرت اُس کے دماغ تک پہنچ جائے اور وہ اپنے انتہائی تکبر و غرور سے ایک قاصد آنحضرتؐ کی خدمت میں روانہ کر کے حضرتؐ کی توہین کا قصد کرے۔ اور نبوت کے جھوٹے دعویدار مثلاً مسیلمۂ کذاب و اسود عنسی زمینِ عرب سے اُٹھ کھڑے ہوئے ہوں۔ اور کمزورِ اسلام کے مسلمان کفر کی ترویج میں پڑ گئے ہوں۔ اور قرآن کے سورے چھوٹے چڑیوں کے مانند

(بقیہ حاشیہ ص۱۷۲)

فرمالیتا ہے (پارہ ۲۰ ع ۹ و پارہ ۲۵ ع ۳) ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلھم ائمۃ و نجعلھم الوارثین ہمارا ارادہ رہتا ہے کہ جو لوگ اس زمین میں کمزور سمجھے گئے اُن پر احسان کریں۔ ان کو امام بنائیں اور اُنکو وارث قرار دیں۔ (پارہ ۲۰ ع ۱۴) وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا وکانوا بایاتنا یوقنون اور ہم ہی نے اُن میں سے کچھ لوگوں کو امام بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں کی ہدایت کرتے تھے۔ اور یہ منصب امامت ان کو اُس وقت ملا جبکہ وہ دشمنانِ خدا کے مظالم پر صبر کرتے رہے اور ہماری آیتوں پر یقین کئے رہے (پارہ ۲۱ ع ۱۵) حد ہو گئی کہ حضرت موسیٰ کیلئے وزیر کی ضرورت ہوئی تو آپ بھی باوجودیکہ پیغمبر اولی العزم میں سے تھے خود یہ عہدہ کسی کو نہیں دیسکے بلکہ خدا ہی نے آپ کیلئے وزیر بھی مقرر کیا۔ فرماتا ہے ولقد اٰتینا موسی الکتاب وجعلنا معہ اخاہ ھارون وزیرا۔ البتہ ہم ہی نے موسیٰ کو کتاب دی اور ہم ہی نے اُن کے بھائی ہارون کو اُن کا وزیر بنایا (پارہ ۱۹ ع ۲) اور حضرت ابراہیم ایسے جلیل الشان پیغمبر کو بھی اس کا اختیار نہیں ہوا کہ خود کسی کو امام بنادیں بلکہ اسکے کیلئے خدا ہی سے آپنے بھی دعا فرمائی۔ خدا کا کلام دیکھو واذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۱)

لوگوں کے ہاتھوں میں پراگندہ ہوں۔ ایسے حکیم دانا کی حکمت اور ایسے شفیق مہربان کی رحمت کیلئے یہ ہو سکتا ہے کہ اپنی امت کی ایسی تردد خیز اور متزلزل حالت میں بغیر دنیا کا انتظام کئے اور بغیر اپنی امت کو کسی خلیفہ کے سپرد کئے ہوئے دنیا سے چلا جائے؟ (ازالۃ الخفاء مقصد اول ص ۲۷۳)۔

جناب شاہ صاحب کی اس تقریر سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ حضرت رسول خدا نے اپنی زندگی میں خود ہی کسی کو اپنا خلیفہ بنا کر اس کا اعلان کر دیا تھا۔ کیونکہ یہ بات حضرت کی شان کے خلاف تھی کہ بغیر کسی شخص کے خلیفہ بنائے حضرت دنیا سے تشریف لیجاتے۔ اور کوئی عقل حضرت کے متعلق ایسی رائے قائم نہیں کر سکتی۔ ایسی حالتمیں جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر کا سقیفہ میں جانا ضروری تھا کہ خلافت کا انتظام کریں اُنکو سوچنا چاہیئے کہ کیسی خلاف عقل بات وہ بیان کرتے ہیں کیونکہ آنحضرت صلعم تو خود ہی اپنے خلیفہ کا انتظام کر چکے تھے اور وہ بھی دو چار روز قبل نہیں بلکہ شروع اسلام ہی میں جسکی تفصیل سے مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہے کہ ۳ سنہ بعثت میں آنحضرت صلعم نے حضرت علی کے بارے میں سب سے فرمادیا تھا ھذا اخی ووصیی وخلیفتی

قال ومن ذریتی قال لاینال عھدی الظالمین۔ جب ابراہیم کو اُن کے پالنے والے نے چند باتوں میں آزمایا اور اُنھوں نے اُن سب باتوں کو پورا کر دیا تو خدا نے فرمایا میں تم کو لوگوں کا امام بناؤں گا۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی اور میری اولاد میں سے بھی (تو لوگوں کو امام بنائے گا)؟ خدا نے فرمایا (ہاں مگر) میرا یہ عہد ظالموں کو نہیں مل سکتا۔ (پارہ ۱ ع ۱۵)
اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ کو اُس زمانہ کے لوگوں نے اپنے اجماع یا انتخاب یا تجویز یا پنچایت یا شوریٰ سے اپنا امام نہیں بنایا۔ بلکہ خدا نے مقرر کیا۔ اور یہ بھی کہ حضرت ابراہیمؑ تک کو اس کا اختیار نہیں ملا کہ اپنی اولاد سے کسی کو امام بنا سکیں بلکہ اس کیلئے بھی آپ نے خدا سے دعا کی۔ اس کے جواب میں خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ تم کو اپنی ذریت میں لوگوں کے امام ہونے کی فکر کیوں ہے۔ تمھاری اُمت جسکو چاہیگی اپنا امام بنا لیا کریگی۔ بلکہ خدا نے فرمایا کہ یہ عہدہ خاص میرا ہے۔ میں ہی کسی کو دوں گا تو وہ پائے گا۔ اور میں جسکو نہیں دونگا وہ ہرگز اُس پر فائز نہیں ہو سکتا۔ اور لفظ عَہْدِیْ فرما کر خدا نے اور بھی تاکید کر دی کہ کسی کو خلیفہ یا امام بنانا آدمیوں کی قدرت کی بات نہیں ہے نہ کوئی مخلوق اس کو کر سکتی ہے بلکہ یہ خاص خدا کا عہدہ ہے۔ وہی جس کو چاہتا ہے مرحمت فرماتا ہے۔ اور خدا جس کو اس عہدہ سے سرفراز نہیں کریگا اُسکو خواہ دنیا خلیفہ اور امام بنالے مگر خدا کی نظر میں نہ وہ خلیفہ ہو سکتا ہے نہ امام۔
اگر یہ شبہ ہو کہ قرآن مجید میں جس جس جگہ خلیفہ یا امام کا لفظ آیا ہے وہاں مراد وہ شخص ہے جو نبی یا رسول ہو جیسے انی جاعل فی الارض خلیفہ سے مراد نبی (حضرت آدمؑ) ہیں۔ اسی طرح یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض سے مراد پیغمبر ہیں۔ برخلاف اس کے حضرت رسولخداؐ کا خلیفہ غیر نبی تھا کیونکہ نبوت تو حضرتؐ پر ختم ہو چکی تھی لہٰذا قرآن مجید کی آیات سے اس بات پر کوئی استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت محمد صلعم کا خلیفہ بھی وہی ہو گا جسکو خدا مقرر کرے۔ کیونکہ یہ خلیفہ غیر نبی ہو گا۔
تو یہ خیال ناقابلِ توجہ ہے کیونکہ قرآن مجید میں خدا نے مطلق خلیفہ کے مقرر کرنے کا اختیار اپنے ذمہ

فیکم فاسمعوا لہ واطیعوا۔ اے لوگو یہ میرے بھائی۔ میرے وصی بعد تم لوگوں میں میرے خلیفہ ہیں تم سب ان کا حکم سنا کرو اور ان کی اطاعت کرتے رہنا۔ (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۷ و ۲۱۶)

رکھنا ظاہر کیا ہے خواہ وہ خلیفہ یعنی نبی ہو خواہ خلیفہ یعنی قائم مقام نبی۔ غرض جس طرح نبی کا مقرر کرنا خدا نے صرف اپنے ہاتھ میں رکھا اُسی طرح نبی یا رسول کے جانشین اور قائم مقام کا مقرر کرنا بھی صرف اپنے متعلق رکھا۔ مختصر یہ کہ خلیفہ جس معنی میں بھی لیا جائے اس کے مقرر کرنے کا اختیار کبھی اور کسی حالت میں بھی آدمیوں کو نہیں دیا گیا۔ ہمیشہ خدا ہی کے اختیار میں رہا۔ قرآن مجید کی ایک آیت۔ احادیث رسولخدا صلعم کا ایک لفظ۔ انبیاء و مرسلین کا ایک فعل بھی ایسا نہیں ملسکتا جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ کسی امت یا کسی جماعت یا کسی زمانہ کے لوگوں کو خلیفہ (یعنی قائم مقام نبی) مقرر کرنے کا اختیار دیا گیا ہو۔ اور خود حضرت رسولخدا صلعم کے خلفاء کے بارے میں بھی خدا نے تصریح کر دی ہے کہ صرف وہی مقرر کرتا رہیگا اور امت محمدیہ صلعم کو اس کا ذرہ برابر بھی اختیار نہیں دیا۔ فرماتا ہے وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور وہ اعمال خیر بجالاتے رہے اُن کے بارے میں خدا کا وعدہ ہے کہ اُن کو زمین میں اسی طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح اُن لوگوں کو بنایا تھا جو ان سے پہلے گذر گئے ہیں۔ (پارہ ۱۸ ع ۱۳) اس آیت میں خدا نے تصریح کر دی ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم سے قبل جس قدر خلیفہ گذرے ہیں اُن سب کو خدا ہی نے مقرر کیا تھا اور آنحضرتؐ کے بعد جس قدر خلیفہ ہوں گے اُنکو بھی وہی مقرر کریگا۔ (کوئی انسان کسی شخص کو خلیفہ نہیں بنا سکتا)۔ اور یہ معلوم ہے کہ حضرت رسولؐ کے بعد خدا نے نبوت و رسالت کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ لہذا اب جن لوگوں کے خلیفہ کرنے کا وعدہ فرمایا وہی تھے جو شرف نبوت سے محروم رہے۔

قرآن مجید میں جن انبیاء کے خلفاء کا بیان ہے ان سے کچھ لوگوں کا ذکر ہم اوپر کر چکے۔ اب ہم معتبر تاریخی ذخیروں سے بھی تحقیق کرنا چاہتے ہیں کہ سابق انبیاء و مرسلین کے خلیفہ یا وصی بھی ان کی اُمت کے انتخاب یا اجماع یا پنچایت یا شورے کرنے سے مقرر کئے جاتے تھے یا اُن کو خدا ہی مقرر کرتا اور اُن انبیاء و مرسلین ہی سے اس کا اعلان کرا دیتا تھا۔ اگر ثابت ہو جائے کہ سابق انبیاء و مرسلین بھی بغیر کسی شخص کے خود خلیفہ مقرر کئے ہوئے دنیا سے انتقال کرتے رہے اور اُن کی امت بھی اپنے اجماع یا انتخاب سے کسی کو خلیفہ

مقرر کر دی رہی تو حضرت ابوبکر و عمر کے متعلق بھی اس اصول کو صحیح مانا جا سکتا ہے۔ اور خلافت رسول کے لئے حضرت عمر کی جد و جہد اور جاں فشانیاں قابلِ قدر کہی جا سکتی ہیں لیکن اگر اس کے عوض یہ ثابت ہو جائے کہ آنحضرتؐ نے اپنی زندگی میں خود ہی اپنے خلیفہ یا وصی کو مقرر کر دیا تھا تو ماننا پڑے گا کہ اُن کی جانشینی اُمت کے ہاتھ میں نہیں تھی بلکہ یہ مسئلہ بھی خدا ہی نے طے کیا تھا۔ یہ تمام مسلمانوں کا متفق علیہ فیصلہ ہے کہ کوئی پیغمبر کوئی دینی کام اپنی خواہش سے نہیں کرتا۔ بلکہ حکمِ خدا سے انجام دیتا تھا۔ نبی اور رسول کی شان ہی یہ ہے کہ دین اور شریعت کے متعلق خدا اس پر جو وحی نازل کرے وہ اُس کی تعمیل کرتا رہے البتہ کل انبیاء کے حالات کتابوں میں نہیں ملتے اس وجہ سے صرف اُن کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے حالات مل سکے۔ (۱) لمّا حضرت آدم الوفاۃ دعا ابنہ شیثاً فعھد الیہ عھدہ جب حضرت آدمؑ کی وفات کا وقت پہونچا تو اپنے فرزند شیثؑ کو احکامِ خدا کا وصیہ کر دیا۔ (تاریخ طبری جلد ۱ ص۷۸)۔ (۲) انّ آدمؑ اوصیٰ الی ابنہ شیثؑ وکتب وصیتہ ثم دفع کتاب وصیتہ الیٰ شیث۔ حضرت آدمؑ نے انتقال کے وقت اپنے فرزند جناب شیثؑ کو اپنا وصی مقرر کیا اور اُس کا وصیت نامہ لکھ کر اُن کے حوالہ کر دیا۔ (طبری جلد ۱ ص۷۹)۔ (۳) ان شیث لما مرض اوصیٰ الی ابنہ انوش ومات۔ حضرت شیثؑ جب مرضِ موت میں مبتلا ہوئے تو اپنے فرزند جناب انوش کو اپنا وصی مقرر کیا اور انتقال کر گئے۔ (ص۸۱)۔ (۴) ولد انوش قینان ونفرا کثیرا والیہ الوصیۃ جناب انوش نے اپنے فرزند قینان کو اپنا وصی مقرر کیا۔ (۵) فولد قینان مہلائیل ونفرا معہ والیہ الوصیۃ۔ قینان نے اپنے فرزند مہلائیل کو اپنا وصی مقرر کیا۔ (۶) فولد مہلائیل یرد وھو الیارد ونفرا معہ والیہ الوصیۃ مہلائیل کے یہ دیایارد اور دوسرے لڑکے پیدا ہوئے تو مہلائیل نے یرد یایارد کو اپنا وصی مقرر کیا۔ (طبری جلد ۱ ص۸۳) فولد یرد خنوخ وھو ادریس النبی ونفرا معہ والیہ الوصیۃ یرد نے اپنے فرزند خنوخ یعنی حضرت ادریسؑ کو اپنا وصی مقرر کیا۔ (تاریخ کامل جلد ۱ ص۲)۔ (۸) فولد خنوخ متوشلخ ونفرا معہ والیہ الوصیۃ۔ حضرت ادریسؑ کے فرزند متوشلخ آپ کے وصی ہوئے۔ (طبری جلد ۱ ص۸۳) فولد یرد لمہلائیل

فکان وصی ابیہ وخلیفتہ فیما کان والد مہلائیل اوصی الی مہلائیل واستخلفہ علیہ بعد وفاتہ مہلائیل کے فرزند یردان کے وصی اور خلیفہ ہوئے اُن امور میں جنہیں مہلائیل کے والد نے اُن کو وصی کیا تھا اور ان کو اپنی وفات کے بعد اپنا خلیفہ بنایا۔ (ر ۵۵) ولد لخنوخ متوشلخ فاستخلفہ خنوخ علی امر اللہ واوصاہ واھل بیتہ۔ حضرت ادریسؑ کے فرزند متوشلخ ہوئے۔ ان کو حضرت ادریسؑ نے احکام خدا پر اپنا خلیفہ مقرر کیا اور وصی بنایا۔ (۹) فلما حضرت متوشلخ الوفاۃ استخلف لمک علی امرہ واوصاہ بمثل ما کان اباءہ یوصون بہ جب متوشلخ کی وفات قریب ہوئی تو اپنے دین پر لمک کو اپنا خلیفہ مقرر کیا اور انھیں کو اپنا وصی بنایا۔ جس طرح آپ کے آباء و اجداد بھی خود ہی اپنا وصی مقرر کرتے تھے۔ (طبری جلد ۱ ص۵۸ وکامل جلد ۱ ص۲۰)۔ (۱۰) لما حضرت نوحا الوفاۃ اوصی الی ابنہ سام۔ حضرت نوح نے انتقال کے وقت اپنے بیٹے سام کو اپنا وصی مقرر کیا۔ (کامل جلد ۱ ص۲۳)۔ (۱۱) (جناب ابراہیمؑ) اسحٰقؑ را در دیار شام ولی عہد و خلیفہ گردانید۔ بحضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسحٰقؑ کو ملکِ شام میں اپنا ولیعہد اور خلیفہ مقرر کیا۔ (روضۃ الصفا جلد ۱ ص۵۸)۔ (۱۲) ان اسماعیل لما حضرتہ الوفاۃ اوصی الی اخیہ اسحاق۔ جب حضرت اسماعیلؑ کی وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے بھائی جناب اسحٰق کو اپنا وصی مقرر کیا۔ (طبری جلد ۱ ص۱۶۳)۔ (۱۳) اسمٰعیلؑ در آخر ایام حیاتِ خویش قیدار را وصی و ولی عہدِ خویش گردانید۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے اپنی زندگی کے آخری حصہ میں (دوسرے مقام پر) قیدار کو اپنا وصی اور ولی عہد مقرر کیا (روضۃ الصفا جلد ۱ ص۶۱)۔ (۱۴) حضرت اسحاقؑ نے بھی اپنے فرزند حضرت یعقوبؑ کو خود اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ (روضۃ الصفا جلد ۱ ص۶۲ و ۶۳)۔ (۱۵) حضرت یعقوبؑ نے بھی اپنے فرزند حضرت یوسفؑ کو خود ہی (بحکم خدا) اپنا وصی اور خلیفہ مقرر کیا۔ (روضۃ الصفا جلد ۱ ص۹۴) ان یعقوبؑ اوصی الی یوسفؑ حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کو اپنا وصی مقرر کیا۔ (طبری جلد ۱ ص۱۷۱)۔ (۱۶) حضرت یوسفؑ کے متعلق ہے اوصی الی اخیہ یھوذا کہ انتقال کے وقت اپنے بھائی یہودا کو اپنا وصی اور خلیفہ مقرر کیا۔

[illegible] کہ قرآن مجید سے سنی مذہب کو ترجیح [illegible]
یا شیعہ مذہب کو۔ قرآن مجید ہی کے مذہب کو حق سمجھا اسی مذہب کو ہم دونوں آدمی اختیار کریں
چنانچہ بہت بحث مباحثے ہوئے اور کل اصول و فروع طے ہوئے ہیں دونوں شخص اپنی قابلیت کے جوہر دکھا
کے خوب مناظرہ ہوا۔ خدا کے جسم ہونے۔ رؤیت باری۔ مسئلہ تحریف قرآن۔ قرآن مجید پر شیعوں کے
ایمان ہونے یا نہ ہونے۔ قرآن مجید کے ساتھ سنیوں اور شیعوں کے برتاؤ۔ نبوت۔ امامت و خلافت
مسح قدمین۔ نماز میں ہاتھ کھولنے۔ بسم اللہ کہنے۔ روزے کے مسائل۔ متعہ کی تحقیق۔ نماز جماعت۔ نجاست
مشرکین وغیرہ پر خوب خوب بحثیں ہوئیں مگر ہر مسئلہ میں شیعہ بی بی نے ثابت کر دیا کہ مذہب شیعہ قرآن
مجید کے مطابق اور مذہب اہلسنت قرآن مجید کے مخالف ہے۔ آخر سنی مولانا صاحب نے مذہب بدل کر شیعہ
ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ ۲۱۰ صفحہ کی اس کتاب میں سنی و شیعہ کے کل اختلافات پر کامل تحقیق دے جا سکتی
بعونہ کے صراط مستقیم بالکل واضح کر دی گئی ہے۔ کاغذ۔ لکھائی چھپائی سب اعلیٰ درجہ کی قیمت صرف ڈھائی روپیہ

تاریخ ائمہ آج تک اردو زبان میں ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں شیعوں کے کل بزرگان دین کے
ضروری حالات اور قابل فخر کارنامے خود اہلسنت کی نہایت معتبر کتابوں سے ایک جگہ جمع کئے گئے ہوں۔
الحمدللہ کہ یہ کتاب تاریخ ائمہ میں مشہور انبیاء کرام کے ضروری حالات پھر حضرت رسول خدا صلعم کے حالات لکھ کر آپ کی
ازواج و اصحاب کرام کے حالات لکھے گئے۔ اس کے بعد حضرات ائمہ طاہرین کے مفصل سوانح زندگی اور قابل ناز
دینی و دنیوی کارنامے نہایت دلچسپ عنوان سے جمع کئے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ائمہ طاہرین کی ازواج و اولاد
و اصحاب کے بھی نہایت معرفت خیز حالات لکھے گئے ہیں۔ علم دوست حضرات نے تسلیم کر لیا کہ اس کتاب میں گویا دریا
کو کوزے میں بند کیا گیا ہے۔ آج تک سے پیشوایان دین کے ایسے قابل قدر حالات دنیا کی کسی زبان (عربی
فارسی وغیرہ) میں نہیں لکھے گئے۔ جناب ملاذ و معتمد الاعتماد آقا سید سبط نبی صاحب قبلہ مجتہد العصر اعلی اللہ مقامہ
لکھنؤ و دیگر سادات و شیعہ ذی علم و ذی ہوش حضرات نے اس کتاب کو اس قدر پسند فرمایا کہ اس کے
نسخے بطور ہدیہ [illegible] طلب کے اعزاز [illegible] علی گڑھ کالج و اسکولوں کے شیعہ طلبہ کے نصاب تعلیم میں داخل
کر دیا۔ کاغذ لکھائی چھپائی سب اعلیٰ درجہ کی ضخامت ۴۱۰ صفحہ قیمت صرف [illegible] مگر خریداران حضرات
[illegible] بہت جلد طلب کیجئے۔ یہ کتاب ایک نعمت بے بہا ہے۔ اگر جلد نہیں منگائے
تو [illegible] ختم ہو جائے گی۔ [illegible] اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا جائے گا۔
[illegible] ایک کتاب ایسی شائع ہوئی تھی جو خاص [illegible] کی

[illegible]

کر تیں ۔ یہ کتاب بہت دنوں سے مشہور ہو چکی تھی ۔ [illegible] کرنے کے [illegible]

تھا پہلی مرتبہ [illegible] تک [illegible] عورتوں کے پڑھنے کی [illegible]

ہو جلسوں کا یہ ایسا قیمتی ذخیرہ ہو گیا ہے جس کا ہر شیعہ عورت کے پاس ہر وقت رہنا ضروری ہے [illegible]

[illegible] بہت رقت خیز اور رلانے والے دردناک نوحے بھی لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ بہنوں کو حدیث پڑھنے کے

بعد کسی دوسرے نوحے کے رکھنے کی ضرورت نہ ہو بلکہ اسی کتاب سے یہ ضرورت بھی رفع ہو جائے [illegible]

چھپ کر [illegible] ختم ہو گئی تھی اب دوبارہ چھپوائی گئی ہے اس کے بھی صرف چند نسخے باقی ہیں جلد منگا لیجئے ورنہ تیسرے

چھاپے کا انتظار کرنا ہو گا قیمت [illegible]

حضرت ابوبکر ۔ حضرت ابوبکر کی سوانح عمری بھی خدا کے فضل و کرم سے بڑی تحقیق و جامعیت سے لکھی [illegible]

گئی ہے جس کے دو حصے ہیں پہلے حصہ میں شروع سے مفصل حالات ہجرت تک شائع ہوئے ہیں ۔ اس میں خاص کر یہ

مضامین نہایت عجیب و دلچسپ [illegible] ہیں ۔ آپ کی نسبی حالت اور عرب میں آپ کے خاندان کی حیثیت ۔ آپ کے والدین [illegible]

[illegible] و دیگر اعزہ مخصوصین کے حالات ۔ آپکا خاندانی پیشہ ۔ آپ کے خاندانی پیشہ کے نتائج اور اس کے ذریعہ [illegible]

آپکا [illegible] کے حالات ۔ حلیہ ۔ نام ۔ کنیت ۔ القاب ۔ اور ان کے وجوہ و اسباب ۔ عہد طفولیت ۔ تعلیم و تربیت ۔ [illegible] معاش

حضرت رسول خدا سے آپکا برتاؤ ۔ خاندان بنی ہاشم سے تعلقات ۔ حضرت عمر سے تعلقات ۔ زمانہ جاہلیت کے [illegible]

اور اس عہد میں آپکے مذہب کی تحقیق ۔ آپکا قبول اسلام ۔ اولیت اسلام کی بحث ۔ آپکے اسلام قبول کرنے کے [illegible]

علل ۔ آپکے اسلام یا ایمان کی حقیقت ۔ ابتداء اسلام میں آپکا جہاد اور اس کا نتیجہ ۔ حضرت سرور کائنات کی [illegible]

آپکے [illegible] حضرت سرور کائنات [illegible] کی محبت ۔ حضرت عائشہ کی شادی [illegible] کیوں کی جب کہ وہ صرف چھ

سال کی تھیں [illegible]

آپ وہیں چلے گئے ۔ سفر ہجرت کے کارنامے [illegible]

مشتمل ہدایت ۔ جناب [illegible] سید اظہار حسین صاحب [illegible]

کتاب [illegible] میں دکھایا گیا ہے کہ خدا نے کلام پاک میں [illegible] رسول خدا اور ان کے کل اصحاب [illegible]

[illegible] قرآن مجید سے [illegible] ثابت ہے اور اصحاب کس درجہ پر فائز ہیں ۔ ان حقائق کی [illegible]

امت [illegible] کس کی پیروی اور کس [illegible] قابل قدر کتاب ہے [illegible]

[illegible]

۷۸۶

جریدۂ مبارکہ

اصلاح

(تاریخ اجراء ۱۵ شعبان سنہ ۱۳۱۳ ہجری)

جلد ۴۲	ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۵۹ھ	نمبر ۳

مدیر

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم

مقام اشاعت

کھجوا (صوبہ بہار)

جوہر قرآن و سوانح عمری خلیفہ دوم کی قیمت میں رعایت | دلچسپ ناول جوہر قرآن کی طرح تحفۂ بخاری نام

اور بہت دلچسپ تصنیف اور محققانہ ناول بھی رسالہ اصلاح کے ساتھ انشاء اللہ جلد از جلد شروع کیا

جس میں دکھایا جائیگا کہ اہلسنت کی مشہور کتاب صحیح بخاری میں بھی جس کو قرآن مجید کے بعد [illegible]

صفحات کا کس قدر انبار لگا ہوا ہے اور عقل و قرآن مجید کے خلاف کس کثرت سے حدیثیں بھری ہوئی ہیں۔

اس کے ساتھ مذہب شیعہ کے موافق بھی کتنا زبردست ذخیرہ موجود ہے جس سے ہر انصاف پسند شخص آسانی کر

تسلیم کریگا کہ اسلام میں مذہب شیعہ ہی حق ہے اسکے مقابلہ میں دوسرے فرقے اپنے کو [illegible] ثابت کر سکتے

اس جدید کتاب کی وجہ سے رسالہ کے صفحات میں اضافہ کرنا پڑیگا جس کے کاغذ کا جلد از جلد انتظام کرنے کے

لئے ۳۰ رجب ۱۳۵۹ھ تک رسالہ اصلاح کے جدید خریداروں کو کتاب تاریخ ائمہ بجائے عہ کے ۸ میں

دلچسپ ناول جوہر قرآن ۵۱۶ صفحہ بجائے عہ کے ۸ میں اور سوانح عمری خلیفہ دوم کا پہلا حصہ ۲۷۶ صفحہ بجائے

عہ کے صرف عہ میں دیا جائیگا۔ جلد طلب کر لیجئے ورنہ طبع ثانی کے انتظار کی سخت زحمت ہو گی۔

سوانح عمری حضرت خلیفہ دوم حصہ اول | یہ کتاب بھی ۲۷۶ صفحہ پر دفتر اصلاح کجھوا سے شائع ہوئی ہے جو

کا عظیم الشان علمی اور اسلامی کارنامہ ہے۔ جب سے مشہور علامہ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے خلیفہ دوم

حضرت عمر کی مشہور سوانح عمری "الفاروق" شائع کی مذہب شیعہ پر اس سے بڑا حملہ ہو رہا تھا [illegible] کے خیالات

پر اس کا نہایت مضر اثر پڑنے لگا تھا خاصکر تعلیم یافتہ شیعہ بھی ان کو مدبر۔ سیاست دان۔ صائب

صائب الرائے۔ ہمدرد اسلام۔ بہی خواہ مسلمین۔ حیرت انگیز حکمران اور قابل فخر اسلامی ہیرو سمجھنے لگے تھے

اسی وجہ سے انصاف پسند مسلمانوں میں بڑی بے چینی تھی کہ کسی طرح حضرت عمر کی ایسی سچی اور تحقیقی سوانح عمری

بھی لکھی جاتی جس سے آپ کے اصلی حالات اور صحیح واقعات زندگی معتبر کتابوں سے واضح ہو جاتے

اور "الفاروق" کا زہریلا اثر مٹ جاتا۔ الحمد للہ کہ یہ دیرینہ آرزو بر آئی اور دفتر اصلاح سے

حضرت ممدوح کی ایسی ہی سوانح عمری کا پہلا حصہ ۲۷۶ صفحہ میں شائع ہو گیا۔ جس میں ممدوح کے

فضائل کی کل حدیثوں پر تبصرہ کر کے ان کا موضوع ہونا ثابت کر دیا گیا۔ اور پھر آپ کی [illegible]

سے ہجرت مدینہ تک کے مفصل حالات جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس سوانح عمری نے مسلمانوں کو [illegible]

کر دیا ہے۔ قیمت صرف عہ جلد منگا لیجئے تاکہ دوسرے حصے کے ساتھ پہلے حصے کا [illegible]

جوہر قرآن | نہایت دلچسپ مذہبی کتاب ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح حیدرآباد دکن کی تعلیم یافتہ

نہایت تیز شیعہ لڑکی کی شادی ایک زبردست محقق و علامہ اہلسنت سے ہو گئی جسکے بعد سُنی [illegible] صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اصلاح

نمبر ۳ | ماہ ربیع الاوّل ۱۳۵۹ھ | جلد ۴۴

یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ

بتاریخ ۱۴ مئی ۱۹۴۰ء لکھنؤ میں ایک جلسہ مشاورت منعقد ہوا جسمیں مندرجہ ذیل کارروائی عمل میں آئی:۔ (۱) اس یادگار کے انعقاد کے لئے کثیر التعداد صورتیں جو ابتک تجویز کی گئیں ہیں ان پر غور کیا گیا اور طے پایا کہ حسب ذیل امور کو اس یادگار کے سلسلہ میں نصب العین قرار دیا جائے (الف) ایک کتاب کی اشاعت واقعہ کربلا کے متعلق جس میں مکمل طور پر اس واقعہ کے اسباب، نتائج، نوعیت اور تفصیلات پر بحث کی جائے اسکی تصنیف کے لئے ایک مجلس علمی کی تشکیل ہو جسکے افراد مختلف عناوین کو اپنے ذمہ لے کر انکی تکمیل میں مصروف ہوں (ب) ۱۳۶۱ھ میں یکم محرم سے ۸ ربیع الاول تک کی مدت کو تمام اطراف ملک میں ایک مرتب نظام کے ماتحت حسینی ہفتوں پر تقسیم کر کے مسلسل جلسے ہوں جن میں تمام اقوام کے اکابر کو شرکت اور اظہار خیال کی دعوت دیجائے اور کسی ایک مرکزی مقام پر ایک ایسا اہم اجتماع ہو کہ جس میں بیرون ہند سے بھی مختلف اکابر کی شرکت کا انتظام کیا جائے۔

(ج) حسینی آثار کے لئے ایک مرکز حفاظت (میوزیم) کی تشکیل جس کا خاکہ سرفراز کے ایڈیٹوریل نوٹ میں اسکے پہلے شائع کیا گیا ہے (۲) طے پایا کہ حسب ذیل حضرات اس کتاب کے لئے عناوین کا انتخاب فرمادیں اور ۲۳ مئی ۱۹۴۰ء روز پنجشنبہ کے جلسہ میں ان عناوین پر مکمل طور سے غور کر لیا جائے پھر ارباب نظر کے غور کرنے کے لئے جرائد میں اسکی اشاعت ہو کہ جلد کتاب کی تصنیف کا کام شروع ہو سکے

اسماء ممبران:۔ (۱) عالی جناب مولانا السید محمد سعید صاحب قبلہ (۲) عالی جناب مولانا السید علی نقی صاحب قبلہ (۳) عالی جناب السید ابن حسن صاحب قبلہ جارچوی (۴) عالی جناب پروفیسر السید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم۔ اے (۵) عالی جناب مولانا السید اختر علی صاحب قبلہ تلہری (۳) اس یادگار کے قائم کرنے کے لئے سرمایہ کی حفاظت کے واسطے جناب سید مسعود حسن صاحب ایم۔اے پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی (دیندیال روڈ لکھنؤ) بحیثیت خازن مقرر ہوئے اور مرکز مراسلت جناب سید العلماء مولانا السید علی نقی صاحب قبلہ مجتہد (عبدالعزیز روڈ لکھنؤ)

خادم ملت: سید ابن حسین نقوی عفی عنہ

۱۳۵۹ھ کے تاریخی نام منظور الاسلام ۔ سجاد اصغر ۔ نظر الحسنین شمس الضحیٰ علی ۔ مظاہر الدین حسن ۔
مختار حسن ۔ حسن مختار ۔ سید وراثت حسنین ۔ سید اظہار حسنین ۔ سید ظہیر مسلم ۔ صغیر مہدی ۔ سرفراز نقی خاں ۔
محمد کاظم شاہ ۔ شریف حسن خاں ۔ سید راغب امام ۔ محسن اختر ۔ محمد تفاوت عسکری ۔ سید خیر اندیش علی ۔
محمد وراثت نقی ۔ محمد اظہار نقی ۔ مرزا رضا علی ۔ سید ظفریاب محمد ۔ سید محمد ظفریاب ۔ افضال الرحمٰن حسن
التفات الرحمٰن حسن ۔ مفتی تنویر الاسلام ۔ چودھری یٰسین رضا ۔ امیر عبد الرضا ۔ نذیر النبی شاہ ۔ سید
محمد غنی عباس ۔ خلت الرحمان ۔ مرزا سلطان کاظم ۔ مہدی صغیر ۔ جمجاہ رضا شاہ ۔ منظور علی احمد ۔
آغا اقبال اکبر ۔ آغا سیدین اکبر ۔ ضمانت سجاد ۔ نازش رضا ۔ سید ادریس رضی ۔ سید برجیس رضی ۔
محمد وصیت علی خاں ۔ سید وصیت حسین خاں ۔

لڑکیوں کے نام سیدہ خدیجہ کبرا ۔ سیدہ مظہر فاطمہ ۔ سیدہ ضیاء البتول ۔ سیدہ خاتون کبرا ۔
فیض البتول ۔ بلند اختر بیگم ۔ صغریٰ بانو ۔ ظہیر الزہرا ۔ صغیر بانو ۔ رحمت دودو خانم ۔

راقم سید محمد یحییٰ حسن نقوی بہیرٹ سادات بجنور (یوپی)

انجمن عقد بیوگان کی رپورٹ ۱۹۳۹ء حال میں شائع ہوئی ہے ۔ اس کے سکریٹری جناب مولانا سید حامد حسین صاحب عشروی قابل مدح ہیں کہ سالانہ رپورٹ سے انجمن کی زندگی کی خوش خبری مومنین کے کانوں تک پہونچا دیتے ہیں ۔ مگر ضرورت زیادہ مستعدی کی ہے (۱) سکریٹری صاحب گورنمنٹ اسکول میں ملازم اور اچھے واعظ ہیں ۔ کافی تعطیل ملا کرتی ہے ۔ کیوں نہ انجمن کے خرچ سے تعطیل میں دورہ کرکے عقد بیوہ کی اہمیت بھی سب کو سمجھائیں اور ممبران میں بھی اضافہ کریں ۔ اگر سال بھر بھی ہر اتوار اور دوسری تعطیل میں کہیں چلے جایا کریں تو کافی ترقی ہو جائے (۲) سطح ملک کے جس قدر مشہور واعظ و ذاکر ہیں ان سے فرمائش کرکے ہر سال ایک ایک مجلس خاص عقد بیوگان کی ضرورت پر پڑھوایا کریں (۳) ہر اخبار سے کوشش کرکے سال میں کم از کم چار لیڈر اس ضرورت پر لکھوائیں (۴) ہر سال عراق و ہندوستان کے کسی عالم جید سے اس عنوان پر مبسوط مضمون حاصل کرکے شائع کریں کہ "خاندان بنی ہاشم سے کتنے مردوں نے بیوہ سے عقد کیا تھا اور اس خاندان کی کتنی بیوہ لڑکیوں کا عقد ثانی ہوا" کیونکہ صرف حضرت خدیجہ کے عقد ثانی کا ذکر رٹتے رہنا اب اچھا نہیں معلوم ہوتا (۵) ہندو اخباروں اور دوسرے ذرائع سے پتا لگایا کریں کہ آریوں نے کتنی شریف بیواؤں کا دوسرا عقد کرایا ۔ اور سالانہ رپورٹ میں اس کا مفصل ذکر کرکے مومنین کو غیرت دلایا کریں ۔ سید آغا جعفر کھجوئی

دلچسپ مکالمہ انور سنی اور علی محمد شیعہ دونوں لکھنؤ کالج کے ممتاز طلبا رتھے۔ کبھی کبھی مذہبی گفتگو خوشگوار طور پر کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایام تعطیل میں انور اپنے دوست علی محمد کے گھر پر آئے اور مزاج پرسی کے بعد حسب ذیل دلچسپ گفتگو ہوئی۔

انور۔ بھائی علی محمد آپکی بدولت مذہبی امور میں میری واقفیت میں بہت کچھ اضافہ ہوتا رہا اور مذہبی کتابیں دیکھنے کا شوق روز بروز بڑھتا رہا جس سے حق و باطل میں بھی تمیز ہوئی۔ بلکہ شیعہ مذہب کے عقائد کے متعلق جو کچھ ہماری کتابوں میں افترا بازیاں درج ہیں۔ انکی ڈھول کے پول کے انکشاف سے بہت کچھ اطمینان ہوگیا لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ تم لوگ اگر خلفاء کو غاصب یا ظالم سمجھکر انکی مذمت کرتے ہو تو محض فطرتی جذبات ہیں۔ مگر ازواج نبیؐ امہات المومنین کے متعلق تمہاری جسارتیں ہرگز قابل عذر نہیں ہیں۔ کسی ادنیٰ شخص کی زوجہ کا نام بھی زبان پر لانا قبیح ہے۔ چہ جائیکہ کسی کی اہلیہ کو برا بھلا کہنا۔ دیکھو قرآن مجید میں کسی عورت شوہردار کا نام بھی نہیں لیا گیا فقط بی بی مریم مادر عیسٰیؑ کا نام صریح طور پر ولدیت حضرت عیسٰیؑ ظاہر کرنے کی غرض سے لیا گیا ہے۔ مگر آپ شیعہ حضرات کیسے بدتہذیب ہیں کہ اپنی نبیؐ کی عزت و حرمت کا بھی کچھ خیال نہیں کرتے۔ اتنا تو سمجھو کہ ازواج نبیؐ اگر فی الحقیقت بے دین یا ظالم تھیں جس سے بزعم ناقص شیعہ سارا گھر پیغمبرؐ کا ویران ہوگیا۔ اور اہلبیتؑ رسولؐ بھی پریشان اور ہلاک ہوگئے بلکہ مذہب اسلام میں بھی ان ہی ازواج نبیؐ کی بدولت رخنہ پڑ گیا اور بہتر فرقہ ہوکر پوری بربادی ہوگئی تو اس کا الزام خود حضرت رسولؐ اکرم پر وارد ہوتا ہے کہ آپ نے ایسی نالائق عورتوں سے کیوں عقد فرمایا اور کس وجہ سے ان کو اپنے گھر میں لاکر اپنے ہاتھ سے تمام خاندان بلکہ مذہب اسلام کی بربادی کے باعث ہوئے یہ بات میری سمجھ میں ہرگز نہیں آتی۔ ازواج نبیؐ کا معاملہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ بہ اعتقاد مذہب شیعہ حضرت رسالت مآب علم غیب سے بھی واقف تھے بلکہ قبل از وقوع آپ نے بی بی عائشہ کو حواب کے کتوں کے بھونکنے کے متعلق اور نیز جنگ جمل کے واقعہ کی پیشین گوئی فرماچکے تھے۔ اور یہ بھی تم لوگ کہتے ہو کہ خلیفہ اول و ثانی کا خاندان معمولی بلکہ رذیل خاندان تھا۔ بس یہ ممکن نہیں کہ حضرتؐ ان دونوں خلفاء کے خوف سے یا کسی طمع سے انکی لڑکیوں سے عقد فرماتے۔ لہذا میرا خیال ہے کہ آپ لوگ محض خلفاء کی عداوت کی وجہ سے امہات المومنین کو بلا سمجھے بوجھے برا بھلا کہتے ہیں۔

اور اپنے نامۂ اعمال کو انکی غیبت اور متہم کرنے سے سیاہ کرتے ہو اور در پردہ حضرت رسالتمآب کو بھی کم سمجھ ثابت کرتے ہو۔ اگر اس بات کو تم عقلی دلائل سے ثابت کر کے میری تشفی کردو تو میں تمہارا احسانمند ہوں گا بلکہ مجھے یقین ہوگا کہ شیعہ مذہب حق ہے۔

علی محمد۔ ماشاء اللہ بہت عمدہ سوال ہے اور ہر پہلو سے تم نے اس کو مکمل بنایا ہے۔ اب جواب بھی غور سے سنئے اور تعصب کو دور فرما کر انصاف سے کام لیجئے۔ انشاء اللہ تم اچھی طرح ثابت ہو جائیگا کہ نہ ہم لوگ ازواج نبیؐ کی توہین کرتے ہیں اور نہ در پردہ حضرت رسولؐ اکرم کی بے حرمتی کرتے ہیں بلکہ یہ بھی ثابت ہو جائیگا کہ حضرت رسالت مآبؐ اور آپکے اہلبیت طاہرینؑ کے سچے محب اور پیرو فقط شیعہ ہی ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہوگا کہ اگرچہ تم لوگ حضرت رسالت مآب اور ازواج نبی کے سچے محب ہونے کا دعوے کرتے ہو مگر فی الحقیقت تم ہی لوگ حضرت اور انکی ازواج کے دشمن اور توہین کرنے والے ہو۔

انور۔ واہ خوب کہی۔ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ ہم لوگ ازواج نبی کی توہین کرنے والے اور آپ رات دن انکی مذمت اور بُرا کہنے والے سچے محب ٹھہرے ع

برعکس نہند نام زنگی کافور

علی محمد۔ جلدی نہ کیجئے۔ غور سے سنئے۔ ہمارا اعتقاد ازواج نبی کے متعلق جو کچھ ہے وہ آیات قرآنی کے مطابق ہے اور احکام ربانی کو حق سمجھکر ایمان لائے ہیں۔ چاہے کسی کی تعریف ہو یا مذمت۔ اسکے علاوہ جو کچھ آپکی کتابوں اور تواریخ اسلام میں ازواج نبیؐ کے بارے میں درج ہو چکا ہے اس پر نگاہ کر کے افسوس کرتے ہیں۔ مگر ہم لوگ اپنی طرف سے ایک لفظ بھی بے حیائی یا بے مروتی کا زبان پر نہیں لاتے اور نہ کبھی گالی بکتے ہیں۔ یہ کام آپ ہی لوگوں کا ہے۔ بھائی انور ذرا اپنی کتابوں کو اوٹھا کر دیکھئے کہ آپ کے علماء نے کس طرح ازواج نبیؐ کی توہین کی ہے۔ بلکہ ایسی فحش باتیں درج کی ہیں جن کے اعادہ سے مجھے شرم آتی ہے۔ ایسی بے حیائی کی باتیں ازواج نبیؐ بلکہ ایک معمولی عورت کے بارے میں بھی ہماری کتابوں میں نہ پائیں گے۔ آپ کے خلیفہ اول نے تو ازواج نبیؐ کی ٹانگوں کو کتوں کے حوالے کرنے کی جرأت کی ہے۔ بی بی عائشہ کی زبانی معاذ اللہ حضرت رسولؐ کی عیاشی۔ حالت نماز میں دل لگی۔ حالت صوم میں بوسہ بازی اور حالت حیض میں مباشرت

وغیرہ۔ خانگی امورات اور بے حیائی کی باتوں سے آپکی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ بھلا ان باتوں کو اپنی کتابوں میں لکھنے سے آپ کے علماء نے اسلام کی کون سی خدمت کی ہے۔ اگر آپ چاہیں تو یہ سب باتیں آپکی کتابوں سے نکال کر دکھا سکتا ہوں۔

انور۔ نہیں کوئی ضرورت نہیں۔ شیعہ کی کتاب ہفوات المسلمین میں نے غور سے دیکھی اور ہماری کتابوں میں تمام حوالہ جات کے مطابق صحیح مندرج پائی ہے۔ مجھے اس کا افسوس ہے کہ ہم لوگ تو خلفاء اور ازواج نبیؐ کے سچے دوست ہونے کا دعوے کریں اور پھر ایسی بے شرمی کی باتیں ہماری کتابوں میں پائی جائیں۔ ہمارا کیا حق ہے کہ دوسروں کو ایسی باتوں پر ٹیکیں۔ خیر اس کو جانے دیجئے۔ مگر حضرت رسولؐ اکرم پر اس کا الزام باقی رہتا ہے کہ آپ نے ان دونوں بی بیوں سے کیوں عقد فرمایا جس سے قیامت تک مسلمانوں کو دھوکا ہوتا ہے کہ خلفاء آپ کے سسرے اور یہ دونوں بی بیاں امہات المومنین ہونے کی وجہ سے انکی تمام کارروائیاں قابل اعتراض نہ ہونی چاہئیں۔ اگر آپ بقول شیعہ ان مفسد عورتوں کو گھر میں نہ لاتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ نہ خلیفہ اول و ثانی خلافت کا دعوے کرتے۔ نہ اہلبیتؑ کی مذمت ہوتی اور نہ دین اسلام کے بہتر فرقے ہوتے۔ آپ نے دور اندیشی سے کیوں نہیں کام لیا اور اپنی امت کو گمراہی سے کیوں نہیں بچایا حالانکہ آپ علم اولین و آخرین سے واقف تھے۔

علی محمد۔ ہاں یہ بات ٹھیک ہے کہ حضرت رسولؐ علم اولین و آخرین سے واقف تھے۔ اور ان عورتوں کی کارروائیوں سے بھی بے خبر نہ تھے پھر آپ نے ان سے عقد فرمایا۔ اور خدا کے حکم سے عقد فرمایا۔ کیونکہ آپ کے تمام افعال واقوال وحی کے مطابق ہوتے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ بخوبی واقف تھے کہ خلیفہ اول و ثانی دونوں طاعۃ خدا سے منہ موڑ کر حضرت امیر المومنینؑ کا حق غصب کرکے خلافت کے دعویدار ہو جائیں گے اور جس طرح فرعون نمرود، شداد نے خدائی کا دعوے کرکے خلق خدا کو گمراہ اور برباد کر دیا۔ اسی طرح یہ دونوں بادشاہ ہو کر دین خدا کو برباد کرینگے اور میرے اہلبیتؑ پر بھی ظلم کریں گے۔ حضرتؐ کا ان تمام امور سے قبل از وقت واقف ہونا غیر معمولی بات نہ تھی علماء یہود و نصاریٰ اور کاہنان عرب بھی اپنے علم سے بخوبی واقف تھے۔ بلکہ انھوں نے

خلیفہ اول و ثانی کو شام میں مژدہ سُنا کر ان سے امان نامہ بھی طلب کیا تھا۔ تاریخ اسلام سے اس کا بخوبی پتا چلے گا۔ ابلیس کا مہلت پانا۔ فرعون نمرود اور شداد کا بادشاہ ہونا خلق خدا کے لئے جس طرح امتحان تھا اسی طرح اصحابؓ آل رسولؐ سے روگردانی اور خلفاء کا حضرت امیرالمومنینؑ کا حق غصب کرنا مسلمانوں کے لئے سخت امتحان تھا۔ ورنہ خدا و رسولؐ کی نافرمانی اور رسولؐ معصوم کی نیابت کا دعویدار ہونا کوئی معمولی بات نہیں ہے جو شخص خود اقیلونی اقیلونی کی فریاد کرتا ہو اور ان لی شیطاناً کا معترف ہو اور جو برسرِ منبر کلکم افقہ من عمر حتے المخدرات کا اعلان کرنے والا ہو وہ پیغمبرؐ کی نیابت کا دعوےٰ ہرگز نہیں کر سکتا۔ دنیوی بادشاہ کے لئے بھی علم و عقل حلم اور انصاف وغیرہ سے مزین ہونا لازمی ہے چہ جائیکہ دینی ریاست۔ خلاق عالم کا ارشاد قرآن مجید میں ہے یاداؤد انا جعلنک خلیفۃ فی الارض دوسری جگہ ما کان لھم الخیرۃ۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔ تمام انبیاء سابقین بہ حکم خدا اپنا جانشین۔ وصی۔ نائب یا خلیفہ اپنی امتوں پر معین کریں لیکن حضرت ختم المرسلین اشرف الانبیاء اپنا خلیفہ یا وصی مقرر کرنے کے بغیر رحلت فرمائیں اور اپنی امت کو سقیفہ میں جوتی پیزار کرنے اور ایک دوسرے کو کافر کہنے کے لئے چھوڑ دیں۔ شاید الیوم اکملت لکم دینکم سے دین کی تکمیل اس طرح ہوئی کہ دینِ اسلام کے بہتر فرقے ہوگئے اور قیامت تک اس کا رخنہ باقی رہا۔

انور۔ بھائی سوال از آسمان جواب از ریسمان۔ کہاں کی لمبی چوڑی باتیں کرنے لگے۔ یہاں خلافت کا سوال کون کرتا ہے۔ اس قدر طولانی باتوں سے کیا فائدہ۔

علی محمد۔ انور! آپ سمجھدار ہیں اصل جواب کے لئے تمہید ضروری ہے۔ بلکہ جو کچھ بھی میں نے عرض کیا وہ آپ کے سوال کے جواب کا پہلا حصہ ہے۔ اب غور سے سُنیئے حضرت رسالت مآبؐ آنے والے فتنہ سے بخوبی واقف تھے اور اس کے متعلق آپکی پشین گوئیاں کثرت سے ہیں۔ پس آپ نے اس کے روکنے کے واسطے بہت سی تجویزیں فرمائیں کہ امت ضلالت کی گہری گھاٹیوں میں سرنگوں نہ ہونے پائے۔ قرآن مجید میں اسکے متعلق متعدد آیتیں ہیں۔ میں صرف پانچ آیتیں پیش کرتا ہوں۔ آپ اپنی تفسیر دیکھکر خود اطمینان کرلیجئے

(۱) قل لا اسئلکم علیہ اجراً تا آخر (۲) قل تعالوا ندع ابناء نا و ابناء کم تا آخر۔

۳- یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک تا آخر ۴- ھل یستوی الذین یعلمون والذین یعلمون تا آخر - ۵- فہل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم
اسی طرح احادیث سے بھی آل رسولؐ کی طاعۃ اور احترام کا حکم ثابت ہے۔ پانچ حدیثیں بیان کرتا ہوں جن سے معلوم ہوگا کہ حضرتؐ نے اپنی امت پر حجۃ تمام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں فرمایا
۱- انی تارک فیکم الثقلین تا آخر ۲- انا مدینۃ العلم وعلی بابھا ۳- یا علی لا یحبک الا مومن ولا یبغضک الا کافر - ۴- یا علی انت منی بمنزلۃ ہارون تا آخر - ۵- الا من مات علی حب آل محمد مات شہیدا - غرض حضرتؐ نے بموقع مباہلہ اور غدیر وغیرہ حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت کا بخوبی اظہار فرما دیا تھا اور امت کو نافرمانی اور ایذا رسانی پر عذاب عظیم کی تہدید بھی دے چکے تھے - پھر بھی آپ بخوبی جانتے تھے کہ طمع دنیا کی وجہ سے منافقین پوری مخالفت کرینگے اور میری عترت کی ایذا رسانی سے باز نہ آئیں گے - نہ عذاب قیامت کا خوف ہوگا - نہ میری حرمت کا پاس کرینگے - ہر چند آپ نے آیات قرآنی، احادیث اور اپنی کارروائیوں سے پوری حجۃ تمام کردی تھی۔ پھر بھی آخری حجۃ تمام کرنے کی غرض سے آپ نے خیال فرمایا کہ اگر ان لوگوں کی نظروں میں احکام خدا کی کوئی وقعت نہ ہوگی تو کم از کم جامۂ انسانیت سے باہر نہ ہونگے اور محبت عترۃ اور صلہ رحم کا ضرور لحاظ کرینگے - پس آپ نے ان لوگوں سے صلہ رحم کا رشتہ جاری فرمایا۔ اور جن لوگوں سے آپ کو فساد و فتنہ کا اندیشہ تھا انکی لڑکیوں سے آپ نے بحکم خدا عقد فرمایا۔ خلیفہ اول وثانی بلکہ ابوسفیان جیسے دشمن کی لڑکیوں سے عقد کیا اور انسے قرابت دامادی قائم فرمائی۔ بھائی اور آپ خیال فرمائیے کہ اگر خلیفہ اول وثانی کو دین اسلام اور بانی اسلام کی حرمت کا خیال نہ رہے تو ان کو رشتہ داری اور صلہ رحم کا خیال تو ضروری تھا - اپنے داماد کی فقط ایک صاحبزادی اور وہ بھی باپ کے الم فراق میں رات دن مصروف گریہ رہنے والی شہزادی پر ترحم کی نظر ضروری تھی مگر افسوس قطع رحم کرکے ان کو اس قدر ستایا کہ ان مصائب کو یاد کرکے معصومہ اپنے مشہور شعر میں فرماتی تھیں صبت علی مصائب الخ اور تا وقت وفات ان دونوں خلفاء سے ترک تکلم فرما کر معصومہ سخت ناراض رہیں۔ غور کی بات ہے کہ معصومہ کو کسی مشرک یا کافر نے نہیں ستایا۔ پس وہ کون سے مصائب تھے اور

اور کس کی طرف سے وارد ہوتے تھے۔ اسی طرح معاویہ اور اسکے بیٹے یزید لعین نے بھی قرابت داری صلہ رحم کا کچھ لحاظ نہ رکھا۔ معاویہ نے سبط اکبر کو زہر دلوایا۔ اور یزید نے سبط اصغر کو مع عزیزوں و انصار شہید کیا۔ افسوس ہے اس امت کج رفتار پر کہ آل رسولؐ نے کون سا ایسا قصور کیا تھا جسکی وجہ سے انکی نظروں میں قابل حرمت نہ رہے بلکہ واجب القتل ٹھہرے۔ ان واقعات کو دیکھتے ہوئے کون سا ایسا مسلمان ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان اور حضرت رسالت مآبؐ کی محبت ہوگی جو ایسی ظالمانہ کارروائیوں کو سنکر ایسے سخت دل قاتل اور قاطع رحم کو پیغمبرؐ کا جانشین اور سردار سمجھے گا۔ بس یہ عقد ایسی ایک کمل اور بے نظیر حجت تھی جو تا قیامت تمام اہل دنیا کے لئے قائم ہوگئی اسکے بعد عذر کا کوئی موقع کسی کے لئے باقی نہ رہیگا۔ بس ہم لوگ خلفاء اور انکی صاحب زادیوں سے جو اتنی نفرت رکھتے ہیں وہ محض دین اسلام اور آل رسولؐ کی خالص محبت کی وجہ سے۔

انور۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے اطمینان ہوگیا۔

احقر محمد جعفر شریف از ممباسہ

مومنین جلالپور ضلع فیض آباد کے مصائب

معظم و محترم جناب مولانا دام مجدکم۔ تسلیم۔ عزیزی مولوی شیخ محمد موسیٰ صاحب سلمہ واعظ صدر الافاضل کے خط سے معلوم ہوا کہ ۲۸، ۲۹، ۳۰ صفر ۱۳۵۹ھ کو سنیوں نے غدر کی مثال دوبارہ دنیا کے سامنے پیش کردی تھی۔ شیعوں کے خون کو مباح کر دیا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ پولیس کا انتظام قابل اطمینان ہی نہیں بلکہ لائق صد آفرین رہا۔ فیض آباد سے سپرنٹنڈنٹ پولیس کپتان، ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر آئے اور اعلیٰ انتظامات فرما کے واپس تشریف لے گئے۔ گارد متعین فرمایا ملزمین کو گرفتار کیا۔ اور متعدد کسی مفرور ہیں۔ ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر اور دیگر اعلیٰ حکام کے تمام شیعہ ممنون و مشکور ہیں اور دعاگو ہیں۔ دو مجروحین فیض آباد اسپتال میں اور باقی جلالپور کے اسپتال میں ہیں۔ سب کی حالت نازک ہے۔ مومنین دعا فرمائیں کہ خدا غریبوں پر رحم فرماتے ہوئے جلد شفا کرامت فرمائے۔ بوجہ غربت و ناداری مومنین مستحق امداد ہیں امید ہے کہ شیعیان ہند اس امر خاص کی جانب ضرور توجہ فرمائینگے اور زر امداد بنام مولوی محمد موسیٰ صاحب واعظ صدر الافاضل موضع مصطفیٰ آباد پوسٹ جلالپور ضلع فیض آباد روانہ فرما کے عند اللہ و عند الرسول مثاب ہونگے۔ ۲۸ صفر کو نہتے شیعوں کو چاروں طرف سے سنیوں نے گھیر کر اس طرح حملہ کر دیا کہ انہیں کا بڈھا، جوان، بچہ سب بیہوش اور زخموں سے بدحال ہو گئے۔ دوسرے دن پولیس اسپتال لیگئی۔ اب تک تابوت جناب رسالت مآبؐ اور امام حسن مجتبیٰؑ کا پتہ نہیں ہے کہ سنیوں نے کیا کیا۔ کیا میں امید کروں کہ سنیوں کی ان حرکات کے متعلق مسٹر جناح، سر سلطان احمد اور راجہ صاحب محمود آباد توجہ فرمائیں گے۔ احقر محمد جعفر از بمبئی

ہوئی۔ یا یہ وجہ ہو کہ اس کے قبل آپ کو کسی جہاد میں کسی کافر کے قتل کا تجربہ نہ ہوا ہو۔ اور جب تک
انسان معمولی سپاہی بن کر لڑ نہ لے اُس وقت تک کسی فوج کی سپہ سالاری کا خیال اُس کے لئے
مناسب نہیں ہوتا۔ حضرت عمر کو اس موقع پر زیادہ سے زیادہ یہ کرنا تھا کہ معمولی سپاہیوں کے
ساتھ جا کر لڑتے۔ جب دیکھتے کہ اس میں کچھ کامیابی ہو رہی ہے۔ اور پھر کچھ دنوں اسی طرح
تجربہ ہوتا جاتا اُس وقت علَم اُٹھانے اور فوج کے سردار ہونے کی خواہش بھی زیب دیتی۔

(بقیہ حاشیہ ص۵۶)

لیکر روانہ ہوئے اور قلعہ قموص کے نیچے پہونچکر آپ نے اس علَم کو پتھر کے ایک تودے پر
گاڑ دیا۔ یہ دیکھکر قلعہ کے اوپر سے ایک یہودی عالم اور مذہبی پیشوا نے پوچھا کہ اے علَم والے
تو کون ہے اور تیرا نام کیا ہے؟ آپ نے کہا علیؑ ابن ابی طالب۔ یہ سُننا تھا کہ وہ یہودی اپنی
قوم کو پکار کر کہنے لگا توریت کی قسم اب تم لوگ ضرور مغلوب ہو جاؤ گے۔ کیونکہ یہ شخص وہی
جو بغیر قلعہ فتح کئے واپس نہیں جائیگا۔ غالباً وہ یہودی حضرت علیؑ کی صفات اور شجاعت کی
حالت سے واقف تھا۔ کیونکہ توریت میں حضرتؑ کے اوصاف پڑھ چکا تھا (مدارج النبوۃ
جلد ۲ صفحہ ۳۰۰) اس کے بعد کی حالت لکھی ہے فضربہ رجل من الیہود فطرح ترسہ من یدہ
فتناول علیؑ باباکان عند الحصن فتترس بہ عن نفسہ فلم یزل فی یدہ وھو یقاتل حتے
فتح اللہ علیہ ثم القاہ من یدہ حین فرغ فلقد رأیتنی فی نفر سبعۃ انا ثامنھم
نجھد علے ان نقلب ذلک الباب فما نقلبہ۔ جب جنگ زور سے ہو رہی تھی تو ایک یہودی
نے حضرت علیؑ کے دست مبارک پر ایسی ضرب لگائی کہ ڈھال ہاتھ سے گر گئی۔ آپ نے فوراً ایک دروازہ
باب خیبر کا کھینچ لیا اور اس کو بجائے سپر ہاتھ میں لیکر جہاد کرنے لگے۔ یہاں تک کہ خدا نے آپکو
نمایاں فتح عطا کی۔ پھر جنگ سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے اس دروازہ قلعہ کو ہاتھ
سے ڈال دیا۔ وہ اس قدر وزنی تھا کہ ہم آٹھ آدمی مل کر بھی اُس کو کسی طرح ادھر سے اُدھر
پلٹ نہیں سکے (طبری جلد ۳ صفحہ ۹۴ و کامل جلد ۲ صفحہ ۸۴ وغیرہ)۔ دوسری روایتوں میں ہے
کہ ان علیا بعد ذلک حملہ علے ظھرہ وجعلہ قنطرۃ حتے دخل المسلمون الحصن انتھی ثم
لما وضعت الحرب اوزارھا القی علیؑ ذلک الباب الحدید وراء ظھرہ ثمانین شبرا
و فی ھذا الباب قال الشاعر رمی علی رمی باب المدینۃ خیبر ثمانین شبرا وافی المہیثلم

غالباً انہیں وجوہ سے آنحضرتؐ نے آپ کو علم نہیں دیا کیونکہ جن روایتوں میں آپ کا علم لے کر جانا مذکور ہے ان میں سے اکثر روایتوں میں یہ نہیں ہے کہ اعطاھا النبیؐ (رسولؐ نے وہ علم انہیں دیا) بلکہ یہ ہے اخذھا عمر (حضرت عمرؓ نے خود اس کو لے لیا)۔ برخلاف اس کے حضرت علیؓ کے بارے میں کسی نے یہ نہیں لکھا اخذھا علیؓ (حضرت علیؓ نے اس کو لے لیا) بلکہ ہر کتاب میں ہے کہ آنحضرتؐ نے اُسے آپ کو عطا کیا۔ اُس وقت حضرت علیؓ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ آپ کو

(بقیہ حاشیہ ص۵۷)

حضرت علیؓ نے قلعۂ خیبر فتح کرنے کے بعد اس کے در کو اپنی پیٹھ پر اُٹھا لیا اور اس کو پل بنا دیا کہ اس پر سے گزر کر مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے۔ پھر جب جنگ ختم ہو گئی تو حضرتؑ نے اس لوہے کے دروازے کو اپنی پشت کی طرف پھینک دیا تو اسّی بالشت پر جا کر گرا۔ اسی کے بارے میں شاعر نے کہا ہے کہ حضرت علیؓ نے خیبر کے در کو پھینکا تو وہ جا کر پورے اسّی بالشت پر گرا اور ٹوٹا نہیں۔ اس کے بعد مرقوم ہے قلع علی باب خیبر ولم یحرکہ سبعون رجلا الا بعد جھد۔ حضرت علیؓ نے قلعہ خیبر کیلئے اُکھاڑ لیا حالانکہ اس کو ستر آدمی ہلا تک نہیں سکے مگر اُس وقت جب بہت مشقت اُٹھائی (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۵۶) اس کے بعد کے حالات میں امر قابل ذکر ہے کہ چوں علیؓ مہم کفار قرار دادہ بدرگاہ متوجہ گشت آں حضرت بجہۃ تہنیتہ وےؓ استقبال و استبشار از خیمہ بیروں آمد وے را در کنار گرفت و میان دو چشم وے بوسہ داد فرمود بلغنی ثناءک المشکور وصنیعک المذکور قد رضی اللہ عنہ و رضیت انا عنک۔ پس حضرت امیرؑ گریہ کرد و فرمود آں حضرتؐ ایں گریہ شادی ست یا گریہ اندوہ۔ فرمود علیؓ بلکہ گریہ شادی است و گفت چگونہ شادماں بناشم کہ تو از من راضی باشی۔ فرمود آنحضرتؐ نہ من تنہا از تو راضیم بلکہ خدا و جبرئیلؑ و میکائیلؑ و جملہ فرشتگان از تو راضی اند۔ جب حضرت علیؓ کافروں کی مہم سر کر کے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت رسولِ خدا آپ کو آتا دیکھ کر اس قدر خوش ہوئے کہ آپکا استقبال کرنے اور مبارکباد کہنے کے لئے اپنے خیمہ سے باہر نکل پڑے۔ اور دوڑ کر حضرتؑ کو سینے سے لپٹا لیا پھر آپکی پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا علیؓ! تمہارا قابل شکریہ کارنامہ اور مشہور ہوا احسان مجھ تک پہونچا۔ تمہاری اس خدمت کو خدا نے بہت پسند کیا اور میں تم سے بہت راضی ہوں اس پر حضرت امیرؑ رونے لگے تو آنحضرتؐ نے فرمایا یہ خوشی کا رونا ہے یا غم کا؟ حضرت علیؓ نے کہا

تو اس کا خیال بھی نہیں۔ آپ وہاں اُس وقت تھے بھی نہیں بلکہ مدینہ میں ہی رہ گئے تھے صبح کو
وہاں پہونچے (طبری جلد ۳ صفحہ ۹۴) ۔ اس کو بھی حضرت رسولؐ کے معجزات میں شمار کرنا چاہئے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۸)

نہیں یا حضرتؐ۔ خوشی کا رونا ہے اور کیونکر میں خوش نہ ہوں کہ آپ مجھ سے راضی ہیں۔ آنحضرتؐ
نے فرمایا تنہا میں ہی راضی نہیں ہوں بلکہ خدا۔ جبرئیل۔ میکائیلؑ اور سب فرشتے بھی تم سے
راضی ہیں (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۳۰۲) ۔ اور علامہ اخطب خوارزم وغیرہ نے لکھا ہے کہ
حضرت علیؑ فرماتے تھے فتح خیبر پر حضور نے فرمایا اے علیؑ اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ تمہارے بارے میں
میری امت کے لوگ بھی وہی کہنے لگیں گے جو حضرت عیسےٰؑ بن مریم کے بارے میں عیسائی کہتے
ہیں تو البتہ میں تمہارے بارے میں وہ بات بیان کر دیتا جسکی وجہ سے تم مسلمانوں کے جس گروہ
کے پاس سے گزرتے وہ تمہارے قدموں کے نیچے کی مٹی اٹھا لیتے اور شفاء حاصل کرنے کے لئے
تمہاری طہارت کا بچا ہوا پانی لے جاتے لیکن اتنا بھی تمہارے لئے کافی ہے کہ تم مجھ سے
اوسی درجہ پر ہو جس درجہ پر جناب ہارون جناب موسےٰؑ سے تھے مگر فرق اتنا ہی ہے کہ
میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اے علیؑ تم ہی میرے قرضوں کو ادا کروگے۔ میری سنت پر جہاد
کروگے۔ آخرت میں سب لوگوں سے زیادہ میرے نزدیک تم ہی ہوگے۔ اور قیامت میں
حوض کوثر پر بھی تم ہی میرے خلیفہ ہوگے اور تم ہی سب سے پہلے میرے پاس حوض
کوثر پر پہونچوگے۔ اور منافقوں کو تم ہی حوض کوثر سے ہٹاؤگے۔ اور میری امت کے
لوگوں میں سب سے پہلے تم ہی داخل جنت ہوگے۔ اور تمہارے دوست اور تمہارے شیعہ
نور کے منبروں پر ہوں گے۔ وہ سب اُس روز میرے ہم سایہ ہونگے اور تمہارے دشمن سیاہ رو
رہیں گے تا آخر حدیث۔ اور مسند احمد بن حنبل میں بھی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اگر میری امت تمہارے
بارے میں بھی وہی نہ کہنے لگتی جو عیسائی حضرت عیسےٰؑ کے بارے میں کہتے ہیں تو میں وہ بات
ظاہر کر دیتا کہ پھر تم مسلمانوں کے جس گروہ کے پاس سے گزرتے وہ تمہارے قدم کے نیچے کی خاک
بطور تبرک اُٹھایا کرتے (ینابیع المودۃ صفحہ ۱۳۰ مسند احمد بن حنبل جلد صفحہ) اور امام فخر الدین
رازی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث رسولؐ دال ہے کہ جناب امیرؑ انبیاء کرام کے مساوی تھے اور یقینی ہے کہ
انبیاء کرام تمام صحابہ سے افضل تھے۔ اس وجہ سے حضرت علیؑ بھی صحابہ سے ضرور افضل تھے (اربعین فی اصول الدین صفحہ ...)

جس بزرگ کی آنکھیں آشوب کرائی تھیں اور وہ وہاں اس وقت موجود نہ تھے ان کے بارے میں حضرت نے پیشین گوئی فرمائی کہ خدا اس بہادر کے ہاتھوں اس قلعہ کو فتح کرا دے گا۔ اور جو کچھ حضرت نے فرمایا تھا بالکل اسی طرح ہو کر رہا۔

غزوۂ خیبر کے واقعات کے بعد اسی فصل میں مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "خیبر کی زمین آنحضرتؐ نے مجاہدوں کو تقسیم کر دی۔ چنانچہ ایک ٹکڑا جس کا نام ثمغ تھا حضرت عمرؓ کے حصہ میں آیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا۔ چنانچہ صحیح مسلم باب الوقف میں یہ قصہ بہ تفصیل مذکور ہے۔ اور اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا جو عمل میں آیا" (الفاروق صفحہ ۵۵) الفاروق کے بہت مدت بعد مولوی صاحب نے حضرت رسول خدا کی سوانح عمری بھی لکھی جس میں غزوات کے حالات کو بہت شرح و بسط سے تحریر کیا۔ مگر تعجب ہے کہ اس سوانح عمری نبوی میں اس قصہ کا ذکر بالکل نہیں کیا بلکہ لکھا ہے "فتح کے بعد زمین مفتوحہ پر قبضہ کر لیا گیا لیکن یہود نے درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضہ میں رہنے دی جائے۔ ہم پیداوار کا نصف ادا کیا کرینگے۔ یہ درخواست منظور ہوئی۔ بٹائی کا وقت آتا تھا تو آنحضرتؐ عبد اللہ بن رواحہ کو بھیجتے تھے۔۔۔ خیبر کی زمین تمام مجاہدین پر جو اس جنگ میں شریک تھے تقسیم کر دی گئی۔ اس میں آنحضرتؐ کا خمس بھی تھا (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۵۸۳)۔ اگر اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ مفتوحہ زمین مجاہدین پر تقسیم کر دی گئی تھی اور پھر سب کی طرف سے بٹائی پر بندوبست کر دی گئی اور ہر مجاہد اپنے حصہ کی زمین کا صرف غلہ پاتا تھا۔ مگر حضرت عمرؓ نے اس کو وقف کر دیا تھا تو اسکی تشریح ہونی چاہئے کہ وقف فقراء کے لئے کیا تھا یا اپنی اولاد کے لئے۔ پھر یہ سوال ہے کہ کسی تاریخ یا سیرت کی کتاب میں اس وقف کا ذکر کیوں نہیں ہے؟ صرف الفاروق میں کیوں ہے؟ صحیح مسلم سے بھی اسکی تحقیق آسان نہیں ہوئی۔ اس کے باب الوقف میں ایک روایت ہے کہ اصاب عمر ارضا بخیبر فاتی النبی یستامرہ فیھا فقال یا رسول اللہ انی اصبت ارضا بخیبر لم اصب مالا قط ھو انفس عندی منه فما تامرنی به قال ان شئت حبست اصلها وتصدقت بھا فتصدق بھا عمر انه لا یباع اصلھا ولا یبتاع ولا تورث ولا توھب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

حضرت عمرؓ کو مقام خیبر میں زمین کا ایک ٹکڑا مل گیا تو رسولؐ کے پاس آئے اور عرض کی یا حضرتؐ میں نے خیبر میں ایک زمین پائی ہے کہ ویسی قیمتی چیز آج تک نہیں پائی تھی آپ کی کیا رائے ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا اگر چاہو تو اسکی اصل کو وقف کر کے اسکی پیداوار کو

صدقہ دے دو۔ تو حضرت عمر نے اس کو صدقہ کر دیا کہ نہ بیچی جائے نہ میراث میں دیجائے نہ ہبہ کی جائے (صحیح مسلم جلد ۲ صا۴۱)۔ اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے وہ ٹکڑا آپ کو دیا تھا نہ یہ معلوم ہوا کہ غزوۂ خیبر میں وہ زمین آپکو ملی نہ یہ معلوم ہوا کہ مجاہدین غزوۂ خیبر کو جو زمین ملی اس میں یہ زمین بھی حضرت عمر کو ملی۔ بلکہ کسی اور ذریعہ سے آپ کو وہ زمین مل گئی تھی۔ اگر حضرت رسولخدا صلعم نے بطور مجاہد آپ کو وہ زمین دی ہوتی تو حضرت عمر آنحضرتؐ سے یہ نہ کہتے کہ انی اصبت ارضا بخیبر۔ میں نے مقام خیبر میں ایک زمین پائی ہے بلکہ یہ کہتے کہ یا حضرتؐ جو زمین آپ نے مجھے دی ہے اس کو کیا کروں۔ یا کہتے یا حضرتؐ اس زمین کو جو آپ مجھے عنایت فرماتے ہیں کیا کروں۔ مگر عبارت بتاتی ہے کہ حضرت عمر کے دریافت کرتے وقت آنحضرت صلعم اس زمین اور حضرت عمر کی ملک سے بالکل بے خبر تھے اگر وہ آنحضرتؐ کی عطا کی ہوئی زمین ہوتی تو حضرتؐ اس سے بے خبر کیوں رہتے؟ علامہ یاقوت حموی نے لکھا ہے ثمغ موضع مال لعمر بن الخطاب حبسہ اے وقفہ۔ ثمغ ایک جائداد تھی حضرت عمر کی جس کو انھوں نے وقف کر دیا تھا (معجم البلدان جلد ۳ صا۲۴)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے وہ زمین آپ کو نہیں دی تھی اور نہ غزوۂ خیبر کے مجاہدین کو جو زمین ملی اس سے وہ حضرت عمر کو ملی۔ اور جناب مولوی وحید الزماں صاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے ان حدث بہ حدث ان ثمغا وصرمۃ بن الاکوع وکذا وکذا اجعلہ وقفا حضرت عمر نے کہا اگر ان پر کوئی حادثہ ہو (موت آجائے) تو ثمغ اور ابن اکوع کا صرمہ اور فلاں فلاں مال یہ سب وقف ہیں۔ ثمغ اور صرمہ ابن اکوع دونوں کھجور کے باغ اور حضرت عمر کی ملک تھے" (انوار اللغۃ پ۴ صا۴۷)

اس سے بھی واضح ہوا کہ غزوۂ خیبر میں یہ زمین آپ کو نہیں ملی تھی نہ حضرت رسولؐ نے دی تھی۔ بلکہ یہ بھی ثابت ہوا کہ ممدوح نے اس کو اپنی زندگی میں وقف نہیں کیا بلکہ اپنے مرنے کے بعد اس کو وقف قرار دیا۔ صحیح مسلم کی روایت کا ایک ایک لفظ پڑھ جاؤ کسی سے بھی پتا نہیں چلتا کہ حضرت عمر کو یہ زمین غزوۂ خیبر میں اور حضرت رسولؐ کے دینے سے ملی۔ اس کی شرح علامہ نووی نے لکھی ہے۔ اس میں بھی اس کا ذکر کیا اشارہ تک نہیں ہے معلوم نہیں مولوی شبلی صاحب سے کس نے کہہ دیا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے زمین ثمغ حضرت عمر کو عنایت فرمائی تھی جسکی وجہ سے مولوی صاحب ممدوح نے ایسی عمارت کھڑی کر دی جس کا پتا کسی

ذریعہ سے بھی نہیں ملتا ہے[1] مولوی صاحب نے اس کے بعد لکھا ہے "اسی سال آنحضرت نے حضرت عمر کو ۳۰ آدمیوں کے ساتھ قبیلۂ ہوازن کے مقابلہ کو بھیجا۔ ان لوگوں نے حضرت عمر کی آمد سُنی تو بھاگ نکلے اور کوئی معرکہ پیش نہیں آیا" (الفاروق ص۵۵) مگر معلوم نہیں ممدوح نے اس کو تاریخ یا حدیث کی کس کتاب سے لکھا ہے۔ اس کے ماخذ کا حوالہ بالکل نہیں دیا اور سیرۃ النبیؐ صلعم میں تو اس کا ذکر بھی نہیں کیا۔ پھر اس کو کہاں تک صحیح سمجھا جائے۔

فدک والوں سے صلح فتح خیبر کے بعد حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کو فدک والوں کی طرف بھیجا کہ اسلام کی طرف ان کو بلائیں۔ فدک والوں نے اس شرط پر صلح کر لی کہ نصف زمین پر آنحضرتؐ کا قبضہ رہے آپ نے قبول کر لیا۔ اس کام میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں ملا۔ یہ فدک حضرت رسولخداؐ کی خاص جائداد قرار پائی۔ یہ الفاظ قابل غور ہیں فکانت خیبر فیئًا للمسلمین وکانت فدک خالصۃ لرسول اللّٰہ لانھم لم یجلبوا علیھا بخیل ولا رکاب۔ خیبر کل مسلمانوں کا مال غنیمت ہوا اور فدک صرف حضرت رسولؐ کی ملک قرار پایا کیونکہ مسلمانوں نے نہ اس پر لشکر کشی کی نہ جہاد کیا (طبری جلد ۳ ص۹۵)۔ اور متعدد کتب حدیث و تاریخ میں ہے کہ اس صلح کے بعد جناب جبرئیل نازل ہوئے۔ اور کہا خدا فرماتا

---

[1] مورخین نے لکھا ہے کہ جب حضرت رسولؐ خیبر سے واپس آتے ہوئے منزل صہبا میں پہنچے تو نماز عصر پڑھنے کے بعد حضرت علیؑ کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے۔ اسی حال میں آنحضرتؐ پر آثار وحی ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ حضرت علیؑ کو نماز عصر پڑھنے کا موقع نہیں ملا کیونکہ وحی کا زمانہ اتنا مختصر رہا کہ آفتاب ڈوب گیا۔ ختم وحی پر حضرتؐ نے جناب امیرؑ سے پوچھا تم نے نماز عصر پڑھی؟ عرض کی نہیں۔ تب حضرتؐ نے دعا کی اے خدا علیؑ تیری اور میری اطاعت میں تھا۔ آفتاب کو ان کے لئے پھر طالع کر دے تاکہ یہ نماز عصر پڑھ لیں۔ فوراً خدا نے آفتاب کو پھر طالع کر دیا اس کی شعاع تمام پھیل گئی اور لوگوں نے آنحضرتؐ کا یہ معجزہ آنکھ سے دیکھ لیا۔ پھر جناب امیرؑ نے نماز عصر پڑھ لی (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص۲۱۱ وغیرہ)۔ علامہ دیار بکری نے اس کو تفصیل سے ذکر کر کے لکھا ہے ھذا حدیث ثابت الروایۃ عن ثقات یہ حدیث بڑے معتمد راویوں سے بیان کی گئی ہے اور اسکی روایت بالکل ثابت اور درست ہے (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۶۹ وغیرہ) ۱۲

ہے وآت ذاالقربیٰ حقہ - اے رسولؐ اپنے خاص قرابت والوں کو ان کا حق دے دو
آنحضرتؐ نے پوچھا قرابت والے لوگ کون ہیں اور ان کا حق کیا ہے؟ جبرئیلؑ نے کہا
فدک کو فاطمہؑ کے حوالہ کردو کہ یہ انھیں کا حق ہے اور جو کچھ فدک میں خدا و رسولؐ کا حق ہے
وہ بھی ان کے حوالہ کردو - تب حضرتؐ نے جناب سیدہ کو بلایا اور ان کے واسطے ایک
وثیقہ لکھدیا (تفسیر در منثور جلد ۴ ص۱۷۷ وغیرہ)

غزوۂ وادی القریٰ مقام صہبا سے روانہ ہو کر آنحضرتؐ وادی القریٰ میں جمادی الآخر
۷ھ میں پہنچے اور یہودیوں سے لڑائی ہوئی - بہت مال غنیمت ہاتھ آیا - یہود نے جزیہ
دینا قبول کیا اور ان سے صلح ہو گئی - اس غزوہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں
مل سکا (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۶۴)

سریہ موتہ آنحضرتؐ نے سلاطین اور رؤسا کو دعوت اسلام کے جو خطوط بھیجے تھے ان میں
حاکم بصرے کے پاس بھی ایک خط بھیجا جس میں اس کو مذہب اسلام کی طرف دعوت دی - حاکم
بصرے نے قاصد کو قتل کرا دیا - اس کا عوض لینے کے لئے آنحضرتؐ نے تین ہزار کی فوج زید
بن حارثہ کے ماتحت جمادی الاخرے ۸ھ میں شام کی طرف بھیج دی اور فرمایا اگر یہ شہید
ہوں تو جعفر طیار اور وہ بھی شہید ہوں تو عبداللہ بن رواحہ سردار لشکر ہوں - غرض یہ فوج
گئی - حاکم بصرے نے لاکھ فوج سے مقابلہ کیا - زید و جعفر و عبداللہ تینوں شہید ہوئے اور
باقی لشکر اسلام شکست کھا کر واپس آیا - اس سریہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا
پتا نہیں مل سکا (طبری جلد ۳ ص۱۱۱)

سریہ ذات السلاسل جمادی الاخرے ۸ھ میں آنحضرتؐ نے عمرو عاص کو تین سو سپاہیوں
کے ساتھ قبیلۂ قضاعہ وغیرہ کی سرکوبی کو روانہ کیا - وہاں عمرو عاص کو کامیابی نہیں ہوئی تو مدینہ
سے کمک طلب کی جس پر ابو عبیدہ دو سو کی فوج کے ساتھ روانہ کئے گئے - اس سریہ میں البتہ حضرت
عمر کی شرکت کا پتا بھی ملتا ہے - مورخین نے لکھا ہے ثم استمد رسول اللہؐ فامدہ بابی
عبیدۃ بن الجراح علی المھاجرین والانصار فیھم ابوبکر وعمر فی مائتین فکان
جمیعھم خمس مائۃ - پھر عمرو عاص نے آنحضرتؐ سے مدد چاہی تو حضرتؐ نے ابو عبیدہ
بن الجراح کے ماتحت دو سو مہاجرین و انصار کی ایک فوج بھیج دی - اس فوج میں حضرت
ابوبکر و عمر بھی تھے - اس طرح کل فوج پانچ سو کی ہو گئی (طبری جلد ۳ ص۱۰۴) - اس سے

معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر و عمر کو آنحضرتؐ نے ابوعبیدہ بن الجراح کے ماتحت بھی کیا اور عمرو عاص کا تابع بھی۔ کیونکہ ابوعبیدہ جو حضرت ابوبکر و عمر کے سردار بنائے گئے تھے خود عمرو عاص کی ماتحتی میں رکھے گئے۔

فتح مکہ | ماہ رمضان ۸ھ میں آنحضرتؐ دس ہزار کی فوج کے ہمراہ مکہ کی طرف تشریف لے چلے کیونکہ قریش نے عہدنامہ توڑ دیا اور بنو خزاعہ پر ظلم کیا۔ انھوں نے آنحضرتؐ سے فریاد کی۔ مگر قریش کو اپنی غلطی پر ندامت ہوئی اور ابوسفیان کو مدینہ میں بھیجا کہ آنحضرتؐ سے اس عہدنامہ کی تجدید کرائیں۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں" ابوسفیان نے مدینہ آکر آنحضرتؐ کی خدمت میں درخواست کی۔ بارگاہ رسالت سے کچھ جواب نہ ملا۔ ابوسفیان نے حضرت ابوبکر و عمر کو بیچ میں ڈالنا چاہا لیکن سب نے کانوں پر ہاتھ رکھا۔ ہر طرف سے مجبور ہو کر جناب فاطمہ زہرا کے پاس آیا۔ امام حسن علیہ السلام پانچ برس کے بچے تھے۔ ابوسفیان نے انکی طرف اشارہ کر کے کہا اگر یہ بچہ اتنا زبان سے کہہ دے کہ میں نے دونوں فریقوں میں بیچ بچاؤ کرا دیا تو آج سے عرب کا سردار پکارا جائیگا۔ جناب سیدہ نے فرمایا۔ بچوں کو ان معاملات میں کیا دخل [1] بالآخر ابوسفیان نے حضرت علیؑ کے ایما سے مسجد نبوی میں جا کر اعلان کر دیا کہ میں نے معاہدہ حدیبیہ

---

[1] مگر دوسری روایتوں میں ہے کہ فاقبل الحسن الی ابی سفیان و ضرب احدی یدیہ علی انفہ والاخری علی لحیتہ۔ ثم انطقہ اللہ بان قال یا ابا سفیان قل لا الہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ حتی اکون شفیعا فقال علی الحمد للہ الذی جعل فی آل محمدؐ من ذریۃ محمد المصطفیٰ نظیر یحییٰ بن زکریا و آتیناہ الحکم صبیا۔ ابوسفیان کے جواب میں حضرت امام حسنؑ اسکی طرف بڑھے اور ایک ہاتھ سے اس کی ناک اور دوسرے سے اسکی ڈاڑھی پر مار کر بحکم خدا گویا ہوئے اور فرمایا اے ابوسفیان کلمہ لا الہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ پڑھ دو تو میں فوراً تمہاری شفاعت اپنے نانا سے کر دیتا ہوں۔ یہ دیکھکر حضرت علیؑ نے فرمایا اس خدا سے بزرگ کا لاکھ لاکھ شکر جس نے آل محمدؐ میں بھی خاص ذریۃ محمد مصطفیٰ سے یحییٰ بن زکریا پیغمبر کا مثل و نظیر پیدا کیا اور بچپن ہی میں ان کو شریعت کی حکومت عطا فرمائی (یہ عبارت مناقب آل ابی طالب از علامہ ابن شہر آشوب جزو ۴ صفحہ ۴۶ میں مشہور سیرۃ ابن اسحاق سے نقل شدہ

کی تجدید کر دی (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۳۷۷)۔ مگر حضرت رسولؐ نے تو اس کی تجدید کو بھی دھوکا ہی سمجھا ہو گا۔ غرض یکم ماہ صیام کو آنحضرتؐ مکہ معظمہ میں اسلام کا اعلان کرنے تشریف لے چلے دس ہزار کی فوج ساتھ تھی۔ آنحضرتؐ بلا مزاحمت مکہ میں داخل ہو گئے۔ حضرت علیؑ سپہ سالار تھے اور فوج کا ایک حصہ زبیر بن العوام کے ماتحت رکھا گیا۔ فوج کے ایک اور حصہ کو خالد بن ولید کے ماتحت مکہ کے زیریں حصہ کی طرف قرار دیا۔ ایک اور طرف سے ابو عبیدہ بن جراح بھیجے گئے۔ شہر میں داخل ہوتے وقت سعد بن عبادہ نے کہا کہ جنگ کی حالت میں کسی متبرک مقام کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ آنحضرتؐ نے یہ سُنا تو سعد کا عَلَم حضرت علیؑ کے حوالہ کر دیا۔ مکہ معظمہ میں حضور نے داخل ہو کر مجسم رحم کا نمونہ پیش کر دیا۔ سب دشمنوں کا قصور معاف کر کے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور اس کے اندر داخل ہوئے۔ اس میں بکثرت بُت رکھے ہوئے تھے۔ اکثر کو آنحضرتؐ نے خود ہی توڑ ڈالا اور جو اونچے تھے ان کے توڑنے کے لئے حضرت علیؑ کو اپنے کاندھے پر چڑھایا اور آپ نے سب کو توڑ کر گرا دیا۔ مورخین نے تصریح کی ہے کہ خانہ کعبہ کے اندر ایک اونچی جگہ پر کئی بڑے بڑے بُت رکھے ہوئے تھے جہاں ہاتھ نہیں پہونچ سکتا تھا۔ خاص کر سب سے بڑا بُت ہبل تو نیچے سے ٹوٹ ہی نہیں سکتا تھا۔ حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ سے عرض کی کہ حضور اپنا پاؤں میرے شانوں پر رکھ کر ان بتوں کو نیچے گرا دیں۔ آنحضرتؐ چڑھے تو جناب امیرؑ کو ضعف محسوس ہوا۔ آنحضرتؐ فوراً اُتر آئے اور فرمایا اے علیؑ تم کو نبوت کا بار اٹھانے کی طاقت نہیں ہے۔ اب تم اپنا پاؤں میرے کاندھے پر رکھ کر بلند ہو۔ حضرت علیؑ نے ایسا ہی کیا اور بتوں کو نیچے گرا دیا۔ آنحضرتؐ نے پوچھا اے علیؑ تم اپنے کو اس وقت کیسا پاتے ہو؟ عرض کی ایسا دیکھتا ہوں گویا تمام حجابوں کے پردے ہٹ گئے اور میرا سر ساق عرش تک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۴)

موجود ہے۔ افسوس اصل کتاب سیرۃ ابن اسحاق جو تاریخ اسلام کا بہت قدیم ذخیرہ ہے اس زمانہ میں کہیں نہیں ملتی۔ یورپ تک اسکی تحصیل سے عاجز رہا۔ البتہ اس کا خلاصہ سیرۃ ابن ہشام چھپ گیا ہے جس میں یہ واقعہ بھی مختصر طور پر موجود ہے (دیکھو سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ ملک مصر بر حاشیہ زاد المعاد جلد ۲ صفحہ ۲۲۸) ۱۲

بہو بخ گیا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ کیا اچھا نصیب تمہارا ہے کہ خدا کا کام کرتے ہو اور کیا اچھا نصیب میرا ہے کہ بار حق اٹھائے ہوں۔ بتوں کو گرانے کے بعد جناب امیر علیہ السلام آنحضرتؐ کے کاندھے سے کود پڑے اور تبسم فرمانے لگے۔ آنحضرتؐ نے پوچھا علیؑ کس بات پر خوش ہو؟ عرض کی اس پر کہ اتنی بلندی سے کودا اور مجھے کوئی زحمت نہیں ہوئی۔ فرمایا زحمت کیسے ہوتی کہ محمدؐ نے تم کو اٹھایا اور جبرئیل نے اُتارا۔ ایک شاعر نے ان اشعار میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

قیل لی قل فی علی مدحا ۔:۔ ذکرہ یخمد نارا موصدة

قلت لا اقدام فی مدح امرء ۔:۔ ضل ذو اللب الی ان عبدہ

والنبی المصطفٰے قال لنا ۔:۔ لیلة المعراج لما صعدہ

وضع اللہ بظہری یدہ ۔:۔ فاحس القلب ان قد بردہ

وعلیؑ واضع اقدامہ ۔:۔ فی محل وضع اللہ یدہ

لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں حضرت علیؑ کی مدح میں کچھ اشعار کہوں کیونکہ حضرتؑ کا ذکر (جہنم کی) بند آگ تک کو بجھا دیتا ہے۔ میں نے اُن لوگوں کے جواب میں کہا کہ میں ایسے بزرگ کی مدح کا ارادہ بھی نہیں کر سکتا جن کے فضائل کی کثرت سے بڑے صاحبانِ عقل تک اس قدر گمراہ ہو گئے کہ حضرتؑ ہی کی عبادت کرنے لگے (جیسے نصیری فرقہ وغیرہ) اور حضرت رسولؐ نے فرمایا ہے کہ جب معراج کی رات میں آسمان پر گیا تو خدا نے میری پشت پر اپنا ہاتھ رکھا جس کی ٹھنڈک میرے دل نے محسوس کی اور حضرت علیؑ نے فتح مکہ میں آنحضرتؐ کی پشت مبارک پر اپنے قدم اوسی جگہ رکھے جہاں خدا نے اپنا ہاتھ رکھا تھا (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۹۶)۔ اس غزوہ میں بھی حضرت علیؑ سپہ سالار تھے اور جناب زبیر۔ خالد۔ ابوعبیدہ وغیرہ کو بھی فوج کے بعض حصوں کی سرداری دی گئی مگر کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت عمر کسی فوج کے علم بردار مقرر کئے گئے ہوں۔ یا کوئی فوج آپکے ماتحت دی گئی ہو یا کوئی قابل ذکر کام آپ نے بھی کیا ہو (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۱۰ تا ۱۲۴ وغیرہ) اور مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "حضرت عباس مکہ کی طرف چلے۔ ادھر سے ابوسفیان آ رہا تھا۔ حضرت عباس نے اس سے کہا آ میں تجھے رسول اللہؐ سے امن دلا دوں ورنہ آج تیری خیر نہیں۔ ابوسفیان نے غنیمت سمجھا اور ساتھ ہو لیا۔ راہ میں حضرت عمر کا سامنا

ہوا۔ ابوسفیان کو ساتھ دیکھکر حضرت عمر نے خیال کیا کہ حضرت عباس اسکی سفارش کے لئے جا رہے ہیں۔ بڑی تیزی سے بڑھے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ مدتوں کے بعد اس دشمنِ اسلام پر قابو ملا ہے۔ اجازت دیجئے کہ اس کی گردن مار دوں ...آنحضرتؐ نے حضرت عباس کی سفارش قبول کی اور ابوسفیان کو امن دیا" (الفاروق ص۵۷)۔ اگرچہ حضرت عمر کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی کافر جنگ یا کسی قسم کے حملہ سے خالی الذہن رہ کر کبھی جاتا یا کسی جگہ پہونچتا اور حضرت عمر اس کو دیکھ لیتے تو آپ اوسکی گردن اڑانے کو طیار ہو جایا کرتے۔ اس وجہ سے اس واقعہ کی صحت بھی مستبعد نہیں مگر تعجب یہ ہے کہ مولوی شبلی صاحب جو لکھتے ہیں اکثر امور کے ماخذ کا حوالہ دے دیتے ہیں۔ لیکن اس واقعہ کا حوالہ بالکل نہیں دیا۔ اسی طرح آپ نے اور بھی کچھ باتیں ایسی لکھ دی ہیں جن کے متعلق بالکل ظاہر نہیں کیا کہ کس کتاب سے لکھی ہیں۔ مثلاً یہ واقعہ لکھ گئے "جب عورتوں کی باری آئی تو چونکہ آنحضرتؐ بیگانہ عورت کو مس نہیں کرتے تھے حضرت عمر کو ارشاد فرمایا کہ تم ان سے بیعۃ لو۔ چنانچہ تمام عورتوں نے انھیں کے ہاتھ پر آنحضرتؐ سے بیعۃ کی" (الفاروق ص۵۸) اور کتاب کا حوالہ دیا ہی نہیں۔ اول تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب حضرتؐ اپنے لئے پسند نہیں کرتے تھے کہ بیگانہ عورت کے ہاتھ کو مس کریں تو حضرت عمر کے لئے کیوں اس بات کو پسند فرمایا؟ حضرت عمر بھی تو مرد ہی تھے اور ان سب عورتوں کے محرم بھی نہیں تھے۔ پھر جس بات کو آنحضرتؐ اپنے لئے ناجائز سمجھتے تھے اوسے حضرت عمر کے لئے کیوں جائز سمجھ لیا؟ اگر بجائے حضرت عمر کے کوئی عورت ہوتی تو کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ معتبر تاریخوں کے خلاف کہتی ہیں۔ مثلاً علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے واجتمع الناس لبیعۃ رسول اللہؐ علی الاسلام فکان یبایعھم فانہ لما فرغ من الرجال بایع النساء۔

فتح مکہ کے بعد حضرت رسولؐ کے پاس لوگ اسلام پر بیعۃ کرنے کے لئے جمع ہوئے اور حضرتؐ نے ان لوگوں کی بیعۃ لینا شروع کی۔ پھر جب مردوں کی بیعۃ سے فراغت ہو گئی تو حضرتؐ ہی نے عورتوں کی بیعۃ بھی لی (تاریخ کامل جلد ۲ ص۹۶)۔ تمام تاریخوں کا مولوی شبلی صاحب کی مذکورہ بالا عبارت کے خلاف کہنا تو زیادہ تعجب خیز نہیں۔ البتہ یہ تماشہ قابل حیرت و عبرت ہے کہ خود مولوی شبلی صاحب نے جب حضرت رسول خدا صلعم کی سوانح عمری لکھی تو جو کچھ حضرت عمر کی سوانح عمری میں تحریر فرمایا تھا اس کے بالکل خلاف

اور عام تاریخوں کے بیان کے مطابق لکھا۔ ان کے الفاظ دیکھو۔ فتح کے بعد کے حالات لکھتے ہوئے آنحضرتؐ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں "مقام صفا میں آپ ایک بلند مقام پر بیٹھے جو لوگ اسلام قبول کرنے آتے تھے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے۔ مردوں کی باری ہو چکی تو مستورات آئیں۔ عورتوں سے بیعت لینے کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ان سے ارکان اسلام اور محاسن اخلاق کا اقرار لیا جاتا تھا۔ پھر پانی کے ایک لبریز پیالہ میں آنحضرتؐ دست مبارک ڈبو کر نکال لیتے تھے۔ آپ کے بعد عورتیں اسی پیالہ میں ہاتھ ڈالتی تھیں اور بیعت کا معاملہ پختہ ہو جاتا تھا" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۴۸۱)۔ کیا آسمان اور زمین کے فرق کی مثال اس سے بہتر کوئی مل سکتی ہے کہ الفاروق میں آپ نے عورتوں کی بیعت کے لئے حضرت عمر کو کھڑا کر دیا جس کا نہ کوئی پتا ہے اور نہ نشان۔ اور سیرۃ النبیؐ میں اصلی بات لکھ دی کہ عورتوں کی بیعت حضرت عمر نہیں بلکہ خود حضرت رسولخدا صلعم اس صورت سے لیتے تھے کہ ان کا ہاتھ مس بھی نہیں ہوتا تھا اور بیعت ہو جاتی تھی۔ اس کے سوائے فتح مکہ میں حضرت عمر کی کوئی خدمت مولوی شبلی صاحب نے بھی نہیں لکھی۔ پھر صحیح تاریخوں میں کیا مل سکتی ہے۔

دعوت بنو خزیمہ فتح مکہ کے بعد آنحضرتؐ نے خالد کے ساتھ کچھ لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے لئے روانہ فرمایا۔ بنو خزیمہ نے اسلام کا اظہار کیا۔ مگر خالد نے بہت لوگوں کو گرفتار اور کتنوں کو قتل کر دیا اور نہایت درجہ ظلم و سفاکی کا برتاؤ کیا۔ یہ سُن کر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تم جاؤ اور ان لوگوں کے واقعہ کی تحقیق کرو۔ اور جاہلیت کی باتوں کو اپنے پاؤں سے روند ڈالو۔ حضرت علیؑ روانہ ہوئے یہاں تک انکے پاس پہونچے۔ ہر مقتول کا خونبہا ادا کر دیا اور جو مال لوٹا گیا تھا اس کا تاوان اور معاوضہ بھی دے دیا۔ یہاں تک کہ اُس برتن کی قیمت بھی دے دی جسمیں کتا پانی پیتا ہے۔ غرض جب کسی کا کوئی مطالبہ باقی نہیں رہا تو بہت سا مال اپنی طرف سے بھی سب کو دیکر فرمایا یہ بقیہ مال بھی تم لوگوں کو دے دیتا ہوں کہ آنحضرتؐ کی طرف سے احتیاطاً ادا کاری بھی ہو جائے یعنی جس مطالبہ کی خبر نہ آنحضرتؐ کو ہے اور نہ تم لوگ جانتے ہو مگر شائد وہ کسی طرح رہ گیا ہو وہ بھی ادا ہو جائے۔ غرض یہ سب عادلانہ بلکہ رحیمانہ انتظام کرنے کے بعد حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے پاس تشریف لائے اور پورا واقعہ بیان کر دیا تو حضورؐ نے فرمایا علیؑ! تم نے بالکل ٹھیک اور بہت خوب کیا (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۲۴۱)۔ اس واقعہ میں بھی حضرت

عمر کی کسی خدمت کا کچھ پتا نہیں مل سکا کہ آنحضرتؐ نے آپ کو کسی کام کے لئے بھیجا ہو یا آپ نے خود جانے کی خواہش کی ہو۔

غزوۂ حنین ماہ شوال ۸ھ ہجری میں مشہور غزوۂ حنین ہوا۔ فتح مکہ کے بعد قبیلہ ہوازن ثقیف۔ اہل طائف اور بنو سعد بن بکر مجتمع ہو کر آنحضرت صلعم سے لڑنے کو آمادہ ہوئے اسکی خبر آنحضرتؐ کو ہوئی تو ۱۲ ہزار کی فوج کے ساتھ اُن کے مقابلہ کو نکلے۔ راہ میں ایک درخت ذات انواط کے پاس سے گزرے جس کو دیکھکر صحابہ نے فرمائش کی یا حضرت ہمارے لئے بھی ایسا ہی ایک ذات انواط بنا دیجئے۔ تو حضرتؐ نے فرمایا سبحان اللہ هذا کما قال قوم موسےٰ اجعل لنا الٰها کما لهم الهة والذی نفسی بیدہ لترکبن سنن من کان قبلکم۔ سبحان اللہ یہ تو ویسی ہی بات ہوئی جیسی حضرت موسٰے سے اونکی قوم نے فرمائش کی تھی کہ اے موسٰے جیسے کافروں کے معبود ہیں ویسا ہی ایک معبود ہمارے لئے بھی بنا دیجئے۔ خدا کی قسم (میں خوب جانتا ہوں کہ) تم لوگ ان (کفار یہود وغیرہ) کا طریقہ اختیار کرو گے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص۲۶۵)۔ غرض حضرتؐ وہاں سے روانہ ہو کر وادی حنین میں داخل ہوئے اور جنگ بڑے زور سے شروع ہو گئی۔ کفار کا ایسا غلبہ ہوا کہ مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ ایسا بدحواس بھاگے کہ کوئی شخص کسی کی طرف مڑتا بھی نہ تھا۔ اکثر محدثین و مورخین نے لکھا ہے کہ فتح مکہ اور اپنی کثرت کی وجہ سے بعض صحابہ میں غرور و تکبر بھی پیدا ہو گیا تھا کہ اب ہم ہی ہم ہیں۔ مثلاً حضرت ابوبکر نے مسلمانوں کی عظیم الشان فوج دیکھ کر کہا لن نغلب الیوم آج تو ہم لوگوں کو کسی طرح شکست نہیں ہو سکتی (تاریخ خمیس جلد ۲ ص وغیرہ)۔ ان باتوں کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں کے آگے بڑھتے ہی دشمن نکل پڑے اور مسلمانوں کو تیروں، پتھروں اور نیزوں سے بدحواس کر دیا جس سے انھوں نے راہ فرار اختیار کر لی۔ بہت سے مسلمان مارے گئے۔ بہ کثرت زخمی ہوئے۔ آنحضرتؐ نے ان کو بہت پکارا اور دوسروں سے آواز دلوائی کہ اے بیعۃ الرضوان والو اتم اپنے رسول کو تنہا چھوڑ کر کہاں جاتے ہو؟ مگر ان لوگوں نے ایک بھی نہ سنی۔ اکثر مورخین و محدثین کی تحقیق ہے کہ بروز حنین حضرت رسولؐ کے ساتھ جو صحابہ ثابت قدم رہے وہ جناب عباس حضرت علیؑ۔ فرزند حارث۔ عقیل ابن ابی طالب۔ عبداللہ بن زبیر۔ زبیر بن العوام۔

اور اسامہ بن زید تھے (کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۳۰۷)۔ بعض مورخین نے ان سے بھی کم لوگوں کی تعداد لکھی ہے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ صرف چار شخص باقی رہ گئے تین بنی ہاشم سے حضرت علیؑ و عباس و فرزند حارث اور ایک شخص غیر بنی ہاشم سے عبداللہ بن مسعود (سیرۃ حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۱)۔ اور حضرت عمر کی حالت یہ لکھی ہے۔ ایک صحابی ابوقتادہ بیان کرتے تھے انھزم المسلمون وانھزمت معھم فاذا بعمر بن الخطاب فی الناس۔ فقلت لہ ماشان الناس۔ قال امر اللہ۔ ثم تراجع الناس الی رسول اللہؐ۔ غزوۂ حنین میں صحابہ بھاگ گئے تو میں بھی ان کے ساتھ بھاگا۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ بھاگنے والوں میں حضرت عمر بھی ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا لوگوں کا کیا حال ہے کہ بھاگ کھڑے ہوئے؟ حضرت عمر نے فرمایا کیا جائے۔ خدا کا حکم یہی تھا۔ پھر سب بھاگنے والے رسولؐ کے پاس واپس گئے (صحیح بخاری پ ۱۷ صفحہ ۵ کتاب المغازی)۔ مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے لکھا ہے "مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے صرف آنحضرتؐ اور چند صحابہ میدان میں جمے رہے" (تفسیر وحیدی صفحہ ۲۴۸)۔ مگر حضرت علیؑ اور جناب رسولؐ جنگ میں اُسی طرح ثابت قدم رہے۔ یہاں تک کہ بھاگے ہوئے مسلمان پھر واپس آئے اور کافروں سے سخت جنگ ہوئی۔ اب مسلمان کامیاب ہوگئے۔ اس لڑائی میں ۷۰ کافر اور ۴ مسلمان مارے گئے۔ ان میں حضرت عمر کا مقتول کوئی نہیں تھا۔ البتہ بکثرت لوگوں کو حضرت علیؑ نے قتل کیا تھا (سیرۃ ابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۲۶۱)

جنگ اوطاس فتح حنین کے بعد آنحضرتؐ نے حنین ہی میں قیام کرکے ابوعامر اشعری کے ماتحت ایک بڑی فوج اوطاس کی طرف بھیجی جو حنین اور طائف کے درمیان ہے۔ ابوعامر شہید ہوئے۔ اور ان کے بھتیجے ابوموسےٰ اشعری نے فوج سنبھالی اور مسلمان کامیاب ہوگئے (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۳۱)۔ اس جنگ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہ مل سکا۔

غزوۂ طائف حنین کی بقیہ فوج طائف میں جاکر پناہ گزیں ہوئی اور جنگ کی طیاری شروع کی تو آنحضرتؐ نے ادھر کا عزم کیا۔ اور وہاں پہونچکر طائف والوں کا محاصرہ کرلیا۔ آخر محاصرہ اٹھاکر حضرتؐ واپس تشریف لے گئے۔ اس میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں چلا (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۳۳)۔ محاصرۂ طائف کے زمانہ میں حضرت علیؑ کے ساتھ کچھ اصحاب آنحضرتؐ سے

اجازت لے کر اس طرف کے دشمنوں سے لڑنے گئے۔ وادی ثقیف و ہوازن کے بتوں کو جو اس نواح میں تھے توڑ ڈالا۔ اور ایک نامی پہلوان حضرت علیؑ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ حضرت علیؑ اس کامیابی کے بعد آنحضرتؐ کے پاس واپس آئے تو حضورؐ نے جناب امیرؑ کو دیکھکر تکبیر کہی اور تنہائی میں کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے اور کسی دوسرے شخص کو وہاں جانے کی اجازت نہیں دی۔ اس رازداری کی گفتگو میں جب بہت تاخیر ہوئی تو صحابہ کہنے لگے کہ ایسے دور دراز کے راز آنحضرتؐ اپنے چچا زاد بھائی سے کہتے ہیں جو دوسروں سے نہیں کہتے۔ حضرتؐ نے فرمایا میں خود راز کی باتیں نہیں کرتا بلکہ خدا حکم دیتا ہے تب کرتا ہوں۔ جناب ملا معین کاشفی نے لکھا ہے در ہنگام خلوت و مشاورت نبیؐ با علیؑ امیر المومنین عمرؓ با حضرت رسولؐ گفتہ کہ یا رسولؐ اللہ با علیؑ راز می گوئی و باوے خلوت می کنی۔ آں سرور فرمود ما انتجیتہ ولکن اللہ انتجاہ یعنی من با او راز نمی گویم بلکہ خدائے تعالٰی با و راز می گوید جب آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے تخلیہ میں راز کہنا شروع کیا تو حضرت عمر نے پیغمبر صاحب پر اعتراض کیا کہ آپ خلوت میں علیؑ سے راز کی باتیں کرتے ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا میں خود علیؑ سے راز کی باتیں نہیں کرتا بلکہ خدا کرتا ہے (معارج النبوۃ رکن ۴ صـــ ۳۷)۔ بعض کتابوں میں یہ ہے کہ حضرتؐ کی رازداری پر حضرت عمر نے اعتراض کیا اور بعض میں حضرت ابوبکر کا نام بھی ہے (کنز العمال جلد ۶ ر ۳۹۹ و شرح مشکوۃ صـــ ۵۶۴ جلد ۲ وغیرہ)۔ دعاہ یوم الطائف فانتجاہ فقال الناس لقد طال نجواہ مع ابن عمہ فقال ما انتجیتہ و لکن اللہ انتجاہ۔ آنحضرتؐ نے طائف کی جنگ میں حضرت علیؑ کو بلایا اور کان میں ان سے باتیں کرتے رہے۔ اس پر بعضے لوگ کہنے لگے اپنے چچا زاد بھائی کے ساتھ بڑی دیر تک کانا پھوسی کی۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا میں نے ان سے سرگوشی نہیں کی۔ بلکہ اللہ تعالٰی نے کی۔ یعنی اللہ نے مجھ کو حکم دیا کہ ان سے سرگوشی کروں۔ میں نے اللہ تعالٰی کے حکم کی تعمیل کی" (انوار اللغۃ پ ۲۵ صـــ ۲۷)۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے لکھا ہے کہ اس سفر طائف میں حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو خلافت کے امیدوار سے کیا جاتا ہے۔ جسکی تفصیل یہ ہے کہ قریش کے کچھ لوگ حضرتؐ کی خدمت میں آئے اور کہا یا حضرتؐ ہم آپ کے ہمسایہ اور حلیف ہیں اور ہمارے غلام جو آپ کی خدمت میں آکر مسلمان ہوئے ہیں حقیقت میں

ان کو نہ اسلام سے مطلب ہے نہ شریعت سے۔ صرف ہمارے اموال و جائداد سے
بھاگ کر آئے ہیں حضور انہیں ہم کو واپس کر دیں۔ اس پر حضورؐ نے حضرت ابوبکر کی
رائے دریافت کی تو ممدوح نے کفار کی تصدیق کی جس سے حضرت رسولؐ کا چہرہ متغیر
ہو گیا۔ پھر حضرت عمر سے دریافت فرمایا انھوں نے بھی حضرت ابوبکر کی تائید کی جس سے
آنحضرتؐ کا چہرہ دوبارہ متغیر ہو گیا اور حضرتؐ نے زبان سے فرمایا کہ اے گروہِ قریش خدا
کی قسم اللہ تم پر ایسے شخص کو مسلط کرے گا جس کے قلب کا اُس نے ایمان کے متعلق
امتحان کیا ہے۔ اور وہ تم لوگوں سے دین کی حمایت میں لڑے گا۔ اِس پر حضرت ابوبکر
بولے یا رسولؐ اللہ کیا وہ شخص میں ہوں؟ حضورؐ نے فرمایا نہیں۔ تب حضرت عمر بڑھے
اور پوچھا یا رسولؐ اللہ کیا میں ہوں؟ حضرتؐ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ صفت اوس شخص
کی ہے جو جوتی میں پیوند لگا رہا ہے۔ اور اُس وقت آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اپنی
جوتی سینے کے لئے دی تھی (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ صفحہ ۲۵۶ و خصائص نسائی صفحہ ۳۱)
جب آنحضرتؐ طائف کا محاصرہ چھوڑ کر جعرانہ میں تشریف لائے تو حنین کا مال غنیمت تقسیم کرنا
چاہا جو بے شمار ذخیرہ تھا۔ مکہ کے اکثر رؤساء کو جنہوں نے حال میں اسلام قبول کیا تھا۔
آنحضرتؐ نے نہایت فیاضی سے حصہ دیا مگر اس پر انصار کو رنج ہوا۔ بعضوں نے کہا
رسولؐ نے قریش کو انعام دیا اور ہمیں محروم رکھا۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے ابتک
قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں (صحیح بخاری غزوہ طائف)۔ بعض بولے
کہ مشکلات میں ہماری یاد ہوتی ہے اور غنیمت دوسروں کو ملتی ہے (صحیح بخاری صفحہ ۶۲۱)
مگر آنحضرتؐ نے ان کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ اسلام میں اب آئے ہیں۔ میں نے تالیف قلب
کے لئے ان کو حصہ دیا ہے۔ ایک شاعر عباس بن مرداس کو حصہ میں سو سے کم اونٹ ملے
وہ اس پر خفا ہو گیا۔ اور آنحضرتؐ کی مذمت میں اشعار لکھ ڈالے۔ آنحضرتؐ کو معلوم
ہوا تو فرمایا اسے یہاں سے لے جاؤ اور اسکی زبان قطع کر دو۔ یورپین مورخ ایرونگ
نے لکھا ہے "عمر جو ہمیشہ سختی کے کاموں کے واسطے طیار رہتے تھے وہیں اسکی زبان واقعاً کاٹنے کو
طیار ہو گئے۔ لیکن جو آنحضرتؐ کا اصلی مقصود سمجھتے تھے یعنی حضرت علیؑ اس شاعر کو اُس جگہ لے گئے
جہاں اونٹ رکھے گئے تھے اور فرمایا ان میں سے جتنے اونٹ چاہو لے لو"۔ شاعر بولا کیا حضرتؐ
نے اسی طرح میری زبان کاٹنے کا حکم دیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو میں اپنے حصہ پر راضی ہوں"

(روضۃ الاحباب جلد ۱ صفحہ ۴۹۶)۔ جن صحابہ نے آنحضرتؐ کی تقسیم پر اعتراض کیا تھا اُن میں ایک شخص ذوالخویصرہ بھی تھا جس نے کہا اے محمدؐ آپ نے انصاف سے تقسیم نہیں کیا۔ آنحضرتؐ کو غصہ آگیا فرمایا اگر میں ہی انصاف نہیں کروں گا تو کون کرسکتا ہے؟ اس پر حضرت عمرؓ بولے یا حضرتؐ حکم دیجئے میں اسکی گردن اُڑا دوں۔ فرمایا نہیں!!! اس سے ایک گروہ پیدا ہوگا جو دین میں بال کی کھال نکالے گا یہاں تک کہ اس دین سے اس طرح خارج ہوجائیگا جس طرح کمان سے تیر نکل جاتا ہے (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۲۵)۔ ابوسفیان و معویہ کو بھی مورخین نے انھیں مولفۃ القلوب حضرات میں شمار کیا ہے۔ مثلاً علامہ مسعودی نے لکھا ہے وفیھا کان اعطائہ للمولفۃ قلوبھم وفیھم ابوسفیان بن حرب وابنہ معویہ۔ اسی ۸ھ میں رسولؐ نے ان نئے مسلمانوں کو بھی مال وغیرہ کے حصے عطا کئے جو بتالیف قلوب مسلمان ہوئے تھے اور انھیں میں ابوسفیان اور اس کا بیٹا معویہ بھی تھا (مروج الذہب جلد ۵ صفحہ ۸) تقسیم مال کے بعد آنحضرتؐ ۸ ذیقعدہ کو مکہ میں واپس آئے اور عمرہ بجالا کر ۲۷ ذی الحجہ کو مدینہ واپس آگئے۔ مذکورہ بالا واقعات میں حضرت عمرؓ کی اور کوئی خدمت نہیں معلوم ہوسکی۔

سریہ بنو تمیم ۹ھ میں مسلمان خاندانوں سے زکوٰۃ کا مال وصول کرنے کے لئے عامل (کارندے یا تحصیلدار) مقرر کئے گئے اور ادھر ادھر بھیجے گئے۔ مگر بنو تمیم کے بہکانے سے بنو کعب جو مسلمان ہوچکے تھے مخالفت رسولؐ پر آمادہ ہوگئے اور زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا۔ آنحضرتؐ کا عامل ڈر کر واپس آیا تو آنحضرتؐ نے عیینہ بن حصن فزاری کو پچاس سواروں کے ساتھ انکی طرف روانہ کیا کہ ان کا مناسب تدارک کریں۔ اس میں بھی حضرت عمرؓ کی کسی خدمت کا پتا نہیں مل سکا (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۳۱)

بُت شکنی کے لئے سرایا اس امر کے متعلق مورخین کی عبارتوں کا خلاصہ مولوی شبلی صاحب نے اس طرح لکھا ہے "اسی سلسلہ میں وہ سرایا بھی داخل ہیں جو فتح مکہ کے بعد بُت شکنی کے لئے اطراف ملک میں روانہ کئے گئے۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ تمام عرب میں مختلف قبیلوں کے الگ الگ بُت خانے تھے۔ فتح مکہ کے بعد عام طور سے قبائل نے اسلام قبول کرلیا تو بتوں کی عظمت و جباری کا جاہلانہ اور وہم پرستانہ تخیل بعض قبائل سے دفعتہً نہ مٹ سکا۔ اب گو وہ ان کو لائق پرستش نہیں سمجھتے تھے تاہم ان کے لوں پر ان اصنام کی وراثۃً ایک مدت سے جو ہیبت بیٹھی ہوئی تھی۔ اس سے یہ ہمت نہیں پڑتی تھی کہ ان باطل پرستیوں کے مرکز کو خود اپنے ہاتھ سے مٹادیں۔ جاہلوں کو یقین تھا کہ ان مقدس پتھروں کا ایک ریزہ بھی اپنی جگہ سے ہٹا تو آسمان ٹوٹ پڑے گا۔ زمین پھٹ جائیگی۔ مصائب اور بلاؤں کا ایک

طوفان برپا ہو جائیگا۔ اہل طائف نے بیعت کرتے ہوئے شرط پیش کی تھی کہ اُن کا بت خانہ ایک سال تک ڈھایا نہ جائے اور جب آنحضرتؐ نے یہ منظور نہ فرمایا تو دوسری شرط یہ پیش کی کہ ہم ان کو اپنے ہاتھ سے نہ توڑینگے۔ بعض اور نومسلم قبائل بھی ادائے فرض میں جھجکتے تھے۔ اس بنا پر ان مقامات میں چند راسخ العقیدہ اور صحیح الفہم مسلمان بھیجے گئے کہ وہ انکی طرف سے اس فرض کو انجام دیں۔ چنانچہ سریہ خالد بن ولید بت خانہ عُزّیٰ۔ سریہ عمرو بن العاص بت خانہ سواع۔ سریہ سعد بن زید اشہلی بت خانہ منات۔ سریہ ابوسفیان و مغیرہ بن شعبہ بت خانہ لات۔ سریہ جریر بت خانہ ذی الخلصہ (صحیح بخاری غزوہ ذی الخلصہ) سریہ طفیل بن عمرو دوسی بت خانہ ذی الکفلین اور سریہ علیؓ ابن ابی طالب بت خانہ فلس کے توڑنے کو روانہ کئے گئے (اس باب میں تمام تر واقعات ابن سعد جزء مغازی سے ماخوذ ہیں" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۴۴) ۔ مولوی صاحب نے جن راسخ العقیدہ اور صحیح الفہم مسلمانوں کا ذکر کیا افسوس کہ انہیں حضرت عمرؓ کا نام نہیں لکھا۔ اور زیادہ حیرت یہ ہے کہ عربی کی مفصل کتب تاریخ و سیرت میں بھی کسی فتح پر ممدوح کا نام نہیں ملتا۔ نہ حضرت رسول صلعم ہی نے اس ضروری کام کے لئے آپ کا انتخاب کیا۔ نہ دوسرے صحابہ ہی نے رائے دی کہ یا حضرتؐ آپ راسخ العقیدہ اور صحیح الفہم مسلمانوں کی طرح حضرت عمرؓ کو اس کام کے لئے کیوں نامزد نہیں فرماتے؟ نہ خود حضرت عمرؓ ہی نے اپنے کو اس زحمت کے لئے پیش کیا۔ معلوم نہیں ہر شخص کے خاموش رہنے کی کیا وجہ تھی کہ خالد بن ولید۔ عمرو بن العاص اور ابوسفیان تک اس شرف سے سرفراز ہوئے۔

غزوۂ تبوک | مدینہ اور دمشق کے درمیان نصف راہ میں مدینہ سے ۱۴ منزل پر ایک مشہور مقام تبوک ہے۔ جنگ موتہ کے بعد رومی سلطنت نے عرب پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ مدینہ میں یہ خبریں اکثر مشہور ہوتی رہتی تھیں۔ اس بنا پر آنحضرتؐ نے فوج کی طیاری کا حکم دیا مگر اس وقت قحط اور گرمی کی شدت تھی۔ اس سبب سے لوگوں کو گھر سے نکلنا نہایت شاق تھا۔ منافقین کا پردہ فاش ہو چلا۔ وہ خود بھی جی چراتے تھے اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کا معمول تھا کہ جب آپ مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو کسی کو شہر کا حاکم مقرر فرما کر جاتے۔ اس وقت حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر فرما گئے اور امہات المومنین کو حکم دے دیا کہ دیکھو علیؓ کے حکم سے سرگز باہر نہ ہونا مگر حضرت علیؓ کو جہاد سے بیٹھ رہنا بہت شاق ہوا اور آنحضرتؐ سے عرض کی حضور مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟[1] اس پر آنحضرتؐ نے اپنی مشہور حدیث منزلت ارشاد

[1] عن مصعب ابن سعد عن ابیه ان رسول الله خرج الی تبوک فاستخلف علیا قال اتخلفنی

فرمایا کہ یا علی اما ترضٰی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی اے علیؓ کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہی درجہ حاصل ہے جو جناب ہارونؑ کو حضرت موسٰیؑ سے تھا۔ بس فرق صرف اسی قدر ہے کہ میرے بعد کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا۔ غرض حضرت رسولؐ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور مقام تبوک میں پہونچے گو یہاں معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہیں تھی۔ تاہم آنحضرتؐ نے بیس دن تک وہاں قیام فرمایا۔ دومۃ الجندل میں جو دمشق سے پانچ منزل پر ہے۔ ایک

(بقیہ حاشیہ ص۷۴)

فی الصبیان والنساء۔ قال الا ترضٰی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لیس نبی بعدی۔ حضرت رسولؐ جب غزوۂ تبوک کے لئے جانے لگے تو حضرت علیؓ کو اپنا خلیفہ بنا گئے جس پر آپ نے عرض کی کیا حضور مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟ حضور نے فرمایا کیا تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو حضرت ہارونؑ کو حضرت موسٰیؑ سے تھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا (صحیح بخاری پ ۱۴ کتاب المناقب ص۳۸۷ و پ ۱۸ کتاب المغازی ص۸۹ وغیرہ) اسکی شرح میں علامہ ابن حجر لکھتے ہیں انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قال لعلی لا بد ان اقیم او تقیم۔ فاقام علی۔ حضرت رسولؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا ضروری ہے کہ یہاں یا میں رہوں یا تم رہو۔ اس پر حضرت علیؓ رہ گئے (فتح الباری پ ۱۴ ص۳۸۵)۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت رسولؐ کی زندگی میں بھی آپ کی جگہ آپ کا کام کرنے والا اور آپ کے فرائض انجام دینے والا حضرت علیؓ کے سوائے کوئی نہیں تھا۔ ورنہ آنحضرتؐ گویا حصر کر کے یہ نہیں فرماتے کہ اس سے چارہ نہیں ہے کہ یا تم رہو یا میں رہوں۔ پھر ممدوح لکھتے ہیں قال معویۃ لسعد ما منعک ان تسب ابا تراب قال اما ما ذکرت ثلاثا قالھن لہ رسول اللہؐ فلن اسبہ فذکر ھذا الحدیث۔ و قولہ لاعطین الرایۃ رجلا یحبہ اللہ و رسولہ۔ وقولہ لما نزلت فقل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم دعا علیا و فاطمۃ والحسن والحسین۔ فقال اللھم ھؤلاء اھلی۔ امیر معاویہ نے سعد صحابی سے دریافت کیا کہ تم علیؓ کو برا کیوں نہیں کہتے؟ انھوں نے جواب دیا کہ جب تک آنحضرتؐ کی تین حدیثیں مجھے یاد رہیں گی اُس وقت تک تو مجھ سے ممکن نہیں کہ حضرت علیؓ کو برا کہوں۔ ایک حدیث منزلت۔ دوسری حدیث رایۃ (جو جنگ خیبر میں حضورؐ نے فرمائی تھی کہ کل میں یہ علم اُس بہادر مرد کو دوں گا)۔ تیسری یہ کہ جب آیت مباہلہ فقل تعالوا ندع

عربی سردار جس کا نام اکیدر تھا قیصر کے زیر اثر رہتا تھا۔ آنحضرتؐ نے خالد کو چار سو کی فوج
کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ خالد نے اس کو گرفتار کیا اور وہ آنحضرتؐ کے

(بقیہ حاشیہ ص۷۵)

ابناء نا و ابناء کم نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ و فاطمہؓ و حسنؓ و حسینؓ کو بلا کر خدا سے عرض کی کہ
اے اللہ میرے اہلبیتؑ بس یہی ہیں۔ پھر علامہ ممدوح لکھتے ہیں واستدل بحدیث الباب علی
استحقاق علیؓ للخلافۃ دون غیرہ من الصحابۃ فان ھارون کان خلیفۃ موسیٰ اس حدیث
منزلت سے اس امر پر استدلال کیا جاتا ہے کہ صحابہ کو خلافت کا حق نہیں تھا۔ اسکے مستحق صرف حضرت
علیؓ تھے اس لئے کہ حضرت ہارون بھی حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ تھے (فتح الباری جلد ۳ ص۳۸۷)
علامہ ابن حجر کے اس قول سے ثابت ہوا کہ علماء اسلام اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس حدیث سے
صاف طور پر حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل متحقق ہوتی ہے۔ یعنی آنحضرتؐ کے بعد ہی خلافت کا حق
حضرت علیؓ ہی کو تھا۔ کسی اور شخص کو یہ حق نہیں تھا۔ یہ دلیل اتنی قوی ہے کہ علامہ ابن حجر نے
خود بھی اس سے اختلاف نہیں کیا۔ نہ اس کے رد کرنے کی کوشش کی۔ البتہ دوسروں نے اس کے متعلق
جو خیال ظاہر کیا تھا اس کو علامہ ممدوح اس طرح نقل کرتے ہیں واجیب بان ھارون لم یکن خلیفۃ
موسیٰ الا فی حیاتہ لا بعد موتہ لو نہ مات قبل موسیٰ باتفاق۔ حضرت علیؑ کی خلافت پر اس
حدیث سے جو استدلال کیا جاتا ہے۔ اس کا جواب بعض لوگوں نے اس طرح دیا ہے کہ حضرت ہارونؑ
حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ انکی زندگی ہی میں تو تھے ان کے بعد نہیں تھے۔ اس لئے کہ جناب ہارونؑ
حضرت موسیٰؑ سے پہلے انتقال کر گئے تھے جس پر سب کا اتفاق ہے (ص۳۸۵)۔ علامہ موصوف نے
اجیب کا لفظ کہہ کر گویا بتایا کہ یہ جواب نہایت لغو اور قابل مضحکہ ہے۔ اسی وجہ سے ممدوح نے جواب
دینے والوں کا نام بھی ذکر نہیں کیا اور اجیب کہہ کر نقل کر دیا۔ اور قاعدہ ہے کہ جو قول بہت کمزور
اور بے حقیقت ہوتا ہے اسکے قائل کا نام نہیں لکھتے بلکہ قیل (کہا گیا ہے) یا اجیب (جواب دیا
گیا ہے) وغیرہ سے اس کو ظاہر کرتے ہیں۔ غرض ان وجوہ سے اس جواب کا ناقابل التفات ہونا
واضح ہے اور استدلال مذکور اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ یہ حدیث منزلت تفسیر و حدیث و سیرۃ و تاریخ
کی بے حد و حساب کتابوں میں مرقوم ہے۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے اس کو
اور زیادہ شاندار الفاظ میں نقل کیا ہے کہ فقال لہ اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ

ساتھ مدینہ آیا۔ ان تمام واقعات میں بھی حضرت عمرؓ کی کسی خدمت کا پتا نہیں مل سکا (طبری جلد ۳ ص۱۴۲۸)۔ حالانکہ یہ معمولی کام تھے۔ ان میں حضرت عمرؓ کو کوئی زحمت بھی نہیں ہوتی۔

(بقیہ حاشیہ ص۷۶)

هارون من موسیٰ الا انه لیس نبی بعدی انه لا ینبغی ان اذهب الا و انت خلیفتی حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ جو مرتبہ جناب ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ سے حاصل تھا وہی درجہ تم کو بھی مجھ سے حاصل ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ میرے بعد پھر کوئی نبی نہیں ہوگا۔ یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ میں جاؤں اور تم میرے خلیفہ نہ ہو (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ ص۲۶)۔ اور علامہ سبط ابن الجوزی نے لکھا ہے فقال الا ترضیٰ ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا النبوة و انت خلیفتی۔ اے علیؑ تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم کو مجھ سے وہی مرتبہ حاصل ہے جو جناب ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ سے تھا سوائے اس کے کہ تم کو نبوت نہیں ملے گی اور میرے خلیفہ تم ہی رہو گے (تذکرہ خواص الامہ ص۱۲)۔ اور علامہ علی متقی نے لکھا ہے قال رسول اللہؐ حین خلفنی علی المدینة خلفتک لتکون خلیفتی حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا میں تم کو اس لئے چھوڑ کر جاتا ہوں کہ تم میرے خلیفہ رہو۔ (کنز العمال جلد ۶ ص۱۵۴)۔ اور امام حاکم نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا فان المدینة لا تصلح الا بی او بک۔ اے علیؑ مدینہ کی حالت یا اس جگہ میرے قیام کرنے سے درست رہیگی یا تمہارے رہنے سے (کسی تیسرے شخص کی حکومت سے امن نہیں رہ سکتا ہے مستدرک جلد ص ـــ)۔ ان عبارتوں کے کسی لفظ سے نہیں ثابت ہوتا کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے اہل و عیال پر خلیفہ مقرر کیا تھا خود حضرت علیؑ نے حضرت رسولؐ سے پوچھا کیا آپ مجھکو لڑکوں اور عورتوں میں چھوڑ کر جاتے ہیں۔ اگر آنحضرتؐ نے آپ کو اپنے اہل و عیال کے لئے اپنا خلیفہ مقرر کیا ہوتا تو حضرتؐ ضرور یہ جواب دیتے کہ ہاں میں تم کو انھیں لوگوں کی نگرانی کے لئے چھوڑے جاتا ہوں لیکن کسی کتاب سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ آنحضرتؐ نے یہ فرمایا ہو بلکہ ارشاد ہوا کیا تم اس پر خوش نہیں ہوتے کہ جو مرتبہ جناب ہارون کو حضرت موسیٰؑ سے تھا وہی تم کو مجھ سے حاصل ہے۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب کی ازالۃ الخفاء کا آخری فقرہ "یہ مناسب نہیں کہ میں جاؤں اور تم میرے خلیفہ نہ ہو"۔ اس بحث پر پوری روشنی ڈالتا اور اس امر میں کوئی شبہہ نہیں چھوڑتا کہ آنحضرتؐ نے جو حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا

واقعہ عقبہ جب حضرت رسولخدا غزوۂ تبوک سے مدینہ کی طرف واپس تشریف لاتے تھے عقبہ فتنی (؟) کا واقعہ پیش آیا۔ حضرت اس گھاٹی پر پہونچے تو رات کا وقت تھا۔ خوب اندھیری چھائی

(بقیہ حاشیہ صلے)

یہ محض اُس وقت یا صرف غزوۂ تبوک کے موقع ہی کے لئے نہیں بلکہ دائمی تھا کہ آنحضرتؐ جب بھی کہیں جائیں حضرت علیؑ ہی آپ کے خلیفہ ہوں (جیسا کہ ہجرت کے موقع پر بھی آنحضرتؐ نے مکہ معظمہ میں حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ معین فرمایا اور حکم دیا کہ آپ ہی حضرتؐ کی جگہ سوئیں اور حضرت کے قرضوں اور امانتوں کو ادا کریں)۔ اور آنحضرتؐ کی حدیث کا آخری جملہ الا انہ لا نبی بعدی (بات یہ ہے کہ میرے بعد کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا) ہمارے اس دعوے کی پوری تائید کرتا ہے کہ اے علیؑ اگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا تو تم نبی ہوتے اور میرے خلیفہ بھی رہتے جیسے حضرت ہارونؑ کو دونوں مرتبہ (نبوت اور حضرت موسےؑ کی خلافت) ملے تھے مگر چونکہ نبوت مجھ پر ختم ہو گئی ہے اب میرے بعد صرف میری خلافت کا درجہ تمہیں حاصل رہے گا۔ غرض آنحضرتؐ کا مقصود صرف آپکی زندگی میں حضرت علیؑ کا خلیفہ رہنا ہوتا تو حضرت نبیؐ لا نبی بعدی نہیں فرماتے مگر حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کو صرف اپنی زندگی میں نہیں بلکہ اپنے بعد کے لئے بھی اپنا خلیفہ مقرر فرما دیا تھا۔ اس وجہ سے اپنے بعد کی حالت واضح فرما دی کہ اے علیؑ تم میرے بعد خلیفہ ہوگے لیکن میرے بعد نبی نہیں ہوگے۔ اور قرآن مجید سے ثابت ہے کہ جناب ہارون کو بھی حضرت موسےٰؑ کی خلافت آپکے اہل و عیال میں نہیں بلکہ حضرتؑ کی کل امت میں حاصل تھی۔ ارشاد باری ہے قال موسےٰ لاخیہ ھارون اخلفنی فی قومی واصلح ولا تتبع سبیل المفسدین۔ حضرت موسےٰ نے اپنے بھائی جناب ہارون سے فرمایا میری امت میں تم میرے خلیفہ رہو۔ اور اصلاح کرو اور فساد کرنے والوں سے نہ ہونا (پ۹ سورہ اعراف آیت ۱۴۲)۔ رہا یہ شبہ کہ حضرت ہارونؑ تو حضرت موسےٰؑ کی زندگی ہی میں مر گئے۔ حضرت موسےٰؑ کے بعد کی خلافت آپکو ملی ہی نہیں۔ اسی طرح حضرت علیؑ کو بھی آنحضرتؐ کے بعد خلافت نہیں ملنی چاہیئے۔ تو اسکی حقیقت یہ ہے کہ خود قرآن مجید سے واضح ہے کہ جناب ہارونؑ کو حضرت موسےٰؑ کی خلافت کا استحقاق علے الاطلاق بغیر کسی زمانہ کی تخصیص کے حاصل ہوا۔ اگر جناب ہارونؑ زندہ رہتے تو حضرت موسےٰؑ کے بعد یقیناً وہی خلیفہ ہوتے۔ اسی طرح حضرت رسولخدا کے بعد حضرت علیؑ زندہ رہے تو آپ ہی حضرتؐ کے خلیفہ ہو سکتے ہیں نہ کوئی اور شخص۔

تھی۔ حضرتؐ نے حکم دیا کہ ایک منادی پکار کر کل ساتھیوں سے کہہ دے کہ جب تک حضرت رسولؐ اس گھاٹی سے نہ گزر جائیں کوئی شخص اس پر نہ جائے۔ اس اعلان کے بعد حضرتؐ اونٹ پر سوار ہو کر آگے بڑھے۔ ایک صحابی حذیفہ بن الیمان حضرتؐ کے اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھے۔ حذیفہ کا بیان ہے کہ اس اثنا میں بجلی چمکی تو اسکی روشنی میں ۱۲ یا ۱۴ سوار کو میں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ کی سواری کی طرف بڑھے اور چاہا کہ حضرتؐ پر حملہ کر کے آپ کو ہلاک کر دیں۔ یہ کل منافقین صحابہ سے تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۸)

ہاں جس طرح حضرت موسےٰؑ کے سامنے جناب ہارون انتقال کر گئے اگر آنحضرتؐ کے سامنے حضرت علیؑ بھی رحلت کر جاتے تو البتہ آپ کے عوض دوسرا شخص آنحضرتؐ کا خلیفہ ہو سکتا تھا۔ اگر جناب ہارون حضرت موسےٰ کی زندگی میں انتقال نہ کرتے بلکہ آپ کے بعد زندہ رہتے تو کیا آپ کے سوا کوئی شخص حضرت موسیٰؑ کا خلیفہ ہوتا اور اسکی خلافت صحیح سمجھی جاتی؟ ہر شخص کہے گا کہ نہیں جناب ہارون کے رہتے دوسرا شخص حضرت موسےٰؑ کا خلیفہ نہیں ہو سکتا تھا۔ بس اسی طرح حضرت علیؑ کے رہتے حضرت رسولخدا کا خلیفہ بھی دوسرا شخص نہیں ہو سکتا۔ اور روایت کا یہ جزو کہ لا ینبغی ان اذھب الا وانت خلیفتی یہ مناسب نہیں کہ میں جاؤں اور تم میرے خلیفہ نہ ہو بھی عام ہے خواہ مدینہ سے جانا ہو یا دنیا سے انتقال کرنا کیونکہ آنحضرتؐ نے مدینہ سے جانے کی کوئی خصوصیت ذکر نہیں کی۔ ان تمام وجوہ سے ماننا پڑے گا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ جب کبھی میں تم کو چھوڑ کر کہیں جاؤں گا تم ہی کو میرا خلیفہ ہونا ضروری ہے۔ اسکے خلاف کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ میں کہیں جاؤں یا دنیا سے اُٹھوں اور تم میرے خلیفہ نہ ہو۔ اسکے بعد آنحضرتؐ نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک اپنے ان ارشادات کے خلاف کوئی بات نہیں فرمائی۔ اس وجہ سے یہ یقینی ہے کہ حضرتؐ کا یہ قول بھی منسوخ نہیں سمجھا جا سکتا اور آنحضرتؐ کے بعد ان سب منصوصات کا تعلق ویسا ہی قائم رہا جیسا کہ آنحضرتؐ کی زندگی میں تھا۔ بعض یوروپین مورخ (مثلاً ایرونگ) نے لکھا ہے کہ اس حدیث منزلت کا مطلب یہی تھا اور اکثر نے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ آنحضرتؐ نے طے کر لیا تھا کہ حضرت علیؑ ہی کو اپنا خلیفہ اور امت کا ہادی مقرر کریں۔ اسی موقع کے متعلق یہ چند شعر بھی کہے گئے ہیں ؎

علیؑ را چنیں گفت خیر الانام :. کہ اے کردہ در کار دیں اہتمام
ترا از من آں منزلت شد پدید :. کہ نسبت ز ہارون بموسیٰؑ رسید
مگر آں کہ نبود پس از من نبی :. نبوت ز مردم شود اجنبی (حبیب السیر)

مگر خدا نے جناب جبرئیل کو بھیجکر ان دشمنوں کے ارادہ سے آنحضرتؐ کو مطلع کردیا اور حضرتؐ ان کے شر سے محفوظ رہے (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۴۲ وغیرہ)۔ افسوس مورخین نے ان لوگوں کا نام نہیں لکھا جن کا ذکر آنحضرتؐ نے کیا تھا۔ حالانکہ یہ اسلام کی ضروری خدمت تھی کہ معلوم ہوتا کن لوگوں نے آنحضرتؐ کو ختم کردینے کی کوشش کی مگر یہ یقینی ہے کہ وہ منافقین وہی حضرتؐ کے دوست نما دشمن تھے جو دل سے اسلام کے خلاف رہتے اور جو آنحضرت صلعم کے ساتھ ہر غزوہ میں جاتے تو تھے لیکن نہ جہاد کرتے نہ کسی کافر کو قتل یا گرفتار کرتے بلکہ آرام سے بیٹھے رہتے یا کفار کی مدح وثنا کے پل باندھکر آنحضرتؐ کو اور پریشان کرتے رہتے تھے [1]

[1] آنحضرتؐ نے ان منافقین کے نام اپنے مشہور صحابی حذیفہ کو بتا دیئے تھے مگر یہ بھی تاکید کردی تھی کہ انکو پوشیدہ رکھنا اور صحابہ کو فضیحت نہ کرنا لیکن معلوم نہیں کیوں حضرت عمر کو اسکی خاص فکر پیدا ہوئی کہ ان لوگوں کے نام معلوم کریں۔ آپکو خوف ہوا کہ آنحضرتؐ نے شائد ان کو بھی انھیں لوگوں میں نہ سمجھا ہو جو حضرتؐ کو ہلاک کرنا چاہتے تھے۔ بعض علماء نے لکھا ہے "چندگاہ امیرالمومنین عمرؓ می آمد او را سوگند می داد کہ در آں زماں کہ آں سرورؐ ذکر منافقان می کرد عمر را در آں میان ذکر کرد۔ کئی مرتبہ حضرت عمر جناب حذیفہ کے پاس آتے اور پوچھتے رہے کہ اُس زمانہ میں رسول خداؐ نے جن منافقوں کا ذکر کیا تھا ان میں عمر کا نام بھی لیا تھا (معارج النبوۃ رکن ۴ صفحہ ۳۰ وغیرہ) مگر حذیفہ برابر ٹالتے رہتے تھے۔ آخر حضرت عمر کو خود ہی اس امر کا اقرار کرلینا پڑا۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں من روایتہ قول عمر یا حذیفۃ باللہ انا من المنافقین۔ زید بن وہب جو تابعین کے سب سے جلیل الشان لوگوں اور ان کے معتمد علیہ حضرات میں ہیں روایت کرتے تھے کہ حضرت عمر نے خود قسم کھاکر فرمایا اے حذیفہ خدا کی قسم میں بھی منافقین سے ہوں (میزان الاعتدال ترجمہ زید بن وہب مطبوعہ لکھنؤ جلد ۱ صفحہ ۳۲۶) حضرت ممدوح کا اس قسم کا قول متعدد کتابوں میں ملتا ہے[م] عن عمر بن الخطاب قال نصب رسول اللہؐ علیا علما فقال من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ واخذل من خذلہ وانصر من نصرہ اللھم انت شہیدی علیھم۔ قال وکان فی جنبی شاب حسن الوجہ طیب الریح فقال لی یا عمر لقد عقد رسول اللہؐ عقدا لا یحلہ الا منافق فاحذر ان تحلہ قال عمر فقلت یا رسول اللہ انک حیث قلت فی علیؑ کان فی جنبی شاب حسن الوجہ طیب الریح قال نعم یا عمر انہ لیس من ولد آدم لکنہ جبرئیل اراد ان یؤکد علیکم ما قلتہ فی علی۔ حضرت عمر بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کو امام وپیشوا مقرر کرکے اعلان کردیا کہ جس کا میں مولا تھا اب اس کا مولا علیؑ ہیں۔

[م] ایک اور موقع کی حالت ممدوح خود اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

مسجد ضرار کا ہدم | غزوۂ تبوک سے واپسی کے وقت مسجد ضرار کے گرا دینے کا واقعہ پیش آیا۔ ایک شخص ابو عامر نے مدینہ کے منافقین کو آمادہ کیا کہ مسجد قبا کے مقابلہ میں ایک مسجد بناؤ کہ ہم لوگ اپنے امور اسی میں انجام دیا کریں

(بقیہ حاشیہ ص۸۰)

اے خدا جو شخص ان کو اپنا مولا سمجھے اُس کو تو دوست رکھ اور جو ان سے دشمنی کرے تو اس کو دشمن رکھ۔ جو ان کو چھوڑ دے اس کو تو بھی چھوڑ دے اور جو انکی مدد کرے اس کی تو بھی مدد کر۔ اے اللہ اس بات میں تو ہی ان لوگوں پر میرا گواہ رہنا۔ حضرت عمر کہتے تھے اس وقت میرے بغل میں ایک خوبصورت اور خوشبو دار جوان تھا اُس نے مجھ سے کہا اے عمر حضرت رسولخدا نے ایک ایسی گرہ باندھ دی ہے جس کو وہی شخص کھول دے گا جو منافق ہوگا تم ڈرو کہیں تم ہی اس خلافت کی گرہ کھولنے کا کام نہ انجام دو۔ حضرت عمر کہتے تھے کہ یہ سن کر میں حضرت رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے رسولؐ جب آپ علیؑ کے بارے میں وہ حکم دے رہے تھے میرے بغل میں ایک جوان خوبصورت اچھی خوشبو والا تھا۔ حضرتؐ نے فرمایا ہاں اے عمر (مجھے بھی معلوم ہے) لیکن وہ آدمی نہیں بلکہ جناب جبرئیل تھے۔ انھوں نے چاہا کہ میں نے علیؑ (کی خلافۃ) کے بارے میں جو کہا ہے اُس کے [illegible] میں تم پر تاکید کر دیں (مودۃ القربیٰ طبع بمبئی ص۱۶)

اور جناب محقق دہلوی شیخ عبدالحق صاحب نے لکھا ہے قیل لحذیفۃ کیف عرفت امر المنافقین ولم یعرفہ ابوبکر ولا عمر۔ قال انی کنت اسیر خلف رسول اللہ فنام علی راحلتہ فسمعت اناسا منھم یقولون لو طرحناہ عن [illegible] فدقت عنقہ فاسترحنا منہ فسرت بینھم و بینہ و جعلت ارفع صوتی فانتبہ فقال من [illegible]۔ فقلت حذیفۃ۔ قال من اولئک۔ قلت فلان وفلان حتی عددا سمائھم قال ھم منافقون لا تخبرن احدا۔ وجاء عن نافع بن جبیر قال لم یخبر رسول اللہ صلی اللہ باسماء المنافقین الذین نخسوا لیلۃ العقبہ غیر حذیفۃ۔ لوگوں نے حذیفہ سے پوچھا تم کو منافقین کا حال کیسے معلوم ہو گیا حالانکہ جناب ابوبکر و عمر کو نہیں معلوم ہو سکا۔ انھوں نے کہا میں شب عقبہ رسولؐ کی سواری کے پیچھے چلتا تھا اور حضرتؐ کو نیند آگئی تھی تو میں نے سُنا کہ کچھ صحابہ کہتے ہیں آؤ ہم لوگ رسولؐ کو اونٹ سے گرا دیں کہ انکی گردن ٹوٹ جائے اور ہم لوگوں کو ان سے نجات ملے۔ یہ سن کر میں ان کے درمیان پہونچ گیا اور زور زور سے باتیں کرنے لگا جس پر حضرتؐ بیدار ہو گئے اور پوچھا کون ہے میں نے عرض کی حذیفہ۔ پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ میں نے سب کے نام عرض کئے۔ حضرتؐ نے فرمایا یہ سب منافق ہیں مگر تم کسی کو ان کے نام نہ بتانا۔ اور نافع کہتے تھے کہ رسولؐ نے حذیفہ کے سوا اور کسی

ان لوگوں نے ایک بہت مضبوط مسجد تیار کر لی۔ جب حضرتؐ غزوۂ تبوک کے لئے جانے لگے تو ان منافقوں نے دھوکے کے طور پر عرض کی کہ آپ اس نئی مسجد میں نماز پڑھا دیں تو یہ مقبول ہو جائے حضرتؐ نے فرمایا اس وقت میں ایک مہم پر جاتا ہوں۔ واپسی پر ان منافقین نے پھر درخواست کی اسی وقت جناب جبرئیلؑ یہ آیۃ لائے "والذین اتخذوا مسجدا ضرارا"۔ اس پر آنحضرتؐ نے مالک ابن دخشم بن عدی کو بھیجا۔ انھوں نے جاکر اس مسجد ضرار کو گرا دیا اور وہ جگہ برباد کر دی گئی۔ اس خدمت میں بھی حضرت عمر کی کسی شرکت کا پتا نہیں ملا (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۴۷)

سریۂ وادی الرمل آنحضرتؐ کو خبر ملی کہ وادی الرمل میں کچھ لوگ اکٹھے ہوئے ہیں کہ مدینہ پر حملہ کریں۔ آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر کو علم دے کر ایک لشکر روانہ کر دیا۔ حضرت ابوبکر نے وہاں جاکر ان پر قبضہ کرنا چاہا مگر مخالفین دفعۃً باہر نکل پڑے اور اس زور کی جنگ شروع کر دی کہ حضرت ابوبکر کو سخت شکست ہوئی۔ بہت سے مسلمان مارے گئے اور باقی مدینہ بھاگ آئے۔ تب حضرت عمر کو علم دے کر اور فوج کا سردار بنا کر بھیجا۔ جب ممدوح اس وادی کے قریب پہونچے تو دشمنوں نے کمین گاہ سے نکل کر مسلمانوں پر پھر زور کا حملہ کیا۔ اہل اسلام کسی طرح مقابلہ نہ کر سکے اور پھر سب کے سب شکست کھا کر واپس آئے۔ اس کے بعد عمرو عاص نے خواہش کی کہ حضور مجھے حکم ہو جاکر ان کا کام تمام کر دوں آنحضرتؐ راضی ہو گئے اور مسلمانوں کو ان کے ماتحت کر کے پھر وادی الرمل کی طرف روانہ کر دیا۔ یہ سب گئے۔ لڑائی ہوئی مگر حضرت اول و دوم کی طرح یہ بھی شکست کھا کر واپس آئے۔ اس دفعہ بھی کئی مسلمان مارے گئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۱)

صحابی کو ان منافقین کے نام نہیں بتائے جنھوں نے شب عقبہ حضرت کو ہلاک کرنا چاہا "وکان عمر یسأل حذیفۃ عن حدیث العقبۃ ویسأله عن علامات النفاق هل یری فیه شیئا منه"۔ حضرت عمر جناب حذیفہ سے عقبہ کی حدیث پوچھا کرتے اور یہ بھی دریافت کرتے کہ اے حذیفہ مجھ میں بھی تم نفاق کی کوئی علامت پاتے ہو؟ (اسماء الرجال قلمی ورق ۴۷) یہ عجیب اور نہایت حیرت ناک امر ہے کہ حذیفہ سے اس قدر اصرار کرنے پر بھی انھوں نے یہ نہیں کہا کہ اے عمر رسول صلعم نے منافقین میں آپ کا نام نہیں لیا تھا اور آپ میں نفاق کی کوئی علامت بھی نہیں ہے۔ معلوم نہیں اسلام کے اس درجہ معتبر اور مشہور مصنفین نے ایسی روایتیں اپنی کتابوں میں کیوں لکھ دیں۔ ان چیزوں سے چشم پوشی کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ اس زمانہ میں حضرت عمر کے مخالفین ان امور سے عجیب غریب نتائج پیدا کرتے رہتے ہیں ۱۲ منہ

جب اس طرح کئی روز تک مسلمانوں کو ہزیمت اُٹھانی پڑی۔ اہل اسلام کا معاملہ نازک اور دشمنوں کا دل قوی ہو گیا تو حضرت رسولؐ کو تردد ہوا۔ آخر حضرتؐ نے جناب امیرؑ کو عَلَم عنایت فرما کر اور مسلمانوں کو آپ کے ساتھ کرکے روانہ کیا پھر آسمان کی طرف ہاتھ اوٹھا کر حضرتؑ کے لئے دعا کی اور مسجد احزاب تک ساتھ رخصت کرنے کو تشریف لے گئے۔ اس دفعہ حضرت ابوبکر و عمر و عمرو عاص بھی جناب امیرؑ کے ماتحت بھیجے گئے۔ اور ان سب کو حکم دیا گیا کہ سب علیؑ کی اطاعت کریں۔ حضرت علیؑ نئی راہ سے روانہ ہوئے اور جب وادی الرمل قریب ہوا اُس طرف مُڑ گئے۔ حضرتؑ نے کمال احتیاط برتی کہ دشمن کسی طرح قابو سے باہر نہ ہو جائے۔ رات بھر چلتے اور صبح ہوتے ہی کسی مقام پر آرام کے لئے ٹھہر جاتے۔ جب دشمنوں کے قریب پہنچ گئے تو حکم دیا کہ فوج آہستہ آہستہ چلے اور خود آگے بڑھے۔ ان تدبیروں سے عمرو عاص کو اندازہ مل گیا کہ اس دفعہ ضرور مسلمانوں کی فتح ہو جائیگی۔ اور حضرت علی کامیاب واپس ہوں گے جس سے ان لوگوں کی ذلت ہوگی۔ اسوجہ سے حضرت ابوبکر و عمر کو بہکانے لگے کہ اس راہ میں بڑے خطرے ہیں۔ بہتر ہے کہ ہم لوگ وادی کے اوپر سے دشمنوں پر رات کے وقت حملہ کر دیں۔ یہ جادو حضرت ابوبکر و عمر پر چل گیا۔ دونوں صاحبوں نے کہا ہاں تمہاری رائے درست ہے۔ پھر دونوں نے حضرت علیؑ سے یہ تجویز پیش کرکے کہا کہ اس کے مطابق جنگ کی جائے مگر حضرت علیؑ یہ چالاکی سمجھ گئے اور انکار کر دیا۔ تب عمرو عاص نے فوج کو بھڑکانا چاہا اور کہا تم لوگ اپنی جان کیوں ہلاکت میں ڈالو۔ وادی کے اوپر سے چلو کہ وہ محفوظ راہ ہے مگر لشکر نے جواب دیا کہ حضرت رسولؐ نے ہم کو حضرت علیؑ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اس کے خلاف کیونکر کریں۔ غرض حضرت علیؑ اسی راہ چلتے ہوئے صبح ہوتے دشمنوں کے سر پر پہنچ گئے اور ان کو ہر طرح زیر کر دیا۔ سب بھاگ گئے اور حضرت علیؑ فتح کی خوش خبری لے کر واپس ہوئے۔ جب آنحضرتؐ کو آپ کے تشریف لانے کی خبر ملی تو استقبال کے لئے بڑھے۔ جب حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ کو دیکھا تو سواری سے اُتر پڑے مگر آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ سوار ہو کہ خدا و رسولؐ تم سے راضی ہیں۔ اس پر حضرت علیؑ رونے لگے۔ مورخین نے یہ اشعار بھی لکھے ہیں ؎

چنیں گفت آں روز خیر الانام :: کہ اندیشہ دارم ز بعضے مہام
دگر نہ مدیحے ز قدر علیؑ :: گفتم از غایت یک دلی
کہ بر ہر کہ کردے زامت گزر :: نہادے بجائے قدمہاش سر
ز خاک قدمہاش بردا شتے :: ازاں آبروے دگر داشتے

(حبیب السیر و معارج النبوۃ وغیرہ)

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ بعد غزوۂ تبوک عمرو بن معدی کرب نے یمن میں فساد کیا۔ اسکی خبر آنحضرتؐ

کو ہوئی تو حضرت علیؑ کے ماتحت ایک فوج بھیج دی اور خالد کو ایک لشکر کے ساتھ اعراب جعفی پر روانہ کر کے فرمایا جب دونوں لشکر اکٹھے ہوں تو دونوں کے سردار علیؑ ہی رہیں۔ عمرو بن معدی کرب حضرت علیؑ کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکا بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت علیؑ کے واپس آنے پر پھر آنحضرتؐ نے فرمایا انہ منی و انا منہ۔ یقیناً علیؑ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں (روضۃ الاحباب وحبیب السیر وغیرہ)۔ اس واقعہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں۔

سریہ حضرت علیؑ سنہ ۱۰ھ میں آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو یمن بھیجا۔ آپ سے پہلے خالد کو بھیج چکے تھے کہ اہل یمن کو اسلام کی طرف بلائیں مگر چھ مہینے تک بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ حضرت علیؑ نے وہاں پہونچ کر اہل یمن کو آنحضرتؐ کا خط سنایا فاسلمت ھمدان کلہا فی یوم واحد فکتب ذلک الی رسول اللہ فقال السلام علی ھمدان ثم تتابع اھل الیمن علی الاسلام وکتب بذلک الی رسول اللہ فسجد شکر اللہ۔ جس وقت جناب امیر نے آنحضرتؐ کا خط پڑھ کر یمن والوں کو سنایا تو ایک ہی دن میں پورا قبیلۂ ہمدان مسلمان ہو گیا۔ حضرت علیؑ نے یہ خوش خبری آنحضرتؐ کو لکھ بھیجی تو حضرتؐ کو اتنی مسرت ہوئی کہ فرمایا قبیلۂ ہمدان پر سلام ہو۔ اس کے بعد اہل یمن پے درپے اسلام میں داخل ہونے لگے حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ کو اس بات کی خبر بھی لکھ بھیجی۔ جب آنحضرتؐ نے سُنا تو فرط مسرت میں سجدۂ شکر ادا کیا اور بار بار فرمایا السلام علی ھمدان۔ قبیلہ ہمدان پر سلام ہو۔ قبیلۂ ہمدان پر سلام ہو (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۹ وکامل جلد ۲ صفحہ ۱۱۵ وغیرہ)۔ اس واقعہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں ہے۔

مورخین نے لکھا ہے قال کعب الاحبار لما قدم علیؑ الیمن لقیتہ فقلت لہ اخبرنی عن صفۃ رسول اللہ فجعل یخبرنی عنہا وجعلت اتبسم۔ فقال لی مم تبسم۔ قلت مما یوافق ما عندنا فی صفتہ وقلت ما یحل وما یحرم فاخبرنی۔ فقلت ھو عندنا کما وصفت وصدقت برسول اللہ وآمنت بہ ودعوت من قبلنا من الاحبار و اخرجت الیھم سفرا قلت ھذا کتاب الہی جمۃ علی ویقول لو تفتحہ حتے تسمع بنبی یخرج بیثرب قال فاقمت علے اسلامی بالیمن۔ کعب الاحبار بیان کرتے تھے کہ جب حضرت علیؑ یمن میں تشریف لائے تو میں حضرتؑ سے ملا اور عرض کی آپ مجھ سے رسول خدا کی صفت بیان کریں۔ حضرت علیؑ بیان کرتے جاتے اور میں مسکراتا جاتا تھا۔ اس پر حضرتؑ نے پوچھا کس بات پر تم تبسم کرتے ہو؟ میں نے کہا اس پر کہ آپ جو بیان کرتے ہیں سب ان اوصاف کے مطابق ہے جو ہماری کتابوں میں حضرتؐ کے متعلق لکھے ہوئے ہیں۔ پھر میں نے پوچھا حلال

باتیں کیا ہیں اور حرام کیا ہیں۔ حضرت علیؓ نے یہ سب بھی اچھی طرح بتا دیں۔ میں نے کہا یہ سب بھی بالکل اس کے مطابق ہیں جو ہماری کتابوں میں ہیں۔ اس کے بعد میں نے حضرت رسولؐ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لایا۔ پھر میرے ملنے والے جو علماء یہود تھے ان سب کو اسلام کی طرف بلایا اور ایک کتاب نکال کر ان کو دکھائی اور کہا میرے والد نے یہ کتاب مہر کرکے مجھے دی تھی اور کہا تھا اس کو کبھی نہ کھولنا۔ البتہ جب سُنو کہ مدینہ میں کوئی نبی نکلے ہیں تو کھول کر اس پر عمل کرنا۔ غرض میں مسلمان ہو کر یمن ہی میں رہا یہاں تک کہ حضرت رسولؐ نے انتقال فرمایا (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۱۱)۔ حضرت رسولؐ کے کل غزوات و سرایا کے حالات کا بیان کرنا طوالت کا سبب ہوگا جو مشہور اور مہتم بالشان تھے اُن کا مختصر ذکر کیا گیا۔

فضائل جہاد و مجاہدین

چونکہ مذہب اسلام اور اس کے قبول کرنے والوں کے مخالف مشرکین و یہود و نصاریٰ سب عرب سب ہی تھے اور وہ اس دین کے مٹانے کی پوری کوشش کرتے تھے اس وجہ سے حفاظت خود اختیاری ضروری تھی۔ اسی سبب سے خدا نے ہر مسلمان پر جہاد کرنا (یعنی دشمنوں کے حملوں کو روک کر اسلام و مسلمین کو بچانا) واجب اور اس فریضہ کو بھی نماز روزہ کی طرح اہم قرار دیا اس لئے کہ اگر مسلمان اپنے دشمنوں سے جہاد نہ کرتے تو نہ وہی دنیا میں رہ سکتے۔ نہ اسلام ہی باقی رہتا۔ ان وجوہ سے قرآن مجید میں بار بار فرمایا ہے کہ تم لوگ جہاد کرو۔ لڑو۔ قتال کرو۔ مثلاً کتب علیکم القتال مسلمانو! تم پر جہاد فرض کر دیا گیا (پ ۲ ع ۱۰) و قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یشرون الحیوۃ الدنیا بالاخرۃ و من یقاتل فی سبیل اللہ فیقتل او یغلب فسوف نؤتیہ اجراً عظیما۔ جو لوگ دنیا کی زندگی (جان تک) آخرت کے لئے دے ڈالنے کو موجود ہیں ان کو خدا کی راہ میں جہاد کرنا چاہئے اور جس نے خدا کی راہ میں جہاد کیا پھر شہید ہوا یا غالب ہوا (دونوں حالتوں میں) ہم بہت جلد اس کو بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔ و ما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ۔ مسلمانو! تم کو کیا ہو گیا ہے کہ خدا کی راہ میں جہاد نہیں کرتے (پ ۵ ع ۷) فقاتل فی سبیل اللہ ... وحرض المؤمنین عسی اللہ ان یکف باس الذین کفروا۔ خدا کی راہ میں جہاد کرو ... اور مومنین کو جہاد پر آمادہ کرو۔ عنقریب خدا کافروں کی ہیبت روک دے گا (پ ۵ ع ۸) و جاھدوا فی سبیلہ۔ ایمان والو! خدا کی راہ میں جہاد کرو تاکہ کامیاب ہو جاؤ (پ ۶ ع ۹) و قاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ مشرکین جس طرح تم سے سب کے سب مل کر لڑتے ہیں تم بھی اسی طرح سب کے سب مل کر ان سے لڑو۔

مسلمانو! خدا کی راہ میں جہاد کرتے رہو (پ ۱۰ ع ۱۴) فلیقاتل

(پ۱۱-ع۱۱) قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم غلظۃ - اے ایمان والو کفار سے جو لوگ تمہارے قریب کے ہیں لڑو اس طرح کہ وہ تم کو اپنے لئے سخت پائیں (پ۱۱ ع۵) وجاھدوا فی اللہ حق جہادہ اور جہاد کرنے کا جو حق ہے ویسا ہی جہاد خدا کی راہ میں کرتے رہو (پ۱۷-ع۱۷)- فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء - جب تم کافروں سے بھڑو تو انکی گردنیں مارو یہاں تک کہ تم انہیں زخموں سے چور کر ڈالو تو انکی مشکیں کس لو پھر اس کے بعد یا احسان رکھکر چھوڑ دو یا معاوضہ لے کر رہا کردو (پ۲۶-ع۷)- اسی طرح بہت کثرت سے آیات فضائل وعدجات ہیں - جہاد کے فضائل کی حدیثیں بھی بہت ہیں مثلاً ان فی الجنۃ مائۃ درجۃ اعدھا اللہ للمجاھدین فی سبیل اللہ - بہشت میں سو درجے ہیں جو خدا نے ان لوگوں کے لئے مہیا کر رکھے ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں (صحیح بخاری پ۱۱ ص۲۹) مثل المجاھد فی سبیل اللہ کمثل الصائم القائم القانت بآیات اللہ لا یفتر من صیام ولا صلوۃ حتی یرجع المجاھد فی سبیل اللہ - جو شخص خدا کی راہ میں جہاد کرتا ہے اس کی مثال اس شخص کی ہے جو روزہ رکھنے والا - شب بھر عبادت خدا کرنے والا - اور برابر آیات خدا کی تلاوت کرنے والا ہو - جو اپنے روزوں اور نمازوں سے نہیں تھکتا یہاں تک کہ جہاد کرنے والا لڑ کر اپنی جگہ واپس آجائے (مشکوۃ جلد ۵ ص۶۹) قال رسول اللہ من مات ولم یغز ولم یحدث بہ نفسہ مات علی شعبۃ من نفاق - جو شخص اس طرح دنیا سے اُٹھے کہ اس نے جہاد نہیں کیا ہو - نہ اس کا ارادہ کیا ہو وہ ایک طرح منافق مرے گا (مشکوۃ جلد ۵ ص۷۲) حضرت رسولؐ سے پوچھا گیا سب سے افضل عمل کیا ہے؟ فرمایا ایمان لا شک فیہ وجہاد لاغلول فیہ وحجۃ مبرورۃ - وہ ایمان جس میں کبھی شک نہ ہو - وہ جہاد جس میں خیانت نہ ہو اور حج مقبول (مشکوۃ جلد ۵ ص۷۲) قال رسول اللہ ان ابواب الجنۃ تحت ظلال السیوف - حضرت رسولؐ نے فرمایا یقیناً بہشت کے دروازے تلواروں کے سایہ میں ہیں (ص۷۵) - آس کو بھی آنحضرتؐ نے متعدد حدیثوں میں واضح کر دیا ہے کہ جو لوگ جہاد کے لئے جائیں انکی نیت اگر واقعاً لڑنا اور دشمنوں سے اسلام ومسلمین کی حفاظت ہوگی تب وہ مجاہدین کا ثواب پائیں گے لیکن اگر وہ کسی اور غرض سے شریک ہوئے ہیں تو اس اجر سے محروم رکھے جائیں گے - چنانچہ صاف مرقوم ہے ان رجلا قال یا رسول اللہ رجل یرید الجہاد فی سبیل اللہ وھو یبتغی عرضا من عرض الدنیا فقال النبیؐ لا اجر لہ - ایک شخص نے عرض کی اے رسولؐ خدا ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے جانا چاہتا ہے مگر اس سے اس کی غرض دنیا کی تحصیل ہے - حضرتؐ نے

فرمایا اس کو آخرت کا کوئی اجر نہیں مل سکتا (مشکوۃ جلد ۵ صفحہ ۳) ۔اس سے واضح ہوا کہ عہد رسولؐ میں ایسے لوگ بھی تھے جو جہادوں میں آنحضرتؐ کے ساتھ جاتے تو تھے ۔ مگر نہ لڑتے تھے ۔ نہ کسی کو قتل کرتے تھے بلکہ اس انتظار میں رہتے تھے کہ مال غنیمت کی تقسیم کا وقت آئے تو ہم بھی حصہ لینے کو حاضر خدمت ہوں وہی مذکور بالا حدیث کے مصداق ہیں۔

پانچویں فصل

سورہ برارۃ کی تبلیغ سے معزولی

سنہ ۹ ہجری کے آخر میں حضرت رسولخدا نے حضرت ابوبکر کو حاجیوں کا امیر مقرر کرکے مکہ معظمہ بھیجا مگر بحکم خدا کے حکم سے آپ کو اس عہدہ سے معزول کردیا۔ اس واقعہ کی تفصیل حضرت ابوبکر کی سوانح عمری میں لکھی گئی ہے مگر چونکہ حضرت عمر بھی اس سے معزول کئے گئے اس سبب سے اس کا مختصر ذکر بھی ضروری ہوا ۔جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے لکھا ہے عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ بعث ابا بکر و عمر ببراءۃ الی اهل مکة فانطلقا فاذا هما براکب فقالا من هذا قال انا علی قال والله ماعلمت الاخیرا فاخذ علی الکتاب فذهب به ورجع ابو بکر و عمر الی المدینة فقالا مالنا یارسول الله ۔ فقال مالکما الاخیر و لکن قیل لی انه لا یبلغ عنک الا انت او رجل منک اخرجه الحاکم ۔حضرت عبد اللہ بن عمر بیان کرتے تھے کہ آنحضرت رسولؐ نے حضرت ابوبکر و عمر کو سورہ براءۃ لیکر مکہ والوں کی طرف بھیجا ۔وہ دونوں روانہ ہوگئے مگر ابھی راستے ہی میں تھے کہ اونٹ پر ایک شخص ان سے آکر ملا ۔ان دونوں صاحبوں نے پوچھا کون ؟ سوار نے کہا میں ہوں علیؑ۔ حضرت ابوبکر بولے خدا کی قسم میں نے (علیؑ کو دیکھکر) بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں جانا مگر حضرت علیؑ وہ سورہ ان دونوں صاحبوں سے لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوگئے ۔ ادھر حضرت ابوبکر و عمر مدینہ کی طرف پلٹ آئے اور دونوں نے آنحضرتؐ سے عرض کی اے رسولخدا ہم نے کیا قصور کیا (کہ اس شرف سے محروم کردیئے گئے) ؟ حضرتؐ نے فرمایا تم لوگوں کا کچھ حرج نہیں ہے خیر ہی خیر ہے لیکن مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اس سورہ کو سوائے میرے اور اُس شخص کے جو مجھ ہی سے ہو اور کوئی نہیں پہونچا سکتا (قرۃ العینین صفحہ ۲۳۴) یہ امر قابل غور و تدبر ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم پر خدا نے یہ اعتراض کیوں کیا کہ تم نے ابوبکر و عمر کو کیوں بھیج دیا؟ سورہ کی تبلیغ یا تم کرسکتے ہو یا وہ شخص جو تم ہی سے ہو اس سے یہ تو ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر و عمر حضرت رسولخدا سے نہیں تھے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت

علیؑ حضرت رسولخدا صلعم ہی سے تھے۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح ہوا کہ ایک سورہ کی تبلیغ کی خدمت بھی
جو حضرت ابوبکر و عمر کے سپرد کی گئی خدا کو پسند نہیں ہوئی اور اس نے اس خدمت سے ان حضرات کا
معزول کر دینا ضروری سمجھا۔ اور اسکی وجہ سے ان حضرات کو جو صدمہ ہوا اسکی پروا بھی نہیں کی یہاں
تک کہ حضرت ابوبکر تو آکر خدمت رسولؐ نے میں رونے بھی لگے۔ خود آپکی عبارت سنو۔ عن ابی بکر
ان النبیؐ بعثہ ببراءۃ الیٰ اھل مکۃ فسار بھا ثلثا ثم قال لعلی الحقہ فرد علی ابی بکر و
بلغہا انت فلما قدم ابوبکر بکےٰ۔ فقال یا رسول اللہ حدث فی شئ وقال ما حدث فیک الا
خیر ولکن امرت ان لا یبلغہ الا انا او رجل منی۔ حضرت ابوبکر بیان کرتے تھے کہ ان کو حضرت
رسولؐ نے سورہ برارۃ لے کر اہل مکہ کی طرف بھیجا وہ اس کو لے کر روانہ ہوئے تو تین دن بعد آنحضرتؐ
نے حضرت علیؑ سے فرمایا تم جلد جاکر راہ ہی میں ابوبکر سے ملو اور انھیں میرے پاس واپس کرکے خود
جاؤ اور اس سورہ کی تبلیغ کرو۔ حضرت علیؑ نے ایسا ہی کیا جس کے بعد حضرت ابوبکر آنحضرتؐ کے پاس
واپس آکر رونے لگے۔ پھر پوچھا اے رسولخدا کیا میرے متعلق کوئی امر حادث ہوگیا؟ حضرتؐ نے فرمایا
جو بات حادث ہوئی وہ بہتر ہی بہتر ہے۔ بات یہ ہے کہ مجھے خدا کا حکم پہونچا کہ اس حکم کی تبلیغ یا میں
کروں یا وہ شخص کرے جو مجھ ہی سے ہو (کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۴۶) مگر اس رونے پر بھی خدا نے نہ اپنا
حکم بدلا نہ آپکی کچھ تشفی کی۔ اس روایت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت عمر بھی روئے۔ غالباً اسکی
وجہ یہ ہو کہ حضرت ابوبکر بڑے نرم دل اور حضرت عمر بڑے مضبوط دل کے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا
کہ ایک سورہ کی تبلیغ سے اسلام کا کیا نقصان ہو رہا تھا یا خدا کا کیا بگڑ رہا تھا یا مسلمانوں کے لئے کس
ضرر عظیم کا اندیشہ پیدا ہوگیا تھا جسکی وجہ سے خدا نے اس قدر اہتمام کیا۔ کاش اس کے بعد ہی کسی اور
سورہ کی کسی خدمت کا کام ان حضرات کے سپرد کر دیا گیا ہوتا جس سے ان حضرات کی کچھ تو تسکین ہوتی۔ یا
اس معزولی کی وجہ سے ان حضرات کے متعلق جو توہمات پیدا ہوتے ہیں ان کا کچھ علاج ہوتا اور مخالفین کو
اعتراضات کا موقع نہ ملتا۔

چھٹی فصل

عمرو عاص کے ماتحت رکھے جانا

علماء اسلام نے اس امر کو بھی بہت اہمیت سے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کو حضرت رسولخدا نے

(جن کا کوئی فعل بغیر وحی خدا نہیں ہوتا تھا) عمرو عاص ایسے شخص کی ماتحتی میں رکھا اور اُن کو آپ لوگوں پر سردار بنا کر جہاد میں روانہ کیا۔ چنانچہ سریہ ذات السلاسل میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ یہ امر حضرت ابوبکر و عمر کی شان کے بہت خلاف سمجھا گیا۔ اس اعتراض کو جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے "حضرت رسول اللہ ابوبکر و عمر را تعینات و تابع عمرو بن العاص ساخت و اورا بر ایشاں امیر کردہ و ہم چنیں اسامہ را بر ایشاں سردار کردہ۔ اگر ایشاں را لیاقت ریاست می بود یا دریں باب افضل و اولیٰ می بودند چرا ایشاں را رئیس نمی کرد و دیگراں را تابع ایشاں می ساخت۔ حضرت رسولؐ نے حضرت ابوبکر و عمر کو عمرو بن عاص کے ماتحت تعینات کر کے اور ان کا تابع بنا کر بھیجا اور اُنکو ان حضرات پر حاکم مقرر کیا۔ اسی طرح حضرتؐ نے اسامہ کو بھی ان لوگوں کا سردار بنا دیا تھا۔ اگر ان دونوں صاحبوں میں سرداری کی قابلیت ہوتی یا اس باب میں وہ افضل و بہتر ہوتے تو کیوں آنحضرتؐ انھیں لوگوں کو سردار اور دوسروں کو ان کا تابع نہ کرتے (تحفہ اثنا عشریہ باب طعن ۶) اس سرداری میں عمرو عاص نے ان دونوں بزرگوں کے ساتھ پورے افسر ماتحت کا برتاؤ کیا بلکہ سختی بھی کی۔ مگر حضرت رسولؐ کو ان باتوں کی خبر ہوئی تو حضرتؐ نے عمرو عاص پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ اُس سلوک کی مدح و ثناہی کی۔ علامہ ابن حجر نے لکھا ہے ان عمرو بن العاص امرھم فی تلک الغزوۃ ان لا توقدوا نارا فانکر ذلک عمر فقال له ابوبکر دعه فان رسول اللهؐ لم يبعثه علينا الا لعلمه بالحرب ... فسكت عنه ... وروى ابن حبان من طريق قيس بن حازم عن عمرو بن العاص ان رسول اللهؐ بعثه فی ذات السلاسل فسأله اصحابه ان يوقدوا نارا فكلموا ابابكر فكلمه فی ذلک فقال لا يوقد احد منكم نارا الا قذفته فيها۔ قال فلقوا العدو فهزموهم فارادوا ان يتبعوهم فمنعهم فلما انصرفوا ذكروا ذلک للنبیؐ فسأله فقال كرهت ان اذن لهم ان يوقدوا نارا فيرى عدوهم قلتهم وكرهت ان يتبعوهم فيكون لهم مدد فحمد امره۔ سریہ ذات السلاسل میں عمرو عاص نے فوج کو حکم دیا کہ کوئی شخص آگ نہ روشن کرے۔ اس پر حضرت عمر نے اعتراض کیا کہ عمرو عاص اس سے کیوں منع [illegible] تو ان سے حضرت ابوبکر نے کہا تم چپ ہو کیونکہ حضرت رسولؐ نے اسی وجہ سے تو عمرو عاص کو ہم لوگوں کا سردار بنا کر بھیجا ہے کہ اس کو فنون حرب کا علم ہم لوگوں سے زیادہ ہے تب حضرت عمر خاموش ہوئے ... اور ابن حبان نے خود عمرو عاص سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے ان کو ذات السلاسل میں سردار بنا کر بھیجا تو فوج

نے درخواست کی کہ ان کو آگ روشن کرنے کی اجازت ملے مگر عمرو عاص نے اس سے روکا۔ تب ان لوگوں
نے حضرت ابو بکر کو بیچ میں ڈالا۔ انھوں نے عمرو عاص سے کہا ان لوگوں کو آگ جلانے کی اجازت
کیوں نہیں دے دیتے تو عمرو عاص نے حضرت ابو بکر سے کہا کہ اگر تم میں سے کسی شخص نے بھی آگ
روشن کی تو میں اس کو اسی آگ میں ڈال کر جلا ڈالوں گا۔ غرض دشمن سے مقابلہ ہوا تو مسلمانوں
نے ان کو شکست دی اور وہ سب بھاگے تو صحابہ نے ان کا پیچھا کرنا چاہا۔ لیکن عمرو نے اس سے بھی
منع کیا۔ پھر جب یہ لوگ مدینہ واپس آئے تو عمرو عاص کی ان سختیوں کی شکایت حضرت رسولؐ سے کردی
حضرتؐ نے عمرو عاص سے وجہ پوچھی تو جواب دیا اگر میں آگ جلانے کی اجازت دے دیتا تو دشمنوں
کو ہماری کمی تعداد کا پتا مل جاتا۔ اور اگر ان لوگوں کو دشمنوں کا تعاقب کرنے کی اجازت دیتا تو ممکن
تھا کہ دشمنوں کو کمک آ جاتی۔ آنحضرت صلعم نے یہ سب سنا تو عمرو عاص کی تعریف کی اور ان باتوں کو پسند کیا
(فتح الباری کتاب المغزوات۔ بیان غزوہ ذات السلاسل پ ۱۷ ص ۶۷)۔ اس غزوہ میں حضرت
عمر اور عمرو بن العاص کے درمیان سخت کلامی کی نوبت بھی آ گئی۔ مگر حضرت ابو بکر نے حضرت عمرؓ کو
سمجھا کر قصہ فرو کیا۔ محدث جمال الدین نے لکھا ہے عمرو بن العاص گفت ہیچ احدے آتش روشن
نہ کند الاکہ اورا در آتش اندازم و در روایتے آں کہ عمر فاروق برعمرو انکار کرد و سخن درشت گفت۔
عمرو گفت اے عمر مامور شدہ۔ بہ آں کہ سخن من بشنوی و فرمان بری۔ جواب داد کہ آرے عمرو
گفت پس بآں امر ممتثل شو۔ ابو بکر با عمر گفت بگذار اورا بحال خود۔ بدرستی کہ جناب رسولخدا ویرا
بر ما امیر نگردانیدہ مگر بجہتہ آں کہ وے مصلحت حرب را نکو می داند۔ غزوہ ذات السلاسل میں
عمرو عاص نے حکم جاری کیا کہ جو شخص بھی آگ روشن کرے گا میں اس کو اُسی آگ میں جھونک دوں گا۔
اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے عمرو عاص پر اعتراض کیا اور کوئی سخت بات کہہ دی تو عمرو عاص
نے کہا کیوں عمر! کیا تم میرے ماتحت نہیں کئے گئے اور تم کو حکم نہیں ہوا ہے کہ میری بات سنو اور
میری اطاعت کرو؟ حضرت عمر نے کہا ہاں یہ حکم تو ہے۔ عمرو عاص نے کہا بس تو پھر جو میں کہتا ہوں اسکی
تعمیل کرو۔ اور حضرت ابو بکر نے حضرت عمر سے کہا کہ انکو انکے حال پر چھوڑ دو کیونکہ حضرت رسولخداؐ نے
ان کو ہم لوگوں کا سردار اسی وجہ سے مقرر کیا ہے کہ ان کو فن حرب کا علم اور اسکی مصلحۃ زیادہ اور بہتر
معلوم ہے (روضۃ الاحباب جلد ۱ ص ۲۱۳)

ابو عبیدہ کی ماتحتی حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت عمر کو جناب ابو عبیدہ کے ماتحت بھی بھیجا تھا دیکھو

اس کتاب کا ص۳۵۵) ۔ محدث جمال الدین غزوات ذات السلاسل کے بیان میں لکھتے ہیں عمرو در راہ توقف نمود و رافع بن مکیث جہنی را بہ نزد حضرت فرستاد مدد طلبید ۔ آں سرور لوائے عقد فرمود و بہ ابو عبیدہ بن الجراح داد و دیرا امیر و دویست مرد گردانید کہ از آں جملہ ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما بودند بمدد عمرو فرستاد ۔ عمرو عاص نے راہ میں ٹھہر کر رافع کو آنحضرتؐ کے پاس بھیجا اور حضرتؐ سے اور فوج کی مدد طلب کی ۔ حضرتؐ نے ایک علم ابو عبیدہ بن الجراح کو دیا ۔ اور انکے ماتحت دو سو آدمی کئے ۔ ان میں حضرت ابو بکر و عمر بھی تھے ۔ اور ان سب کو آنحضرتؐ نے عمرو عاص کی مدد کے لئے روانہ کر دیا (روضۃ الاحباب جلد ۱ ص۴۱۲) ۔ سخت حیرت ہے کہ صرف دو سو آدمی جو عمرو عاص کی مدد کے لئے بھیجے جا رہے ہیں ان کے سردار بھی حضرت ابو بکر یا حضرت عمر نہیں مقرر کئے گئے بلکہ اس حقیر لشکر میں بھی دونوں بزرگ ماتحت ہی بنا کر بھیجے گئے اور سرداری ابو عبیدہ کو ملی ۔ جب یہ فوج ابو عبیدہ کی ماتحتی میں عمرو عاص کے پاس پہنچی تو پھر یہ سب لوگ عمرو عاص کے ماتحت ہو گئے ۔ یہ جملہ بھی قابل عبرت ہے کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم وصیت فرمودہ بود کہ اختلاف مکنید آنحضرت صلعم نے ان سب لوگوں سے وصیت کی تھی کہ خبردار اختلاف نہ کرنا ۔ مگر حضرت ابو بکر و عمر نے آگ روشن کرنے کے بارے میں اس قدر اختلاف کیا کہ حضرت عمر نے سخت زبانی بھی کی (روضۃ الاحباب جلد ۱ ص۴۱۲) ۔ حالانکہ حضرت رسولؐ کے احکام کی پابندی آپ کو سب سے زیادہ کرنی چاہیئے تھی اور جب آنحضرتؐ کے حکم سے آپ عمرو عاص کے ماتحت ہو چکے تھے تو انکی اطاعت کر کے اطاعت رسولؐ کا نمونہ دکھا دینا چاہیئے تھا ۔

ساتویں فصل

اُسامہ کے ماتحت کئے جانا اور اس سے تخلف کرنا

صفر ۱۱ھ میں حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے انتقال سے چند روز قبل (غالباً ۲۶ صفر کو) باوجود شدت مرض صحابہ کو حکم دیا کہ اہل روم سے جنگ کرنے کے لئے لشکر آراستہ ہو ۔ اور دوسرے دن اپنے دست مبارک سے ایک علم جنگ طیار کر کے اسامہ بن زید کو دیا اور فرمایا میں تم کو اس فوج کا سردار مقرر کرتا ہوں اس کے ساتھ جاؤ اور رومیوں پر حملہ کرو ۔ اور اس قدر جلد جاؤ کہ تمہارے پہنچنے سے پہلے اُن کو خبر نہ ہونے پائے ۔ اُسامہ نے تعمیلِ حکم کی اور باہر نکل کردہ

نشان بریدہ بن الحصیب کو دیا اور مدینہ سے روانہ ہو کر مقام جرف میں جو مدینہ سے ۳ میل شام کی طرف ہے پہنچکر قیام کیا تاکہ پورا لشکر وہاں جمع ہو جائے۔ تب سب آگے بڑھیں۔ آنحضرت صلعم نے یہ حکم بھی دیا تھا کہ سوائے حضرت علیؑ کے اور سب اعیان مہاجر و انصار یعنی حضرت ابو بکر۔ حضرت عمر۔ حضرت عثمان۔ سعد بن ابی وقاص۔ ابو عبیدہ بن الجراح۔ سعید بن زید قتادہ بن النعمان۔ سلمہ بن اسلم وغیرہ بھی اس لشکر میں اسامہ کے ماتحت ہو کر جائیں۔ البتہ حضرت علیؑ کو آنحضرتؐ نے اپنے پاس رکھ لیا۔ اور نہ اسامہ کا ماتحت کیا نہ باہر جانے کو کہا۔ جب صحابہ کو یہ انتظام معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے کہ ایک غلام کو آنحضرتؐ نے اکابر مہاجرین و انصار کا سردار بنا دیا ہے۔ چنانچہ وہ لوگ اپنی دلی حالت کو پوشیدہ نہ کر سکے اور اس کے متعلق بر سر مجلس چہ می گوئیاں کرنے لگے۔ جب ان باتوں کی خبر حضرت رسولؐ کو ہوئی تو آپ کو نہایت رنج ہوا بلکہ آپ اس درجہ غضبناک ہوئے کہ باوجود تپ اور دردسر کے عصابہ سر مبارک پر باندھکر دولت خانہ سے باہر تشریف لائے اور منبر پر جاکر بعد حمد و ثنائے الٰہی یہ خطبہ ارشاد فرمایا کہ ایہا الناس یہ کیا باتیں ہیں جو تم لوگ اسامہ کے سردار لشکر مقرر ہونے پر ظاہر کر رہے ہو؟ تم اس سے بھی اسی طرح انحراف کرنے لگے جس طرح اس کے باپ زید کے سردار فوج ہونے پر غزوہ موتہ کے وقت اعتراض کیا تھا۔ آخر اسکی وجہ کیا ہے؟ خدا کی قسم وہ سرداری کا سزاوار ہے اور اُس کا باپ زید بھی امارت کا اہل تھا۔ زید کو بھی میں بہت دوست رکھتا تھا۔ اور اسکے بعد اس کے بیٹے اسامہ کو بھی میں بہت عزیز رکھتا ہوں۔ لہذا تم لوگ اس کے بارے میں میری وصیت کو نیکی اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرو۔ اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو کہ وہ تم لوگوں کے نیکو کار لوگوں سے ہے۔ اس کے بعد حضرتؐ منبر سے نیچے تشریف لائے اور دولتسرا میں چلے گئے۔ اُس وقت اسامہ کی عمر ۱۸ یا ۱۹ سال کی تھی۔ اس خطبہ کے بعد مسلمانوں میں بھی آمادگی پیدا ہو گئی۔ جن کا ارادہ جانے کا ہوتا تھا وہ حضرتؐ کی خدمت میں آکر آپ سے رخصت ہوتے اور لشکرگاہ کی طرف روانہ ہو جاتے تھے۔ اُس روز آنحضرتؐ کا مرض اتنا شدید ہو گیا تھا کہ حضرتؐ بات تک نہیں کر سکتے تھے۔ اُسامہ رخصت ہو کر لشکرگاہ میں آیا اور دوشنبہ کو صبح کے وقت پھر حضرتؐ کی زیارت کے لئے دولتسرا پر حاضر ہوا۔ اُس وقت حضرتؐ کی حالت کچھ سنبھل گئی تھی۔ حضرتؐ نے اسامہ کو رخصت کیا اور اسکے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ غرض اسامہ لشکرگاہ کی طرف واپس آیا اور خود سوار ہونے لگا

تو اسکی ماں نے کہلا بھیجا کہ حضرت رسولؐ پر حالت نزع شروع ہو گئی ہے۔ یہ سن کر اسامہ اور اکابر صحابہ جو اس کے ساتھ نکل چکے تھے واپس آ گئے مگر حضرت ابو بکر و عمر وغیرہ اب بھی اس کے ساتھ نہیں گئے بلکہ مدینہ ہی میں رہ گئے تھے (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۸۵ و کامل جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ و طبری جلد ۳ صفحہ ۱۸۸۵ وغیرہ)۔ جب صحابہ نے اسامہ کے ماتحت ہو کر جانے میں تامل کیا تو آنحضرتؐ اس درجہ غضبناک ہوئے کہ نہ جانے والوں پر لعنت کر دی۔ علامہ شہرستانی وغیرہ نے لکھا ہے الخلاف الثانی فی مرضہ انہ قال جھزوا جیش اسامۃ لعن اللہ من تخلف عنہا۔ دوسرا اخلاف حضرت رسولؐ کے مرض موت میں پیدا ہوا کہ حضرتؐ نے فرمایا اسامہ کے لشکر کو جلد روانہ کر دو۔ خدا لعنت کرے اُن لوگوں پر جو اسامہ کے ساتھ جانے سے پہلو تہی کریں انتہیٰ۔ سخت تعجب اس پر ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر جو اسامہ کے ماتحت قرار دیئے گئے تھے اور انکو بھی اسکے ساتھ مدینہ سے چلے جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ آنحضرتؐ کا یہ قول لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامۃ سننے کے بعد کیونکر اپنی بات پر قائم رہے اور آنحضرتؐ کے غیظ و غضب کی کچھ بھی پروا نہیں کی۔ حضرت ابو بکر و عمر کا اس لشکر میں ماتحت اسامہ بنایا جانا اور آنحضرتؐ کا لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامہ فرمانا متعدد کتب معتبرہ میں موجود ہے (مثلاً علامہ شہرستانی کی کتاب ملل و نحل جلد ۱ صفحہ ۲۔ میر زاہد کی شرح مواقف آخر کتاب تذییل فی ذکر الفرق۔ علامہ آمدی کی کتاب ابکار الافکار فصل ۴ قاعدہ ۷۔ ملا یعقوب بنبانی کا رسالہ عقائد۔ علامہ معتزلی کی شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۱ وغیرہ)

آٹھویں فصل

حضرت رسولخدا صلعم نے کوئی دینی کام آپ کے سپرد کیا یا نہیں

حضرت عمر جناب رسالت مآبؐ کے ساتھ مکہ معظمہ میں بہت دنوں رہے اور مدینہ منورہ میں بھی برابر ساتھ رہا۔ حالت اسلام میں دونوں مقاموں کی صحبت ۱۹ سال تک رہی۔ اس درمیان میں آنحضرتؐ کو سیکڑوں ہی کام دوسرے لوگوں کے ذمہ کرنے کا موقع ملا۔ مکہ معظمہ میں بھی بہت خدمات تھیں۔ لیکن انکی تعداد بہرصورت کم تھی۔ مگر مدینہ منورہ میں زیادہ موا قع پیش آئے۔ مثلاً آنحضرتؐ خود مدینہ میں رہے اور لوگوں کو فوج دیکر کسی مہم پر بھیجا یا حضرتؐ ہی کسی غزوہ میں تشریف لے گئے اور علم کسی کے حوالہ کیا۔ یا مقام غزوہ میں کوئی خطرہ پیدا ہوا اور اس کے دفع کرنے کے لئے کسی کا انتخاب فرمایا

یا حضرتؐ باہر تشریف لے گئے اور کسی کو اپنی جگہ مدینہ میں چھوڑ دیا کہ حضرتؐ کی غیبت میں جو ضروریات
اسلام پیش آئیں ان کو انجام دے یا کسی جگہ لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے لئے اپنے
کسی شخص کو بھیجا۔ یا کسی مقام پر اسلام کی طرف لوگوں میں بدظنی پیدا ہونے لگی۔ اور آنحضرتؐ نے
اسکی اصلاح کی غرض سے کسی کو وہاں روانہ فرمایا۔ ان تمام صورتوں میں حضرت عمر کے ذمہ آنحضرت
کوئی دینی کام کر سکتے تھے لیکن نہ معلوم کیا مصلحت تھی کہ نہ خدا نے آنحضرتؐ کو اس بات کا حکم دیا کہ
حضرت ابو بکر سے فلاں کام لو یا ان کے متعلق اس خدمت کو کرو۔ اور نہ آنحضرتؐ نے خود ہی اس طرف
توجہ کی چنانچہ اس سوانح عمری میں اس وقت تک حضرت ممدوح کے جو مفصل حالات مکہ معظمہ اور مدینہ
منورہ کے قیام کے لکھے گئے ان سب پر تفصیلی نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ امر صحیح ہے۔
اگر کسی چھوٹے اور ناقابل التفات کام کو آنحضرتؐ نے آپ کے متعلق کیا بھی تو اس کا ذکر تاریخی
ذخیروں میں نہیں ملتا درصورتے کہ عمر و عاص اور خالد بن ولید تک کے متعلق جو امور کئے گئے
ان کا ذکر شرح و بسط سے موجود ہے۔ اس سبب سے سخت حیرت ہوتی ہے کہ کیوں آپ ان تمام
مواقع پر نظر انداز کر دیئے گئے۔ غزوات کے متعلق تو مورخین و محدثین نے تصریح کر دی ہے کہ
علَم برابر دوسروں ہی کو ملا کرتے تھے۔ مثلاً علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے اخرج احمد
باسناد قوی من حدیث ابن عباس ان رایۃ النبیؐ کانت تکون مع علی و رایۃ الانصار
مع سعد بن عبادۃ۔ امام احمد نے قوی اسناد سے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت ذکر کی ہے
کہ وہ بیان کرتے تھے حضرت رسول خدا کا علَم برابر حضرت علیؑ کو ملا کرتا اور انصار کا علَم سعد بن عبادہ
کو عطا ہوتا تھا (فتح الباری پ۱۲ ص۱۶۱) اور علامہ ابن عبدالبر نے جناب ابن عباس سے روایت کی ہے
کہ قال لعلی اربع خصال لیست لاحد غیرہ۔ ھو اول عربی و عجمی صلی مع رسول اللہؐ وھو الذی
کان لوائہ فی کل زحف جناب ابن عباس فرماتے تھے کہ حضرت علیؑ میں چار فضیلتیں ایسی تھیں جو کسی
اور شخص کو میسر نہیں ہوئیں۔ آپ ہی دنیا بھر میں وہ بزرگ ہیں کہ ہر جہاد۔ ہر مہم۔ ہر معرکہ میں آنحضرت
صلعم کے علَم بردار ہوا کرتے اور آپ ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے حضرت رسول خدا کے ساتھ
سب سے پہلے نماز پڑھی (استیعاب جلد ۲ ص۴۵۸)۔ اور اپنی جگہ چھوڑ جانے کے متعلق بھی آنحضرتؐ
کو دو بڑے موقع پیش آئے۔ ایک جب حضرتؐ مکہ معظمہ سے مدینہ کو ہجرت فرماتے تھے کہ اس وقت
تمام امانتوں اور ودیعتوں کا انکے مالکوں تک پہونچا دینا ضروری تھا۔ دوسرے جب حضرت غزوہ

تبوک میں مدینہ سے بہت دور دراز کا سفر کرنے کے لئے آمادہ ہوئے اور کافی زمانہ تک غائب رہنے کی ضرورت پیش آئی۔ ان دونوں موقعوں پر بھی آنحضرتؐ نے حضرت عمر کو اپنی جگہ چھوڑ جاتے اور آپ سے اسلام کی اہم ضرورتیں انجام دلانے کا خیال نہیں فرمایا۔ اسلام کی دوسری خدمات کے لئے بھی انتخاب دوسروں ہی کا ہوتا تھا۔ چنانچہ یمن میں لوگوں کو دین خدا کی طرف بلانے کی ضرورت ہوئی مگر آپکے متعلق یہ کام نہیں کیا گیا۔ سورہ براءۃ کی تبلیغ کے لیئے آنحضرتؐ نے آپکو مقرر کیا مگر خدا نے اس سے بھی معزول کرا دیا۔ ان سب کے بعد اسلام کا بہت مہتم بالشان امر نصارے نجران سے مقابلہ ہوا کہ آنحضرتؐ نے نجران کے عیسائیوں کو دین اسلام قبول کرنے کے لئے خط لکھا۔ ان لوگوں نے چودہ شخصوں کو اس غرض سے مدینہ بھیجا کہ پیغمبر اسلام کے حالات کی تحقیق کر کے ان لوگوں کو خبر دیں۔ ان میں تین شخص ایسے تھے جو گویا ان کے سردار اور سب کے قائم مقام تھے۔ ایک عبد المسیح ملقب بہ عاقب۔ دوسرے سید۔ تیسرے ابو الحارث۔ جب یہ سب لوگ مدینہ پہونچے تو عمدہ ریشمی کپڑے اور سونے کی انگوٹھیاں پہن کر آنحضرتؐ کے پاس مسجد میں آئے اور آنحضرتؐ کو سلام کیا مگر آنحضرتؐ نے انیں سے کسی کا جواب نہیں دیا بلکہ انکی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس پر وہ سب بہت گھبرائے اور مسجد سے نکلکر بعض اصحاب رسولؐ کے پاس گئے۔ کہا تمہارے پیغمبر نے خود ہی خط لکھکر ہمیں یہاں بلایا مگر جب ہم آئے تو انھوں نے نہ ہمارے سلام کا جواب دیا نہ ہم سے کوئی بات کی۔ اب تمہاری کیا رائے ہے۔ ہم لوگ واپس جائیں یا کچھ قیام کریں۔ یہ اصحاب اُن لوگوں کو کوئی جواب نہیں دے سکے تو حضرت علیؑ سے پوچھا اے ابو الحسنؑ! اس بارے میں آپکی کیا رائے ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا! میرا خیال یہ ہے کہ یہ لوگ جو ریشمی لباس اور سونے کی انگوٹھیاں پہنے ہیں پہلے ان سب کو اُتار کر راہبوں کا سادہ لباس پہنیں۔ اُس وقت آنحضرتؐ کے پاس جائیں۔ اُن لوگوں نے ایسا ہی کیا تب آنحضرتؐ نے ان کو جواب سلام دیکر فرمایا کہ خدا کی قسم جب یہ لوگ میرے پاس پہلے آئے تھے تو شیطان ان کے ساتھ تھا۔ اسکے بعد آنحضرتؐ نے ان لوگوں سے مسلمان ہونے کو فرمایا۔ ان سبھوں نے انکار کیا۔ تب آنحضرتؐ پر خدا کی طرف سے یہ آیت اُتری فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنۃ اللہ علے الکاذبین۔ اے رسولؐ اسکے بعد بھی اگر یہ نصارے خواہ مخواہ حجت کریں تو ان لوگوں سے کہ دو کہ آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں اور عورتوں اور نفسوں کو

بلاکر درگاہ خدا میں تضرع وزاری کریں اور خدا سے دعا کریں کہ وہ جھوٹوں پر لعنت کرے (پ ۳ ع ۱۴)
تب آنحضرتؐ نے نصاریٰ نجران کو اس حکم سے مطلع کیا اور فرمایا کہ بہتر ہے آؤ، ہم اور تم مباہلہ کریں انھوں
نے ایک دن کی مہلت لی کہ مشورہ کرکے جواب دینگے۔ پھر عاقب سے پوچھا کہ اس معاملہ میں تمہاری کیا رائے
ہے؟ اس نے کہا خدا کی قسم تم کو معلوم ہے کہ محمدؐ پیغمبر مرسل ہیں اور انھوں نے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ایک
واضح دلیل پیش کردی ہے۔ ہرگز ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ تم سب ہلاک ہو جاؤگے۔ اگر چاہتے ہو
کہ اپنے مذہب پر قائم رہو تو ان سے صلح کرلو اور جزیہ دینے پر راضی ہو جاؤ۔ غرض دوسرے دن
صبح کو یہ لوگ حضرت رسولؐ کی طرف چلے۔ اور ادھر سے آنحضرتؐ خود اپنے حجرہ سے اس طرح باہر
نکلے کہ حضرت حسینؑ بن علیؑ کو بغل میں لئے۔ حضرت حسنؑ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ جناب فاطمہ زہراؑ
حضرتؐ کے پیچھے تھیں۔ حضرت علی مرتضیٰؑ سب کے عقب میں تھے اور آنحضرتؐ ان لوگوں سے
فرماتے تھے جب میں دعا کروں تم لوگ آمین کہنا۔ سبحان اللہ وہ کیسا وقت اور کیسی حالت
تھی۔ کس درجہ کے شاہد اور کس مرتبہ کے مشہود تھے۔ جب نصاریٰ نجران کے گروہ نے ان
حضرات پنجتنؑ پاک کو دیکھا اور انکی دعا و آمین کا ذکر سنا تو خوف سے لرزنے لگے۔ مورخین نے
تصریح کی ہے اما نصاریٰ نجران فانهم ارسلوا العاقب والسید فی نفر الی رسول اللہ
وارادوا مباهلته فخرج رسول اللہ ومعه علیؑ وفاطمةؑ والحسنؑ والحسینؑ فلما رأوهم
قالوا هذه وجوه لو اقسمت على الله ان یزیل الجبال لازالها ولم یباهلوه وصالحوه۔
نجران کے عیسائیوں نے عاقب، سید اور بہت سے عیسائیوں کو حضرت رسولؐ کے پاس بھیجا اور
حضرتؐ سے مباہلہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس پر ان لوگوں کی طرف حضرت رسولؐ تشریف لے گئے اور
اپنے ساتھ حضرت علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ کو بھی لے لیا۔ جب عیسائیوں نے ان حضرات کو دیکھا تو
کہنے لگے کہ یہ تو وہ (عظیم الشان) چہرے ہیں جو اگر خدا سے دعا کریں کہ پہاڑوں کو انکی جگہ سے
ہٹا دے تو یقیناً خدا ان سب کو ہٹا دے گا۔ غرض ان لوگوں نے مباہلہ نہیں کیا اور آنحضرتؐ
سے صلح کرلی (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۱۲ وغیرہ) [1] یہ بھی ایک موقع تھا کہ حضرت رسولؐ اپنے

---

[1] یہ اسلام کی جلیل القدر فتح اور قابل فخر کامیابی تھی جس پر مسلمانوں کو قیامت تک ناز اور مباہات
کرنی چاہئے مگر افسوس مولوی شبلی صاحب نے اس کو بہت مختصر کرکے صرف ان لفظوں میں ادا کردیا:
جب یہ لوگ اس پر راضی نہ ہوئے تو آنحضرتؐ نے وحی کے مطابق ان سے کہا کہ اچھا مباہلہ کرلو۔ یعنی ہم تم

اپنی شیعہ بی بی کو سُنی کرنا چاہا تو شیعہ لڑکی نے کہا آؤ تحقیق کریں کہ قرآن مجید سے سُنی مذہب کا حق ہونا ثابت
ہوتا ہے یا شیعہ مذہب کا۔ قرآن مجید جس کے مذہب کو صحیح کہے اُسی مذہب کو ہم دونوں آدمی اختیار کریں
چنانچہ یہ زبردست بحث شروع ہوئی اور کل اصول و فروع دین میں دونوں شخص اپنی قابلیت کے جوہر دکھلائے
خصوصاً تقیہ۔ تبرا۔ خدا کے مجسم ہونے۔ توحید۔ بدا۔ عدل۔ تحریف قرآن۔ قرآن مجید پر شیعوں
کے ایمان ہونے یا نہ ہونے۔ قرآن مجید کے ساتھ سنیوں اور شیعوں کے برتاؤ۔ نبوت۔ امامت و خلافت
مسح قدمین۔ نماز میں ہاتھ کھولنے۔ بسم اللہ کہنے۔ روزے کے مسائل۔ متعہ کی تحقیق۔ نماز جماعت۔ نجاست
مشرکین وغیرہ پر خوب خوب بحثیں ہوئیں مگر ہر مسئلہ میں شیعہ بی بی نے ثابت کر دیا کہ مذہب شیعہ ہی قرآن مجید کے
مطابق اور مذہب اہلسنت قرآن مجید کے مخالف ہے۔ آخر سُنی مولانا صاحب نے مذہب بدل کر اپنے شیعہ ہو جانے کا
اعلان کر دیا۔ ۵۱۶ صفحہ کی اس کتاب میں سُنی و شیعہ کے کل اختلافات پر کامل تحقیق و جامعیت سے تبصرہ کر کے صراط مستقیم
بالکل واضح کر دی گئی ہے۔ کاغذ۔ لکھائی۔ چھپائی سب اعلیٰ درجہ کی قیمت صرف ڈھائی روپیہ (عہ)

تاریخ ائمہ | آج تک اردو زبان میں ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں شیعوں کے کل بزرگان دین کے ضروری
حالات اور قابل فخر کارنامے خود اہلسنت کی نہایت معتبر کتابوں سے ایک جگہ جمع کئے گئے ہوں۔ اب عظیم الشان
کتاب تاریخ ائمہ میں مشہور انبیاء کرام کے ضروری حالات۔ پھر حضرت رسول خدا صلعم کے حالات لکھ کر آپکی ازواج و اصحاب
کرام کے حالات لکھے گئے۔ اس کے بعد حضرات ائمہ طاہرین کے مفصل سوانح زندگی اور قابل ناز دینی و دنیوی
کارنامے نہایت دلچسپ عنوان سے جمع کئے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ائمہ طاہرین کی ازواج و اولاد و اصحاب
کے بھی نہایت معرفت خیز حالات لکھے گئے ہیں۔ علم دوست حضرات نے تسلیم کر لیا کہ اس کتاب میں گویا دریا کو
کوزے میں بند کیا گیا ہے۔ آج تک ہمارے پیشوایان دین کے ایسے قابل قدر حالات دنیا کی کسی زبان
(عربی۔ فارسی۔ اردو) میں نہیں لکھے گئے۔ جناب مولانا و مقتدانا آقا سید سبط نبی صاحب قبلہ مجتہد العصر
اعلی اللہ مقامہ ساکن نگاواں سادات و شیعہ ڈین مسلم یونیورسٹی علیگڈھ نے اس کتاب کو اس درجہ پسند
فرمایا کہ اس کے نسخے بذریعہ وی پی طلب کئے اور اسے علی گڈھ کالج و اسکول کے شیعہ طلاب کے نصاب
تعلیم میں داخل کرادیا۔ کاغذ۔ لکھائی۔ چھپائی سب اعلیٰ درجہ کی۔ ضخامت ۱۶۰ صفحہ قیمت صرف عہ مگر خریداران
اشتہار سے صرف عہ علاوہ محصول ڈاک۔ جلد طلب کیجئے۔ یہ کتاب ایک نعمت بے بہا ہے اگر جلد نہ منگائی
جائیگی تو دوسری طبع کا شدید انتظار کرنا ہوگا۔ کیا عجب اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا جائے

مجالس خاتون | اردو زبان میں چند سال قبل تک کوئی کتاب ایسی نہیں ملتی تھی جو خاص

مسلمان لڑکیاں ان مجلسوں کے لئے لکھی گئی ہیں مقصد یہ کہ بہنیں خود پڑھکر دوسری بہنوں کو سنائیں [illegible]
کرتی ہے کی بہت دنوں سے محسوس ہو رہی تھی - اس کو رفع کرنے کے لئے یہ کتاب مجالس خاتون لکھی گئی جس میں
[illegible] محرم سے ۱۰ محرم تک ہر روز اور ہر رات عورتوں کے پڑھنے کی مختلف مجلسیں لکھی گئیں - اس طرح مجموعہ
کتاب [illegible] ذخیرہ ہو گیا ہے جس کا ہر شیعہ عورت کے پاس ہر وقت رہنا ضروری ہے - ہر مجلس کے بعد بین جداگانہ
بہت دلچسپ اور رُلانے والے درد ناک نوحے بھی لکھ دیے گئے ہیں تاکہ بہنوں کو حدیث پڑھنے کے بعد کسی اور
نوحہ کے رکھنے کی ضرورت نہ ہو گی اس کتاب سے یہ ضرورت بھی رفع ہو جائے - پہلی دفعہ چھپکے پوری کتاب ختم ہو گئی تھی
اب دوبارہ چھپوائی گئی ہے - اسکے بھی صرف چند نسخے باقی ہیں - جلد منگا لیجئے ورنہ تیسرے چھاپے کا انتظار کرنا پڑیگا

حضرت ابو بکر حضرت ابو بکر کی سوانح عمری بھی خدا کے فضل و کرم سے بڑی تحقیق و جامعیت سے لکھی گئی [illegible] کے دو حصے ہیں - پہلے حصہ میں صرف مکی زندگی کے مفصل حالات ہجرت تک شائع ہوئے ہیں - اسکے خاص خاص مضامین نہایت دلچسپ اور ایمان افروز ہیں - آپکے نسبی حالات اور عرب میں آپکے خاندان کی حیثیت - آپکے والدین و اجداد [illegible] و دیگر اعزہ مخصوصین کے حالات - آپکا خاندانی پیشہ - آپ کے خاندانی پیشہ کے نتائج اور اسکے دینی و دنیوی خصوصیات - آپکی ولادت کے حالات - حلیہ - نام - کنیت - القاب - اور ان کے وجوہ و اسباب - عہد طفولیت تعلیم و تربیت - ذریعہ معاش - حضرت رسول خدا صلعم سے آپکا برتاؤ - خاندان بنی ہاشم سے تعلقات - حضرت عمر سے تعلقات زمانہ جاہلیت کے کارنامے اور اس عہد میں آپکے مذہب کی تحقیق - آپ کا قبول اسلام - اولیۃ اسلام کی بحث - آپ کے اسلام قبول کرنے کے اسباب و علل - آپ کے اسلام یا ایمان کی حقیقت - ابتدا اسلام میں آپ کا اجتہاد اور اس کا نتیجہ - حضرت رسول خدا صلعم کی مالی اعانت کرنے کی تحقیق آپ کے دل میں حضرت رسول خدا صلعم اور اسلام کی عزت و محبت - حضرت عائشہ کی شادی حضرت رسول خدا صلعم کے ساتھ کیوں کی جب کہ وہ صرف ۶ سال کی تھیں - کیا چھ سالہ لڑکیوں کی شادی ملک عرب کے شریف لوگوں میں ہوتی تھی - ہجرت میں آنحضرت صلعم آپکو اپنے ساتھ لیگئے یا آپ خود ساتھ چلے گئے - سفر ہجرت کے کارنامے - سیرت غار اور اس کے کارنامے - کاغذ لکھائی چھپائی اعلی - [illegible] صفحہ قیمت [illegible]

مشعل ہدایت جناب حاجی سید [illegible] صاحب بی - اے بیرسٹر ایٹ لا کی [illegible] [illegible]
[illegible] گیا ہے کہ خدا اپنے کلام پاک میں [illegible] اور [illegible] آل و اصحاب کے [illegible] ہے اور قرآن مجید
[illegible] ثابت [illegible] - اور [illegible] کی موجودگی میں [illegible]
[illegible] - بہت ہی قابل قدر کتاب ہے - حجم [illegible] قیمت [illegible]

جریدۂ مبارکہ

اصلاح

تاریخ اجراء ۱۵ شعبان سنہ ۱۳۱۵ ہجری

ماہ جمادی الاخری و رجب سنہ ۱۳۵۹ ھ

جلد ۳۴ نمبر ۶ و ۷

مدیر

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم

مقام اشاعت

کھجوا (صوبہ بہار)

چندہ سالانہ

جوہر قرآن و سوانح عمری خلیفۂ دوم کی قیمت میں زبردست رعایت | **دلچسپ ناول جوہر قرآن کی طرح**

"تحفۂ بخاری" نام کا ایک اور بہت دلچسپ مفید اور محققانہ ناول بھی رسالہ اصلاح کے ساتھ انشاء اللہ جلد از جلد شروع کیا جائیگا جس میں دکھایا جائیگا کہ خود اہلسنت کی مشہور کتاب صحیح بخاری میں بھی جس کو قرآن مجید کے برابر سمجھا جاتا ہے جہلات و مضحکات کا کس قدر انبار لگا ہوا ہے اور عقل و قرآن مجید کے خلاف کس کثرت سے حدیثیں بھری ہوئی ہیں۔ اس کے ساتھ مذہب شیعہ کے موافق بھی کتنا زبردست ذخیرہ موجود ہے۔ جس سے ہر انصاف پسند شخص آسانی سے تسلیم کرلیگا کہ اسلام میں مذہب شیعہ ہی حق ہے اس کے مقابلہ میں دوسرے فرقے اپنے کو حق نہیں ثابت کرسکتے۔ اس جدید کتاب کی وجہ سے رسالہ کے صفحات میں اضافہ کرنا پڑیگا جس کے کاغذ کا جلد از جلد انتظام کرنے کے لئے ۳۰ فروری ۱۳۵۹ھ تک رسالہ اصلاح کے جدید خریداروں کو کتاب تاریخ ائمہ بجائے ۱۲ کے ۸ میں دلچسپ ناول جوہر قرآن ۱۶۵ صفحہ بجائے ۱۲ کے ۸ میں۔ اور سوانح عمری خلیفہ دوم کا پہلا حصہ ۲۷۶ صفحہ بجائے ۱۲ کے صرف ۸ میں دیا جائے گا۔ جلد طلب کر لیجئے ورنہ طبع ثانی کے انتظار کی سخت زحمت ہوگی۔

سوانح عمری حضرت خلیفۂ دوم حصہ اولیٰ یہ کتاب بھی ۲۷۶ صفحہ پر دفتر اصلاح کھجوا سے شائع ہوگئی ہے جو شیعوں کا عظیم الشان علمی اور اسلامی کارنامہ ہے۔ جب سے مشہور علامہ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے خلیفۂ دوم حضرت عمر کی مشہور سوانح عمری "الفاروق" شائع کی مذہب شیعہ پر اس سے بڑا حملہ ہو رہا تھا اور شیعوں کے خیالات پر اس کا نہایت مضر اثر پڑنے لگا تھا۔ خاص کر تعلیم یافتہ شیعہ بھی ان کو بڑا مدبر سیاست داں، پُر مغز، صائب الرائے، ہمدرد اسلام بہی خواہ مسلمین حیرت انگیز حکمران اور قابل فخر اسلامی ہیرو۔ سمجھنے لگے تھے۔ اسی وجہ سے انصاف پسند مسلمانوں میں بڑی بے چینی تھی کہ کسی طرح حضرت عمر کی ایسی سچی اور تحقیقی سوانح عمری بھی لکھی جاتی جس سے آپ کے اصلی حالات اور صحیح واقعات زندگی معتبر کتابوں سے واضح ہو جاتے۔ اور "الفاروق" کا زہریلا اثر مٹ جاتا۔ الحمدللہ کہ یہ دیرینہ آرزو بر آئی اور دفتر اصلاح سے حضرت ممدوح کی ایسی ہی سوانح عمری کا پہلا حصہ ۲۷۶ صفحہ میں شائع ہوگیا جس میں ممدوح کے فضائل کی کل حدیثوں پر تبصرہ کر کے ان کا موضوع ہونا ثابت کردیا گیا۔ اور پھر آپ کی پیدائش سے ہجرت مدینہ تک کے مفصل حالات جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس سوانح عمری نے مسلمانوں کو محو حیرت کر دیا ہے۔ قیمت صرف ۱۲ جلد منگا لیجئے تاکہ دوسرے حصہ کے ساتھ پہلے حصہ کے ملاحظہ کا لطف بھی حاصل ہو۔

جوہر قرآن نہایت اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح حیدرآباد دکن میں ایک تعلیم یافتہ نہایت تیز شیعہ لڑکی کی شادی ایک زبردست محقق و علامۂ اہلسنت سے ہوگئی جس کے بعد سنی مولانا صاحب نے

(بقیہ ٹائٹل صفحہ ۳ پر دیکھئے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اصلاح

نمبر ۶ و ۷ | ماہ جمادی الاخریٰ و رجب ۱۳۵۹ھ | جلد ۴۴

حضرت عمر کا روحانی کوڑا

مسٹر نواب عالم صاحب (سنی وکیل) جناب حکیم صاحب۔ السلام علیکم۔ مزاج شریف۔

حکیم لطیف حسین صاحب (شیعہ حکیم) جناب وکیل صاحب وعلیکم السلام۔ آپ کا مزاج گرامی۔

وکیل صاحب۔ اللہ پاک کا شکر ہے۔ آپ نے جو دوا دی تھی اُس سے مریضہ کو کچھ افاقہ تو ضرور ہے مگر بہت کم۔ زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر کسی وقت زحمت فرما کر مریضہ کو دیکھئے تو آپ کا بہت ممنون ہوں گا۔

حکیم صاحب۔ میں ہر وقت حاضر ہوں۔ آپ جب چاہیں بلا بھیجیں۔ اس میں شکریہ کی کیا بات ہے

وکیل صاحب۔ آپ کی عنایت کا شکریہ ضروری ہے۔ جب فرمائیے گاڑی بھیج دوں تشریف لائیے۔ اور ایسا علاج کیجئے کہ مجھے جلد اس طرف سے اطمینان کلی حاصل ہو جائے۔

حکیم صاحب۔ بہتر ہے کل صبح کو بھیج دیجئے گا۔ قارورہ بھی رکھوا دیجئے گا۔ اس وقت تک کوئی چیز استعمال نہ کریں گی۔ مجھ سے جہاں تک ممکن ہو گا پوری کوشش سے علاج کروں گا

وکیل صاحب۔ بہت خوب۔ اور آپکے سامنے یہ کون پرچہ رکھا ہوا ہے۔

حکیم صاحب۔ وہی رسالہ اصلاح ہے جس کے متعلق آپ سے ذکر ہو چکا تھا۔

وکیل صاحب۔ ہاں ہاں سمجھ گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جو تبرائی سوانح عمری اس نے شروع کی تھی وہ پوری ہو گئی۔ کتنے صفحوں پر تمام ہوئی؟ مجھے نہیں دکھائیے گا؟

حکیم صاحب۔ اُس نے تبرائی سوانح عمری تو شروع نہیں کی تھی۔ البتہ تحقیقی اور اصلی مگر نہایت مہذب سوانح عمری لکھ رہا ہے۔ تبرا سے تو اس کو دور کا بھی رشتہ نہیں۔

وکیل صاحب۔ (زور سے قہقہہ لگا کر) واللہ تحقیقی اور اصلی سوانح عمری کی بھی ایک ہی کہی۔

کیا دنیا میں کوئی رافضی (معاف کیجئے گا غلطی سے یہ لفظ نکل گیا) میرا مطلب یہ ہے کہ کوئی شیعہ صاحب حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی تحقیقی اور اصلی سوانح عمری لکھ سکتے ہیں؟ آپ کی یا کسی کی عقل میں یہ بات آسکتی ہے۔ آپ کے سامنے اس سے زیادہ کیا کہوں۔ کہ تہذیب منع کرتی ہے۔

حکیم صاحب۔ اگر کوئی شیعہ ایسی سوانح عمری لکھے جس کا ہر حرف صرف اپنے دماغ سے نکالا ہو۔ یا محض اپنے اعتقاد کے مطابق مضامین اُس میں بھر دئیے ہوں۔ یا صرف اپنے مذہب کی کتابوں سے عبارتیں لے کر اس میں درج کیا ہو۔ یا صرف جاہلوں میں اپنے خیالات پھیلانے کے لئے اس کی اشاعت کی ہو۔ تب یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ معلوم نہیں یہ سوانح عمری کیسی ہوگی۔ اور کس قسم کی باتیں اس میں جمع کی گئی ہوں گی۔ وہ صرف مذہبی تعصب کا نمونہ ہوگی یا ذاتی اعتقادات کا فوٹو۔ یا قابلِ دید چیز لیکن اگر کوئی شیعہ آپ لوگوں کی ہی معتبر کتب تاریخ وحدیث و تفسیر و رجال سے حضرت ممدوح کے حالات جمع کر کے مہذب عبارت میں کوئی سوانح عمری لکھے تو وہ تحقیقی اور اصلی کیوں نہیں ہو سکتی۔ اور اُس کو تبرائی کا لقب کیوں دیا جائے گا۔

وکیل صاحب۔ خیر اصل تو بات رہ گئی۔ آپ نے پہلے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ اُس کے شاہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری بھی چھپ رہی ہے۔ تو وہ پوری ہو گئی یا نہیں۔ مجھے بھی دکھائیے۔

حکیم صاحب۔ اس کا پہلا حصہ تو سال گذشتہ شائع ہو چکا ہے۔ البتہ دوسرا حصہ اس سال چھپ رہا ہے۔ اور ابھی تک پورا نہیں ہوا مگر قوی امید ہے کہ انشاء اللہ جلد مکمل شائع ہو جائیگا

وکیل صاحب۔ آپ نے تو فرمایا تھا کہ اس کا دوسرا حصہ بھی اسی سال ۱۳۵۹ ہجری کے ذی الحجہ میں ۶۳۵ صفحوں پر مکمل ہو جائے گا۔ پھر اس میں کیا دیر ہے۔

حکیم صاحب۔ ابھی اصلاح ۶ اس سال کا آیا ہے اُس میں یہ سوانح عمری ۶۷ صفحے تک پہنچ گئی ہے

وکیل صاحب۔ کیا خوب۔ سال ختم ہو رہا ہے اور ابھی صرف ۶۷ صفحے شائع ہوئے۔

حکیم صاحب۔ ہاں کوشش ہو رہی ہے کہ باقی ۶۰۳ صفحے بھی جلد از جلد شائع ہو جائیں یہ آپ کی چٹکی لینے کی بات نہیں ہے۔ علمی تحقیقات کی جو کتابیں ہوتی ہیں ان میں تعجیل مناسب نہیں۔ بلکہ مضمون کی عمدگی۔ استدلال کی قوت اور معلومات کی کثرت پر نظر رکھنی چاہئے۔ کتاب چھپنے میں دیر ہو اس کی پروا نہیں کرنی چاہئے لیکن جلدی کر کے کتاب میں بھرتی کے مضامین نہ لکھے جائیں۔ اگر افسانہ ہو یا ناول لکھا جائے۔ یا ادنی کتابیں ہوں تو اُن میں زیادہ دقت

نہیں صرف ہوگا لیکن تاریخی معلومات اور استدلالی تحقیقات کی کتابوں میں زیادہ وقت صرف ہونا اور قدم قدم پر قلم کا رک جانا ضروری ہے۔ ایک ایک جملہ کے لئے رات رات بھر دماغ پر زور دینا پڑتا ہے۔
وکیل صاحب۔ جناب حکیم صاحب آپ یہ کیا فرماتے ہیں۔ کیا دنیا میں یہی ایک سوانح عمری لکھی گئی ہے یا اور علماء فریقین نے بھی سوانح عمریاں لکھی ہیں؟ پھر ان لوگوں نے یہ سب عذر کیوں نہیں کئے۔ میرا خیال ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس تبرائی سوانح عمری کے لکھنے والے پر عالم ارواح سے ایسا خاردار درّہ (کوڑا) لگایا کہ ان پر مصائب و آلام کی بوچھار ہوگئی۔ یہ رسالہ اصلاح کے مدیر صاحب حضرت کے ساتھ ایسی بے ادبی کرتے نہ ایسی سزا پاتے پہلے تو یہی رسالہ اصلاح جلد جلد شائع ہوتا تھا مگر اس دفعہ چار پانچ مہینے تک کیوں بند پڑا رہا۔ اس کی وجہ اس کے سوائے کچھ ہو سکتی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنی توہینی سوانح عمری سے صدمہ پہونچا۔ اور انھوں نے ایسا روحانی کوڑا لگایا کہ اصل رسالہ کی زندگی ہی خطرہ میں پڑ گئی۔
حکیم صاحب۔ ہاں حضرت عمر کے درّہ خاردار سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ تو حضرت رسولخدا کی صاحبزادی پر بھی لگایا تھا۔ پھر اگر ان معصومہ کے غلاموں پر بھی لگایا جائے تو تعجب کی کیا بات ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ حضرت عمر کے خاص پیرو حضرات نے ممدوح کی سوانح عمری لکھی تو وہ کیوں اس سے زیادہ دقتوں میں مبتلا ہوئے۔ نہ کیوں اپنی کتابوں کیلئے پریشان رہے
وکیل صاحب۔ اس سے آپ کا اشارہ کن لوگوں کی طرف ہے؟ صاف صاف فرمائیں
حکیم صاحب۔ خود حضرت عمر کے مرید اعظم شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی بھی تو اپنے قلم کا رونا رو چکے ہیں۔ دیکھئے میں ان کی سوانح عمری نکال کر دکھاتا ہوں۔ اتفاق سے یہ بھی الماری میں یہ بھی موجود ہے۔ (پھر کتاب الفاروق الماری سے لا کر) دیکھئے یہ کیا تحریر فرماتے ہیں۔
سوء اتفاق یہ کہ مجھ کو الفاروق کی طرف سے بے دلی کے بعض ایسے اسباب پیدا ہو گئے تھے کہ میں نے اس تصنیف سے گویا ہاتھ اٹھا لیا تھا لیکن ملک کی طرف سے تقاضے کی صدائیں رہ رہ کر اس قدر بلند ہوتی تھیں کہ میں مجبوراً قلم ہاتھ سے رکھ رکھ کر اٹھا لیتا تھا۔ بالآخر ۱۸۔ اگست ۱۸۹۴ء کو میں نے ایک قطعی فیصلہ کر لیا اور مستقل اور مسلسل طریقے پر اس کام کو شروع کیا۔ ملازمت کے فرائض اور اتفاقی موانع وقتاً فوقتاً اب بھی سدِ راہ ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ متعدد دفعہ کئی کئی مہینے کا ناغہ پیش آگیا لیکن چونکہ کام کا سلسلہ مطلقاً بند نہیں ہوا اس لئے کچھ نہ کچھ ہوتا گیا

یہاں تک کہ آج پورے چار برس کے بعد یہ منزل طے ہوئی اور قلم کے مسافر نے کچھ دنوں کے لئے آرام لیا۔"
(الفاروق جلد ۱ صـ۲) آپ انصاف کریں کہ جب مولوی شبلی صاحب صرف اپنی کتابوں سے
حضرت عمر کے فضائل و کمالات لکھنے میں اتنی دقتیں اٹھائیں اور بار بار اس کتاب کے لکھنے سے اُن کا
جی چھوٹا جاتا ہو اور اتفاقی موانع سے محفوظ نہ رہ سکیں تو رسالہ اصلاح کی سوانح عمری کے
مصنف زمانہ کے مکروہات اور تصنیف کی دقتوں سے کیونکر بچ سکتے ہیں وہ صورتے کہ ان کو مولوی
شبلی صاحب کی چالاکیوں کی پردہ دری بھی خود انھیں کی کتابوں سے کرنی پڑتی ہو۔

وکیل صاحب۔ آپ نے تو اس وقت الفاروق کی عبارت پیش کرکے اپنا کام خوب نکال لیا۔

حکیم صاحب۔ یہ بھی دیکھئے کہ مولوی شبلی صاحب اپنے ہم مذہب لوگوں ہی کی کتابوں سے حضرت عمر کے
صرف فضائل لکھنے میں مشغول ہوئے تو ان کے چار برس صرف ہوگئے۔ برخلاف اس کے رسالہ اصلاح
کی سوانح عمری محرم سنہ ۱۳۶۰ھ سے شروع کی گئی اور ابھی تین برس بھی پورے نہیں ہوئے کہ خدا کے
فضل سے اس کا پہلا حصہ شائع ہوگیا۔ دوسرا حصہ بھی نصف کے قریب پہنچ گیا اور بقیہ کی بھی
کوشش ہو رہی ہے کہ جلد از جلد مکمل ہو جائے۔ اب میرا دل چاہتا ہے کہ آپ سے پوچھوں
اگر دفتر اصلاح کی سوانح عمری حضرت عمر کے روحانی کوڑے کی وجہ سے رک گئی تھی تو حضرت
عمر نے اپنی روحانی کرامات سے جناب مولوی شبلی صاحب کی اتنی مدد بھی کیوں نہ کر دی کہ الفاروق
بجائے چار سال کے تین سال ہی میں پوری ہو جاتی۔ آپ گھبرائیں نہیں خدا کے فضل و کرم سے
بہت جلد اس سوانح عمری کا دوسرا حصہ بھی مکمل ہوکر دنیا کے سامنے آتا ہے اُس وقت اہل بصیرت
حضرات کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اور کتاب الفاروق نے جس قدر نمائشی پردے ڈال رکھے ہیں وہ
سب چاک چاک ہو جائیں گے۔ اور لوگ سمجھ سکیں گے کہ حضرت رسول خدا صلعم اور حضرت عمر کے
حالات میں کس قدر فرق تھا۔ اور آپ کا وجود اسلام کے لئے واقعاً مفید تھا یا کچھ اور۔ میری رائے
ہے کہ اس وقت تک اس سوانح عمری کے جس قدر صفحے شائع ہوگئے ہیں پہلے ان سب کو آپ
مجھ سے لیکر ملاحظہ فرما لیں اور ابھی سے حضرت کے واقعی حالات کو سمجھیں تاکہ باقی صفحے شائع
ہونے کے بعد آپ ان کو دیکھیں تو حضرت عمر کی مکمل تصویر آپ کے سامنے کھڑی ہو جائے۔

وکیل صاحب۔ ابھی مجھے معاف رکھیں جب مکمل ہو جائے گی تو آپ سے لیکر دیکھنے کی کوشش
ضرور کروں گا۔ اور اطمینان رکھیں کہ میں انصاف ہی سے ایک ایک لفظ پڑھوں گا۔

(طبری جلد ۱ ص ۱۷۰)۔ (۱۷) حضرت ایوبؑ نے بھی اپنی وفات کے قریب اپنے فرزند حومل کو اپنا وصی اور ولی عہد مقرر کیا۔ (روضۃ الصفا جلد ۱ ص ۱۰۸) ان ایوبؑ اوصی عند موتہ الی ابنہ حومل حضرت ایوبؑ نے اپنے فرزند حومل کو مرتے وقت اپنا وصی مقرر کیا۔ (طبری جلد ۱ ص ۱۶۷ وکامل جلد ۱ ص ۴۲) (۱۸) ان بشرا اوصی الی ابنہ عبدان۔ خدا نے حضرت ایوبؑ کے بعد آپ کے فرزند بشر کو ان کا قائم مقام کیا۔ اور انھوں نے اپنے فرزند عبدان کو اپنا وصی مقرر کیا۔ (طبری جلد ۱ ص ۱۶۱ وکامل جلد ۱ ص ۴۲)۔ (۱۹) حضرت موسیٰؑ ہارون را طلب کردہ امامت و خلافت خود را بدو تفویض فرمود۔ حضرت موسیٰؑ نے جناب ہارون کو بلا کر اپنی امامت و خلافت کا عہدہ اُن کے سپرد کر دیا۔ (روضۃ الصفا جلد ۱ ص ۱۳) فانطلق موسیٰؑ واستخلف ھارون علی بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ رخصت ہو گئے اور جناب ہارون کو قوم بنی اسرائیل پر اپنا خلیفہ مقرر کر دیا۔ (طبری جلد ۱ ص ۲۱۰ وکامل جلد ۱ ص ۶۵)۔ (۲۰) مگر چونکہ جناب ہارون کا انتقال حضرت موسےٰؑ کے سامنے ہی ہو گیا تھا اس سبب سے پھر حضرت موسیٰؑ نے جناب یوشع بن نون کو اپنے انتقال سے پہلے اپنا خلیفہ مقرر کر دیا۔ (روضۃ الصفا جلد ۱ ص ۱۲۱)۔ (۲۱) ثم توفاہ اللہ فاستخلف علی بنی اسرائیل کالب بن یوقنا۔ پھر جناب یوشع کو خدا دنیا سے اُٹھانے لگا تو بنی اسرائیل پر کالب بن یوقنا کو اپنا خلیفہ مقرر کر گئے۔ (طبری جلد ۱ ص ۲۳۷ وکامل جلد ۱ ص ۸۰ و روضۃ الصفا جلد ۱ ص ۱۳۳)۔ جناب کالبؑ نے بھی اپنے فرزند یوساقوس کو خلافت سپرد کر کے دنیا سے انتقال کیا۔ (روضۃ الصفا جلد ۱ ص ۱۳۵)۔ (۲۳) جناب الیاس پیغمبر نے بھی وحی خدا کے مطابق مرتے وقت اپنی خلافت الیسع کو سپرد کر دی۔ (روضۃ الصفا جلد ۱ ص ۱۴۳)۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ سابق انبیاء و مرسلین خدا کی وحی نازل ہونے پر اپنا خلیفہ اُس شخص کو مقرر کر دیتے تھے جن کے متعلق وحی ہوئی تھی۔ (۲۴) جب جناب الیسع کو یقین ہو گیا کہ اب موت سے ان کی جان بری نہیں ہو سکتی تو ذی الکفل کو طلب کر کے خلافت ان کے حوالہ اور اپنی روح خدا کے سپرد کر دی۔ (روضۃ الصفا جلد ۱ ص ۱۴۰)

(۲۵) استخلف اللہ علی بنی اسرائیل بعد شعیا یاشیۃ ابن اموص۔ خدا نے جناب شعیا کے بعد بنی اسرائیل پر یاشیہ ابن اموص کو ان کا خلیفہ مقرر کیا۔ (طبری جلد ۱ ص ۲۹۵)

(۲۶) حضرت داؤد نے بھی اپنے فرزند حضرت سلیمان کو اپنا وصی اور خلیفہ مقرر کیا۔ (کامل جلد ۱ ص۸۶) فلما مات ورث سلیمانؑ ملکہ وعلمہ ونبوتہ وکان لہ تسعۃ عشر ولدا فورثہ سلیمان دونہم۔ جب حضرت داؤدؑ نے انتقال کیا تو آپ کے فرزند حضرت سلیمان جناب داؤد کی سلطنت اور علم اور نبوت کے وارث ہوئے۔ آپ کے ۱۹ فرزند تھے مگر وارث صرف حضرت سلیمانؑ ہوئے۔ (تاریخ کامل جلد ۱ ص۸۶) [1]

(۲۷) حضرت عیسیٰؑ نے بھی اپنا خلیفہ خود ہی مقرر فرمایا۔ از جملہ وصایائے عیسیٰؑ آں بود کہ خدا مرا امر فرمودہ است کہ شمعون را بر شما خلیفہ گردانم و حواریاں خلافت وے قبول کردند۔ یعنی حضرت عیسیٰؑ کی وصیتوں سے ایک یہ بھی تھی کہ خدا نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ شمعون کو تم لوگوں پر اپنا خلیفہ مقرر کروں۔ اور حواریوں نے ان کی خلافت قبول کرلی۔ (روضۃ الصفا جلد ۱ ص۱۴۸)۔

غرض حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک جس قدر انبیاء و مرسلین گذرے کسی کے متعلق بھی کسی کتاب سے ثابت نہیں ہوتا کہ انھوں نے اپنی امت کو یوں ہی چھوڑ دیا ہوا ور بغیر اپنا خلیفہ مقرر کئے ہوئے دنیا سے چلے گئے ہوں۔ نہ کسی رسول یا نبی کے متعلق یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ اُن کی وفات پر اُن کی امت نے اپنی پنچائت یا اپنے انتخاب یا اجماع یا شورے سے کسی کو اپنا امام یا پیشوا اور اپنے رسول یا نبی کا خلیفہ مقرر

---

[1] اس سے بھی ثابت ہوا کہ حضرات انبیاء خود بھی وارث ہوتے اور دوسروں کو بھی وارث کرتے تھے۔ ایسی صورت میں مشہور حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکناہ صدقۃ (ہم گروہ انبیاء نہ تو کسی کے وارث ہوتے ہیں نہ کسی کو اپنا وارث چھوڑتے ہیں بلکہ ہم لوگ جو چیزیں چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتی ہیں) کس طرح صحیح تسلیم کی جاسکتی ہے؟ تاریخ کامل کی مذکورۂ بالا عبارت ثابت کرتی ہے کہ گروہِ انبیاء خود بھی دوسروں کے وارث ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی اپنا وارث چھوڑ جاتے ہیں۔ حضرت داؤدؑ پیغمبر تھے اور ان کے وارث حضرت سلیمانؑ ہوئے جو خود بھی پیغمبر تھے۔ اور اس پر ہر مسلمان کو یقین رکھنا چاہئیے کہ حضرت رسول خدا صلعم کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے تھے اور آپ کے دہنِ مبارک سے کوئی لفظ خلاف واقعہ نہیں نکل سکتا تھا۔ قرآنِ مجید سے بھی انبیاء کا وارث ہونا اور وارث چھوڑنا واضح ہے۔ غرض یہ کل باتیں اس امر کی قطعی دلیلیں ہیں کہ حدیث نحن معاشر الانبیاء صحیح نہیں ہوسکتی۔ ۱۲

کیا ہو۔ اگر دنیا میں کوئی شخص بھی آدمیوں کے انتخاب یا تجویز سے کسی نبی کا خلیفہ ہو سکتا تو حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک کسی ایک ہی پیغمبر کے متعلق یہ ثابت ہو جاتا کہ ان کی امت نے اپنے انتخاب سے ان کا خلیفہ مقرر کیا تھا۔ مگر جب ایسا نہیں ہے اور قطعاً نہیں ہے۔ تمام کتب حدیث و تاریخ و سیرۃ و تفسیر اس سے خالی ہیں تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خاص حضرت رسولخدا صلعم کے متعلق یہ اصول کیوں ایجاد کیا گیا اور کس وجہ سے اِس کو تسلیم کیا جائے؟ اگر سابق انبیاء کا اپنے خلفاء کو مقرر کرنا خدا کا فعل مانا جائے اور یقین کیا جائے کہ ان سب کو درحقیقت خدا نے مقرر کیا۔ اور ان پیغمبروں نے صرف ان کی خلافۃ کا اعلان کر دیا (جو ہر مسلمان کا عقیدہ ہے اور ہونا چاہیئے) تو اس صورت میں خدا پر الزام عائد ہوتا ہے کہ جب اُس نے حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک کل انبیاء و مرسلین کے خلفاء کو خود مقرر کیا تھا تو حضرت رسولخدا صلعم کے بارے میں اِس کے خلاف کیوں کیا؟ کیا حضرت رسولخدا صلعم نے خدا کا کوئی بھاری قصور کیا تھا جس کی سزا آپ کو اس طرح دی گئی؟ یا خدا اس امت ہی سے خفا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اُس نے اپنی اس شفقت کو اُٹھا لیا؟ یا خدا کو ایسا کوئی شخص ملا ہی نہیں جس کو حضرتؐ کا خلیفہ تجویز کرتا؟ کیا سبب ہوا کہ اُس نے آنحضرتؐ کا خلیفہ خود مقرر نہیں کیا؟ اُس نے حضرت رسولخدا صلعم سے آپ کے خلیفہ کا بھی کیوں اعلان نہیں کرایا؟ حالانکہ اُس کے اصول بدلتے نہیں ہیں۔ اُس نے صاف طور پر فرما دیا ہے۔ سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ خدا کا یہی طریقہ اُن لوگوں کے بارے میں بھی رہا ہے جو تم سے پہلے گذر گئے ہیں۔ اور تم کو خدا کے طریقہ میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں مل سکتا۔ (سورہ احزاب ع ۸)

دوسری جگہ فرماتا ہے فھل ینظرون الا سنۃ الاولین فلن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا۔ یعنی یہ لوگ کیا اگلوں کے دستور اور طریقہ کا انتظار کر رہے ہیں؟ تو دسمجھ رکھو کہ تمھیں خدا کے دستور اور طریقہ میں کبھی کوئی تغیر نہیں ملسکتا۔ اور نہ اُس کے دستور و طریقہ کو تم کبھی ٹلتا ہوا پاؤ گے۔ (سورہ فاطر رکوع ۵)۔ یہ بھی فرماتا ہے سنۃ اللہ التی قد خلت من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ یعنی یہ خدا کا وہ طریقہ اور دستور ہے جو ہمیشہ سے چلا آتا ہے اور تم کبھی خدا کے طریقہ و دستور میں کوئی تغیر و تبدل نہیں پا سکتے۔ (سورہ فتح رکوع ۳) جب اس قسم کی آیات سے ہم پر یہ امر اچھی طرح محقق ہو گیا کہ خدا کے

اصول میں اختلاف نہیں ہوتا۔ اُس کی تدبیروں میں تغیر نہیں ہوتا۔ اُس کا دستور و طریقہ بدلا نہیں کرتا۔ اور سابق تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ خلافت کے بارے میں حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک خدا کا یہی دستور رہا ہے کہ اُن کے خلیفہ کا انتظام خدا ہی اُنکی زندگی میں کرتا اور اُن انبیاء و مرسلین سے اُن کے سامنے ہی اس کا اعلان کراتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ شاعر نے کہدیا ہے قبل تعیین وصی و وزیر ھل رایت خات نبیؐ و ھجر یعنی کیا تم نے کسی نبی کو بھی دیکھا ہے کہ اُس نے اپنا وصی اور وزیر مقرر کرنے کے پہلے دنیا سے انتقال کیا ہو؟ پھر حضرت رسو لخداؐ کے بارے میں خدا کا یہ دستور کس طرح ٹوٹ سکتا ہے۔ اور آنحضرتؐ کے خلیفہ کے متعلق خدا اپنا یہ طریقہ کیوں چھوڑ دیتا؟ کیا اسکی وجہ سے وہ جھوٹا نہیں ثابت ہو گا کہ کہتا تو یہ ہے کہ اُس کے دستور میں تغیر نہیں ہوتا مگر رسو لخداؐ کے خلیفہ کے متعلق اُس کے دستور میں تغیر ہو گیا۔ اور کیا اس کی وجہ سے اس پر لم تقولون مالا تفعلون (تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جسکو کرتے نہیں) کا الزام نہیں قائم ہو گا کہ وہ کہتا تو یہ ہے کہ اُس کے دستور بدلا نہیں کرتے لیکن کرتا یہ ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کے خلیفہ کے بارے میں اُس نے خود ہی اپنا دستور بدل دیا۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ سابق انبیاء و مرسلین کے خلفاء کو خدا نے نہیں مقرر کیا نہ اُس نے اپنے پیغمبروں سے اس کا اعلان کرایا بلکہ خود ان انبیاء و مرسلینؑ نے اپنا خلیفہ تجویز کر کے اپنی زندگی میں مقرر کر دیا اور اس کا اعلان کر دیا۔ تو اب حضرت رسو لخدا صلعم مورد الزام قرار پاتے ہیں کہ آپ نے اپنے اس ضروری فریضہ کو کیوں ترک کر دیا۔ اور جس دینی خدمت کو سابق انبیاء و مرسلین سے کسی نے بھی نہیں چھوڑا تھا۔ اُس سے حضرت ایسے رحمۃ للعالمین۔ سید الانبیاء و المرسلین نے کیوں روگردانی کی؟ حالانکہ خدا نے آپکو حکم دیا تھا کہ اولئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ۔ یعنی گذشتہ انبیاء و مرسلین وہ تھے جن کی اللہ نے ہدایت کر دی تھی۔ اب اے پیغمبر ان ہی کے طریقہ کی پیروی تم بھی کرو۔ (پارہ ۷ سورۂ انعام رکوع ۱۰/۱۹)

ان تمام وجوہ سے ماننا پڑے گا کہ حضرت رسو لخدا صلعم کی خلافت کو بھی خدا یا رسولؐ نے مسلمانوں پر نہیں چھوڑا کہ وہ اپنے انتخاب یا پنچائت یا اجماع یا شورے سے جسکو چاہیں

رسول کا خلیفہ بنالیں۔ اور نہ خدا ہی نے آنحضرتؐ کے خلیفہ کا اعلان کرلینے سے قبل اپنے رسول کو دنیا سے اوٹھایا اور نہ آنحضرت صلعم نے اپنا خلیفہ مقرر کرنے کے پہلے دنیا سے انتقال کیا بلکہ سابق انبیاء و مرسلین کی طرح خدا نے آپ کے خلیفہ کو بھی آپ کی زندگی ہی میں تجویز کر کے آپ سے اس کا اعلان کرا دیا۔ اور بار بار اس کی تاکید کراتا رہا۔ پھر آخر وقت تک مسلمانوں کو اس خلیفہ کی خلافت و ولایت کا مسئلہ یاد دلانے کے بعد اپنے رسول کو اپنی درگاہ میں بلا یا۔ کل معتبر کتب تاریخ و تفسیر و حدیث ہمارے اس دعوے کی تصدیق کرتی ہیں۔ مثلاً علامۂ طبری وغیرہ نے لکھا ہے کہ جب ۴ھ بعثت میں خدا کا یہ حکم نازل ہوا وانذر عشیرتک الاقربین اے رسول اپنے قرابتمندوں کو ڈراؤ۔ (پارہ ۱۹ سورہ شعراء رکوع ۱۱/۱۵) تو حضرت رسول خدا نے دعوت کا سامان کیا اور لوگوں کو جمع کر کے فرمایا انّی واللّٰہ ما اعلم شابا فی العرب جاء قومہ بافضل ممّا قد جئتکم بہ انی قد جئتکم بخیر الدنیا والاخرۃ۔ وقد امرنی اللّٰہ تعالیٰ ان ادعوکم الیہ۔ فایکم یوازرنی علیٰ ھذا الامر علی ان یکون اخی ووصیّی وخلیفتی فیکم۔ قال فاحجم القوم عنھا جمیعا وقلت وانی لاحدثھم سنّا وارمصھم عینا واعظمھم بطنا واحمشھم ساقا انا یا نبی اللّٰہ اکون وزیرک علیہ فاخذ برقبتی ثم قال ان ھذا اخی ووصیّی وخلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطیعوا۔ قال فقام القوم یضحکون ویقولون لابی طالب قد امرک ان تسمع لابنک وتطیع۔ بھائیو! خدا کی قسم میں عرب کے کسی جوان کو نہیں جانتا جو اپنی قوم کے پاس وہ چیز لایا ہو جو میرے لائے ہوئے امر (دین اسلام) سے جو میں تمھارے پاس لایا ہوں افضل ہو۔ میں تمھارے پاس دنیا و آخرت کی بھلائی لایا ہوں۔ اور خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کو اسی دین کی طرف بلاؤں۔ اب بتاؤ تم سے کون شخص اس کام میں میرا ہاتھ بٹائے گا تاکہ وہی میرا بھائی۔ میرا وصی (قائم مقام) اور (اسی وقت سے) میرا خلیفہ مقرر کر دیا جائے۔ آنحضرتؐ کی اس تقریر کا کسی شخص نے کچھ جواب نہیں دیا۔ مگر حضرت علیؑ نے باوجودیکہ عمر میں سب سے چھوٹے تھے عرض کی اے رسولؐ خدا اس خدمت کیلئے میں حاضر ہوں اور حضور کی وزارت میں کروں گا۔ اس پر حضرتؐ نے حضرت علیؑ کی گردن

پکڑ کر (اور پوری قوم کو اچھی طرح دکھا کر) فرمایا کہ (یاد رکھو) یہی علیؑ میرے بھائی۔ میرے وصی اور تم لوگوں میں میرے خلیفہ ہیں۔ تم سب لوگ اِن کا حکم ماننے اور اِن کی اطاعت کرتے رہنا۔ یہ بات سن کر سب لوگ قہقہہ لگاتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور جناب ابو طالب سے کہنے گئے کہ لو تمھیں حکم دیا گیا ہے کہ (اپنے ہی فرزند) علیؑ کی باتیں سنا کرو اور ان کی اطاعت کرتے رہو۔ (طبری جلد ۲ ص ۲۱۷)۔ یہی مضمون تاریخ کامل جلد ۲ ص ۲۲۔ ابو الفدا جلد ۱ ص ۱۱۶۔ حبیب السیر جلد ۱ جزو ۳ ص ۱۱۔ گبن جلد ۳ ص ۹۱۔ تاریخ اوکلی ص ۱۵۔ تاریخ مسٹر کارلائل ص ۹۱۔ تاریخ ایرونگ ص ۳۰۔ تاریخ گلمن ص ۳۵۔ تاریخ ڈیون پورٹ ص ۵ وغیرہ میں بہ تفصیل مرقوم ہے۔ اور کتب تفسیر سے تفسیر طبری جلد ۱۹ ص ۶۸۔ معالم التنزیل ص ۶۶۳۔ خازن جلد ۳ ص ۳۷۱۔ تفسیر ثعلبی۔ تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ اور کتب حدیث سے مسند امام احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۱۵۹ و خصائص نسائی و مختارہ ضیاء مقدسی و ازالۃ الخفا مقصد ۳ ص ۲۵۲۔ و کنز العمال جلد ۶ ص ۳۹۲ و ۳۹۶ و ۳۹۷ وغیرہ میں موجود ہے۔ سیرۃ حلبیہ وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے جس میں یہ زیادتی بھی ہے فانت اخی و وزیری و وصیی و وارثی و خلیفتی من بعدی حضرت علیؑ کی اس آمادگی پر حضرت رسولؐ نے آپ سے فرمایا۔ اچھا اب تم ہی میرے بھائی میرے وزیر۔ میرے وصی۔ میرے وارث اور میرے بعد میرے خلیفہ مقرر کر دئے گئے۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ ص ۲۸۹) چلئے معاہدہ ہو گیا۔ قرار داد پایۂ تکمیل کو پہونچ گئی۔ حضرت علیؑ نے بیعت کی حضرت رسولؐ نے بیعت لی کس بات پر؟ اسلام کی حمایت و نصرت اور دین الٰہی کی تائید و اعانت پر۔ اور رسولؐ نے اُسی وقت اپنی خلافت و جانشینی کا مسئلہ بھی طے کر دیا۔

غرض خدا و رسولؐ نے ابتدائے اسلام ہی میں خلافت کے مسئلہ کو واضح طریقہ سے طے کر دیا تھا اور حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان کر کے اس کو اس درجہ یقینی بلکہ بدیہی بنا دیا تھا کہ آج جو شخص بھی خواہ عیسائی ہو یا ہندو یا مسلمان۔ شیعہ سنی جھگڑوں سے الگ ہو کر اس کی تحقیق کرنا چاہیگا وہ آسانی سے یقین کر لیگا کہ خدا نے جس طرح رسالت کے مسئلہ کو صاف کر دیا تھا بالکل اسی طرح خلافت کی مہم بھی سر کر دی تھی۔ اور آنحضرتؐ نے جس طرح نماز و روزہ کا فریضہ لوگوں کو بتا دیا تھا اُسی طرح حضرت علیؑ کا خلیفہ بلا فصل ہونا بھی اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ اور صرف دنیا سے اپنے انتقال ہی کے قریب نہیں بلکہ اس سے بیس سال

قبل جب اسلام کی طرف شروع شروع لوگوں کو دعوت دی فرمایا کہ ان ھذا اخی ووصیی وخلیفتی فیکم۔ پھر اپنے انتقال تک کبھی یہ نہیں فرمایا کہ علی کو ہم نے اُس موقع پر چند دنوں کے لئے اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا مگر اب ان کو اس عہدہ سے معزول کرتے اور فلاں شخص کو ان کی جگہ اپنا خلیفہ مقرر کرتے ہیں۔ یا تم لوگوں پر چھوڑے جاتے ہیں کہ اپنے انتخاب یا پنچایت یا اجماع یا شوریٰ سے جس شخص کو چاہنا ہمارا خلیفہ اور امام مقرر کرلینا۔
ایک معمولی کام سورۂ برأۃ کی تبلیغ کرنا تھا اُس کے لئے آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر و حضرت عمر کو تجویز کرکے اُن کے حوالہ یہ کام کیا اور وہ آگے بڑھ بھی گئے مگر خدا کو یہ بات پسند نہ ہوئی تو فوراً جناب جبرئیلؑ کو بھیجکر دونوں صاحبوں کو اس عہدہ سے معزول کرا دیا۔ اور آپ کے عوض حضرت علیؑ کو مقرر کیا۔ اور باوجودیکہ حضرت ابوبکر وعمر کو اس ذلت کا سخت صدمہ بھی ہوا مگر خدا نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ خدا امت اسلام کے ہر کام کی طرف ہر وقت نگراں رہتا اور جب کوئی امر اس کیلئے مضر پاتا آنحضرتؐ کو اس پر تنبیہ فرما دیتا تھا۔ اسی طرح اگر حضرت علیؑ کا خلیفۂ بلافصل ہونا خدا کو ناپسند ہوتا یا وہ کسی دوسرے شخص کو تجویز کرتا یا حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان ۳ھ بعثت میں عارضی یا نمائشی یا نام بہادی یا صرف کار تبلیغ کیلئے رہتا تو خدا ضرور بعد کو دوسرا خلیفہ مقرر یا صرف حضرت علیؑ کو اس عہدہ سے معزول کراکے اس کا اعلان کرا دیتا۔
مگر ہم تو دیکھتے ہیں کہ بجائے معزول کرانے کے خدا ہمیشہ حضرت علیؑ کی خلافت کو مستحکم کراتا اور اس عہدہ کو ہمیشہ تازہ کراتا رہا ۳ھ بعثت میں اہل مکہ کے بڑے مجمع میں ان ھذا اخی ووصیی وخلیفتی کے ذریعہ سے حضرت علیؑ کی خلافت و وصایت کا اعلان کرایا۔ جو آپ کی خلافت کا قولی و منطوقی اشتہار تھا۔ اور جب آنحضرتؐ کو مکہ معظمہ سے ہجرت کرنے کا وقت ہوا اور ضرورت ہوئی کہ مکہ معظمہ میں کوئی شخص آنحضرتؐ کی خلافت کرکے آپ کے ضروری کام (امانتوں اور ودیعتوں کا واپس کرنا) انجام دے تو رسول خدا کا حکم ہوا کہ اب یہاں سے جاتے وقت تم اپنا خلیفہ حضرت علیؑ ہی کو مقرر کر جاؤ کہ وہی تمہارے فرش پر سوئیں اور تمہاری ہی چادر اوڑھیں اور اس کے بعد تمہاری امانتیں لوگوں تک پہونچا دیں۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ ہر کا فر و مسلم سمجھ لے کہ حضرت رسولخدا کے نائب اور قائم مقام حضرت علیؑ ہی ہیں۔ اور جس طرح اس وقت حضرت رسولخدا کے ہٹنے سے حضرتؐ کی جگہ حضرت علیؑ مقرر کئے گئے اُسی طرح آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد بھی آپ کی جگہ حضرت علیؑ ہی کیلئے موزوں ہے۔

نہ کسی اور کیلئے۔ غرض حضرت علیؑ کی خلافت کا فعلی و عملی اعلان پہلی دفعہ تو آنحضرتؐ کے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرتے وقت ہوا کہ باوجودیکہ بہت لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور انھیں میں حضرت ابو بکر و حضرت عمر و حضرت عثمان بھی تھے اور بہت ذی اثر بھی تھے۔ کہ مکہ میں ان لوگوں کی بڑی قوت و دبدبہ و اقتدار کا دعوی کیا جاتا ہے مگر کسی کے بارے میں خدا کا حکم آنحضرتؐ کو نہیں ہوا کہ اپنا نائب (خلیفہ) بنا کر ان کو اپنی جگہ سلا جاؤ۔ بلکہ حضرت علیؑ ہی اس عہدہ پر سرفراز کئے گئے۔ حضرت علیؑ کی خلافت کا دوسرا فعلی و عملی اعلان غزوۂ تبوک میں ہوا جسکی تفصیل معلوم ہے کہ جب آنحضرتؐ روانہ ہونے لگے اور حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ مدینہ میں قیام کرکے حضرتؐ کی خلافت کریں تو حضرت علیؑ کبیدہ خاطر ہو کر کہنے لگے اتخلفنی فی الصبیان والنساء کیا آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟ حضرتؐ نے جواب دیا اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰؑ الا انہ لا نبی بعدی۔ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم مجھ سے وہی نسبت رکھو جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی بسوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۵۳ و خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۵۔ تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۴۴ ریاض نضرۃ جلد ۲ صفحہ ۱۶۲۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۳۱۸ وغیرہ) اگر آخری جملہ لانبی بعدی کا نہ ہوتا تو جناب ہارون کی منزلت کو صرف وقتی جانشینی اور عارضی خلافت تک محدود سمجھا جا سکتا تھا لیکن اس جملہ سے ثابت ہوتا ہے کہ زندگی میں اور بعد وفات دونوں حالتوں میں حضرت علیؑ کو اسی جانشینی اور خلافت کا درجہ حاصل ہے جو جناب ہارون کو حضرت موسیٰؑ کے بعد حاصل ہوا۔ دنیا کو معلوم ہے کہ جناب ہارون حضرت موسیٰؑ کے شریک کار، معاون اور وزیر و جانشین تھے۔ اور اگر ان کی زندگی حضرت موسیٰؑ کے بعد باقی رہتی تو خلافت کا حق سوائے ان کے کسی کو نہ پہنچتا۔ بالکل اسی طرح حضرت علیؑ کیلئے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حیات و ممات ہر حالت میں رسول اللہ کے جانشین تھے۔ اور اگر جناب ہارون سے کوئی فرق تھا تو صرف یہ کہ جناب ہارون نبی تھے اور حضرت رسول اللہ کے بعد سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا۔ لیکن اگر یہ سلسلہ ختم نہ ہوتا تو نبی بھی سوائے حضرت علیؑ کے کوئی دوسرا نہ ہوتا۔

اسی حدیث کے متعلق جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی لکھتے ہیں۔ "ایں حدیث ہم دلیل... است در اثبات فضیلت حضرت امیرؑ در حجت امامت ایشان... ازیں حدیث

مستفاد می شود استحقاق آں جناب برائے امامت یعنی یہ حدیث بھی اس بات کی دلیل ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کی خلافت بلا فصل صحیح تھی۔ اور اس حدیث سے جناب امیرؑ کا امامت کیلئے استحقاق ثابت ہوتا ہے۔ (تحفۂ اثنا عشریہ ص۳۳۳)۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی خلافت اور امامت پر حضرت رسولؐ نے نص کردی تھی یہی شاہ صاحب ایک اور مقام پر لکھ چکے ہیں۔ خلفائے ثلٰثہ نزد اہلسنت نہ معصوم اند و نہ منصوص علیہ اہلسنت کے نزدیک خلفائے ثلٰثہ نہ تو معصوم ہیں اور نہ ان کی خلافت پر خدا و رسولؐ نے کوئی نص کی تھی۔ (تحفۂ اثنا عشریہ) اس سے واضح ہوا کہ خلفائے ثلٰثہ کی خلافت کے متعلق کوئی نص نہیں ہے۔ لہذا حضرت علیؑ کی خلافت بطور نص ثابت ہوگئی کیونکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں صریح نص وارد ہے کہ حضرت رسولخداؐ نے غزوۂ تبوک میں جاتے وقت حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ اس طرح صحیحین کی منقول نص کے مطابق حضرت علیؑ حضرت رسولخداؐ کے خلیفۂ مطلق ہوئے۔ کیونکہ جناب ہارون کو بھی حضرت موسیٰؑ نے اپنا خلیفہ ہی مقرر کیا تھا۔ پس جب تک خدا یا رسولؐ کا کوئی قول یا عمل اس حکم اور ارشاد کا ناسخ نہیں ہوگا اس وقت تک حضرت علیؑ ہی آنحضرتؐ کے خلیفۂ بلافصل رہینگے۔ علاوہ بریں شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے اس حدیث کو اس طرح نقل کیا ہے فقال لہ اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰؑ الا انہ لیس نبی بعدی۔ انہ لا ینبغی ان اذھب الا وانت خلیفتی۔ حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تم اس پر خوش نہیں ہوتے کہ جو مرتبہ جناب ہارون کو حضرت موسیٰؑ سے تھا وہی درجہ تم کو بھی مجھ سے ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ میرے بعد پھر کوئی نبی نہیں ہوگا۔ یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ میں جاؤں اور تم میرے خلیفہ نہ ہو۔ (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ ص۲۶۱)[1]

---

[1] اور علامہ سبط ابن جوزی نے لکھا ہے فقال الا ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰؑ الا النبوۃ وانت خلیفتی۔ اے علی تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم کو مجھ سے وہی مرتبہ حاصل ہے جو جناب ہارون کو حضرت موسیٰؑ سے تھا سوائے اس کے کہ تم کو نبوت نہیں ملیگی۔ اور میرے خلیفہ تم ہی رہوگے۔ (تذکرہ خواص الامۃ ص۱۲) اور علامہ علی متقی نے لکھا ہے قال رسول اللہ ﷺ حین خلفنی علی المدینۃ خلفتک لتکون خلیفتی حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ میں تم کو اس لئے چھوڑ کر جاتا ہوں کہ تم ہی میرے خلیفہ رہو۔ (کنز العمال جلد ۶ ص[illegible]) اور امام حاکم نے

(بقیہ حاشیہ ص۱۸۶)

آخری جملہ "کسی طرح مناسب نہیں ہے" الخ سے حضرت رسولؐ خدا فرماتے ہیں کہ جب میں جاؤں گا اُس وقت تمہیں کو میرا خلیفہ ہونا ضروری ہے۔ اِس طرح آنحضرت صلعم کے دنیا سے جاتے وقت بھی آں حضرتؐ کا خلیفہ حضرت علیؑ ہی کو ہونا چاہیئے۔ ورنہ آنحضرتؐ کا یہ قول کہ لاینبغی ان اذھب الاوانت خلیفتی غلط ہو جائے گا۔ اور بعد کا جملہ انہ لانبی بعدی اسی دعوے کی تائید کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو اے علیؑ تم ہی نبی ہوتے جیسے حضرت ہارون کو نبوت اور خلافت موسوی دونوں حاصل تھی لیکن چونکہ نبوت مجھ پر ختم ہوگئی ہے لہذا یہ عہدہ تم کو نہیں مل سکتا۔ ہاں دوسرا عہدۂ خلافت تمہارا ہی ہے۔ (یہ بحث چند صفحے پہلے بھی غزوۂ تبوک کے بیان میں گذر چکی ہے مگر چونکہ یہاں خلافت کی بحث ہے اور اس پر اس عبارت سے بھی کافی روشنی پڑتی ہے اس وجہ سے ان عبارتوں کو مکرر ذکر کیا گیا تاکہ اس کی اہمیت کی تاکید ہو جائے۔
جس طرح (بلا تشبیہ) قرآن مجید پارہ ۲۷ سورۂ رحمان میں خدا نے فبای الاء ربکما تکذبان کو کئی بار ذکر کیا ہے۔) پھر سورۂ برارت کی تبلیغ میں (جس کا ذکر صفحہ ۸۷ میں گذر چکا ہے) آنحضرتؐ کا فرمانا کہ لایبلغ عنی غیری او رجل منی یعنی دینی احکام کو میری طرف سے سوائے میرے یا ایسے شخص کے جو مجھ ہی سے ہو کوئی نہیں پہنچا سکتا۔ بتاتا ہے کہ کار رسالت آنحضرتؐ کے بعد اگر کوئی شخص انجام دے سکتا تھا تو وہ صرف حضرت علیؑ ہی تھے۔

اب دنیا سے جاتے وقت آں حضرتؐ نے حضرت علیؑ کی خلافت کا وہ اعلان کیا جو قولی بھی تھا اور عملی بھی، حضرتؐ کو خدا کا حکم ہوا فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب۔ اے محمدؐ اب کہ تم تمام احکام الٰہی کی تبلیغ سے فارغ ہو گئے تو (اپنی جگہ مقرر اور نصب کردو) اس کے بعد اپنے پروردگار کی طرف چلے آؤ۔ (پارہ ۳۰ سورۂ انشراح رکوع ۱/۱۸) اس آیت کا مطلب بالکل صاف ہے کہ اے رسولؐ جب تم اسلام کی کل خدمتیں انجام دے لو اور میرے دربار میں آنے لگو تو اس سے پہلے اپنی جگہ اپنے خلیفہ کو بٹھا کر لوگوں کو (پھر) دکھا دو۔

یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر آنحضرتؐ کو اپنا خلیفہ مقرر کرکے جانے کا حکم نہیں تھا تو اور

بقیہ حاشیہ ص ۱۸۵ —

لکھا ہے کہ آنحضرت نے یہ بھی فرمایا کان المدینۃ لا تصلح الا بی او بک۔ اے علی مدینہ کی حالت یا میرے رہنے سے درست رہیگی یا تمہارے رہنے سے۔ مستدرک

کون بات تھی جسکے لئے خدا کا حکم ہو رہا ہے کہ جب تم فارغ ہو جاؤ تو نصب بھی کر دو۔ کون سا کام باقی رہ گیا تھا؟ غرض حضرتؐ نے اس حکم کی تعمیل کی کہ حجۃ الوداع سے واپسی پر مقام غدیر خم میں حضرت علیؑ کو اپنے ساتھ منبر پر لیجا کر فرما دیا من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ اے مسلمانو! جس شخص کا مولا میں ہوں اُسی کے مولا علی بھی ہیں۔ اگرچہ آنحضرتؐ نے ۳ سنہ بعثت ہی میں فرما دیا تھا ان ھذا اخی ووصیی وخلیفتی فیکم اور اگرچہ شب ہجرت میں اور غزوۂ تبوک کے موقع پر بھی رسولخدا صلعم نے آپ کو . . اپنی جگہ عملاً مقرر کرکے اپنا خلیفہ بنا دیا اور اس کا اشتہار دے دیا تھا مگر اب تک کوئی ایسی صورت نہیں ہوئی تھی کہ مسلمانوں کے کسی بڑے مجمع میں ایک ہی منبر پر کھڑے ہو کر اور علیؑ کو بھی وہاں کھڑا کرکے رسولخدا نے آپکی خلافت اور مسند نشینی کا عملی اعلان کیا ہو۔ اِس سبب سے حکم خدا ہوا کہ جو مسلمان حجۃ الوداع سے واپس جا رہے ہیں ان کی تعداد کافی ہے۔ اور یہ مختلف مقامات کے بھی ہیں۔ اس سے اچھا مجمع پھر نہیں ملیگا۔ بس اسی جگہ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔ اے رسولؐ جو (خاص) حکم تم پر نازل کیا گیا ہے اُس کو (جلد) پہنچا دو۔ اگر تم نے اس کو نہیں پہنچایا تو (معلوم ہوگا کہ) تم نے خدا کا کوئی حکم بھی نہیں پہنچایا۔ (پارہ ۶ رکوع ۱۴) اس حکم کی تعمیل میں آنحضرتؐ نے کجاووں کا منبر طیار کرایا اور اُس پر حضرت علیؑ کو لے جا کر اور مسلمانوں کو دکھا کر فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ جس کا مولا میں ہوں اُس کے مولا علیؑ بھی ہیں۔ علامہ ابن حجر مکی نے اس روایت کو درج کرکے اس پر اس طرح تبصرہ کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ اور امام ترمذی نسائی احمد بن حنبل وغیرہ ایک جماعت نے اس کی تخریج کی ہے اور اس کے طرق واسناد بہت زیادہ ہیں۔ چنانچہ ۱۶ صحابیوں نے اس کی روایت کی ہے۔ اور امام احمد بن حنبل کی ایک روایت میں ہے کہ ۳۰ صحابیوں نے اس کے سننے کی گواہی دی ہے۔ اور اس کے اسناد اکثر صحیح و حسن ہیں (صواعق محرقہ مطبوعہ مصر ص۲۵)۔ استیعاب ابن عبد البر و اسد الغابہ ابن اثیر جزری وغیرہ میں متعدد مقام پر یہ روایت مذکور ہے۔ اور آخر میں حضرت عمر کا حضرت علیؑ کو مبارک باد دینا کہ ھنیأ لک یا ابن ابی طالب اصبحت وامسیت مولا کل مومن ومومنۃ اے فرزند ابو طالبؑ آپ کو مبارک ہو کہ آپ ہر مومن و مومنہ کے مولا ہوگئے۔ (ریاض نضرہ جلد ۲ ص۱۶۹)

بھی ثابت کرتا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو اپنا ولی عہد اور خلیفہ ہی بنایا۔ اور اس موقع پر اسی کا عملی اعلان کیا تھا۔ اور سب لوگوں نے یہاں تک کہ حضرت عمر نے بھی اس اعلان کا یہی مطلب سمجھا۔ اگر یہ حضرت علیؑ کی خلافت کا آخری اعلان نہیں تھا تو اس میں آپ کی کون سی نئی عزت و فضیلت تھی جس پر حضرت عمر کو مبارکباد دینے کی ضرورت ہوئی؟

خلافت کی بحث مفصل طور پر حضرت ابوبکر کی سوانح عمری میں درج کی جا چکی ہے لیکن اس امر میں چونکہ حضرت ابوبکر و عمر کا چولی دامن کا ساتھ تھا اس وجہ سے مجبوراً اس سوانح عمری میں بھی مذکورۂ بالا بحث کا خلاصہ نقل کر دیا گیا۔ مولوی شبلی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے "آخیر بحث یہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ بے جا تھا یا بجا؟ اس کو ہر شخص جو ذرہ بھی اصول تمدن سے واقفیت رکھتا ہو بہ آسانی سمجھ سکتا ہے۔ آنحضرتؐ نے جس وقت وفات فرمائی مدینۂ منورہ منافقوں سے بھرا ہوا پڑا تھا جو مدت سے اس بات کیلئے منتظر تھے کہ رسول اللہ کا سایہ اُٹھ جائے تو اسلام کو پامال کر دیں۔" (الفاروق ۔۔) یہ تحریر کس درجہ مضحکہ خیز ہے؟ آنحضرتؐ نے جس وقت وفات فرمائی کیا اُسی روز ریل سے دس بیس ہزار منافقین کہیں سے پہنچ گئے تھے؟ یا مدینہ سے باہر ہزاروں منافقین چھپے ہوئے تھے جو اُسی روز وہاں پہنچ گئے؟ سب جانتے ہیں کہ اسلام میں شروع ہی سے منافقین بھی تھے بلکہ مکۂ معظمہ میں بھی اور مدینۂ منورہ میں بھی۔ پھر وہ منافقین اسلام کو پامال کرنے کیلئے حضرت رسولؐ خدا کی وفات کے منتظر کیوں تھے؟ کیا آنحضرتؐ خود ہی اتنی طاقت رکھتے تھے کہ تنِ تنہا ہزاروں منافقین کو روکے رہتے اور حضرتؐ کے صحابہ اتنے کمزور تھے کہ ان سے کوئی منافق رک نہیں سکتا تھا؟ آخر ان منافقین کو اسلام کے پامال کرنے کیلئے آنحضرتؐ کا سایہ اُٹھ جانے کا انتظار کیوں تھا؟ جب آنحضرتؐ مدینہ سے باہر کسی غزوہ میں تشریف لیجاتے تھے اور حضرتؐ کے ساتھ ہزاروں صحابہ بھی مدینہ خالی کر دیتے تھے اور یہ سب لوگ مدت دراز تک مدینہ سے باہر ہی رہتے تھے منافقین کو زیادہ موقع مل سکتا تھا کہ اسلام کو پامال کر دیں۔ پھر اُس زمانہ میں کس منافق نے سر اٹھایا اور اسلام کو کیا نقصان پہنچایا؟ ظاہر ہے کہ اسلام کی حمایت کرنے والے، مسلمانوں کو بچانے والے، دشمنوں کو دفع کرنے والے اہل اسلام ہی تھے جن کے مقابلہ میں منافقین کچھ کر نہیں سکتے تھے اور رسولؐ کے انتقال پر وہ کل اہل اسلام اپنی اپنی جگہ موجود ہی تھے کوئی بھی وہاں سے ہٹا نہیں تھا

پھر منافقوں کا خوف ہی کیوں ہوتا ؟ جس طرح رسولؐ کی زندگی میں منافقوں کا زور نہیں چل سکا اُسی طرح وفات کے موقع پر بھی ان سے کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ ان وجوہ سے کہنا پڑے گا کہ ہاں اس نازک وقت میں یہی ضروری تھا کہ مسلمان رسولؐ کے غسل و دفن میں مشغول رہتے اور ان فرائض سے فارغ ہونے کے بعد حضرتؐ کے مقرر کردہ خلیفہ بلا فصل کی اطاعت کر کے امورِ اسلام کو اُسی طرح انجام دیتے جس طرح رسولؐ کی زندگی میں کرتے تھے۔ اگر اُس وقت منافقوں کا زور اس قدر بڑھ گیا ہوتا تو حضرت رسول خدا صلعم اسامہ کے ماتحت مسلمانوں کی بڑی جماعت کو مدینے سے بہت دور چلے جانے کا حکم نہیں دے سکتے تھے۔ اور اگر واقعاً منافقین اسلام کے پامال کرنے کے انتظار میں ہوتے تو حضرت رسولؐ کے مرض ہی میں ان کی کسی کوشش کا پتا لگ جاتا۔ مگر تمام کتب تاریخ و حدیث ان باتوں سے خاموش ہیں اور سب بتاتی ہیں کہ اُس وقت مدینہ میں پورا سکون اور ہر طرح اطمینان تھا۔ منافقین موجود ضرور تھے مگر وہ اپنے کو اُسی طرح کمزور سمجھتے تھے جس طرح رسولؐ کی زندگی میں جانتے تھے کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ صرف رسولؐ نے انتقال کیا جو کسی کے مقابلہ پر تلوار اُٹھاتے تک نہیں تھے۔ اور حضرتؐ کی طرف سے جو لوگ جہاد کرتے تھے اسی طاقت اور شان و شوکت سے موجود ہیں۔ جو شخص سر اُٹھائیگا اُس کی سرکوبی اُسی طرح کی جائیگی جس طرح رسولؐ کی زندگی میں کی جاتی۔

دوسری فصل

استحکام خلافت اولیٰ کے لئے حضرت عمر کی جد و جہد

اِس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت ابوبکر کی تائید و اعانت کر کے حضرت عمر نے آپ کی خلافت کو اس طرح مستقل کر دیا کہ کوئی شخص اپنی خلافت کے لئے بھی اتنی جانفشانی نہیں کرتا اور آپ نے اس کے لئے نہ کسی ذات کی پروا کی نہ کسی مصیبت کی۔ پھر لوگوں سے زبردستی بیعت لینے کی کوئی کوشش نہیں اٹھا رکھتے۔ آپ بیان کرتے تھے۔ ارتفعت الاصوات واللغط فلما خفت الاختلاف قلت لابی بکر ابسط یدک ابایعک۔ فبسط یدہ فبایعتہ وبایعہ الناس۔ ثم نزونا علی سعد بن عبادہ فقال قائلھم قتلتم سعدا۔ فقلت قتل اللہ سعدا (سقیفہ میں بیعت کا جھگڑا شروع ہو گیا تو آوازیں بلند

ہو گئیں اور شور وغل ہونے لگا۔ مجھے اختلاف کا خوف ہوا۔ یہ خیال کر کے میں نے ابوبکر سے کہا ہاتھ بڑھائیں تمہاری بیعت کر لوں۔ اُنھوں نے بڑھا دیا۔ میں نے جھٹ اُس پر بیعت کر لی۔ پھر اور لوگوں نے بیعت کی۔ پھر ہم لوگ (اپنے مخالف) سعد بن عبادہ پر ٹوٹ پڑے۔ یہ دیکھ کر اُن کے کسی طرفدار نے کہا ہائے تم نے سعد کو قتل کر دیا۔ تو میں (حضرت عمر) نے کہا کہ اللہ سعد کو قتل کر دے۔ (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۲۴) وکادوا یطئون سعد بن عبادہ فقال ناس من اصحاب سعد اتقوا سعدا لا تطئوہ۔ فقال عمر اقتلوہ قتلہ اللہ۔ ثم قام علی راسہ فقال لقد هممت ان اطاک حتی تند رعضوک۔ فاخذ سعد بلحیۃ عمر فقال واللہ لو حصصت منہ شعرۃ ما رجعت وفی فیک واضحۃ فقال ابو بکر مهلا یا عمر الرفق ههنا ابلغ فاعرض عنہ عمر وقال سعد اما واللہ لو ان لی قوۃ ما اقوی علی النہوض لسمعت منی فی اقطارها وسککها زئیرا یجحرک واصحابک اما واللہ اذا لالحقنک بقوم کنت فیهم تابعا غیر متبوع۔ احملونی من هذا المکان فحملوہ فادخلوہ فی دارہ قریب تھا کہ سعد بن عبادہ کو لوگ روند ڈالیں۔ جس پر سعد کے ساتھیوں سے کچھ لوگوں نے کہا سعد کو چھوڑ دو۔ ان کو نہ روندو۔ اس کے جواب میں حضرت عمر نے کہا تم سب لوگ سعد کو قتل کر ڈالو۔ خدا بھی اس کو قتل کر دے۔ پھر حضرت عمر خود ہی سعد کے سر پر سوار ہو کر کہنے لگے میں نے طے کر لیا ہے کہ تم کو اس طرح کچل ڈالوں کہ تمہارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ اس پر سعد نے حضرت عمر کی ڈاڑھی پکڑ لی تو کہا خدا کی قسم اگر تم نے میرا ایک بال بھی اُکھاڑا تو میں تمہارے کل دانتوں کو توڑ ڈالوں گا۔ اور تم اپنے گھر کو اس طرح واپس جاؤ گے کہ تمہارے منہ میں کوئی بھی دانت نہیں ہو گا۔ تب حضرت ابوبکر نے کہا اے عمر اپنے کو روکو یہ موقع نرمی کا ہے اسی سے زیادہ کام نکلے گا۔ اس کے بعد حضرت عمر سعد کے اوپر سے اُترے تو سعد نے کہا خدا کی قسم اگر (میں بیمار نہ ہوتا اور) مجھ میں اتنی قوت بھی ہوتی کہ خود سے اُٹھ سکتا تو مدینہ کی سڑکوں اور گلیوں میں تم میری وہ ہیبت ناک آواز سنتے جس پر تم بھی اور تمہارے ساتھی بھی خوف سے زمین کے سوراخوں میں گھستے پھرتے۔ خدا کی قسم اگر میری صحت درست رہتی تو میں تم کو اُن لوگوں میں ملا دیتا جن کے تم لوگ رعیت بن کر رہتے اور سردار نہیں بننے پاتے۔ (مگر میرے مرض نے مجھے بے بس کر دیا ہے۔

پھر اپنے ساتھیوں سے کہا) مجھے اس جگہ سے اٹھالے چلو۔ لوگ اُن کو اُٹھالے گئے۔ اور اُن کے گھر پہنچا دیا۔ (طبری جلد ۳ صـ۲۱۰) اور علامہ ابن اثیر وغیرہ نے لکھا ہے وبایعہ الناس فقالت الانصار او بعض الانصار لا نبایع الا علیاً۔ قال وتخلف علیٌ وبنو ھاشم والزبیر وطلحۃ عن البیعۃ وقال الزبیر لا اغمد سیفا حتی بایع علیٌ۔ فقال عمر خذ واسیفہ واضربوا بہ الحجر ثم اتاھم عمر فاخذھم للبیعۃ۔ جب حضرت ابوبکر کی بیعت ہونے لگی تو سب انصار یا بعض انصار نے کہا ہم تو حضرت علی کے سوائے کسی کی بھی بیعت نہیں کرسکتے۔ اور حضرت علیؑ و خاندان بنی ہاشم و زبیر و طلحہ نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے انکار کر دیا۔ زبیر نے تو یہاں تک کہدیا کہ جب تک حضرت علیؑ کی بیعت نہیں کی جائیگی میں اپنی تلوار نیام میں نہیں کرونگا۔ اس پر حضرت عمر نے لوگوں سے کہا زبیر کی تلوار چھین کر پتھر پر پٹک دو۔ پھر حضرت عمر ان لوگوں کے پاس گئے اور ان کو بیعت کے لئے گرفتار کرلیا۔ (کامل جلد ۲ صـ۱۲۴) اُن لوگوں کی ان کارروائیوں سے حضرت علیؑ کو اس درجہ صدمہ ہوا کہ فقال علی کرم اللہ وجہہ اللہ اللہ یا معشر المہاجرین لا تخرجوا سلطان محمد فی العرب من دارہ وقعر بیتہ الی دورکم وقعور بیوتکم وتدفعون اھلہ عن مقامہ فی الناس وحقہ۔ فواللہ یا معشر المہاجرین لنحن احق الناس بہ لانا اھل البیت ونحن احق بھذا الامر منکم ما کان فینا القاری لکتاب اللہ الفقیہ فی دین اللہ۔ العالم بسنن رسول اللہ المضطلع لامر الرعیۃ المدافع عنہم الامور السیئۃ۔ القاسم بینہم بالسویۃ۔ واللہ انہ لفینا فلا تتبعوا الھوی فتضلوا عن سبیل اللہ فتزدادوا من الحق بعدا۔ اُس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا اے گروہ مہاجرین اللہ سے ڈرو۔ خدا (کے عذاب) سے بچو۔ عرب میں حضرت رسول خدا صلعم کو جو اقتدار اور تسلط حاصل ہے اُسے حضرت کے گھر اور حضور کے خاندان سے نکال کر اپنے گھروں اور اپنے خاندانوں کی طرف نہ لے جاؤ۔ اور مسلمانوں کے درمیان حضرتؐ کے اہلبیتؑ کا جو درجہ قائم ہوچکا ہے اُس سے اور اُن کے حق سے جو اُن کو ہٹاتے ہو (بہت برا کرتے ہو) کیونکہ اے گروہ مہاجرین خدا کی قسم سب سے زیادہ ہم لوگ ہی اس خلافت کے حقدار ہیں۔ اس لئے کہ ہم ہی اہلبیت رسولؐ ہیں۔ اور جب تک ہم لوگوں میں کتاب خدا کا پڑھنے والا۔ دینِ خدا کا سمجھنے والا۔ رسولؐ کی سنتوں کا جاننے والا

امورِ رعایا کی خبر رکھنے والا۔ اور اُن کے لئے سینہ سپر ہونے والا۔ اُن کی مشکلات۔ پریشانیوں اور برائیوں کا دفع کرنے والا۔ اور اُن کے درمیان برابری سے تقسیم (حقوق) کرنے والا موجود رہیگا۔ اُس وقت تک تم سب سے زیادہ ہم لوگ ہی اس (خلافت) کے مستحق رہیں گے۔ اور خدا کی قسم اِن صفات کا شخص یقیناً ہم (اہلبیتؑ) میں موجود ہے۔ (جس کو تم لوگ بھی خوب پہچانتے ہو) پس تم لوگ اپنے ہوا و ہوس نفسانی کی پیروی نہ کرو جس کے سبب خدا کی راہ سے گمراہ ہو کر حق سے اور زیادہ دور ہوتے چلے جاؤ گے۔ (کتاب الامامۃ والسیاستہ ص۱۲) ۔ اور روضۃ الاحباب میں ہے "بعد ازاں انصار بیعت نمودند الا طائفۂ قلیلہ کہ بعضے گفتند کہ ما بیعت با ہیچ کس نکنیم الا بعلی بن ابی طالب۔ و گویا شیخ فرید الدین عطار از زبان آں جمع گفتہ ؎

زمشرق تا بہ مغرب گر امام است — علیؑ و آل و اولادش تمام است

یعنی اس کے بعد انصار نے بیعت کی مگر ایک چھوٹی جماعت نے نہیں کی۔ وہ یہی کہتے رہے کہ ہم لوگ سوائے حضرت علیؑ کے کسی کی بھی بیعت نہیں کرسکتے۔ اور گویا شیخ فرید الدین عطار نے اسی جماعت کی زبان سے ترجمہ کر کے کہا ہے کہ مشرق سے مغرب تک اگر کوئی امام ہو سکتا ہے تو وہ حضرت علیؑ اور آپ کی آل و اولاد ہی ہیں۔ (روضۃ الاحباب جلد ۲ ص۲۳)۔

غرض حضرت ابو بکر کی خلافت جمانے کے لئے حضرت عمر نے جو جد و جہد کی اُس کی حد و انتہا بیان نہیں ہو سکتی۔ جن لوگوں نے اس سے انکار کیا اُن کے بارے میں ہے فذھب الیھم عمر فی عصابۃ فقالوا انطلقوا فبایعوا ابا بکر فابوا۔ فخرج الزبیر بن العوام رض فقال عمر رض علیکم بالرجل فخذوہ۔ فوثب علیہ سلمۃ بن اشیم فاخذ السیف من یدہ فضرب بہ الجدار وانطلقوا بہ۔ ان مخالفین بیعت کی طرف حضرت عمر ایک جتھا لئے ہوئے پہنچے اور کہا بس چل کر ابھی ابو بکر کی بیعت کرلو۔ مگر اب بھی ان سب نے انکار کیا۔ بلکہ زبیر بن العوام (جو عشرہ مبشرہ سے تھے) تلوار لئے ہوئے نکل پڑے تو حضرت عمر نے (اپنے سپاہیوں سے) کہا اس شخص کو سب مل کر گرفتار کرلو۔ اس پر سلمہ بن اشیم جناب زبیر پر اُچک کر پہنچ گئے اور ان کی تلوار ان کے ہاتھ سے چھین کر دیوار پر پھینک دی اور سب کو گرفتار کر لے گئے۔ (کتاب الامامۃ والسیاستہ ص۱۸ و کامل جلد ۲ ص۱۲۵ وغیرہ)۔ اور علامہ طبری نے لکھا ہے۔ تخلف علیؑ والزبیر واخترط

الزبیر سیفہ وقال لا اغمدہ حتی یبایع علیؑ فبلغ ذلک ابابکر وعمر۔ فقال عمر خذوا سیف الزبیر فاضربوا بہ الحجر۔ قال فانطلق الیہم عمر فجاء بہما تعباً وقال لتبایعان وانتما طائعان او لتبایعان وانتما کارھان۔ حضرت علی اور زبیر نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی اور زبیر نے تو اپنی تلوار بھی سونت لی۔ اور کہا میں اس کو اُس وقت تک نیام میں نہیں کروں گا جب تک حضرت علیؑ کی بیعت نہیں کی جائیگی۔ یہ خبر حضرت ابوبکر و عمر تک پہنچی تو کہا زبیر کی تلوار چھین کر پتھر پر پٹک دو۔ پھر حضرت عمر خود ان لوگوں کی طرف گئے اور ستاتے ہوئے ان کو گرفتار کر لائے۔ اور کہا چاہو خوشی سے بیعت کرو چاہو جبر سے کرو۔ کرنا ضرور ہوگا۔ (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۹۹) مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ زبیر کی تلوار اُن سے چھین نہیں سکے۔ بلکہ اُن کے ہاتھ سے وہ خود ہی گر گئی اور اُن لوگوں نے اُٹھالی۔ علامہ طبری نے لکھا ہے اتی عمر بن الخطاب منزل علیؑ وفیہ طلحۃ والزبیر و رجال من المہاجرین۔ فقال واللہ لاحرقنّ علیکم اولتخرجنّ الی البیعۃ۔ فخرج علیہ الزبیر مصلتا بالسیف فعثر۔ فسقط السیف من یدہ فوثبوا علیہ۔ فاخذوہ۔ حضرت عمر حضرت علیؑ کے دولت خانہ پر پہنچ گئے اُس وقت اُس میں جناب طلحہ و زبیر اور دوسرے بہت سے مہاجرین کا مجمع تھا۔ آپ نے آکر کہا خدا کی قسم میں اس گھر میں آگ لگا کر تم سب لوگوں کو اس میں پھونک ڈالوں گا۔ ورنہ تم سب نکل کر چلو اور حضرت ابوبکر کی بیعت کرلو۔ یہ سننا تھا کہ حضرت زبیر تلوار کھینچے ہوئے اُن میں سے نکل پڑے مگر اتفاقاً ٹھوکر کھا کر گرے تو تلوار ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اس پر حضرت عمر کے لوگ اُن پر ٹوٹ پڑے اور انھیں گرفتار کر لیا۔ (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۹۸)۔

لطف یہ ہے کہ جب بیعت کا مرحلہ طے ہوگیا اور مخالفین زیر کر لئے گئے تو یہی حضرت عمر اس بیعت کے متعلق یہ فرمانے لگے فلا یغرن امرءً ان یقول ان بیعۃ ابی بکر کانت فلتۃ فقد کانت کذالک غیر ان اللہ وقی شرھا۔ کسی شخص کو یہ بات دھوکے میں نہ رکھے کہ وہ کہے حضرت ابوبکر کی بیعت (بس کیا ہوئی۔ وہ) تو ناگہانی طور پر۔ یا چھین جھپٹ کر ہوگئی۔ ہوئی تو وہ اسی طرح (چھین جھپٹ کر) مگر خدا نے اُس کی خرابیوں سے (سب کو) بچالیا۔ (طبری جلد ۳ ص ۲۰۰ وصواعق محرقہ ص ۲۱ ومسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۵۵ و

صحیح بخاری پارہ ۲۸ صفحہ ۳۶۵ باب رجم الحبلی)۔ اِس جملہ کے متعلق مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدر آبادی نے لکھا ہے:۔ "ان بیعۃ ابی بکر کانت فلتۃ وقی اللہ شرھا۔ حضرت عمر نے کہا ابوبکر صدیق کی بیعت تو ناگہانی یکایک (بغیر غور و فکر کے) ہو گئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی بیعت سے جو شر و فساد پیدا ہوتا ہے اُس سے اپنے بندوں کو محفوظ رکھا۔ (ہوا یہ کہ صحابہ میں اختلاف ہو رہا تھا کس سے بیعت کی جائے۔ اور حضرت علی اور بنی ہاشم اور کئی صحابہ اس جلسہ میں موجود بھی نہ تھے۔ ان کی رائے بھی نہیں لی گئی تھی۔ اتنے میں حضرت عمر نے لپک کر حضرت صدیق سے بیعت کر لی۔ اُن کے دیکھا دیکھی رو پڑ گئی۔ پھر کیا تھا جو آیا اُس نے اُن سے بیعت کر لی۔ بعضوں نے یوں ترجمہ کیا ہے کہ ابوبکر صدیق کی امامت گویا لوگوں سے چھین اور اُچک کر ہو گئی تھی کیونکہ دوسرے ... نفس اس کے طلب گار تھے۔ بعضوں نے کہا فلتہ کہتے ہیں حرام مہینوں کی آخری رات کو۔ اس میں لوگوں کا اختلاف ہوتا ہے۔ کوئی کہتا ہے وہ بھی حرام ہے۔ کوئی کہتا ہے وہ حلال ہے اور اُس میں شر اور فساد اور خوں ریزی کو جائز سمجھتا ہے۔ تو آنحضرت کی زندگی کے مہینوں کو حرام سے تشبیہ دی۔ اور آپ کی وفات کے دن کو فلتہ سے" (انوار اللغۃ پارہ ۲۰ صفحہ ۱) اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کا معنی یہ لکھا ہے قال الداؤدی معنی قولہ کانت فلتۃ انھا وقعت من غیر مشورۃ مع جمیع من کان ینبغی ان یشاور علامہ داؤدی کہتے تھے فلتہ کا معنی یہ ہے کہ جن لوگوں کے مشورہ سے اس خلافت کا ہونا مناسب تھا بغیر ان کی رائے کے واقع ہو گئی۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری پارہ ۲۸ صفحہ ۳۶۵) علامہ داؤدی یہ بھی کہتے تھے انہ لم یکن مع ابی بکر حینئذ من المھاجرین الا عمر وابو عبیدۃ اُس وقت جماعت مہاجرین سے حضرت ابوبکر کی بیعت سوائے حضرت عمر و ابو عبیدہ کے کسی نے بھی نہیں کی (فتح الباری پارہ ۲۸ صفحہ ۳۶۸) اور علامہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے ذکر صاحب الصحاح ان الفلتۃ الامر الذی یعمل فجاءۃ من غیر تردد ولا تدبر وھکذا کانت بیعۃ ابی بکر لان الامر لم یکن فیھا شوری بین المسلمین وانما وقعت بغتۃ لم تمحض فیھا الاراء ولم یتناظر فیھا الرجال وکانت کالشیٔ المستلب المنتھب علامہ جوہری نے لغت کی مشہور کتاب صحاح میں لکھا ہے کہ فلتہ سے مراد وہ امر ہوتا ہے جو

اچانک بغیر غور و فکر کئے ہو جائے چنانچہ حضرت ابوبکر کی بیعت اسی طرح واقع ہو گئی جس میں نہ لوگوں کی رائیں دیکھی گئیں اور نہ لوگوں نے اس میں غور و فکر کا موقع پایا بلکہ اس طرح ہو گئی جیسے کوئی چھینی۔ اُچکی اور غصب کی ہوئی چیز ہوتی ہے۔ (شرح نہج البلاغہ طبع مصر جلد ا ص۱۲۳)۔

اب سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت ابوبکر کی بیعت اور حضرت عمر کی اس ذاتی کارروائی پر اجماع کا دعوٰے کس اصول سے کیا جاتا ہے؟ کیا صرف حضرت عمر کے بیعت کر لینے سے یہ بیعت اجماعی ہو گئی؟ یا کیا صرف جناب ابو عبیدہ کے تائید کر دینے سے اس پر اجماع کی تعریف صادق آگئی؟ اور سب سے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ جو لوگ خلافت حضرت ابوبکر پر اجماع کا دعوٰی کرتے ہیں وہ حضرت عمر کی تکذیب کرتے ہیں یا تصدیق؟ اس لئے کہ ممدوح فرماتے ہیں حضرت اول کی بیعت فلتة (بغیر رائے اور مشورے کے) ہو گئی۔ اور اب یہ لوگ کہتے ہیں کہ نہیں اجماع سے ہوئی۔ غالباً اسی مصیبت سے چھٹکارا پانے کے لئے دوسرے لوگوں نے کہدیا کہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کی بیعت کو فلتة نہیں بلکہ فتنہ کہا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فرماتے تھے لا یغرن امرءً ان یقول ان بیعة ابی بکر کانت فلتة فقد کانت کذالک کسی شخص کو یہ امر دھوکا نہ دے کہ کہے حضرت ابوبکر کی بیعت ایک فتنہ تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ تھی ایسی ہی (فتنہ) مگر خدا نے اُس کے شر سے بچا لیا۔ (کامل جلد ۲ ص۱۲۳)۔ اس فتنہ کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ ممکن ہے یہ ہو کہ حضرت عمر جانتے تھے رسول خدا کے بعد حضرت علیؑ کو الگ کر کے جو شخص بھی خلافت پر قدم رکھے گا وہ چونکہ حضرت رسول خدا صلعم کے مقرر کئے ہوئے خلیفہ بلا فصل کے مقابلہ میں اس پر مسلط ہو گا اس وجہ سے اسلام میں عظیم الشان فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا۔ یا وہ خدا کے ہاں بڑے فتنہ اور رخنہ کا باعث قرار پائے گا۔ اور مسلمانوں کی ایک جماعت کہتی ہے کہ حضرت عمر جانتے تھے رسول خدا کے بعد حضرت علیؑ کے مقابلہ میں جو شخص بھی خلافت پر قدم رکھے گا وہ مخالفتوں اور بغاوتوں کا شکار ہو جائے گا۔ اس سبب سے موصوف نے رائے قائم کی کہ بہتر ہے اس کے لئے حضرت ابوبکر ہی پیش کئے جائیں۔ اور جب میدان ہموار یا کار خلافت آسان ہو جائے گا تو ہم خود اس بار کو اُٹھا لیں گے۔ علاوہ بریں حضرت ابوبکر

بہت بوڑھے ہو چکے ہیں۔ خلافت کے ابتدائی جھگڑوں کو ختم کرتے کرتے ان کی مدت حیات پوری ہی ہو جائے گی۔ اس وقت ان کی بیعت کر لینے سے ابتدائی مصائب سے ہم محفوظ بھی ہو جاتے ہیں اور ان پر احسانِ عظیم بھی ہوا جاتا ہے جس کے عوض یہ دنیا سے چلتے وقت خلافت کو ہمارے ہی حوالہ کر دیں گے۔ حضرت علیؓ نے بھی اُسی وقت یہ بات فرمادی۔ علامہ ابن قتیبہ وغیرہ نے لکھا ہے ان علیاً کرم اللہ وجہہ اتی بہ ابوبکر وھو یقول انا عبد اللہ و اخو رسولہ۔ فقیل لہ بایع ابا بکر۔ فقال انا احق بھذا الامر منکم لا ابایعکم وانتم اولی بالبیعۃ لی۔ اخذتم ھذا الامر من الانصار واحتججتم علیھم بالقرابۃ من النبیؐ وتاخذوہ منا اھل البیت غصبا۔ الستم زعمتم للانصار انکم اولی بھذا الامر منھم لما کان محمدؐ منکم۔ فاعطوکم المقادۃ وسلموا الیکم الامارۃ فاذا احتج علیکم بمثل ما احتججتم علی الانصار نحن اولی برسول اللہ حیا ومیتا فانصفونا ان کنتم تؤمنون۔ والا فبؤا بالظلم وانتم تعلمون۔ فقال لہ عمر انک لست متروکا حتی تبایع۔ فقال لہ علی احلب حلبا لک شطرہ۔ و شد لہ الیوم یردہ علیک غدا۔ ثم قال واللہ یا عمر لا اقبل قولک ولا ابایعہ فقال لہ ابوبکر فان لم تبایع فلا اکرھک۔ جب حضرت ابوبکر کے لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ان کے پاس لائے تو آپ فرماتے تھے میں خدا کا بندہ اور اُس کے رسُول کا بھائی ہوں۔ جب حضرت علیؓ سے کہا گیا آپ حضرت ابوبکر کی بیعت کر لیجئے تو حضرت نے فرمایا تم سب سے زیادہ مستحقِ خلافت میں ہوں۔ میں تمہاری بیعت نہیں کر سکتا بلکہ تم لوگوں ہی کو میری بیعت کرنی چاہیئے۔ تم نے خلافت کو انصار سے نکالتے وقت یہ استدلال کیا ہے کہ تم حضرت رسولِ خدا کے قرابت دار ہو۔ (اور انصار حضرتؐ کے اغیار ہیں) مگر تم سب اس خلافت کو ہم اہلبیت (رسُول) سے غصب کر کے اپنے قبضہ میں رکھنا چاہتے ہو۔ کیا تم نے انصار کے مقابلہ میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ "چونکہ ہم لوگ حضرت محمدؐ کے قریبی رشتہ دار ہیں اس وجہ سے خلافت کے بھی زیادہ مستحق ہم ہی ہیں"۔ تمہاری اس دلیل پر انصار نے خلافت تمہیں چھوڑ دی اور حکومت کے دعوے سے دست بردار ہو گئے۔ اب میں بھی تمہارے مقابلہ میں وہی دلیل پیش کرتا ہوں جو تم نے انصار کے مقابلہ میں پیش کی تھی اور کہتا ہوں کہ حضرت رسولؐ خدا کی زندگی میں اور حضرت کے

انتقال پر بھی ہم (اہلبیت) ہی حضرت کے زیادہ قریبی رشتہ دار (بلکہ حضرت کے جزو) ہیں ۔ اب اگر ایمان رکھتے ہو تو ہمارے حق میں انصاف کرو۔ ورنہ جان بوجھ کر ظالم بنے رہو۔ حضرت علیؑ کی اس تقریر پر حضرت عمر بولے جب تک تم بیعت نہیں کرلو گے چھوڑے نہیں جا سکتے ۔ اس پر حضرت علیؑ نے کہا ہاں ہاں اس (خلافت) کا دودھ خوب دوہ لو جس سے تمھیں بھی حصہ ملے اور آج اس خلافت کو حضرت ابوبکر کے لئے خوب مضبوط کردو۔ تاکہ کل ہی (مرکر ابوبکر) اس کو تمھارے حوالہ کردیں۔ پھر فرمایا اے عمر! خدا کی قسم میں تمھارا قول نہیں مان سکتا اور نہ ان کی بیعت کرسکتا ہوں[1]۔ حضرت ابوبکر نے کہا اگر آپ بیعت نہیں کریں گے تو میں مجبور بھی نہیں کرسکتا۔ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ صـ ۱۹)۔

یہ کس درجہ حیرت خیز ہے کہ حضرت ابوبکر یا حضرت عمر نے حضرت علیؑ کے اس استدلال کا کوئی بھی جواب نہیں دیا۔ اگر یہ دونوں حضرات اپنی خلافت کے حق ہونے کی کوئی وجہ پاتے تو ضرور اُس کو بیان کردیتے۔ بلکہ حضرت ابوبکر نے انتقال کے وقت جو تقریر کی اُس سے واضح کردیا کہ حضرت علیؑ کا ایک ایک لفظ صحیح تھا۔ جب آپ مرضِ موت میں مبتلا ہوئے تو مسلمانوں سے فرمایا واللہ انی لشدید الوجع ولما القی منکم یا معشر المہاجرین اشد علی من وجعی ۔ انی ولیت امرکم ولست خیرکم فی نفسی ۔ فکلکم ورم انفہ اراد ان یکون ھذا الامر لہ وذلک لما رأیتم الدنیا قد اقبلت ۔ خدا کی قسم مجھے بہت سخت درد ہے اور اے گروہِ مہاجرین تم سے جو باتیں مجھ کو پہنچتی ہیں وہ میرے مرض سے

[1] مسلمانوں کی ایک جماعت کہتی ہے کہ حضرت علیؑ نے اس کے کچھ دنوں بعد حضرت ابوبکر کی بیعت کرلی مگر حضرت علیؑ کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نے کبھی بھی ان کی بیعت نہیں کی اِس لئے کہ آپ نے قسم کھا کر صاف فرمادیا تھا "خدا کی قسم میں تمھارا قول نہیں مان سکتا اور نہ ان کی بیعت کرسکتا ہوں"۔ اللہ کی قسم کھانے کے بعد حضرت علیؑ اس کے خلاف کیونکر کرتے ؟ ہاں اگر قسم کھانے کا کفارہ ادا کرلیتے تب ممکن تھا کہ بیعت بھی کرلیتے مگر اسلام کی کسی کتاب یا حدیث یا تاریخ یا سیرۃ وغیرہ میں کمزور سے کمزور تر روایت یا قول بھی اس مضمون کا نہیں ہے نہ کسی صحابی یا تابعی کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ نے اس قسم کا کفارہ ادا کیا اور انکی بیعت کرلی۔

زیادہ میرے لئے اذیت رساں ہیں۔ اگرچہ میں تم لوگوں سے بہتر نہیں ہوں مگر میں تم لوگوں کا حاکم بن گیا تو تم لوگوں کی ناکیں غیظ و غضب سے پھول گئیں۔ کیونکہ ہر شخص کی خواہش یہی تھی کہ خود ہی خلیفہ بن جائے۔ اور یہ سب اس وجہ سے کہ تم لوگوں نے (رسولؐ کے آخری زمانہ میں) دیکھ لیا تھا کہ دنیا نے (مسلمانوں کی طرف) رُخ کر دیا ہے۔ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص۳۰)[1] اس سے ثابت ہوا کہ حضرت رسول خدا صلعم کے زمانہ میں

---

[1] حجۃ الاسلام امام غزالی نے اس غرض کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے لکھتے ہیں اجمع الجماھیر علیٰ متن الحدیث عن خطبتہ یوم غدیر خم باتفاق الجمیع وھو یقول من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ فقال عمر بخ بخ لك یا ابا الحسن لقد اصبحت مولائی ومولا کل مومن ومومنۃ۔ ھذا تسلیم ورضا وتحکیم۔ ثم بعد ھذا غلب الھوٰی لحب الریاسۃ وحمل عمود الخلافۃ وعقود البنود وخفقان الھوٰی فی قعقعۃ الرایات واشتباك ازدحام الخیول وفتح الامصار سقاھم کأس الھوٰی فعادوا الی الخلاف الاول۔ فنبذوہ وراء ظھورھم واشتروا بہ ثمنا قلیلا۔ فبئس مایشترون۔ ولما مات رسول اللہ صلعم قال قبل وفاتہ ایتونی بدوات وبیاض لازیل عنکم اشکال الامر واذکر لکم من المستحق لھا بعدی۔ قال عمر دعوا الرجل فانہ لیھجر وقیل یھذو فاذا بطل تعلقکم بتاویل النصوص فعدتم الی الاجماع۔ وھذا منقوض ایضا فان العباس واولادہ وعلیا وزوجتہ واولادہ لم یحضروا حلقۃ البیعۃ وخالفکم اصحاب السقیفۃ۔ یعنی جمہور علماء و محققین اسلام نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے اپنے خطبۂ یوم غدیر خم میں حدیث غدیر کو ضرور ارشاد فرمایا اور سب کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ (جس کا مولا میں ہوں اُس کے مولا علی بھی ہیں) اس پر حضرت عمر نے فوراً کہا اے ابو الحسن آپ کو مبارک ہو۔ اور خوب مبارک ہو کہ آج آپ میرے اور ہر ایمان والے مرد اور ہر ایمان والی عورت کے مولا ہو گئے۔ (امام غزالی فرماتے ہیں) حضرت عمر کا یہ کہنا درحقیقت حضرت علیؑ کی خلافت و حکومت کا مان لینا اور

(بقیہ حاشیہ ص۱۹۹)

دنیا نے مسلمانوں کی طرف رُخ کر دیا تھا اِس وجہ سے ہر شخص کی آرزو یہی تھی کہ حضرتؑ کا خلیفہ وہی بن جائے مگر حضرت ابو بکر و عمر کامیاب ہو گئے تو دوسرے لوگ ہمیشہ اس پر ذات

(بقیہ حاشیہ ص۱۹۸)

اس پر راضی ہو جاتا تھا۔ مگر اس کے بعد (دنیائے اسلام کی) بادشاہت پر قبضہ کر لینے۔ خلافت کے ستونوں کو اُٹھا لینے۔ جھنڈوں کے پھر پھرے ہلانے۔ علموں کی کھڑکھڑاہٹ میں ہوا کے جھونکے بارنے۔ لشکروں میں گھوڑوں کے اژدحام اور ریلا کرنے اور شہروں کے فتح کرنے کی آرزو و تمنا کی وجہ سے ان لوگوں پہ خواہش نفسانی غالب آگئی جس نے ان کو نفس پرستی کے جام سے اچھی طرح سیراب کر دیا۔ اسی سبب سے یہ لوگ خلافت اول کی طرف (یعنی اپنی اُس حالت کی جانب جو اسلام کے قبل تھی) پلٹ گئے۔

غرض اس دینِ اسلام کو ان لوگوں نے پس پشت پھینک دیا۔ اور اس قابلِ قدر مذہب کو بیچ کر اس کی بہت ہی کم قیمت قبول کر لی۔ افسوس کیا ہی بُری چیز (دنیا) ان لوگوں نے خریدی۔ حالانکہ حضرت رسولِ خدا صلعم نے اپنے انتقال سے پہلے ان لوگوں سے ارشاد فرما دیا تھا کہ تم لوگ میرے پاس دوات اور کاغذ لاؤ تاکہ میں تم لوگوں کے لئے خلافت کی مشکل حل کر دوں اور تم لوگوں کو یاد دلا دوں کہ میرے بعد خلافت کا مستحق کون ہے مگر حضرت عمر نے آنحضرت کے جواب میں لوگوں سے کہہ دیا اس شخص (رسولؐ) کو چھوڑ دو یہ ہذیان بک رہا ہے۔ یا بھکی باتیں کر رہا ہے۔ (اب میں ان لوگوں سے کہتا ہوں کہ) حضرت ابو بکر کی خلافت کے متعلق تم لوگ قرآن یا حدیث کی جو جو تاویلیں کر کے اُس کو ان کی خلافت کے بارے میں بطور نص پیش کر سکتے تھے جب وہ سب باطل ہو گئیں اور اُن سے تمھارا کوئی کام نہیں نکل سکا تو اب تم لوگوں نے اجماع کی آڑ میں پناہ لی۔ (کہ کہتے ہو حضرت ابو بکر کی خلافت پر مسلمانوں نے اجماع کیا) حالانکہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ (حضرت رسولؐ خدا کے چچا) جناب عباس اور ان کی کل اولاد۔ نیز حضرت علیؑ۔ ان کی بیوی اور ان کی اولاد سے بھی کوئی شخص ممدوح کے حلقۂ بیعت میں حاضر نہیں ہوا۔ اور سقیفہ میں جو اصحاب جمع ہو گئے تھے انھوں نے بھی تم لوگوں کی مخالفت ہی کی (کہ حضرت ابو بکر کی خلافت سے انکار کرتے رہے) پھر تم لوگ اجماع کا نام کس منہ سے لیتے ہو؟ (کتاب سر العالمین مصنف امام غزالی مطبوعہ بمبئی ص۹)۔ امام غزالی صاحب نے جو تفصیل

(بقیہ حاشیہ ص۲۰۰)

پیستے رہے اور ان کا غیظ و غضب برابر قائم رہا۔ یہاں تک کہ حضرت ابو بکر کو آخر وقت میں ظاہر کر دینا پڑا۔ اور یہ ایسا واضح امر تھا کہ صحابہ نے حضرت ابو بکر کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اپنے سکوت سے ان کی تصدیق کر دی کہ بیشک ہم لوگوں کی طرف دنیا متوجہ ہو گئی تھی جس پر قبضہ کر لینے میں آپ کامیاب ہو گئے اور ہم سب محروم رہے اس وجہ سے ہم لوگ آپ پر غضب ناک ہیں۔ اس غیظ و غضب میں تقریباً ہر مسلمان شریک تھا لیکن اس کا سب سے زیادہ اثر انصار و شرفا رہا جرین میں پایا گیا۔ مورخین نے لکھا ہے۔

خلا جماعۃ من بنی ہاشم والزبیر و عتبہ ابن ابی لہب وخالد بن سعید بن العاص والمقداد بن عمرو وسلمان الفارسی وابی ذر وعمار بن یاسر والبراء بن عازب وابی بن کعب ومالوا مع علی بن ابی طالبؑ وقال فی ذلک عتبۃ بن ابی لہب ؎

ما کنت احسب ان الامر منصرف	عن ہاشم ثم منہم عن ابی حسن
عن اول الناس ایمانا وسابقۃ	واعلم الناس بالقرآن والسنن
وآخر الناس عہدا بالنبی ومن	جبرئیل عون لہ فی الغسل والکفن
من فیہ ما فیہم لا یمترون بہ	ولیس فی القوم ما فیہ من الحسن

وکذالک تخلف عن بیعۃ ابی بکر ابو سفیان من بنی امیۃ یعنی بنی ہاشم کی ایک جماعت نیز جناب زبیر و عتبہ بن ابی لہب و خالد بن سعید۔ مقداد بن عمرو سلمان فارسی۔ ابو ذر۔ عمار یاسر۔ براء بن عازب۔ ابی بن کعب وغیرہم نے حضرت ابو بکر کی بیعت سے انکار کیا اور حضرت علیؑ ہی کی طرف رہے۔ اس کے متعلق عتبہ ابن ابی لہب نے کچھ اشعار بھی

(بقیہ حاشیہ ص۲۹۹)

بیان کی اُس کو حضرت رسو لخدا صلعم نے ایک ہی جملہ میں کمال فصاحت و معرفت سے پہلے ہی بطور پیشین گوئی فرما دیا تھا کہ حضرت علیؑ سے آخر وقت میں وصیت کی "چوں بہ بینی کہ مردم دنیا اختیار کنند باید کہ تو آخرت را اختیار کنی" اے علیؑ جب دیکھنا کہ یہ لوگ دنیا اختیار کرتے ہیں تو چاہئے کہ تم آخرت ہی اختیار کیے رہو۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص۵۱۱)۔ اس سے زیادہ حضرت کے اقوال کنز العمال مشکوٰۃ صحیح بخاری فتح الباری وغیرہ میں بھرے ہیں۔ ۱۲

نظم کر ڈالے۔ جن کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ حضرت رسولؐ کی خلافت حضرتؐ کے خاندان بنی ہاشم سے نکال لی جائیگی اور خاص کر حضرت ابو الحسن (علیؑ) کے قبضہ سے جو سب سے پہلے ایمان لائے اور اس فضیلت میں سب پر سبقت لے گئے جو قرآن مجید اور احادیث رسولؐ کے سب سے زیادہ عالم و ماہر ہیں۔ جو حضرت رسولِ خدا کی خدمت میں سب سے آخر تک رہے۔ اور جن کی مدد (رسولؐ خدا کے) غسل دینے اور کفن پہنانے میں جناب جبرئیل (ایسے مقرب فرشتہ) نے کی۔ وہ حضرت علیؑ کہ دوسروں میں جس قدر فضائل ہیں وہ سب حضرت میں بھی موجود ہیں لیکن حضرت میں جو شرف و بزرگی و افضلیت ہے وہ تمام مسلمانوں سے کسی میں بھی نہیں ہے۔

مذکورۂ بالا لوگوں کی طرح ابو سفیان نے بھی جو خاندان بنی امیہ کا سردار تھا حضرت ابوبکر کی خلافت سے انکار کر دیا۔ (تاریخ ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۶۰) انکار کے ساتھ ہی تعجب بھی کیا کہ ابوبکر کو خلافت سے کیا واسطہ؟ قال ابو سفیان لعلی ما بال ھذا الامر فی اقل حی من القریش واللہ لئن شئت لاملا نہا علیہ خیلا و رجالا۔ ابو سفیان نے حضرت علیؑ سے کہا اس خلافت کی کیا گت بن گئی؟ کہ قریش کے سب سے حقیر خاندان میں پہنچی۔ اے علیؑ اگر تم چاہو تو خدا کی قسم میں اس مدینہ کو تمھاری حمایت میں سواروں اور پیدلوں سے بھر دوں۔ (طبری جلد ۳ صفحہ ۲۰۲) لما اجتمع الناس علی بیعۃ ابی بکر اقبل ابو سفیان وھو یقول واللہ انی لاری عجاجۃ لا یطفئھا الا الدم۔ یا آل عبد مناف فیما ابو بکر من امورکم... وقال ابا حسن ابسط یدک حتی ابا یعک۔ جب حضرت ابوبکر کی بیعت واقع ہوئی تو ابو سفیان نے آگے بڑھ کر کہا خدا کی قسم میں فتنہ و فساد کا وہ غبار دیکھ رہا ہوں جس کو خوں ریزی کے سوائے اور کوئی چیز زائل نہیں کر سکتی۔ اے عبد مناف تمھارے امور میں ابوبکر کو کیا دخل ہے؟ اور کہا اے ابو الحسن تم ہاتھ بڑھاؤ میں تمھاری بیعت کر لوں۔ (طبری جلد ۳ صفحہ ۲۰۳)۔ اور ابن عساکر نے روایت کی ہے جب حضرت ابوبکر کی بیعت ہو گئی تو انھوں نے سب لوگوں میں اس کی وجہ سے ناراضی اور مخالفت دیکھی تب ان لوگوں سے کہا کس سبب سے تم لوگ مجھے خلیفہ نہیں مانتے؟ کیا میں ایسا اور کیا ویسا نہیں ہوں (تاریخ الخلفا صفحہ ۴۸)۔ اس میں اس سے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ۱۲

تیسری فصل

دختر رسول سے حضرت عمر کا برتاؤ

دنیا جانتی ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا حضرت رسو خدا کی نہایت محبوب اور عزیز بیٹی تھیں اور حضرت آپ کو اس درجہ مانتے تھے کہ فرما دیا تھا فاطمۃ بضعۃ منی من اذاھا فقد اذانی ومن اغضبہا فقد اغضبنی فاطمہ میرا ہی ٹکڑا ہے جس شخص نے ان کو ستایا اُس نے مجھے ستایا اور جو ان کو غضبناک کریگا وہ مجھے بھی غضبناک کریگا۔ (صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۲۹ وغیرہ) اور حضرت رسو خدا سے حضرت عمر کے جو تعلقات تھے وہ بھی محتاج بیان نہیں لیکن حضرت عمر نے حضرت فاطمہ کے ساتھ جو برتاؤ کیا غالباً ویسا برتاؤ حضرت آدم سے اس وقت تک کسی مذہبی پیشوا یا دینی سردار کی اولاد سے اُس کے ماننے والوں نے نہیں کیا ہو۔ اور کسی ملک کسی مذہب۔ کسی قوم۔ کسی زمانہ کی تاریخ اس کی نظیر نہیں پیش کرسکتی۔ اسی وجہ سے آپ حضرت رسول خدا صلعم کو یاد کرکے یہ نوحہ پڑھا کرتیں ؎

ماذا علی من شم تربۃ احمد ان لایشم مدی الزمان غوالیا
صبت علی مصائب لو انہا صبت علی الایام صرن لیالیا

جو شخص روضۂ رسول کی مٹی سونگھ کر پھر زندگی بھر کوئی خوشبو نہ سونگھے تو کوئی مضائقہ نہیں مجھ پر حضرت کے بعد اتنی مصیبتیں پڑیں جو دنوں پر پڑتیں تو وہ رات ہو جاتے۔ (نور الابصار صفحہ ۴۶ و مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۴۲ وغیرہ) شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے لکھا ہے "جناب فاطمہ نے ابوبکر وغیرہ سے بات چیت کرنی چھوڑ دی۔ مرتے وقت وصیت کی کہ مجھے رات کے وقت دفن کرنا اور یہ لوگ میرے جنازے پر نہ آنے پائیں"۔ (امہات الامہ صفحہ ۹۹) حضرت عمر سے جناب سیدہ کو کیا اذیتیں پہنچیں ان کی تفصیل کی جائے تو سو صفحے بھی کافی نہیں ہوں گے۔ اس وجہ سے اختصار کے لئے ہم اپنے معزز دوست جناب ماسٹر شیخ ذاکر حسین صاحب دہلوی مرحوم مصنف کتاب تاریخ اسلام وغیرہ کا وہ قابل قدر رسالہ جو اس کے متعلق لکھا تھا اور جو رسالہ اصلاح میں کئی مرتبہ شائع ہو چکا ہے اس کتاب میں بھی بعینہا نقل کر دیتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ مرحوم نے باوجود اختصار کے اکثر ضروری عبارتیں جمع کر دی ہیں

نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ اِنَّھَا عَلَیْھِمْ مُّؤْصَدَۃٌ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ

اَلنَّارُ الْمُوْقَدَہ

تالیف لطیف

عالی جناب فضائل مآب ماسٹر شیخ ذاکر حسین صاحب دام عزہ

مالک دفتر اتالیق انگریزی دہلی

اس رسالہ شریفہ میں بہت سی عربی۔ فارسی۔ انگریزی تواریخ سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ خلیفۂ اول کی بیعت لینے کے لئے بیت الشرف جناب سیدہ صلوات اللہ و سلامہ علیہا کے جلانے کو خلیفۂ دوم آگ لکڑی لے گئے اور جلانے کا قصد کیا۔

بغرض اظہار حق و نفع مومنین

دوسری مرتبہ شائع کیا گیا

در مطبع اصلاح کجھوا ضلع سارن طبع گردید

النار الموقدہ لمن احرق بیت السیدہ ع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمد و آلہ الطاہرین ولعنتہ علی اعدائہم اجمعین اما بعد چونکہ یہ زمانہ انکار واقعات صحیحہ کا ہے کہ ہر گذشتہ واقعہ سے جو مضر مطلب خیال کیا جاتا ہے انکار کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ واقعہ کربلا سے بھی انکار رہے۔

لہذا یہ رسالہ صرف اس بحث میں لکھا جاتا ہے کہ خلیفہ دوم نے خانہ جناب سیدہ صلوات اللہ وسلامہ علیہا کے جلانے کا قصد کیا یا جلایا۔ جس سے امید ہے کہ اہل اسلام سمجھیں اہلبیت رسولؐ پر بعد وفات رسول اللہ کیا کیا مصائب گذرے اور ہم کو کہاں تک اُن حضرات سے ہمدردی کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ہر فرد بشر پر اپنے محسن اور محسن زادوں کی محبت و مودت فرض ہے۔

اور ان کے دشمنوں سے مخالفت و معاندت لازم ہے وان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

السید ذاکر حسین جعفر عفی عنہ

قصد احراق خانہ جناب سیدہؑ

علامہ حلی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب کشف الحق میں طبری۔ واقدی اور ابن عبدربہ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ بسبب ترک بیعت جناب ابوبکر کے جناب عمر نے خانہ جناب

سیدہ صلوات اللہ علیہا کو پھونک دینے کا قصد کیا جس میں اُس وقت جناب امیر المومنینؑ
اور جناب سیدہؑ اور اُن کے دونوں بیٹے اور ایک جماعت بنی ہاشم کی تھی۔ اور ابن خزابہ
کی کتاب غرر سے لکھا ہے قال زید بن اسلم کنت ممن حمل الحطب مع عمر الی
باب فاطمۃ حین امتنع علیؑ واصحابہ عن البیعۃ ان یبایعوا فقال عمر
لفاطمۃ اخرجی من البیت والا احرقتہ ومن فیہ۔ قال وفی البیت علیؑ
وفاطمۃ والحسنؑ والحسینؑ وجماعۃ من اصحاب النبیؐ۔ فقالت فاطمۃؑ تحرق علی
ولدی قال ای واللہ اولیخرجن ولیبایعن (یعنی نقل کیا ہے ابن خزابہ نے اپنی
کتاب غرر میں کہ کہا زید بن اسلم نے کہ تھا میں اُن لوگوں میں جو دروازہ فاطمہؑ پر عمر کے
ساتھ لکڑیاں لے گئے جبکہ علیؑ اور اُن کے اصحاب نے بیعت سے انکار کیا تھا۔ پس
کہا جناب عمر نے جناب فاطمہؑ سے نکل آؤ گھر میں سے ورنہ پھونک دونگا اس کو اور
اُن کو جو اس میں ہیں۔ اور تھے گھر میں علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ اور ایک جماعت اصحاب
نبیؐ کی۔ پس کہا جناب فاطمہؑ نے تو میرے بچوں کو پھونک دیگا؟ کہا جناب عمر نے خدا کی قسم
ضرور پھونک دونگا۔ ورنہ وہ نکل آئیں اور بیعت کریں۔) علامہ حلی کی اس تحریر کے جواب
میں فضل بن روزبہان اپنی کتاب ابطال الباطل[1] میں لکھتے ہیں من اسمج ما افتراہ
الروافض ھذا الخبر وھو احراق عمر بیت فاطمۃ وما ذکر ان الطبری
ذکرہ فی التاریخ فالطبری من الروافض مشھور بالتشیع حتی ان علماء
بغداد ھجروہ لغلوہ فی الرفض والتعصب وھجروا کتبہ وروایاتہ واخبارہ
وکل من نقل ھذا الخبر فلا یشک انہ رافضی متعصب یرید ابداء القدح
والطعن علی الاصحاب وما راینا احدا روی ھذا الا الروافض ینسبونہ
الی الطبری ولکن ما راینا ھذا فی تاریخہ۔ (یعنی جو کچھ روافض نے افترا باندھا ہے
اس میں سے زبوں تر اور قبیح تر یہ خبر ہے عمر کی خانہ فاطمہؑ میں آگ لگانے کی اور (علامہ
حلی نے) جو یہ لکھا ہے کہ طبری نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے پس طبری رافضیوں میں

[1] جس کو شہید ثالث علامہ شوستری علیہ الرحمہ کی کتاب احقاق الحق نے باطل کر دیا ہے ۱۲ منہ

سے ہے تشیع کے ساتھ مشہور ہے۔ یہاں تک کہ علماء بغداد نے ترک کیا اُسے اُس کے غلو سے رفض اور تعصب کی وجہ سے اور اُس کی کتابوں اور روایتوں اور اخبار کو ترک کر دیا۔ اور جس کسی نے اس خبر کو نقل کیا پس بے شک وہ رافضی ہے متعصب اصحاب پر طعن اور قدح کرنی چاہتا ہے۔ اور ہم نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اُس نے روایت کی ہو سوائے رافضیوں کے جو اس واقعہ کو طبری کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور ہم نے اسے طبری کی تاریخ میں لکھا ہوا نہیں دیکھا) ابن روزبہان کی بیباکی اور خیرگی ملاحظہ کے قابل ہے۔ دیدہ و دانستہ ناحق کوشی اور باطل فروشی اور اپنے علماء کی تضلیل پر کمر باندھی ہے۔ غایت عناد و تعصب اور عجز و حیرانی و پریشانی سے سوا اس کے چارہ نہ دیکھا کہ اصل واقعہ ہی سے صاف انکار کر دیں۔ اور بالخصوص طبری کی روایت میں کلام کر کے اپنی جہالت کو ظاہر کیا ہے۔ دوسری روایتوں کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ اول طبری کو رافضی بنایا پھر کہہ دیا کہ سوائے رافضیوں کے کوئی اس روایت کو طبری سے منسوب نہیں کرتا اور پھر صاف انکار کر دیا کہ تاریخ طبری میں یہ مضمون ہے ہی نہیں تعجب ہے کہ صرف طبری ہی کے رافضی بنانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ عام حکم دے دیا کہ جو کوئی اس خبر کو روایت کرے وہ رافضی ہے۔ اور اس حکم باطل سے اُس نے اپنے علماء اعلام کو جنھوں نے اس خبر کو روایت کیا ہے رافضی یعنی بدتر از یہود و نصاریٰ قرار دیا ہے۔ اور مقدوح مجروح اور بے اعتماد کر دیا ہے۔ حالانکہ اگر ان علماء کی توثیق کتب اہلسنت سے درج کی جائے تو ایک خاصی ضخیم کتاب تیار ہوتی۔ مثلاً ان ہی ابو جعفر طبری کو لیجئے جن پر ابن روزبہان نے ایسی بے دردی سے حملہ کیا ہے۔ قاضی ابن خلکان اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں "ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری صاحب تفسیر الکبیر والتاریخ الشہیر فنون کثیرہ میں امام تھا ان میں سے تفسیر و حدیث و فقہ و تاریخ وغیرہ ہیں اور فنون عدیدہ میں اس کی تصانیف ملیحہ ہیں جو اس کی وسعت علم اور غزارت فضل ظاہر کرتی ہیں۔ ائمہ مجتہدین میں سے تھا کسی کا مقلد نہ تھا وہ نقل میں ثقہ تھا اور تاریخ اس کی تمام تاریخوں سے صحیح تر اور ثابت تر ہے"۔

صاحب مدینۃ العلوم و کشف الظنون نے بھی ایسا ہی کچھ لکھا ہے۔ اور تاج الدین سبکی نے

طبقات فقہائے شافعیہ میں لکھا ہے کہ "ابو جعفر محمد بن جریر طبری امام الجلیل مجتہد المطلق علم اور دین کی رو سے ایک امام ہے دنیا کا"۔ صاحب کشف الظنون نے اور مولوی عبد العزیز دہلوی نے اپنے تحفہ کے کید پنجاہ و دوم میں طبری کی تاریخ کو اصح التواریخ لکھا ہے۔
غرض طبری کا تسنن و عظمت و جلالت و اعتماد و اعتبار نزدیک اہلسنت کے کالشمس فی رابعۃ النہار ہویدا و آشکار ہے۔ اور کتب دین و ایمان اہلسنت اُس کے اقوال و روایات کی نقل سے بھری پڑی ہیں۔ کوئی عالم اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ ابن روزبہان نے ایسے جلیل القدر امام کو رافضی یعنی بدتر از یہود و نصاریٰ بنایا اور اس کے ساتھ ہی اُن تمام علماء کو لے لیا جو اس روایت کو نقل کریں۔ اب ذرا بڑے بڑے علماء اہلسنت کی روایتیں جو اس واقعہ کی نسبت انھوں نے درج کی ہیں اور نیز مورخین فرنگ کی تحریروں کو بنظر غور ملاحظہ کیجئے اور ابن روزبہان کی حق پوشی اور دلیری کی داد دیجئے۔
(۱) امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری (المتوفی سنہ ۳۱۰ھ) کی تاریخ الامم والملوک مطبوعہ مصر جلد سوم صفحہ ۱۹۸۔

حدثنا ابن حمید قال حدثنا جریر عن مغیرۃ عن زیاد بن کلیب قال اتی عمر بن الخطاب منزل علیؑ وفیہ طلحۃ والزبیر و رجال من المہاجرین فقال واللہ لاحرقن علیکم اولتخرجن الی البیعۃ فخرج علیہ الزبیر مصلتا بالسیف فعثر فسقط السیف من یدہ فوثبوا علیہ فاخذوہ

ابن حمید کہتا ہے کہ عمر بن الخطاب علیؑ کے مکان پر آئے اور اس میں طلحہ اور زبیر اور کچھ مہاجرین بیٹھے تھے پس کہا عمر نے واللہ میں ضرور جلا دونگا تم پر اس مکان کو ورنہ باہر نکل آؤ اور بیعت کرو۔ پس زبیر تلوار کھینچے ہوئے باہر آئے مگر ٹھوکر کھا کر گر پڑے پس تلوار اُن کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور لوگوں نے دوڑ کر زبیر کو پکڑ لیا۔

ل البتہ ایک وقت پر جبکہ غریب طبری نے اپنی کتاب اختلاف الفقہاء میں امام احمد بن حنبل کو فقیہوں میں شمار کرنے سے انکار کیا تھا تو حنبلیوں نے جملکر شورش مچائی تھی اور لوگوں کو ان سے برگشتہ کرنے کی غرض سے خواہ مخواہ انکو رافضی مشہور کر دیا تھا ورنہ طبری کو تو تشیع سے ایسی نفرت تھی کہ مورخین لکھتے ہیں کہ جب بغداد سے اپنے وطن طبرستان کو واپس گئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۹)

(۲) امام شہاب الدین احمد المعروف بابن عبد ربہ اندلسی (المتوفی ۳۲۸ھ) کی عقد الفرید مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۷۹۔

الذین تخلفوا عن بیعۃ ابی بکر علیؑ والعباس والزبیر وسعد بن عبادۃ فاما علیؑ والعباس والزبیر فقعدوا فی بیت فاطمۃؑ حتی بعث الیہم ابوبکر عمر بن الخطاب لیخرجہم من بیت فاطمۃؑ وقال لہ ان ابوا فقاتلہم فاقبل بقبس من نار علی ان یضرم علیہم الدار فلقتہ فاطمۃؑ فقالت یا بن الخطاب اجئت لتحرق دارنا؟ قال نعم او تدخلوا فیما دخلت فیہ الامۃ فخرج علی حتی دخل علی ابی بکر فبایعہ

جن لوگوں نے ابوبکر کی بیعت سے تخلف کیا وہ علی عباس۔ زبیر۔ سعد بن عبادہ تھے پس علیؑ اور عباس اور زبیر جناب فاطمہ کے گھر میں آن بیٹھے۔ یہاں تک کہ ابوبکر نے عمر بن الخطاب کو اُن کی طرف بھیجا کہ اُن کو فاطمہؑ کے گھر سے نکالدے۔ اور حکم دیدیا کہ اگر وہ انکار کریں تو اُن سے قتال کرنا۔ پس آئے عمر آگ کی چنگاری لئے ہوئے کہ اُن لوگوں پر مکان کو جلا دیں پس ملاقات کی فاطمہؑ نے (پس در سے) عمر سے اور فرمایا اے ابن الخطاب آیا تو اس لئے آیا ہے کہ ہمارے گھر کو پھونک دے؟ عمر نے کہا ہاں اسی لئے آیا ہوں ورنہ جس طرح امت کے اور لوگوں نے بیعت کی تم لوگ بھی بیعت کر لو۔ پس جناب علی باہر نکلے یہاں تک کہ ابوبکر کے پاس آکر بیعت کر لی۔

(۳) ملک المؤید عماد الدین اسماعیل ابوالفدا (المتوفی ۷۳۲ھ) کی تاریخ المختصر فی اخبار البشر مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۱۵۶۔

وبادروا الی سقیفۃ بنی ساعدۃ فبایع عمر ابابکر رضی اللہ عنہما وانثال الناس علیہ یبایعونہ فی العشر الاوسط من ربیع الاول سنۃ

اور سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف دوڑے گئے پس بیعت کر لی عمر نے ابوبکر سے۔ اور لوگوں نے ہجوم کیا اور بیعت کرنے لگے۔ یہ بیعت ربیع الاول ۱۱ھ کے عشرۂ اوسط میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲)

اور وہاں دیکھا تشیع پھیل گیا ہے تو مارے نفرت کے اپنے وطن کو ترک کرکے واپس چلے آئے تھے۔

احدی عشرة خلا جماعة من
بني هاشم والزبير وعتبة بن
ابي لهب وخالد بن سعيد بن العاص
والمقداد بن عمرو وسلمان الفارسي
وابي ذر وعمار بن ياسر والبراء بن
عازب وابي بن كعب ومالوا مع علي بن
ابي طالب وقال في ذالك عتبة بن ابي
لهب ؎ ما كنت احسب ان الامر منصرف
عن هاشم ثم منهم عن ابي حسن - عن
اول الناس ايمانا وسابقة - واعلم
الناس بالقران والسنن - واخر الناس
عهدا بالنبيؐ - ومن جبرئيل عون
له في الغسل والكفن - من فيه ما
فيهم لا يمترون به - وليس في القوم
ما فيه من الحسن - وكذالك
تخلف عن بيعة ابي بكر ابو سفيان
من بني امية ثم ان ابا بكر بعث عمر
بن الخطاب الى عليؑ ومن معه ليخرجهم
من بيت فاطمة رضي الله عنها و
قال ان ابوا عليك فقاتلهم فاقبل
عمر بشيء من نار على ان يضرم الدار
فلقيته فاطمة رضي الله عنها و
قالت الى اين يا ابن الخطاب اجئت
لتحرق دارنا - قال نعم او تدخلوا فيما

ہوئی۔ سوائے ایک جماعت بنی ہاشم
اور زبیر اور عتبہ بن ابی لہب اور خالد بن
سعید بن العاص اور مقداد بن عمرو اور سلمان
فارسی اور ابوذر اور عمار یاسر اور براء بن
عازب اور ابی بن کعب کے (جنھوں نے
بیعت نہیں کی) اور رغبت رکھتے تھے طرف
علی بن ابی طالبؑ کے۔ اور کہا اس بارہ میں
عتبہ بن ابولہب نے "میں نہ جانتا تھا کہ
خلافت اور حکم اولادِ ہاشم سے جاتا رہیگا
خصوصًا ابوالحسنؑ سے جو سب سے پہلے
ایمان لایا ہے اور سب سے پہلے مسلمان
ہوا ہے اور قرآن وسنن کو خوب جانتا ہے
اور جس نے آخر وقت رسول خدا صلعم کو
غسل دیا اور حضرت جبرئیل نے اس کی مدد
غسل وکفن کے دینے میں کی اور وہ ایسا ہے
کہ بلاشک اس میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو
اوروں میں ہیں۔ اور جو خوبیاں اس میں ہیں
وہ اوروں میں نہیں ہیں اوس کو تو خلافت
نہ ملیگی۔ بلکہ ایک اور شخص کو مل جائیگی
یہ بات میرے وہم وگمان میں کبھی نہ تھی۔
(صاحب حبیب السیر نے ان اشعار کو
حضرت عباس کی طرف منسوب کیا ہے اور
اس طرح ترجمہ کیا ہے ؎ ندانم خلافت
چرا منصرف شد از ہاشم وانگاہ از بوالحسنؑ

دخل فیہ الامة فخرج علی حتی اتی ابابکر فبایعہ۔ کذا نقل القاضی جمال الدین بن واصل وروی الزہری عن عائشۃ قالت لم یبایع علی ابابکر حتی ماتت فاطمۃ وذالک بعد ستۃ اشھر لموت ابیھا صلی اللہ علیہ وسلم

نہ اوادلین مقبل قبلہ بود + نہ او بعد اسلام
بفرض وسنن + نہ اقرب بعہد نبی بود وبود
معین جبرئیلش بعسل وکفن + نہ او مجمع حسن
اوصاف گشت + نہ قدر علی وز خلق حسن
اور اسی طرح تخلف کیا ابوبکر کی بیعت سے
ابوسفیان نے بنی امیہ میں سے۔ اس کے
بعد ابوبکر نے عمر کو علیؓ کے پاس بھیجا اور
اُن لوگوں کے پاس جو علیؓ کے ساتھ تھے کہ اُن کو فاطمہؓ کے گھر سے نکال دے۔ اور حکم دیا کہ اگر تجھ سے انکار کریں تو اُن سے قتال کیجیو۔ پس آئے عمر کسی قدر آگ لئے ہوئے کہ گھر کو پھونک دیں۔ پس ملیں عمر سے جناب فاطمہؑ اور فرمایا اے ابن الخطاب کدھر کو آئے۔ آیا ہمارا گھر پھونکنے آئے ہو۔ کہا عمر نے ہاں اسی لئے آیا ہوں۔ ورنہ جس امر میں امت داخل ہوئی ہے تم لوگ بھی داخل ہو جاؤ۔ یعنی ابوبکر کی بیعت کرلو۔ پس نکل آئے علیؑ یہاں تک کہ ابوبکر کے پاس آکر بیعت کرلی۔ نقل کیا ہے اسی طرح قاضی جمال الدین ابن واصل نے۔ اور زہری نے عائشہؓ سے یہ روایت کی ہے کہ جب تک جناب فاطمہؑ کا انتقال نہیں ہوگیا علیؑ نے بیعت ابوبکر کی نہیں کی۔ اور فاطمہؑ کا انتقال رسول اللہ صلعم کی وفات کے ۶ مہینے بعد ہوا ہے۔

(۴) علامہ ابوالولید محمد بن شحنہ (المتوفی ۸۱۵ھ) کی روضۃ المناظر برحاشیہ جلد یازدہم تاریخ کامل مطبوعہ مصر ص۱۱۳۔

اسی کتاب میں بھی احراق خانۂ جناب سیدہؑ سے متعلق بالکل یہی روایت جو ابوالفدا نے لکھی ہے کسی قدر اختصار کے ساتھ درج ہے۔ بالکل یہی مطلب ہے۔ باندیشۂ طول ہم نے یہاں نقل نہیں کیا۔

(۵) امام ابو محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ (المتوفی ۲۷۰ھ) کی کتاب الامامۃ والسیاسۃ[1] مطبوعۂ مصر جلد اول ص۲۰۔

---

[1] چونکہ ابن قتیبہ نے اس موقع پر دیگر مورخین کی نسبت حق پوشی کم کی ہے اور بہت سی ایسی باتیں (دیکھو حاشیہ ص۲۱۱)

ان ابا بکر رضی اللہ عنہ تفقد قوماً تخلفوا عن بیعتہ عند علی کرم اللہ وجہہ فبعث الیہم عمر فجاء فناداہم وھم فی دار علیؓ فابوا ان یخرجوا۔ فدعا بالحطب وقال والذی نفس عمر بیدہ لتخرجن او لاحرقنہا علی من فیہا فقیل لہ یا ابا حفص ان فیہا فاطمۃ فقال وان فخرجوا فبایعوا الا علیاً فانہ زعم انہ قال حلفت ان لا اخرج ولا اضع ثوبی علی عاتقی حتی اجمع القرآن فوقفت فاطمۃ رضی اللہ عنہا علی بابہا فقالت لا عھد لی بقوم حضروا اسوء محضر منکم۔ ترکتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنازۃ بین ایدینا وقطعتم امرکم بینکم لم تستامرونا ولم تردوا لنا حقنا فاتی عمر ابا بکر فقال لہ الا تاخذ ھذا المتخلف عنک بالبیعۃ فقال ابوبکر لقنفذ وھو مولی لہ اذھب فادع لی علیاً قال فذھب الی علی قنفذ فقال لہ ما حاجتک۔ فقال یدعوک خلیفۃ رسول اللہ۔ فقال علی لسریع ما کذبتم

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُن لوگوں کی خبر دریافت کی جو ان کی بیعت سے تخلف کر کے حضرت علیؓ کے پاس جمع ہوئے تھے۔ اور اُن کے پاس عمر بن الخطاب کو بھیجا جبکہ وہ حضرت علیؓ کے گھر میں تھے۔ عمر آئے اور اُن کو آواز دی۔ اُن لوگوں نے باہر آنے سے انکار کیا تو عمر نے لکڑیاں منگائیں اور کہا قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے نکل آؤ ورنہ میں اس میں آگ لگا دوں گا اور مع اُن لوگوں کے جو اس میں ہیں پھونک دوں گا۔ پس کسی نے کہا اے ابو حفص (عمر) اس گھر میں تو فاطمہؓ ہیں۔ پس کہا عمر نے ہوا کریں۔ تب وہ لوگ نکل آئے اور بیعت کرلی لیکن علیؓ نہ نکلے۔ عمر نے خیال کیا کہ علیؓ نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کرلونگا اور نہ (سوائے وقت نماز کے) ردا دوش پر ڈالونگا (اس لئے باہر نہ آئے) بعدہ جناب فاطمہؑ دروازے کے پاس کھڑی ہوئیں اور کہا مجھے تم سے زیادہ بدتر قوم سے پالا نہیں پڑا۔ تم نے جنازہ رسول اللہ صلعم کا ہمارے ہاتھوں میں چھوڑ دیا اور اپنے کام کی کتر بیونت میں لگ گئے ہم سے مشورہ نہیں لیا اور ہم کو ہمارا حق نہیں دیا۔

یعنی جن سے اہل حق کو ما تعت ہونا ضرور ہے۔ اس سبب سے ہم نے بھی اس روایت کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے ۱۲

علی رسول الله م فرجع فابلغ الرسالۃ
قال فبکی ابوبکر طویلا فقال عمر الثانیہ
الا لا تمهل هذا المتخلف عنک بالبیعۃ
فقال ابوبکر لقنفذ عد الیه فقل له امیر
المومنین یدعوک لتبایع فجاءه قنفذ فادی
ما امر به فرفع علی صوته فقال سبحان الله
لقد ادعی ما لیس له فرجع قنفذ فابلغ الرسالۃ
فبکی ابوبکر طویلا ثم قام عمر فمشی معه جماعۃ
حتی اتوا باب فاطمۃ فدقوا الباب فلما سمعت
اصواتهم نادت باعلی صوتها یا ابت یا
رسول الله م ماذا لقینا بعدک من ابن
الخطاب وابن ابی قحافه فلما سمع القوم
صوتها وبکاءها انصرفوا باکین وکادت قلوبهم
تنصدع واکبادهم تتفطر وبقی عمر و
معه قوم فاخرجوا علیا فمضوا به الی ابی بکر
فقالوا له بایع فقال ان انا لم افعل فمه قالوا
اذا والله الذی لا اله الا هو نضرب عنقک
قال اذا تقتلون عبد الله واخا رسول الله
قال عمر اما عبد الله فنعم واما اخو رسول الله
فلا - وابوبکر ساکت لا یتکلم فقال له عمر
الا تامر فیه بامرک فقال لا اکرهه علی شیء
ما کانت فاطمۃ الی جنبه فلحق علی بقبر رسول
الله م یصیح ویبکی وینادی یا ابن ام

پس آئے عمر ابوبکر کے پاس اور کہا ابوبکر سے کیا آپ
اس شخص (علی) سے جو آپ سے پھرا ہوا ہے بیعت
نہ لیں گے۔ پس کہا ابوبکر نے اپنے غلام قنفذ سے
جا علی کو میرے پاس بلا لا پس قنفذ علی کے پاس
گیا۔ حضرت علیؑ نے کہا کیا مطلب ہے۔ قنفذ
نے کہا آپ کو خلیفۂ رسول اللہ بلاتے ہیں۔
علیؑ نے کہا کس قدر جلدی تم لوگوں نے رسول
اللہ پر جھوٹ باندھا ہے۔ قنفذ نے واپس
آکر علی کا پیغام ابوبکر سے کہا۔ اس پر ابوبکر
دیر تک روئے۔ پھر عمر نے دوبارہ کہا کہ تم اس
متخلف سے بیعت لینے میں ڈھیل نہ کرو تب
ابوبکر نے قنفذ سے کہا پھر علیؑ کے پاس جا اور
ان سے کہہ کہ امیر المومنین آپ کو بلاتے ہیں۔ کہ
بیعت کرو۔ قنفذ علیؑ کے پاس آیا اور خلیفہ کا
پیغام بیان کیا۔ پس علیؑ نے باآواز بلند یعنی
غصہ ہو کر فرمایا سبحان اللہ کیا اچھا دعویٰ
ہے جس کا مطلق اُسے حق حاصل نہیں ہے۔
قنفذ واپس آیا اور علیؑ کا پیغام پہنچایا یہ سنکر ابوبکر
بہت روئے۔ پھر عمر اٹھے اور ان کے ساتھ
ایک جماعت بھی چلی یہاں تک کہ دروازۂ
جناب فاطمہؑ پر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا
جب جناب فاطمہ نے ان لوگوں کی آوازیں سنیں
تو بہت زور سے چلائی اور واویلا کرنے لگیں

رو رو کر فرماتی تھیں کہ اے بابا اے رسول اللہ (اپنی بیٹی کی خبر لیجئے) ہم آپ کے بعد ابن خطاب (عمر)

ان القوم استضعفونی وکادوا
یقتلوننی [1] فقال عمر لابی بکر انطلق بنا
الی فاطمة فانا قد اغضبناها فانطلقا جمیعا
فاستاذنا علی فاطمة فلم تاذن لهما فاتیا
علیا فکلماه فادخلهما علیها فلما قعدا
عندها حولت وجهها الی الحائط فسلما
علیها فلم ترد علیهما السلام فتکلم ابو بکر
فقال یا حبیبة رسول الله اغضبناک فی
میراثک منه وفی زوجک. فقالت مالک
یورثک اهلک ولا نورث محمدا فقال والله
ان قرابة رسول الله احب الی من قرابتی
وانک لاحب الی من عائشة ابنتی ولوددت
یوم مات ابوک انی مت ولا ابقی بعده فترانی
اعرفک واعرف فضلک وشرفک وامنعک
حقک ومیراثک من رسول الله الا انی سمعت
اباک رسول الله یقول لا نورث ما ترکنا فهو

اور ابن قحافہ (ابوبکر) کے ہاتھوں یہ کیا مصیبتیں
اٹھا رہے ہیں جس وقت ان لوگوں نے حضرت
فاطمہ کی فریاد و زاری سنی روتے ہوئے اُلٹے پھر
گئے درحالیکہ دل ان کے درد کرتے تھے اور جگر
شق ہوئے جاتے تھے مگر عمر اور ان کے ساتھ
کچھ اور آدمی ٹھہرے رہے پس انھوں نے علیؑ کو نکالا
اور پکڑ کر ابوبکر کے پاس لے گئے اور کہا کہ بیعت کرو
علیؑ نے کہا کہ اگر بیعت نہ کروں تو کیا ہوگا جواب
دیا قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی خدا
نہیں ہے کہ اس صورت میں ہم لوگ تمھاری گردن
ماریں گے آپ نے فرمایا تو ایک بندۂ خدا اور رسول اللہ
کے بھائی کا خون کروگے عمر نے کہا کہ بندۂ خدا تو
خیر مگر رسول اللہ کا بھائی غلط اور ابوبکر چپکے بیٹھے
ہوئے سُنا کئے کچھ نہ بولے تب عمر نے اُن سے کہا
اس کے بارہ میں حکم نہیں دیتے پس ابوبکر نے کہا
کہ جب تک فاطمہ ان کے پہلو میں ہیں ان پر کسی معاملہ

[1] یہ وہ الفاظ ہیں جن سے حضرت ہارون نے اپنے بھائی جناب موسیٰؑ سے بنی اسرائیل کی شکایت کی ہے جب کہ بنی اسرائیل نے
جناب موسیٰ کے چلے جانے کے بعد گوسالہ پرستی اختیار کر لی تھی اور جناب موسیٰؑ نے واپس آکر جناب ہارون کو سرزنش
کی کہ تم نے ان کو کیوں نہ روکا۔ (دیکھو پارہ ۹ سورۂ اعراف رکوع ۱۸) یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جناب امیرؑ نے یا ابن ام
فرمایا ہے یا ابن عم نہیں فرمایا تاکہ حضرت ہارون سے پوری پوری مشابہت رہے۔ اور کیسا صحیح فرمایا ہے کیونکہ رسول
اللہ صلعم نے جناب امیرؑ کی شان میں انت اخی فی الدنیا والآخرة تو فرمایا ہی تھا ساتھ ہی یہ بھی تھا کہ چونکہ علی مرتضیٰ کی
والدۂ ماجدہ فاطمہ بنت اسد نے جناب رسول اللہ صلعم کو بیٹوں کی طرح پالا تھا بلکہ اپنی اولاد سے زیادہ
چاہتی تھیں۔ آنحضرت صلعم اون کو ہمیشہ ماں ہی کہکر پکارتے تھے سچ ہے کلام الامام امام الکلام کیا خوب آیت قرآنی کو اپنے حال پر چسپاں کیا ہے ۱۲

صدقت فقالت ارأيتكما ان حدثتكما حديثاً
عن رسول الله صلعم تعرفانه وتفعلان به قالا نعم
فقالت نشدتكما الله الم تسمعا رسول الله صلعم
يقول رضاء فاطمة من رضائي وسخط فاطمة
من سخطي فمن احب فاطمة ابنتي فقد احبني ومن ارضا
فاطمة فقد ارضاني ومن اسخط فاطمة فقد اسخطني
قالا نعم سمعناه من رسول الله صلعم قالت فاني
اشهد الله وملائكته انكما اسخطتماني وما
ارضيتماني ولئن لقيت النبي لاشكونكما اليه فقال
ابوبكر انا عائذ بالله تعالى من سخطه وسخطك
يا فاطمة ثم انتحب ابوبكر يبكي حتى كادت نفسه
ان تزهق وهي تقول والله لادعون الله عليك
في كل صلوة اصليها ثم خرج باكيا فاجتمع عليه
الناس فقال لهم يبيت كل رجل منكم معانقا
حليلته مسرورا باهله وتركتموني وما انا فيه
لا حاجة لي في بيعتكم اقيلوني بيعتي قالوا يا خليفة
رسول الله ان هذا الامر لا يستقيم وانت اعلمنا
بذلك انه ان كان هذا لم يقم لله دين فقال
والله لولا ذلك وما اخافه من رخاوة هذه
العروة ما بت ليلة ولي في عنق مسلم بيعة بعد
ما سمعت ورأيت من فاطمة قال فلم يبايع
علي كرم الله وجهه حتى ماتت فاطمة رضي الله عنها
ولم تمكث بعد ابيها الا خمسا وسبعين ليلة

میں جبر نہیں کر سکتا۔ پس علیؑ قبر رسول اللہ پر تشریف
لائے اور نالہ و فریاد کرنے لگے۔ رو رو کر کہتے
تھے اے بھائی و اے رسول اللہ میری خبر لیجیے
اس قوم نے مجھے مجبور و تنہا جان کے بے بس و بیکس کر دیا ہے
اور میرے قتل پر آمادہ ہو گئی۔ پس کہا عمر نے ابوبکر
سے آؤ فاطمہؑ کے پاس چلیں کیونکہ بہ تحقیق ہم نے
ان کو غضبناک کیا ہے۔ پس وہ دونوں ساتھ
ساتھ فاطمہؑ کے گھر پر آئے اور اندر آنے کی
اجازت مانگی جناب فاطمہؑ نے ان دونوں کو
اجازت نہ دی پس علیؑ کے پاس آئے اور ان
سے دونوں نے باتیں کیں۔ علی ان دونوں کو
جناب فاطمہؑ کے پاس لائے۔ جب وہ ان کے پاس
آکر کھڑے ہوئے تو جناب فاطمہؑ نے اپنا منہ
دیوار کی طرف پھیر لیا۔ انھوں نے سلام کیا
جناب فاطمہؑ نے سلام کا جواب نہ دیا پس ابوبکر
نے کہا اے حبیبۂ رسول اللہ ہم نے تمھارے باپ
رسول اللہ صلعم کی میراث اور تمھارے شوہر
کے بارہ میں تم کو غضبناک کیا ہے۔ پس جناب
فاطمہ نے فرمایا یہ کیا بات ہے کہ تیرے اہل تو
تیری میراث پائیں اور ہم محمدؐ کی میراث سے محروم
رہیں۔ ابوبکر بولے واللہ قرابت رسول اللہ کی
میرے نزدیک میری قرابت سے زیادہ محبوب ہے
اور تم مجھے میری بیٹی عائشہ سے زیادہ محبوب ہو

اور جس دن آپ کے پدر بزرگوار کا انتقال ہوا ہے میں چاہتا تھا کہ میں مر جاتا اور آنحضرت کے بعد زندہ نہ

رہتا کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ میں آپ کا حق اور آپ کا صدقہ رد کرتا ہوں جو رسول اللہ کی طرف سے آپ کو پہنچتا ہے۔ حالانکہ میں آپ سے اور آپ کے فضل و شرف سے واقف ہوں مگر بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ سے سنا ہے وہ حضرت فرماتے تھے کہ ہمارا ورثہ نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ جناب فاطمہؑ نے فرمایا میں بھی تم سے رسول اللہ کی ایک حدیث بیان کروں اُسے پہچانو گے اور اُس پر عمل کرو گے؟ ابوبکر اور عمر بولے ضرور۔ فرمائیے۔ پس فرمایا جناب فاطمہؑ نے میں تم کو قسم دے کر پوچھتی ہوں کیا تم دونوں نے رسول اللہ صلعم کو کہتے نہیں سنا کہ رضا فاطمہؑ کی میری رضا ہے اور غصہ فاطمہؑ کا میرا غصہ ہے۔ پس جس نے میری بیٹی فاطمہؑ سے محبت کی اُس نے مجھ سے محبت کی جس نے اُسے راضی کیا اُس نے مجھے راضی کیا۔ اور جس نے فاطمہؑ کو غضبناک کیا اُس نے مجھے غضبناک کیا۔ ابوبکر اور عمر دونوں نے کہا ہم نے ایسا سنا ہے۔ تب فاطمہؑ نے فرمایا میں خدا اور ملائکہ کو گواہ کرتی ہوں کہ تم نے مجھے ضرور غضبناک کیا اور مجھے تم دونوں نے راضی نہیں کیا۔ اور جب میں نبی صلعم سے ملاقات کروں گی تو ضرور تم دونوں کی شکایت اون حضرتؐ سے کروں گی تب ابوبکر نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں خدا سے اے فاطمہؑ کہ آنحضرتؐ اور تم غضبناک ہو۔ یہ کہکر ابوبکر رونے لگے یہاں تک کہ اُن کا دم گھٹنے لگا لیکن جناب فاطمہؑ یہی کہتی گئیں واللہ جو نماز میں پڑھوں گی اُس میں تیرے لئے بد دعا کرتی رہوں گی۔ پس ابوبکر روتے ہوئے نکلے اور لوگ اُن کے پاس جمع ہوئے۔ پس ابوبکر نے اُن سے کہا کہ تم سب لوگ اپنے اہل و عیال میں مسرور اپنی زوجہ کے ساتھ معانقہ میں رات گذارتے ہو اور مجھکو اس مصیبت و آفت میں چھوڑ دیا ہے۔ مجھے تمہارے بیعت کی حاجت نہیں ہے میری بیعت توڑ دو۔ وہ بولے اے خلیفہ رسول یہ امر استقامت پذیر نہ ہوگا اور آپ اس بات کو ہم سے بہتر جانتے ہیں کہ اگر یہ نہ ہوگا تو دین خدا قائم نہ رہیگا۔ پس ابوبکر نے کہا کہ واللہ اگر یہ بات نہ ہوتی اور اس گرفت کے ڈھیلا پڑ جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ایک رات بھی کسی مسلمان کی گردن میں اپنی بیعت نہ رکھتا بعد اس کے جو میں نے فاطمہؑ سے سنا ہے اور جو کچھ اُن کا حال دیکھا ہے۔ راوی کہتا ہے پس جناب علیؑ نے ہرگز بیعت نہیں کی جب تک کہ جناب فاطمہ زہرا کا انتقال نہ ہوگیا۔ اور وہ صرف ۷۵ دن اپنے پدر بزرگوار کے بعد زندہ رہیں۔

(۲) علامہ مسعودی مروج الذہب [illegible] برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۹ مطبوعہ مصر میں لکھتے ہیں۔

وحدث النوفلی فی کتاب الاخبار عن ابن | یعنی نوفلی حماد بن سلمہ سے روایت کرتا ہے کہ عروہ

عائشة عن ابيه عن حماد بن سلمة قال كان عروة بن الزبير يعذر اخاه اذا جرى ذكر بني هاشم وحصره اياهم في الشعب وجمعه الحطب لتحريقهم ويقول انما اراد بذلك ارهابهم ليدخلوا في طاعته كما ارهب بنو هاشم وجمع لهم الحطب لاحراقهم اذ هم ابوا البيعة فيما سلف۔

بن الزبیر اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر کی اس حرکت سے کہ اس نے حضرت محمد بن حنفیہ کے جلانے کا قصد کیا تھا اور لکڑیاں جمع کی تھیں بھی معذرت کرتا تھا کہ غرض اس سے اُن لوگوں کا ڈرانا تھا کہ داخلِ اطاعت ہوں جیسا کہ اس سے پہلے جب بنو ہاشم نے بیعت سے انکار کیا تھا تو جلانے والی لکڑیاں اُن کے جلانے کو جمع کی گئی تھیں

(۷) امام ابو الفتح محمد بن عبد الکریم شہرستانی (المتوفی ۵۴۸ھ) کی کتاب الملل والنحل مطبوعہ بمبئی جلد ۱ ص ۲۵

قال النظام ان عمر ضرب بطن فاطمة عليها السلام يوم البيعة حتى القت المحسن من بطنها وكان يصيح احرقوها بمن فيها وما كان في الدار غير علي وفاطمة والحسن والحسين۔

نظام کہتا ہے کہ عمر نے لات ماری فاطمہ علیہا السلام کے شکم پر بیعت کے دن یہاں تک کہ محسن اُن کے شکم مبارک سے نکل پڑے۔ اور عمر غل مچاتے تھے کہ جلا دو گھر کو مع اُن لوگوں کے جو اس میں ہیں۔ حالانکہ گھر میں سوائے علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کے کوئی نہ تھا۔

(۸) مولوی ولی اللہ صاحب کی ازالۃ الخفاء مطبوعہ مطبع صدیقی دہلی اور اسی کتاب کا اردو ترجمہ مطبوعہ لاہور مقصد دوم ترجمہ صفحہ ۲۲۶

انہیں ایام میں ایک اور مشکل فی جمیع مشکلات یہ پیش آئی کہ حضرت زبیر اور ایک جماعت بنی ہاشم حضرت فاطمہؓ کے مکان پر جمع ہوئے اور بعض خلافت کے متعلق مشورے کئے شیخین نے حسن تدبیر سے جس طرح ممکن ہوا اس مشکل کو بھی اٹھایا (یعنی رفع کیا) اسی طرح جو ملال حضرت علی مرتضیٰ کے مزاج مبارک پر لاحق ہوا تھا اس کا بھی حضرت صدیق نے نہایت حسن ملاطفت سے جبر نقصان فرمایا اس قصہ کے تمام راویوں کا حال یہ ہے کہ کچھ یاد رکھا ہے اور کچھ ترک کیا ہے۔ اس جگہ چند روایتیں لکھتا ہوں کہ اصل تنقیح ہو جائے۔

عن زيد بن اسلم عن ابيه انه حين بويع لابي بكر بعد رسول الله صلعم كان علي والزبير يدخلان على فاطمة بنت رسول الله فيشاورونها ويرتجعون في امرهم فلما بلغ ذلك عمر بن الخطاب خرج حتى دخل على فاطمة فقال يا بنت رسول الله ص

زید بن اسلم سے روایت ہے کہ بعد وفات آنحضرتؐ جب حضرت صدیقؓ کی بیعت کی گئی تو حضرت علی مرتضیٰ اور زبیر رضی اللہ عنہما حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر آتے اور اپنے امور میں مشورہ کرتے حضرت فاروقؓ کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو حضرت فاطمہؓ

ما من الخلق احد احب الینا من ابیک وما من احد احب الینا بعد ابیک منک وایم اللہ ما ذاک بمانعی ان اجتمع ھؤلاء النفر عندک ان امرتھم ان یحرق علیھم البیت قال فلما خرج عمر جاءوھا فقالت تعلمون ان عمر قد جاءنی وقد حلف باللہ لئن عدتم لیحرقن علیکم البیت وایم اللہ لیمضین لما حلف علیہ فانصرفوا راشدین فروا رایکم ولا ترجعوا الیّ فانصرفوا عنھا فلم یرجعوا الیھا حتی بایعوا لابی بکر اخرجہ ابن ابی شیبہ۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر آئے اور فرمایا اے دختر رسولؐ قسم ہے اللہ کی کہ کوئی شخص آپ کے والد سے مجھے محبوب تر نہیں ہے اور پھر آنحضرتؐ کے بعد آپ سے زیادہ مجھے کوئی محبوب تر نہیں مگر قسم ہے اللہ کی یہ امر مجھے اس امر سے مانع نہیں آسکتا کہ اگر پھر یہ لوگ اس طرح جمع ہوں تو میں گھر میں آگ لگا دوں جب حضرت فاروق واپس آئے اور وہ لوگ حضرت فاطمہؑ کے مکان پر آئے تو آپ نے کہا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے ابھی میرے پاس عمر آئے تھے وہ قسم کھا کر گئے ہیں کہ اگر پھر یہ لوگ جمع ہوں تو وہ گھر کو آگ لگا دیں گے سو قسم ہے اللہ کی وہ اس کام کو کر گذریں گے جس کی انہوں نے قسم کھائی ہے سو بہتر ہے کہ آپ لوگ واپس ہوں اور اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہیں اور پھر میرے پاس مجتمع نہ ہوں چنانچہ وہ لوگ واپس ہوئے اور آپ کے مکان پر اس طرح مجتمع نہ ہوئے یہاں تک کہ انہوں نے حضرت صدیق سے بیعت کر لی۔ ابن ابی شیبہ اس کے راوی ہیں۔ ازالۃ الخفا ص ۳

(۹) امام ابن عبد البر (المتوفی سنہ ۴۶۳ھ) کی کتاب استیعاب مطبوعہ حیدرآباد دکن جلد اول ص ۲۴۵۔ اس کتاب میں بھی ازالۃ الخفا والی روایت کسی قدر اختلاف لفظی سے درج ہے مگر معنی و مطلب بالکل وہی ہے جو اس ابن ابی شیبہ کی روایت کا ہے۔

(۱۰) مولوی عبد العزیز دہلوی نے اپنے تحفہ (مطبوعہ نول کشور ص ۲۹۲) میں قصد احراق عمر خانہ جناب سیدہؑ کی روایت کو تسلیم کر لیا ہے اور صحیح مان لیا ہے۔ لکھتے ہیں "وگفتن (عمر) اینکہ من خواہم سوخت پس وجہش آنست کہ این تخویف وتہدید کسانے را بود کہ خانہ زہرا را ملجا وپناہ بہر خیانت دانستہ حکم حرم مکہ معظمہ دادہ در انجا جمع می شدند وفتنہ وفساد منظور می داشتند۔"

(۱۱) مولوی شبلی نعمانی اپنی کتاب الفاروق میں احراق خانہ جناب سیدہ کی روایت طبری سے نقل کر کے فرماتے ہیں کہ درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے حضرت عمر کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں ہے۔

(۱۲) مولوی وحید الدین خاں صاحب سلیم اپنی کتاب اصحّ المذہب مطبوعہ لکھنؤ کے خاتمہ میں لکھتے ہیں جب تک حضرت علیؓ کفن و دفنِ حضرت رسولؐ میں مصروف تھے تو اُسی عرصہ میں فرصت پاکر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنا دیا۔ اور بحکم حضرت علیؓ کو واسطے بیعت کرنے کے طلب کیا اور رسم تعزیت و ماتم پرسی ساتھ دخترِ رسولؐ کے کچھ بجا نہیں لائے۔ اور حسب مضمون ایک روایت تاریخ ابوالفدا بادشاہ شام کے کہ جس پر کچھ احتمال شیعی ہونے کا نہیں ہو سکتا یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ واسطے جلانے گھر فاطمہؓ کے ہاتھ میں آگ لیکر گئے تھے اور حضرت ابوبکرؓ سے یہ حکم پایا تھا کہ علیؓ بیعت نہ کریں تو علیؓ اور ہمراہیان کو اُنکے گھر سے فاطمہؓ کے نکال دیا جائے تو یہ فعل گویا وہی ہاروت و ماروت کی تعلیم کا کام ہے کہ جس سے زن و شو میں جُدائی کراتے تھے۔

(۱۳) حافظ عبدالرحمٰن امرتسری نے اپنی کتاب المرتضیٰ مطبوعہ امرتسر ۱۳۴۵ھ میں عقد الفرید اور ابوالفدا کی روایت کو مستند سمجھ کر درج کیا ہے۔

(۱۴) ڈیون پورٹ کے رسالہ خلافت کا اردو ترجمہ جزو مظاہر حق مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۱۳ھ "اُس عرصہ میں ابوبکرؓ نے جلدی سے عمرؓ کو فاطمہؓ کے گھر پر جہاں علیؓ اور بعضے اُن کے دوست تھے بایں حکم بھیجا کہ اُن کو طلب کریں تاکہ وہ حاضر ہو کر بیعت خلیفہ کی کریں۔ اور اگر وہ اس امر سے انکار کریں تو اُن سے بزور بیعت لیں۔ بموجب اس حکم کے عمرؓ نے اُس گھر کو جا کے اپنے سرہنگوں سے گھیر لیا اور ابوبکرؓ کے منتخب ہونے کی خبر علیؓ سے کہکر دھمکی کی آواز و انداز سے بیان کیا کہ میری (یعنی عمرؓ کی رائے) اور تحریک سے یہ بات باتفاق رائے شوریٰ میں قرار پائی ہے کہ اگر کوئی شخص خود رئیس (خلیفہ) بن بیٹھے تو وہ شخص مع کل اُن لوگوں کے جنھوں نے اعانت اور حمایت اُس کی کی ہو وہ سزا موت کی پاویں۔ یہ کھلے عمرؓ نے بیان کیا کہ اگر اس حکم کی تعمیل نہ ہوگی تو وہ اس گھر میں آگ لگا کے اوس کو اور جو لوگ اس میں ہیں اُن سب کو جلا کے وہ سزا جاری کریں گے۔ پس فاطمہؓ بطور تشنیع کے کمال غیظ و غضب سے چلائیں کہ اے ابنِ خطاب تو ایسے ظلمِ قبیح وحشیانہ کا مرتکب نہ ہونا۔ عمرؓ نے جواب دیا میں ضرور ضرور کرونگا۔ اگر تم بیعت سے اُس شوریٰ کی انکار کروگے۔ اُس حالت میں علیؓ اور اُن کے رفیقوں کو کوئی چارہ نہ رہا سوا اس کے کہ اس حکمِ ناحق کی تعمیل کریں۔"

(۱۵) گبن[1] کی مشہور کتاب ڈکلائن اینڈ فال آف دی رومن امپائر (زوال سلطنت روم) مطبوعہ فریڈرک وارن

---

[1] طوالت کے اندیشہ سے ہم نے انگریزی مورخین کی انگریزی عبارت نہیں لکھی صرف ترجمہ پر اکتفا کیا ہے جسے شبہ ہو اصل سے مقابلہ کر لے

اینڈ کمپنی لندن جلد سوم صفحہ ۱۵۔ "فقط بنی ہاشم نے ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا اور اُن کا سردار (علی) جو امت خلافت کا دعویدار تک بالکل بے تعلق اور چپ چاپ گھر میں بیٹھا رہا۔ اُس نے عمر کی دھمکیوں کی کچھ پروا نہ کی جس نے دختر رسولؐ کے مکان میں آگ لگا دینے کا قصد کیا تھا۔"

(۱۶) واشنگٹن ارونگ کی مشہور کتاب سکسسرز آف محمدؐ (محمدؐ کے جانشین) مطبوعہ جارج بل اینڈ سنز لندن صفحہ ۵۷
"عمر نے اپنے ہمراہیوں سے (فاطمہؑ کے) مکان کو گھیر لیا۔ علیؑ سے کہا کہ ابوبکر خلیفہ منتخب ہوگئے ہیں۔ تم بھی بیعت کرلو۔ علیؑ حجت کرنے اور اپنے حقوق جتانے لگے مگر عمر نے کہا اب مرضی عامہ کے خلاف جو کوئی خلافت پر قبضہ کرنے کا قصد کرے گا اُسے سزائے قتل دی جائیگی۔ اور کہا کہ بیعت کرو ورنہ گھر کو اور جو لوگ اس میں ہیں سب کو پھونک دونگا۔ فاطمہؑ نے ملامت کے طور پر چلا کر کہا اے ابن خطاب تو ایسا ظلم تو نہ کیجیو۔ عمر نے جواب دیا کہ اگر تم لوگ اور لوگوں کی طرح بیعت نہ کرلوگے تو واللہ میں ضرور جلا دوں گا۔"

(۱۷) اوکلی کی ہسٹری آف دی سیراسنز (تاریخ اسلام) مطبوعہ جارج بل اینڈ سنز لندن صفحہ ۸۳۔
"عمر گھر میں آگ لگانے ہی کو تھا کہ فاطمہؑ نے پوچھا تیرا مطلب کیا ہے۔ عمر نے کہا کہ اگر ان لوگوں کی طرح تم لوگ بیعت نہ کرلوگے تو میں گھر کو جلا کر خاک سیاہ کردوں گا۔"

(۱۸) ابوالفرج ملطی نصرانی (المتوفی ۶۸۴ھ) نے اپنی عربی تاریخ مختصر الدول میں بھی یہ روایت اسی طرح لکھی ہے جس طرح اوکلی کی تاریخ میں ہے۔

ہم نے یہ ۱۸ شواہد واقعہ قصد احراق خانۂ جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا کے متعلق ایسی کتابوں سے پیش کئے ہیں جو چھپ چکی ہیں اور جو ہر شائق تحقیق کو بغیر زیادہ دشواری کے دستیاب ہو سکتی ہیں اور اکثر تاریخی دنیا میں مستند اور معتبر مانی جاتی ہیں ورنہ ابن ابی شیبہ[19]۔ ابوبکر جوہری[20]۔ صاحب کتاب السقیفہ اور ابن ابی الحدید[21] صاحب شرح نہج البلاغہ اور ابراہیم بن عبداللہ یمنی شافعی[22] صاحب کتاب الاکتفا، اور جلال الدین سیوطی[23] صاحب جمع الجوامع اور ملا علی متقی[24] کنز العمال اور ابن خرابہ[25] صاحب غرر وغیرہ نے بھی حضرت عمر کے اس قصد احراق کی روایت کو اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے[1]۔

[1] مگر تعجب ہے علامہ ابن خلدون پر کہ وہ اپنی مشہور آفاق تاریخ میں اس واقعہ سے بالکل چشم پوشی کر گئے ہیں۔ امام حسنؑ اور مالک اشتر کو معاویہ کے زہر دلوانے والے واقعات میں تو کچھ حیلے حوالے بھی بتلائے تھے نعوذ باللہ معقول (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۲)

ان ۷۱ شواہد میں سے نمبر ا سے نمبر ۷ تک، اشواہد اہلسنت کے ایسے جلیل القدر علماؤں نے نقل کئے گئے ہیں کہ جن کا نام سنتے ہی اہلسنت اُن کی جلالتِ قدر و عظمت کی وجہ سے سر جھکا لیتے ہیں۔ سب کی علیحدہ علیحدہ توثیق تحریر کی جاوے اور اس کی مدح و ثنا جو علمائے اہلسنت نے کی ہے لکھی جائے تو پچاس یا ساٹھ یا اس سے زیادہ صفحوں کی ایک کتاب تیار ہوتی ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے ہم نے اس مضمون کے شروع میں لکھا بھی ہے۔ پس اپنے ایسے جید علماء کی مستند اور معتبر کتابوں کے اتنے شواہد کے بعد اہلسنت کو اس واقعہ سے انکار کرنے کی مطلق گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایسی مستند اور معتبر شہادتوں سے انکار کیا جائے تو دنیا کا کوئی واقعہ بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ ان تاریخی روایتوں کے ساتھ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اس حدیث کو بھی شامل کر لیجئے (۱) عن عائشۃ۔ ان فاطمۃ بنت رسول اللہ ؐ

ارسلت الی ابی بکر الصدیق تسالہ میراثہا من رسول اللہ ؐ مما افاء اللہ علیہ بالمدینۃ وفدک وما بقی من خمس خیبر فقال ابو بکر ان رسول اللہ ؐ قال لا نورث ما ترکنا صدقۃ انما یاکل آل محمد فی ھذا المال وانی واللہ لا اغیر شیئا من صدقۃ رسول اللہ ؐ عن حالہا التی کانت علیہا فی عہد رسول اللہ ؐ ولاعلمن فیہا بما عمل رسول اللہ ؐ فابی ابو بکر ان یدفع الی فاطمۃ شیئاً فوجدت فاطمۃ علی ابی بکر فی ذالک فھجرتہ فلم تکلمہ حتی توفیت وعاشت بعد رسول اللہ ؐ ستۃ اشھر فلما توفیت دفنہا زوجہا علی بن ابی طالب لیلاً

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت رسول اللہ نے جناب ابوبکر کے پاس کہلا بھیجا اور رسول اللہ صلعم کی ملک میں سے جو مدینہ اور فدک اور ما بقایائے خمس خیبر میں تھی اپنی میراث طلب کی پس کہا ابوبکر نے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ ہمارا ورثہ نہیں ہوا کرتا جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں صدقہ ہے سوا اس کے نہیں ہے کہ آل محمدؐ اس مال میں کھاتی ہے۔ اور قسم خدا کی میں رسول اللہ کے صدقہ کو اسی حالت میں رکھوں گا جس حالت میں وہ حضرت کے عہد میں تھا۔ اس میں کسی طرح کا تغیر نہ کروں گا اور اُسے اُسی طرح کام میں لاؤں گا جس طرح

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۹)
طور پر ہاتھ پاؤں بھی مارے تھے۔ یہاں جب کچھ بات نہ بنا سکے تو سطر ہی کو اُڑا دیا۔ حالانکہ تاریخ طبری کو ایک مستند و معتبر تاریخ سمجھتے ہیں یہ بہت کچھ افسوس ناک تاریخ طبری سے اپنی تاریخ میں بھرا ہے۔ جیسا کہ خود ہی اپنی تاریخ کی جلد دوم کے آخر میں اقرار کیا ہے۔ علامہ کو مناسب تھا کہ اس روایت کو جو شیخین کے بیان کے حق میں سم قاتل کا اثر رکھتی ہے حذف نہ کرتے اور معقول دلائل سے رد کر کے شیخین کی پیشانی سے اس بدنما دھبے کو چھڑا دیتے۔ ۱۲ منہ

ولم یؤذن بها ابابکر وصلی علیها علیؓ فکان لعلی من الناس وجهة حیاة فاطمة فلما توفیت استنکر علی وجوه الناس فالتمس مصالحة ابی بکر ومبایعته ولم یکن یبایع تلك الاشهر (دیکھو صحیح بخاری جلد سوم مطبوعۂ مصر ۳۹ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۹۱)

رسول اللہ صلعم کیا کرتے تھے پس ابوبکر نے انکار کیا اور فاطمہ کو کچھ بھی نہ دیا پس غضبناک ہوئیں فاطمہ ابوبکر پر اس بارہ میں اور اُن سے ترک کردیا (ملنا) اور ہرگز اُن سے کلام نہ کیا یہاں تک کہ انتقال کرگئیں۔ اور زندہ رہیں فاطمہ رسول اللہ کے بعد ۶ ماہ تک۔ پس جب وفات پائی جناب فاطمہؓ نے تو دفن کیا اُن کو اُن کے شوہر علی ابن ابی طالبؑ نے رات کے وقت۔ اور نہ اجازت دی اُن کے جنازہ پر ابوبکر کو اور نماز جنازہ پڑھی علیؑ نے۔ اور جب تک جناب فاطمہؑ زندہ رہیں لوگ علیؑ کی رواداری اور لحاظ کرتے رہے[1] جب فاطمہؑ کا انتقال ہوگیا تو علیؑ نے دیکھا کہ لوگوں کے رُخ اُن کی طرف سے بالکل پھر گئے پس فوراً ابوبکر سے مصالحت اور بیعت کی درخواست کی اور نہیں بیعت کی تھی علیؑ نے اُن چھ مہینے تک (جب تک فاطمہؑ زندہ رہیں)

پس ان روایتوں اور حدیثوں سے نتائج مندرجۂ ذیل صریح اور کھلے طور پر برآمد ہوتے ہیں۔

(۱) جناب امیرؑ خلافت ابوبکر پر راضی نہ تھے اور اس کو باطل سمجھتے تھے مگر خلیفۂ ثانی زبردستی بیعت لینی چاہتے تھے اور بروایت ترمذی وازالۃ الخفا ومودۃ القربیٰ وصواعق محرقہ وغیرہ ثابت ہے کہ جناب رسولخدا صلعم نے فرمایا اَلْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ وَعَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ اَللّٰھُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ مَعَہٗ حَیْثُمَا دَارَ (حق علیؑ کے ساتھ اور علیؑ حق کے ساتھ ہے خداوندا پھیر تو حق کو علیؑ کے ساتھ جس جس طرف علیؑ پھرے یعنی علیؑ مثل آفتاب کے اور حق مانند اُس کی شعاع کے جو اُس سے منعکس ہوتی ہے) اور یہ حدیث متفق علیہ ہے کہ من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتة الجاھلیة (دیکھو شرح عقائد نسفی یعنی جو شخص مرے اور اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانے وہ کافر مرتا ہے۔ اور جناب امیرؑ نے بروایت مسلم وبخاری ومعتبرین بعد ۶ ماہ کے بمجبوری بیعت کی پس اس ۶ ماہ کے زمانہ میں

[1] چنانچہ ابن قتیبہ کی روایت میں لکھا جا چکا ہے کہ ابوبکر نے عمر سے کہا کہ فاطمہؑ جب تک ان کے پہلو میں ہیں میں ان کو کسی امر میں مجبور نہیں کرسکتا۔ ۱۲ منہ [2] کیونکہ خوب جانتے تھے کہ فاطمہؑ کا انتقال ہوچکا ہے اب ابوبکر رعایت کرنے اور چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ اور عمر ان کا وعدہ پورا کرکر لیں گے یعنی جو جلا دینے کا مضمون صادق کردیں گے نہیں معلوم کیا کر گذریں گے جو ہر صورت میں تباہی اسلام کا باعث ہوگا ۱۲ منہ

حضرت نے کسی کو امام سمجھا حالانکہ ایک شب بھی بغیر معرفت امام کے رہنا حرام ہے۔ اگر خلافت حضرت ابوبکر کی حق ہوتی تو حضرت امیرالمؤمنین سب سے پہلے بیعت کرتے۔

(۲) بڑے بڑے اصحاب جلیل القدر مثل ابوذر و سلمان و مقداد و عمار یاسر کے جناب علیؑ کے ساتھ تخلف بیعت میں شریک تھے جن کی نسبت رسول اللہ نے فرمایا ہے (روی سلیمان و عبداللہ ابنا بریدہ عن ابیھما قال قال رسول اللہ ان اللہ عزوجل امرنی بحب اربعۃ من اصحابی واخبرنی انہ یحبھم فقیل یا رسول اللہ من ھو قال علی والمقداد و سلمان وابوذر (استیعاب مطبوعہ حیدرآباد جلد اول ۱۹۱) یعنی بریدہ کے بیٹے سلیمان اور عبداللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ نے کہ خدائے عزوجل نے میرے اصحاب میں سے چار سے محبت رکھنے کا حکم دیا ہے اور مجھے خبر دی ہے کہ وہ (خدا) بھی اُن سے محبت رکھتا ہے۔ پس لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ وہ چار کون سے اصحاب ہیں۔ فرمایا وہ علیؑ ہیں اور مقداد ہیں اور سلمان ہیں اور ابوذر ہیں

اِنَّ الْجَنَّۃَ تَشْتَاقُ اِلیٰ ثَلٰثَۃٍ علیؑ وعمار و سلمان۔ (صحیح ترمذی مع ترجمہ مطبوعہ نولکشور جلد دوم ۵۹۰) ۔ بتحقیق جنت مشتاق ہے تین شخصوں کی علیؑ کی عمار کی اور سلمان کی۔

ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء من ذی لھجۃ اصدق ولا اوفی من ابی ذر شبہ عیسی بن مریم فقال عمر بن الخطاب کالحاسد یا رسول اللہ افنعرف ذالک لہ قال نعم فاعرفوہ صحیح ترمذی جلد دوم ۵۹۳۔ یعنی فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ نہیں سایہ ڈالا آسمان نے اور نہیں اُٹھایا زمین نے کوئی ذی لہجہ زیادہ سچا اور زیادہ وفا کرنے والا ابوذرؓ سے مانند عیسیٰ بن مریم کے پس عمر بن الخطاب نے حسد سے کہا یا رسول اللہ کیا آپ اس کی ایسی تعریف کرتے ہیں۔ جواب دیا آپ نے ہاں تم بھی اس کی تعریف کرو۔ قال النبی لو کان الدین عند الثریا لنالہ سلمان (استیعاب جلد دوم ۵۶۰) یعنی فرمایا نبی صلعم نے کہ اگر دین ثریا کے قریب بھی ہوتا تو سلمان اُس تک جا پہنچتا یا اُسے حاصل کر لیتا۔ قال رسول اللہ ان عمار ملئی ایمانا الی مشاشہ او زید علی عماد ایمانا الی اخمص قدمیہ ... من ابغض عمارا ابغضہ اللہ۔ (استیعاب جلد دوم ۴۳۵) یعنی فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ بتحقیق عمار کا دل ایمان سے پُر ہے۔ عمار سر سے پاؤں تک ایمان میں ڈوبا ہوا ہے۔ جو عمار سے دشمنی کرے خدا اُس سے دشمنی کرے۔ ملاحظہ کیجئے جو چوٹی کے اصحاب تھے وہ علیؑ ہی کے ساتھ تھے

(۳) جناب عمر نے قسم کھائی ہے اس سبب مزور اس گھر کو مع اہل بیت کے جلا دیتے اگر حضرت علیؑ باہر نکل آتے۔ دوسرے یہ کہ بروایت کتاب العقد جناب ابوبکر نے جب کہا کہ اگر علیؑ و عباسؓ بیعت نہ کریں تو قتال کرنا یہ حکم سُن کر عمر آگ اور لکڑی لیکر آئے تھے جس سے صریح نقد پھونک دینے کا ثابت ہے۔

(۴) حضرات شیخین نے جناب فاطمہؑ پر سختیاں کیں اور ان کے شدائد سے جناب فاطمہؑ کو سخت ایذا پہونچی اور حضرت فاطمہؑ تا دم وفات ان سے ناراض رہیں بلکہ بروایت نظام معتزلی ضرب جناب عمرؓ سے سقط محسنؑ وقوع میں آیا۔ اور وہی جناب سیدہ کے بیمار پڑ جانے اور وفات کا باعث ہوا۔

(۵) رسولؐ کی بیٹی شیخین سے ایسی ناراض گئی کہ جنازہ پر ان کی حاضری کی اجازت نہ دی۔ رات کے وقت چپکے سے دفن کر دی گئی۔ اور ایسی بیکسی اور بے بسی کی حالت تھی کہ اپنے چاہتے باپ کے پہلو میں دفن نہ ہوئیں۔

(۶) قرابتداران رسولؐ کے ساتھ ایسی کارروائی کرنے والوں نے آیہ مودت یعنی قرآن کو پس پشت ڈالدیا اور حسبنا کتاب اللہ پر بھی قائم نہ رہے۔

اب فرا ہماری خاطر سے بخاری اور مسلم کی یہ دو حدیثیں اور بھی پڑھ لیجئے اِنّ فاطمۃ بضعۃ منّی فمن اغضبہا اغضبنی (صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد دوم ص۱۸۵) فاطمہؑ میرا ایک ٹکڑا ہے جس نے اُس کو غضبناک کیا اُس نے مجھکو غضبناک کیا۔ اور ان فاطمۃ بضعۃ منی یوذینی ما اذاھا (صحیح مسلم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی جلد ۲ ص۲۹۰) فاطمہؑ میرا ایک ٹکڑا ہے اُس کی ایذا میری ایذا ہے۔

اِن احادیث کے پڑھنے کے بعد جو آخری نتیجہ نکلتا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ ایسا صریح ہے کہ ہر معمولی عقل کا آدمی سمجھ سکتا ہے۔

مسلمانو! آنکھیں کھولو تقلید آبائی کے غیر واجب طریقہ کو چھوڑو قالوا حسبنا ما وجدنا علیہ اٰباءنا اولو کان اٰباءھم لا یعلمون شیئاً ولا یھتدون[1] کے مصداق نہ بنو اور اے وہ لوگو جو فخریہ اپنے کو علیؑ و فاطمہؑ کی اولاد بتاتے ہو اور پھر لباس تسنّن پہنے ہوئے انہوں کی فضیلت سے انکار کر کے غیروں کو ترجیح دیتے ہو اپنے دادا اور دادی کی مصیبت پر غور کرو اور خیال کرو کہ ابھی رسول اللہ صلعم کا انتقال

---

[1] کہتے ہیں کافی ہے ہم کو جس پر کہ پایا ہے اپنے اباواجداد کو کیا اگرچہ اُن کے آباؤ اجداد کچھ نہ جانتے تھے اور نہ ہدایت پر تھے۔ (پارہ ۷، سورۂ مائدہ رکوع ۱۴)

ہوا ہے اُن کی دکھیاری نازوں کی پلی مصیبت زدہ بیٹی اپنے باپ کے فراق میں بیٹھی زار و قطار رو رہی ہے۔ اُس کے چھوٹے چھوٹے بچے حسن حسین زینب ام کلثوم جن میں سب سے بڑے کی عمر سات برس سے زیادہ نہیں ہے اور بے انتہا اپنے نانا سے مانوس ہیں۔ نانا کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ اُن کی محبت و شفقت یاد کر کے جانیں کھو رہے ہیں۔ اُس کا آفت رسیدہ شوہر جو یوم پیدائش سے آخر دم تک اپنے اخ المعظم اپنے مربی و محسن اپنے آقا و سردار رسول مختار سے جدا نہیں ہوا۔ اپنے آقا و پیشوا کی مفارقت میں ادھر تو جان سے عاری ہو رہا ہے۔ ڈاڑھیں مار کر رو رہا ہے اُدھر اپنی بیوی اور بچوں کی تباہ حالت دیکھ کر غم کھا رہا ہے۔ غرض تمام اہلبیتؑ کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو رہی ہے کہ یکایک وہ ماں جو اپنے کم سن بچوں کو فقر و فاقہ کے عالم میں وہی تھپکی لئے بیٹھی ہے۔ دیکھتی ہے کہ دوڑ آ گئی ہے اور گھر اور گھر والوں کو پھونکنے کی خوفناک آواز سنتی ہے۔ کسی طرح پھٹک جانے سے نجات ملتی ہے تو اُس کے شوہر کو زبردستی پکڑ کر حاکم کے پاس لیجاتے ہیں۔ بیچاری کو باپ کا غم تو ہے ہی اب شوہر کی پڑ گئی کہ دیکھئے اگر حاکم نے قتل کا حکم دیدیا تو میں ان معصوم بچوں کو لیکر کہاں جاؤں گی۔ اور حال یہ ہے کہ تمام زمانہ مخالف نظر آ رہا ہے تصور کرو کلیجوں پر ہاتھ دھرو۔ اگر خدانخواستہ تم میں سے کسی کو ایسا روز بد پیش آئے تو تمہارے دلوں اور کلیجوں کی کیا نوبت ہو۔ بے تعصبی کی عینک لگا کر ان حالات کو دیکھو غور کرو۔ تحقیق کرو راہ راست اور طریق حق کو اختیار کرو۔

اگر اس سے بھی تسکین خاطر نہ ہو تو روایت کشف بیت فاطمہؑ کو ملاحظہ کیجئے جو تاریخ طبری کامل مبرد کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ۔ کتاب سقیفہ جوہری شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید تاریخ ابن عساکر جمع الجوامع سیوطی کنز العمال منتخب کنز العمال۔ کتاب الاموال ابو عبیدہ۔ فضائل الصحابہ خیثمہ بن سلیمان اطرابلسی معجم کبیر طبرانی۔ مختارہ ضیاء مقدسی مرآۃ الزمان سبط ابن جوزی وغیرہ بہت سی کتب اہلسنت میں موجود ہے۔

تاریخ طبری میں ہے جلد ۴ صفحہ ۵۲ مطبوعہ مصر

حدثنا یونس بن عبد الاعلی قال حدثنا یحیی بن عبد اللہ بن بکیر قال حدثنا اللیث بن سعد قال حدثنا علوان عن صالح بن کیسان عن عمر بن عبد الرحمن بن عوف عن ابیہ انہ دخل علی ابی بکر الصدیق فی مرضہ الذی توفی فیہ

یعنی عبدالرحمن بن عوف سے روایت ہے کہ وہ داخل ہوئے ابو بکر پر اُس بیماری میں جس میں ابو بکر نے وفات کی تو عبدالرحمن نے ان کو بہت فکر مند پایا۔ عبدالرحمن نے کہا آج تو تم نے صبح کی اس حال میں کہ اچھے ہو۔ ابو بکر نے کہا کیا تم ایسا خیال کرتے ہو۔ عبدالرحمن نے کہا ہاں۔

فاما به مثله فقال لعبد الرحمن اصمت
والمهلاش بارثيا فقال ابوبكر رض انزاه قال
ثم قال انی ولیت امرکم خیرکم فی نفسی فکلکم
ورم انفه من ذالك يريد ان يكون له الامر
دونه ورايتم الدنيا قد اقبلت ولما تقبل
وهي مقبلة حتى تتخذوا ستور الحرير ونضائد
الديباج وتالموا الاضطجاع على الصوف الاذري
كما يالم احدكم ان ينام على حسك والله
لان يقدم احدكم فيضرب عنقه في غير حد
خير له من ان يخوض في غمرة الدنيا وانتم اول
ضال بالناس غدا فتصدونهم عن الطريق
يمينا وشمالا يا هادي الطريق انما هو الفجر
والبحر فقلت له خفض عليك رحمك الله
فان هذا يهيضك في امرك انما الناس
في امرك بين رجلين اما رجل رأى ما رايت
فهو معك واما رجل خالفك فهو مشير عليك
وصاحبك كما تحب ولا نعلمك اردت الا خيرا
ولم تزل صالحا وانك لا تاسى من الدنيا
قال ابوبكر رض اجل اني لا اسى على شئ من
الدنيا الا على ثلاث فعلتهن وددت اني
تركتهن وثلاث تركتهن وددت اني فعلتهن
وثلاث وددت اني سالت عنهن رسول الله ﷺ
فاما الثلاث التي وددت اني تركتهن فوددت
اني لم اكشف بيت فاطمة عن شئ وان كانوا

ابوبکر نے کہا ہم تم سب کے حاکم ہوئے جبکہ ہم اپنی
نفس میں تم سب سے بہتر تھے پس تم سب کی ناک تم
کو آئی (غصہ ہو گئے) چاہتے تھے کہ خلافت تم ہی
کو ملے دوسرے کو نہ ملے۔ اور دنیا کو دیکھا کہ رُخ
کئے ہوئے ہے حالانکہ وہ وقت آنے والا ہے
کہ تم فرش حریر و دیبا پر خواب کرو گے۔ خدا کی
قسم اگر تم لوگوں میں سے کوئی شخص بغیر حد کے قتل
کر دیا جائے تو بہتر ہے اس سے کہ غمرۂ دنیا میں
تم غوطہ زن ہو۔ تم لوگ سب سے پہلے گمراہ کرنے
والے ہو لوگوں کو کہ اُن کے دائیں بائیں کی راہ
روکو گے۔ عبدالرحمن نے کہا کہ آہستگی کرو خدا
تم پر رحم کرے کیونکہ تمہارے امر میں دو ہی قسم کے
لوگ ہیں۔ ایک تو وہ جنکی رائے وہی ہے جو تمہاری
رائے ہے تو وہ تمہارا صاحب و ہم رائے ہے
دوسرا وہ جو تمہارے خلاف ہے تو وہ تمہارا
مشیر ہے۔ اور صاحب تمہارا (عمر) جیسا کہ تم چاہتے
ہو اور ہم جہاں تک جانتے ہیں تم نے خیر ہی کا
ارادہ کیا ہے۔ اور ہمیشہ تم صالح و مصلح رہے۔ دنیا
کی کسی بات پر تم کو افسوس نہ ہوگا۔

ابوبکر نے کہا ہاں ہم کو تین بات کا افسوس ہے کہ
کاش نہ کئے ہوتے۔ اور تین بات کا افسوس ہے
کہ کاش کئے ہوتے اور تین باتوں کو کاش رسول ﷺ
سے دریافت کئے ہوتے۔

وہ تین باتیں جن کو ہم نے کیا اچھا تھا نہیں

قد غلقوه على الحرب ووددت انى لم اكن حرقت الفجاءة السلمى وانى كنت قتلته سريحا او خليته نجيحا ووددت انى يوم سقيفة بنى ساعدة كنت قذفت الامر فى عنق احد الرجلين يريد عمر وابا عبيدة فكان احدهما اميرا وكنت وزيرا واما اللاتى تركتهن فوددت انى يوم اتيت بالاشعث بن قيس اسيرا كنت ضربت عنقه فانه يخيل الى انه لا يرى شرا الا اعان عليه ووددت انى حين سيرت خالد بن الوليد الى اهل الردة اقمت بذى القصة فان ظفر المسلمون ظفروا وان هزموا كنت بصدد لقاء او مدد ووددت انى كنت اذ وجهت خالد بن الوليد الى الشام كنت وجهت عمر بن الخطاب الى العراق فكنت قد بسطت يدى كلتيهما فى سبيل الله ومد يديه ووددت انى كنت سألت رسول الله صلعم لمن هذا الامر فلا ينازعه احد ووددت انى كنت سألته هل للانصار فى هذا الامر نصيب ووددت انى كنت سألته عن ميراث ابنة الاخ والعمة فان فى نفسى منهما شيئا صلعم

کہ نہ کئے ہوتے۔ ایک یہ ہے کہ کاش بیت فاطمہ نہ کئے ہوتے (یعنی حضرت فاطمہؓ کا گھر نہ کھولے ہوتے) اگرچہ وہ لوگ جنگ کرنے کے لئے اُس کو بند کئے ہوتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کاش فجاءۃ سلمی کو ہم نہ جلائے ہوتے بلکہ یا چھوڑ دیتے یا قتل کرتے۔ تیسری بات یہ کہ بروز سقیفہ ہم اس امر کو ان دونوں عمر و ابو عبیدہ کے کسی کے گلے میں ڈالے ہوتے کہ کوئی ان میں سے امیر ہوتا اور ہم اُس کے وزیر ہوتے۔ رہی وہ تین باتیں جن کو ہم نے نہیں کیا اور چاہتے ہیں کہ کئے ہوتے۔ ایک یہ کہ اشعث بن قیس کو جب اس کو گرفتار کر کے لوگ لائے تو ہم اُس کو قتل کئے ہوتے (مگر بعوض اس کے اپنی بہن ام فروہ کو اُس کے حوالے کیا) کیونکہ ہمارے خیال میں وہ جب کسی امر شر کو دیکھتا ہے تو اُس کا معین ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جب خالد بن ولید کو اہل ردہ سے لڑنے کے لئے بھیجا تو ہم ذی القصہ میں رہتے کہ اگر مسلمانوں کی فتح ہوتی تو خیر اور اگر ہزیمت پاتے تو ہم اُن کی مدد کرتے۔ تیسری بات یہ کہ جب خالد کو ہم نے ملک شام کی طرف بھیجا تو عمر کو عراق کی طرف بھیجے کہ خدا کی راہ میں ہم دونوں ہاتھ پھیلا دیتے۔

لیکن وہ باتیں جن کی نسبت ہم چاہتے ہیں کہ رسول اللہ سے پوچھے ہوتے۔ ایک یہ ہے کہ حضرت سے پوچھتے یہ خلافت کس کا حق ہے۔ دوسری بات یہ کہ حضرت سے پوچھتے کہ انصار کا

بحکم خدا حق ہے اس میں کچھ نہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ میراث برادر زادی اور عم کو دریافت کرتے تھے کہ اس میں ہم کو شک ہے۔ کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ صفحہ ۱۳ مطبوعہ مصر میں بھی یہی مضمون ہے۔ ان روایات سے نہ صرف واقعہ فدک و احراق خانۂ جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا کی تصدیق ہوئی جس پر سب سے پہلے اظہار افسوس کیا ہے بلکہ صحابہ کی دنیاداری بھی بدیہی طور پر نمایاں ہوئی کہ حضرت ابوبکر سے اس وجہ سے ناراض تھے کہ چاہتے تھے کہ خلافت ہم ہی کو ملے دوسرا کوئی نہ پائے۔

پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر کی خلافت حکم رسول سے نہ تھی۔ کیونکہ فرماتے ہیں کاش ہم رسول اللہ سے پوچھے ہوتے یہ خلافت کس کا حق ہے۔

ضمیمہ

بعض مورخین اہل فرنگ کی تحریریں جناب امیر علیہ السلام اور خلفائے ثلثہ کی بابت

(۱) اس پر اس نے (رسول اللہ صلعم نے) حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ میرے قرابتدار علی کو بلاؤ جو تعداد میں چالیس کے قریب تھے ان کی دعوت کرو۔ اور ان کے آگے ایک بکرا اور دودھ کا ایک بڑا برتن رکھدو۔ جب وہ کھا پی چکے تو حضرت ان کو وعظ کرنے لگے۔ مگر ابولہب خلل انداز ہوا اور وہ چلے گئے) تو اسی طرح دوسرے دن ان کی دعوت کی گئی اور جب وہ فارغ ہوئے تو حضرت کے لعل لب اس طرح دُرفشاں ہوئے۔ "میں نہیں جانتا کہ عرب میں کوئی دوسرا شخص اس سے بہتر تحفہ تمہارے سامنے پیش کرے جیسا کہ میں اس وقت تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں میں تم کو دنیا اور عاقبت دونوں کی بھلائی اور بہتری پیش کرتا ہوں۔ خدائے تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اس کی طرف دعوت کروں۔ پس تو اب تم بتاؤ کہ میرا وزیر میرا بھائی اور میرا خلیفہ کون بنتا ہے۔" جب کوئی نہ بولا تو علیؑ نے کہا کہ "میں بنوں گا۔ میں آپ کے مخالفوں کا دانت توڑ ڈالوں گا۔ آنکھیں نکال ڈالونگا پیٹ پھاڑ ڈالوں گا۔ اور ٹانگیں توڑ ڈالوں گا۔ اُن کے اوپر میں آپکا وزیر بنوں گا۔" تب محمدؐ نے حضرت علیؑ کو (جن کی عمر اس وقت دس گیارہ برس کی تھی) گلے سے لگا لیا اور فرمایا "یہ ہے میرا بھائی۔ میرا وصی۔ میرا خلیفہ۔ اس کی اطاعت اور فرمان برداری کرتے رہو۔" (دیکھو اوکلے کی تاریخ اسلام صفحہ ۱۵۔۱۴۔ گلمن کی تاریخ اسلام صفحہ ۸۲۔ گبن کی تاریخ روم جلد سوم صفحہ ۴۹۹۔

(۱) اگرچہ سب سے پہلے عمر نے ابو عبیدہ کے سامنے ابوبکر کو خلافت کے واسطے تجویز کیا اور سب سے پہلے انکو خلیفہ تسلیم کر کے بیعت کی مگر بعد میں بعض انتخاب سے کچھ خوش نہیں ہوا۔ جو اس نازک وقت میں مرضی کیا تھا وہ ضرورت یہ تھی کہ کہیں لوگ علی کو خلیفہ نہ بنالیں کیونکہ اگر علی خلیفہ ہو جائیں گے تو خلافت ہمیشہ کو خاندان نبوت ہی میں قائم ہو جائیگی۔) اس کا ثبوت اُن کی اس بات سے ملتا ہے کہ وہ خدا سے دعا کرتے تھے کہ اس بیعت فلتہ کی خرابیوں سے خداوند کریم محفوظ رکھے جو کوئی آئندہ ایسا کریگا اُسے قتل کیا جائیگا اور اگر کبھی کوئی کسی دوسرے کی بیعت خلاف رائے عامہ کے کرے تو بیعت کرنے والا اور جس کی وہ بیعت کرے گا دونوں مار دیئے جائیں گے (مطلب یہ کہ اب تو ہم نے ابوبکر کو خلیفہ بنالیا۔ اب جو کوئی علی کو خلیفہ بنائے گا کیونکہ بہت سے لوگ علی کو خلیفہ بنانے کی تجویز کر رہے تھے تو علیؑ سے بیعت کرنے والے اور علی دونوں قتل کر دیئے جائیں گے) ایسی ایسی باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بعد میں اس انتخاب کو ناپسند کرنے لگے لیکن جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا تھا اب علاج کیا تھا سوا اس کے کہ رضامندی ظاہر کر کے چپکے ہو رہیں۔ اب جاننا چاہیئے کہ اگرچہ درحقیقت ابوبکر خلیفہ ہو گئے مگر سب لوگ برابر رضامند نہ تھے کیونکہ بہت سے لوگوں کی رائے تھی کہ خلافت کا حق علی بن ابی طالبؑ کا ہے۔ خلافت اُن کو ملنی چاہیئے (اوکلی کی تاریخ اسلام صفحہ ۷) مسلمانوں کی سب سے بڑی تعداد اس امر کی مدعی ہے کہ سب سے پہلے علیؑ نے اسلام قبول کیا۔ اور ایک روایت کے بموجب درحقیقت وہ بہت ہی سابق الاسلام تھے کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے شکم مادر میں دین اسلام قبول کیا ہوا تھا کیونکہ جب تک حالت حمل میں رہے علیؑ نے اپنی ماں کو بُت کے سامنے نہیں جُھکنے دیا۔ اسی واسطے جب مسلمان علیؑ کا نام لیتے ہیں تو کرم اللہ وجہہ (خداوند تعالیٰ نے اُن کے چہرے کو بزرگی اور عظمت بخشی کہ انھوں نے نہ تو خود کبھی بتوں کو سجدہ کیا نہ اپنی والدہ کو کرنے دیا۔ حالانکہ اور کسی سے ایسا نہیں ہوا۔ کوئی صحابی ایسا نہیں ہوا جس نے کبھی بت کو سجدہ نہ کیا ہو۔ اسی واسطے علیؑ اس دعا کے ساتھ مخصوص کیئے گئے) مسلمان یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا علیؑ میرے لئے ہے اور میں علیؑ سے ہوں (علی منی وانا منہ) وہ مجھ سے وہ درجہ رکھتا ہے جو ہارون موسیٰؑ کے ساتھ رکھتے تھے (هو منی بمنزلة هارون من موسیٰ) میں ایک شہر ہوں جس میں تمام علم بند ہے اور علیؑ اوس کا دروازہ ہے (انا مدینة العلم وعلی بابها) اوکلی صفحہ ۳۴۰۔

(۴) اگر شجاعت خوش طبعی زہد پارسائی عقل و دانائی کے خیال سے دیکھا جائے تو علیؓ ایسا شخص تھا کہ اس قوم میں اُس سے بڑھکر کوئی پیدا نہیں ہوا۔ ادکلی ۔

(۵) نسبتاً بہت رسول اور خوصلت میں علیؓ اپنے تمام اہل وطن سے بڑھے ہوئے تھے اور اس سبب سے عرب کے خالی تخت پر اُن کو پورا پورا حق حاصل تھا۔ ابو طالبؓ کا بیٹا اپنے ذاتی حق سے بنی ہاشم کا سردار تھا اور خانہ کعبہ اور شہر مکہ کا موروثی شہزادہ (حاکم)۔ شمع نبوت خاموش ہو چکی تھی مگر شوہر فاطمہؓ کو اُس کے باپ کا ترکہ اور ورثہ ملنا چاہیئے تھا۔ عرب کچھ عرصہ تک عورت کی حکمرانی کے متحمل رہ چکے تھے اور رسول اللہ نے دونوں کو گود میں لیکر پیار کیا تھا اور منبر پر سے فرمایا تھا کہ یہ میرے بڑھاپے کی امیدیں ہیں اور جوانانِ بہشت کے سردار ہیں۔ اس سبب سے پہلے مومن کی بابت فرمایا تھا کہ یہ دنیا و عاقبت میں مسلمانوں کا پیشوا ہے۔ اور اگر بعض لوگ (ابو بکر و عمر وغیرہ) زیادہ سنجیدہ اور فقط غلیظ تھے۔ مگر علیؓ کی سرگرمی اور اوصاف حمیدہ تک کوئی مسلمان نہیں پہنچ سکتا تھا۔ وہ شاعر بھی تھا سپاہی بھی تھا اور ولی بھی تھا۔ بہت سے اخلاقی اور مذہبی مقولوں سے اب تک اُس کی دانائی ٹپکتی ہے۔ اور زبان اور تلوار کی لڑائی میں ہر حریف اُس کی فصاحت اور شجاعت کے آگے مغلوب ہو جاتا تھا۔ اول وقت بعثت سے لیکر تجہیز و تکفین کے زمانہ تک اس فیاض دوست نے رسول اللہ کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑا رسول اللہ بھی اس کو نہایت خوشی سے اپنا بھائی اپنا وصی و خلیفہ اور موسیٰؑ ثانی کا ہارون ثانی کہا کرتے تھے۔ ابو طالب کے بیٹے پر بعد میں طعن کی گئی کہ اُس نے باقاعدہ طور پر اپنا حق کیوں طلب نہیں کیا۔ اگر وہ اپنا حق طلب کرتا تو کسی حریف کی کچھ نہ چلتی اور نص آسمانی سے اوس کی خلافت کی توثیق ہو جاتی۔ مگر یہ شک و شبہ نہ کرنے والا بہادر اپنی حقیت پر بھروسہ رکھتا تھا۔ اور اس خیال سے کہ سلطنت کا رشک و حسد پیدا ہو گا اور غالباً اس خیال سے کہ مخالفت بیار ہو رسول اللہ اپنے ارادوں سے باز رہے (یعنی علانیہ خلیفہ نہیں بنایا۔ اس انگریز مورخ کی یہ رائے عدم واقفیت کی وجہ سے ہے۔ ورنہ رسول اللہ صلعم غدیر خم کے موقع پر علانیہ خلیفہ بنا چکے ہیں۔ اور آخر وقت میں خلافت علیؓ کے نام لکھ دینے کے واسطے قلم دوات بھی طلب کیا تھا جو حریفوں نے نہ دیا اور نہ لکھنے دیا) یہ بات بھی ہوئی کہ رسول اللہ کا بستر بیاری مکار و پُرفن عائشہ بنت ابو بکر سے گھرا ہوا تھا جو علیؓ کی دشمن تھی (یعنی اگر رسول اللہ نے علیؓ کو نماز پڑھانے یا

خلیفہ بنانے کا حکم بھی دیا ہو تو اُس کی تعمیل کیونکر ہو سکتی تھی۔ گھر میں عائشہ بابر عائشہ کا رسوخ جو چلا رسُول اللہ کے نام سے لوگوں سے کہدیا وہی ہو گیا یعنی بیچارے محروم رہ گئے (گبن جلد ۳ صفحہ ۵۱۸)

(۶) ان سب (ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ) میں سے علیؓ سب سے زبردست حق رکھتا تھا۔ وہ صرف رسُول اللہ کا داماد ہی نہ تھا بلکہ یاد ہوگا کہ سب سے پہلے بعثت کے اعلان کے وقت رسُول اللہ کی مدد کو بھی دوڑا تھا اور اس نازک وقت میں خلیفہ کا خطاب پا چکا تھا۔ اور رسُول اللہ نے اس کے ساتھ ہی اس کی فرماں برداری کا حکم دیا تھا۔ گلمن صفحہ ۲۲۵۔

(۷) ۶۳۳ء میں فاطمہؑ کا انتقال ہو گیا۔ تب علیؑ بھی دیگر صحابیوں کے ساتھ دربارِ خلافت میں آنے جانے لگے اور اُس شکایت کو بالکل بالائے طاق رکھدیا جو اُن کو انتخاب میں نظرانداز کر دینے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ غالباً اُنھوں نے یہ دیکھا ہو گا کہ عام لوگوں کی نسبت اُن کی مخالفت کرنے کے ساتھ ہو جانے ہی کی پالیسی اچھی ہے دل سے نہیں تو ظاہرداری ہی سہی۔ اگرچہ ادھیں اچھی طرح یاد تھا کہ رسُول اللہ نے خلیفہ صرف انھیں کو کیا ہے (خلیفہ کے لقب سے کبھی کسی دوسرے کو معزز و ممتاز نہیں فرمایا۔ گلمن صفحہ ۲۶۴)

(۸) خون کے رشتہ کے لحاظ سے حق خلافت علیؑ کا تھا۔ اور اُس کے اوصاف حمیدہ اور خدمات کثیرہ نے نمایاں طور پر اُسے مستحقِ خلافت کر دیا تھا جس زمانہ میں اسلام کا آغاز ہی تھا اور حقیر سمجھا جاتا تھا اور مسلمانوں کو کفار آزار پہنچاتے تھے رسُول اللہ نے علیؑ کو اپنا بھائی اور وصی فرمایا تھا۔ اُس وقت سے وہ برابر قول و فعل گفتار و کردار میں جان نثاری کرتے رہے تھے۔ اور اپنی عالی حوصلگی سے ایسے نمایاں طور پر اسلام کا ساتھ دیا تھا جیسا کہ اپنی شجاعت سے ظاہر کیا تھا۔ (ایرونگ خلفائے رسول صفحہ ۱)۔

اب ہم مزید تشفی اہلسنت کے لئے آخر میں اصلی عبارات انگریزی مورخوں کی بھی درج کرتے ہیں کہ پھر کسی کو عذر نہ رہے۔ پہلے تین عبارتیں متعلق احراق خانۂ جناب سیدہؑ میں اور آٹھ عبارتیں متعلق ضمیمہ بغور ملاحظہ فرمائیں۔ والحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ و آلہ

1. The Hashemites alone declined the oath of fidelity; and their chief, in his own house, maintained above six months a sullen and independent reserve; without listening to the threats of Omar, who attempted to consume with fire the habitation of the daughter of the apostle. (Gibbon's Decline & Fall Vol. III P. 519)

Omar surrounded the house (of Fatema) with his followers; announced to Ali the election of Abu Bakr and demanded his concurrence. Ali attempted to remonstrance, alleging his own claim but Omar proclaimed the penalty of death decreed all who should attempt usurp the sovereign power in defiance of public will; and threatened to enforce it by setting fire to the house and consuming its inmates. "Oh son of Khattab!" cried Fatima reproachfully, "thou will not surely commit such an outrage!" "Ay will I in very truth" replied Omar, "unless ye all make comman cause with the people" (Irving's Successors of Mohamed Page 4).

2. Omar was just going to fire the house, when Fatema asked him what he meant. He told her that he would certainly burn the house down, unless they would be content to do as the rest of the people had done. (Ockley's History of the Saracens Page 83).

3. Upon this he ordered Ali to invite his kinsmen about forty in number, to an entertainment, and to set before them a lamb and a large vessel of milk. When they had done eating and drinking, he began to preach, but being interrupted by Abu Lahab, he invited them to a like feast the next day, and when it was over, he harangued them in the following words:- "I dont know any man in Arabia can make you a better present than I now bring you; I offer you the

good both of this world and of the other life: the great God has commanded me to call you to him. Who then will be my vizier, my brother, my deputy?" Whe all were silent, Ali said "I will: I will beat out the teeth, put out the eyes, rip up the bellies and break the legs of all that oppose you, I will be your vizier over them". Then the apostle of God, embracing Ali about the neck, said "This is my brother, my ambassador, my deputy, pay him obedience." (Ockley's History of Saracens, page 14-15, Gilman's Saracens Page 82, Gibbon's Rome vol III. Page 499)

4. Notwithstanding that Omar was the first to propose Abu Bakr to the assembly and to acknowledge him as caliph, he did not afterwards approve of that choice which necessity had suggested at that extreme juncture. This appears from what he said, namely that he prayed to God to avert the evil consequences which it was to be feared would follow upon such an indiscreet choice. That the man who should do such a thing would deserve death and if any one should ever swear fealty to another without the consent of the rest of the Musalmans, both he that took the government upon him and he that swore to him, ought to be put to death." These and similar expressions were evident signs of his dislike, but the thing being done & past, there was no remedy but to sit down and rest contended. Now though the government was actually settled upon Abu Bakr, all parties were not equally satisfied for a great many were of opinion that the right of succession belonged to Ali, the son of Abu Talib (Ockley Page 330). The greatest part of the Musalmans pretend that Ali was the first that embraced their religion. And according to the tradition he was a [illegible] Musalman indeed, for it seems he made profession of that religion in his mother's womb. For all the time she was big of him he

[illegible] کرتا ہے ایک شیعہ [illegible] تحقیق کی کہ قرآن مجید سے سنی مذہب کا حق ہونا [illegible] یا شیعہ مذہب کا قرآن مجید جس کے مذہب کو [illegible] کہ اسی مذہب کو ہم دونوں آدمی اختیار کریں [illegible] بحث شروع ہوئی اور کل اصول و فروع دین میں دونوں شخص اپنی قابلیت کے جوہر دکھا [illegible] کے [illegible] خدا کے مجسم ہونے۔ توحید۔ بداء۔ عدل۔ تحریف قرآن۔ قرآن مجید پر شیعوں کے ایمان ہونے یا نہ ہونے۔ قرآن مجید کے ساتھ سنیوں اور شیعوں کے برتاؤ۔ نبوت۔ امامت و خلافت مسح قدمین۔ نماز میں ہاتھ کھولنے بسم اللہ کہنے۔ روزے کے مسائل متعہ کی تحقیق۔ نماز جماعت نجاست مشرکین وغیرہ پر خوب خوب بحثیں ہوئیں مگر ہر مسئلہ میں شیعہ بی بی نے ثابت کر دیا کہ مذہب شیعہ ہی قرآن مجید کے مطابق اور مذہب اہلسنت قرآن مجید کے مخالف ہے۔ آخر سنی مولانا صاحب نے مذہب بدل کر اپنے شیعہ ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ ۵۱۶ صفحہ کی اس کتاب میں سنی و شیعہ کے کل اختلافات پر کامل تحقیق ہو جاتی ہے۔ تعصب کے [illegible] صراط مستقیم بالکل واضح کر دی گئی ہے۔ کاغذ۔ لکھائی چھپائی سب اعلیٰ درجہ کی قیمت [illegible]

تاریخ ائمہ آج تک اردو زبان میں ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں شیعوں کے کل بزرگان دین کے ضروری حالات اور قابل فخر کارنامے خود اہلسنت کی نہایت معتبر کتابوں سے ایک جگہ جمع کئے گئے ہوں۔ اب عظیم الشان کتاب تاریخ ائمہ میں مشہور انبیاء کرام کے ضروری حالات پھر حضرت رسول خدا صلعم کے حالات لکھ کر آپ کی ازواج و اصحاب کرام کے حالات لکھے گئے۔ اس کے بعد حضرات ائمہ طاہرین کے مفصل سوانح زندگی اور قابل ناز دینی و دنیوی کارنامے نہایت دلچسپ عنوان سے جمع کئے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ائمہ طاہرین کی ازواج و اولاد و اصحاب کے بھی نہایت معرفت خیز حالات لکھے گئے ہیں۔ علم دوست حضرات نے تسلیم کر لیا کہ اس کتاب میں [illegible] کو کوزے میں بند کیا گیا ہے۔ آج تک سے پیشوایان دین کے ایسے قابل قدر حالات دنیا کی کسی زبان (عربی فارسی اردو) میں نہیں لکھے گئے۔ جناب مولانا و مقتدانا آقا سید سبط نبی صاحب قبلہ مجتہد العصر علی اللہ مقامہ [illegible] سادات و شیعہ ذی علم [illegible] علیگڑھ نے اس کتاب کو اس درجہ پسند فرمایا کہ اس کے نسخے بذریعہ [illegible] طلب کئے اور اعانت علی گڑھ کالج و اسکول کے شیعہ طلباء کے نصاب تعلیم میں داخل کر لیا۔ کاغذ لکھائی چھپائی سب اعلیٰ درجہ کی ضخامت ۴۱۰ صفحہ قیمت صرف [illegible] مگر خریداران اصلاح [illegible] سے [illegible] جلد طلب کیجئے۔ یہ کتاب ایک نعمت بے بہا ہے۔ اگر جلد نہیں منگائے تو دوسرے ایڈیشن کا شدید انتظار کرنا ہوگا۔ کیا عجب اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا جائے۔

مجالس خاتون۔ مستورات میں چند سال قبل تک کوئی کتاب ایسی نہ تھی جو خاص عورتوں کی

جریدۂ مبارکہ

اصلاح

(تاریخ اجراء ۵ ار شعبان ۱۳۱۵ ہجری)

نمبر ۳	ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۵۹ھ	جلد ۴۴

مدیر

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم

مقام اشاعت

کھجوا (صوبہ بہار)

چندہ سالانہ ہندوستان میں ہر دو روپیہ ... مع محصول ڈاک

[illegible]

[illegible]

۸۰۱۱۰

جوہر قرآن و سوانح عمری خلیفہ دوم کی قیمت ثمن بر دست رعایتہ دلچسپ ناول جوہر قرآن کی طرح "تحفہ بخاری" نام کا ایک اور بہت دلچسپ و مفید اور محققانہ ناول بھی رسالہ اصلاح کے ساتھ انشاء اللہ جلد از جلد شروع کیا جائیگا جس میں دکھایا جائیگا کہ خود اہلسنت کی مشہور کتاب صحیح بخاری میں بھی جس کو قرآن مجید کے برابر سمجھا جاتا ہے مہملات و مضحکات کا کس قدر انبار لگا ہوا ہے اور عقل و قرآن مجید کے خلاف کتنی کثرت سے حدیثیں بھری ہوئی ہیں۔ اس کے ساتھ مذہب شیعہ کے موافق بھی کتنا زبردست ذخیرہ موجود ہے جس سے ہر انصاف پسند شخص آسانی سے تسلیم کریگا کہ اسلام میں مذہب شیعہ ہی حق ہے اسکے مقابلہ میں دوسرے فرقے اپنے کو حق نہیں ثابت کر سکتے اس جدید کتاب کی وجہ سے رسالہ کے صفحات میں اضافہ کرنا پڑیگا جس کے کاغذ کا جلد از جلد انتظام کرنے کے لئے ۳۰ رجب سنہ ۵۹ھ تک رسالہ اصلاح کے جدید خریداروں کو کتاب تاریخ ائمہ بجائے ۱۲ کے ۸ میں دلچسپ ناول جوہر قرآن ۵۱۶ صفحہ بجائے ۱۲ کے ۸ میں اور سوانح عمری خلیفہ دوم کا پہلا حصہ ۲۷۶ صفحہ بجائے عہ کے صرف عہ میں دیا جائیگا۔ جلدی طلب کر لیجئے ورنہ طبع ثانی کے انتظار کی سخت زحمت ہوگی۔

سوانح عمری حضرت خلیفہ دوم حصہ اول یہ کتاب بھی ۲۷۶ صفحہ پر دفتر اصلاح کھجوا سے شائع ہوگئی ہے شیعوں کا عظیم الشان علمی اور اسلامی کارنامہ ہے۔ جب سے مشہور علامہ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے خلیفہ دوم حضرت عمر کی مشہور سوانح عمری "الفاروق" شائع کی مذہب شیعہ پر اس سے بڑا حملہ ہو رہا تھا اور شیعوں کے خیالات پر اس کا نہایت مضر اثر پڑنے لگا تھا۔ خاصکر تعلیم یافتہ شیعہ بھی ان کو بڑا مدبر۔ سیاست دان۔ پر مغز۔ صائب الرائے۔ ہمدرد اسلام۔ بہی خواہ مسلمین۔ حیرت انگیز حکمران اور قابل فخر اسلامی ہیرو سمجھنے لگے تھے اسی وجہ سے انصاف پسند مسلمانوں میں بڑی بے چینی تھی کہ کسی طرح حضرت عمر کی ایسی سچی اور تحقیقی سوانح عمری بھی لکھی جاتی جس سے آپ کے اصلی حالات اور صحیح واقعات زندگی معتبر کتابوں سے واضح ہوجاتے۔ اور "الفاروق" کا زہریلا اثر مٹ جاتا۔ الحمد للہ کہ یہ دیرینہ آرزو بر آئی اور دفتر اصلاح سے حضرت ممدوح کی ایسی ہی سوانح عمری کا پہلا حصہ ۲۷۶ صفحہ میں شائع ہو گیا۔ جس میں ممدوح کے فضائل کی کل حدیثوں پر تبصرہ کر کے ان کا موضوع ہونا ثابت کر دیا گیا۔ اور پھر آپ کی پیدائش سے ہجرت مدینہ تک کے مفصل حالات جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس سوانح عمری نے مسلمانوں کو محو حیرت کر دیا ہے۔ قیمت صرف عہ جلد منگا لیجئے تاکہ دوسرے حصہ کے ساتھ پہلے حصہ کے ملاحظہ کا لطف بھی حاصل ہو

جوہر قرآن نہایت اعلےٰ درجہ کی کتاب ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح حیدرآباد دکن میں ایک تعلیم یافتہ نہایت تیز شیعہ لڑکی کی شادی ایک زبردست محقق و علامہ اہلسنت سے ہو گئی جسکے بعد سنی مولانا صاحب نے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اصلاح

نمبر ۳ | ماہ ربیع الاوّل ۱۳۵۹ھ | جلد ۴۴

یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ

بتاریخ ۱۴ اپریل ۱۹۴۰ء لکھنؤ میں ایک جلسہ مشاورت منعقد ہوا جسمیں مندرجہ ذیل کارروائی عمل میں آئی:۔ (۱) اس یادگار کے انعقاد کے لئے کثیر التعداد صورتیں جو ابتک تجویز کی گئیں ہیں ان پر غور کیا گیا اور طے پایا کہ حسب ذیل امور کو اس یادگار کے سلسلہ میں نصب العین قرار دیا جائے (الف) ایک کتاب کی اشاعۃ واقعہ کربلا کے متعلق جس میں مکمل طور پر اس واقعہ کے اسباب، نتائج، نوعیت اور تفصیلات پر بحث کی جائے اسکی تصنیف کے لئے ایک مجلس علمی کی تشکیل ہو جسکے افراد مختلف عناوین کو اپنے ذمہ لے کر انکی تکمیل میں مصروف ہوں (ب) ۱۳۶۱ھ میں یکم محرم سے ۸ ربیع الاول تک کی مدت کو تمام اطراف ملک میں ایک مرتب نظام کے ماتحت حسینی ہفتوں پر تقسیم کرکے مسلسل جلسے ہوں جن میں تمام اقوام کے اکابر کو شرکت اور اظہار خیال کی دعوت دیجائے اور کسی ایک مرکزی مقام پر ایک ایسا اہم اجتماع ہو کہ جس میں بیرون ہند سے بھی مختلف اکابر کی شرکت کا انتظام کیا جائے۔ (ج) حسینی آثار کے لئے ایک مرکز حفاظت (میوزیم) کی تشکیل جس کا خاکہ سرفراز کے اڈیٹوریل نوٹ میں اسکے پہلے شائع کیا گیا ہے (۲) طے پایا کہ حسب ذیل حضرات اس کتاب کے لئے عناوین کا انتخاب فرمادیں اور ۲۳ مئی ۱۹۴۰ء روز پنجشنبہ کے جلسہ میں ان عناوین پر مکمل طور سے غور کر لیا جائے پھر ارباب نظر کے غور کرنے کے لئے جرائد میں اسکی اشاعۃ ہو کہ جلد کتاب کی تصنیف کا کام شروع ہو سکے۔

اسماء ممبران:۔ (۱) عالی جناب مولانا السید محمد سعید صاحب قبلہ (۲) عالی جناب مولانا السید علی نقی صاحب قبلہ (۳) عالی جناب السید ابن حسن صاحب قبلہ جارچوی (۴) عالی جناب پروفیسر السید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم۔ اے (۵) عالی جناب مولانا السید اختر علی صاحب قبلہ تلہری (۳) اس یادگار کے قائم کرنے کے لئے سرمایہ کی حفاظت کے واسطے جناب سید مسعود حسن صاحب ایم۔ اے پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی (دیندیال روڈ لکھنؤ) بحیثیت خازن مقرر ہوئے اور مرکز مراسلت جناب سید العلماء مولانا السید علی نقی صاحب قبلہ مجتہد (عبدالعزیز روڈ لکھنؤ)

خادم ملت: سید ابن حسین نقوی عفی عنہ

۱۳۵۹ھ کے تاریخی نام منظور الاسلام۔ سجاد اصغر۔ نظر الحسنین شمس الضحیٰ علی۔ مظاہر الدین حسن۔ مختار حسن۔ حسن مختار۔ سید وراثت حسنین۔ سید اظہار حسنین۔ سید ظہیر مسلم۔ صغیر مہدی۔ سرفراز نقی خاں۔ محمد کاظم شاہ۔ شریف حسن خاں۔ سید راغب امام۔ محسن اختر۔ محمد تفاوت عسکری۔ سید خیر اندیش علی۔ محمد وراثت نقی۔ محمد اظہار نقی۔ مرزا رضا علی۔ سید ظفریاب محمد۔ سید محمد ظفریاب۔ افضال الرحمن حسن التفات الرحمن حسن۔ مفتی تنویر الاسلام۔ چودھری لیسین رضا۔ امیر عبد الرضا۔ نذیر الہی شاہ۔ سید محمد غنی عباس۔ خلت الرحمان۔ مرزا سلطان کاظم۔ مہدی صغیر۔ جمجاہ رضا شاہ۔ منظور علی احمد۔ آغا اقبال اکبر۔ آغا سیدین اکبر۔ ضمانت سجاد۔ نازش رضا۔ سید ادریس رضی۔ سید برجیس رضی۔ محمد وصیت علی خاں۔ سید وصیت حسین خاں۔

لڑکیوں کے نام سیدہ خدیجہ کبرا۔ سیدہ منظہر فاطمہ۔ سیدہ ضیا ء البتول۔ سیدہ خاتون کبرا۔ فیض البتول۔ بلند اختر بیگم۔ صغریٰ بانو۔ ظہیر الزہرا۔ صغیر بانو۔ رحمت و دود خانم۔

راقم سید محمد یحییٰ حسن نقوی نہیٹرا سادات بجنور (یوپی)

انجمن عقد بیوگان کی رپورٹ ۱۹۳۹ء حال میں شائع ہوئی ہے۔ اس کے سکریٹری جناب لالا سید حامد حسین صاحب عشروی قابل مدح ہیں کہ سالانہ رپورٹ سے انجمن کی زندگی کی خوش خبری مومنین کے کانوں تک پہونچا دیتے ہیں۔ مگر ضرورت زیادہ مستعدی کی ہے (۱) سکریٹری صاحب گورنمنٹ اسکول میں ملازم اور اچھے واعظ ہیں۔ کافی تعطیل ملا کرتی ہے۔ کیوں نہ انجمن کے خرچ سے تعطیل میں دورہ کر کے عقد بیوہ کی اہمیت بھی سب کو سمجھائیں اور ممبران میں بھی اضافہ کریں۔ اگر سال بھر بھی ہر اتوار اور دوسری تعطیل میں کہیں چلے جایا کریں تو کافی ترقی ہو جائے (۲) آج ملک کے جس قدر مشہور واعظ و ذاکر ہیں ان سے فرمائش کر کے ہر سال ایک ایک مجلس خاص عقد بیوگان کی ضرورت پر پڑھوایا کریں (۳) ہر اخبار سے کوشش کر کے سال میں کم از کم چار لیڈر اس ضرورت پر لکھوائیں (۴) ہر سال عراق و ہندوستان کے کسی عالم جید سے اس عنوان پر مبسوط مضمون حاصل کر کے شائع کریں کہ "خاندان بنی ہاشم سے کتنے مردوں نے بیوہ سے عقد کیا تھا اور اس خاندان کی کتنی بیوہ لڑکیوں کا عقد ثانی ہوا"۔ کیونکہ صرف حضرت خدیجہ کے عقد ثانی کا ذکر رٹتے رہنا اچھا نہیں معلوم ہوتا (۵) ہندو اخباروں اور دوسرے ذرائع سے پتا لگایا کریں کہ آریوں نے کتنی شریف بیواؤں کا دوسرا عقد کرایا۔ اور سالانہ رپورٹ میں اس کا مفصل ذکر کر کے مومنین کو غیرت دلایا کریں۔ سید آغا جعفر جھوئی

دلچسپ مکالمہ

انورسنی اور علی محمد شیعہ دونوں لکھنؤ کالج کے ممتاز طلبا رہتے۔ کبھی کبھی مذہبی گفتگو خوشگوار طور پر کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایام تعطیل میں انور اپنے دوست علی محمد کے گھر پر آئے اور مزاج پرسی کے بعد حسب ذیل دلچسپ گفتگو ہوئی۔

انور۔ بھائی علی محمد آپکی بدولت مذہبی امور میں میری واقفیت میں بہت کچھ اضافہ ہوتا رہا اور مذہبی کتابیں دیکھنے کا شوق روز بروز بڑھتا رہا جس سے حق و باطل میں بھی تمیز ہوئی۔ بلکہ شیعہ مذہب کے عقائد کے متعلق جو کچھ ہماری کتابوں میں افترا بازیاں درج ہیں۔ انکی ڈھول کے پول کے انکشاف سے بہت کچھ اطمینان ہو گیا لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ تم لوگ اگر خلفاء کو غاصب یا ظالم سمجھکر انکی مذمت کرتے ہو تو محض فطرتی جذبات ہیں۔ مگر ازواج نبیؐ امہات المومنین کے متعلق تمہاری جسارتیں ہرگز قابل عذر نہیں ہیں۔ کسی ادنیٰ شخص کی زوجہ کا نام بھی زبان پر لانا قبیح ہے۔ چہ جائیکہ کسی کی اہلیہ کو برا بھلا کہنا۔ دیکھو قرآن مجید میں کسی عورت شوہردار کا نام بھی نہیں لیا گیا فقط بی بی مریم مادر عیسےٰؑ کا نام صریح طور پر ولدیت حضرت عیسےٰؑ ظاہر کرنے کی غرض سے لیا گیا ہے۔ مگر آپ شیعہ حضرات کیسے بدتہذیب ہیں کہ اپنی نبیؐ کی عزت و حرمت کا بھی کچھ خیال نہیں کرتے۔ اتنا تو سمجھو کہ ازواج نبیؐ اگر فی الحقیقت بے دین یا ظالم تھیں جس سے بزعم ناقص شیعہ سارا گھر پیغمبرؐ کا ویران ہو گیا۔ اور اہلبیت رسولؐ بھی پریشان اور ہلاک ہو گئے بلکہ سبب مذہب اسلام میں بھی ان ہی ازواج نبیؐ کی بدولت رخنہ پڑ گیا اور بہتّر فرقہ ہو کر پوری بربادی ہو گئی۔ تو اس کا الزام خود حضرت رسولؐ اکرم پر وارد ہوتا ہے کہ آپ نے ایسی نالائق عورتوں سے کیوں عقد فرمایا اور کس وجہ سے ان کو اپنے گھر میں لاکر اپنے ہاتھ سے تمام خاندان بلکہ مذہب اسلام کی بربادی کے باعث ہوئے یہ بات میری سمجھ میں ہرگز نہیں آتی۔ ازواج نبیؐ کا معاملہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ باعتقاد مذہب شیعہ حضرت رسالت مآب علم غیب سے بھی واقف تھے بلکہ قبل از وقوع آپ نے بی بی عائشہ کو حواب کے کتوں کے بھونکنے کے متعلق اور نیز جنگ جمل کے واقعہ کی پیشین گوئی فرما چکے تھے۔ اور یہ بھی تم لوگ کہتے ہو کہ خلیفہ اول و ثانی کا خاندان معمولی بلکہ رذیل خاندان تھا۔ بس یہ ممکن نہیں کہ حضرتؐ ان دونوں خلفاء کے خوف سے یا کسی طمع سے انکی لڑکیوں سے عقد فرماتے۔ لہٰذا میرا خیال ہے کہ آپ لوگ محض خلفاء کی عداوت کی وجہ سے امہات المومنین کو بلا سمجھے بوجھے برا بھلا کہتے ہیں۔

اور اپنے نامۂ اعمال کو انکی غیبت اور متہم کرنے سے سیاہ کرتے ہو اور در پردہ حضرت ختمی مآب کو بھی کم سمجھ ثابت کرتے ہو۔ اگر اس بات کو تم عقلی دلائل سے ثابت کر کے میری تشفی کردو تو میں تمہارا احسانمند ہوں گا بلکہ مجھے یقین ہوگا کہ شیعہ مذہب حق ہے۔

علی محمد۔ ماشاء اللہ بہت عمدہ سوال ہے اور ہر پہلو سے تم نے اس کو مکمل بنایا ہے۔ اب جواب بھی غور سے سنئے اور تعصب کو دور فرماکر انصاف سے کام لیجئے۔ انشاء اللہ تم اچھی طرح ثابت ہوجائیگا کہ نہ ہم لوگ ازواج نبیؐ کی توہین کرتے ہیں اور نہ در پردہ حضرت رسولؐ اکرم کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی ثابت ہوجائیگا کہ حضرت رسالت مآبؐ اور آپکے اہلبیت طاہرینؑ کے سچے محب اور پیرو فقط شیعہ ہی ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہوگا کہ اگرچہ تم لوگ حضرت رسالت مآب اور ازواج نبی کے سچے محب ہونے کا دعوے کرتے ہو مگر فی الحقیقت تم ہی لوگ حضرت اور انکی ازواج کے دشمن اور توہین کرنے والے ہو۔

انور۔ واہ خوب کہی۔ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ ہم لوگ ازواج نبی کی توہین کرنے والے اور آپ رات دن انکی مذمت اور بُرا کہنے والے سچے محب ٹھہرے ع

برعکس نہند نام زنگی کافور

علی محمد۔ جلدی نہ کیجئے۔ غور سے سُنئے۔ ہمارا اعتقاد ازواج نبی کے متعلق جو کچھ ہے وہ آیات قرآنی کے مطابق ہے اور احکام ربانی کو حق سمجھکر ایمان لائے ہیں۔ چاہے کسی کی تعریف ہو یا مذمت۔ اسکے علاوہ جو کچھ آپکی کتابوں اور تواریخ اسلام میں ازواج نبیؐ کے بارے میں درج ہوچکا ہے اس پر نگاہ کر کے افسوس کرتے ہیں۔ مگر ہم لوگ اپنی طرف سے ایک لفظ بھی بے حیائی یا بے مروتی کا زبان پر نہیں لاتے اور نہ کبھی گالی بکتے ہیں۔ یہ کام آپ ہی لوگوں کا ہے۔ بھائی انور ذرا اپنی کتابوں کو اوٹھا کر دیکھئے کہ آپ کے علماء نے کس طرح ازواج نبیؐ کی توہین کی ہے۔ بلکہ ایسی فحش باتیں درج کی ہیں جن کے اعادہ سے مجھے شرم آتی ہے۔ ایسی بے حیائی کی باتیں ازواج نبیؐ بلکہ ایک معمولی عورت کے بارے میں بھی ہماری کتابوں میں نہ پائیں گے۔ آپ کے خلیفہ اول نے تو ازواج نبیؐ کی ٹانگوں کو کتوں کے حوالے کرنے کی جرأت کی ہے۔ بی بی عائشہ کی زبانی معاذ اللہ حضرت رسولؐ کی عیاشی۔ حالت نماز میں دل لگی۔ حالت صوم میں بوسہ بازی اور حالت حیض میں مباشرت

وغیرہ۔ خانگی امورات اور بے حیائی کی باتوں سے آپکی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ بھلا ان باتوں کو اپنی کتابوں میں لکھنے سے آپ کے علمار نے اسلام کی کون سی خدمت کی ہے اگر آپ چاہیں تو یہ سب باتیں آپکی کتابوں سے نکال کر دکھا سکتا ہوں۔

انور۔ نہیں کوئی ضرورت نہیں۔ شیعہ کی کتاب ہفوات المسلمین میں نے غور سے دیکھی اور ہماری کتابوں میں تمام حوالہ جات کے مطابق صحیح مندرج پائی ہے۔ مجھے اس کا افسوس ہے کہ ہم لوگ تو خلفار اور ازواج نبیؐ کے سچے دوست ہونے کا دعوے کریں اور پھر ایسی بے شرمی کی باتیں ہماری کتابوں میں پائی جائیں۔ ہمارا کیا حق ہے کہ دوسروں کو ایسی باتوں پر اعتراض کریں خیر اس کو جانے دیجئے۔ مگر حضرت رسولؐ اکرم پر اس کا الزام باقی رہتا ہے کہ آپ نے ان دونوں بی بیوں سے کیوں عقد فرمایا جس سے قیامت تک مسلمانوں کو دھوکا ہوتا ہے کہ خلفار آپ کے سسرے اور یہ دونوں بی بیاں امہات المومنین ہونے کی وجہ سے انکی تمام کارروائیاں قابل اعتراض نہ ہونی چاہئیں۔ اگر آپ بقول شیعہ ان مفسد عورتوں کو گھر میں نہ لاتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ نہ خلیفہ اول وثانی خلافت کا دعوے کرتے۔ نہ اہلبیتؑ کی مذمت ہوتی اور نہ دین اسلام کے بہتر فرقے ہوتے۔ آپ نے دور اندیشی سے کیوں نہیں کام لیا اور اپنی امت کو گمراہی سے کیوں نہیں بچایا حالانکہ آپ علم اولین وآخرین سے واقف تھے۔

علی محمد۔ ہاں یہ بات ٹھیک ہے کہ حضرت رسولؐ علم اولین وآخرین سے واقف تھے۔ اور ان عورتوں کی کارروائیوں سے بھی بے خبر نہ تھے۔ پھر آپ نے ان سے عقد فرمایا۔ اور خدا کے حکم سے عقد فرمایا۔ کیونکہ آپ کے تمام افعال واقوال وحی کے مطابق ہوتے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ بخوبی واقف تھے کہ خلیفہ اول وثانی دونوں طاعۃِ خدا سے منہ موڑ کر حضرت امیرالمومنینؑ کا حق غصب کر کے خلافت کے دعویدار ہو جائیں گے اور جس طرح فرعون نمرود، شداد نے خدائی کا دعوے کر کے خلقِ خدا کو گمراہ اور برباد کر دیا۔ اسی طرح یہ دونوں بادشاہ ہو کر دینِ خدا کو برباد کرینگے اور میرے اہلبیتؑ پر بھی ظلم کریں گے۔ حضرتؐ کا ان تمام امور سے قبل از وقت واقف ہونا غیر معمولی بات تھی۔ علمار یہود ونصاریٰ اور کاہنانِ عرب بھی اپنے علم سے بخوبی واقف تھے۔ بلکہ انھوں نے

خلیفہ اول و ثانی کو شام میں مژدہ سنا کر ان سے امان نامہ بھی طلب کیا تھا۔ تاریخ اسلام
سے اس کا بخوبی پتا چلے گا۔ ابلیس کا مہلت پانا۔ فرعون نمرود اور شداد کا بادشاہ ہونا خلق
خدا کے لئے جس طرح امتحان تھا اسی طرح اصحاب کا آل رسولؐ سے روگردانی اور خلفاء کا حضرت
امیرالمومنینؑ کا حق غصب کرنا مسلمانوں کے لئے سخت امتحان تھا۔ ورنہ خدا و رسولؐ کی
نافرمانی اور رسولؐ معصوم کی نیابت کا دعویدار ہونا کوئی معمولی بات نہیں ہے جو شخص خود
اقیلونی اقیلونی کی فریاد کرتا ہو اور ان لی شیطاناً کا معترف ہو اور جو برسر منبر کلکم افقہ
من عمر حتے المخدرات کا اعلان کرنے والا ہو وہ پیغمبرؐ کی نیابت کا دعوےٰ ہرگز نہیں
کرسکتا۔ دنیوی بادشاہ کے لئے بھی علم و عقل حلم اور انصاف وغیرہ سے مزین ہونا لازمی
ہے چہ جائیکہ دینی ریاست۔ خلاق عالم کا ارشاد قرآن مجید میں ہے یا داؤد انا جعلناک
خلیفۃ فی الارض دوسری جگہ ما کان لھم الخیرۃ۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اللہ اعلم حیث
یجعل رسالتہ۔ تمام انبیاء سابقین بہ حکم خدا اپنا جانشین۔ وصی۔ نائب یا خلیفہ اپنی امتوں
پر معین کریں لیکن حضرت ختم المرسلین اشرف الانبیاء اپنا خلیفہ یا وصی مقرر کرنے کے بغیر
رحلت فرمائیں اور اپنی امت کو سقیفہ میں جوتی بیزار کرنے اور ایک دوسرے کو کافر
کہنے کے لئے چھوڑ دیں۔ شاید الیوم اکملت لکم دینکم سے دین کی تکمیل اس طرح ہوئی کہ
دین اسلام کے بہتّر فرقے ہو گئے اور قیامت تک اس کا رخنہ باقی رہا۔

انور۔ بھائی سوال از آسمان جواب از ریسمان۔ کہاں کی لمبی چوڑی باتیں کرنے لگے۔ یہاں
خلافت کا سوال کون کرتا ہے۔ اس قدر طولانی باتوں سے کیا فائدہ۔

علی محمد۔ انور! آپ سمجھدار ہیں اصل جواب کے لئے تمہید ضروری ہے۔ بلکہ جو کچھ بھی
میں نے عرض کیا وہ آپ کے سوال کے جواب کا پہلا حصہ ہے۔ اب غور سے سنئیے۔ حضرت
رسالت مآبؐ آنے والے فتنہ سے بخوبی واقف تھے اور اس کے متعلق آپکی پیشین گوئیاں
کثرت سے ہیں۔ پس آپ نے اس کے روکنے کے واسطے بہت سی تجویزیں فرمائیں کہ امت
ضلالت کی گہری گھاٹیوں میں سرنگوں نہ ہونے پائے۔ قرآن مجید میں اسکے متعلق متعدد
آیتیں ہیں۔ میں صرف پانچ آیتیں پیش کرتا ہوں۔ آپ اپنی تفسیر دیکھکر خود اطمینان کرلیجئے
(۱) قل لا اسئلکم علیہ اجراً تا آخر (۲) قل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم تا آخر۔

۴۔ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک تا آخر ۴۔ ھل یستوی الذین یعلمون والذین یعلمون تا آخر۔ ۵۔ فہل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض و تقطعوا ارحامکم
اسی طرح احادیث سے بھی آل رسولؐ کی طاعۃ اور احترام کا حکم ثابت ہے۔ پانچ حدیثیں بیان کرتا ہوں جن سے معلوم ہوگا کہ حضرتؐ نے اپنی امت پر حجۃ تمام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں فرمایا
۱۔ انی تارک فیکم الثقلین تا آخر ۲۔ انا مدینۃ العلم وعلی بابھا ۳۔ یا علی لا یحبک الا مومن ولا یبغضک الا کافر۔ ۴۔ یا علی انت منی بمنزلۃ ھارون تا آخر۔ ۵۔ الا من مات علی حب آل محمد مات شہیدا۔ غرض حضرتؐ نے بموقع مباہلہ اور غدیر وغیرہ حضرت امیرالمومنینؑ کی خلافت کا بخوبی اظہار فرما دیا تھا اور امت کو نافرمانی اور ایذا رسانی پر عذاب عظیم کی تہدید بھی دے چکے تھے۔ پھر بھی آپ بخوبی جانتے تھے کہ طمع دنیا کی وجہ سے منافقین پوری مخالفت کرینگے اور میری عترت کی ایذا رسانی سے باز نہ آئیں گے۔ نہ عذاب قیامت کا خوف ہوگا۔ نہ میری حرمت کا پاس کرینگے۔ ہر چند آپ نے آیات قرآنی، احادیث اور اپنی کارروائیوں سے پوری حجۃ تمام کر دی تھی۔ پھر بھی آخری حجۃ تمام کرنے کی غرض سے آپ نے خیال فرمایا کہ اگر ان لوگوں کی نظروں میں احکام خدا کی کوئی وقعت نہ ہوگی تو کم از کم جامۂ انسانیت سے باہر نہ ہونگے اور محبت عترت اور صلہ رحم کا ضرور لحاظ کرینگے پس آپ نے ان لوگوں سے صلہ رحم کا رشتہ جاری فرمایا۔ اور جن لوگوں سے آپ کو فساد و فتنہ کا اندیشہ تھا انکی لڑکیوں سے آپ نے بحکم خدا عقد فرمایا۔ خلیفہ اول و ثانی بلکہ ابوسفیان جیسے دشمن کی لڑکیوں سے عقد کیا اور انسے قرابتدای قائم فرمائی۔ بھائی اور آپ خیال فرمائیے کہ اگر خلیفہ اول و ثانی کو دین اسلام اور بانئ اسلام کی حرمت کا خیال نہ رہے تو ان کو رشتہ داری اور صلہ رحم کا خیال تو ضروری تھا۔ اپنے داماد کی فقط ایک صاحبزادی اور وہ بھی باپ کے الم فراق میں رات دن مصروف گریہ رہنے والی شہزادی پر ترحم کی نظر ضروری تھی مگر افسوس قطع رحم کرکے ان کو اس قدر ستایا کہ ان مصائب کو یاد کرکے معصومہ اپنے مشہور شعر میں فرماتی تھیں صبت علی مصائب الخ اور تا وقت وفات ان دونوں خلفاء سے ترک تکلم فرما کر معصومہ سخت ناراض رہیں۔ غور کی بات ہے کہ معصومہ کو کسی مشرک یا کافر نے نہیں ستایا۔ پس وہ کون سے مصائب تھے اذ

اور کس کی طرف سے وارد ہوتے تھے۔ اسی طرح معاویہ اور اسکے بیٹے یزید لعین نے بھی قرابت داری اور صلہ رحم کا کچھ لحاظ نہ رکھا۔ معاویہ نے سبط اکبر کو زہر دلوایا۔ اور یزید نے سبط اصغر کو مع عزیزوں و اقارب شہید کیا۔ افسوس ہے اس امت کج رفتار پر کہ آل رسولؐ نے کون سا ایسا قصور کیا تھا جسکی وجہ سے انکی نظروں میں قابل حرمت نہ رہے بلکہ واجب القتل ٹھہرے۔ ان واقعات کو دیکھتے ہوئے کون سا ایسا مسلمان ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان اور حضرت رسالت مآبؐ کی محبت ہوگی جو ایسی ظالمانہ کارروائیوں کو سنکر ایسے سخت دل قاتل اور قاطع رحم کو پیغمبرؐ کا جانشین اور سردار سمجھے گا۔ پس یہ عقد ایسی ایک کمل اور بے نظیر حجت تھی جو تا قیامت تمام اہل دنیا کے لئے قائم ہوگئی اسکے بعد عذر کا کوئی موقع کسی کے لئے باقی نہ رہیگا۔ پس ہم لوگ خلفاء اور اونکی صاحب زادیوں سے جو اتنی نفرت رکھتے ہیں وہ محض دین اسلام اور آل رسولؐ کی خالص محبت کی وجہ سے۔

النور۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے اطمینان ہوگیا۔

احقر محمد جعفر شریف از ممباسہ

مومنین جلالپور ضلع فیض آباد کے مصائب

معظم و محترم جناب مولانا دام مجدکم۔ تسلیم۔ عزیزی مولوی شیخ محمد موسےٰ صاحب سلمہ واعظ صدر الافاضل کے خط سے معلوم ہوا کہ ۲۸ ، ۲۹ ، ۳۰ صفر ۱۳۵۹ھ کو سنیوں نے غدر کی مثال دوبارہ دنیا کے سامنے پیش کر دی تھی۔ شیعوں کے خون کو مباح کر دیا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ پولیس کا انتظام قابل اطمینان ہی نہیں بلکہ لائق صد آفرین رہا۔ فیض آباد سے سپرنٹنڈنٹ پولیس کپتان ، ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر آئے اور اعلےٰ انتظامات فرماکے واپس تشریف لے گئے۔ گارد متعین فرمایا ملزمین کو گرفتار کیا۔ اور متعدد کسی مفرور ہیں۔ ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر اور دیگر اعلےٰ حکام کے تمام شیعہ ممنون و مشکور ہیں اور دعا گو ہیں۔ دو مجروحین فیض آباد اسپتال میں اور باقی جلالپور کے اسپتال میں ہیں۔ سب کی حالت نازک ہے۔ مومنین دعا فرمائیں کہ خدا غریبوں پر رحم فرماتے ہوئے جلد شفا کرامت فرمائے۔ بوجہ غربت و ناداری مومنین مستحق امداد ہیں امید ہے کہ شیعیان ہند اس امر خاص کی جانب ضرور توجہ فرمائینگے اور زر امداد بنام مولوی محمد موسےٰ صاحب واعظ صدر الافاضل موضع مصطفےٰ آباد پوسٹ جلالپور ضلع فیض آباد روانہ فرماکے عند اللہ و عند الرسول مثاب ہونگے۔ ۲۸ صفر کو نہتے شیعوں کو چاروں طرف سے سنیوں نے گھیر کر اس طرح حملہ کر دیا کہ اونمیں کا بڈھا ، جوان ، بچہ سب بیہوش اور زخموں سے نڈھال ہو گئے۔ دوسرے دن پولیس اسپتال لیگئی ہ اب تک تابوت جناب رسالت مآبؐ اور امام حسن مجتبےٰ کا پتہ نہیں ہے کہ سنیوں نے کیا کیا۔ کیا میں امید کروں کہ سنیوں کی ان حرکات کے متعلق مسٹر جناح ، سر سلطان احمد اور راجہ صاحب محمود آباد توجہ فرمائیں گے۔ احقر محمد جعفر از بمبئی

ہوئی۔ یا یہ وجہ ہوکہ اس کے قبل آپ کو کسی جہاد میں کسی کافر کے قتل کا تجربہ نہ ہوا ہو۔ اور جب تک انسان معمولی سپاہی بن کر لڑ نہ لے اُس وقت تک کسی فوج کی سپہ سالاری کا خیال اُس کے لئے مناسب نہیں ہوتا۔ حضرت عمر کو اس موقع پر زیادہ سے زیادہ یہ کرنا تھا کہ معمولی سپاہیوں کے ساتھ جا کر لڑتے۔ جب دیکھتے کہ اس میں کچھ کامیابی ہو رہی ہے۔ اور پھر کچھ دنوں اسی طرح تجربہ ہوتا جاتا اُس وقت عَلَم اُٹھانے اور فوج کے سردار ہونے کی خواہش بھی زیب دیتی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۶)

لیکر روانہ ہوئے اور قلعہ قموص کے نیچے پہونچکر آپ نے اس عَلَم کو پتھر کے ایک تودے پر گاڑ دیا۔ یہ دیکھکر قلعہ کے اوپر سے ایک یہودی عالم اور مذہبی پیشوا نے پوچھا کہ اے عَلَم والے تو کون ہے اور تیرا نام کیا ہے؟ آپ نے کہا علیؑ ابن ابی طالب۔ یہ سُننا تھا کہ وہ یہودی اپنی قوم کو پکار کر کہنے لگا توریت کی قسم اب تم لوگ ضرور مغلوب ہو جاؤ گے۔ کیونکہ یہ شخص وہی ہے جو بغیر قلعہ فتح کئے واپس نہیں جائیگا۔ غالباً وہ یہودی حضرت علیؑ کی صفات اور شجاعت کی حالت سے واقف تھا۔ کیونکہ توریت میں حضرتؑ کے اوصاف پڑھ چکا تھا (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۳۰۰) اس کے بعد کی حالت لکھی ہے فضربہ رجل من الیہود فطرح ترسہ من یدہ فتناول علیؑ باباکان عند الحصن فتترس بہ عن نفسہ فلم یزل فی یدہ وھو یقاتل حتے فتح اللہ علیہ ثم القاہ من یدہ حین فرغ فلقد رأیتنی فی نفر سبعۃ انا ثامنھم نجھد علے ان نقلب ذلک الباب فما نقلبہ۔ جب جنگ زور سے ہو رہی تھی تو ایک یہودی نے حضرت علیؑ کے دست مبارک پر ایسی ضرب لگائی کہ ڈھال ہاتھ سے گر گئی۔ آپ نے فوراً ایک دروازہ باب خیبر کا کھینچ لیا اور اس کو بجائے سپر ہاتھ میں لیکر جہاد کرنے لگے۔ یہاں تک کہ خدا نے آپکو نمایاں فتح عطا کی۔ پھر جنگ سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے اس دروازہ قلعہ کو ہاتھ سے ڈال دیا۔ وہ اس قدر وزنی تھا کہ ہم آٹھ آدمی ل کر بھی اُس کو کسی طرح اِدھر سے اُدھر پلٹ نہیں سکے (طبری جلد ۳ صفحہ ۹۴ وکامل جلد ۲ صفحہ ۸۴ وغیرہ)۔ دوسری روایتوں میں ہے کہ ان علیا بعد ذلک حملہ علے ظھرہ وجعلہ قنطرۃ حتے دخل المسلمون الحصن اتتھی ثم لما وضعت الحرب اوزارھا القی علیؑ ذلک الباب الحلدید وراء ظھرہ ثمانین شبرا وفی ھذا الباب قال الشاعر رمے علی رضے باب المدینۃ خیبرہ ثمانین شبرا وافیا لم یثلم

غالباً انہیں وجوہ سے آنحضرتؐ نے آپ کو عَلَم نہیں دیا کیونکہ جن روایتوں میں آپ کا علم لے کر جانا مذکور
ہے ان میں سے اکثر روایتوں میں یہ نہیں ہے کہ اعطاھا النبیؐ (رسولؐ نے وہ علم انہیں دیا)
بلکہ یہ ہے اخذھا عمر (حضرت عمرؓ نے خود اس کو لے لیا) برخلاف اس کے حضرت علیؑ کے بارے
میں کسی نے یہ نہیں لکھا اخذھا علیؑ (حضرت علیؑ نے اس کو لے لیا) بلکہ ہر کتاب میں ہے کہ
آنحضرتؐ نے اُسے آپ کو عطا کیا۔ اُس وقت حضرت علیؑ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ آپ کو

(بقیہ حاشیہ ص۵۷)

حضرت علیؑ نے قلعۂ خیبر فتح کرنے کے بعد اس کے در کو اپنی پیٹھ پر اُٹھا لیا اور اس کو پل بنا دیا کہ
اس پر سے گزر کر مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے۔ پھر جب جنگ ختم ہو گئی تو حضرتؑ نے اس
لوہے کے دروازے کو اپنی پشت کی طرف پھینک دیا تو اسّی بالشت پر جا کر گرا۔ اسی کے بارے
میں شاعر نے کہا ہے کہ حضرت علیؑ نے خیبر کے در کو پھینکا تو وہ جا کر پورے اسّی بالشت پر
گرا اور ٹوٹا نہیں۔ اس کے بعد مرقوم ہے قلع علی باب خیبر و لمہ یحرکہ سبعون رجلا
الا بعد جھد۔ حضرت علیؑ نے قلعہ خیبر کے پھاٹک کو اکھاڑ لیا حالانکہ اس کو ستر آدمی ہلا تک نہیں سکے
مگر اُس وقت جب بہت مشقت اُٹھائی (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۵۶) اس کے بعد کے حالات میں امر
قابل ذکر ہے کہ چوں علیؑ مہم کفار قرار دادہ بدرگاہ متوجہ گشت آں حضرت بجہت تہنیتہ وےؓ باستقبال
واستبشار از خیمہ بیرون آمد وے را در کنار گرفت و میان دو چشم وے بوسہ داد فرمود بلغنی
ثناءک المشکور وصنیعک المذکور قد رضی اللہ عنہ و رضیت انا عنک۔ پس حضرت
امیرؑ گریہ کرد و فرمود آں حضرتؐ ایں گریہ شادی ست یا گریہ اندوہ۔ فرمود علیؑ بلکہ گریہ شادی است
و گفت چگونہ شاداں نباشم کہ تو از من راضی باشی۔ فرمود آنحضرتؐ نہ من تنہا از تو راضیم بلکہ خدا
و جبرئیل و میکائیلؑ و جملہ فرشتگان از تو راضی اند۔ جب حضرت علیؑ کافروں کی مہم سر کر کے آنحضرتؐ
کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت رسولِ خدا آپ کو آتا دیکھ کر اس قدر خوش ہوئے کہ آپ کا
استقبال کرنے اور مبارک باد کہنے کے لئے اپنے خیمہ سے باہر نکل پڑے۔ اور دوڑ کر حضرتؑ کو
سینے سے لپٹا لیا پھر آپکی پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا علیؑ! تمہارا قابل شکریہ کارنامہ اور نہ بھولنے والا
احسان مجھ تک پہنچا۔ تمہاری اس خدمت کو خدا نے بہت پسند کیا اور میں تم سے بہت راضی ہوں
اس پر حضرت امیرؑ رونے لگے تو آنحضرتؐ نے فرمایا یہ خوشی کا رونا ہے یا غم کا؟ حضرت علیؑ نے کہا

تو اس کا خیال بھی نہیں - آپ وہاں اس وقت تھے بھی نہیں بلکہ مدینہ میں ہی رہ گئے تھے صبح کو وہاں پہونچے (طبری جلد ۳ صفحہ ۹۴) - اس کو بھی حضرت رسولؐ کے معجزات میں شمار کرنا چاہئے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۸)

نہیں یا حضرتؐ - خوشی کا رونا ہے اور کیونکر میں خوش نہ ہوں کہ آپ مجھ سے راضی ہیں - آنحضرتؐ نے فرمایا تنہا میں ہی راضی نہیں ہوں بلکہ خدا - جبرئیلؑ - میکائیلؑ اور سب فرشتے بھی تم سے راضی ہیں (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۳۰۲) - اور علامہ اخطب خوارزم وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے تھے فتح خیبر پر حضور نے فرمایا اے علیؑ اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ تمہارے بارے میں میری امت کے لوگ بھی وہی کہنے لگیں گے جو حضرت عیسٰیؑ بن مریم کے بارے میں عیسائی کہتے ہیں تو البتہ میں تمہارے بارے میں وہ بات بیان کر دیتا جسکی وجہ سے تم مسلمانوں کے جس گروہ کے پاس سے گزرتے وہ تمہارے قدموں کے نیچے کی مٹی اٹھا لیتے اور شفاء حاصل کرنے کے لئے تمہاری طہارت کا بچا ہوا پانی لے جاتے لیکن اتنا بھی تمہارے لئے کافی ہے کہ تم مجھ سے اوسی درجہ پر ہو جس درجہ پر جناب ہارون جناب موسٰیؑ سے تھے مگر فرق اتنا ہی ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا - اے علیؑ تم ہی میرے قرضوں کو ادا کروگے - میری سنت پر جہاد کروگے - آخرت میں سب لوگوں سے زیادہ میرے نزدیک تم ہی ہوگے - اور قیامت میں حوض کوثر پر بھی تم ہی میرے خلیفہ ہوگے اور تم ہی سب سے پہلے میرے پاس حوض کوثر پر پہونچوگے - اور منافقوں کو تم ہی حوض کوثر سے ہٹاؤگے - اور میری امت کے لوگوں میں سب سے پہلے تم ہی داخل جنت ہوگے - اور تمہارے دوست اور تمہارے شیعہ نور کے منبروں پر ہوں گے - وہ سب اس روز میرے ہمسایہ ہونگے اور تمہارے دشمن سیاہ رو ہیں گے تا آخر حدیث - اور مسند احمد بن حنبل میں بھی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اگر میری امت تمہارے بارے میں بھی وہی نہ کہنے لگتی جو عیسائی حضرت عیسٰیؑ کے بارے میں کہتے ہیں تو میں وہ بات ظاہر کر دیتا کہ پھر تم مسلمانوں کے جس گروہ کے پاس سے گزرتے وہ تمہارے قدم کے نیچے کی خاک بطور تبرک اٹھایا کرتے (ینابیع المودۃ صفحہ ۱۳۰ مسند احمد بن حنبل جلد صفحہ) اور امام فخرالدین رازی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث رسولؐ دال ہے کہ جناب امیرؑ انبیاء کرام کے مساوی تھے اور یقینی ہے کہ انبیاء کرام تمام صحابہ سے افضل تھے - اس وجہ سے حضرت علیؑ بھی صحابہ سے ضرور افضل تھے (اربعین فی اصول الدین)

جس بزرگ کی آنکھیں آشوب کر آئی تھیں اور وہ وہاں اُس وقت موجود نہ تھے ان کے بارے میں حضرت نے پیشین گوئی فرمائی کہ خدا اس بہادر کے ہاتھوں اس قلعہ کو فتح کرا دے گا۔ اور جو کچھ حضرت نے فرمایا تھا بالکل اُسی طرح ہو کر رہا۔

غزوۂ خیبر کے واقعات کے بعد اسی فصل میں مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "خیبر کی زمین آنحضرتؐ نے مجاہدوں کو تقسیم کر دی۔ چنانچہ ایک ٹکڑا جس کا نام ثمغ تھا حضرت عمر کے حصہ میں آیا۔ حضرت عمر نے اس کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا۔ چنانچہ صحیح مسلم باب الوقف میں یہ قصہ بہ تفصیل مذکور ہے۔ اور اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا جو عمل میں آیا" (الفاروق صفحہ ۵۵) الفاروق کے بہت مدت بعد مولوی صاحب نے حضرت رسولِ خدا کی سوانح عمری بھی لکھی جس میں غزوات کے حالات کو بہت شرح و بسط سے تحریر کیا۔ مگر تعجب ہے کہ اس سوانح عمری نبوی میں اس قصہ کا ذکر بالکل نہیں کیا بلکہ لکھا ہے "فتح کے بعد زمین مفتوحہ پر قبضہ کر لیا گیا لیکن یہود نے درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضہ میں رہنے دی جائے۔ ہم پیداوار کا نصف ادا کیا کریں گے۔ یہ درخواست منظور ہوئی بٹائی کا وقت آتا تھا تو آنحضرتؐ عبداللہ بن رواحہ کو بھیجتے تھے۔۔۔ خیبر کی زمین تمام مجاہدین پر جو اس جنگ میں شریک تھے تقسیم کر دی گئی۔ اس میں آنحضرتؐ کا خمس بھی تھا" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۴۵۸)۔ اگر اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ مفتوحہ زمین مجاہدین پر تقسیم کر دی گئی تھی اور پھر سب کی طرف سے بٹائی پر بندوبست کر دی گئی اور ہر مجاہد اپنے حصہ کی زمین کا صرف غلہ پاتا تھا۔ مگر حضرت عمر نے اس کو وقف کر دیا تھا تو اسکی تشریح ہونی چاہئے کہ وقف فقراء کے لئے کیا تھا یا اپنی اولاد کے لئے۔ پھر یہ سوال ہے کہ کسی تاریخ یا سیرت کی کتاب میں اس وقف کا ذکر کیوں نہیں ہے؟ صرف الفاروق میں کیوں ہے؟ صحیح مسلم سے بھی اسکی تحقیق آسان نہیں ہوئی۔ اس کے باب الوقف میں ایک روایت ہے کہ اصاب عمر ارضا بخیبر فاتی النبیؐ یستامرہ فیھا فقال یا رسولؐ اللہ انی اصبت ارضا بخیبر لم اصب مالا قط ھو انفس عندی منہ فما تامرنی بہ قال ان شئت حبست اصلھا وتصدقت بھا فتصدق بھا عمر انہ لا یباع اصلھا ولا یبتاع ولا تورث ولا توھب . . . .

حضرت عمر کو مقام خیبر میں زمین کا ایک ٹکڑا مل گیا تو رسولؐ کے پاس آئے اور عرض کی یا حضرتؐ میں نے خیبر میں ایک زمین پائی ہے کہ ویسی قیمتی چیز آج تک نہیں پائی تھی آپ کی کیا رائے ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا اگر چاہو تو اسکی اصل کو وقف کر کے اسکی پیداوار کو

صدقہ دے دو۔ تو حضرت عمر نے اس کو صدقہ کر دیا کہ نہ بیچی جائے نہ میراث میں دی جائے نہ ہبہ کی جائے (صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۴۱)۔ اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے وہ ٹکڑا آپ کو دیا تھا نہ یہ معلوم ہوا کہ غزوۂ خیبر میں وہ زمین آپکو ملی نہ یہ معلوم ہوا کہ مجاہدین غزوۂ خیبر کو جو زمین ملی اس میں یہ زمین بھی حضرت عمر کو ملی۔ بلکہ کسی اور ذریعہ سے آپ کو وہ زمین مل گئی تھی۔ اگر حضرت رسولخدا صلعم نے بطور مجاہد آپ کو وہ زمین دی ہوتی تو حضرت عمر آنحضرتؐ سے یہ نہ کہتے کہ انی اصبت ارضا بخیبر۔ میں نے مقام خیبر میں ایک زمین پائی ہے بلکہ یہ کہتے کہ یا حضرتؐ جو زمین آپ نے مجھے دی ہے اس کو کیا کروں۔ یا کہتے یا حضرتؐ اس زمین کو جو آپ مجھے عنایت فرماتے ہیں کیا کروں۔ مگر عبارت بتاتی ہے کہ حضرت عمر کے دریافت کرتے وقت آنحضرت صلعم اس زمین اور حضرت عمر کی ملک سے بالکل بے خبر تھے اگر وہ آنحضرتؐ کی عطا کی ہوئی زمین ہوتی تو حضرتؐ اس سے بے خبر کیوں رہتے؟ علامہ یاقوت حموی نے لکھا ہے ثمغ موضع مال لعمر بن الخطاب حبسہ اے وقفہ۔ ثمغ ایک جائداد تھی حضرت عمر کی جس کو انھوں نے وقف کر دیا تھا (معجم البلدان جلد ۳ صہ ۲۴)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے وہ زمین آپ کو نہیں دی تھی اور نہ غزوۂ خیبر کے مجاہدین کو جو زمین ملی اس سے وہ حضرت عمر کو ملی۔ اور جناب مولوی وحید الزمان خاں صاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے ان حدث بہ حدث ان ثمغا وصرمۃ بن الاکوع وکذا وکذا جعلہ وقفا حضرت عمر نے کہا اگر ان پر کوئی حادثہ ہو (موت آجائے) تو ثمغ اور ابن اکوع کا صرمہ اور فلاں فلاں مال یہ سب وقف ہیں۔ ثمغ اور صرمہ ابن اکوع دونوں کھجور کے باغ اور حضرت عمر کی ملک تھے" (الوار اللغۃ پ ۱ صہ ۴۱)

اس سے بھی واضح ہوا کہ غزوۂ خیبر میں یہ زمین آپ کو نہیں ملی تھی نہ حضرت رسولؐ نے دی تھی۔ بلکہ یہ بھی ثابت ہوا کہ ممدوح نے اس کو اپنی زندگی میں وقف نہیں کیا بلکہ اپنے مرنے کے بعد اس کو وقف قرار دیا۔ صحیح مسلم کی روایت کا ایک ایک لفظ پڑھ جاؤ کسی سے بھی پتا نہیں چلتا کہ حضرت عمر کو یہ زمین غزوۂ خیبر میں اور حضرت رسولؐ کے دینے سے ملی۔ اس کی شرح علامہ نووی نے لکھی ہے۔ اس میں بھی اس کا ذکر کیا اشارہ تک نہیں ہے معلوم نہیں مولوی شبلی صاحب سے کس نے کہہ دیا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے زمین ثمغ حضرت عمرؓ کو عنایت فرمائی تھی جسکی وجہ سے مولوی صاحب ممدوح نے ایسی عمارت کھڑی کر دی جس کا پتا کسی

ذریعہ سے بھی نہیں ملتا ہے[1] مولوی صاحب نے اس کے بعد لکھا ہے "اسی سال آنحضرتؐ نے حضرت عمر کو ۳۰ آدمیوں کے ساتھ قبیلۂ ہوازن کے مقابلہ کو بھیجا۔ ان لوگوں نے حضرت عمر کی آمد سنی تو بھاگ نکلے اور کوئی معرکہ پیش نہیں آیا" (الفاروق صـ۵۵) مگر معلوم نہیں ممدوح نے اس کو تاریخ یا حدیث کی کس کتاب سے لکھا ہے۔ اس کے ماخذ کا حوالہ بالکل نہیں دیا اور سیرۃ النبیؐ صلعم میں تو اس کا ذکر بھی نہیں کیا۔ پھر اس کو کہاں تک صحیح سمجھا جائے۔

فدک والوں سے صلح فتح خیبر کے بعد حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کو فدک والوں کی طرف بھیجا کہ اسلام کی طرف ان کو بلائیں۔ فدک والوں نے اس شرط پر صلح کر لی کہ نصف زمین پر آنحضرتؐ کا قبضہ رہے آپ نے قبول کر لیا۔ اس کام میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں ملا۔ یہ فدک حضرت رسولخدا کی خاص جائداد قرار پائی۔ یہ الفاظ قابل غور ہیں فکانت خیبر فیئاً للمسلمین وکانت فدک خالصۃ لرسول اللّٰہ لانھم لم یجلبوا علیھا بخیل ولا رکاب۔ خیبر کل مسلمانوں کا مال غنیمت ہوا اور فدک صرف حضرت رسولؐ کی ملک قرار پایا کیونکہ مسلمانوں نے نہ اس پر لشکر کشی کی نہ جہاد کیا (طبری جلد ۳ صـ۹۵)۔ اور متعدد کتب حدیث و تاریخ میں ہے کہ اس صلح کے بعد جناب جبرئیلؑ نازل ہوئے۔ اور کہا خدا فرماتا

---

[1] مورخین نے لکھا ہے کہ جب حضرت رسولؐ خیبر سے واپس آتے ہوئے منزل صہبا میں پہنچے تو نماز عصر پڑھنے کے بعد حضرت علیؑ کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے۔ اسی حال میں آنحضرتؐ پر آثار وحی ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ حضرت علیؑ کو نماز عصر پڑھنے کا موقع نہیں ملا کیونکہ وحی کا زمانہ اتنا مختصر رہا کہ آفتاب ڈوب گیا۔ ختم وحی پر حضرتؐ نے جناب امیرؑ سے پوچھا تم نے نماز عصر پڑھی؟ عرض کی نہیں۔ تب حضرتؐ نے دعا کی اے خدا علیؑ تیری اور میری اطاعت میں تھا۔ آفتاب کو ان کے لئے پھر طالع کر دے تاکہ یہ نماز عصر پڑھ لیں۔ فوراً خدا نے آفتاب کو پھر طالع کر دیا اس کی شعاع تمام پھیل گئی اور لوگوں نے آنحضرتؐ کا یہ معجزہ آنکھ سے دیکھ لیا پھر جناب امیرؑ نے نماز عصر پڑھ لی (مدارج النبوۃ جلد ۲ صـ۱۱۳ وغیرہ)۔ علامہ دیار بکری نے اس کو تفصیل سے ذکر کر کے لکھا ہے ھذا احدیث ثابت الروایۃ عن ثقات یہ حدیث بڑے معتمد راویوں سے بیان کی گئی ہے اور اسکی روایت بالکل ثابت اور درست ہے (تاریخ خمیس جلد ۲ صـ۶۴ وغیرہ) ۱۲

ہے وآت ذاالقربیٰ حقہ - اسے رسولؐ اپنے خاص قرابت والوں کو ان کا حق دے دو آنحضرتؐ نے پوچھا قرابت والے لوگ کون ہیں اور ان کا حق کیا ہے؟ جبرئیلؑ نے کہا فدک کو فاطمہؑ کے حوالہ کردو کہ یہ انھیں کا حق ہے اور جو کچھ فدک میں خدا و رسولؐ کا حق ہے وہ بھی ان کے حوالہ کردو۔ تب حضرتؐ نے جناب سیدہؑ کو بلایا اور ان کے واسطے ایک وثیقہ لکھدیا (تفسیر در منثور جلد ۴ صفحہ ۱۷۷ وغیرہ)

غزوۂ وادی القرے مقام صہبا سے روانہ ہوکر آنحضرتؐ وادی القرے میں جمادی الاخریٰ سنہ ۷ھ میں پہنچے اور یہودیوں سے لڑائی ہوئی۔ بہت مال غنیمت ہاتھ آیا۔ یہود نے جزیہ دینا قبول کیا اور ان سے صلح ہوگئی۔ اس غزوہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں مل سکا (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۶۴)

سریہ مُوتہ آنحضرتؐ نے سلاطین اور روٴسا کو دعوت اسلام کے جو خطوط بھیجے تھے ان میں حاکم بصرے کے پاس بھی ایک خط بھیجا جس میں اس کو مذہب اسلام کی طرف دعوت دی۔ حاکم بصرے نے قاصد کو قتل کرا دیا۔ اس کا عوض لینے کے لئے آنحضرتؐ نے تین ہزار کی فوج زید بن حارثہ کے ماتحت جمادی الاخرے سنہ ۸ھ میں شام کی طرف بھیج دی اور فرمایا اگر یہ شہید ہوں تو جعفر طیار اور وہ بھی شہید ہوں تو عبداللہ بن رواحہ سردار لشکر ہوں۔ غرض یہ فوج گئی۔ حاکم بصرے نے لاکھ فوج سے مقابلہ کیا۔ زید و جعفر و عبداللہ تینوں شہید ہوئے اور باقی لشکر اسلام شکست کھا کر واپس آیا۔ اس سریہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں مل سکا (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۱۰)

سریہ ذات السلاسل جمادی الاخرے سنہ ۸ھ میں آنحضرتؐ نے عمرو عاص کو تین سو سپاہیوں کے ساتھ قبیلۂ قضاعہ وغیرہ کی سرکوبی کو روانہ کیا۔ وہاں عمرو عاص کو کامیابی نہیں ہوئی تو مدینہ سے کمک طلب کی جس پر ابوعبیدہ دو سو کی فوج کے ساتھ روانہ کئے گئے۔ اس سریہ میں البتہ حضرت عمر کی شرکت کا پتا بھی ملتا ہے۔ مورخین نے لکھا ہے ثم استمد رسول اللہؐ فامدہ بابی عبیدۃ بن الجراح علی المھاجرین والانصار فیھم ابوبکر و عمر فی مائتین فکان جمیعھم خمس مائۃ - پھر عمرو عاص نے آنحضرتؐ سے مدد چاہی تو حضرتؐ نے ابوعبیدہ بن الجراح کے ماتحت دو سو مہاجرین و انصار کی ایک فوج بھیج دی۔ اس فوج میں حضرت ابوبکر و عمر بھی تھے۔ اس طرح کل فوج پانچ سو کی ہوگئی (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۰۱)۔ اس سے

معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر و عمر کو آنحضرتؐ نے ابوعبیدہ بن الجراح کے ماتحت بھی کیا اور عمرو عاص کا تابع بھی۔ کیونکہ ابوعبیدہ جو حضرت ابوبکر و عمر کے سردار بنائے گئے تھے خود عمرو عاص کی ماتحتی میں رکھے گئے۔

فتح مکہ

ماہ رمضان ۸ھ میں آنحضرتؐ دس ہزار کی فوج کے ہمراہ مکہ کی طرف تشریف لے چلے کیونکہ قریش نے عہد نامہ توڑ دیا اور بنو خزاعہ پر ظلم کیا۔ انھوں نے آنحضرتؐ سے فریاد کی۔ مگر قریش کو اپنی غلطی پر ندامت ہوئی اور ابوسفیان کو مدینہ میں بھیجا کہ آنحضرتؐ سے اس عہد نامہ کی تجدید کرائیں۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "ابوسفیان نے مدینہ آکر آنحضرتؐ کی خدمت میں درخواست کی۔ بارگاہ رسالت سے کچھ جواب نہ ملا۔ ابوسفیان نے حضرت ابوبکر و عمر کو بیچ میں ڈالنا چاہا لیکن سب نے کانوں پر ہاتھ رکھا۔ ہر طرف سے مجبور ہو کر جناب فاطمہ زہراؑ کے پاس آیا۔ امام حسن علیہ السلام پانچ برس کے بچے تھے۔ ابوسفیان نے انکی طرف اشارہ کرکے کہا اگر یہ بچہ اتنا زبان سے کہہ دے کہ میں نے دونوں فریقوں میں بیچ بچاؤ کرا دیا تو آج سے عرب کا سردار پکارا جائیگا۔ جناب سیدہ نے فرمایا۔ بچوں کو ان معاملات میں کیا دخل [1] بالآخر ابوسفیان نے حضرت علیؑ کے ایما سے مسجد نبوی میں جاکر اعلان کر دیا کہ میں نے معاہدہ حدیبیہ

---

[1] مگر دوسری روایتوں میں ہے کہ فاقبل الحسن الی ابی سفیان و ضرب احدے یدیہ علی انفہ والاخری علی لحیتہ۔ ثم انطقہ اللہ بان قال یا ابا سفیان قل لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ حتی اکون شفیعا فقال علی الحمد للہ الذی جعل فی آل محمد من ذریۃ محمد المصطفیٰ نظیر یحییٰ بن زکریا وآتیناہ الحکم صبیا۔ ابوسفیان کے جواب میں حضرت امام حسنؑ اسکی طرف بڑھے اور ایک ہاتھ سے اس کی ناک اور دوسرے سے اسکی ڈاڑھی پر مار کر بحکم خدا گویا ہوئے اور فرمایا اے ابوسفیان کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ دو تو میں فوراً تمہاری شفاعت اپنے نانا سے کر دیتا ہوں۔ یہ دیکھکر حضرت علیؑ نے فرمایا اس خدائے بزرگ کا لاکھ لاکھ شکر جس نے آل محمدؐ میں بھی خاص ذریۂ محمد مصطفیٰ سے یحییٰ بن زکریا پیغمبر کا مثل و نظیر پیدا کیا اور بچپن ہی میں ان کو شریعت کی حکومت عطا فرمائی (یہ عبارت مناقب آل ابی طالب از علامہ ابن شہر آشوب جزو ۵ صـ ۴۶ میں مشہور سیرۃ ابن اسحاق سے نقل شدہ

کی تجدید کر دی (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۴۷) ۔ مگر حضرت رسولؐ نے تو اس کی تجدید کو بھی دھوکا ہی سمجھا ہوگا ۔ غرض یکم ماہ صیام کو آنحضرتؐ مکہ معظمہ میں اسلام کا اعلان کرنے تشریف لے چلے دس ہزار کی فوج ساتھ تھی ۔ آنحضرتؐ بلا مزاحمت مکہ میں داخل ہو گئے ۔ حضرت علیؑ سپہ سالار تھے اور فوج کا ایک حصہ زبیر بن العوام کے ماتحت رکھا گیا ۔ فوج کے ایک اور حصہ کو خالد بن ولید کے ماتحت مکہ کے نہ ریں حصہ کی طرف قرار دیا ۔ ایک اور طرف سے ابو عبیدہ بن جراح بھیجے گئے ۔ شہر میں داخل ہوتے وقت سعد بن عبادہ نے کہا کہ جنگ کی حالت میں کسی متبرک مقام کی پرواہ نہیں کی جاتی ۔ آنحضرتؐ نے یہ سنا تو سعد کا علم حضرت علیؑ کے حوالہ کر دیا ۔ مکہ معظمہ میں حضور نے داخل ہو کر مجسم رحم کا نمونہ پیش کر دیا ۔ سب دشمنوں کا قصور معاف کر کے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور اس کے اندر داخل ہوئے ۔ اس میں بکثرت بت رکھے ہوئے تھے ۔ اکثر کو آنحضرتؐ نے خود ہی توڑ ڈالا اور جو اونچے تھے ان کے توڑنے کے لئے حضرت علیؑ کو اپنے کاندھے پر چڑھایا اور آپ نے سب کو توڑ کر گرا دیا ۔ مورخین نے تصریح کی ہے کہ خانہ کعبہ کے اندر ایک اونچی جگہ پر کئی بڑے بڑے بت رکھے ہوئے تھے جہاں ہاتھ نہیں پہونچ سکتا تھا ۔ خاص کر سب سے بڑا بت ہبل تو نیچے سے ٹوٹ ہی نہیں سکتا تھا ۔ حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ سے عرض کی کہ حضور اپنا پاؤں میرے شانوں پر رکھ کر ان بتوں کو نیچے گرا دیں ۔ آنحضرتؐ چڑھے تو جناب امیرؑ کو ضعف محسوس ہوا ۔ آنحضرتؐ فوراً اُتر آئے اور فرمایا اے علیؑ تم کو نبوت کا بار اوٹھانے کی طاقت نہیں ہے ۔ اب تم اپنا پاؤں میرے کاندھے پر رکھکر بلند ہو ۔ حضرت علیؑ نے ایسا ہی کیا اور بتوں کو نیچے گرا دیا ۔ آنحضرتؐ نے پوچھا اے علیؑ تم اپنے کو اس وقت کیسا پاتے ہو ؟ عرض کی ایسا دیکھتا ہوں گویا تمام حجابوں کے پردے ہٹ گئے اور میرا سر ساق عرش تک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۴)

موجود ہے ۔ افسوس اصل کتاب سیرۃ ابن اسحاق جو تاریخ اسلام کا بہت قدیم ذخیرہ ہے اس زمانہ میں کہیں نہیں ملتی ۔ یورپ تک اسکی تحصیل سے عاجز رہا ۔ البتہ اس کا خلاصہ سیرۃ ابن ہشام چھپ گیا ہے جس میں یہ واقعہ بھی مختصر طور پر موجود ہے (دیکھو سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ ملک مصر بر حاشیہ زاد المعاد جلد ۲ صفحہ ۲۴۸) ۱۲

پہو پنچ گیا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ کیا اچھا نصیب تمہارا ہے کہ خدا کا کام کرتے ہو اور کیا اچھا نصیب میرا ہے کہ بار حق اوٹھائے ہوں۔ بتوں کو گرانے کے بعد جناب امیر علیہ السلام آنحضرتؐ کے کاندھے سے کود پڑے اور تبسم فرمانے لگے۔ آنحضرتؐ نے پوچھا علیؑ کس بات پر خوش ہو؟ عرض کی اس پر کہ اتنی بلندی سے کودا اور مجھے کوئی زحمت نہیں ہوئی۔ فرمایا زحمت کیسے ہوتی کہ محمدؐ نے تم کو اوٹھایا اور جبرئیل نے اُتارا۔ ایک شاعر نے ان اشعار میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

قیل لی قل فی علی مدحا ∴ ذکرہ یخمد نارا موصدہ
قلت لا اقدم فی مدح امرء ∴ ضل ذو اللب الی ان عبدہ
والنبی المصطفے قال لنا ∴ لیلۃ المعراج لما صعدہ
وضع اللہ بظھری یدہ ∴ فاحس القلب ان قد بردہ
وعلیؑ واضع اقدامہ ∴ فی محل وضع اللہ یدہ

لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں حضرت علیؑ کی مدح میں کچھ اشعار کہوں کیونکہ حضرتؑ کا ذکر (جہنم کی) بند آگ تک کو بجھا دیتا ہے۔ میں نے اُن لوگوں کے جواب میں کہا کہ میں ایسے بزرگ کی مدح کا ارادہ بھی نہیں کرسکتا جن کے فضائل کی کثرت سے بڑے صاحبانِ عقل تک اس قدر گمراہ ہوگئے کہ حضرتؑ ہی کی عبادت کرنے لگے (جیسے نصیری فرقہ وغیرہ) اور حضرت رسولؐ نے فرمایا ہے کہ جب معراج کی رات میں آسمان پر گیا تو خدا نے میری پشت پر اپنا ہاتھ رکھا جس کی ٹھنڈک میرے دل نے محسوس کی اور حضرت علیؑ نے فتح مکہ میں آنحضرتؐ کی پشت مبارک پر اپنے قدم اوسی جگہ رکھے جہاں خدا نے اپنا ہاتھ رکھا تھا (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۹۶)۔ اس غزوہ میں بھی حضرت علیؑ سپہ سالار تھے اور جناب زبیر۔ خالد۔ ابوعبیدہ وغیرہ کو بھی فوج کے بعض حصوں کی سرداری دی گئی مگر کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت عمر کسی فوج کے علم بردار مقرر کئے گئے ہوں۔ یا کوئی فوج آپکے ماتحت دی گئی ہو یا کوئی قابل ذکر کام آپ نے بھی کیا ہو (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۱۱ تا ۱۲۴ وغیرہ) اور مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "حضرت عباس مکہ کی طرف چلے۔ ادہر سے ابوسفیان آرہا تھا۔ حضرت عباس نے اس سے کہا آمیں تجھے رسول اللہؐ سے امن دلادوں ورنہ آج تیری خیر نہیں۔ ابوسفیان نے غنیمت سمجھا اور ساتھ ہولیا۔ راہ میں حضرت عمر کا سامنا

ہوا۔ ابوسفیان کو ساتھ دیکھکر حضرت عمر نے خیال کیا کہ حضرت عباس اسکی سفارش کے لیئے جا رہے ہیں۔ بڑی تیزی سے بڑھے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ مدتوں کے بعد اس دشمنِ اسلام پر قابو ملا ہے اجازت دیجئے کہ اس کی گردن ماردوں ... آنحضرتؐ نے حضرت عباس کی سفارش قبول کی اور ابوسفیان کو امن دیا" (الفاروق ص۵۷)۔ اگرچہ حضرت عمر کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی کافر جنگ یا کسی قسم کے حملہ سے خالی الذہن رہ کر کبھی جاتا یا کسی جگہ پہونچتا اور حضرت عمر اس کو دیکھ لیتے تو آپ اوسکی گردن اڑانے کو طیار ہو جایا کرتے۔ اس وجہ سے اس واقعہ کی صحت بھی مستبعد نہیں مگر تعجب یہ ہے کہ مولوی شبلی صاحب جو لکھتے ہیں اکثر امور کے ماخذ کا حوالہ دے دیتے ہیں۔ لیکن اس واقعہ کا حوالہ بالکل نہیں دیا۔ اسی طرح آپ نے اور بھی کچھ باتیں ایسی لکھ دی ہیں جن کے متعلق بالکل ظاہر نہیں کیا کہ کس کتاب سے لکھی ہیں۔ مثلاً یہ واقعہ لکھ گئے "جب عورتوں کی باری آئی تو چونکہ آنحضرتؐ بیگانہ عورت کو مس نہیں کرتے تھے حضرت عمر کو ارشاد فرمایا کہ تم ان سے بیعۃ لو۔ چنانچہ تمام عورتوں نے انھیں کے ہاتھ پر آنحضرتؐ سے بیعۃ کی" (الفاروق ص۵۷) اور کتاب کا حوالہ دیا ہی نہیں۔ اول تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب حضرتؐ اپنے لیئے پسند نہیں کرتے تھے کہ بیگانہ عورت کے ہاتھ کو مس کریں تو حضرت عمر کے لیئے کیوں اس بات کو پسند فرمایا؟ حضرت عمر بھی تو مرد ہی تھے اور ان سب عورتوں کے محرم بھی نہیں تھے۔ پھر جس بات کو آنحضرتؐ اپنے لیئے ناجائز سمجھتے تھے اوسے حضرت عمر کے لیئے کیوں جائز سمجھ لیا؟ اگر بجائے حضرت عمر کے کوئی عورت ہوتی تو کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ معتبر تاریخوں کے خلاف کہتی ہیں۔ مثلاً علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے واجتمع الناس لبیعۃ رسول اللہ علی الاسلام فکان یبایعھم فانہ لما فرغ من الرجال بایع النساء۔

فتح مکہ کے بعد حضرت رسولؐ کے پاس لوگ اسلام پر بیعۃ کرنے کے لیئے جمع ہوئے اور حضرتؐ نے ان لوگوں کی بیعۃ لینا شروع کی۔ پھر جب مردوں کی بیعۃ سے فراغت ہوگئی تو حضرتؐ ہی نے عورتوں کی بیعۃ بھی لی (تاریخ کامل جلد ۲ ص۹۶)۔ تمام تاریخوں کا مولوی شبلی صاحب کی مذکورہ بالا عبارت کے خلاف کہنا تو زیادہ تعجب خیز نہیں۔ البتہ یہ تماشہ قابل حیرت و عبرت ہے کہ خود مولوی شبلی صاحب نے جب حضرت رسول خدا صلعم کی سوانح عمری لکھی تو جو کچھ حضرت عمر کی سوانح عمری میں تحریر فرمایا تھا اس کے بالکل خلاف

اور عام تاریخوں کے بیان کے مطابق لکھا ۔ ان کے الفاظ دیکھو ۔ فتح کے بعد کے حالات لکھتے ہوئے آنحضرتؐ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں "مقام صفا میں آپ ایک بلند مقام پر بیٹھے جو لوگ اسلام قبول کرنے آتے تھے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے ۔ مردوں کی باری ہو چکی تو مستورات آئیں ۔ عورتوں سے بیعت لینے کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ان سے ارکان اسلام اور محاسن اخلاق کا اقرار لیا جاتا تھا ۔ پھر پانی کے ایک لبریز پیالہ میں آنحضرتؐ دست مبارک ڈبو کر نکال لیتے تھے ۔ آپ کے بعد عورتیں اسی پیالہ میں ہاتھ ڈالتی تھیں اور بیعت کا معاملہ پختہ ہو جاتا تھا" (سیرۃ النبیؐ جلد ا صفحہ ۳۸۱) ۔ کیا آسمان اور زمین کے فرق کی مثال اس سے بھی بہتر کوئی مل سکتی ہے کہ الفاروق میں آپ نے عورتوں کی بیعت کے لئے حضرت عمر کو کھڑا کر دیا جس کا نہ کوئی پتا ہے اور نہ نشان ۔ اور سیرۃ النبیؐ میں اصلی بات لکھ دی کہ عورتوں کی بیعت حضرت عمر نہیں بلکہ خود حضرت رسولخدا صلعم اس صورت سے لیتے تھے کہ ان کا ہاتھ مس بھی نہیں ہوتا تھا اور بیعت ہو جاتی تھی ۔ اس کے سوائے فتح مکہ میں حضرت عمر کی کوئی خدمت مولوی شبلی صاحب نے بھی نہیں لکھی ۔ پھر صحیح تاریخوں میں کیا مل سکتی ہے ۔

دعوت بنو خزیمہ فتح مکہ کے بعد آنحضرتؐ نے خالد کے ساتھ کچھ لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے لئے روانہ فرمایا ۔ بنو خزیمہ نے اسلام کا اظہار کیا ۔ مگر خالد نے بہت لوگوں کو گرفتار اور کتنوں کو قتل کر دیا اور نہایت درجہ ظلم و سفاکی کا برتاؤ کیا ۔ یہ سن کر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تم جاؤ اور ان لوگوں کے واقعہ کی تحقیق کرو ۔ اور جاہلیت کی باتوں کو اپنے پاؤں سے روند ڈالو ۔ حضرت علیؑ روانہ ہوئے یہاں تک انکے پاس پہونچے ۔ ہر مقتول کا خونبہا ادا کر دیا اور جو مال لوٹا گیا تھا اس کا تاوان اور معاوضہ بھی دے دیا ۔ یہاں تک کہ اس برتن کی قیمت بھی دے دی جسمیں کتا پانی پیتا ہے ۔ غرض جب کسی کا کوئی مطالبہ باقی نہیں رہا تو بہت سا مال اپنی طرف سے بھی سب کو دیکر فرمایا یہ بقیہ مال بھی تم لوگوں کو دے دیتا ہوں کہ آنحضرتؐ کی طرف سے احتیاطاً ادا کاری بھی ہو جائے یعنی جس مطالبہ کی خبر نہ آنحضرتؐ کو ہے اور نہ تم لوگ جانتے ہو مگر شائد وہ کسی طرح رہ گیا ہو وہ بھی ادا ہو جائے ۔ غرض یہ سب عادلانہ بلکہ رحیمانہ انتظام کرنے کے بعد حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے پاس تشریف لائے اور پورا واقعہ بیان کر دیا تو حضورؐ نے فرمایا علیؑ! تم نے بالکل ٹھیک اور بہت خوب کیا (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۲۴) ۔ اس واقعہ میں بھی حضرت

عمر کی کسی خدمت کا کچھ پتا نہیں مل سکا کہ آنحضرتؐ نے آپ کو کسی کام کے لئے بھیجا ہو یا آپ نے خود جانے کی خواہش کی ہو۔

غزوۂ حنین | ماہ شوال ۸ھ ہجری میں مشہور غزوۂ حنین ہوا۔ فتح مکہ کے بعد قبیلہ ہوازن ثقیف۔ اہل طائف اور بنو سعد بن بکر مجتمع ہو کر آنحضرت صلعم سے لڑنے کو آمادہ ہوئے اسکی خبر آنحضرتؐ کو ہوئی تو ۱۲ ہزار کی فوج کے ساتھ اُن کے مقابلہ کو نکلے۔ راہ میں ایک درخت ذات انواط کے پاس سے گزرے جس کو دیکھکر صحابہ نے فرمائش کی یا حضرتؐ ہمارے لئے بھی ایسا ہی ایک ذات انواط بنا دیجئے۔ تو حضرتؐ نے فرمایا سبحان اللّٰہ هذا کما قال قوم موسٰے اجعل لنا الٰها کما لهم الهة والذی نفسی بیده لترکبن سنن من کان قبلکم۔ سبحان اللّٰہ یہ تو ویسی ہی بات ہوئی جیسی حضرت موسٰےؑ سے اونکی قوم نے فرمائش کی تھی کہ اے موسٰےؑ جیسے کافروں کے معبود ہیں ویسا ہی ایک معبود ہمارے لیئے بھی ... خدا کی قسم (میں خوب جانتا ہوں کہ) تم لوگ ان (کفار۔ یہود وغیرہ) کا طریقہ اختیار کرو گے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۶۵)۔ غرض حضرتؐ وہاں سے روانہ ہو کر وادی حنین میں داخل ہوئے اور جنگ بڑے زور سے شروع ہو گئی۔ کفار کا ایسا غلبہ ہوا کہ مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ ایسا بدحواس بھاگے کہ کوئی شخص کسی کی طرف مڑتا بھی نہ تھا۔ اکثر محدثین و مورخین نے لکھا ہے کہ فتح مکہ اور اپنی کثرت کی وجہ سے بعض صحابہ میں غرور و تکبر بھی پیدا ہو گیا تھا کہ اب ہم ہی ہم ہیں۔ مثلاً حضرت ابوبکرؓ نے مسلمانوں کی عظیم الشان فوج دیکھ کر کہا لن نغلب الیوم آج تو ہم لوگوں کو کسی طرح شکست نہیں ہو سکتی (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۱۱ وغیرہ)۔ ان باتوں کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں کے آگے بڑھتے ہی دشمن نکل پڑے اور مسلمانوں کو تیروں، پتھروں اور نیزوں سے بدحواس کر دیا جس سے انھوں نے راہ فرار اختیار کرلی۔ بہت سے مسلمان مارے گئے۔ بہ کثرت زخمی ہوئے۔ آنحضرتؐ نے ان کو بہت پکارا اور دوسروں سے آواز دلوائی کہ اے بیعۃ الرضوان والو اتم اپنے رسول کو تنہا چھوڑ کر کہاں جاتے ہو؟ مگر ان لوگوں نے ایک بھی نہ سُنی۔ اکثر مورخین و محدثین کی تحقیق ہے کہ بروز حنین حضرت رسولؐ کے ساتھ جو صحابہ ثابت قدم رہے وہ جناب عباسؓ حضرت علیؑ۔ فرزند حارث۔ عقیل ابن ابی طالب۔ عبداللّٰہ بن زبیر۔ زبیر بن العوام۔

اور اسامہ بن زید تھے (کنز العمال جلد ۵ ص۳۰۷)۔ بعض مورخین نے ان سے بھی کم لوگوں کی تعداد لکھی ہے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ صرف چار شخص باقی رہ گئے تین بنی ہاشم سے حضرت علیؑ و عباس و فرزند حارث اور ایک شخص غیر بنی ہاشم سے عبداللہ بن مسعود (سیرۃ حلبیہ جلد ۳ ص۱۰۸)۔ اور حضرت عمر کی حالت یہ لکھی ہے۔ ایک صحابی ابو قتادہ بیان کرتے تھے انهزم المسلمون و انهزمت معهم فاذا بعمر بن الخطاب فی الناس - فقلت له ما شان الناس - قال امر الله - ثم تراجع الناس الی رسول اللہؐ۔ غزوۂ حنین میں صحابہ بھاگ گئے تو میں بھی ان کے ساتھ بھاگا۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ بھاگنے والوں میں حضرت عمر بھی ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا لوگوں کا کیا حال ہے کہ بھاگ کھڑے ہوئے؟ حضرت عمر نے فرمایا کیا کیا جائے۔ خدا کا حکم یہی تھا۔ پھر سب بھاگنے والے رسولؐ کے پاس واپس گئے (صحیح بخاری پ ۱۷ ص۵ کتاب المغازی)۔ مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے لکھا ہے "مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے صرف آنحضرتؐ اور چند صحابہ میدان میں جمے رہے" (تفسیر وحیدی ص۲۴۸)۔ مگر حضرت علیؑ اور جناب رسولؐ جنگ میں اسی طرح ثابت قدم رہے۔ یہاں تک کہ بھاگے ہوئے مسلمان پھر واپس آئے اور کافروں سے سخت جنگ ہوئی۔ اب مسلمان کامیاب ہو گئے۔ اس لڑائی میں ۷۰ کافر اور ۴ مسلمان مارے گئے۔ ان میں حضرت عمر کا مقتول کوئی نہیں تھا۔ البتہ بکثرت لوگوں کو حضرت علیؑ نے قتل کیا تھا (سیرۃ ابن ہشام جلد ۳ ص۲۶۱)

جنگ اوطاس فتح حنین کے بعد آنحضرتؐ نے حنین ہی میں قیام کر کے ابو عامر اشعری کے ماتحت ایک بڑی فوج اوطاس کی طرف بھیجی جو حنین اور طائف کے درمیان ہے۔ ابو عامر شہید ہوئے۔ اور ان کے بھتیجے ابو موسےٰ اشعری نے فوج سنبھالی اور مسلمان کامیاب ہو گئے (تاریخ طبری جلد ۳ ص۱۳۱)۔ اس جنگ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہ مل سکا۔

غزوۂ طائف حنین کی بقیہ فوج طائف میں جا کر پناہ گزیں ہوئی اور جنگ کی طیاری شروع کی تو آنحضرتؐ نے ادہر کا عزم کیا۔ اور وہاں پہونچکر طائف والوں کا محاصرہ کر لیا۔ آخر محاصرہ اوٹھا کر حضرتؐ واپس تشریف لے گئے۔ اس میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں چلا (طبری جلد ۳ ص۱۳۲)۔ محاصرۂ طائف کے زمانہ میں حضرت علیؑ کے ساتھ کچھ اصحاب آنحضرتؐ سے

اجازت لے کر اس طرف کے دشمنوں سے لڑنے گئے۔ وادی ثقیف و ہوازن کے بتوں کو جو اس نواح میں تھے توڑ ڈالا۔ اور ایک نامی پہلوان حضرت علیؑ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ حضرت علیؑ اس کامیابی کے بعد آنحضرتؐ کے پاس واپس آئے تو حضورؐ نے جناب امیرؑ کو دیکھکر تکبیر کہی اور تنہائی میں کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے اور کسی دوسرے شخص کو وہاں جانے کی اجازت نہیں دی۔ اس رازداری کی گفتگو میں جب بہت تاخیر ہوئی تو صحابہ کہنے لگے کہ ایسے دور دراز کے راز آنحضرتؐ اپنے چچا زاد بھائی سے کہتے ہیں جو دوسروں سے نہیں کہتے۔ حضرتؐ نے فرمایا میں خود راز کی باتیں نہیں کرتا بلکہ خدا حکم دیتا ہے تب کرتا ہوں۔ جناب ملا معین کاشفی نے لکھا ہے در ہنگام خلوت و مشاورت نبیؐ با علیؑ امیر المومنین عمرؓ با حضرت رسولؐ گفتہ کہ یا رسولؐ اللہ با علیؑ رازمی گوئی و با وے خلوت می کنی۔ آں سرور فرمود ما انتجیتہ ولکن اللہ انتجاہ یعنی من با او راز نمی گویم بلکہ خدائے تعالٰی با او رازمی گوید جب آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے تخلیہ میں راز کہنا شروع کیا تو حضرت عمر نے پیغمبر صاحب پر اعتراض کیا کہ آپ خلوت میں علیؑ سے راز کی باتیں کرتے ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا میں خود علیؑ سے راز کی باتیں نہیں کرتا بلکہ خدا کرتا ہے (معارج النبوۃ رکن ۴ صفحہ ۳۷۷)۔ بعض کتابوں میں ہے کہ حضرتؐ کی رازداری پر حضرت عمر نے اعتراض کیا اور بعض میں حضرت ابوبکر کا نام بھی ہے (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۹۹ و شرح مشکوۃ صفحہ ۵۶۲ جلد ۲ وغیرہ)۔ دعا ہ یوم الطائف فانتجاہ فقال الناس لقد طال نجواہ مع ابن عمہ فقال ما انتجیتہ ولکن اللہ انتجاہ۔ آنحضرتؐ نے طائف کی جنگ میں حضرت علیؑ کو بلوایا اور کان میں ان سے باتیں کرتے رہے۔ اس پر بعضے لوگ کہنے لگے اپنے چچا زاد بھائی کے ساتھ بڑی دیر تک کانا پھوسی کی۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا میں نے ان سے سرگوشی نہیں کی۔ بلکہ اللہ تعالٰی نے کی۔ یعنی اللہ نے مجھ کو حکم دیا کہ ان سے سرگوشی کروں۔ میں نے اللہ تعالٰی کے حکم کی تعمیل کی" (انوار اللغۃ پ ۲۵ صفحہ ۴۲)۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے لکھا ہے کہ اس سفر طائف میں حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو خلافت کے امیدوار سے کیا جاتا ہے۔ جسکی تفصیل یہ ہے کہ قریش کے کچھ لوگ حضرتؐ کی خدمت میں آئے اور کہا یا حضرتؐ ہم آپ کے ہمسایہ اور حلیف ہیں اور ہمارے غلام جو آپ کی خدمت میں آکر مسلمان ہوئے ہیں حقیقت میں

ان کو نہ اسلام سے مطلب ہے نہ شریعت سے۔ صرف ہمارے اموال و جائداد سے بھاگ کر آئے ہیں حضور انہیں ہم کو واپس کر دیں۔ اس پر حضورؐ نے حضرت ابوبکر کی رائے دریافت کی تو ممدوح نے کفار کی تصدیق کی جس سے حضرت رسولؐ کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ پھر حضرت عمر سے دریافت فرمایا انھوں نے بھی حضرت ابوبکر کی تائید کی جس سے آنحضرتؐ کا چہرہ دوبارہ متغیر ہوگیا اور حضرتؐ نے زبان سے فرمایا کہ اے گروہِ قریش خدا کی قسم اللہ تم پر ایسے شخص کو مسلط کرے گا جس کے قلب کا اس نے ایمان کے متعلق امتحان کیا ہے۔ اور وہ تم لوگوں سے دین کی حمایت میں لڑے گا۔ اس پر حضرت ابوبکر بولے یا رسولؐ اللہ کیا وہ شخص میں ہوں؟ حضورؐ نے فرمایا نہیں۔ تب حضرت عمر بڑھے اور پوچھا یا رسولؐ اللہ کیا میں ہوں؟ حضرتؐ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ صفت اوس شخص کی ہے جو جوتی میں پیوند لگا رہا ہے۔ اور اُس وقت آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اپنی جوتی سینے کے لئے دی تھی (ازالۃ الخفا، مقصد ۲ صفحہ ۶۱ و خصائص نسائی صفحہ ۳۱)

جب آنحضرتؐ طائف کا محاصرہ چھوڑ کر جعرانہ میں تشریف لائے تو حنین کا مال غنیمت تقسیم کرنا چاہا جو بے شمار ذخیرہ تھا۔ مکہ کے اکثر رؤسا کو جنہوں نے حال میں اسلام قبول کیا تھا۔ آنحضرتؐ نے نہایت فیاضی سے حصہ دیا مگر اس پر انصار کو رنج ہوا۔ بعضوں نے کہا رسولؐ نے قریش کو انعام دیا اور ہمیں محروم رکھا۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے ابتک قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں (صحیح بخاری غزوۂ طائف)۔ بعض بولے کہ مشکلات میں ہماری یاد ہوتی ہے اور غنیمت دوسروں کو ملتی ہے (صحیح بخاری صفحہ ۶۲۱) مگر آنحضرتؐ نے ان کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ اسلام میں اب آئے ہیں۔ میں نے تالیف قلب کے لئے ان کو کچھ دیا ہے۔ ایک شاعر عباس بن مرداس کو حصہ میں سنو سے کم اونٹ ملے وہ اس پر خفا ہوگیا۔ اور آنحضرتؐ کی مذمت میں اشعار لکھ ڈالے۔ آنحضرتؐ کو معلوم ہوا تو فرمایا اسے یہاں سے لے جاؤ اور اسکی زبان قطع کر دو۔ یورپین مورخ ایرونگ نے لکھا ہے "عمر جو ہمیشہ سختی کے کاموں کے واسطے طیار رہتے تھے وہیں اکی زبان واقعاً کاٹنے کو طیار ہو گئے لیکن جو آنحضرتؐ کا اصلی مقصود سمجھتے تھے یعنی حضرت علیؑ اس شاعر کو اُس جگہ لے گئے جہاں اونٹ رکھے گئے تھے اور فرمایا ان میں سے جتنے اونٹ چاہو لے لو" شاعر بولا کیا حضرتؐ نے اسی طرح میری زبان کاٹنے کا حکم دیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو میں اپنے حصہ پر راضی ہوں"

(روضتہ الاحباب جلد ۱ صفحہ ۶۱۹)۔ جن صحابہ نے آنحضرتؐ کی تقسیم پر اعتراض کیا تھا اُن میں ایک شخص ذوالخویصرہ بھی تھا جس نے کہا اے محمدؐ آپ نے انصاف سے تقسیم نہیں کیا۔ آنحضرتؐ کو غصہ آگیا فرمایا اگر میں ہی انصاف نہیں کروں گا تو کون کرسکتا ہے؟ اس پر حضرت عمرؓ بولے یا حضرتؐ حکم دیجئے میں اسکی گردن اُڑا دوں۔ فرمایا نہیں!!! اس سے ایک گروہ پیدا ہوگا جو دین میں بال کی کھال نکالے گا یہاں تک کہ اس دین سے اس طرح خارج ہو جائیگا جس طرح کمان سے تیر نکل جاتا ہے (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۲۷)۔ ابوسفیان و معویہ کو بھی مورخین نے انھیں مولفتہ القلوب حضرات میں شمار کیا ہے۔ مثلاً علامہ مسعودی نے لکھا ہے وفیھا کان اعطائہ للمولفتہ قلوبھم وفیھم ابوسفیان بن حرب وابنہ معویہ۔ اسی ۸ھ میں رسولؐ نے ان نئے مسلمانوں کو بھی مال وغیرہ کے حصے عطا کئے جو بتالیف قلوب مسلمان ہوئے تھے اور انھیں میں ابوسفیان اور اس کا بیٹا معویہ بھی تھا (مروج الذہب جلد ۵ صفحہ ۸)۔ تقسیم مال کے بعد آنحضرتؐ ۸ ذیقعدہ کو مکہ میں واپس آئے اور عمرہ بجالاکر ۲۷ ذی الحجہ کو مدینہ واپس آگئے۔ مذکورہ بالا واقعات میں حضرت عمر کی اور کوئی خدمت نہیں معلوم ہوسکی۔

سریہ بنو تمیم ۹ھ میں مسلمان خاندانوں سے زکوۃ کا مال وصول کرنے کے لئے عامل (کارندے یا تحصیلدار) مقرر کئے گئے اور ادھر ادھر بھیجے گئے۔ مگر بنو تمیم کے بہکانے سے بنو کعب جو مسلمان ہوچکے تھے مخالفت رسولؐ پر آمادہ ہوگئے اور زکوۃ دینے سے انکار کردیا۔ آنحضرتؐ کا عامل ڈر کر واپس آیا تو آنحضرتؐ نے عیینہ بن حصن فزاری کو پچاس سواروں کے ساتھ انکی طرف روانہ کیا کہ ان کا مناسب تدارک کریں۔ اس میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں مل سکا (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۳۱)

بُت شکنی کے لئے سرایا اس امر کے متعلق مورخین کی عبارتوں کا خلاصہ مولوی شبلی صاحب نے اس طرح لکھا ہے "اسی سلسلہ میں وہ سرایا بھی داخل ہیں جو فتح مکہ کے بعد بُت شکنی کے لئے اطراف ملک میں روانہ کئے گئے۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ تمام عرب میں مختلف قبیلوں کے الگ الگ بُت خانے تھے۔ فتح مکہ کے بعد عام طور سے قبائل نے اسلام قبول کرلیا تو بتوں کی عظمت وجباری کا جاہلانہ اور وہم پرستانہ تخیل بعض قبائل سے دفعتہً نہ مٹ سکا۔ اب گو وہ ان کو لائق پرستش نہیں سمجھتے تھے تاہم ان کے دلوں پر ان اصنام کی وراثتہً ایک مدت سے جو ہیبت بیٹھی ہوئی تھی۔ اس سے یہ ہمت نہیں پڑتی تھی کہ ان باطل پرستیوں کے مرکز کو خود اپنے ہات سے مٹادیں۔ جاہلوں کو یقین تھا کہ ان مقدس پتھروں کا ایک ریزہ بھی اپنی جگہ سے ہٹا تو آسمان ٹوٹ پڑے گا۔ زمین پھٹ جائیگی۔ مصائب اور بلاؤں کا ایک

طوفان برپا ہو جائیگا - اہل طائف نے بیعت کرتے ہوئے شرط پیش کی تھی کہ ان کا بت خانہ ایک سال تک ڈھایا نہ جائے اور جب آنحضرتؐ نے یہ منظور نہ فرمایا تو دوسری شرط یہ پیش کی کہ ہم ان کو اپنے ہاتھ سے نہ توڑینگے۔ بعض اور نومسلم قبائل بھی ادائے فرض میں جھجکتے تھے۔ اس بنا پر ان مقامات میں چند راسخ العقیدہ اور صحیح الفہم مسلمان بھیجے گئے کہ وہ انکی طرف سے اس فرض کو انجام دیں۔ چنانچہ سریہ خالد بن ولید بت خانہ عزیٰ۔ سریہ عمرو بن العاص بت خانہ سواع۔ سریہ سعد بن زید اشہلی بت خانہ منات نیز ابوسفیان و مغیرہ بن شیبہ بت خانہ لات۔ سریہ جریر بت خانہ ذی الخلصہ (صحیح بخاری غزوہ ذی الخلصہ) سریہ طفیل بن عمرو دوسی بت خانہ ذی الکفلین اور سریہ علیؓ ابن ابی طالب بت خانہ فلس کے توڑنے کو روانہ کئے گئے (اس باب میں تمام تر واقعات ابن سعد جزو مغازی سے ماخوذ ہیں" (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۴۲)۔ مولوی صاحب نے جن راسخ العقیدہ اور صحیح الفہم مسلمانوں کا ذکر کیا افسوس کہ انہیں حضرت عمر کا نام نہیں لکھا۔ اور زیادہ حیرت یہ ہے کہ عربی کی مفصل کتب تاریخ و سیرت میں بھی کسی قسم پر سدوح کا نام نہیں ملتا۔ نہ حضرت رسول صلعم ہی نے اس ضروری کام کے لئے آپ کا انتخاب کیا۔ نہ دوسرے صحابہ ہی نے رائے دی کہ یا حضرتؐ آپ راسخ العقیدہ اور صحیح الفہم مسلمانوں کی طرح حضرت عمر کو اس کام کے لئے کیوں نامزد نہیں فرماتے؟ نہ خود حضرت عمر ہی نے اپنے کو اس زحمت کے لئے پیش کیا۔ معلوم نہیں ہر شخص کے خاموش رہنے کی کیا وجہ تھی حالانکہ خالد بن ولید۔ عمرو بن العاص اور ابوسفیان تک اس شرف سے سرفراز ہوئے۔

غزوۂ تبوک مدینہ اور دمشق کے درمیان نصف راہ میں مدینہ سے ۱۴ منزل پر ایک مشہور مقام تبوک ہے۔ جنگ موتہ کے بعد رومی سلطنت نے عرب پر حملہ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ مدینہ میں یہ خبریں اکثر مشہور ہوتی رہتی تھیں۔ اس بنا پر آنحضرتؐ نے فوج کی طیاری کا حکم دیا مگر اس وقت قحط اور گرمی کی شدت تھی۔ اسی سبب سے لوگوں کو گھر سے نکلنا نہایت شاق تھا۔ منافقین کا پردہ فاش ہو چلا۔ وہ خود بھی جی چراتے تھے اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کا معمول تھا کہ جب آپ مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو کسی کو شہر کا حاکم مقرر فرما کر جاتے۔ اس وقت حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر فرما گئے اور امہات المومنین کو حکم دے دیا کہ دیکھو علیؓ کے حکم سے ہرگز باہر نہ ہونا مگر حضرت علیؓ کو جہاد سے بیٹھ رہنا بہت شاق ہوا اور آنحضرتؐ سے عرض کی حضور مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں ولہ اس پر آنحضرتؐ نے اپنی مشہور حدیث منزلت ارشاد

لہ عن مصعب ابن سعد عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج الی تبوک فاستخلف علیا قال تخلفنی

فرمائی کہ یا علی اما ترضےٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی اے علیؓ کیا
تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہی درجہ حاصل ہے جو جناب ہارونؑ کو حضرت موسےٰؑ سے تھا۔ بس
فرق صرف اسی قدر ہے کہ میرے بعد کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا۔ غرض حضرت رسولؐ تیس ہزار فوج کے
ساتھ مدینہ سے نکلے اور مقام تبوک میں پہونچے مگر یہاں معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہیں تھی۔ تاہم آنحضرتؐ
نے بیس دن تک وہاں قیام فرمایا۔ دومۃ الجندل میں جو دمشق سے پانچ منزل پر ہے۔ ایک

(بقیہ حاشیہ ص۷۴)

فی الصبیان والنساء۔ قال الا ترضےٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسےٰ
الا انہ لیس نبی بعدی۔ حضرت رسولؐ جب غزوۂ تبوک کے لئے جانے لگے تو حضرت علیؓ کو اپنا
خلیفہ بنا گئے جس پر آپ نے عرض کی کیا حضور مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟ حضور نے
فرمایا کیا تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو حضرت ہارونؑ کو حضرت موسےٰؑ
سے تھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا (صحیح بخاری پ ۱۴ کتاب المناقب ص۳۰۷
و پ ۱۸ کتاب المغازی ص۸۹ وغیرہ) اسکی شرح میں علامہ ابن حجر لکھتے ہیں انہ علیہ الصلوٰۃ
والسلام قال لعلی لا بد ان اقیم او تقیم۔ فاقام علی۔ حضرت رسولؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا ضروری
ہے کہ یہاں یا میں رہوں یا تم رہو۔ اس پر حضرت علیؓ رہ گئے (فتح الباری پ ۱۴ ص۳۸)۔ اس سے
ظاہر ہے کہ حضرت رسولؐ کی زندگی میں بھی آپ کی جگہ آپ کا کام کرنے والا اور آپ کے فرائض انجام دینے
والا حضرت علیؓ کے سوائے کوئی نہیں تھا۔ ورنہ آنحضرتؐ گویا حصر کر کے یہ نہیں فرماتے کہ اس سے چارہ نہیں
ہے کہ یا تم رہو یا میں رہوں۔ پھر ممدوح لکھتے ہیں قال معویۃ لسعد ما منعک ان تسب اباتراب
قال اما ما ذکرت ثلاثا قالھن لہ رسول اللہؐ فلن اسبہ فذکر ھذا الحدیث۔ و
قولہ لاعطین الرایۃ رجلا یحبہ اللہ ورسولہ۔ وقولہ لما نزلت فقل تعالوا ندع ابناءنا
وابناءکم دعا علیا وفاطمۃ والحسن والحسین۔ فقال اللھم ھؤلاء اھلی۔ امیر
معاویہ نے سعد صحابی سے دریافت کیا کہ تم علیؓ کو برا کیوں نہیں کہتے؟ انھوں نے جواب دیا کہ جب تک
آنحضرتؐ کی تین حدیثیں مجھے یاد رہیں گی اُس وقت تک تو مجھ سے ممکن نہیں کہ حضرت علیؓ کو
برا کہوں۔ ایک حدیث منزلت۔ دوسری حدیث رایۃ (جو جنگ خیبر میں حضورؐ نے فرمائی تھی
کہ کل میں یہ علم اس بہادر مرد کو دوں گا)۔ تیسری یہ کہ جب آیت مباہلہ فقل تعالوا ندع

عربی سردار جس کا نام اکیدر تھا قیصر کے زیر اثر رہتا تھا۔ آنحضرتؐ نے خالد کو چار سو کی فوج کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ خالد نے اس کو گرفتار کیا اور وہ آنحضرتؐ کے

(بقیہ حاشیہ ص۷۵)

ابناء نا وابناء کم نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو بلا کر خدا سے عرض کی کہ اے اللہ میرے اہلبیتؑ بس یہی ہیں۔ پھر علامہ ممدوح لکھتے ہیں واستدل بحدیث الباب علے استحقاق علیؑ للخلافۃ دون غیرہ من الصحابۃ فان ھارون کان خلیفۃ موسےٰ اس حدیث منزلت سے اس امر پر استدلال کیا جاتا ہے کہ صحابہ کو خلافۃ کا حق نہیں تھا۔ اسکے مستحق صرف حضرت علیؑ تھے اس لئے کہ حضرت ہارون بھی حضرت موسےٰؑ کے خلیفہ تھے (فتح الباری جلد ۳ ص۳۸۷) علامہ ابن حجر کے اس قول سے ثابت ہوا کہ علماء اسلام اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس حدیث سے صاف طور پر حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل تحقق ہوتی ہے۔ یعنی آنحضرتؐ کے بعد ہی خلافت کا حق حضرت علیؑ ہی کو تھا۔ کسی اور شخص کو یہ حق نہیں تھا۔ یہ دلیل اتنی قوی ہے کہ علامہ ابن حجر نے خود بھی اس سے اختلاف نہیں کیا۔ نہ اس کے رد کرنے کی کوشش کی۔ البتہ دوسروں نے اس کے متعلق جو خیال ظاہر کیا تھا اس کو علامہ ممدوح اس طرح نقل کرتے ہیں واجیب بان ھارون لم یکن خلیفۃ موسےٰ الا فی حیاتہ لا بعد موتہ لانہ مات قبل موسےٰ باتفاق۔ حضرت علیؑ کی خلافت پر اس حدیث سے جو استدلال کیا جاتا ہے۔ اس کا جواب بعض لوگوں نے اس طرح دیا ہے کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسےٰؑ کے خلیفہ انکی زندگی ہی میں تو تھے ان کے بعد نہیں تھے۔ اس لئے کہ جناب ہارونؑ حضرت موسےٰؑ سے پہلے انتقال کر گئے تھے جس پر سب کا اتفاق ہے (ص۳۸۵)۔ علامہ موصوف نے اجیب کا لفظ کہہ کر گویا بتایا کہ یہ جواب نہایت لغو اور قابل مضحکہ ہے۔ اسی وجہ سے ممدوح نے جواب دینے والوں کا نام بھی ذکر نہیں کیا اور اجیب کہہ کر نقل کر دیا۔ اور قاعدہ ہے کہ جو قول بہت کمزور اور بے حقیقت ہوتا ہے اسکے قائل کا نام نہیں لکھتے بلکہ قیل (کہا گیا ہے) یا اجیب (جواب دیا گیا ہے) وغیرہ سے اس کو ظاہر کرتے ہیں۔ غرض ان وجوہ سے اس جواب کا ناقابل التفات ہونا واضح ہے اور استدلال مذکور اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ یہ حدیث منزلت تفسیر و حدیث و سیرۃ و تاریخ کی بے حد و حساب کتابوں میں مرقوم ہے۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے اس کو اور زیادہ شاندار الفاظ میں نقل کیا ہے کہ فقال لہ اما ترضےٰ ان تکون منی بمنزلۃ

ساتھ مدینہ آیا۔ ان تمام واقعات میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں مل سکا (طبری جلد ۳ ص۱۴۷) ۔ حالانکہ یہ معمولی کام تھے۔ ان میں حضرت عمر کو کوئی زحمت بھی نہیں ہوتی۔

(بقیہ حاشیہ ص۷۶)

ھارون من موسیٰ الا انہ لیس نبی بعدی انہ لاینبغی ان اذھب الا وانت خلیفتی حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ جو مرتبہ جناب ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ سے حاصل تھا وہی درجہ تم کو بھی مجھ سے حاصل ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ میرے بعد پھر کوئی نبی نہیں ہوگا۔ یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ میں جاؤں اور تم میرے خلیفہ نہ ہو (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ ص۲۶۱) ۔ اور علامہ سبط ابن الجوزی نے لکھا ہے فقال الا ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا النبوۃ وانت خلیفتی۔ اے علیؑ تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم کو مجھ سے وہی مرتبہ حاصل ہے جو جناب ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ سے تھا سوائے اس کے کہ تم کو نبوت نہیں ملے گی اور میرے خلیفہ تم ہی رہو گے (تذکرہ خواص الامہ ص۱۲) ۔ اور علامہ علی متقی نے لکھا ہے قال رسولؐ اللہ حین خلفنی علی المدینۃ خلفتک لتکون خلیفتی حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا میں تم کو اس لئے چھوڑ کر جاتا ہوں کہ تم میرے خلیفہ رہو۔ (کنز العمال جلد ۶ ص۱۵۴) ۔ اور امام حاکم نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا فان المدینۃ لا تصلح الا بی او بک۔ اے علیؑ مدینہ کی حالت یا اس جگہ میرے قیام کرنے سے درست رہیگی یا تمہارے رہنے سے (کسی تیسرے شخص کی حکومت سے امن نہیں رہ سکتا ہے مستدرک جلد ص) ۔ ان عبارتوں کے کسی لفظ سے نہیں ثابت ہوتا کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے اہل وعیال پر خلیفہ مقرر کیا تھا خود حضرت علیؑ نے حضرت رسولؐ سے پوچھا کیا آپ مجھکو لڑکوں اور عورتوں میں چھوڑ کر جاتے ہیں۔ اگر آنحضرتؐ نے آپ کو اپنے اہل وعیال کے لئے اپنا خلیفہ مقرر کیا ہوتا تو حضرتؐ ضرور یہ جواب دیتے کہ ہاں میں تم کو انھیں لوگوں کی نگرانی کے لئے چھوڑے جاتا ہوں لیکن کسی کتاب سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ آنحضرتؐ نے یہ فرمایا ہو بلکہ ارشاد ہوا کیا تم اس پر خوش نہیں ہوتے کہ جو مرتبہ جناب ہارون کو حضرت موسیٰؑ سے تھا وہی تم کو مجھ سے حاصل ہے۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب کی ازالۃ الخفاء کا آخری فقرہ "یہ مناسب نہیں کہ میں جاؤں اور تم میرے خلیفہ نہ ہو" ۔ اس بحث پر پوری روشنی ڈالتا اور اس امر میں کوئی شبہہ نہیں چھوڑتا کہ آنحضرتؐ نے جو حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا

واقعہ عقبہ جب حضرت رسولِ خدا غزوۂ تبوک سے مدینہ کی طرف واپس تشریف لاتے تھے عقبہ ذی فتق کا واقعہ پیش آیا۔ حضرتؐ اس گھاٹی پر پہونچے تو رات کا وقت تھا۔ خوب اندھیری چھائی

(بقیہ حاشیہ ۷۷)

یہ محض اُس وقت یا صرف غزوۂ تبوک کے موقع ہی کے لئے نہیں بلکہ دائمی تھا کہ آنحضرتؐ جب بھی کہیں جائیں حضرت علیؑ ہی آپ کے خلیفہ ہوں (جیساکہ ہجرت کے موقع پر بھی آنحضرتؐ نے مکہ معظمہ میں حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ معین فرمایا اور حکم دیا کہ آپ ہی حضرتؐ کی جگہ سوئیں اور حضرت کے قرضوں اور امانتوں کو ادا کریں)۔ اور آنحضرتؐ کی حدیث کا آخری جملہ انہ لا نبی بعدی (بات یہ ہے کہ میرے بعد کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا) ہمارے اس دعوے کی پوری تائید کرتا ہے کہ اے علیؑ اگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا تو تم نبی ہوتے اور میرے خلیفہ بھی رہتے جیسے حضرت ہارونؑ کو تو دونوں مرتبہ (نبوت اور حضرت موسےؑ کی خلافت) ملے تھے مگر چونکہ نبوت مجھ پر ختم ہو گئی ہے اب میرے بعد صرف میری خلافت کا درجہ تمہیں حاصل رہے گا۔ غرض آنحضرتؐ کا مقصود صرف آپکی زندگی میں حضرت علیؑ کا خلیفہ رہنا ہوتا تو حضرت نبیؐ لا نبی بعدی نہیں فرماتے مگر حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کو صرف اپنی زندگی میں نہیں بلکہ اپنے بعد کے لئے بھی اپنا خلیفہ مقرر فرما دیا تھا۔ اسی وجہ سے اپنے بعد کی حالت واضح فرما دی کہ اے علیؑ تم میرے بعد خلیفہ ہوگے لیکن میرے بعد نبی نہیں ہوگے۔ اور قرآن مجید سے ثابت ہے کہ جناب ہارون کو بھی حضرت موسےؑ کی خلافت آپکے اہل و عیال میں نہیں بلکہ حضرتؑ کی کل امت میں حاصل تھی۔ ارشاد باری ہے قال موسے لاخیہ ھارون اخلفنی فی قومی واصلح ولا تتبع سبیل المفسدین۔ حضرت موسےؑ نے اپنے بھائی جناب ہارون سے فرمایا میری امت میں تم میرے خلیفہ رہو۔ اور اصلاح کرو اور فساد کرنے والوں سے نہ ہونا (پ۹ سورہ اعراف آیت ۱۴۲)۔ رہا یہ شبہ کہ حضرت ہارونؑ تو حضرت موسےؑ کی زندگی ہی میں مر گئے۔ حضرت موسےؑ کے بعد کی خلافت آپکو ملی ہی نہیں۔ اسی طرح حضرت علیؑ کو بھی آنحضرتؐ کے بعد خلافت نہیں ملنی چاہیے۔ تو اسکی حقیقت یہ ہے کہ خود قرآن مجید سے واضح ہے کہ جناب ہارونؑ کو حضرت موسےؑ کی خلافت کا استحقاق علے الاطلاق بغیر کسی زمانہ کی تخصیص کے حاصل ہوا۔ اگر جناب ہارونؑ زندہ رہتے تو حضرت موسےؑ کے بعد یقیناً وہی خلیفہ ہوتے۔ اسی طرح حضرت رسولِ خدا کے بعد حضرت علیؑ زندہ رہے تو آپ ہی حضرتؐ کے خلیفہ ہو سکتے ہیں نہ کوئی اور شخص۔

تھی۔ حضرت نے حکم دیا کہ ایک منادی پکار کر کل ساتھیوں سے کہہ دے کہ جب تک حضرت رسولؐ اس گھاٹی سے نہ گزر جائیں کوئی شخص اس پر نہ جائے۔ اس اعلان کے بعد حضرتؐ اونٹ پر سوار ہو کر آگے بڑھے۔ ایک صحابی حذیفہ بن الیمان حضرتؐ کے اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھے۔ حذیفہ کا بیان ہے کہ اس اثنا میں بجلی چمکی تو اسکی روشنی میں ۱۲ یا ۱۴ سوار کو میں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ کی سواری کی طرف بڑھے اور چاہا کہ حضرتؐ پر حملہ کر کے آپ کو ہلاک کر دیں۔ یہ کل منافقین صحابہ سے تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۷)

ہاں جس طرح حضرت موسےٰؑ کے سامنے جناب ہارون انتقال کر گئے اگر آنحضرتؐ کے سامنے حضرت علیؑ بھی رحلت کر جاتے تو البتہ آپ کے عوض دوسرا شخص آنحضرتؐ کا خلیفہ ہو سکتا تھا۔ اگر جناب ہارون حضرت موسےٰؑ کی زندگی میں انتقال نہ کرتے بلکہ آپ کے بعد زندہ رہتے تو کیا آپ کے سوا کوئی شخص حضرت موسیٰؑ کا خلیفہ ہوتا اور اسکی خلافت صحیح سمجھی جاتی؟ ہر شخص کہے گا کہ نہیں جناب ہارون کے رہتے دوسرا شخص حضرت موسےٰؑ کا خلیفہ نہیں ہو سکتا تھا۔ بس اسی طرح حضرت علیؑ کے رہتے حضرت رسول خدا کا خلیفہ بھی دوسرا شخص نہیں ہو سکتا۔ اور روایت کا یہ جزو کہ لا ینبغی ان اذھب الا و انت خلیفتی یہ مناسب نہیں کہ میں جاؤں اور تم میرے خلیفہ نہ ہو بھی عام ہے خواہ مدینہ سے جانا ہو یا دنیا سے انتقال کرنا کیونکہ آنحضرتؐ نے مدینہ سے جانے کی کوئی خصوصیت ذکر نہیں کی۔ ان تمام وجوہ سے ماننا پڑے گا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ جب کبھی میں تم کو چھوڑ کر کہیں جاؤں گا تم ہی کو میرا خلیفہ ہونا ضروری ہے۔ اسکے خلاف کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ میں کہیں جاؤں یا دنیا سے اٹھوں اور تم میرے خلیفہ نہ ہو۔ اسکے بعد آنحضرتؐ نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک اپنے ان ارشادات کے خلاف کوئی بات نہیں فرمائی۔ اس وجہ سے یہ یقینی ہے کہ حضرت کا یہ قول بھی منسوخ نہیں سمجھا جا سکتا اور آنحضرتؐ کے بعد ان سب منصوصات کا تعلق ویسا ہی قائم رہا جیسا کہ آنحضرتؐ کی زندگی میں تھا۔ بعض یورپین مورخ (مثلاً اِرونگ) نے لکھا ہے کہ اس حدیث منزلۃ کا مطلب یہی تھا اور اکثر نے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ آنحضرتؐ نے طے کر لیا تھا کہ حضرت علیؑ ہی کو اپنا خلیفہ اور امت کا ہادی مقرر کریں۔ اسی موقع کے متعلق یہ چند شعر بھی کہے گئے ہیں ؎

علیؑ را چنیں گفت خیر الانام ::: کہ اے کردہ در کار دیں اہتمام

ترا از من آں منزلت شد پدید ::: کہ نسبت ز ہارون بموسیٰؑ رسید

مگر آں کہ نبود پس از من نبی ::: نبوت ز مردم شود اجنبی (حبیب السیر)

مگر خدا نے جناب جبرئیل کو بھیجکر ان دشمنوں کے ارادہ سے آنحضرتؐ کو مطلع کر دیا اور حضرتؐ ان کے شر سے محفوظ رہے (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۴۱ وغیرہ) - افسوس مورخین نے ان لوگوں کا نام نہیں لکھا جن کا ذکر آنحضرتؐ نے کیا تھا - حالانکہ یہ اسلام کی ضروری خدمت تھی کہ معلوم ہوتا کن لوگوں نے آنحضرتؐ کو ختم کر دینے کی کوشش کی مگر یہ یقینی ہے کہ وہ منافقین وہی حضرتؐ کے دوست نما دشمن تھے جو دل سے اسلام کے خلاف رہتے اور جو آنحضرت صلعم کے ساتھ ہر غزوہ میں جاتے تو تھے لیکن نہ جہاد کرتے نہ کسی کافر کو قتل یا گرفتار کرتے بلکہ آرام سے بیٹھے رہتے یا کفار کی مدح و ثنا کے پل باندھکر آنحضرتؐ کو اور پریشان کرتے رہتے تھے لہ

لہ آنحضرتؐ نے ان منافقین کے نام اپنے مشہور صحابی حذیفہ کو بتا دیئے تھے مگر یہ بھی تاکید کر دی تھی کہ انکو پوشیدہ رکھنا اور صحابہ کو فضیحت نہ کرنا لیکن معلوم نہیں کیوں حضرت عمر کو اسکی خاص فکر پیدا ہوئی کہ ان لوگوں کے نام معلوم کریں - آپکو خوف ہوا کہ آنحضرتؐ نے شائد ان کو بھی انھیں لوگوں میں نہ سمجھا ہو جو حضرتؐ کو ہلاک کرنا چاہتے تھے - بعض علماء نے لکھا ہے "چندگاہ امیر المومنین عمرؓ می آمد و را سوگندمی داد کہ در آں زماں کہ آں سرور ذکر منافقاں می کرد عمر را در آں میان ذکر کرد - کئی مرتبہ حضرت عمر جناب حذیفہ کے پاس آتے اور پوچھتے رہے کہ اس زمانہ میں رسول خداؐ نے جن منافقوں کا ذکر کیا تھا ان میں عمر کا نام بھی لیا تھا (معارج النبوۃ رکن ۴ صفحہ ۳۰۲ وغیرہ) مگر حذیفہ برابر ٹالتے رہتے تھے - آخر حضرت عمر کو خود ہی اس امر کا اقرار کر لینا پڑا - علامہ ذہبی لکھتے ہیں من روایتہ قول عمر یاحذیفۃ باللہ انا من المنافقین - زید بن وہب جو تابعین کے سب سے جلیل الشان لوگوں اور ان کے معتمد علیہ حضرات میں ہیں روایت کرتے تھے کہ حضرت عمرؓ نے خود قسم کھاکر فرمایا اے حذیفہ خدا کی قسم میں بھی منافقین سے ہوں (میزان الاعتدال ترجمہ زید بن وہب مطبوعہ لکھنؤ جلد ۱ صفحہ ۳۲۶) حضرت ممدوح کا اس قسم کا قول متعدد کتابوں میں ملتا ہے عن عمر بن الخطاب قال نصب رسول اللہؐ علیا علما فقال من کنت مولاہ فعلی مولاہ - اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ واخذل من خذلہ وانصر من نصرہ اللھم انت شہیدی علیھم - قال وکان فی جنبی شاب حسن الوجہ طیب الریح فقال لی یا عمر لقد عقد رسول اللہؐ عقدا لایحلہ الامنافق فاحذر ان تحلہ قال عمر فقلت یا رسول اللہ انک حیث قلت فی علیؑ کان فی جنبی شاب حسن الوجہ طیب الریح قال نعم یا عمر انہ لیس من ولد آدم لکنہ جبرئیل اراد ان یؤکد علیکم ما قلتہ فی علیؑ حضرت عمر بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کو امام و پیشوا مقرر کر کے اعلان کر دیا کہ جس کا میں مولا تھا اب اس کا مولا علیؑ ہیں -

یہ ایسے اور موقع کی حالت ممدوح خود اس طرح بیان فرماتے تھے

مسجد ضرار کا ہدم | غزوۂ تبوک سے واپسی کے وقت مسجد ضرار کے گراد ینے کا واقعہ پیش آیا۔ ایک شخص ابو عامر نے مدینہ کے منافقین کو آمادہ کیا کہ مسجد قبا کے مقابلہ میں ایک مسجد بناؤ کہ ہم لوگ اپنے امور اسی میں انجام دیا کریں

(بقیہ حاشیہ ص۸۰)

اے خدا جو شخص ان کو اپنا مولا سمجھے اُس کو تو دوست رکھ اور جو ان سے دشمنی کرے تو اس کو دشمن رکھ۔ جو ان کو چھوڑے اس کو تو بھی چھوڑ دے اور جو انکی مدد کرے اس کی تو بھی مدد کر۔ اے اللہ اس بات میں تو ہی ان لوگوں پر میرا گواہ رہنا۔ حضرت عمر کہتے تھے اس وقت میرے بغل میں ایک خوبصورت اور خوشبو دار جوان تھا اُس نے مجھ سے کہا اے عمر حضرت رسولخدا نے ایک ایسی گرہ باندھ دی ہے جس کو وہی شخص کھول دے گا جو منافق ہوگا تم ڈرو کہیں تم ہی اس خلافت کی گرہ کھولنے کا کام نہ انجام دو۔ حضرت عمر کہتے تھے کہ یہ سن کر میں حضرت رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے رسولؐ جب آپ علیؑ کے بارے میں وہ حکم دے رہے تھے میرے بغل میں ایک جوان خوبصورت اچھی خوشبو والا تھا۔ حضرتؐ نے فرمایا ہاں اے عمر (مجھے بھی معلوم ہے) لیکن وہ آدمی [illegible] بلکہ جناب جبرئیل تھے۔ انھوں نے چاہا کہ میں نے علیؑ (کی خلافت) کے بارے میں جو کہا ہے اس [illegible] بارے میں تم پر تاکید کردیں (مودۃ القربیٰ طبع بمبئی ص۱۶)

اور جناب محقق دہلوی شیخ عبدالحق صاحب نے لکھا ہے قیل لحذیفة کیف عرفت امر المنافقین ولم یعرفه ابوبکر ولا عمر۔ قال انی کنت اسیر خلف رسول اللہ فنام علی راحلته فسمعت اناسا منهم یقولون لو طرحناه عن [illegible] عنقه فاسترحنا منه فسرت بینهم و بینه و جعلت ارفع صوتی فانتبه فقال من [illegible] فقلت حذیفة۔ قال من اولئك۔ قلت فلان و فلان حتی عددا اسمائهم قال هم منافقون لا یخبرن احدا۔ وجاء عن نافع بن جبیر قال لم یخبر رسول اللہ باسماء المنافقین الذین نحسوا لیلة العقبه غیر حذیفة۔ لوگوں نے حذیفہ سے پوچھا تم کو منافقین کا حال کیسے معلوم ہوگیا حالانکہ جناب ابوبکر و عمر کو نہیں معلوم ہو سکا۔ انھوں نے کہا میں شب عقبہ رسولؐ کی سواری کے پیچھے چلتا تھا اور حضرتؐ کو نیند آگئی تھی تو میں نے سُنا کہ کچھ صحابہ کہتے ہیں آؤ ہم لوگ رسولؐ کو اونٹ سے گرادیں کہ انکی گردن ٹوٹ جائے اور ہم لوگوں کو ان سے نجات ملے۔ یہ سُن کر میں ان کے درمیان پہونچ گیا اور زور زور سے باتیں کہنے لگا جس پر حضرتؐ بیدار ہوگئے اور پوچھا کون ہے میں نے عرض کی حذیفہ۔ پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ میں نے سب کے نام عرض کئے۔ حضرتؐ نے فرمایا یہ سب منافق ہیں مگر تم کسی کو ان کے نام نہ بتانا۔ اور نافع کہتے تھے کہ رسولؐ نے حذیفہ کے سوا اور کسی

ان لوگوں نے ایک بہت مضبوط مسجد تیار کرلی۔ جب حضرتؐ غزوۂ تبوک کے لئے جانے لگے تو ان منافقوں نے دھوکے کے طور پر عرض کی کہ آپ اس نئی مسجد میں نماز پڑھا دیں تو یہ مقبول ہوجائے حضرتؐ نے فرمایا اس وقت میں ایک مہم پر جاتا ہوں۔ واپسی پر ان منافقین نے پھر درخواست کی اسی وقت جناب جبرئیلؑ یہ آیۃ لائے والذین اتخذوا مسجدا ضرارا۔ اس پر آنحضرتؐ نے مالک اور معن بن عدی کو بھیجا۔ انھوں نے جاکر اس مسجد ضرار کو گرادیا اور وہ جگہ برباد کردی گئی۔ اس خدمت میں بھی حضرت عمر کی کسی شرکت کا پتا نہیں ملا (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۴۷)

سریۂ وادی الرمل آنحضرتؐ کو خبر ملی کہ وادی الرمل میں کچھ لوگ اکٹھے ہوئے ہیں کہ مدینہ پر حملہ کریں آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر کو علم دے کر ایک لشکر روانہ کردیا۔ حضرت ابوبکر نے وہاں جاکر ان پر قبضہ کرنا چاہا مگر مخالفین دفعۃً باہر نکل پڑے اور اس زور کی جنگ شروع کردی کہ حضرت ابوبکر کو سخت شکست ہوئی۔ بہت سے مسلمان مارے گئے اور باقی مدینہ بھاگ آئے۔ تب حضرت عمر کو علم دے کر اور فوج کا سردار بناکر بھیجا۔ جب ممدوح اس وادی کے قریب پہونچے تو دشمنوں نے کمین گاہ سے نکل کر مسلمانوں پر پھر زور کا حملہ کیا۔ ممدوح بھی اسی طرح مقابلہ نہ کرسکے اور پھر سب کے سب شکست کھاکر مدینہ واپس آئے۔ اس کے بعد عمرو عاص نے خواہش کی کہ حضور مجھے حکم ہو جاکر ان کا کام تمام کردوں آنحضرتؐ راضی ہوگئے اور مسلمانوں کو ان کے ماتحت کرکے پھر وادی الرمل کی طرف روانہ کردیا۔ یہ سب گئے۔ لڑائی ہوئی مگر حضرت اول و دوم کی طرح یہ بھی شکست کھاکر واپس آئے۔ اس دفعہ بھی کئی مسلمان مارے گئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۱)

صحابی کو ان منافقین کے نام نہیں بتائے جنھوں نے شب عقبہ حضرت کو ہلاک کرنا چاہا وکان عمر یسأل حذیفۃ عن حدیث العقبۃ ویسألہ عن علامات النفاق ھل یریٰ فیہ شیئاً منہ۔ حضرت عمر جناب حذیفہ سے عقبہ کی حدیث پوچھا کرتے اور یہ بھی دریافت کرتے کہ اے حذیفہ مجھ میں بھی تم نفاق کی کوئی علامت پاتے ہو؟ (اسماء الرجال قلمی ورق ۴۷)۔ یہ عجیب اور نہایت حیرت ناک امر ہے کہ حذیفہ سے اس قدر اصرار کرنے پر بھی انھوں نے یہ نہیں کہا کہ اے عمر رسول صلعم نے منافقین میں آپ کا نام نہیں لیا تھا اور آپ میں نفاق کی کوئی علامت بھی نہیں ہے۔ معلوم نہیں اسلام کے اس درجہ معتبر اور مشہور مصنفین نے ایسی روایتیں اپنی کتابوں میں کیوں لکھ دیں۔ ان چیزوں سے چشم پوشی کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ اس زمانہ میں حضرت عمر کے مخالفین ان امور سے عجیب و غریب نتائج پیدا کرتے رہتے ہیں ۱۲ منہ

جب اس طرح کئی روز تک مسلمانوں کو ہزیمت اُٹھانی پڑی۔ اہل اسلام کا معاملہ نازک اور دشمنوں کا دل
قوی ہوگیا تو حضرت رسولؐ کو تردد ہوا۔ آخر حضرتؐ نے جناب امیرؑ کو علَم عنایت فرماکر اور مسلمانوں کو آپ کے
ساتھ کرکے روانہ کیا پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر حضرتؐ کے لئے دعا کی اور مسجد احزاب تک رخصت
کرنے کو تشریف لے گئے۔ اس دفعہ حضرت ابوبکر و عمر و عمرو عاص بھی جناب امیرؑ کے ماتحت بھیجے گئے۔
اور ان سب کو حکم دیا گیا کہ سب علیؑ کی اطاعت کریں۔ حضرت علیؑ نئی راہ سے روانہ ہوئے اور جب وادی الرمل
قریب ہوا اُس طرف مڑ گئے۔ حضرتؑ نے کمال احتیاط برتی کہ دشمن کسی طرح قابو سے باہر نہ ہو جائے۔ رات
بھر چلتے اور صبح ہوتے ہی کسی مقام پر آرام کے لئے ٹھہر جاتے۔ جب دشمنوں کے قریب پہنچ گئے تو حکم
دیا کہ فوج آہستہ آہستہ چلے اور خود آگے بڑھے۔ ان تدبیروں سے عمرو عاص کو اندازہ مل گیا کہ اس دفعہ ضرور
مسلمانوں کی فتح ہو جائیگی۔ اور حضرت علی کامیاب واپس ہوں گے جس سے ان لوگوں کی ذلت ہوگی۔ اسلئے
سے حضرت ابوبکر و عمر کو بہکانے لگے کہ اس راہ میں بڑے خطرے ہیں۔ بہتر ہے کہ ہم لوگ وادی کے اوپر
سے دشمنوں پر رات کے وقت حملہ کردیں۔ یہ جادو حضرت ابوبکر و عمر پر چل گیا۔ دونوں صاحبوں نے کہا
ہاں تمہاری رائے درست ہے۔ پھر دونوں نے حضرت علیؑ سے یہ تجویز پیش کرکے کہا کہ اس کے مطابق
جنگ کی جائے مگر حضرت علیؑ یہ چالاکی سمجھ گئے اور انکار کردیا۔ تب عمرو عاص نے فوج کو بھڑکانا چاہا اور
کہا تم لوگ اپنی جان کیوں ہلاکت میں ڈالو۔ وادی کے اوپر سے چلو کہ وہ محفوظ راہ ہے مگر لشکر نے جواب
دیا کہ حضرت رسولؐ نے ہم کو حضرت علیؑ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اس کے خلاف کیونکر کریں۔ غرض حضرت
علیؑ اسی راہ چلتے ہوئے صبح ہوتے دشمنوں کے سرپر پہنچ گئے اور ان کو ہر طرح زیر کردیا۔ سب بھاگ
گئے اور حضرت علیؑ فتح کی خوش خبری لے کر واپس ہوئے۔ جب آنحضرتؐ کو آپ کے تشریف لانے کی خبر ملی
تو استقبال کے لئے بڑھے۔ جب حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ کو دیکھا تو سواری سے اُتر پڑے مگر آنحضرتؐ
نے فرمایا اے علیؑ سوار ہو کہ خدا اور رسولؐ تم سے راضی ہیں۔ اس پر حضرت علیؑ رونے لگے۔ مورخین نے یہ اشعار
بھی لکھے ہیں ؎ چنیں گفت آں روز خیر الانام :: کہ اندیشہ دارم ز بعضے مہام

دگر نہ حدیثے ز قدر علیؑ :: گفتم از غایت یک دلی

کہ بر ہر کر کردے ندامت گزر :: نہادے بجائے قدمہا شر ہر

ز خاک قدمہاش بر داشتے :: ازاں آبروے دگر داشتے

(حبیب السیر و معارج النبوۃ وغیرہ)

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ بعد غزوۂ تبوک عمرو بن معدی کرب نے یمن میں فساد کیا۔ اسکی خبر آنحضرتؐ

کو ہوئی تو حضرت علیؓ کے ماتحت ایک فوج بھیج دی اور خالد کو ایک لشکر کے ساتھ اعراب جعفی پر روانہ کر کے فرمایا جب دونوں لشکر اکٹھے ہوں تو دونوں کے سردار علیؓ ہی رہیں۔ عمرو بن معدی کرب حضرت علیؓ کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکا بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت علیؓ کے واپس آنے پر پھر آنحضرتؐ نے فرمایا انه منی و انا منه۔ یقیناً علیؓ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں (روضۃ الاحباب وحبیب السیر وغیرہ)۔ اس واقعہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں۔

سریہ حضرت علیؓ سنہ ۱۰ھ میں آنحضرتؐ [illegible] یمن بھیجا۔ آپ سے پہلے خالد کو بھیج چکے تھے کہ اہل یمن کو اسلام کی طرف بلا[illegible] نہیں ہوئی۔ حضرت علیؓ نے وہاں پہونچ کر اہل یمن کو آنحضرتؐ کا خط سُنایا فاسلمت همدان کلها فی یوم واحد فکتب ذلک الی رسول اللہ فقال السلام علی همدان ثم تتابع اهل الیمن علی الاسلام وکتب بذلک الی رسول اللہ فسجد شکراً للہ۔ جس وقت جناب امیرؓ نے آنحضرتؐ کا خط لشکر یمن والوں کو سنایا تو ایک ہی دن میں پورا قبیلۂ ہمدان مسلمان ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے یہ خوش خبری آنحضرتؐ کو لکھ بھیجی تو حضرتؐ کو اتنی مسرت ہوئی کہ فرمایا قبیلۂ ہمدان پر سلام ہو۔ اس کے بعد اہل یمن پے درپے اسلام میں داخل ہونے لگے۔ حضرت علیؓ نے آنحضرتؐ کو اس بات کی خبر بھی لکھ بھیجی۔ جب آنحضرتؐ نے سُنا تو فرط مسرت میں سجدۂ شکر ادا کیا اور بار بار فرمایا السلام علی همدان۔ قبیلہ ہمدان پر سلام ہو۔ قبیلۂ ہمدان پر سلام ہو (طبری جلد ۳ ص ۱۵۹ و کامل جلد ۲ ص ۱۱۵ وغیرہ)۔ اس واقعہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں ہے۔

مورخین نے لکھا ہے قال کعب الاحبار لما قدم علیؓ الیمن لقیته فقلت له اخبرنی عن صفة رسول اللہ فجعل یخبرنی عنها وجعلت اتبسم۔ فقال لی مم تتبسم۔ قلت مما یوافق ما عندنا فی صفته وقلت ما یحل وما یحرم فاخبرنی۔ فقلت هو عندنا کما وصفت وصدقت برسول اللہ وآمنت به ودعوت من قبلنا من الاحبار واخرجت الیهم سفراً قلت هذا کان ابی یختمه علی ویقول لا تفتحه حتی تسمع بنبی یخرج بیثرب قال فاقمت علی اسلامی بالیمن۔ کعب الاحبار بیان کرتے تھے کہ جب حضرت علیؓ یمن میں تشریف لائے تو میں حضرتؓ سے ملا اور عرض کی آپ مجھ سے رسول خدا کی صفت بیان کریں۔ حضرت علیؓ بیان کرتے جاتے اور میں مسکراتا جاتا تھا۔ اس پر حضرتؓ نے پوچھا کس بات پر تم تبسم کرتے ہو؟ میں نے کہا اس پر کہ آپ جو بیان کرتے ہیں سب ان اوصاف کے مطابق ہے جو ہماری کتابوں میں حضرتؐ کے متعلق لکھے ہوئے ہیں۔ پھر میں نے پوچھا حلال

باتیں کیا ہیں اور حرام کیا ہیں۔ حضرت علیؓ نے یہ سب بھی اچھی طرح بتا دیں۔ میں نے کہا یہ سب بھی بالکل اس کے مطابق ہیں جو ہماری کتابوں میں ہیں)۔ اس کے بعد میں نے حضرت رسولؐ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لایا۔ پھر میرے ملنے والے جو علماء یہود تھے ان سب کو اسلام کی طرف بلایا اور ایک کتاب نکال کر ان کو دکھائی اور کہا میرے والد نے یہ کتاب مہر کرکے مجھے دی تھی اور کہا تھا اس کو کبھی نہ کھولنا۔ البتہ جب سنو کہ مدینہ میں کوئی نبی نکلے ہیں تو کھول کر اس پر عمل کرنا۔ غرض میں مسلمان ہو کر یمن ہی میں رہا یہاں تک کہ حضرت رسولؐ نے انتقال فرمایا (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۱۱) حضرت رسولؐ کے کل غزوات، سرایا کے حالات کا بیان کرنا طوالت کا سبب ہوگا جو مشہور اور مہتم بالشان تھے اُن کا مختصر ذکر کیا گیا۔

فضائل جہاد و مجاہدین چونکہ مذہب اسلام اور اس کے قبول کرنے والوں کے مخالف مشرکین و یہود و نصاریٰ سب ہی تھے اور وہ اس دین کے مٹانے کی پوری کوشش کرتے تھے اس وجہ سے حفاظت خود اختیاری ضروری تھی۔ اسی سبب سے خدا نے ہر مسلمان پر جہاد کرنا (یعنی دشمنوں کے حملوں کو روک کر اسلام و مسلمین کو بچانا) واجب اور اس فریضہ کو بھی نماز روزہ کی طرح اہم قرار دیا اس لئے کہ اگر مسلمان اپنے دشمنوں سے جہاد نہ کرتے تو نہ وہی دنیا میں رہ سکتے۔ نہ اسلام ہی باقی رہتا۔ اس وجہ سے قرآن مجید میں بار بار فرمایا ہے کہ تم لوگ جہاد کرو۔ لڑو۔ قتال کرو۔ مثلاً کتب علیکم القتال مسلمانو! تم پر جہاد فرض کر دیا گیا (پ ۲ ع ۱۰) وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یشرون الحیوۃ الدنیا بالاٰخرۃ ومن یقاتل فی سبیل اللہ فیقتل او یغلب فسوف نؤتیہ اجراً عظیما۔ جو لوگ دنیا کی زندگی (جان تک) آخرت کے لئے دے ڈالنے کو موجود ہیں ان کو خدا کی راہ میں جہاد کرنا چاہیئے اور جس نے خدا کی راہ میں جہاد کیا پھر شہید ہوا یا غالب ہوا (دونوں حالتوں میں) ہم بہت جلد اس کو بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔ وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ مسلمانو! تم کو کیا ہو گیا ہے کہ خدا کی راہ میں جہاد نہیں کرتے (پ ۵ ع ۷) فقاتل فی سبیل اللہ۔ وحرض المومنین عسی اللہ ان یکف باس الذین کفروا۔ خدا کی راہ میں جہاد کرو۔۔۔ اور مومنین کو جہاد پر آمادہ کرو۔ عنقریب خدا کافروں کی ہیبت روک دے گا (پ ۵ ع ۸) وجاھدوا فی سبیلہ۔ ایمان والو! خدا کی راہ میں جہاد کرو تاکہ کامیاب ہو جاؤ (پ ۶ ع ۹) وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ مشرکین جس طرح تم سے سب کے سب مل کر لڑتے ہیں تم بھی اسی طرح سب کے سب مل کر ان سے لڑو

فلیقاتل (پ ۵ ع ۸) مسلمانو! خدا کی راہ میں جہاد کرتے رہو

(پ۱۰-ع ۱۱) قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم غلظة۔ اے ایمان والو کفار سے جو لوگ تمہارے قریب کے ہیں لڑو اس طرح کہ وہ تم کو اپنے لئے سخت پائیں (پ۱۱ ع ۵) وجاھدوا فی اللہ حق جہادہ اور جہاد کرنے کا جو حق ہے ویسا ہی جہاد خدا کی راہ میں کرتے رہو (پ۱۷- ع ۱۷)۔ فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتیٰ اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء۔ جب تم کافروں سے بھڑو تو انکی گردنیں مارو یہاں تک کہ تم انھیں زخموں سے چورکر ڈالو تو انکی مشکیں کس لو پھر اس کے بعد یا احسان رکھکر چھوڑ دو یا معاوضہ لے کر رہا کر دو (پ ۲۶ - ع ۵)۔ اسی طرح بہت کثرت سے آیات فضائل و درجات ہیں۔ جہاد کے فضائل کی حدیثیں بھی بہت ہیں مثلاً ان فی الجنة مائة درجة اعدھا اللہ للمجاھدین فی سبیل اللہ۔ بہشت میں سو درجے ہیں جو خدا نے ان لوگوں کے لئے مہیا کر رکھے ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں (صحیح بخاری پ۱۱ ص۴۹) مثل المجاھد فی سبیل اللہ کمثل الصائم القائم القانت بآیات اللہ لا یفتر من صیام ولا صلوة حتی یرجع المجاھد فی سبیل اللہ۔ جو شخص خدا کی راہ میں جہاد کرتا ہے اس کی مثال اس شخص کی ہے جو روزہ رکھنے والا۔ شب بھر عبادت خدا کرنے والا۔ اور برابر آیات خدا کی تلاوت کرنے والا ہو۔ جو اپنے روزوں اور نمازوں سے نہیں تھکتا یہاں تک کہ جہاد کرنے والا لڑکر اپنی جگہ واپس آجائے (مشکوۃ جلد ۵ ص۶۹) قال رسول اللہ من مات ولم یغز ولم یحدث به نفسه مات علی شعبة من نفاق۔ جو شخص اس طرح دنیا سے اُٹھے کہ اس نے جہاد نہیں کیا ہو۔ نہ اس کا ارادہ کیا ہو وہ ایک طرح منافق مرے گا (مشکوۃ جلد ۵ ص۷۲) حضرت رسولؐ سے پوچھا گیا سب سے افضل عمل کیا ہے؟ فرمایا ایمان لا شک فیه وجهاد لا غلول فیه وحجة مبرورة۔ وہ ایمان جس میں کبھی شک نہ ہو۔ وہ جہاد جس میں خیانت نہ ہو اور حج مقبول (مشکوۃ جلد ۵ ص۷۷) قال رسول اللہ ان ابواب الجنة تحت ظلال السیوف۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا یقیناً بہشت کے دروازے تلواروں کے سایہ میں ہیں (ص۶۸)۔ اس کو بھی آنحضرتؐ نے متعدد حدیثوں میں واضح کر دیا ہے کہ جو لوگ جہاد کے لئے جائیں انکی نیت اگر واقعاً لڑنا اور دشمنوں سے اسلام و مسلمین کی حفاظت ہوگی تب وہ مجاہدین کا ثواب پائیں گے لیکن اگر وہ کسی اور غرض سے شریک ہوئے ہیں تو اس اجر سے محروم رکھے جائیں گے۔ چنانچہ صاف مرقوم ہے ان رجلا قال یا رسول اللہ رجل یرید الجهاد فی سبیل اللہ وھو یبتغی عرضا من عرض الدنیا فقال النبی لا اجر له۔ ایک شخص نے عرض کی اے رسولؐ خدا ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے جانا چاہتا ہے مگر اس سے اس کی غرض دنیا کی تحصیل ہے حضرتؐ نے

فرمایا اس کو آخرت کا کوئی اجر نہیں مل سکتا (مشکوۃ جلد ۵ صث) - اس سے واضح ہوا کہ عہد رسولؐ میں ایسے لوگ بھی تھے جو جہادوں میں آنحضرتؐ کے ساتھ جاتے تو تھے - مگر نہ لڑتے تھے - نہ کسی کو قتل کرتے تھے بلکہ اس انتظار میں رہتے تھے کہ مال غنیمت کی تقسیم کا وقت آئے تو ہم بھی حصہ لینے کو حاضر خدمت ہوں وہی مذکورہ بالا حدیث کے مصداق ہیں۔

پانچویں فصل

سورہ برارۃ کی تبلیغ سے معزولی

سنہ ۹ ہجری کے آخر میں حضرت رسولخدا نے حضرت ابوبکر کو حاجیوں کا امیر مقرر کر کے مکہ معظمہ بھیجا مگر پھر خدا کے حکم سے آپ کو اس عہدہ سے معزول کر دیا۔ اس واقعہ کی تفصیل حضرت ابوبکر کی سوانح عمری میں لکھی گئی ہے مگر چونکہ حضرت عمر بھی اس سے معزول کئے گئے اس سبب سے اس کا مختصر ذکر بھی ضروری ہوا - جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے لکھا ہے عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ بعث ابابکر و عمر ببراءۃ الی اهل مکة فانطلقا فاذا هما براکب فقالا من هذا قال انا علی قال واللہ ما علمت الاخیرا فاخذ علی الکتاب فذهب به ورجع ابو بکر و عمر الی المدینة فقالا مالنا یا رسول اللہ - فقال ما لکما الاخیر و لکن قیل لی انه لا یبلغ عنک الا انت او رجل منک اخرجه الحاکم - حضرت عبد اللہ بن عمر بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولؐ نے حضرت ابوبکر و عمر کو سورہ براءۃ لیکر مکہ والوں کی طرف بھیجا - وہ دونوں روانہ ہو گئے مگر ابھی راستے ہی میں تھے کہ اونٹ پر ایک شخص ان سے آ کر ملا - ان دونوں صاحبوں نے پوچھا کون؟ سوار نے کہا میں ہوں علیؑ - حضرت ابوبکر بولے خدا کی قسم میں نے (علیؑ کو دیکھکر) بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں جانا مگر حضرت علیؑ وہ سورہ ان دونوں صاحبوں سے لے کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے - ادھر حضرت ابوبکر و عمر مدینہ کی طرف پلٹ آئے اور دونوں نے آنحضرتؐ سے عرض کی اے رسولخدا ہم نے کیا قصور کیا (کہ اس شرف سے محروم کر دیئے گئے)؟ حضرتؐ نے فرمایا تم لوگوں کا کچھ حرج نہیں ہے خیر ہی خیر ہے لیکن مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اس سورہ کو سوائے میرے اور اُس شخص کے جو مجھ ہی سے ہو اور کوئی نہیں پہونچا سکتا (قرۃ العینین صث ۲۳۴) یہ امر قابل غور و تدبر ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم پر خدا نے یہ اعتراض کیوں کیا کہ تم نے ابوبکر و عمر کو کیوں بھیج دیا؟ سورہ کی تبلیغ یا تم کر سکتے ہو یا وہ شخص جو تم ہی سے ہو اس سے یہ تو ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر و عمر حضرت رسولخدا سے نہیں تھے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت

علیؑ حضرت رسولخدا صلعم ہی سے تھے۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح ہوا کہ ایک سورہ کی تبلیغ کی خدمت بھی جو حضرت ابوبکر و عمر کے سپرد کی گئی خدا کو پسند نہیں ہوئی اور اس نے اس خدمت سے ان حضرات کا معزول کر دینا ضروری سمجھا۔ اور اسکی وجہ سے ان حضرات کو جو صدمہ ہوا اسکی پروا بھی نہیں کی یہاں تک کہ حضرت ابوبکر تو آکر خدمت رسولؐ نے میں رونے بھی لگے۔ خود اسکی عبارت سنو۔ عن ابی بکر ان النبیؐ بعثہ ببراءۃ الی اھل مکۃ فسار بھا ثلثا ثم قال لعلی الحقہ فرد علی ابی بکر و بلغہا انت فلما قدم ابوبکر بکے۔ فقال یا رسول اللہ حدث فی شئ وقال ماحدث فیک الا خیر ولکن امرت ان لا یبلغہ الا انا او رجل منی۔ حضرت ابوبکر بیان کرتے تھے کہ ان کو حضرت رسولؐ نے سورہ براءۃ لے کر اہل مکہ کی طرف بھیجا وہ اس کو لے کر روانہ ہوئے تو تین دن بعد آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا تم جلد جاکر راہ ہی میں ابوبکر سے لو اور انھیں میرے پاس واپس کر کے خود جاؤ اور اس سورہ کی تبلیغ کرو۔ حضرت علیؑ نے ایسا ہی کیا جس کے بعد حضرت ابوبکر آنحضرتؐ کے پاس واپس آکر رونے لگے۔ پھر پوچھا اے رسولخدا کیا میرے متعلق کوئی امر حادث ہو گیا؟ حضرتؐ نے فرمایا جو بات حادث ہوئی وہ بہتر ہی بہتر ہے۔ بات یہ ہے کہ مجھے خدا کا حکم پہونچا کہ اس حکم کی تبلیغ یا میں کروں یا وہ شخص کرے جو مجھ ہی سے ہو (کنز العمال جلد اصفحہ ۲۴۶) مگر اس رونے پر بھی خدا نے نہ اپنا حکم بدلا نہ آپکی کچھ تشفی کی۔ اس روایت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت عمر بھی روئے۔ غالباً اسکی وجہ یہ ہو کہ حضرت ابوبکر بڑے نرم دل اور حضرت عمر بڑے مضبوط دل کے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک سورہ کی تبلیغ سے اسلام کا کیا نقصان ہو رہا تھا یا خدا کا کیا بگڑ رہا تھا یا مسلمانوں کے لئے کس ضرر عظیم کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا جسکی وجہ سے خدا نے اس قدر اہتمام کیا۔ کاش اس کے بعد ہی کسی اور سورہ کی کسی خدمت کا کام ان حضرات کے سپرد کر دیا گیا ہوتا جس سے ان حضرات کی کچھ تو تسکین ہوتی۔ یا اس معزولی کی وجہ سے ان حضرات کے متعلق جو تبعات پیدا ہوتے ہیں ان کا کچھ علاج ہوتا اور مخالفین کو اعتراضات کا موقع نہ ملتا۔

چھٹی فصل

عمرو عاص کے ماتحت رکھے جانا

علماء اسلام نے اس امر کو بھی بہت اہمیت سے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کو حضرت رسولخدا نے

(جن کا کوئی فعل بغیر وحی خدا نہیں ہوتا تھا) عمرو عاص ایسے شخص کی ماتحتی میں رکھا اور اُن کو آپ لوگوں پر سردار بنا کر جہاد میں روانہ کیا۔ چنانچہ سریہ ذات السلاسل میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ یہ امر حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی شان کے بہت خلاف سمجھا گیا۔ اس اعتراض کو جناب شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے "حضرت رسول اللہ ابو بکر و عمر را تعینات و تابع عمرو بن العاص ساخت و اورا بر ایشاں امیر کردہ و ہم چنیں اسامہ را بر ایشاں سردار کردہ۔ اگر ایشاں را لیاقت ریاست می بود یا دریں باب افضل و اولیٰ می بودند چرا ایشاں را رئیس نمی کرد و دیگراں را تابع ایشاں می ساخت۔ حضرت رسولؐ نے حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کو عمرو بن عاص کے ماتحت تعینات کر کے اور ان کا تابع بنا کر بھیجا اور اُنکو ان حضرات پر حاکم مقرر کیا۔ اسی طرح حضرتؐ نے اسامہ کو بھی ان لوگوں کا سردار بنا دیا تھا۔ اگر ان دونوں صاحبوں میں سرداری کی قابلیت ہوتی یا اس باب میں وہ افضل و بہتر ہوتے تو کیوں آنحضرتؐ انھیں لوگوں کو سردار اور دوسروں کو ان کا تابع نہ کرتے (تحفہ اثنا عشریہ باب طعن ۶) اس سرداری میں عمرو عاص نے ان دونوں بزرگوں کے ساتھ پورے افسر و ماتحت کا برتاؤ کیا بلکہ سختی بھی کی۔ مگر حضرت رسولؐ کو ان باتوں کی خبر ہوئی تو حضرتؐ نے عمرو عاص پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ اُس سلوک کی مدح و ثنا ہی کی۔ علامہ ابن حجر نے لکھا ہے ان عمرو بن العاص امرھم فی تلک الغزوۃ ان لا توقد وا نارا فانکر ذلک عمر فقال له ابو بکر دعه فان رسول اللہ لم یبعثه علینا الا لعلمه بالحرب ... فسکت عنه ... وروی ابن حبان من طریق قیس بن حازم عن عمرو بن العاص ان رسول اللہ بعثه فی ذات السلاسل فسأله اصحابه ان یوقدوا نارا فکلموا ابا بکر فکلمه فی ذلک فقال لا یوقد احد منکم نارا الا قذفته فیها۔ قال فلقوا العدو فهزموهم فارادوا ان یتبعوهم فمنعهم فلما انصرفوا ذکروا ذلک للنبیؐ فسأله فقال کرهت ان اذن لهم ان یوقدوا نارا فیری عدوهم قلتهم وکرهت ان یتبعوهم فیکون لهم مدد فحمد امره۔ سریہ ذات السلاسل میں عمرو عاص نے فوج کو حکم دیا کہ کوئی شخص آگ نہ روشن کرے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اعتراض کیا کہ عمرو عاص اس سے کیوں منع کرتا ہے تو ان سے حضرت ابو بکرؓ نے کہا تم چپ ہو کیونکہ حضرت رسولؐ نے اسی وجہ سے تو عمرو عاص کو ہم لوگوں کا سردار بنا کر بھیجا ہے کہ اس کو فن حرب کا علم ہم لوگوں سے زیادہ ہے تب حضرت عمرؓ خاموش ہوئے ... اور ابن حبان نے خود عمرو عاص سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے ان کو ذات السلاسل میں سردار بنا کر بھیجا تو فوج

نے درخواست کی کہ ان کو آگ روشن کرنے کی اجازت ملے مگر عمرو عاص نے اس سے روکا۔ تب ان لوگوں نے حضرت ابوبکر کو بیچ میں ڈالا۔ انھوں نے عمرو عاص سے کہا ان لوگوں کو آگ جلانے کی اجازت کیوں نہیں دے دیتے تو عمرو عاص نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ اگر تم میں سے کسی شخص نے بھی آگ روشن کی تو میں اس کو اسی آگ میں ڈال کر جلاڈالوں گا۔ غرض دشمن سے مقابلہ ہوا تو مسلمانوں نے ان کو شکست دی اور وہ سب بھاگے تو صحابہ نے ان کا پیچھا کرنا چاہا۔ لیکن عمرو نے اس سے بھی منع کیا۔ پھر جب یہ لوگ مدینہ واپس آئے تو عمرو عاص کی ان سختیوں کی شکایت حضرت رسولؐ سے کردی حضرتؐ نے عمرو عاص سے وجہ پوچھی تو جواب دیا اگر میں آگ جلانے کی اجازت دے دیتا تو دشمنوں کو ہماری کمی تعداد کا پتا مل جاتا۔ اور اگر ان لوگوں کو دشمنوں کا تعاقب کرنے کی اجازت دیتا تو ممکن تھا کہ دشمنوں کو کمک آجاتی۔ آنحضرت صلعم نے یہ سب سُنا تو عمرو عاص کی تعریف کی اور ان باتوں کو پسند کیا (فتح الباری کتاب المغزوات۔ بیان غزوہ ذات السلاسل پ ۱۷ ص ۶۷)۔ اس غزوہ میں حضرت عمر اور عمرو بن العاص کے درمیان سخت کلامی کی نوبت بھی آگئی۔ مگر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو سمجھا کر قصہ فرو کیا۔ محدث جمال الدین نے لکھا ہے عمرو بن العاص گفت ہیچ احدے آتش روشن نہ کند الاکہ اورا در آتش اندازم و در روایتے آں کہ عمر فاروق برعمرو انکار کرد و سخن درشت گفت عمرو گفت اے عمر مامور شدہ۔ بہ آں کہ سخن من بشنوی و فرمان بری۔ جواب داد کہ آرے عمرو گفت پس بآں امر ممتثل شو د ابوبکر با عمر گفت بگذار اور ا بحال خود۔ بدرستی کہ جناب رسولخدا ویرا برما امیر نگردانیدہ مگر بجہتہ آں کہ وے مصلحت حرب را نکو می داند۔ غزوہ ذات السلاسل میں عمرو عاص نے حکم جاری کیا کہ جو شخص بھی آگ روشن کرے گا میں اس کو اُسی آگ میں جھونک دونگا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے عمرو عاص پر اعتراض کیا اور کوئی سخت بات کہہ دی تو عمرو عاص نے کہا کیوں عمر! کیا تم میرے ماتحت نہیں کئے گئے اور تم کو حکم نہیں ہوا ہے کہ میری بات سنو اور میری اطاعت کرو؟ حضرت عمر نے کہا ہاں یہ حکم تو ہے۔ عمرو عاص نے کہا بس تو پھر جو میں کہتا ہوں اسکی تعمیل کرو۔ اور حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا کہ انکو انکے حال پر چھوڑدو کیونکہ حضرت رسولخدا نے ان کو ہم لوگوں کا سردار اسی وجہ سے مقرر کیا ہے کہ ان کو فن حرب کا علم اور اسکی مصلحتہ زیادہ اور بہتر معلوم ہے (روضتہ الاحباب جلد ا ص ۴۱۳)

ابوعبیدہؓ کی ماتحتی حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت عمر کو جناب ابوعبیدہ کے ماتحت بھی بھیجا تھا (دیکھو

اس کتاب کا صـ۶۳) ۔ محدث جمال الدین غزوات ذات السلاسل کے بیان میں لکھتے ہیں عمرو در راہ توقف نمود و رافع بن مکیث جہنی را بہ نزد حضرتؐ فرستاد مدد طلبید۔ آں سرور لوا ئے عقد فرمود و بہ ابوعبیدہ بن الجراح داد و وے را امیر دویست مرد گردانید کہ از آں جملہ ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما بودند بمدد عمرو فرستاد۔ عمرو عاص نے راہ میں ٹھہر کر رافع کو آنحضرتؐ کے پاس بھیجا اور حضرتؐ سے اور فوج کی مدد طلب کی۔ حضرتؐ نے ایک علم ابوعبیدہ بن الجراح کو دیا۔ اور انکے ماتحت دو سو آدمی کئے۔ ان میں حضرت ابوبکر و عمر بھی تھے۔ اور ان سب کو آنحضرتؐ نے عمرو عاص کی مدد کے لئے روانہ کر دیا (روضۃ الاحباب جلد ا صـ۴۱۲)۔ سخت حیرت ہے کہ صرف دو سو آدمی جو عمرو عاص کی مدد کے لئے بھیجے جا رہے ہیں ان کے سردار بھی حضرت ابوبکر یا حضرت عمر نہیں مقرر کئے گئے بلکہ اس حقیر لشکر میں بھی دونوں بزرگ ماتحت ہی بنا کر بھیجے گئے اور سرداری ابوعبیدہ کو ملی۔ جب یہ فوج ابوعبیدہ کی ماتحتی میں عمرو عاص کے پاس پہنچی تو پھر یہ سب لوگ عمرو عاص کے ماتحت ہو گئے۔ یہ جملہ بھی قابل عبرت ہے کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وصیت فرمودہ بود کہ اختلاف مکنید آنحضرت صلعم نے ان سب لوگوں سے وصیت کی تھی کہ خبردار اختلاف نہ کرنا۔ مگر حضرت ابوبکر و عمر نے آگ روشن کرنے کے بارے میں اس قدر اختلاف کیا کہ حضرت عمر نے سخت زبانی بھی کی (روضۃ الاحباب جلد ا صـ۴۱۲)۔ حالانکہ حضرت رسولؐ کے احکام کی پابندی آپ کو سب سے زیادہ کرنی چاہئے تھی اور جب آنحضرتؐ کے حکم سے آپ عمرو عاص کے ماتحت ہو چکے تھے تو انکی اطاعت کر کے اطاعت رسولؐ کا نمونہ دکھا دینا چاہئے تھا۔

ساتویں فصل

اُسامہ کے ماتحت کئے جانا اور اس سے تخلف کرنا

صفر ۱۱ھ میں حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے انتقال سے چند روز قبل (غالباً ۲۶ صفر کو) باوجود شدت مرض صحابہ کو حکم دیا کہ اہل روم سے جنگ کرنے کے لئے لشکر آراستہ ہو۔ اور دوسرے دن اپنے دست مبارک سے ایک علم جنگ طیار کر کے اسامہ بن زید کو دیا اور فرمایا میں تم کو اس فوج کا سردار مقرر کرتا ہوں اس کے ساتھ جاؤ اور رومیوں پر حملہ کرو۔ اور اس قدر جلد جاؤ کہ تمہارے پہنچنے سے پہلے اُن کو خبر نہ ہونے پائے۔ اُسامہ نے تعمیلِ حکم کی اور باہر نکل کروہ

نشان بریدہ بن الحصیب کو دیا اور مدینہ سے روانہ ہو کر مقام جرف میں جو مدینہ سے ۳ میل شام کی طرف ہے پہنچکر قیام کیا تاکہ پورا لشکر وہاں جمع ہو جائے۔ تب سب آگے بڑھیں۔ آنحضرت صلعم نے یہ حکم بھی دیا تھا کہ سوا ے حضرت علیؑ کے اور سب اعیان مہاجر و انصار یعنی حضرت ابو بکر۔ حضرت عمر۔ حضرت عثمان۔ سعد بن ابی وقاص۔ ابو عبیدہ بن الجراح۔ سعید بن زید قتادہ بن النعمان۔ سلمہ بن اسلم وغیرہ بھی اس لشکر میں اسامہ کے ماتحت ہو کر جائیں۔ البتہ حضرت علیؑ کو آنحضرتؐ نے اپنے پاس رکھ لیا۔ اور نہ اسامہ کا ماتحت کیا نہ باہر جانے کو کہا۔ جب صحابہ کو یہ انتظام معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے کہ ایک غلام کو آنحضرتؐ نے اکابر مہاجرین و انصار کا سردار بنا دیا ہے۔ چنانچہ وہ لوگ اپنی دلی حالت کو پوشیدہ نہ کر سکے اور اس کے متعلق برسر مجلس چہ می گوئیاں کرنے لگے۔ جب ان باتوں کی خبر حضرت رسولؐ کو ہوئی تو آپ کو نہایت رنج ہوا بلکہ آپ اس درجہ غضبناک ہوئے کہ باوجود تپ اور درد سر کے عصابہ سر مبارک پر باندھکر دولت خانہ سے باہر تشریف لائے اور منبر پر جا کر بعد حمد و ثنائے الٰہی یہ خطبہ ارشاد فرمایا کہ ایہا الناس یہ کیا باتیں ہیں جو تم لوگ اسامہ کے سردار لشکر مقرر ہونے پر ظاہر کر رہے ہو؟ تم اس سے بھی اسی طرح انحراف کرنے لگے جس طرح اس کے باپ زید کے سردار فوج ہونے پر غزوہ موتہ کے وقت اعتراض کیا تھا۔ آخر اسکی وجہ کیا ہے؟ خدا کی قسم وہ سرداری کا سزاوار ہے اور اُس کا باپ زید بھی امارت کا اہل تھا۔ زید کو بھی میں بہت دوست رکھتا تھا۔ اور اسکے بعد اس کے بیٹے اسامہ کو بھی میں بہت عزیز رکھتا ہوں۔ لہذا تم لوگ اس کے بارے میں میری وصیت کو نیکی اور فرماں برداری کے ساتھ قبول کرو۔ اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو کہ وہ تم لوگوں کے نیکوکار لوگوں سے ہے۔ اس کے بعد حضرتؐ منبر سے نیچے تشریف لائے اور دولتسرا میں چلے گئے۔ اُس وقت اسامہ کی عمر ۱۸ یا ۱۹ سال کی تھی۔ اس خطبہ کے بعد مسلمانوں میں بھی آمادگی پیدا ہو گئی۔ جن کا ارادہ جانے کا ہوتا تھا وہ حضرتؐ کی خدمت میں آکر آپ سے رخصت ہوتے اور لشکر گاہ کی طرف روانہ ہو جاتے تھے۔ اُس روز آنحضرتؐ کا مرض اتنا شدید ہو گیا تھا کہ حضرتؐ بات تک نہیں کر سکتے تھے۔ اُسامہ رخصت ہو کر لشکر گاہ میں آیا اور دوشنبہ کو صبح کے وقت پھر حضرتؐ کی زیارت کے لئے دولتسرا پر حاضر ہوا۔ اُس وقت حضرتؐ کی حالت کچھ سنبھل گئی تھی۔ حضرتؐ نے اسامہ کو رخصت کیا اور اسکے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ غرض اسامہ لشکر گاہ کی طرف واپس آیا اور خود سوار ہونے لگا

تو اسکی ماں نے کہلا بھیجا کہ حضرت رسولؐ پر حالت نزع شروع ہوگئی ہے۔ یہ سُن کر اسامہ اور اکابر صحابہ جو اس کے ساتھ نکل چکے تھے واپس آگئے مگر حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ اب بھی اس کے ساتھ نہیں گئے بلکہ مدینہ ہی میں رہ گئے تھے (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۸۵ و کامل جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ و طبری جلد ۳ صفحہ ۱۸۸ وغیرہ)۔ جب صحابہ نے اسامہ کے ماتحت ہو کر جانے میں تامل کیا تو آنحضرتؐ اس درجہ غضبناک ہوئے کہ نہ جانے والوں پر لعنت کردی۔ علامہ شہرستانی وغیرہ نے لکھا ہے الخلاف الثانی فی مرضہ انہ قال جھزوا جیش اسامۃ لعن اللہ من تخلف عنھا۔ دوسرا اختلاف حضرت رسولؐ کے مرض موت میں پیدا ہوا کہ حضرتؐ نے فرمایا اسامہ کے لشکر کو جلد روانہ کردو۔ خدا لعنت کرے اُن لوگوں پر جو اسامہ کے ساتھ جانے سے پہلو تہی کریں انتہٰے۔ سخت تعجب اس پر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر جو اسامہ کے ماتحت قرار دیئے گئے تھے اور انکو بھی اسکے ساتھ مدینہ سے چلے جانیکا حکم دیا گیا تھا۔ آنحضرتؐ کا یہ قول لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامۃ سننے کے بعد کیونکر اپنی بات پر قائم رہے اور آنحضرتؐ کے غیظ و غضب کی کچھ بھی پروا نہیں کی۔ حضرت ابوبکر و عمر کا اس لشکر میں ماتحت اسامہ بنایا جانا اور آنحضرتؐ کا لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامہ فرمانا متعدد کتب معتبرہ میں موجود ہے (مثلاً علامہ شہرستانی کی کتاب ملل و نحل جلد ۱ صفحہ ۲۔ میرزاہد کی شرح مواقف آخر کتاب تذییل فی ذکر الفرق۔ علامہ آمدی کی کتاب افکار الابکار فصل ۴ قاعدہ ۷۔ ملا یعقوب لنبانی کا رسالہ عقائد۔ علامہ معتزلی کی شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۱ وغیرہ)

آٹھویں فصل

حضرت رسولخدا صلعم نے کوئی دینی کام آپ کے سپرد کیا یا نہیں

حضرت عمر جناب رسالت مآبؐ کے ساتھ مکہ معظمہ میں بہت دنوں رہے اور مدینہ منورہ میں بھی برابر ساتھ رہا۔ حالت اسلام میں دونوں مقاموں کی صحبت ۱۹ سال تک رہی۔ اس درمیان میں آنحضرتؐ کو سیکڑوں ہی کام دوسرے لوگوں کے ذمہ کرنے کا موقع ملا۔ مکہ معظمہ میں بھی بہت خدمات تھیں لیکن انکی تعداد بہرصورت کم تھی۔ مگر مدینہ منورہ میں زیادہ مواقع پیش آئے۔ مثلاً آنحضرتؐ خود مدینہ میں رہے اور لوگوں کو فوج دیکر کسی مہم پر بھیجا یا حضرتؐ ہی کسی غزوہ میں تشریف لے گئے اور علم کسی کے حوالہ کیا۔ یا مقام غزوہ میں کوئی خطرہ پیدا ہوا اور اس کے دفع کرنے کے لئے کسی کا انتخاب کیا۔

یا حضرتؐ باہر تشریف لے گئے اور کسی کو اپنی جگہ مدینہ میں چھوڑ دیا کہ حضرتؐ کی غیبت میں جو ضروریات اسلام پیش آئیں ان کو انجام دے یا کسی جگہ لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے لئے اپنے کسی شخص کو بھیجا۔ یا کسی مقام پر اسلام کی طرف لوگوں میں بدظنی پیدا ہونے لگی۔ اور آنحضرتؐ نے اسکی اصلاح کی غرض سے کسی کو وہاں روانہ فرمایا۔ ان تمام صورتوں میں حضرت عمرؓ کے ذمہ آنحضرت کوئی دینی کام کرسکتے تھے لیکن نہ معلوم کیا مصلحت تھی کہ نہ خدا نے آنحضرتؐ کو اس بات کا حکم دیا کہ حضرت ابوبکرؓ سے فلاں کام لو یا ان کے متعلق اس خدمت کو کرو۔ اور نہ آنحضرتؐ نے خود ہی اس طرف توجہ کی چنانچہ اس سوانح عمری میں اس وقت تک حضرت ممدوح کے جو مفصل حالات مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے قیام کے لکھے گئے ان سب پر تفصیلی نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ امر صحیح ہے۔ اگر کسی چھوٹے اور ناقابل التفات کام کو آنحضرتؐ نے آپ کے متعلق کیا بھی تو اس کا ذکر تاریخی ذخیروں میں نہیں ملتا۔ درصورتیکہ عمرو عاص اور خالد بن ولید تک کے متعلق جو امور کئے گئے ان کا ذکر شرح و بسط سے موجود ہے۔ اس سبب سے سخت حیرت ہوتی ہے کہ کیوں آپ ان تمام مواقع پر نظر انداز کردیئے گئے۔ غزوات کے متعلق تو مورخین و محدثین نے تصریح کردی ہے کہ علَم برابر دوسروں ہی کو ملا کرتے تھے۔ مثلاً علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے اخرج احمد باسناد قوی من حدیث ابن عباس ان رأیۃ النبیؐ کانت تکون مع علی و رایۃ الانصار مع سعد بن عبادۃ۔ امام احمد نے قوی اسناد سے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ وہ بیان کرتے تھے حضرت رسولخدا کا علَم برابر حضرت علیؑ کو ملا کرتا اور انصار کا علَم سعد بن عبادہ کو عطا ہوتا تھا (فتح الباری پ۱۲ صفحہ ۱۰۶) اور علامہ ابن عبدالبر نے جناب ابن عباس سے روایت کی ہے کہ قال لعلی اربع خصال لیست لاحد غیرہ۔ ھو اول عربی وعجمی صلے مع رسول اللہؐ وھوالذی کان لوائہ فی کل زحف جناب ابن عباس فرماتے تھے کہ حضرت علیؑ میں چار فضیلتیں ایسی تھیں جو کسی اور شخص کو میسر نہیں ہوئیں۔ آپ ہی دنیا بھر میں وہ بزرگ ہیں کہ ہر جہاد۔ ہر مہم۔ ہر معرکہ میں آنحضرت صلعم کے علَم بردار ہوا کرتے اور آپ ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے حضرت رسولخدا کے ساتھ سب سے پہلے نماز پڑھی (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۴)۔ اور اپنی جگہ چھوڑ جانے کے متعلق بھی آنحضرت کو دو بڑے موقع پیش آئے۔ ایک جب حضرتؐ مکہ معظمہ سے مدینہ کو ہجرت فرماتے تھے کہ اس وقت تمام امانتوں اور ودیعتوں کا انکے مالکوں تک پہونچا دینا ضروری تھا۔ دوسرے جب حضرت غزوہ

تبوک میں مدینہ سے بہت دور دراز کا سفر کرنے کے لئے آمادہ ہوئے اور کافی زمانہ تک غائب رہنے کی ضرورت پیش آئی۔ ان دونوں موقعوں پر بھی آنحضرتؐ نے حضرت عمر کو اپنی جگہ چھوڑ جانے اور آپ سے اسلام کی اہم ضرورتیں انجام دلانے کا خیال نہیں فرمایا۔ اسلام کی دوسری خدمات کے لئے بھی انتخاب دوسروں ہی کا ہوتا تھا۔ چنانچہ یمن میں لوگوں کو دین خدا کی طرف بلانے کی ضرورت ہوئی مگر آپکے متعلق یہ کام نہیں کیا گیا۔ سورہ براءۃ کی تبلیغ کے لئے آنحضرتؐ نے آپکو مقرر کیا مگر خدا نے اس سے بھی معزول کرا دیا۔ ان سب کے بعد اسلام کا بہت مہتم بالشان امر نصاریٰ نجران سے مقابلہ ہوا کہ آنحضرتؐ نے نجران کے عیسائیوں کو دین اسلام قبول کرنے کے لئے خط لکھا۔ ان لوگوں نے چودہ شخصوں کو اس غرض سے مدینہ بھیجا کہ پیغمبر اسلام کے حالات کی تحقیق کرکے ان لوگوں کو خبر دیں۔ ان میں تین شخص ایسے تھے جو گویا ان کے سردار اور سب کے قائم مقام تھے۔ ایک عبد المسیح ملقب بہ عاقب۔ دوسرے سید۔ تیسرے ابو الحارث۔ جب یہ سب لوگ مدینہ پہونچے تو عمدہ ریشمی کپڑے اور سونے کی انگوٹھیاں پہن کر آنحضرتؐ کے پاس مسجد میں آئے اور آنحضرتؐ کو سلام کیا۔ مگر آنحضرتؐ نے انیں سے کسی کا جواب نہیں دیا بلکہ انکی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس پر وہ سب بہت گھبرائے اور مسجد سے نکلکر بعض اصحاب رسولؐ کے پاس گئے۔ کہا تمہارے پیغمبر نے خود ہی خط لکھکر ہمیں یہاں بلایا مگر جب ہم آئے تو انھوں نے نہ ہمارے سلام کا جواب دیا نہ ہم سے کوئی بات کی۔ اب تمہاری کیا رائے ہے۔ ہم لوگ واپس جائیں یا کچھ قیام کریں۔ یہ اصحاب اُن لوگوں کو کوئی جواب نہیں دے سکے تو حضرت علیؑ سے پوچھا اے ابو الحسنؑ! اس بارے میں آپکی کیا رائے ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا میرا خیال یہ ہے کہ یہ لوگ جو ریشمی لباس اور سونے کی انگوٹھیاں پہنے ہیں پہلے ان سب کو اتار کر راہبوں کا سادہ لباس پہنیں۔ اُس وقت آنحضرتؐ کے پاس جائیں۔ اُن لوگوں نے ایسا ہی کیا تب آنحضرتؐ نے ان کو جواب سلام دیکر فرمایا کہ خدا کی قسم جب یہ لوگ میرے پاس پہلے آئے تھے تو شیطان ان کے ساتھ تھا۔ اسکے بعد آنحضرتؐ نے ان لوگوں سے مسلمان ہونے کو فرمایا۔ ان سبھوں نے انکار کیا۔ تب آنحضرتؐ پر خدا کی طرف سے یہ آیت اُتری فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ اے رسولؐ اسکے بعد بھی اگر یہ نصاریٰ خواہ مخواہ حجت کریں تو ان لوگوں سے کہہ دو کہ آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں اور عورتوں اور نفسوں کو

بلا کر درگاہ خدا میں تضرع و زاری کریں اور خدا سے دعا کریں کہ وہ جھوٹوں پر لعنت کرے (پ ۳ ع ۱۴)
تب آنحضرتؐ نے نصارے نجران کو اس حکم سے مطلع کیا اور فرمایا کہ بہتر ہے آؤ ہم اور تم مباہلہ کریں انھوں نے ایک دن کی مہلت لی کہ مشورہ کر کے جواب دینگے۔ پھر عاقب سے پوچھا کہ اس معاملہ میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا خدا کی قسم تم کو معلوم ہے کہ محمدؐ پیغمبر مرسل ہیں اور انھوں نے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ایک واضح دلیل پیش کر دی ہے۔ ہرگز ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ تم سب ہلاک ہو جاؤگے۔ اگر چاہتے ہو کہ اپنے مذہب پر قائم رہو تو اُن سے صلح کر لو اور جزیہ دینے پر راضی ہو جاؤ۔ غرض دوسرے دن صبح کو یہ لوگ حضرت رسولؐ کی طرف چلے۔ اور اُدھر سے آنحضرتؐ خود اپنے حجرہ سے اس طرح باہر نکلے کہ حضرت حسینؑ بن علیؑ کو بغل میں لئے۔ حضرت حسنؑ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ جناب فاطمہ زہراؑ حضرتؐ کے پیچھے تھیں۔ حضرت علی مرتضیٰؑ سب کے عقب میں تھے اور آنحضرتؐ ان لوگوں سے فرماتے تھے جب میں دعا کروں تم لوگ آمین کہنا۔ سبحان اللہ وہ کیسا وقت اور کیسی حالت تھی۔ کس درجہ کے شاہد اور کس مرتبہ کے مشہود تھے۔ جب نصارے نجران کے گروہ نے ان حضرات پنجتنؑ پاک کو دیکھا اور انکی دعا و آمین کا ذکر سُنا تو خوف سے لرزنے لگے۔ مورخین نے تصریح کی ہے اما نصارے نجران فانھم ارسلوا العاقب والسید فی نفر الی رسول اللہ وارادوا مباھلتہ فخرج رسول اللہ ومعہ علیؑ وفاطمۃ والحسنؑ والحسینؑ فلما راٰھم قالوا ھذہ وجوہ لو اقسمت علی اللہ ان یزیل الجبال لازالھا ولم یباھلوہ وصالحوہ۔
نجران کے عیسائیوں نے عاقب، سید اور بہت سے عیسائیوں کو حضرت رسولؐ کے پاس بھیجا اور حضرتؐ سے مباہلہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس پر ان لوگوں کی طرف حضرت رسولؐ تشریف لے گئے اور اپنے ساتھ حضرت علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ کو بھی لے لیا۔ جب عیسائیوں نے ان حضرات کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ تو وہ (عظیم الشان) چہرے ہیں جو اگر خدا سے دعا کریں کہ پہاڑوں کو انکی جگہ سے ہٹا دے تو یقیناً خدا ان سب کو ہٹا دے گا۔ غرض ان لوگوں نے مباہلہ نہیں کیا اور آنحضرتؐ سے صلح کر لی (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۱۲ وغیرہ) لـه یہ بھی ایک موقع تھا کہ حضرت رسولؐ اپنے

لـه یہ اسلام کی جلیل القدر فتح اور قابل فخر کامیابی تھی جس پر مسلمانوں کو قیامت تک ناز اور مباہات کرنی چاہئے مگر افسوس مولوی شبلی صاحب نے اس کو بہت مختصر کر کے صرف ان لفظوں میں ادا کر دیا:۔ "جب یہ لوگ اس پر راضی نہ ہوئے تو آنحضرتؐ نے وحی کے مطابق ان سے کہا کہ اچھا مباہلہ کر لو۔ یعنی ہم تم

اپنی شیعہ بی بی کو سُنی کرنا چاہا تو شیعہ لڑکی نے کہا "تحقیق کریں کہ قرآن مجید سے سُنی مذہب کا حق ہونا ثابت ہوتا ہے یا شیعہ مذہب کا۔ قرآن مجید جس کے مذہب کو صحیح کہے اُسی ... ہم دونوں اختیار کریں" چنانچہ یہ زبردست بحث شروع ہوئی اور کل اصول و فروع دین میں دونوں شخص اپنی قابلیت کے جوہر دکھلانے لگے خصوصاً تقیہ۔ تبرا۔ خدا کے مجسم ہونے۔ توحید۔ بدا۔ عدل۔ تحریف قرآن۔ قرآن مجید پر شیعوں کے ایمان ہونے یا نہ ہونے۔ قرآن مجید کے ساتھ سنیوں اور شیعوں کے برتاؤ۔ نبوت۔ امامت و خلافت مسح قدمین۔ نماز میں ہاتھ کھولنے۔ بسم اللہ کہنے۔ روزے کے مسائل۔ متعہ کی تحقیق۔ نماز جماعت۔ بجا مشرکین وغیرہ پر خوب خوب بحثیں ہوئیں مگر ہر مسئلہ میں شیعہ بی بی نے ثابت کر دیا کہ مذہب شیعہ ہی قرآن مجید کے مطابق اور مذہب اہلسنت قرآن مجید کے مخالف ہے۔ آخر سُنی مولانا صاحب نے مذہب قبول کر لیا اور شیعہ ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ ۵۱۶ صفحہ کی اس کتاب میں سُنی و شیعہ کے کل اختلافات پر کامل تحقیق و جامعیت سے تبصرہ کر کے صراط مستقیم بالکل واضح کر دی گئی ہے۔ کاغذ۔ لکھائی۔ چھپائی سب اعلےٰ درجہ کی قیمت صرف ڈھائی روپیہ ...

تاریخ ائمہ | آج تک اردو زبان میں ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں شیعوں کے کل بزرگان دین کے مفصل حالات اور قابل فخر کارنامے خود اہلسنت کی نہایت معتبر کتابوں سے ایک جگہ جمع کئے گئے ہوں۔ اب علیم السادات کی کتاب تاریخ ائمہ میں مشہور انبیاء کرام کے ضروری حالات۔ پھر حضرت رسول خدا صلعم کے حالات لکھ کر آپ کی ازواج و اصحاب کرام کے حالات لکھے گئے۔ اس کے بعد حضرات ائمہ طاہرین کے مفصل سوانح زندگی اور قابل ناز دینی و دنیوی کارنامے نہایت دلچسپ عنوان سے جمع کئے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ائمہ طاہرین کی ازواج و اولاد و اقربا کے بھی نہایت معرفت خیز حالات لکھے گئے ہیں۔ علم دوست حضرات نے تسلیم کر لیا کہ اس کتاب میں گویا دریا کو کوزے میں بند کیا گیا ہے۔ آج تک ہمارے پیشوایان دین کے ایسے قابل قدر حالات دنیا کی کسی زبان (عربی۔ فارسی۔ اردو) میں نہیں لکھے گئے۔ جناب مولانا و مقتدانا آقا سید سبط نبی صاحب قبلہ مجتہد اعلےٰ اللہ مقامہ ساکن نوگانواں سادات و شیعہ ڈین مسلم یونیورسٹی علیگڈھ نے اس کتاب کو اس درجہ پسند فرمایا کہ اس کے نسخے بذریعہ وی پی طلب کئے اور اسے علی گڈھ کالج و اسکول کے شیعہ طلاب کے نصاب تعلیم میں داخل کرا دیا۔ کاغذ۔ لکھائی۔ چھپائی سب اعلےٰ درجہ کی۔ ضخامت ۱۶ صفحہ قیمت صرف ... مگر خریداران اصلاح سے صرف ... علاوہ محصول ڈاک۔ جلد طلب کیجئے۔ یہ کتاب ایک نعمت بے بہا ہے اگر جلد نہیں منگائیے گا تو دوسری طبع کا شدید انتظار کرنا ہوگا۔ کیا عجب اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا جائے

مجالس خاتون | اردو زبان میں چند سال قبل تک کوئی کتاب ایسی نہیں ملتی تھی جو خاص

عورتوں کی زنانی مجلسوں کے لئے لکھی گئی ہو اور جس کو بہنیں خود پڑھکر دوسری بہنوں کو سنائیں اور انھیں ثواب کریں۔ یہ کمی بہت دنوں سے محسوس ہو رہی تھی۔ اس کو رفع کرنے کے لئے کتاب مجالس خاتون لکھی گئی جس میں پہلی محرم سے ۱۰ محرم تک ہر روز اور ہر رات میں عورتوں کے پڑھنے کی تین تین مجلسیں لکھی گئیں۔ اس طرح ۳۰ مجلسوں کا یہ ایسا قیمتی ذخیرہ ہو گیا ہے جس کا ہر شیعہ عورت کے پاس ہر وقت رہنا ضروری ہے۔ ہر مجلس کے آخر میں مصائب بہت رقت خیز اور رلانے والے دردناک نوحے بھی لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ بہنوں کو حدیث پڑھنے کے بعد کسی دوسرے نوحہ کے رکھنے کی ضرورت نہ ہو بلکہ اسی کتاب سے یہ ضرورت بھی رفع ہو جائے۔ پہلی دفعہ چھپ کے پوری کتاب ختم ہو گئی تھی اب دوبارہ چھپوائی گئی ہے۔ اسکے بھی صرف چند نسخے باقی ہیں۔ جلد منگا لیجئے ورنہ تیسرے چھاپے کا انتظار کرنا ہوگا قیمت

حضرت ابو بکر حضرت ابو بکر کی سوانح عمری بھی خدا کے فضل و کرم سے بڑی تحقیق و جامعیت سے لکھی اور شائع کی گئی ہے جسکے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں ممدوح کے مفصل حالات ہجرت تک شائع ہوئے ہیں۔ اسمیں خاص کر مضامین نہایت دلچسپ اور ایمان افروز ہیں۔ آپکی نسبی حالت اور عرب میں آپکے خاندان کی حیثیت۔ آپ کے والدین و اجداد و اخوات و دیگر اعزہ مخصوصین کے حالات۔ آپکا خاندانی پیشہ۔ آپ کے خاندانی پیشہ کے نتائج اور اسکے دنیوی و دینی خصوصیات۔ آپکی ولادت کے حالات۔ حلیہ۔ نام۔ کنیت۔ القاب۔ اور ان کے وجوہ و اسباب۔ عہد طفولیت تعلیم و تربیت۔ ذریعہ معاش۔ حضرت رسولخدا صلعم سے آپکا برتاؤ۔ خاندان بنی ہاشم سے تعلقات۔ حضرت عمر سے تعلقات زمانہ جاہلیت کے کارنامے اور اس عہد میں آپ کے مذہب کی تحقیق۔ آپ کا قبول اسلام۔ اولیۃ اسلام کی بحث۔ آپ کے اسلام قبول کرنے کے اسباب و علل۔ آپ کے اسلام یا ایمان کی حقیقت۔ ابتدائے اسلام میں آپ کا اجتہاد اور اس کا نتیجہ۔ حضرت رسولخدا صلعم کی مالی اعانت کرنے کی تحقیق آپ کے دل میں حضرت رسولخدا صلعم اور اسلام کی عزت و محبت۔ حضرت عائشہ کی شادی حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ کیوں کی جب کہ وہ صرف ۶ سال کی تھیں۔ کیا چھ سالہ لڑکیوں کی شادی ملک عرب کے شریف لوگوں میں ہوتی تھی۔ ہجرت میں آنحضرت صلعم آپ کو اپنے ساتھ لے گئے یا آپ خود ہی چلے گئے۔ سفر ہجرت کے کارنامے۔ معیت غار اور اوس کے کارنامے۔ کاغذ لکھائی چھپائی اعلیٰ ۲۶۰ صفحہ قیمت عمر

مشعل ہدایت جناب حاجی سید اظہار حسین صاحب بی۔ اے مجسٹریٹ پنشنر کھجوا کی مشہور اور زبردست تحقیقی کتاب جسمیں دکھایا گیا ہے کہ خدا اپنے کلام پاک میں رسولخدا اور اُنکے آل و اصحاب کے لئے کیا فرماتا ہے اور قرآن مجید سے آل اطہار کا کیا پایہ ثابت ہے اور اصحاب کس مرتبہ پر فائز ہیں۔ ان حقائق کی موجودگی میں امت پر کس کی پیروی اور کس حد تک فرض ہے۔ بہت ہی قابل قدر کتاب ہے۔ حجم ۱۴۱ صفحہ قیمت صرف عمر۔ المشتہر منیجر اصلاح کھجوا

(سید قائم الدین حیدر نے جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ کے واسطے اصلاح پریس کھجوا میں چھاپ کر شائع کیا)

۷۸۶

جریدۂ مبارکہ

اصلاح

(تاریخ اجراء ۱۵ رشعبان سنہ ۱۳۱۵ ہجری)

نمبر ۴	ماہ ربیع الآخر سنہ ۱۳۵۹ھ	جلد ۴۴

مدیر

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم

مقام اشاعت

کھجوا (صوبہ بہار)

چندہ سالانہ خاص ہندوستان سے ۔۔۔ روپیہ مع محصول ڈاک

چندہ سالانہ [illegible]

۸-۱۱-۰

جوہر قرآن و سوانح عمری خلیفہ دوم کی قیمت تین روپے بعد محصول یکجا طلب جوہر قرآن کی طرح [illegible] بخاری [illegible]

اور بہت دلچسپ مفید اور محققانہ ناول بھی رسالہ اصلاح کے ساتھ انشاء اللہ جلد از جلد شروع کیا جائیگا
جس میں دکھایا جائیگا کہ خود اہلسنت کی مشہور کتاب صحیح بخاری میں بھی جس کو قرآن مجید کے برابر سمجھا جاتا ہے ہفوات
خرافات کا کس قدر انبار لگا ہوا ہے اور عقل و قرآن مجید کے خلاف کس کثرت سے حدیثیں بھری ہوئی ہیں۔
اس کے ساتھ مذہب شیعہ کے موافق بھی کتنا زبردست ذخیرہ موجود ہے جس سے ہر انصاف پسند شخص آسانی سے
تسلیم کریگا کہ اسلام میں مذہب شیعہ ہی حق ہے اسکے مقابلہ میں دوسرے فرقے اپنے کو حق [illegible]
اس جدید کتاب کی وجہ سے رسالہ کے صفحات میں اضافہ کرنا پڑیگا جس کے کاغذ کا جلد از جلد انتظام کرنے کے
لئے۔ ماہ رجب ۱۳۵۹ھ تک رسالہ اصلاح کے جدید خریداروں کو کتاب تاریخ ائمہ بجائے [illegible] کے [illegible] میں
دلچسپ ناول جوہر قرآن ۵۱۶ صفحہ بجائے [illegible] کے [illegible] میں اور سوانح عمری خلیفہ دوم کا پہلا حصہ ۲۷۶ صفحہ بجائے
[illegible] کے صرف [illegible] میں دیا جائیگا۔ جلد طلب کر لیجئے ورنہ طبع ثانی کے انتظار کی سخت زحمت ہوگی۔

سوانح عمری حضرت خلیفہ دوم حصہ اول یہ کتاب بھی ۲۷۶ صفحہ پر دفتر اصلاح لکھنؤ سے شائع ہوگئی [illegible]
عظیم الشان علمی اور اسلامی کارنامہ ہے۔ جب سے مشہور علامہ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے خلیفہ دوم
حضرت عمر کی مشہور سوانح عمری "الفاروق" شائع کی مذہب شیعہ پر اس سے جو حملہ ہو رہا تھا [illegible] کے خیالات
پر اس کا نہایت مضر اثر پڑنے لگا تھا۔ خاصکر تعلیم یافتہ شیعہ [illegible] مذہب سیاست [illegible]۔ چنانچہ
صائب الرائے۔ ہمدرد اسلام۔ بہی خواہ مسلمین۔ حیرت انگیز [illegible] فخر اسلامی [illegible]
اسی وجہ سے انصاف پسند مسلمانوں میں بڑی بے چینی تھی کہ کسی طرح حضرت عمر کی ایسی ہی اور تحقیقی سوانح عمری
بھی لکھی جاتی جس سے آپ کے اصلی حالات اور صحیح واقعات زندگی معتبر کتابوں سے واضح ہو جاتے
اور "الفاروق" کا زہریلا اثر مٹ جاتا۔ الحمد للہ کہ یہ دیرینہ آرزو بر آئی اور دفتر اصلاح سے
حضرت ممدوح کی ایسی ہی سوانح عمری کا پہلا حصہ ۲۷۶ صفحہ میں شائع ہو گیا۔ جس میں موضوع [illegible]
فضائل کی کل حدیثوں پر تبصرہ کر کے ان کا موضوع ہونا ثابت کر دیا گیا۔ اور پھر آپ کی پیدائش
سے ہجرت مدینہ تک کے مفصل حالات جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس سوانح عمری نے مسلمانوں کو [illegible]
کر دیا ہے۔ قیمت صرف [illegible] مجلد منگا لیجئے تاکہ دوسرے حصہ کے ساتھ پہلے حصہ کے ملاحظہ کا لطف [illegible]

جوہر قرآن نہایت اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح حیدرآباد دکن میں ایک تعلیم یافتہ
نہایت تیز شیعہ لڑکی کی شادی ایک زبردست محقق و علامہ اہلسنت سے ہو گئی جسکے بعد سنی مولانا صاحب نے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصلاح

نمبر ۴ | ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۹ سنہ ہجری | جلد ۴۴

اس سال کھجوا کا طاعون اس سال عشرہ محرم کے بعد ہی کھجوا میں انفلوئنزا کی وبا پھیلی جس میں کئی قیمتی جانیں ضائع ہوئیں۔ جیسے برادرم سید شاہد رضا صاحب کھجوی کے لڑکے باقر اور برادرم مولوی سید اظہار الحسنین صاحب عشروی کی دو لڑکیوں نے مونیا سے انتقال کیا۔ اسکے فوراً ہی بعد طاعون کا زور ہوا۔ چونکہ مدت دراز کے بعد اس سال یہ وبا پھیلی اس سے خوف و انتشار بہت ہوا۔ ایسی سمیت تھی کہ جتنے بیمار ہوئے ان سے بہت کم بچے۔ یہاں کے رہنے والے بہت زیادہ تعداد میں یہ مقام چھوڑ کر دوسری جگہوں پر چلے گئے ہمیں بھی کئی مقام سے اعزہ نے بلایا مگر دفتر کے تعلق کی وجہ سے نہ جا سکے۔ البتہ اپنا مکان۔ محلہ بلکہ قصبہ کی پوری آبادی چھوڑ کر اس مقام سے باہر عیدگاہ کے زیر سایہ ٹٹیوں کا انتظام کر کے ہم بھی اپنے کل متعلقین کے ساتھ چلے گئے اور رجب تک وبا کا پورا زور رہا وہیں مقیم رہے۔ کوشش کی کہ اس زمانہ میں بھی مطبع بند نہ ہو اور کم از کم ماہ ربیع الاول و ربیع الثانی کا اصلاح شائع کردیں مگر کسی طرح کامیابی نہیں ہوئی۔ کیونکہ مطبع کے بعض افراد بھی اس مقام کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے گئے تھے۔ مجبوراً مطبع اصلاح بند پڑا رہا۔ اور ہم اپنے ہمدردوں کو اسکی بھی اطلاع نہیں دے سکے کہ کس مصیبت میں گرفتار ہیں۔ طاعون سے بھی بہت قیمتی جانیں ضائع ہوئیں جن میں عزیزم مختار مرحوم ابن سید مظہر الحسن صاحب مرحوم (۱۵ ربیع الاول) اہلیہ برادرم مولوی سید محمد صاحب (۲۵ ربیع الاول) اور دختر صفدر حسن صاحب کے حادثے خاص طور پر قابل ذکر ہیں کہ بہت سخت ہوئے۔ خدائے کریم مرحومین کے درجات عالی کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ مومنین سورہ فاتحہ و توحید کا ثواب سب کی روحوں کو ایصال کر کے شکر گزار کریں۔ اور دعا کریں کہ آئندہ خدا اس وبا سے سب کو محفوظ رکھے۔

غرض عجیب زمانہ وحشت وانتشار کا اس گزرا ہے۔ جس کو معمولی شکایت بھی ہوتی اسی وقت اسکی زندگی سے مایوسی ہوجاتی تھی اور چونکہ قصبہ میں بہت کم لوگ رہ گئے تھے اس سبب سے باقی ماندہ افراد نہایت خوف وہراس کی زندگی بسر کرتے رہے۔ خدا کے فضل سے ماہ ذی الحجہ اولیٰ میں کچھ اطمینان ہوا تو ہم لوگ بھی ٹٹیوں سے اپنے مکان میں واپس آئے۔ مگر مطبع اصلاح کے کاربردازان آخر ماہ میں پہونچے اور نمبر ۳ و ۴ چھپنے لگے جو بفضلہ ہمدردان اصلاح کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔

معذرت چونکہ گزشتہ ایام ہم سب کی سخت پریشانی کے گزرے۔ مطبع بھی بند رہا۔ ہم بھی آوارہ وطن ہوگئے تھے۔ ڈاک خانہ بھی یہاں سے دور ایک عارضی مقام پر چلا گیا تھا دفتر کے کل امور درہم برہم رہے۔ نہ پرچے روانہ ہوسکے نہ خطوط کی تعمیل ہوسکی۔ نہ فرمائشیں سب پوری ہوسکیں۔ امید ہے کہ آپ حضرات ہمیں معذور سمجھ کر معاف کرینگے اور دعا کرینگے کہ خدا جلد اپنا فضل کرکے ان کل شکایات کی تلافی کرا دے۔ اب بفضلہ تعالیٰ پوری کوشش ہو رہی ہے کہ اصلاح نمبر ۵ و ۶ بھی آپ حضرات تک جلد پہونچ جائیں۔ مگر دفتر کی مالی حالت اس اثناء میں بہت نازک ہوگئی۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ اصلاح جلد جلد آپ کے پاس پہونچنے لگے تو ہر ہمدرد اس کو دو دو جدید خریدار عنایت کرکے شکرگزار کریں۔ اگر رسالہ کے خریدار نہ مل سکیں تو ناول جوہر قرآن و کتاب تاریخ ائمہ و سوانح عمری خلیفہ دوم حصہ اول کے خریدار تو ضرور مل سکتے ہیں۔ بفضلہ یہ کتابیں طیار ہیں اور ان سے مذہب حق کی نہایت مفید تبلیغ ہو رہی ہے۔

انصار اصلاح کا شکریہ حسب ذیل حضرات نے اس سال رسالہ اصلاح کو جدید خریدار عنایت فرما کر شکرگزار کیا (۷) جناب سید احسن صاحب متعلم جماعت دہم حیدرآباد۔ ۱ (۸) جناب سید مالک علی صاحب چیف انجینیر مانگرول ۱ (۹) جناب سید امیر حیدر صاحب گلاس مرچنٹ بمبئی ۲ (۱۰) جناب سید شاہ مظہر حسن صاحب سپرنٹنڈنٹ بستی ۳ (۱۱) جناب حکیم سید محمد زماں صاحب لکھنوی رتلام ۲ (۱۲) جناب سید کرم شاہ صاحب ہیڈ کانسٹبل چوکی دریاخاں ۲ (۱۳) جناب ملک نور خاں صاحب ایس۔ ڈی ضلع میانوالی ۱ (۱۴) جناب ملک محمد علی صاحب نسیم اول مدرس گورنمنٹ اسکول بھیرا۔ ۱ (۱۵) جناب سید علی افضل صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی

وکیل منٹگمری ا (۱۶) جناب ملک گلزار حسین صاحب کیانی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس چارسدہ
ا (۱۷) جناب سید اطاعت حسین صاحب آفیسر لازمی تعلیم سرسی ا (۱۸) جناب سید محمد نواز صاحب
رضوی بی۔ اے فاضل مشرقیات چک جھرا-ا۔
خاص ہمدردان اصلاح نے کتابوں کے خریدار بھی عنایت فرمائے۔ ان میں جناب
حافظ سید امیر کاظم صاحب رئیس نگینہ۔ جناب سید علی افضل صاحب وکیل منٹگمری۔ جناب
مولوی سید یاست حسین صاحب جعفری سیتاپور۔ جناب حکیم سید محمد زماں صاحب طبیب
لکھنوی ریاست رتلام۔ جناب سید نظیر الحسن صاحب سب انسپکٹر پولیس ضلع جھانسی
جناب سید بہادر علی شاہ صاحب نقوی ملتان سٹی۔ جناب ولی محمد خاں صاحب جعفری
لمکانی بلوچ مدرس ضلع مظفر گڈھ۔ جناب سید یوسف حسن صاحب شہر پٹیالہ۔ جناب سید احمد میاں
بڑا میاں صاحب شیرازی ڈھولکا۔ جناب سید سبط حسن صاحب کنسٹبل ضلع جھانسی۔ جناب
سید ارتضیٰ حسن صاحب ناظم شیعہ مشن کراری۔ جناب سید محمد حسنین صاحب جعفری کلرک کسٹم ہاؤس
بمبئی۔ جناب حکیم سید احمد علی خاں صاحب رئیس جے پور۔ جناب آقا سید محمد اکبر صاحب کورٹ انسپکٹر
پولیس کانپور دام مجدہم خاص طور پر قابل شکریہ ہیں کہ دفتر کی کتابیں خود طلب کیں اور دوسرے
مومنین کو بھی آمادہ کر کے ان سے طلب کرائیں۔ مگر اصلاح کے ہزاروں ناظرین سے صرف
اتنے حضرات کی ہمدردی سے کیا کام چل سکتا ہے؟ اس وقت رسالہ اصلاح کو دو بہت
بڑے علمی اور دینی کام انجام دینا ہیں کہ خلیفہ دوم کی سوانح عمری کا دوسرا حصہ ۵۳۶ صفحہ
پر شاندار عنوان سے شائع ہو کر مکمل ہو جائے۔ اور تیسرا نہایت ضروری دلچسپ ناول
تحفہ بخاری بھی شائع کر دیا جائے جس میں دکھایا جائے کہ خود حضرات اہلسنت کی مشہور کتاب
صحیح بخاری سے بھی مذہب اہلسنت کا خدا اور رسولؐ کے خلاف اور مذہب شیعہ کا حق اور
خدا اور رسولؐ کے موافق ہونا کس طرح واضح ہے۔ انشاء اللہ یہ ناول بھی شیعوں کا ایک
عظیم الشان تبلیغی کارنامہ ہوگا۔ اور کیا عجب ہندوستان کی وہابی دنیا میں اس پر بھی بہت بڑا
ماتم قائم ہو جائے۔ مگر بغیر ہمدردان اصلاح کی خاص مستعدی کے یہ کام انجام نہیں پا سکتے
اگر کل حضرات صرف ایک ایک خریدار بھی ایسے عنایت کریں جو دفتر کے بہت مقبول علمی ذخیرے
(۱) تاریخ ائمہ ۸؎ (۲) جوہر قرآن ۸؎ (۳) سوانح عمری خلیفہ دوم حصہ اول ۱۲؎ (۴) ذخیرہ حق ۸؎

دفتر سے منگائیں تو مذکورہ بالا کل امور آسانی سے انجام پاجائیں اور رسالہ بھی وقت پر شائع ہونے لگے۔
اسکی خاص کوشش ہونی چاہیئے کہ رسالہ اصلاح یا کتابوں کے جدید خریداروں سے چندہ پیشگی وصول فرما کر
آپ حضرات بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں جسکے بعد کتابیں فوراً انکی خدمت میں محصول لگا کر بھیج دی جائینگی
وی پی دیر کرکے وصول ہوتا ہے اس وجہ سے دفتر کے امور معطل رہتے ہیں۔ خدا کے فضل سے جوہر قرآن
و تاریخ ائمہ اور سوانح عمری خلیفہ اول و دوم کا بہت مفید نتیجہ پیدا ہو رہا ہے۔ چاروں کتابیں مذہب
حق کی غیر معمولی خدمتیں انجام دے رہی ہیں۔ آپ حضرات پوری کوشش کریں کہ یہ کتابیں کثرت سے
مومنین کے پاس پہنچتی رہیں اور وہ برادران اہلسنت کو بھی یہ سب دکھاتے رہیں۔ جو مومنین اس
سال رسالہ اصلاح کے جدید خریدار ہونگے ان کے ساتھ یہ بڑی رعایت بھی کیجائیگی کہ تاریخ ائمہ بجائے
عا کے صرف عہ ہیں۔ جوہر قرآن بجائے عا کے صرف عہ ہیں۔ سوانح عمری خلیفہ دوم جلد اول بجائے
عہ کے عہ ہیں۔ ذخیرہ حق بجائے ۸ کے صرف ۵ میں دی جائیگی۔

سوانح عمری خلیفہ دوم کی اہمیت

خدا کے فضل سے یہ سوانح عمری امید سے بہت زیادہ
پسند کی جارہی ہے۔ اسکی مدح میں برابر خطوط آتے رہتے ہیں۔ جناب سردار اللہ بخش خاں صاحب
جسکانی بستی غلام حیدر خاں ضلع مظفر گڈھ پنجاب سے لکھتے ہیں " فاضل اجل کامل بالکمل فخر المحققین
شمس العلماء جناب مولانا مولوی السید علی حیدر صاحب قبلہ مدظلہ العالی۔ جناب کے آخری سال ذی الحجہ ۵۸ھ
تک رسالہ جات اصلاح موصول ہو چکے۔ سوانح عمری خلیفہ دوم کی بھی جلد اول تمام ہوکر آچکی۔ اُس کو
پڑھکر دل میں ایسی مسرت پیدا ہوئی جیسے بے اولاد کو اولاد۔ اپاہج بیمار کو مکمل شفا۔ سہ روزہ کے پیاسے
کو آب مل جانے کی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ عالی جاہ اگر میں کوئی بڑا عالم ہوتا تو کئی صفحات بزبان عربی
تقریظ لکھتا۔ بس اتنا عرض کرتا ہوں کہ جناب نے بہت عمدہ سوانح تحریر فرمائی۔ اللہ تعالے دوسری جلد
کو بھی اپنے فضل کمال سے پایہ تکمیل تک پہونچائے۔ میں آپ کے علم پر قربان۔ دل و دماغ کے صدقے
فہم و ذکا محنت شاقہ پر نثار۔ لاکھ لاکھ شکر ہے اس محسن مخلوقات کا جس نے آپکو لاحل معاملہ کے حل کرنیکی
طاقت عطا کی۔ اور قدرت کاملہ نے اُس نیک ماں کی گود کو کیا عمدہ شرف بخشا کہ آپ جیسے نیک کردار بحر
ذخار بچے کو علم کی لوری دیکر محبت کے جھولے میں جھلایا اور تاریخ بینی کا سبق پڑھایا اور سمجھایا کہ میرے پیارے
بچے اللہ تعالے تیری عمر دراز کرے۔ بڑے ہوکر ہادیان دین کے دشمنان کے سوانحات لکھ کر دنیا کو دکھادینا
کہ یہی ہیں ایسے کارنامے والے صحابہ جن کو ناشناس زمانہ خلفاء رسول بتلا کر عوام کو جہنم کا ایندھن بنانا چاہتا ہے

بیشک یہ اُس نیک ماں کی دعا کی برکت ہے کہ آپ نے موجودہ زمانہ میں بصرف کثیر سیکڑوں کتب ہائے کی ورق گردانی کرکے مشہور دشمنان اہلبیت علیہم السلام کے ناشائستہ افعال کے انبار در سر میدان کرکے
ہزاروں بلکہ لاکھوں بندگان خدا کی رہبری فرما کر طبقہ مومنین کو بیحد خوش کرکے حضرات چہاردہ معصومین علیہم السلام کی عین رضامندی حاصل کی۔ مبارکباد صد مبارکباد۔ یا اللہ ایسی مبارک ہستی کو عمر نوح

بخت سکندری عطا ہو اور تازندگی صحت کلی جزو بدن بنا۔ تاکہ ہمیشہ کیلئے دشمنان دین کے خفیہ زہریلے رازوں کا
انکشاف ہونے کے علاوہ مذہب حقہ شیعہ کو فروغ حاصل ہوتا رہے۔ بار الہا مجھ گنہگار کی دعا قبول کر۔"

شیعہ اور قادیانی

جناب من تسلیم میں نے کتاب تو ضیح الظہور دیکھی اچھا لکھا ہے مگر نتیجہ کچھ نہیں سُنی تو وہی مرغے کی ایک ٹانگ کہے جاتے ہیں۔ دوسرے کی نہ سُنتے ہیں اور نہ تحقیق کرتے ہیں۔ چونکہ ایک قادیانی کے جواب میں لکھی ہے اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ایک قادیانی مبلغ سے میرے لڑکے کا مناظرہ ہوا وہ بہت مختصر اور نتیجہ خیز ہوا۔ اگرچہ قادیانی اور سُنی کسی بات کو خواہ حق کیسی ہی اچھی ہو تاویلیں کر کے اپنی ضد پر اڑے رہتے ہیں مگر یقین ہے کہ ناظرین اصلاح اس کو پڑھکر لطف حاصل کرینگے۔ واقعہ یہ تھا کہ کاہ نور ضلع رہتک میں میرا لڑکا ڈاکٹر تھا وہاں پر ایک مبلغ حاکم علی نام آئے دن جلسے کر کے اہل کاہ نور کو پریشان کرتا اور قادیانی مذہب کی تبلیغ کرتا تھا وہاں کے جہلا اُس سے دبتے تھے۔ ایک دن کاہ نور کے سردار جو فوجی لوگ ہیں آکر کہنے لگے کہ ڈاکٹر صاحب آج تم حاکم علی سے مناظرہ کرو۔ اوس نے کہا میں اہلکار ہوں اور مناظرہ سے دوسرا فریق ناراض ہوتا ہے۔ خواہ مخواہ میری شکایت ہوگی۔ مگر لوگوں نے اس بات پر مجبور کیا کہ آج کا جلسہ بھگت لو پھر ہم تکو تکلیف نہ دیں گے۔ چنانچہ وہ گیا اور مناظرہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام حنفیوں نے غل مچا دیا اور حاکم علی کے باپ نے پاس جا کر کہا کہ آج تیرے بیٹے کو ہمارے ڈاکٹر نے ڈھا مارا اسکے بعد حاکم علی شفاخانہ تو آتا تھا مگر پھر مذہبی گفتگو کبھی نہ کی۔ دونوں میں یوں گفتگو شروع ہوئی

ڈاکٹر محمد اعظم۔ ہر رسول اور نبی صاحب وحی ہوتا ہے اور اوسکی خبر صحیح ہوتی ہے ہرگز جھوٹ نہیں ہوتی اور وحی کے تین طریقے ہیں۔ یا فرشتہ سامنے ہو کر خدا کا حکم پہونچاتا ہے۔ جیسے محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ پر وحی آتی تھی۔ دوسرے سچا خواب۔ جیسے حضرت ابراہیم کو ذبح فرزند کا حکم ہوا۔ تیسرے آواز جیسے حضرت موسیٰ کو طور پر آواز ہوئی۔ پس یہ باتیں ضرور سچی ہوتی ہیں اور واقع ہوتی ہیں۔

حاکم علی۔ بے شک بالکل ٹھیک ہے۔

ڈاکٹر محمد اعظم۔ اگر کوئی جھوٹا نبی بن کر کوئی وحی بیان کرے تو بالکل جھوٹ نکلتی ہے۔ جیسے مسیلمہ کذاب وغیرہ۔ اور یہی جھوٹے اور سچے نبی کی شناخت ہے۔

حاکم علی۔ ٹھیک ہے اور مجھے تسلیم ہے۔

محمد اعظم۔ مرزا صاحب کی بہت سی باتوں کے علاوہ صرف ایک بات پیش کرتا ہوں کہ اونھوں نے مولوی ثناء اللہ کے مقابل مباہلہ کیا کہ ہم میں جو جھوٹا ہوگا اس قدر عرصہ کے

اندر عذاب سے مر جائیگا۔ مگر اسکے تین چار ماہ بعد مرزا صاحب ہیضہ کر کے مر گئے۔ آپکو یہ مباہلہ تسلیم ہے۔

حاکم علی ۔ ہاں تسلیم ہے مگر ہمارے پاس مولوی ثناء اللہ کی تحریر ہے جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ حرام زادہ کی رسی دراز ہوتی ہے۔

محمد اعظم ۔ ماشاء اللہ کیا معقول بات کہی۔ صاحبان سُنئے مرزا صاحب تو مباہلہ کر کے جھوٹے ثابت ہوئے اور دوسرے صاحب اپنی تحریر کے ذریعہ کیا ثابت کر دکھایا جلسہ میں قہقہہ پڑ گیا۔

حاکم علی ۔ خاموش رہکر میں پھر جواب دوں گا۔

محمد اعظم ۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہر قوم میں خواہ ہندو ہوں یا مسلمان، عیسائی ہوں یا یہودی۔ تمام لوگوں سے نبی اور رسول حسب نسب میں اعلےٰ ہوتا ہے آپ کو تسلیم ہے یا نہیں۔

حاکم علی ۔ ہاں تسلیم ہے۔ ضرور اعلےٰ ہوتا ہے۔

محمد اعظم ۔ مرزا صاحب اپنے کو سلمان فارسی کی اولاد میں بتاتے تھے۔ بھلا فرمائیے تو سلمان مرزا کب تھے۔ وہ تو مذہب کے زردشتی اور قوم کے گبر تھے۔ جب سے مدینہ آکر مسلمان ہوئے تو کوئی نکاح نہ کیا۔ اور نہ ایسا ثابت ہے۔ پس جو اونکی اولاد ہوگی وہ گبر اور زردشتی تھے اور ایران میں رہے۔

حاکم علی ۔ رسول اللہ کی حدیث ہے کہ سلمان ہم اہلبیت میں سے ہیں۔

محمد اعظم ۔ یہ ایک نسبتی بات ہے جیسا اس ملک میں محاورہ ہے کہ فلاں شخص میری جان ہے۔ فلاں شخص فلانے کا نفس ناطقہ ہے۔ فلانے آدمی کو میں اپنی اولاد سمجھتا ہوں۔

حاکم علی ۔ آپ کو خود تسلیم ہے کہ نبی کی بات جھوٹی نہیں ہوتی اور نص قرآن وما ینطق عن الھوے ہے۔

محمد اعظم ۔ آپ نے اپنے مطلب کی آیت پڑھ دی مگر آپ نے قرآن مجید کی تلاوت پورے طور پر نہیں کی سورہ احزاب کا شروع دیکھئے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ خدا نے تمہارے منہ بولے پالے بالکوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنایا یہ تمہارے کہنے کی بات ہے خدا سچ کہتا ہے اور سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ اون کو اونکے باپوں کے نام سے پکارو اور اگر اون کے باپوں کو نہیں جانتے تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔ تو فرمائیے کہ اس کے بموجب سلمان

کیونکر آل رسول ہو سکتے ہیں اور اہلبیت کا اطلاق صرف پانچ تنوں پر ہوتا ہے جو آلِ عبا کہلاتے ہیں ان کے سوا کوئی اہلبیت نہیں۔ اور اہلبیت دراصل وہ ہو سکتے ہیں جو خدا کے گھر کے مختار ہوں نہ کہ سکونتی گھر میں رہنے والے اور اس کو ان احادیث نے ثابت کر دیا کہ سوائے پانچ تنوں کے کوئی شخص مسجد میں بحالت جنابت نہیں جا سکتا تھا۔ اگر سلمان اہلبیت ہوتے تو اونکے لئے بھی یہی حکم ہوتا مگر کہیں سے ثابت نہیں۔ کہئے آپ اب آیت کو رد کرینگے یا تسلیم کرتے ہیں۔

حاکم علی۔ اچھا میں غور کر کے جواب دوں گا۔

محمد اعظم۔ دنیا میں کسی نبی یا رسول کا کوئی استاد نہیں ہوتا ہے۔ براہ راست روح القدس سے تعلیم پاتے ہیں۔ اگر دنیا میں اونکا استاد ہو تو وہ شاگرد سے افضل ہوگا۔

حاکم علی۔ بے شک استاد شاگرد سے افضل ہوتا ہے اور نہ کسی نبی کا کوئی استاد ثابت ہے۔

محمد اعظم۔ ذرا مہربانی کر کے مرزا صاحب کی ہسٹری دیکھئے کہ جب اسکول میں تعلیم پاتے تھے تو کتنے استاد ہندو اور مسلمان اور عیسائیوں سے تعلیم پائی اور اونکے ایک استاد محمد گل شیعہ مذہب کے تھے۔ یہاں تو مرزا صاحب کی ساری نبوت اڑ گئی۔

حاکم علی۔ میں ان باتوں کے جواب آپ کو پھر دوں گا۔ اسکے بعد جلسہ میں خوشی کا شور مچ گیا اور سب چل دیئے۔

فقط سیاحط ایڈیٹر ناظم نگینہ

رسالہ الشمس | ناظرین اصلاح واقف ہیں کہ سنہ ۱۳۴۳ ہجری سے ایک اور ماہوار رسالہ الشمس بھی دفتر سے شائع ہوتا تھا۔ حضرت حجۃ الاسلام قبلہ و کعبہ جناب شاہ کی رحلت کے بعد ہم نے اس رسالہ کے انتظامات مولوی سید اظہار الحسنین صاحب صدر الافاضل کے متعلق کئے اور اس دفتر کا نام دائرۃ تحقیق رکھکر اس کے رجسٹر وغیرہ بھی انھیں کو دیئے۔ موصوف اسی وقت سے اس سال ربیع الثانی تک اسکے امور برابر انجام دیتے رہے۔ مگر اس سال دس روز میں انکی دونوں لڑکیوں نے منوبا سے انتقال کیا اور ساتھ ہی اس قصبہ میں پلیگ کا زور بھی ہوا جس سے سب باشندے پریشان رہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے صدمات کا اثر والدین کے قلب پر کیا ہو سکتا ہے۔ ممدوح نے سر دست رسالہ الشمس اور دائرۃ تحقیق کے امور ملتوی کر دیئے اور اخبار دن میں بھی اعلان کر دیا کہ محرم سنہ ۵۹ھ سے تفسیر انوار القرآن کی اشاعت ملتوی کر دی ہے۔ اس وجہ سے رسالہ الشمس کی اشاعت اب پھر دفتر اصلاح ہی سے شروع

کی گئی۔ اور ماہ رجب سنہ ۱۳۵۹ھ سے اسکی جلد ۴۳ کے پرچے انشاء اللہ شائع ہونے لگیں گے۔ مگر چونکہ تفسیر انوار القرآن کا مسودہ نہیں مل سکا۔ اس سبب سے سردست بجائے اُسکے ایک اور نہایت ضروری دلچسپ اور مفید کتاب اُس کے ساتھ شائع کیجائیگی۔ جس کا نام ہے

مجالس اطفال معروف بہ لڑکوں کی مجلسیں

مومنین کے لڑکوں کو بھی شوق ہوتا ہے کہ مجلسوں میں کچھ پڑھا کریں مگر کوئی خاص کتاب ان کے لئے آج تک نہیں لکھی گئی۔ یہ بہت بڑی کمی ہے اس کو رفع کرنے کے لئے یہ تبلیغی و تحقیقی کتاب شائع ہو رہی ہے۔ اس میں انشاء اللہ ۱۰۰ مجلسیں (چار چار پانچ پانچ صفحہ کی) اس طرح لکھی جائینگی کہ پوری کتاب ۵۰۰ صفحہ میں تمام ہو جائے جسمیں ۱۰ مجلسیں عشرہ محرم کی۔ ۲۰ اربعین کی لکھی جائینگی۔ پھر ۲۸ صفر وفات حضرت رسولخدا صلعم و شہادت حضرت امام حسنؑ۔ ۸ ربیع الاول شہادت حضرت امام حسن عسکریؑ۔ ۳ جمادی الاخرے شہادت جناب سیدہؑ۔ ۳ رجب شہادت حضرت امام علی نقیؑ۔ ۲۵ رجب شہادت حضرت امام موسیٰ کاظمؑ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ماہ رمضان شہادت حضرت امیر المومنینؑ۔ ۱۵ شوال شہادت حضرت امام جعفر صادقؑ ۲۴ ذیقعدہ شہادت حضرت امام علی رضاؑ۔ ۳۰ ذیقعدہ شہادت حضرت امام محمد تقیؑ۔ ۷ ذی الحجہ شہادت حضرت امام محمد باقرؑ۔ ۹ ذی الحجہ شہادت حضرت مسلمؑ کی دو دو مجلسیں لکھی جائینگی۔ اور ۹ ربیع الاول عید زہرا۔ ۱۷ ربیع الاول ولادت حضرت رسولخدا و ولادت حضرت امام جعفر صادقؑ ۱۰ ربیع الثانی ولادت حضرت امام حسن عسکریؑ۔ ۱۵ جمادی الاولے ولادت حضرت امام زین العابدینؑ ۲۰ جمادی الاخرے ولادت جناب سیدہؑ۔ یکم رجب ولادت حضرت امام محمد باقرؑ۔ ۵ رجب ولادت حضرت امام علی نقیؑ۔ ۱۰ رجب ولادت حضرت محمد تقیؑ۔ ۱۳ رجب ولادت حضرت امیر المومنینؑ۔ ۳ شعبان ولادت حضرت امام حسینؑ۔ ۱۵ شعبان ولادت حضرت حجتؑ۔ ۱۵ رمضان المبارک ولادت حضرت امام حسنؑ۔ ۱۱ ذیقعدہ ولادت حضرت امام علی رضاؑ۔ ۱۸ ذی الحجہ عید غدیر۔ ۲۴ ذی الحجہ عید مباہلہ کی دو دو محفلیں لکھی جائیں گی۔ پوری کتاب کی قیمت صرف ۸/ رکھی گئی ہے۔ کتاب میں انشاء اللہ مضامین تبلیغی و تحقیقی لکھے جائیں گے کہ لڑکے ان کو پڑھکر خود بھی مذہب شیعہ کی حقیت کی دلیلیں اچھی طرح سمجھیں اور دوسروں کو بھی سُنائیں۔ انشاء اللہ یہ بھی دفتر اصلاح کا نہایت شاندار علمی کارنامہ ہوگا۔ اگر آپکو بھی یہ کتاب پسند آئے تو جلد ۸/ بذریعہ منی آرڈر روانہ کیجئے۔ اسکے ساتھ اگر سال رواں کا چندہ اصلاح بھی (۳/۸) ارسال کریں تو منی آرڈر کمیشن میں کچھ کفایت ہو جائیگی۔ انشاء مجالس خاتون سے زیادہ یہ کتاب نفع کی ثابت ہوگی۔

ساتھ حضرت عمر کو نصارے نجران کے مقابلہ میں مباہلہ کے لئے لے جاتے۔ اس لئے کہ خدا نے فرمایا تھا اے رسولؐ تم ان سے کہو کہ آؤ ہم اپنے اُن لوگوں کو بلائیں جو ہمارے نفسوں کی جگہ ہیں۔ اور النفس صیغہ جمع تھا جس میں حضرت علیؑ کے علاوہ بھی لوگ شریک کئے جا سکتے تھے لیکن آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے سوائے کسی کو نہیں لیا یہاں تک کہ حضرت عمر تک اسکے لئے موزوں نہیں قرار پائے۔ اشاعت اسلام کے لئے دوسرے مقامات پر بھیجا جانا بھی اسلام کی عظیم الشان دینی خدمت تھی۔ مولوی شبلی صاحب نے ان لوگوں کی جو اس کام کے لئے مقرر کئے جاتے تھے ایک مکمل فہرست پیش کر دی ہے۔ لکھتے ہیں "بعض لوگ مخصوص اشاعت اسلام کی غرض سے بھیجے جاتے تھے۔ تفحص سے اس قسم کے دعاۃ کے نام حسب ذیل ملے ہیں۔ علی ابن ابی طالبؑ۔ مغیرہ بن شعبہ۔ خالد بن ولید۔ عمرو بن العاص۔ وبر بن یحنس"۔ (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ ص۱۹) قضایا کا فیصلہ کرنا بھی ایک اہم امر تھا۔ مولوی صاحب نے لکھا ہے۔ "اگرچہ آپکے عہد مبارک میں عہدۂ قضاۃ قائم ہو چکا تھا اور حضرت علیؑ اور حضرت معاذ بن جبل کو آپ نے خود یمن کا قاضی مقرر فرما کے بھیجا تھا تاہم مدینہ اور اُسکے حوالی و مضافات کے تمام مقدمات کا آپ خود فیصلہ کرتے تھے" (سیرۃ جلد ۲ ص۴۷) مگر کسی صورت سے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ آنحضرت صلعم نے حضرت عمر کو بھی کسی مقام کا قاضی بنا کر بھیجا ہو۔ خود مولوی صاحب کی تفصیل سے اسکی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ لکھتے ہیں "فصل قضایا۔ اقامت عدل۔ بسط امن۔ رفع نزاع کے لئے متعدد ولاۃ و حکام کی ضرورت تھی۔ اس غرض سے آپ نے متعدد صحابہ کو مختلف مقامات کا حاکم و والی مقرر فرمایا۔ چنانچہ انکے ناموں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ باذان بن ساسان۔ شہر بن

(بقیہ حاشیہ ص۹۶)

دونوں اپنے اہل و عیال لے کر آئیں اور دعا کریں کہ جو شخص جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو ... لیکن جب آنحضرتؐ فاطمہ زہراؑ اور امام حسن و حسین علیہما السلام کو لیکر مباہلہ کے لئے نکلے تو خود انکی جماعت میں سے ایک شخص نے رائے دی کہ مباہلہ نہیں کرنا چاہئے۔ اگر یہ شخص واقعی پیغمبر ہے تو ہم لوگ ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جائینگے۔ غرض ان لوگوں نے کچھ سالانہ خراج قبول کر کے صلح کر لی"۔ (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ ص۳۹)۔ افسوس واقعہ میں اتنا اختصار کہ حضرت علیؑ کا نام تک نہیں لکھا گیا ۱۲

باذان - خالد بن سعید بن العاص - مہاجر بن امیۃ المخزومی - زیاد بن لبید الانصاری - ابو موسیٰ اشعری
معاذ بن جبل - عمرو بن حزم - یزید بن ابی سفیان - عتاب بن اسید - علی ابن ابی طالبؓ - عمرو بن العاصؓ
علاء بن حضرمی" (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صفحہ ۵۳) - زکوۃ اور جزیہ وصول کرنا اگرچہ معمولی کام تھا اور جو لوگ
نہ جہاد کر سکتے تھے - نہ ان میں علمی خدمت انجام دینے کی صلاحیت تھی غالباً وہی اسکے لئے تجویز
کئے جاتے تھے مگر حضرت عمر کے متعلق یہ کام بھی نہیں کیا گیا - مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں:-
"جو ممالک زیر اثر آتے تھے اور وہاں زکوۃ اور جزیہ کے وصول کرنے کے لئے عمال بھیجے جاتے
تھے وہ اکثر اس درجہ کے ہوتے تھے جن کا تقدس - زہد اور پاکیزگی مسلم ہوتی تھی - اسکے ساتھ عالم
اور واعظ بھی ہوتے تھے - اور اس لئے وہ تحصیل مال کے ساتھ تبلیغ اسلام کی خدمت بھی انجام
دے سکتے تھے - ان میں سے بعضوں کے نام حسب ذیل ہیں مہاجر بن امیہ - زیاد بن لبید - خالد بن
سعید - عدی بن حاتم - علاء بن حضرمی - حضرت ابو موسیٰ اشعری - حضرت معاذ بن جبل - جریر
بن عبداللہ بجلی" (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صفحہ ۱) غرض بہت کچھ کوشش کرنے پر بھی ہم اس میں کامیاب
نہ ہو سکے کہ معلوم کریں حضرت رسولخدا صلعم نے آپ کے متعلق کتنی دینی خدمتیں کیں اور آپ نے
ان کو انجام دیا یا نہیں - اگر دیا تو کس طرح - اور جب مولوی شبلی صاحب تک اپنی کتابوں میں آپکے
متعلق ان خدمات کا ذکر نہیں کر سکے تو دوسروں کو کیا پتا مل سکتا ہے - حالانکہ دوسری باتوں
میں آپ کا ذکر کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے مثلاً مولوی صاحب لکھتے ہیں "عبد یالیل طائف کا مشہور
رئیس امیر الوفد تھا - آنحضرتؐ نے اس کو مسجد نبوی میں اُتارا ... بالآخر ان لوگوں نے اسلام پر
آمادگی ظاہر کی لیکن شرطیں پیش کیں ... یہ تینوں درخواستیں نامنظور ہوئیں ... ان لوگوں نے
کہا ... لات کی نسبت کیا ارشاد ہے؟ فرمایا وہ توڑ دیا جائیگا ... بولے کہ اگر ہمارے معبود کو معلوم
ہو جائے کہ آپ کا یہ ارادہ ہے تو وہ تمام شہر کو تباہ کر دے گا - حضرت عمر سے ضبط نہ ہو سکا بولے
کہ تم لوگ کس قدر جاہل ہو - منات صرف ایک پتھر ہے - ان لوگوں نے کہا عمر! ہم تمہارے
پاس نہیں آئے - یہ کہکر آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی کہ ہم منات کو ہات نہیں لگا سکتے - سفارت
جب واپس چلی تو آنحضرتؐ نے ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا کہ شرط کے موافق طائف کے صنم
اعظم (لات) کو جا کر توڑ آئیں" (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صفحہ ۳) - اس میں یہ دو امر قابل غور و فکر ہیں کہ
حضرت عمر نے ان لوگوں سے کچھ کہنا چاہا تو انھوں نے ڈانٹنے کا لہجہ اختیار کر کے کہا عمر! ہم تمہارے

پاس نہیں آئے۔"اللہ رے بر اہی معلوم نہیں حضرت عمرؓ کا بو لفاان لوگوں کو کیوں اس درجہ ناگوار ہوا کہ اس تہور سے جواب دیا۔ دوسرا یہ کہ باوجود اس کے حضرت صلعم نے آپ کو وہ بُت توڑنے کے لئے نہیں بھیجا اور اس خدمت کے لئے بھی ابوسفیان و مغیرہ بھیجے گئے۔ کتابت کی خدمت کا کوئی واقعہ بھی مولوی شبلی صاحب نہ لکھ سکے۔ کتاب کی فہرست میں آپ کا نام دیا ہے مگر تصریح سے یہ نہیں بتا سکے کہ آنحضرتؐ نے آپ سے کیا لکھوایا حالانکہ دوسرے صحابہ کی بعض کتابتوں کی تعیین کر دی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں "کتاب عہدہ انشاء گویا آنحضرتؐ کی ایک حیثیت سے نیابت تھی اس لئے مختلف اوقات میں بڑے بڑے صحابہ اس خدمت پر مامور کئے گئے ... حضرت ابوبکر۔ حضرت عمر۔ حضرت علیؓ حضرت عثمان... مختلف اوقات میں اس منصب پر مامور ہوئے۔ اگرچہ ان تمام بزرگوں کو کبھی کبھی یہ خدمت ادا کرنی پڑتی تھی۔ چنانچہ صلحنامہ حدیبیہ حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا امراء و سلاطین کے نام خطوط حضرت عامر بن فہیرہ لکھتے تھے۔ اور امراء عمان کے نام آپ نے جو مکتوب بھیجا تھا وہ حضرت ابی بن کعب کا لکھا تھا۔ قطن بن حارثہ کو جو خط بارگاہ نبوت سے بھیجا گیا تھا وہ حضرت ثابت بن قیس نے لکھا تھا۔ لیکن عام طور پر یہ خدمت حضرت زید بن ثابت کے متعلق تھی اور صحابہ کے گروہ میں ان کا نام اسی حیثیت سے زیادہ نمایاں ہے" (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صفحہ ۵۲) کتابت کے متعلق بھی اتنے صحابہ کے کارنامے مولوی صاحب نے گنوا دیئے مگر حضرت عمرؓ کا کوئی کارنامہ نہیں بتا سکے۔ اکثر مواقع پر حضرت عمرؓ نے حضرت رسولؐ سے کہا ہے یا حضرت اجازت دیجئے میں اس کی گردن اُڑا دوں۔ مگر نہ حضرت رسولخدا صلعم نے کبھی آپ کو اس کی اجازت دی نہ اپنے طور پر جلاد کے کام کے لئے آپ کا انتخاب کیا۔ مولوی شبلی صاحب نے "جلاد" کا عنوان قائم کر کے حضرت زبیر۔ مقداد بن الاسود۔ محمد بن مسلمہ۔ عاصم بن ثابت ضحاک بن سفیان کلابی وغیرہ کا نام لکھا ہے کہ مجرموں کی گردن مارنے کی خدمت ان کے سپرد تھی" (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صفحہ ۶) لیکن اس فہرست میں بھی حضرت عمرؓ کا نام نہیں درج کر سکے۔ نماز پڑھانے بلکہ اذان دینے تک کا کام آپ کے سپرد نہیں کیا گیا مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "موذنین۔ عام طور پر اذان کے لئے کوئی خاص شخص منتخب نہیں کیا جاتا تھا۔ تاہم چند مثالوں سے قیاس ہوتا ہے کہ بڑی بڑی مسجدوں میں یہ عہدہ الگ آپ نے قائم فرمایا تھا۔ چنانچہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں اس عہدہ پر آنحضرتؐ نے ان صاحبوں کو ممتاز فرمایا تھا۔

بلال بن رباح، عمرو ابن ام مکتوم قرشی۔ سعد القرظ۔ ابو محذورہ جمحی قرشی (سیرۃ النبی جلد ۲ صفحہ ۷)

نویں فصل

حضرت حفصہ کی شادی

شریفوں کا عام دستور ہے کہ اپنی لڑکیوں کا پیغام خود کسی سے نہیں دیتے بلکہ لڑکے والوں کی طرف سے پیغام کا انتظار کرتے ہیں۔ عرب میں بھی ایسا ہی تھا۔ مگر حضرت عمر نے اس رواج کو ترک کرکے خود ہی اپنی پارہ جگر کے نکاح کی کوشش مختلف لوگوں سے کی۔ پہلے تو کئی جگہ آپکی یہ کوشش ناکامیاب رہی تب آپ نے آنحضرت صلعم سے آپ کا نکاح کر دیا۔ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "اس سال (سنہ ۳ھ) میں حضرت عمر کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اُن کی صاحب زادی حضرت حفصہ رسول اللہ کے عقد میں آئیں۔ حفصہ کا نکاح جاہلیت میں خنیس بن حذافہ کے ساتھ ہوا تھا خنیس کے انتقال کے بعد حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے خواہش کی کہ حفصہ کو اپنے نکاح میں لائیں۔ انھوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ پھر حضرت عثمان سے درخواست کی وہ بھی چپ رہے کیونکہ ان دونوں صاحبوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ خود جناب رسول اللہ صلعم حضرت حفصہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ شعبان سنہ ۳ھ میں آنحضرتؐ نے حفصہ سے نکاح کیا" (الفاروق صفحہ ۴۱) دوسری کتاب میں لکھا ہے "حضرت حفصہ کے بیوہ ہو جانے کے بعد حضرت عمر کو اُن کے نکاح کی فکر ہوئی۔ سوء اتفاق سے اُسی زمانہ میں حضرت رقیہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس بنا پر سب سے پہلے حضرت عمر نے ان کے نکاح کی خواہش حضرت عثمان سے کی۔ انھوں نے کہا میں اس معاملہ میں غور کروں گا۔ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے ذکر کیا۔ انھوں نے خاموشی اختیار کی۔ حضرت عمر کو انکی بے التفاتی سے رنج ہوا، اس کے بعد خود جناب رسالت پناہ نے حضرت حفصہ سے نکاح کی خواہش کی نکاح ہو گیا" (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صفحہ ۳۲۷)۔ مگر افسوس کتابوں سے اس بیان کے خلاف کل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر نے لکھا ہے فانقضت عدتھا فعرضھا عمر علی ابی بکر فسکت فعرضھا علی عثمان حین ماتت رقیۃ فقال ما ارید ان اتزوج الیوم فذکر ذلک عمر لرسول اللہ۔ جب حضرت حفصہ کے بیوہ ہو جانے کے بعد ان کے عدہ کا زمانہ پورا ہو گیا تو حضرت عمر نے حضرت حفصہ کو حضرت ابوبکر پر پیش کیا (کہ ان سے نکاح کرلو)

مگر انھوں نے سکوت کیا۔ تب حضرت عمر نے ان کو رقیہ کے انتقال کے بعد حضرت عثمان پر پیش کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ میں ابھی شادی نہیں کرنی چاہتا۔ تب حضرت عمر نے اس کو حضرت رسولخدا صلعم سے ذکر کیا (اصابہ جلد ۸ صہ ۵۱) جس سے معلوم ہوا کہ خود حضرت رسولخدا صلعم نے پیغام نہیں دیا بلکہ حضرت عمر کے ذکر کرنے کے بعد اس پر آمادہ ہوئے۔ اور علامہ دیار بکری نے لکھا ہے فلما قدم النبیؐ من بدر عرضھا عمر علے ابی بکر فلم یجبہ بشئی ثم عرض بھا علے عثمان فلم یجبہ بشئی فشکے عمر الی رسول اللہ۔ فقال یا رسول اللہ عرضت علے عثمان حفصۃ فاعرض عنی۔ جب حضرت رسولؐ غزوۂ بدر سے فارغ ہو کر مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت عمر نے جناب حفصہ کو حضرت ابوبکر پر پیش کیا مگر انھوں نے کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ پھر آپ نے موصوفہ کو حضرت عثمان پر پیش کیا مگر انھوں نے بھی کوئی بات منظور نہیں کی تو حضرت عمر نے اسکی شکایت حضرت رسولخدا صلعم سے کی اور کہا اے رسولخدا میں نے حفصہ کو عثمان پر پیش کیا تو انھوں نے میری طرف سے اپنا منہ پھیر لیا (تاریخ خمیس جلد ۲ صہ ۴۶۹) حضرت رسولخدا صلعم ایسے کریم النفس بزرگ سے حضرت عمر کی یہ بے بسی نہیں دیکھی گئی اور حضرتؐ نے حضرت حفصہ کو اپنے لئے قبول کر لیا۔

دسویں فصل

واقعہ قرطاس کی بحث

واقعہ قرطاس کے متعلق مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "وفات سے چار دن پہلے (جمعرات) کو آپ نے فرمایا کہ دوات کاغذ لاؤ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھدوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے۔ بعض صحابہ نے لوگوں کو مخاطب کرکے کہا کہ رسول اللہ صلعم کو مرض کی شدت ہے (غلبہ او جع) اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے جو ہمارے لئے کافی ہے۔ اس پر حاضرین میں اختلاف پیدا ہوا۔ بعض کہتے تھے کہ تعمیل ارشاد کی جائے۔ بعض کچھ اور کہتے تھے۔ اختلاف اور شوروغل زیادہ ہوا تو بعض نے کہا اھجر استفھموہ۔ خود آپ سے دریافت کرو۔ لوگ جب پوچھنے لگے تو آپ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو۔ میں جس مقام میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جسکی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔ یہ روایت صحیح بخاری موقع وفات کی ہے۔

صحیح بخاری میں یہ حدیث مختلف ابواب میں مذکور ہے اور ہر جگہ الفاظ میں کچھ نہ کچھ اختلاف ہے۔
صحیح مسلم کتاب الوصیۃ میں یہ روایتیں یکجا ہیں۔ جن صحابی نے قلم دوات لانے میں گفتگو کی بخاری
میں ان کا نام نہیں لیکن حدیث کی اور کتابوں میں مثلاً صحیح مسلم بتصریح حضرت عمرؓ کا نام ہے۔ صحیح
مسلم میں انکے یہ الفاظ ہیں قد غلب علیہ الوجع وعندکم القراٰن و حسبنا کتاب اللہ
آپکو مرض کی شدت ہے۔ ہمارے پاس قرآن موجود ہے۔ خدا کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے
صحیح مسلم کی دوسری روایتوں کے یہ الفاظ ہیں فقالوا ان رسول اللہ لیہجر۔ فقالوا اھجر
استفھموہ تو لوگوں نے کہا کیا آپ بے حواسی کی باتیں کرتے ہیں۔ آپ سے خود پوچھو تو۔ اس
بنا پر یہ روایت شیعہ و سنی کا معرکہ آرا میدان بن گئی ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت صلعم حضرت علیؓ
کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے۔ سُنی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کو واقعی تکلیف تھی اور یہ معلوم تھا
کہ شریعت کے متعلق کوئی نکتہ باقی نہیں رہا۔ خود قرآن مجید میں آیت الیوم اکملت لکم نازل ہو چکی تھی
اس لئے حضرت عمرؓ نے آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا۔ اگر کوئی ضروری حکم ہوتا تو آنحضرت
صلعم کسی کے روکے کیونکر رک سکتے تھے۔ اس واقعہ کے بعد چار دن تک آپ زندہ رہے
اس وقت نہ سہی بعد کو لکھوا دیا ہوتا اور یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آپ کیا لکھوانا چاہتے تھے بخاری
میں ہے کہ آپ عبد اللہ بن ابی بکر کو بلا کر حضرت ابو بکر کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے پھر آپ نے
ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا کہ خود خدا اور اہل اسلام ابو بکر کے سوا کسی اور کو پسند نہ کرینگے۔ اس
اختلاف کے بعد آپ نے لوگوں کو زبانی تین وصیتیں فرمائیں جو ضروری بات آپ کاغذ پر لکھوانا
چاہتے تھے۔ ممکن ہے کہ وہ یہی ہوں۔ یا اگر وہ ان کے علاوہ تھی تو آپ اس کو ان عام وصیتوں
کے ساتھ زبانی بھی فرما سکتے تھے۔ اس کے بعد مجمع عام میں جو خطبہ دیا اس میں اس کا اظہار
فرما سکتے تھے۔ مجھکو احتیاط کرنی چاہیئے کہ کتاب تاریخ کی حیثیت سے نکل کر علم کلام کے دائرہ
میں نہ آجائے۔ تاہم جو میری ذاتی تحقیق ہے میں الفاروق میں لکھ چکا ہوں" (سیرۃ النبی جلد ۲
صفحہ ۱۲۹)۔ مولوی صاحب نے اس عبارت میں ایسی باتیں لکھ دی ہیں جن پر تبصرہ کر دینا ضروری
معلوم ہوتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں "سُنی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کو واقعی تکلیف تھی"۔ صرف سُنی
ہی نہیں کہتے شیعہ بھی کہتے ہیں اور جب حضرتؐ مرض موت ہی میں مبتلا تھے تو ہر شخص یہی کہیگا
کہ حضرتؐ کو اس وقت واقعی تکلیف تھی۔ کوئی شخص آپ کے آرام یا اطمینان کا دعوے

نہیں کر سکتا مگر یہ تو حضرتؐ کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ جب وفات کا وقت قریب آگیا تھا تو تکلیف کا ہونا بھی ضروری تھا اور دنیا میں ہر شخص جو اپنے آخر وقت وصیت لکھنا چاہتا ہے واقعی تکلیف ہی میں ہوتا ہے مگر کیا کوئی اور شخص بھی اس تکلیف کی وجہ سے اپنی وصیتیں لکھنے سے محروم کر دیا جاتا ہے؟ اور کیا اُسکی اس عارضی تکلیف کا خیال کیا جاتا ہے یا اسکی دائمی تکلیف سے اس کو بچانے کی کوشش کی جاتی ہے جس کے لئے وہ قلم دوات طلب کرتا ہے؟ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی شخص کو اس کے آخر وقت بدحواسی یا اختلال دماغ یا مرگ مفاجات وغیرہ کی وجہ سے وصیت لکھنے یا لکھوانے کا موقع قدرت ہی کی طرف سے حاصل نہیں ہوتا تو دوسروں کو یہ دائمی صدمہ رہ جاتا ہے کہ ہائے بیچارے کو اپنے جذبات کے ظاہر کرنے۔ اپنی آرزوؤں کے لکھ ڈالنے۔ اپنی تمناؤں کے قلمبند کر دینے۔ اس دنیا سے جانے کے بعد اپنے انتظامات کے بتا دینے کا موقع نہیں ملا۔ اور اس کا صدمہ اس کو اور اس کے متعلقین کو مدت دراز تک رہتا ہے۔ پھر حضرت صلعم نے کون سا قصور کیا تھا کہ آپ کے ساتھ یہ انسانی برتاؤ بھی نہیں کیا گیا؟ آپ کا کیا جرم تھا جس کے سبب سے آپ کے ساتھ اتنی بشری ہمدردی بھی نہیں روا رکھی گئی جو عام انسانوں کے ساتھ کی جاتی ہے؟ یا پھر وہ کیا وجوہ و اسرار تھے جن کے سبب سے آپکے ساتھ وہ اخلاقی سلوک بھی نہیں کیا گیا جو اغیار بلکہ ذاتی ظالموں بلکہ خاندانی دشمنوں تک کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے۔ غرض یہ مسلم ہے کہ حضرتؐ کو اس وقت تکلیف تھی اور ایسی تکلیف تھی کہ اہلبیتؑ بہت پریشان تھے۔ لوگوں کی مایوسی بڑھتی ہی جاتی تھی کسی کو بھی اس سے انکار نہیں ہے مگر سوال یہ ہے کہ حضرتؐ کو اپنے ذاتی مرض کی عارضی تکلیف زیادہ تھی یا اپنی امت کے گمراہ ہونے کا مستقل خوف زیادہ کرب و اذیت کا باعث ہو رہا تھا۔ حضرت رسولخدا کی تکلیف تو اُسی وقت سے تھی جب سے آپ نبی مقرر کئے گئے۔ خود فرماتے تھے ما اوذی نبی کما اوذیت جس درجہ مجھے اذیت پہونچائی گئی اتنی اذیت کسی نبی کو نہیں پہونچائی گئی۔ واضح ہے کہ اس سے حضرتؐ کا اشارہ انہیں اذیتوں کی طرف تھا جو آدمیوں کی طرف سے آپ کو پہونچیں خواہ وہ کافروں کی اذیتیں ہوں یا منافقین کے مظالم کی۔ مگر ان اذیتوں کی وجہ سے حضرتؐ لوگوں کی ہدایت و ارشاد کے فرائض سے باز نہیں آئے جس سے واضح ہوا کہ حضرتؐ نے لوگوں کی بھلائی اور خیر خواہی کو اپنی ذاتی تکلیف و اذیت پر ہمیشہ ترجیح دی۔ اور اپنے کو

تکلیف کا عادی کیا۔ اسے خوشی سے پسند کیا۔ اس پر صبر سے کام لیا مگر جس کام کے لیے دنیا میں بھیجے گئے۔ اس کے ترک کرنے کا کبھی وہم بھی نہیں کیا۔ مختصر یہ کہ حضرتؐ کی تکلیف تو اُسی وقت سے تھی جب سے حضرتؐ مبعوث برسالت ہوئے۔ لوگوں کی ہدایت کا بیڑا اُٹھایا ابتداء رسالت سے وقت وفات تک حضرتؐ کی زندگی کی کون ساعت تکلیف و اذیت سے خالی تھی؟ تو کیا اس کے لئے حضرتؐ نے اپنا فرض منصبی ترک کر دیا؟ کیا حضرتؐ نے لوگوں کی ہدایت سے مُنہ موڑ لیا؟ کیا حضورؐ نے اپنی تکلیف کی کسی وقت بھی پروا کی؟ پھر اس وقت جب حضورؐ بھی سمجھ رہے ہیں اور صحابہ بھی جان رہے ہیں کہ یہ حضرتؐ کی زندگی کے آخری ایام ہیں اس ضروری خدمتِ رسالت سے آپ کیوں روک دیئے گئے؟ کیوں نہیں حضرتؐ کے پاس قلم دوات لاکر صحابہ نے دریافت کر لیا کہ حضورؐ کیا لکھوانا چاہتے ہیں اور جو حضورؐ فرماتے اس کو کیوں نہیں لکھ لیا؟ ایک معمولی شخص بھی مرنے لگتا ہے تو لوگ چاہتے ہیں کہ وہ کچھ وصیت کر جائے۔ وہ اپنے بعد کے امور کے لئے اپنا خیال کچھ ظاہر کر دے۔ وہ اپنے متعلقین کے متعلق اپنی خواہش بیان کر دے۔ پھر یہ تو حضرت رسولخدا تھے جن کے تعلقات پوری امت اسلام سے وابستہ تھے۔ حضرتؐ کو ان سب کی ہدایت کا کہاں تعلق متفکر رکھتا تھا۔ ان سب کی گمراہی کا خوف حضورؐ کو پریشان کئے تھا۔ ان سب کی دنیا پرستی کا کرب حضورؐ کو بے چین کئے رہتا تھا۔ ایسی حالت میں خود صحابہ کا فرض تھا کہ اپنی طرف سے حضرتؐ سے عرض کرتے کہ مسلمانوں کے بارے میں حضورؐ کچھ ضروری باتیں لکھ دیں یا امت کے لئے حضورؐ کوئی ایسا نوشتہ چھوڑ جائیں جس سے وہ حضورؐ کے بعد اختلاف اور ضلالت سے بچ سکے۔ نہ یہ کہ خود حضرتؐ قلم دوات طلب فرماتے ہیں اور آپ کے ہی خواہ ہی حضرتؐ کی یہ آخری آرزو پوری نہیں ہونے دیتے۔ حضرتؐ کے ارشاد پر قلم و دوات دینا کیسا ایسی باتیں بھی کرنے لگے جس سے حضرتؐ کا کرب اور بڑھ گیا۔ اور حضرتؐ نے مجبور ہوکر ان لوگوں کو اپنے پاس سے الگ کرا دیا۔ آپ لکھتے ہیں " اور یہ معلوم تھا کہ شریعۃ کے متعلق کوئی نکتہ باقی نہیں رہا۔" ہم صحابہ کا علم کیا حضرت رسولخدا صلعم سے زیادہ تھا کہ حضرتؐ تو کچھ لکھ جانے کی ضرورت محسوس فرماتے تھے اور حضرت عمر وغیرہ اس کو بے ضرورت سمجھتے تھے؟ کیا حکم رسولؐ کے مقابلہ میں حضرت عمر وغیرہ کا اپنا اجتہاد کرنا

اور حکم رسولؐ کو ٹھکرانا درست سمجھا جاسکتا ہے؟ یہ سب باتیں تو بعد کو آپ حضرات بیان کرتے ہیں۔
رسولؐ نے تو کبھی بھی آپ لوگوں کی ان قیاس آرائیوں کا موقع ہی پیدا نہیں ہونے دیا۔ آپ لکھتے ہیں
”خود قرآن مجید میں آیۃ الیوم اکملت لکم نازل ہوچکی تھی“ مگر اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ہی
تو حضرت رسول خدا صلعم قلم دوات طلب فرماتے تھے؟ کیا حضرت رسولؐ کو خبر نہیں تھی کہ قرآن میں مذکورہ
بالا آیت نازل ہوچکی ہے؟ باوجود اسکے حضرت صلعم نے کوئی نوشتہ چھوڑ کر جانا چاہا اور قرآن مجید
کی اس آیت کو اپنی امت کی ہدایت کے لئے کافی نہیں سمجھا جب ہی تو فرمایا کہ دوات کاغذ لاؤ میں
تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے“۔ پھر حضرت عمر نے قلم دوات کیوں نہیں
دی؟ آپ لکھتے ہیں ”اس لئے حضرت عمر نے آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا“ یہی تو اعتراض
ہے کہ جب حضرت رسول خدا صلعم خود طلب فرماتے تھے تو حضرت عمر نے اپنی عقل پر کیوں عمل کیا؟ اور
فعل رسولؐ کی مناسبت یا عدم مناسبت کا فیصلہ اپنی رائے سے کیوں کردیا؟ اگر اور مسلمان
کہتے کہ ”اے حضرت عمر آپ رسولؐ سے کہیں کہ کوئی وصیت لکھ جائیں تاکہ ہم لوگ حضورؐ کے بعد گمراہ نہ ہوں“
تو حضرت عمر کو یہ خیال کرنا یا کہنا کچھ مناسب ہوسکتا تھا کہ اس وقت حضور بڑی تکلیف میں ہیں۔ درد
کی حالت سے خود ہی پریشان ہوں گے۔ لکھنے کی زحمت دینے سے آپکی تکلیف بڑھ جائیگی۔ یا حضرت
عائشہ وغیرہ نے کوئی فرمائش کی ہوتی کہ اے حضرت عمر اب تو رسولؐ دنیا سے جاتے ہیں۔ کوئی نوشتہ
بھی نہیں چھوڑے جاتے۔ آپ کوئی صورت ایسی کیجئے کہ حضرتؐ اپنے بعد کے امور کے لئے
کچھ لکھ دیں“۔ اور ان کے جواب میں حضرت عمر کہتے کہ ”تم رسولؐ کی حالت دیکھتی نہیں ہو، آپکی
تکلیف اور پریشانی سے کیا بے خبر ہو؟ ایسی صورت میں حضور سے کسی امر کی فرمائش کرنے
کا کون سا موقع ہے؟ اس وقت تو جہاں تک ہوسکے حضرتؐ کی خدمت کرلینے اور حضورؐ کو آرام
پہونچا دینے کی کوشش کرنی چاہئے اور تمہیں اپنے آئندہ امور کو خدا کے حوالے چھوڑ دینا چاہئے“
یا اگر حضرت سیدہ چاہتیں کہ اپنے پدر بزرگوار سے امت کے نام اپنے لئے کوئی سفارش نامہ تحریر
کرالیں جس سے آپکی آئندہ زندگی آرام و اطمینان سے بسر ہوسکے اور اس وقت حضرت عمر
آپ کو یہ جواب دیتے کہ ”تم اپنے پدر بزرگوار کی حالت دیکھتی نہیں ہو۔ حضرتؐ کے کرب اور
بے چینی کی وجہ سے اس کا موقع بھی ہے کہ حضرتؐ سے ایسی بات کی خواہش کیجائے؟
اس وقت تو جو بات آپکی تکلیف بڑھا دے اس سے حضورؐ کو بچانے کی کوشش

کرنی چاہیئے۔ اگر لکھنے یا لکھوانے کی خواہش کی جائیگی تو بجائے سکون کے آپ کے مرض میں بہت زیادتی ہوجائیگی جس کو حضرت کا ضعف برداشت نہیں کر سکیگا" تو حضرت عمر کی یہ بات سب کو پسند ہوتی اور ہر شخص کہتا کہ آپ کو حضرت رسول کی جو محبت تھی اُس نے اس بات پر آمادہ کیا اور یہی آپ کو کرنا اور کہنا چاہیئے تھا اگر جب حضرت رسول خدا صلعم نے خود اپنی طرف سے فرمایا کہ "دوات کاغذ لاؤ میں تمہارے لیئے ایک تحریر لکھدوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے" تو حضرت عمر نے آپ کو خدا کا رسول سمجھکر آپکی اطاعت کیوں نہیں کی اور قلم دوات کیوں نہیں دے دی؟ حضرت رسول خدا صلعم اُس وقت اپنے عہدۂ نبوت و رسالت سے معزول تو نہیں کر دیئے گئے تھے اور آپکی اطاعت کا حکم منسوخ تو نہیں ہوا تھا پھر آپ نے ارشاد رسول کی مخالفت کیوں کی؟ کیوں نہیں آپکو قلم دوات دے دی؟ خدا نے فرمایا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی اگر تمکو اللہ کی محبت ہے تو میری راہ پر چلو (پ ۳ ع ۱۱) واطیعوا اللہ والرسول لعلکم ترحمون اللہ اور اُسکے رسول کا کہا مانو اس لئے کہ تم پر رحم ہو (پ ۴ ع ۵) ومن یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنات۔ جو لوگ اللہ اور اُسکے رسول کے حکم پر چلیں تو اللہ انکو بہشتوں میں لیجائیگا (پارہ ۴ ع ۱۳) یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول مسلمانو! اللہ تعالےٰ کا حکم مانو اور اسکے رسول کا حکم مانو (پ ۵ ع ۵) وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔ اور ہم نے جو رسول بھیجا وہ اسی لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کا کہا مانا جائے (پ ۵ ع ۶) ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا۔ جو اللہ اور رسول کا کہا مانیں وہ جنت میں اُن لوگوں کے ساتھ ہونگے جن کو اللہ نے سرفراز کیا ہے۔ یعنی پیغمبر اور صدیق اور شہید اور نیکو کاروں کے ساتھ اور ان لوگوں کا ساتھ اچھا ہے (پ ۵ ع ۶) من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ جو رسول کا کہا مانے اُس نے اللہ کا کہا مانا (پ ۵ ع ۸) اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول اور اللہ و رسول کا کہا مانو (پ ۷ ع ۲) فامنوا باللہ ورسولہ تو اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ۔ (پ ۶ ع ۱۰) واطیعوا اللہ ورسولہ ان کنتم مومنین اور اللہ اور اسکے رسول کا کہا مانو اگر تم میں ایمان ہے (پ ۹ ع ۱۵) واطیعوا اللہ ورسولہ اور اللہ و رسول کا کہا مانو (پ ۱۰ ع ۲) ومن یطع اللہ ورسولہ ویخش اللہ ویتقہ فاولئک ھم الفائزون اور جو شخص اللہ و رسول کا حکم مانے اور اللہ سے ڈرتا ہے تو ایسے ہی لوگ کامیاب

ہوں گے (پ۱۲ ع۱۴) و اطیعوا الرسول لعلکم ترحمون اور رسولؐ کا کہا مانو اس لئے کہ تم پر رحم ہو (پ۴ ع۱۴)
ومن یطع اللہ و رسولہ فقد فاز فوزاً عظیما جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کے کہے پر چلے
اس نے بڑی مراد پائی (پ ۲۲ ع ۶) ۔ و اطیعوا اللہ و رسولہ خدا اور اسکے رسولؐ کا کہا مانتے
رہو (پ۹ ع۲) ۔ ان آیات میں کہیں بھی خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر رسولؐ حالت صحت میں ہوں تو
ان کا حکم مانو اور حالت مرض میں ہوں تو ان کا حکم نہ مانو کسی اشارہ سے بھی یہ بات نہیں فرمائی
کہ اگر رسولؐ اطمینان و آرام سے ہوں تو انکی اطاعت کرو اور اگر تکلیف یا درد یا زحمت میں ہوں تو
انکی اطاعت نہ کرو بلکہ مطلق اطاعت کا حکم ہے ۔ اس کا مقتضے یہی ہونا چاہیئے کہ رسولؐ جب تک زندہ
رہیں ۔ جب تک خدا کے یہاں واپس نہ جائیں ۔ جب تک دنیا میں کچھ بول یا کہہ سکیں یا اشارہ کنا یہ
بھی کر سکیں اُس وقت تک انکی ہر بات مانو ہر حکم کی اطاعت کرو اور کسی امر میں ذرہ برابر چون و چرا نہ
کرو ۔ پھر حضرت عمر نے کیوں نہیں حضرت رسول خدا کو قلم دوات دیکر حضرتؐ کی اطاعت کا شرف
حاصل کیا ؟ دو حالت سے خالی نہیں ۔ یا حضرت عمر مسلمان نہ مانے جائیں تو آپ پر خدا اور رسولؐ
کی اطاعت بھی بظاہر واجب نہیں کہی جا سکتی ۔ یا مسلمان مانے اور حکم رسولؐ کے مخالف کہے
جائیں ۔ مولوی شبلی صاحب پہلی صورت قبول نہیں کر سکتے تو دوسری ہی صورت تسلیم کرنی ہوگی
کہ حضرت عمر نے حکم رسولؐ کی مخالفت کی اور حضرتؐ کو آخر زندگی میں اپنی نافرمانی سے تکلیف پہنچائی ۔ حالانکہ خدا نے
جس طرح خدا اور رسولؐ کی اطاعت کا حکم دیا ہے اسیطرح خدا اور رسولؐ کی مخالفت سے ڈرایا قل اطیعوا اللہ و الرسول فان تولوا
فان اللہ لا یحب الکافرین اے رسولؐ کہدو کہ تم لوگ اللہ و رسولؐ کی اطاعت کرو لیکن اس کو
اگر وہ نہ مانیں تو اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا (پ۳ ع۱۱) یہ آیت نہایت سخت ہے جس سے واضح
ہوتا ہے کہ جو لوگ کسی وقت اور رسولؐ کی کسی حالت میں بھی خدا اور رسولؐ کا حکم نہیں مانیں گے ان کو
خدا کافر سمجھے گا کیونکہ ان کا حکم نہ ماننے والوں ہی کو وہ یہاں کافرین کے لفظ سے یاد کر رہا ہے ۔ یہاں
یہ نہیں فرمایا کہ اگر وہ لوگ رسولؐ کی صحت کی حالت میں اس کا حکم نہیں مانیں گے تو کافر ہوں گے اور
مرض کی حالت میں اس کا حکم نہیں مانیں گے تو کافر نہیں ہونگے بلکہ مطلق فرما کر واضح کر دیا کہ اگر رسولؐ کی
زندگی کی کسی ساعت میں بھی اسکے حکم سے عدول کرینگے تو وہ خدا کے ہاں کافرین کی فہرست میں شمار کر لئے
جائیں گے ۔ پھر فرمایا ہے ومن یعص اللہ و رسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ ناراً خالداً فیھا ولہ عذاب
مہین اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے اور اسکی حدوں سے بڑھ جائے تو اللہ اس کو دوزخ

میں جھونک دیگا جس میں ہمیشہ پڑا رہیگا اور اُس کے لئے ذلیل عذاب ہوگا (پ ع ۱۳)۔ اسمیں بھی خدا نے
یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص رسول کی صحت میں اُنکے حکم کی نافرمانی کرے گا صرف اُس کو اللہ دوزخ میں ڈالیگا
اور محض اُسی کے لئے ذلیل عذاب ہوگا اور جو رسول کے مرض کی حالت میں انکی نافرمانی کرے گا اُس کو
خدا دوزخ میں نہیں جھونکے گا۔ اور اسکے لئے ذلیل عذاب نہیں ہوگا۔ پھر فرماتا ہے ومن یشاقق
الرسول من بعد ما تبین له الھدی ویتبع غیر سبیل المومنین نوله ما تولی ونصله جھنم
وساءت مصیرا اور جو کوئی سیدھی راہ کھل جانے کے بعد پیغمبر کا خلاف کرے اور مسلمانوں کے
رستے کے سوا دوسرا رستہ لے ہم اس کو اسی رستہ پر چلنے دیں گے اور اس کو دوزخ میں جھونک
دینگے اور وہ اس کا بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے (پ ع ۱۴)۔ اس میں بھی خدا نے اسکی قید نہیں کی کہ جو
شخص رسول کی صحت میں انکے خلاف کرے گا اسکو دوزخ میں ڈالے گا اور رسول کے مرض یا ضعف میں
انکے خلاف کرے گا اس کو جہنم میں داخل نہیں کرے گا۔ بلکہ ہر حالت میں رسول کی نافرمانی کرنیوالوں
کی وہی سزا مقرر کیگئی ہے۔ واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واحذروا فان تولیتم فاعلموا
انما علی رسولنا البلاغ المبین ۔ اللہ اور رسول کا کہا مانو اور خدا سے ڈرو (کہ اُن لوگوں
کی مخالفت تم سے نہ ہونے پائے) پھر اگر تم نہ مانو تو یہ سمجھ لو کہ ہمارے رسول کا فرض صرف احکام خدا
کا کھول کر بیان کر دینا ہے (پ ع ۲)۔ پھر فرماتا ہے ذلک بانھم شاقوا اللہ ورسوله ومن
یشاقق اللہ ورسوله فان اللہ شدید العقاب ۔ ان لوگوں کی یہ سزا اس وجہ سے ہے
کہ انھوں نے اللہ و رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ و رسول کی مخالفت کریگا اللہ اس کو سخت عذاب
دینے والا ہے (پ ع ۱۶) یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ ورسوله ولا تولوا عنه وانتم
تسمعون ولا تکونوا کالذین قالوا سمعنا وھم لا یسمعون ۔ اے ایمان والو!
اللہ و رسول کا کہا مانو اور رسول کا حکم سُن کر اس سے منہ مت پھیرو اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ
جو زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم نے سُنا لیکن اپنے عمل سے نہیں ثابت کرتے کہ انھوں نے سُنا ہی (پ ع ۱۷)
الم یعلموا انه من یحادد اللہ ورسوله فان له نار جھنم خالدا فیھا ذلک الخزی العظیم ۔
کیا ان لوگوں کو یہ نہیں معلوم ہے کہ جو اللہ و رسول کی مخالفت کرے گا اس کے لئے دوزخ کی آگ
طیار ہے جسمیں وہ ہمیشہ رہیگا یہ بڑی رسوائی ہے (پ ع ۱۴) فلیحذر الذین یخالفون عن امره
ان تصیبھم فتنة او یصیبھم عذاب الیم ۔ پھر جو لوگ رسول کا حکم نہیں مانتے اُنکو ڈرنا چاہئے

کر ان پر کوئی مصیبت یا دردناک عذاب نازل ہو جائے (پ۱۸ ع ۱۵) یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و لا تبطلوا اعمالکم۔ مسلمانو! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور انکے خلاف کرکے اپنے اعمال نہ مٹا دو (پ۲۶ ع ۸) یہ آیت بھی بہت ہیبت ناک ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کسی وقت بھی رسولؐ کی بات رد کر دیگا۔ یا آپ کے حکم سے سرتابی کرے گا اسکے کل اعمال ملیا میٹ ہو جائیں گے۔ نماز، روزہ تک اُسکے نامۂ اعمال سے مٹا دیا جائیگا۔ اس آیت میں بھی اسکی قید نہیں ہے کہ جب رسولؐ حالت صحت میں ہوں تب انکی مخالفت کرنے والوں کے کل اعمال باطل ہو جائیں گے اور جب حالت مرض میں ہوں تب انکے احکام کی نا فرمانی کرنے والوں کے کل اعمال باطل نہیں ہوں گے بلکہ درست رہیں گے۔ اس کا نتیجہ صاف ہے کہ رسولؐ کی صحت، مرض، ضعف۔ ناتوانی غرض ہر حالت کی بات واجب التعمیل ہے۔ اور جو شخص حضرتؐ کی کسی حالت میں بھی حضرتؐ کی نافرمانی کرے گا اسکے کل اعمال باطل کر دیئے جائیں گے۔ ومن یعص اللہ و رسولہ فان لہ نار جہنم خالدین فیھا ابدا اور جو لوگ اللہ و رسولؐ کی نافرمانی کریں گے اُنکے لئے دوزخ کی آگ موجود ہے۔ اور وہ اس میں ہمیشہ پڑے رہیں گے (پ۲۹ ع ۱۲) اگر انسان غور کرے تو حسب ذیل آیات خاص طور پر بتاتی ہیں کہ حضرتؐ کے دوات قلم طلب کرنے پر حضرت عمر کو بالکل عذر نہیں کرنا چاہیئے تھا بلکہ آپ کا فرض تھا کہ فوراً حاضر کر دیتے۔ یا ایھا الذین آمنوا استجیبوا اللہ و للرسول اذا دعاکم لما یحییکم مسلمانو اجب رسولؐ تمکو ایسے کام کے لئے بلائیں جس میں تمہاری دینوی اور دینی زندگی (یعنی ہدایت) ہے تو اللہ اور رسولؐ کا حکم مانو (پ۹ ع ۱۷)۔ یہ واضح ہے کہ اس وقت بھی حضرت رسو لخدا صلعم مسلمانوں کو جو حکم دے رہے تھے وہ اپنی ذات کے لئے نہیں تھا۔ اپنے کھانے پینے کے لئے نہیں تھا۔ اپنے لباس اور فرش کے لئے نہیں تھا۔ اپنی دولت و جائداد کے لئے نہیں تھا۔ اپنی اولاد کے لئے نہیں تھا جناب سیدہ و امام حسنؑ و حسینؑ کی راحت رسانی کے لئے نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کو گمراہی سے بچانے کے لئے تھا کیونکہ خطاب صحابہ ہی سے تھا اور ان الفاظ میں تھا "جسکے بعد تم گمراہ نہ ہو گے" جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ نوشتہ مسلمانوں کی دنیوی اور دینی زندگی ہی کے لئے ہوتا مگر حضرت عمر نے اس کو لکھنے نہیں دیا اور ان تمام آیات قرآن مجید سے چشم پوشی کر لی اور اسکے انجام سے بھی غض بصر کیا۔ حالانکہ اگر آپ وہ وصیت نامہ نہ روکتے تو حضرتؐ کے بعد ہی مسلمانوں میں جو جھگڑے پیدا ہو گئے وہ نہ ہوتے۔

یہ تو یقینی ہے کہ وفات رسولؐ کے بعد مسلمانوں میں دو فرقے ہو گئے اور یہ بھی یقینی ہے کہ دونوں ہی سیدھے
راستے پر نہیں کہے جا سکتے۔ ایک فرقہ یقیناً گمراہ ہوا تو اس گمراہی کا باعث کون قرار پایا؟ اگر حضرتؐ کی
وہ وصیت لکھ گئی ہوتی تو حضرت عمر پر کوئی الزام نہیں آتا اور آپ کے دامن پر یہ دھبا نہ لگتا کہ
آخر وقت میں رسولؐ جو وصیت لکھنی چاہتے تھے اس کو آپ ہی نے روک دیا۔ اور رسولؐ دنیا سے
جاتے وقت اپنی آخری تمنا کے پوری نہ ہونے کا داغ حضرت عمر ہی کی وجہ سے لے گئے۔ یہ آیۃ
بھی صاف ہے وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امرا ان یکون لھم
الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ و رسولہ فقد ضل ضلالا مبینا کسی مسلمان مرد
یا کسی مسلمان عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ و رسولؐ کسی بات کا حکم کر دیں تو پھر اس کو اس بات میں
کوئی اختیار رہے اور جو شخص اللہ و رسولؐ کا حکم نہ مانے وہ کھلا گمراہ ہو چکا (پ ۲۲ ع ۲)۔ اس حکم کو
بھی خدا نے عام رکھا ہے کہ رسولؐ خواہ صحت کی حالت میں کوئی حکم دے یا مرض میں کہے کسی وقت بھی
کسی مسلمان کو اس میں دخل دینے کا اختیار نہیں رہتا۔ یہاں بھی حضرت رسولِ خدا قلم دوات لانے کا
حکم دیتے ہیں مگر حضرت عمر فرماتے ہیں کہ "آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں"۔ حالانکہ قلم دوات کا نہ
دینا ہی حضرتؐ کی تکلیف کا باعث تھا۔ اگر اس وقت وصیت نامہ لکھنے کی واقعی اور شدید
ضرورت نہ ہوتی تو خدا آنحضرتؐ کو حکم ہی نہیں دیتا کہ تم صحابہ سے قلم دوات لیکر وصیت لکھ دو۔ کیونکہ آنحضرت
تو کوئی قول اپنے دل سے نہیں کہتے بلکہ وحی خدا نازل ہونے پر فرماتے تھے جیسا کہ خدا نے فرمایا وما
ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔ میرا رسولؐ کوئی بات اپنے دل سے نہیں کرتا بلکہ جو کہتا
ہے وہ میری وحی نازل ہونے کے بعد ہی کہتا ہے (پ ۲۷ ع ۵) اس وجہ سے ماننا پڑے گا کہ
حضرت رسولِ خدا صلعم نے آخری وقت جو فرمایا کہ مجھے قلم دوات دو میں ایسی چیز لکھ دوں جسکے بعد تم لوگ
گمراہ نہ ہوگے۔ یہ بھی وحی خدا کے مطابق فرمایا تھا پس اگر آپ کا اس وقت وصیت نامہ لکھنا
مناسب ہوتا تو خدا آنحضرتؐ کو اس کا حکم دیتا ہی نہیں۔ اب ہر مسلمان فیصلہ کر سکتا ہے کہ خدا نے
تو آنحضرتؐ کو وصیت نامہ لکھنے کا حکم دیا اور حضرت عمر نے کہا کہ ایسا کرنا آپ کے لئے مناسب نہیں۔
ان دونوں میں کسکی بات ماننے کے قابل تھی۔ خدا کی یا حضرت عمر کی۔ اور حکم خدا کے مقابلہ میں حضرت
عمر نے اپنی رائے پر عمل کیا تو اس سے آپ نے خدا اور رسولؐ کو خوش کیا یا ناخوش۔ اگر آپ کے اس قول پر رسولِ خدا
صلعم خاموش رہ جاتے تو معلوم ہوتا کہ آپ نے اس کا اثر نہیں لیا لیکن آنحضرتؐ نے تو ایسی بات فرما دی

جس سے حضرتؐ کی کمال درجہ اذیت واضح ہوگئی کہ فرمایا قوموا عنی - میرے پاس سے چلے جاؤ - اگر حضرت
رسولخدا صلعم ہذیان کی باتیں کرتے ہوتے تو آپکو خبر بھی نہیں ہوتی کہ وہاں آپ کے متعلق کیا راے زنی ہورہی
ہے - لیکن آپ کا یہ فرمانا کہ "یہاں سے چلے جاؤ" بتاتا ہے کہ حضرتؐ کے حواس بالکل درست تھے، ذرہ برابر
بھی بے خبری یا غلبہ درد کا اثر نہیں تھا اور جس طرح صحت کی باتیں ہوتی تھیں - اسی طرح کا کلام یہ بھی تھا -
یہ آیت بھی قابل لحاظ ہے وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا واتقوا اللہ ان اللہ
شدید العقاب - اے مسلمانو! پیغمبر جو حکم تم کو دیں اس کو ضرور مان لینا اور جس چیز سے منع کریں
اس سے ضرور باز رہنا اور اللہ سے ڈرتے رہنا (یعنی پیغمبرؐ کے خلاف نہ کرنا) بیشک اللہ کا عذاب سخت
ہے (پ ۲۸ ع ۴) - یہ حکم بھی عام ہے - رسولؐ کی صحت یا مرض پر موقوف نہیں ہے کہ جب رسولؐ
صحیح ہوں تو انکی بات مانو اور جب وہ مریض ہوں تو انکی بات نہ ماننا - اسکے بعد مولوی صاحب لکھتے
ہیں "اگر کوئی ضروری حکم ہوتا تو آنحضرت صلعم کسی کے روکنے سے کیونکر رُک سکتے تھے" سبحان اللہ
کتابوں میں بھرا ہوا ہے اور آپ نے خود بھی نقل کیا ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا "میں تمہارے لئے ایک
تحریر لکھدوں جسکے بعد تم گمراہ نہ ہو گے" اس کے بعد آپ لکھتے ہیں "اگر ضروری حکم ہوتا" جب وہ ایسی تحریر
ہوتی جسکے بعد مسلمان گمراہ نہ ہوتے تو اس کے ضروری ہونے میں کسی مسلمان کو شک ہو سکتا ہے؟
آنحضرتؐ کے قول کا نتیجہ یہی تو ہوا کہ اگر وہ تحریر نہیں لکھی جاتی تو لوگ گمراہ ہو جاتے - پھر جو تحریر مسلمانوں
کو گمراہی سے بچا سکتی اس سے زیادہ ضروری بات کیا ہو سکتی تھی؟ قرآن مجید بھی تو اسی لئے نازل
ہوا کہ اس کے بعد لوگ گمراہ نہ ہوں - اسلام اسی لئے آیا کہ لوگ گمراہی سے نکلیں - حضرت رسولخدا
صلعم اسی لئے تو بھیجے گئے کہ لوگوں کو گمراہی سے نجات دیں - اسی گمراہی سے بچانے کے لئے حضرتؐ
وہ وصیت نامہ بھی لکھنا چاہتے تھے - اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ اس وصیت نامہ کی اتنی ہی
ضرورت تھی جس قدر قرآن مجید کے نازل ہونے کی - اس وصیت کا اسی قدر فائدہ ہوتا جس قدر دین
اسلام کے آنے کا ہوا - اور اس وصیت سے وہی نفع پہونچتا جو حضرت رسولخدا صلعم کے مبعوث
برسالت ہونے سے پہونچا اور اسکی وجہ یہی ہے کہ جس طرح حضرتؐ نے اپنی زندگی بھر مسلمانوں کو گمراہی
سے بچانے کی کوشش کی - اُسی طرح اب اپنی وفات کے بعد بھی ان سب کو گمراہی سے محفوظ
رکھنے کے لئے وصیت لکھدینا چاہی - اگر وہ وصیت نامہ لکھ گیا ہوتا تو جس طرح آنحضرتؐ
کی زندگی میں قرآن مجید سے اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لوگوں کی ہدایت

ہوتی رہتی تھی۔ اُسی طرح آنحضرتؐ کی وفات کے بعد لوگ ہدایت پر قائم رہتے مگر وہ وصیت نامہ نہیں لکھنے دیا گیا اس وجہ سے مسلمانوں میں گمراہی کے دروازے کھل گئے۔ یہ سوال کہ "کسی کے روکنے سے کیونکر رُک سکتے تھے"۔ کس درجہ حیرت خیز ہے۔ خود ہی لکھتے ہیں کہ حضرت وصیت نامہ لکھنے کو قلم دوات مانگی اور لوگوں نے نہیں دیا" اور خود ہی لکھتے ہیں کہ "کیونکر رُک سکتے تھے"۔ اے جناب جس طرح اُس وقت حضرت عمر وغیرہ کے روکنے سے رُک گئے اُسی طرح باقی چار دن بھی رُک گئے۔ حضرتؐ کا اب بس ہی کیا تھا۔ گھر حضرت عائشہ کا تھا جس میں حکومت صرف حضرت ابوبکر وغیرہ کی تھی، اور مرض و ناتوانی کی حالت یہ پہنچ گئی تھی کہ خود قلم دوات تک نہیں اُٹھا سکتے تھے۔ خود کاغذ تک نہیں لے سکتے تھے۔ تو اب لکھتے کیونکر؟ اگر حضرتؐ کا اختیار کچھ بھی باقی رہتا تو کاغذ قلم دوات طلب کرنے پر کیا لوگوں کو اتنی ہمت ہوتی کہ حضرتؐ کے منہ پر کہہ دیتے ان الرجل لیھجر۔ یہ شخص ہذیان بک رہا ہے۔ یہ جملے ہی بتاتے ہیں کہ حضرت رسولخدا صلعم کس درجہ مجبور اور بے بس ہو چکے تھے کہ اپنی طاقت جواب دے چکی تھی۔ حضرت عائشہ حضرت ابوبکر و عمر کے خلاف کر نہیں سکتی تھیں۔ اور حضرت عمر کسی طرح لکھنے نہیں دیتے تھے۔ تو اب اور کون سی صورت باقی رہ گئی تھی جس سے آنحضرت صلعم بعد میں وہ وصیت نامہ لکھتے یا لکھوا دیتے۔ آپ لکھتے ہیں "اُس وقت نہ سہی بعد کو لکھوا دیا ہوتا"۔ یہ اُس وقت ہوتا جب آنحضرت صلعم حضرت عائشہ کے گھر سے اُٹھ جاتے۔ حضرت علیؑ و ابن عباس وغیرہ کا کچھ اختیار ہو جاتا۔ دوسرے صحابہ کو کچھ خدمت کرنے کا موقع ملتا۔ یا حضرتؐ ہی میں اتنی طاقت آجاتی کہ کسی کے روکے نہیں رُک سکتے۔ خود بڑھ کر قلم دوات لے لیتے۔ خود ہی اُٹھ کر کاغذ حاصل کر لیتے اور وصیت نامہ لکھ کر حضرت ابوبکر و عمر و عائشہ کی حفاظت سے نکل کر حضرتؐ دوسرے صحابہ سے کچھ کہنے یا ان کو کچھ دینے پاتے۔ لیکن جب تک آپ اپنی زندگی میں اسی حالت میں رہے جو قلم دوات طلب کرتے وقت تھی اُس وقت تک تو اس وصیت نامہ کے لکھنے میں وہی مشکلات حائل رہتیں جو پہلے ہی وقت مانع ہو گئیں۔ اگر حضرتؐ چار دن کے بعد وہ وصیت نامہ لکھنے کی قدرت پا سکتے تو پہلی ہی دفعہ کیوں اس ناکامیابی کا صدمہ برداشت کرتے؟ چار دن کے بعد تو حضرتؐ اور زیادہ کمزور مضمحل اور دوسروں کے محتاج ہو گئے تھے۔ اور پہلی دفعہ وصیت نامہ لکھنے کا ارادہ ظاہر کر کے تو ہذیان کا لقب پا چکے تھے۔ اب پھر اس کا خیال کر کے کیا مجنون وغیرہ خطاب کا موقع مہیا فرما دیتے؟ حضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی تو جانتے تھے

کہ من جرب المجرب حلت به الندامة ۔ جو شخص ایک دفعہ تجربہ کرنے کے بعد پھر اُس چیز کا تجربہ کرتا ہے وہ ندامت وافسوس میں مبتلا ہوجاتا ہے ۔ پھر کیوں اُس بدمزگی اور بےلطفی کا سامان ہونے دیتے ۔ پھر آپ لکھتے ہیں" اور یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آپ (حضرت رسولخدا صلعم) کس دین کو پسند کرتے تھے" ۔ حضرتؐ تو صاف فرما رہے ہیں" ایک تحریر لکھدوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے" ۔ اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہوسکتا ہے کہ حضرتؐ سچے اسلام پر باقی رہنے کی صورت لکھکر مسلمانوں کو بتا دینا چاہتے تھے کہ اسی طرح چلو گے تو اُس دین پر باقی رہو گے جو میں تم لوگوں کے پاس لایا تھا اور جس کو میں اس وقت تک خدا کا سچا مذہب بتا رہا ہوں ۔ اگر اب بھی اسکی تعیین نہیں ہوئی تو اسلام کے مشہور علماء کے اقوال ملاحظہ فرمایئے ۔ جناب شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے :۔ کان النبیؐ اراد ان یکتب تعیین واحد من الصحابة للخلافة لئلا یقع بعدہ نزاع منهم وکان بکاء ابن عباس لفوات مقصدہ من هذا الخیر ۔ حضرت رسولخدا صلعم چاہتے تھے کہ صحابہ سے ایک شخص کو اپنی خلافت کے لئے معین فرمادیں تاکہ حضورؐ کے بعد مسلمانوں میں نزاع نہ پیدا ہو ۔ اور حضرت ابن عباس جو اس حدیث کو یاد کرکے روتے تھے تو وہ بھی اسی خیال سے کہ اس بہترین انتظام کی صورت درہم برہم کردیگئی (اشعة اللمعات جلد ۔ صـــ) اور علامہ خفاجی شارح شفاء قاضی عیاض لکھتے ہیں ۔ فصل فان قلت فقد تقررت عصمته فی اقواله فما معنے الحدیث فی وصیته من الباب الثانی من القسم الثالث قال سفیان اراد ان یبین امر الخلافة بعدہ حتے لا یختلفوا فیها فصل اگر تم کہو کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ حضرت رسولؐ اپنے اقوال میں معصوم تھے ۔ پھر قسم ثالث کے دوسرے باب میں حضرت کی وصیت کے متعلق جو حدیث ہے اس کا مطلب کیا قرار پائیگا ۔ سفیان کہتے تھے کہ حضرتؐ نے ارادہ کیا تھا کہ اپنے بعد خلافت کے مسئلہ کو خود ہی طے کردیں تاکہ اس کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف نہ پیدا ہو (نسیم الریاض جلد صـــ) اور علامہ کرمانی نے خطابی سے نقل کیا ہے کہ هذا یتاول علی وجهین احدهما انه اراد ان یکتب اسم الخلیفة بعدہ لئلا یختلف الناس ولا یتنازعوا فیودیهم ذلک الی الضلال ۔ اس امر کی تاویل دو صورتوں سے ہوسکتی ہے ۔ ایک یہ کہ آنحضرتؐ اپنے بعد اپنے خلیفہ کا نام لکھنا چاہتے تھے

یہ ایسا ہی سوال ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ "یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آپ کیا لکھوانا چاہتے تھے"۔

تاکہ لوگ اسکے بارے میں اختلاف نہ کرنے لگیں اور انمیں نزاع نہ قائم ہوجائے جو ان کو گمراہی کی حد تک پہونچادے (شرح صحیح بخاری از علامہ کرمانی) اور علامہ ابن حجر نے اکتب لکم کتابا کی شرح میں لکھا ہے :- اراد ان ینص علی اسامی الخلفاء بعدہ اس وصیت نامہ سے حضرتؐ اپنے بعد اپنے خلفاء کی تعیین فرمادینا چاہتے تھے (فتح الباری پ ۱۔ صلا مطبوعہ دہلی) اور علامہ نووی نے لکھا ہے :-

قد اختلف العلماء فی الکتاب الذی ھم النبیؐ بہ فقیل اراد ان ینص علی الخلافۃ فی انسان معین لئلا یقع نزاع وفتن۔ علماء نے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ آنحضرتؐ وصیت نامہ میں کون سا مضمون لکھنا چاہتے تھے۔ لوگوں نے کہا ہے کہ حضرتؐ نے ارادہ کیا کہ اپنا خلیفہ کسی خاص شخص کو معین کردیں تاکہ جھگڑا اور فتنہ و فساد نہ قائم ہو (شرح صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۲) اور جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے لکھا ہے "ایتونی بدواۃ و قرطاس۔ آنحضرتؐ نے مرض موت میں فرمایا دوات اور کاغذ میرے پاس لاؤ۔ میں ایک ایسی کتاب تم کو لکھدوں کہ تم میرے بعد اگر اُس پر چلو تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ اُس وقت حجرے میں بہت سے صحابہ تھے۔ کسی نے کہا لاؤ۔ کسی نے کہا آپ پر بیماری کی شدت ہے ایسے وقت میں آپ کو کتاب لکھوانے سے اور زیادہ تکلیف ہوگی۔ غرض گلخپ ہونے لگی۔ آخر آنحضرتؐ نے فرمایا چلے جاؤ۔ پیغمبرؐ کے پاس جھگڑا کرنا مناسب نہیں غرض یہ کتاب نہ لکھی گئی۔ عبداللہ بن عباس ساری عمر اس پر افسوس کرتے رہے۔ اس حدیث کو حدیث القرطاس کہتے ہیں شیعوں نے اُس کو صحابہ کے خلاف ایک بڑی دلیل سمجھا ہے اور اس پر خوب بحث کی ہے اور اہلسنت نے اُن کے اعتراضوں کے جواب دیئے ہیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے کہ آپ کیا لکھوانے والے تھے۔ بہر حال اگر کتاب لکھی جاتی تو شاید آپ کی وفات کے بعد اتنا اختلاف نہ ہوتا جتنا ہوا اگر اللہ کی تقدیر ایسی تھی کہ کتاب نہ لکھی جائے۔ ایسا ہی ہوا۔ رضینا بقضائہ و رضائہ" (انوار اللغۃ پ ۱۲ ص ۹۳)۔ اس عبارت میں مولوی صاحب نے گو صاف صاف نہیں کہا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم خلافت کا مسئلہ طے کردینا چاہتے تھے مگر دبے الفاظ میں اس کو واضح کردیا ہے کیونکہ یہ جملہ "بہرحال اگر کتاب لکھی جاتی تو شائد آپکی وفات کے بعد اتنا اختلاف نہ ہوتا جتنا ہوا"۔ انکے مقصود کا اعلان کرنے کے لئے کافی ہے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اختلاف اور کس امر میں ہوا؟ کیا خلافت کے سوا کبھی اُسوقت کوئی مسئلہ مسلمانوں کے اختلاف کا باعث ہوا؟ کیا سقیفہ بنی ساعدہ کے جھگڑے اور منا

امید و منکم امیر کی صدائیں نہیں کہتیں کہ یہی وہ اختلاف تھا جسکے روکنے کے لئے آنحضرت صلعم
وصیت نامہ لکھ دینا اور مسلمانوں کو گمراہی سے بچا لینا چاہتے تھے۔ اس کے بعد مولوی صاحب کا یہ جملہ
"مگر اللہ کی تقدیر ایسی تھی کہ کتاب نہ لکھی جائے" کس درجہ حیرت خیز ہے۔ خدا ہی نے تو آنحضرتؐ
کو حکم دیا کہ وصیت نامہ لکھ دو تاکہ تمہارے بعد مسلمان اختلاف نہ کریں اور گمراہی کے گڑھے میں نہ
گریں۔ پھر خدا ہی کی تقدیر ایسی کیوں ہوتی کہ کتاب نہ لکھی جائے۔ خدا تو حکم دیتا ہے کہ نماز پڑھو
رسولؐ تاکید فرماتے رہے کہ تارک الصلوۃ نہ بنو۔ مگر اب جو لوگ نماز نہیں پڑھتے ہیں ان کے بارے
میں بھی کیا آپ یہی کہیں گے کہ اللہ کی تقدیر ایسی تھی کہ یہ لوگ نماز نہ پڑھیں۔ پھر جو شخص تارک الصلوۃ
ہوگا اُس کو خدا عذاب کرے گا یا نہیں۔ اگر نہیں کرے گا تو نماز پڑھنے والا اور وہ برابر ہوا۔ اور
اگر عذاب کرے گا تو کیوں۔ اس لئے کہ خدا ہی کی تقدیر تو ایسی تھی کہ وہ نماز نہ پڑھے۔ غرض اپنے
بزرگوں کے عیوب پر پردہ ڈالنے کے لئے خدا پر اعتراض کی پروا بھی نہیں کی جاتی۔ افسوس
اگر اب بھی رسول خدا صلعم کا مقصود واضح نہیں ہوا تو اب اُن بزرگ کی تحریر ملاحظہ فرمائیے جو آپکے
بڑے گہرے اور معزز دوست تھے۔ اور آپ کے ہم پلہ مصنف مانے جاتے ہیں شمس العلماء مولوی
حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں "اب پھر فاطمہؓ اور ابوبکرؓ اور علیؓ اور عائشہؓ کے باہمی
تعلقات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان کی آپس کی رشتہ داریاں معلوم ہیں۔ عمریں معلوم ہیں۔ اسلامی
خدمات معلوم ہیں۔ پیغمبرؐ صاحب ہر ایک کے ساتھ جس طرح کا برتاؤ کرتے تھے وہ معلوم ہے اور
یہ بھی معلوم ہے کہ ان میں ہر ایک حیثیت منافست کی باعث ہوسکتی ہے اور منافست محاسدت
کی۔ ہماری اپنی رائے یہ ہے کہ ان لوگوں میں منافست تو مدت سے قائم تھی۔ واقعات مابعد نے
منافست کو محاسدت بنا دیا کیونکہ طبیعتوں میں کدورتیں ہوتی ہیں اور ان کو ایک دوسرے سے
کہکر صاف نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ علیؓ اور ابوبکرؓ میں۔ اور فاطمہؓ اور عائشہؓ میں ہوا کہ ایک دوسرے
کے لحاظ سے یا پیغمبرؐ صاحب کے ڈر سے کبھی بر رو اظہار رنجش کی نوبت نہ آئی تو بات بات میں
بدگمانی کے پہلو نکلتے آئے۔ اور رنجش ہے کہ چپکے چپکے ترقی کرتی جاتی ہے۔ اس بات کے
جتانے کی کچھ ضرورت نہیں کہ ابوبکرؓ اور عائشہؓ باپ بیٹی ایک فریق تھے اور علیؓ اور فاطمہؓ میاں بی بی
ایک فریق۔ پیغمبرؐ صاحب کے سامنے ہر ایک فریق اپنی اپنی جگہ قائم تھا۔ اب وہ وقت قریب آنے لگا کہ
منافست متخاصمین میں غالب و مغلوب کا فیصلہ کر دے۔ یعنی پیغمبرؐ صاحب ۲۲ صفر ۱۱ھ روز شنبہ کو بیمار

پڑے ... کمزوری اس قدر ہو گئی تھی کہ نماز پڑھانے کے لئے حجرے سے نکل کر پاس کے پاس چند قدم
مسجد تک نہیں جا سکتے تھے ... عباسؓ نے علیؓ سے کہا کہ اب پیغمبرؐ صاحب کا وقت اخیر ہے۔ تم سامنے سے
ٹلو مت۔ عجب نہیں تمہارے مفید مطلب کچھ وصیت کر دیں۔ چنانچہ علیؓ سامنے جا کھڑے ہوئے۔
پیغمبرؐ صاحب نے آنکھ کھولی علیؓ کو کھڑا پایا فرمایا ایتونی بقرطاس اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدی ابدا (میرے
پاس کاغذ لاؤ کہ میں تمہیں وہ بات لکھ دوں جس کی وجہ سے تم میرے بعد کبھی جادۂ مستقیم سے منحرف نہ ہو)
اس پر حاضرین میں ہوا اختلاف۔ بعض نے کہا وصیت لکھوا لینی چاہیئے اور بعض نے جن میں بڑے
وزن وار بات کے دھنی عمرؓ تھے منع کیا اور کہا حسبنا کتاب اللہ (ہم کو کتاب اللہ بس کرتی ہے)
اس پر پیغمبرؐ صاحب نے ناخوش ہو کر سب کو اپنے پاس سے اُٹھوا دیا۔ پھر پیغمبر صاحب نے نہ
تو وصیت کا خیال فرمایا اور نہ قضا نے ان کو مہلت ہی دی ... عائشہؓ شروع علالت سے تا دم مرگ
پاس سے نہ کھسکیں ... لہ واقعۂ قرطاس نے بھانڈا پھوڑا کہ اول دن سے رکاوٹوں کی کھچڑی خلافت

لہ بعض نادان اعتراض کرتے ہیں کہ اگر حضرت عمر نے وصیت نہیں لکھنے دی تو حضرت علیؓ نے قلم دوات کیوں
نہیں دے دیا آپ کیوں خاموش رہے اور کیوں نہ یہ وصیت لکھوالی۔ ان کو یہ الفاظ بغور پڑھنے چاہئیں
حضرت علیؓ تو بالکل مجبور کر دیئے گئے تھے۔ حجرہ حضرت عائشہ کا تھا جہاں حضرت علیؓ یا فاطمہؑ یا خاندان بنی
ہاشم سے کسی کا زور چل سکتا ہی نہیں تھا۔ اور پھر وہاں حضرت ابوبکر و حضرت عمر اور ان کے ہم خیال
صحابہ کا مجمع تھا۔ جگہ تنگ تھی۔ حجرہ تھا ہی کتنا بڑا۔ اور حضرت علیؓ برابر وہاں رہنے بھی نہیں پاتے تھے
بلکہ بلائے جاتے تب بھی روک دیئے جاتے تھے۔ چنانچہ اسی زمانہ کے واقعات میں یہ بھی ہے
کہ علامہ طبری نے لکھا ہے قال رسول اللہ ابعثوا الی علیؓ فادعوہ فقالت عائشۃ لو بعثت
الی ابی بکر۔ وقالت حفصۃ لو بعثتہ الی عمر فاجتمعوا عندہ جمیعا فقال رسول اللہ انصرفوا
فان تک لی حاجۃ ابعث الیکم۔ فانصرفوا وقال رسول اللہ الصلاۃ قیل نعم۔
حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ کسی کو بھیجکر علیؓ کو میرے پاس بلا دو۔ اس پر حضرت عائشہ بولیں
کاش آپ ابوبکر کو بلاتے۔ اور حضرت حفصہ بولیں کاش آپ عمر کو بلاتے۔ اسکے بعد حضرت
ابوبکر و عمر آنحضرت کے پاس پہونچ بھی گئے تو حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا تم سب یہاں سے
چلے جاؤ۔ اگر مجھے کوئی ضرورت ہوگی تو میں خود تم لوگوں کو بلا بھیجوں گا۔ اس پر وہ سب کے

کے لئے بیک رہی تھی ۔ خلافۃ کے سوا اور کون سا ضروری مطلب ہو سکتا تھا جس کے لئے احتضار کی حالت میں صورت سوال نبکر پیغمبرؐ صاحب کو تکلیف دی جائے ۔ بات پھر بھی گول ہو

(بقیہ حاشیہ ص۱۱۶)

سب نکل گئے۔ اُس وقت حضرت رسوؐل نے پوچھا کہ کیا نماز کا وقت آگیا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں (تاریخ طبری جلد ۳ ص۱۹۵)۔ اس روایت سے واضح ہوا کہ حضرت رسولخدا اپنے آخری وقت حضرت علیؑ سے ملنا بھی چاہتے تھے تو کامیاب نہیں ہوتے تھے ۔ کیونکہ اس کمرے پر حضرت عائشہ و حفصہ کا قبضہ تھا ۔ اور علامہ محب طبری نے لکھا ہے عن عائشۃ قال رسول اللہ لما حضرتہ الوفاۃ ادعوالی حبیبی فدعوالہ ابا بکر فنظر الیہ ثم وضع رأسہ ۔ ثم قال ادعوالی حبیبی فدعوالہ عمر فلما نظر الیہ وضع رأسہ ۔ ثم قال ادعوالی حبیبی فدعوالہ علیا فلما رأہ ادخلہ معہ فی الثوب الذی کان علیہ فلم یزل یحتضنہ حتے قبض ویدہ علیہ اخرجہ الرازی ۔ حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ جب حضرت رسولخدا صلعم کی وفات کا وقت پہونچا تو فرمایا میرے دوست کو بلا دو ۔ لوگوں نے حضرت ابوبکر کو بلا دیا ۔ آنحضرت صلعم نے ان کو دیکھا تو اپنا سر گرا دیا ۔ پھر فرمایا ارے میرے حبیب کو بلا دو ۔ اب لوگوں نے حضرت عمر کو بلا دیا ۔ جب حضرتؐ نے آنکھ کھول کر دیکھا کہ حضرت عمر ہیں تو پھر اپنا سر گرا دیا اور پھر فرمایا ۔ میرے پیارے کو بلا دو ۔ اب مجبوراً لوگوں نے حضرت علیؑ کو بلایا ۔ جب آپ کو آنحضرتؐ نے دیکھا تو اپنی چادر میں لے لیا ۔ اور برابر آپ کے سینے سے لپٹے رہے یہاں تک کہ اسی حالت میں انتقال کیا اس وقت حضرتؐ کا ہاتھ آپ ہی کے جسم پر تھا (ریاض نضرہ جلد ۲ ص۱۸۰)۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ اپنے امکان بھر حضرت علیؑ کو حضرت رسولخدا صلعم سے دور ہی رکھتی تھیں اور آنے بھی دیتی تھیں تو انتہائی درجہ کی مجبوری کے بعد ۔ ایسی صورت میں آنحضرت صلعم حضرت علیؑ سے قلم دوات کیسے طلب کرتے اور حضرت علیؑ سے اگر وہ وصیت نامہ لکھوا بھی دیتے تو اسے مانتا کون؟ سب کہتے کہ غلط ہے ۔ نہ رسولؐ نے لکھوایا ۔ نہ رسوؐل نے کچھ کہا ۔ یہ علیؑ نے اپنی خلافت حاصل کرنے کے لئے جعل و فریب سے کام لیا ہے ۔ خود حضرت عائشہ حضرت علیؑ کے خلاف کھڑی ہو جاتیں اور سب مسلمانوں سے کہتیں کہ رسولؐ تو میرے حجرے میں میرے فرش پر رہے ۔ میں برابر حضرتؐ کی خدمت میں موجود رہی ۔ آنحضرتؐ نے

ہی رہی ۔علیؓ نے سامنے جا کھڑے ہونے کے سوا ے منہ سے کچھ نہ کہا ۔پیغمبر صاحب نے بھی وصیت کی جسکے لئے کاغذ منگواتے تھے کچھ صراحت نہ فرمائی کہ کیا لکھوانا چاہتے تھے ۔

(بقیہ حاشیہ ص۱۱۷)

نہ قلم دوات طلب کی نہ وصیت نامہ لکھوایا ۔ نہ زبانی کوئی وصیت کی ۔مجھ سے بڑھکر حضرتؐ کا حال جاننے والا کون ہو سکتا ہے ۔علیؑ اس وقت اپنے کو خلیفۂ رسولؐ ثابت کرنے کے لئے اس جھوٹے وصیت نامہ کو پیش کرتے ہیں ۔ایسی صورت میں حضرت رسولؐ خدا کا وصیت نامہ لکھوانا فعل عبث ہوتا ۔جب حضرت عائشہ اتنا تک ظاہر کرنا پسند نہیں کرتی تھیں کہ حضرت رسولخدا صلعم آپ کے کاندھے پر اپنا ہاتھ رکھ کر مسجد میں تشریف لے گئے تو وہ اس کو کیسے پسند کرتیں کہ حضرت رسولؐ خدا حضرت علیؑ کے بارے میں وصیت لکھوا دیں اور حضرت عائشہ اس وصیت نامہ سے لوگوں کو باخبر ہونے دیں ۔خود معظمہ کا بیان سنو ۔ عبید اللہ نے کہا کہ حضرت عائشہ فرماتی تھیں جب حضرت رسولؐ بیمار ہوئے اور حضرتؐ کا درد تیز ہو گیا تو اپنی بی بیوں سے اجازت چاہی کہ حضرتؐ میرے (عائشہ) ہی (کے) گھر میں رہیں ۔ اور یہیں حضرتؐ کی تیمار داری کی جائے سب بی بیوں نے حضرتؐ کو اجازت دے دی ۔اسی زمانہ میں ایک روز حضرت صلعم دو شخصوں پر تکیہ کرتے ہوئے گھر سے باہر نکلے ۔اور وہ دونوں آدمی جن پر ٹیک کر حضرتؐ باہر نکلے جناب عباس تھے اور ایک شخص اور تھا ۔اس کے بعد (اس روایت کے راوی) عبید اللہ بیان کرتے تھے کہ اس بات کو نیز حضرت عائشہ نے جو کہا اُس کو میں نے جناب عباس سے ذکر کیا تو انھوں نے مجھ سے پوچھا تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ دوسرا شخص جس کا نام حضرت عائشہ نے نہیں لیا کون تھا ؟ میں (عبید اللہ) نے کہا نہیں ۔تو انھوں نے بتایا کہ وہ علی ابن ابیطالبؑ تھے (صحیح بخاری پ۳ ص۲۷ مطبوعہ دہلی) اسکی شرح میں علامہ قسطلانی نے لکھا ہے ولکن عائشۃ لا تطیب نفسالہ بخیر وعن الزہری ولکنہا لا تقدر ان تذکرہ بخیر ۔لیکن حضرت عائشہ کا نفس حضرت علیؑ کی کسی بھلائی سے خوش ہوتا ہی نہیں تھا اور زہری سے روایت ہے کہ لیکن حضرت عائشہ سے ممکن ہی نہیں تھا کہ حضرت علیؑ کا کوئی ذکر خیر کر سکیں (ارشاد الساری جلد ۲ ص۳۲) ۔ اور علامہ ابن حجر لکھتے ہیں قولہ قال ہو علی ابن ابی طالب ۔ زاد الاسماعیلی من روایۃ عبد الرزاق عن معمر ولکن عائشۃ لا تطیب لہ بخیر ولابن اسحاق فی المغازی عن الزہری ولکنہا لا تقدر ان تذکرہ بخیر جناب

مگر جن کے دل میں تمنائے خلافت چٹکیاں لے رہی تھی اونھوں نے تو وھینگا مشتی سے منصوبے ہی کو چٹکیوں میں اُڑا دیا اور مزاحمت کی تاویل یہ کی کہ ہماری ہدایت کے لئے قرآن بس کرتا ہے۔ اور چونکہ اس وقت پیغمبر صاحب کے حواس برجا نہیں کاغذ قلم دوات کالانا کچھ ضرور نہیں۔ خدا جانے کیا کا کیا لکھوا دیں گے ... پیغمبرؐ صاحب کے انتقال سے سبھی کو قلق ہوا ہوگا۔ مگر بڑا قلق فاطمہؑ کا تھا کہ ان کے حق میں گویا مصیبت کا آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔ انھوں نے باپ کے مرنے کا اتنا رنج کیا اور کرنا ہی تھا کہ چھ مہینہ کے اندر ہی اندر گھل گھل کر مرگئیں اور جتنے دن جیں ہنسنا تو درکنار مسکرائیں تک نہیں۔ ہم کو جب فاطمہ زہراؑ کا خیال آتا ہے تو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ علیؑ کو خلافت مل جاتی تو غمزدہ فاطمہؑ کی کچھ تو دل جوئی ہو جاتی۔ یہ خیال اور بھی زیادہ

(بقیہ حاشیہ ص۱۱۸)

ابن عباس نے جو کہا کہ جن بزرگ کا نام حضرت عائشہ نے نہیں بتایا وہ حضرت علیؑ تھے۔ اس کے متعلق اسمعیلی نے عبدالرزاق کی روایت سے یہ جملہ بھی زیادہ کیا ہے کہ مگر حضرت عائشہ علیؑ کی کوئی بھلائی برداشت نہیں کرسکتی تھیں۔ اور علامہ ابن اسحاق نے مغازی میں زہری سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا لیکن عائشہ سے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ حضرت علیؑ کو کسی طرح بھی بھلائی سے یاد کرسکیں (فتح الباری پ۳ ص۳)۔ یہ روایت مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص۲۲۸ وغیرہ میں بھی ہے۔ مورخ جلیل علامہ طبری نے بھی لکھا ہے کہ کانت لا تقدر علے ان تذکرہ بخیر۔ حضرت عائشہ اس بات کی قدرت ہی نہیں رکھتی تھیں کہ وہ حضرت علیؑ کا ذکر خیر کرسکیں (تاریخ طبری جلد ۳ ص۱۹۷)۔ اب فیصلہ آسان ہے کہ اگر حضرت علیؑ قلم دوات دینا بھی چاہتے اور وصیت لکھنے پر آمادہ بھی ہوتے تو کیا کرسکتے تھے۔ حجرہ حضرت عائشہ کا اور وہ تابع حضرت ابوبکر کی اور حضرت ابوبکر رائے میں حضرت عمر کے جو اڑے ہوئے تھے کہ وصیت نامہ نہیں لکھنے دینگے تو حضرت علیؑ کیسے لکھتے۔ علاوہ بریں جب حضرت رسولخدا صلعم حضرت علیؑ سے یہ وصیت نامہ لکھواتے یا قلم دوات طلب کرتے اور حضرت علیؑ انکار کرتے تب اعتراض ہوتا۔ مگر حضرت صلعم نے تو حضرت علیؑ سے قلم دوات مانگا ہی نہیں۔ کیونکہ اگر حضرت علیؑ سے مانگتے تو فرماتے ائتنی بقرطاس اکتب لک کتابا۔ اے علیؑ میرے پاس کاغذ لاؤ کہ میں تمہارے لئے ایک وصیت نامہ لکھدوں لیکن بجائے اسکے آنحضرتؐ کے الفاظ ہیں ایتونی بقرطاس اکتب لکم۔ تم لوگ میرے

تکلیف دیتا ہے جب دیکھا جاتا ہے کہ پہلے انتخاب میں علیؓ کی ناکامی نے پیغمبرؐ صاحب کی نسل کی اسلامی وقعت کو کم کرتے کرتے آخر کو بالکل زائل کر دیا۔ اب جو کچھ بھی اسلامی وقعت پیغمبر صاحب کی نسل کی رہ گئی ہے وہ یہی ہے کہ درود میں آل محمدؐ کا نام برائے نام ابھی تک باقی چلا جاتا ہے۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص قوم کو کسی طرح کا فائدہ پہونچاتا ہے تو لوگ اسکی نسلوں تک کا احسان مانتے ہیں۔ ایک پیغمبر صاحب تھے کہ جھگڑوں۔ لٹیروں کو بادشاہ۔ بدمعاشوں کو بھلا مانس۔ بُت پرستوں کو خدا پرست۔ نالائقوں کو لائق۔ وحشیوں کو مہذب۔ جانوروں کو انسان بنا گئے۔ اُن کے ان تمام احسانات کا بدلہ اُن ہی کی امت نے اُن کے نواسے، نواسیوں، بہو بیٹیوں کو جو دیا اور جیسا دیا اُس کا رونا آج تک اسلامی دنیا میں رویا جارہا ہے اور قیامت تک رویا جائیگا۔ قطعہ

اترجو امة قتلت حسينا ⁖ شفاعة جده يوم الحساب

فلا والله ليس لهم شفيع ⁖ وهم يوم القيامة في العذاب

(جس امت نے حسینؓ کو قتل کیا کیا وہ اسکی امید رکھتی ہے کہ قیامت کے روز اُن کے نانا کی شفاعت اُسے نصیب ہوگی؟ قسم خدا کی اُس روز اُن کا کوئی سفارشی نہ ہوگا اور وہ قیامت کے دن مبتلائے عذاب ہونگے) پیغمبر صاحب کی نسل کے ساتھ انکی امت کا برتاؤ جو کچھ بھی اور جیسا کچھ بھی ہوا نامناسب ہوا بے جا ہوا... عائشہ رضؓ علیؓ کو نیچا دکھانے کی تاک میں تھیں... ہمارے ملک میں عورتوں کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۹)

یا اس کا غذ لاؤ تاکہ میں تم لوگوں کے لئے کتاب لکھدوں جو اعلان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ کو چھوڑ کر کل صحابہ سے یہ بات فرمائی کیونکہ ایتونی صیغہ جمع کا ہے اور لکم میں بھی ضمیر جمع ہی کی ہے اسی سے اس موقع پر حضرت علیؓ کے کچھ بولنے یا کہنے یا کرنے کا بالکل ذکر نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم نے نہ حضرت علیؓ سے یہ بات فرمائی۔ نہ حضرتؓ سے چاہا کہ کاغذ لادیں۔ جن لوگوں سے چاہا اور جن لوگوں کو گمراہی سے بچانے کے لئے وہ وصیت نامہ لکھنے کا ارادہ کیا انھوں نے بولنے کی ضرورت سمجھی۔ جواب دینے کی حاجت محسوس کی اور کہدیا کہ ہمیں کتاب خدا کافی ہے۔ وصیت نامہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہذیان کی نسبت دے دی تو حضرت علیؓ کو بھی وصیت نامہ لکھنے یا اُس کا ارادہ کرنے پر آسانی سے خطاب دے دیا جاتا کہ عم رسولؐ ہیں یہ بد حواس ہو گئے تھے۔ یہ اُس وقت اپنے ہوش و حواس ہی میں نہیں تھے ۱۲

ایک طبعی خاصہ تریاہٹ اور ایک تریا چرتر بھی مانا گیا ہے... عائشہ کا ایک چرتر تو یہ تھا کہ پیغمبر صاحب پر مرض الموت کی شدت ہوئی تو آپ اس قدر ناتواں ہو گئے تھے کہ امہات المومنین کے رہنے کے حجرے مسجد سے ملحق تھے۔ مسجد میں جانے کے لئے حجروں میں اندرونی رستے بھی تھے کہ حجرے سے نکلے مسجد میں نماز پڑھی اور پھر حجرے میں ہو رہے۔ علالت کی حالت میں ضعف کی وجہ سے اتنا نہیں ہو سکتا تھا کہ عائشہؓ کے حجرے سے نکلکر مسجد تک جائیں تو آپ نے عائشہؓ سے فرمایا کہ نمازی مسجد میں میرے منتظر ہیں۔ میں تو جا نہیں سکتا۔ اپنے باپ سے کہو کہ میری جگہ امامت کریں۔ عائشہؓ بولیں کہ ابوبکر بڑے رقیق القلب ہیں۔ اُن سے آپکی جگہ نماز پڑھاتے نہیں بن پڑیگی۔ عمرؓ کو ارشاد ہو تو وہ امامت کریں۔ اس پر پیغمبر صاحب نے ناخوش ہوکر فرمایا انکن لصواحب یوسف۔ نہیں جیسا میں کہتا ہوں ابوبکر امامت کریں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابوبکرؓ نے برابر تین دن امامت کی سلہ اب سوچنے کی بات ہی کہ پیغمبر صاحب نے یہ کیا فرمایا انکن لصواحب یوسف اس کا مطلب کیا تھا۔ انکن لصواحب یوسف کے لفظی معنی تو یہ ہیں کہ تم عورتیں یوسف والیاں ہو۔ لیکن معلوم کرنا چاہیئے کہ پیغمبر صاحب نے عائشہؓ اور انکی ساتھ والیوں کو کیا سمجھکر یوسف والیاں فرمایا۔ یوسفؑ کا قصہ قرآن کی ایک مستقل سورۂ یوسف میں موجود ہے۔ اور یوسفؑ والیاں زلیخا۔ اُسکی لونڈی باندیاں۔ اُس کی مصاحب اور وہ بی بیاں جنہیں یوسفؑ کے دکھانے کو زلیخا نے دعوت دی تھی۔ اور پھر انھیں عورتوں نے بادشاہ مصر کے آگے یوسفؑ کی صفائی کی شہادت دی تھی۔ اچھا پھر عائشہؓ اور زلیخا سے کیا مناسبت کہ پیغمبر صاحب نے عائشہؓ کو زلیخا بنا دیا؟ شراح حدیث نے اسکی کئی توجیہیں کی ہیں۔ سو ہماری سمجھ میں تو آئی نہیں۔ آخر سوچ کر ہم ہی نے یہ مطلب نکالا کہ پیغمبر صاحب نے عائشہؓ کے متعلق چرتر کی طرف اشارہ کیا۔ قرآن میں زلیخا کے چرتر کو لفظ کید سے تعبیر کیا ہے ان ربی بکیدھن علیم۔ انہ من کیدکن۔ ان کیدکن عظیم۔ بے شک انکے چرتروں کو میرا پروردگار ہی خوب جانتا ہے۔ یہ بھی تم عورتوں کے چرتر ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ تم عورتوں کے چرتر بڑے غضب کے ہوتے ہیں۔ کید کے معنے ہیں مکر۔ تدبیر۔ چھل۔ فریب۔ بہرکیف کید

سلہ حضرت ابوبکر کی امامت کی مفصل بحث حضرت ابوبکر کی سوانح عمری جلد دوم میں مذکور ہو چکی ہے جو اس سے قبل دفتر اصلاح کھجوا سے شائع کی گئی ہے ۱۲

کے مفہوم میں تدبیر کے ساتھ چالاکی بھی داخل ہے۔ اسی کو ہمارے یہاں چرتر کہتے ہیں اور ہم نے کید کا ترجمہ چرتر کیا بھی ہے۔ زلیخا کا چرتر تو قرآن سے معلوم کر سکتے ہو عائشہ رضؓ کا چرتر یہ **تھا کہ وہ دل سے تو باپ کی امامۃ اور خلافۃ سبھی کچھ چاہتی تھیں** اور پیغمبر صاحب کو معلوم تھا۔ اور اس وقت ظاہر میں تو باپ کو نا قابل امامۃ بنایا مگر بات ایسی کہی جس سے ظاہر ہو کہ ابو بکرؓ سے بڑھکر پیغمبرؐ صاحب کا کوئی ہوا خواہ نہیں۔ اسکے یہ معنے کہ ابو بکرؓ سے بڑھکر کسی کو امامۃ اور خلافۃ کا استحقاق نہیں اور وہی تمام صحابہ میں افضل اور اولے بالامامۃ والخلافۃ ہیں۔ یہ اسی قسم کی بات ہوئی جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

ولا عیب فیھم غیران سیوفھم :: بھن فلول من قراع الکتائب

ذم کے پیرائے میں مدح۔ من چاہے منڈیا ہلائے۔ اسی کو ہم چرتر کہتے ہیں۔ اور اسی پر پیغمبرؐ صاحب نے عائشہ رضؓ کو زلیخا سے تشبیہ دی ... یہ بھی پیغمبرؐ صاحب کا گھر ہے کہ مستورات کی دو چار باتیں کتابوں میں آگئی ہیں۔ ان ہی باتوں سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ کون کس مزاج کی تھی... عائشہ رضؓ ... عمر کے اعتبار سے بچی تھیں اور ان کے کھیلنے کھانے کے دن تھے ... اس وجہ سے پیغمبر صاحب کا برتاؤ بھی ان کے ساتھ خاص طرح کا تھا ... ان سب باتوں کو عائشہؓ اپنے دل میں اس پر محمول کرتیں کہ زمرۂ مستورات میں پیغمبر صاحب کو وہی سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ اسی خیال سے وہ بر خود غلط بھی ہو گئی تھیں۔ دوسری امہات المومنین سے اپنے تئیں برتر سمجھتی تھیں اور انکی تذلیل کر بیٹھتی تھیں جس کا انکو کوئی حق نہ تھا ... عائشہؓ سوکنوں کے بارے میں اس قدر حد سے بڑھ چلی تھیں کہ پیغمبر صاحب خدیجہؓ کا ذکر خیر کرتے تو کہتیں کہ میرے سامنے کیا اس بوڑھی دہا چن بچہ کش کے مرنے کا افسوس کیا کرتے ہو۔ خدا نے تم کو اس سے بہتر بی بی دی ہے یعنی میں۔ بھلا توقع کیجا سکتی ہے کہ یہ فاطمہؓ اور علیؓ کے ساتھ خاطر مدارات سے پیش آتی ہونگی مگر ہاں یوں کہو کہ پیغمبرؐ صاحب کی زندگی میں اُن کی عنایت خاص کے ہوتے علیؓ اور فاطمہؓ کو عائشہؓ کی یا کسی اور کی پروا ہی کیا تھی۔ پیغمبرؐ صاحب کے انتقال کے بعد علیؓ نے اپنے لئے خلافت کا احراز کرنا چاہا اس بنا پر کہ پیغمبرؐ صاحب کے عزیزوں میں انکے سوا اس منصب جلیل کا اہل اور تھا ہی کون ... یہ خیال بے اصل بھی نہ تھا۔ ان کے حق میں پیغمبر صاحب نے دمک شی دھمک لحمی (تیرا خون میرے خون میں اور تیرا گوشت پوست میرے گوشت پوست میں ملا ہوا ہے) اور انت منی بمنزلۃ

ھارون من موسےٰ (تم میری نسبت ایسے ہو جیسے ہارون موسےٰ کی نسبت تھے) فرمایا تھا۔ اگر نہ بھی فرماتے تو ان کا اور پیغمبر صاحب کا گوشت پوست خون ایک تھا۔ وہ پیغمبرؐ کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔ اُن کو پیغمبرؐ صاحب نے بچپن سے بیٹوں کی طرح پالا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ علیؓ طفل نوزائیدہ تھے۔ دودھ کے لئے روتے اور کسی عورت کی چھاتی منہ میں نہ لیتے تو پیغمبرؐ صاحب اپنی زبان اُن کو چُسا تے اور وہ سیر ہو کر سو جاتے۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ پیغمبرؐ صاحب نے اپنی لخت جگر فاطمۃ الزہراءؓ کو ان سے بیاہ دیا تھا اور ان سے پیغمبرؐ صاحب کی نسل چلی تھی۔ وہ اپنی ذات سے بڑے لائق تھے کہ پیغمبرؐ صاحب نے انا مدینۃ العلم وعلی بابھا سے ان کی لیاقت کی تصدیق اور توثیق فرمائی تھی۔ وہ شجاعت اور سخاوت اور خطابت اور زور مندی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ اُنکی اصابت رائے پر پیغمبرؐ صاحب کو کلی اعتماد تھا کہ نوعمری میں انکو یمامہ کا قاضی بنا کر بھیج دیا تھا۔ جس رات کفار مکہ پیغمبرؐ کو بغتۃً مار ڈالنے کے ارادے سے رات بھر پیغمبرؐ صاحب کا گھر گھیرے پڑے رہے۔ پیغمبرؐ صاحب ان کو اپنی جگہ لٹا کر چپکے سے باہر نکل گئے ع این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ خیبر فتح نہیں ہوتا تھا آخر پیغمبرؐ صاحب نے ایک دن فوجی افسروں کو جمع کر کے فرمایا کہ کل جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اس مہم کو سر کرے گا اور وہ علیؓ تھے ہجرت کے نویں برس ابوبکرؓ کو قافلہ سالار بنا کر حاجیوں کو مدینہ سے مکہ روانہ کیا۔ اتنے میں سورہ برا ءت کی شروع کی آیتیں نازل ہوئیں اور ان کا موسم حج میں اعلان کرنا ضرور تھا پیغمبرؐ صاحب نے آیتیں دیکر علیؓ کو دوڑایا۔۔ علیؓ کی بجائے خود اتنی خصوصیتیں۔ اتنی خدمتیں اتنی فضیلتیں تھیں کہ اُن کے ہوتے علیؓ نے اگر توقع خلافۃ کو دل میں جگہ دی ہو تو کوئی اس کو توقع بیجا یا فزوں تر از استحقاق نہیں کہہ سکتا۔۔۔ ہم خوب سمجھتے ہیں کہ پیغمبرؐ صاحب کی پدرانہ شفقت علیؓ کے ساتھ خاص تھی۔ اور علیؓ چند در چند حیثیتوں سے خلافۃ کے شایاں بھی تھے۔۔۔ ہم نے عائشہؓ کے تعلق کی وجہ سے قتل عثمان اور جنگ جمل کے حالات بھی تحریر کئے ورنہ یہ بھی ہمارے موضوع سے خارج ہے۔۔۔ اور چونکہ بات مردوں میں ہو رہی تھی عائشہؓ کو اس میں دخل در معقولات مناسب نہ تھا اور دخل بھی ایسا دخل کہ کشت و خون میں شریک ہو گرہی۔۔۔ باوجود اتنے انقلابات کے کانٹے کی طرح ابھی تک اُن کے دل میں کھٹکتی تھی اور خاص کر علیؓ کی طرف سے اُن کا بطون صاف نہ تھا۔ اور اسی کو ہم نے تریاہٹ سے تعبیر کیا۔ ہم کو تو اسکے سوائے اور کوئی توجیہ سوجھ نہیں پڑی

... عائشہؓ اور علیؓ میں جو دلی کدورت تھی اور اُسی کدورت کی وجہ سے جنگ جمل کا وقوع ہوا تھا۔ جس میں طرفین کے ۱۳ ہزار آدمی مارے گئے تھے اور مقتولین عوام الناس نہیں بلکہ اکثر صحابی اور عُبّاد اور حُفاظ۔ اہل السنۃ بے تامل کہہ دینگے کہ علیؓ اور عائشہؓ میں کچھ بھی رنجش نہ تھی۔ لوگوں کے بہکانے سکھانے سے دونوں لشکروں میں اتفاقیہ مٹھ بھیڑ ہو گئی۔ ہم مانتے ہیں کہ اہل السنۃ کا یہ کہنا محض اس غرض سے ہے کہ عائشہؓ اور علیؓ کے مذہبی تقدس میں فرق نہ آئے۔ لیکن جو حقیقۃ الحال سے واقف ہے وہ تو جانتا ہے"...(کتاب امہات الامۃ مطبوعہ دہلی)۔ مذکورہ بالا کل عبارت کتاب مذکور کے صفحہ ۹۰ سے ۱۱۲ تک کا اقتباس ہے جس کے پڑھنے سے اچھی طرح واضح ہو جائیگا کہ حضرت رسولخدا صلعم اس وصیت نامہ میں کیا لکھوانا چاہتے تھے اور کن وجوہ و اسباب سے حضرت اس ارادہ میں ناکامیاب رہے اور کیسی زبردست رکاوٹیں حائل تھیں جن کی وجہ سے آنحضرتؐ کی زندگی کی یہ آخری تمنا پوری نہیں ہو سکی۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے اسکے بعد لکھا ہے"اس واقعہ کے بعد چار دن تک آپ زندہ رہے۔ اس وقت نہ سہی بعد کو لکھوا دیا ہوتا"۔ سخت حیرت ہے کہ مولوی صاحب ایسے فہمیدہ مصنف کے قلم سے ایسا جملہ نکلے۔ اس واقعہ کے بعد چار دن تک حضرت زندہ رہے تو آپکی حالت بگڑتی گئی یا سنبھلتی گئی؟ حضرتؐ اُسی حجرے میں رہے یا کسی اور جگہ اُٹھ بیٹھے؟ حضرتؐ کا ماحول وہی رہا یا بدل گیا؟ حضرتؐ کے فرش اور جائے قیام کی فضا وہی رہی یا اس میں تغیر ہو گیا تھا؟ حضرتؐ کی تیمارداری کرنے والے۔ حضرتؐ کی نگرانی کرنے والے۔ حضرتؐ کی حرکات و سکنات پر پہرہ رکھنے والے وہی بزرگان مہربان تھے یا کوئی اور لوگ تھے؟ اگر کل امور وہی تھے جو چار دن پہلے تھے تو حضرت صلعم پہلے ہی اس وصیت نامہ کے لکھنے میں کیوں کامیاب ہو جاتے اور اب کس طرح اس کو "لکھوا دیا ہوتا"؟ حضرتؐ کے فرش کے احاطہ سے حضرت عائشہ کھسک نہیں سکتی تھیں۔ اور نہ وہ حضرت ابوبکر کے خلاف اب بھی کچھ کر سکتی تھیں۔ اور حضرت ابوبکر حضرت عمر کی رائے سے آج بھی باہر نہیں ہو سکتے تھے تو اور کون تھا جس سے آنحضرت صلعم قلم دوات کاغذ طلب فرماتے اور کس سے لکھواتے؟ اور کون شخص تھا جو حضرت عائشہ و ابوبکر و عمر کی شدید مخالفت کے باوجود انکے مقابلہ میں کاغذ لیکر حضرتؐ کے پاس بیٹھ جاتا اور ان لوگوں سے ہاتھا پائی ہوتی تو کاغذ قلم دوات کو چھیننے نہ دیتا بلکہ حضرت رسول صلعم کو بولنے تک کا موقع دیتا۔ پہلا سوال تو یہی ہے کہ جب ایک بند حجرے میں کسی مریض کی تمنا و آرزو کے خلاف لوگ ایکا کریں تو کیا وہ مریض کچھ بولنے کا موقع بھی پا سکتا ہے؟ اس لیے

کہ وہ بالکل مجبور و بے بس رہتا ہے اور جو اس کے تیمار دار کہتے ہیں وہی اس کو بھی کہنا اور جو اس کے آس پاس کے لوگ چاہتے ہیں وہی اس کو بھی کرنا پڑتا ہے۔ پھر حضرت رسولخدا صلعم بعد ہی کو وہ وصیت نامہ کس سے اور کیونکر لکھوا دیتے اور اُسے لیکر کوئی شخص حضرتؐ کے پاس سے ہٹ کیونکر سکتا تھا؟ فرض کیجئے کہ حضرتؐ لکھوا بھی دیتے تو کیا حضرت عائشہ۔ حضرت حفصہ۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اُس نوشتہ کو وہاں سے جانے بھی دیتے؟ اس کو چھین کر چاک کر دینے سے کون قوت اُن چاروں حضرات کو روک سکتی تھی؟ جب حضرت عمر اس قدر زبردست ہو گئے تھے کہ حضرت رسولؐ کو وصیت نامہ لکھنے تک نہیں دیا پھر بالفرض بعد کو رسولؐ وہ وصیت نامہ لکھ بھی دیتے تو حضرت عمر اس وصیت نامہ کو زندہ کیسے رہنے دیتے؟ حضرت عمر نے کچھ ہی دنوں میں اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ اگر رسولؐ کا وصیت نامہ لکھ بھی جاتا تو آپ اس کو چاک کر دیتے۔ جب خلافت پر پورا قبضہ ہو گیا۔ سب جھگڑے ختم ہو چکے۔ سب مطمئن ہو گئے اور حضرت ابو بکر پوری قوت و شان سے دنیائے اسلام پر بادشاہت کرنے لگے۔ جب آپکے کل طرفدار بظاہر آپ کے مطیع نظر آتے تھے اُس وقت تو حضرت عمر نے اُن کا نوشتہ پھاڑ کر پھینک دینے میں کوئی تامل ہی نہیں کیا۔ پھر رسولؐ ایسے قریب الارتحال بے بس شخص کے وصیت نامہ کی خیریت کیونکر ہوتی؟ علامہ حلبی نے لکھا ہے وفی کلام سبط ابن الجوزی رحمہ اللہ انہ رضی اللہ عنہ کتب لھا لفدک ودخل علیہ عمرؓ فقال ما ھذا فقال کتاب کتبتہ لفاطمۃ بمیراثھا من ابیھا فقال مماذا تنفق علی المسلمین وقد حاربتک العرب کما تریٰ ثم اخذ عمر الکتاب فشقہ۔ علامہ سبط ابن الجوزی کے کلام میں ہے کہ حضرت ابو بکر نے حضرت فاطمہؑ کے لئے فدک کا وثیقہ لکھدیا۔ اتنے میں حضرت عمر وہاں پہنچ گئے اور پوچھا یہ کیا ہے؟ حضرت ابو بکر نے کہ دیا حضرت رسولخدا کی جو میراث فاطمہؑ کو پہنچتی ہے اُسی کے بارے میں یہ وثیقہ میں نے لکھکر ان کو دے دیا ہے۔ حضرت عمر بولے پھر کس چیز سے تم مسلمانوں کے متعلق خرچ کرو گے؟ حالانکہ دیکھتے ہو کہ عرب تم سے جنگ پر آمادہ ہیں۔ یہ کہکر آپ نے وہ وثیقہ چھین لیا اور اُس کو چاک کر ڈالا (سیرۃ حلبیہ طبع مصر جلد ۳ صفحہ ۳۶۳)۔ مولوی صاحب نے اس کے بعد لکھا ہے" اور یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آپ کیا لکھوانا چاہتے تھے۔ بخاری میں ہے کہ آپ عبداللہ بن ابو بکر کو بلا کر حضرت ابو بکر کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے۔ پھر آپ نے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا کہ خود خدا اور اہل

اسلام ابوبکر کے سوا کسی اور کو پسند نہ کرینگے" مولوی صاحب کا یہ جملہ آپ کے سابق جملہ سے بھی زیادہ حیرت خیز ہے۔ اگر حضرت ابوبکر کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تو کیا حضرت عمر اُس سے اختلاف کر سکتے؟ اگر حضرت عمر کو اسکی ادنیٰ امید بھی ہو جاتی تو وہ ایک نہیں ہزار قلم ہزار دواتیں اور ہزار اوراق لیکر بیٹھ جاتے اور ہزار صحابہ کو اندر سے باہر تک جمع کر کے سب سے وہ وصیت نامہ لکھوا دیتے اور حسبنا کتاب اللہ کے عوض اطیعوا الرسول اور ما آتاکم الرسول فخذوہ وغیرہ کا شور بلند کرتے بلکہ آپ کے حسنِ انتظام سے بعید نہیں ہوتا کہ مدینہ کے کفار تک کو اسکی گواہی کے لئے بلا لیتے۔ حضرت ابوبکر کے پسینہ کے ایک قطرے پر حضرت عمر اپنے خون کا ہزاروں قطرہ نثار کرنے میں تامل ہی نہیں کر سکتے تھے۔ پھر آپکی خلافت کے لئے وہ کیا یہ اہتمام کرتے کہ وصیت نامہ لکھنے نہ پائے؟ کون عقل اس کو قبول کر سکتی اور کون باحواس شخص اسکو تسلیم کر سکتا ہے۔

آپ نے تحریر فرمایا ہے "بخاری میں ہے کہ آپ عبد اللہ بن ابی بکر کو بلا کر" الخ مگر افسوس آپ نے یہ نہیں لکھا کہ بخاری نے اپنی کتاب کے کس باب اور کس فصل میں یہ لکھا ہے۔ ہم کو تو بہت کچھ تلاش کرنے پر بھی یہ روایت نہیں ملی۔ امام بخاری نے اس روایت کو (۱) پہلے پارے۔ کتاب العلم باب کتابۃ العلم (صفحہ ۱۰۶ مطبوعہ دہلی) میں لکھا ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ پڑھ جائیے کہیں یہ عبارت نہیں ہے (۲) پھر پ۱۲ کتاب الشروط باب جوائز الوفد صفحہ ۱۲۶ میں یہ روایت لکھی ہے اس میں بھی نہیں ہے (۳) پھر پ۱۲ باب اخراج الیہود کتاب الجہاد صفحہ ۱۲۶ میں لکھی ہے۔ اس میں بھی حضرت ابوبکر کی خلافت کا ذکر نہیں ہے (۴) پھر پ۱۸ کتاب المغازی باب مرض النبیؐ و وفاتہ صفحہ ۱۰ میں یہ لکھی ہے اس میں بھی اس کا اشارہ تک نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت کے بارے میں آپ نے کچھ لکھوانا چاہا تھا۔ (۵) پھر پ۲۳ کتاب المرضیٰ باب قول المریض قوموا عنی صفحہ ۴۸ میں لکھی ہے مگر اس میں بھی حضرت ابوبکر کی خلافت کے متعلق کوئی حرف نہیں ہے (۶) پھر پ۳۰ کتاب الاعتصام باب کراہیۃ الاختلاف صفحہ ۷ میں لکھی ہے۔ مگر افسوس اس میں بھی ہم کو وہ عبارت نہیں ملی۔ معلوم نہیں مولوی صاحب نے واقعاً صحیح بخاری میں یہ عبارت دیکھی بھی ہے یا صرف امام بخاری صاحب سے حسن ظن کی بنا پر تحریر کر دیا کہ بخاری میں یہ لکھا ہے۔ کاش آپ بخاری کی اصل عبارت نقل کر دیتے۔ اور اسکے پارے۔ کتاب اور باب کا پتا بھی بتا دیتے تاکہ اسکی تلاش میں آسانی ہوتی۔ جب تک ان باتوں کا علم نہ ہو اس وقت تک اسکے راویوں کی تحقیق بھی نہیں ہو سکتی کہ کون اور کیسے تھے۔ ثبت الجدار ثم النقش

پہلے دیوار کو ثابت کر لو پھر اس پر نقش و نگار بنانا۔ مولوی صاحب نے لکھا ہے "یہ روایت صحیح بخاری موقع وفات کی ہے" اس وجہ سے امید ہوئی کہ شائد اسی جگہ حضرت ابوبکر کی خلافۃ کا وہ مضمون بھی مل جائے جس کا دعوے مولوی صاحب نے کیا ہے۔ مگر افسوس وہاں بھی صرف یہ عبارت ملی قال ابن عباس یوم الخمیس وما یوم الخمیس اشتد برسول اللہ وجعہ فقال ائتونی اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ ابدا۔ فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی تنازع فقالوا ما شانہ اھجر استفھموہ فذھبوا یردون عنہ فقال دعونی فالذی انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ واوصاھم بثلاث قال اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب واجیزوا الوفد بنحو ما کنت اجیزھم وسکت عن الثالثۃ او قال فنسیتھا۔
جناب ابن عباس بیان کرتے تھے کہ آہ جمعرات کا روز ہائے جمعرات کا روز کس قیامۃ کا تھا کہ اس روز حضرت رسول خدا کا مرض تیز ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس قلم دوات لاؤ۔ میں تمہارے لئے وہ وصیت نامہ لکھوا دوں جسکے بعد کبھی تم لوگ گمراہ نہیں ہو گے۔ تو اس پر لوگ ہاں جھگڑا کرنے لگے اور کسی نبی کے پاس جھگڑا کرنا مناسب نہیں ہے۔ پھر لوگوں نے کہا رسول کی کیا حالت ہے۔ کیا ہذیان بکتے ہیں؟ ان سے دریافت تو کر لو۔ اس پر لوگ بار بار رد کرنے لگے۔ یہ دیکھکر آنحضرت صلعم نے فرمایا تم لوگ مجھے چھوڑ دو کہ میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جسکی طرف تم لوگ مجھے بلاتے ہو اور ان سے زبانی تین وصیتیں فرمائیں کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دینا اور وفد کو اسی طرح جائزہ دینا جس طرح میں جائزہ دیتا تھا اور تیسرے سے سکوت کیا یا راوی نے کہا کہ میں اس تیسری بات کو بھول گیا (صحیح بخاری پ ۱۸ کتاب المغازی باب مرض النبی صلعم و وفاتہ صنا)۔ پوری روایت اسی طرح اور اتنی ہی ہے۔ ایک حرف بھی کم یا زائد نہیں۔ اگر مولوی صاحب زندہ ہوتے تو ان سے دریافت کیا جاتا کہ وہ صحیح بخاری کس جگہ موجود ہے جس میں آپ نے یہ روایت ملاحظہ فرمائی تھی۔ مولوی شبلی صاحب نے فن درایۃ پر بہت زور دیا ہے۔ شروع ہی میں لکھ چکے ہیں "واقعہ کی تحقیق کے لئے پہلے راویوں کی جرح و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہیئے بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں۔ کیونکہ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے" (الفاروق ص۱۵) ہم نے تو چاہا تھا کہ آپ نے جس روایت سے حضرت ابوبکر کی خلافۃ کے متعلق وصیت نامہ لکھنے کا ارادہ

تحریر کیا ہے۔ اسکے راویوں کی جرح و تعدیل بھی کر دیتے۔ مگر جب بخاری میں وہ عبارت لکھی ہی نہیں تو وہ فرض کیونکر انجام پائے۔ اب اصول ورایۃ کے مطابق آپ جانچئے کہ کیا حضرت ابوبکر کی خلافت کے متعلق آنحضرتؐ کے وصیت نامہ لکھنے کا ارادہ ممکن بھی تھا؟ اگر اس واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے۔ خواہ وہ روایت صحیح مسلم میں ہو یا صحیح بخاری میں (در صورتے کہ کسی کتاب میں نہیں ہے) اور اس واقعہ کا غیر ممکن ہونا اس سے واضح ہے کہ اگر آنحضرت صلعم حضرت ابوبکر کو خلافت کے لائق سمجھتے تو سورہ برارۃ کی تبلیغ تک سے معزول نہیں کر دیتے۔ جب خدا ور رسولؐ نے ایک مخصوص زمانہ میں صرف سورہ برارۃ کی تبلیغ تک کے لئے آپ کو پسند نہیں کیا تو پوری امت اسلام کی ہدایت و قیادت کا عظیم الشان بوجھ آپ پر کیسے رکھ دیتے؟ جب رسولؐ کے زندہ رہتے ہوئے بھی آپ اس قابل نہیں سمجھے گئے کہ صرف ایک سال ایک مختصر سی سورہ برارۃ کی محض تبلیغ کر دیں تو رسولؐ کے بعد حضرتؐ کے کل فرائض کی انجام دہی کا خیال بھی آپ کے متعلق کسی کو نہیں ہو سکتا تھا۔ علاوہ بریں آنحضرت صلعم نے اپنے مرض موت ہی میں اسامہ کا لشکر مدینہ سے باہر بھیج دینے کی کوشش کی اور اسی لشکر کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمر کو بھی حکم دیا کہ اس شہر کو چھوڑ کر وہاں سے بہت دور چلے جائیں۔ اگر خدا اور رسولؐ اس بات کو پسند کرتے کہ آنحضرتؐ کے خلیفہ حضرت ابوبکر ہوں تو آپ کو مدینہ ہی میں رہنے کا حکم دیا جاتا بلکہ تاکید کی جاتی کہ یہاں سے ہٹو نہیں نہ یہ حکم کہ اسامہ کی ماتحتی میں تم بھی چلے جاؤ۔ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت رسولؐ کی وفات کے وقت حضرت ابوبکر و عمر کو حکم دیا گیا تھا کہ اسامہ کے ماتحت مدینہ سے باہر چلے جائیں۔ اگر حضرت ابوبکر میں خلافت کی قابلیت ہوتی تو آنحضرت صلعم آپ کو اسامہ ایسے کم سن صحابی کا ماتحت کیوں بناتے؟ غرض حضرت رسولخدا صلعم نے اپنی وفات سے قبل دو انتظام کرکے ثابت کر دیا کہ حضرت ابوبکر اس قابل نہیں ہیں کہ آپ حضرتؐ کی جگہ بیٹھ سکیں۔ ایک سورہ برارۃ کی تبلیغ سے معزولی تھی جس نے ثابت کیا کہ آپ میں دینی خدمات کی سرداری یا احکام الٰہی کی تبلیغ و حفاظت کی صلاحیت نہیں ہے۔ دوسرا اسامہ کے ماتحت ہو کر اسکے ساتھ مدینہ سے باہر جانے کے لئے مامور ہونا تھا جس نے واضح کر دیا کہ آپ دنیوی امور۔ لشکر کشی۔ فتح ممالک کے لئے بھی خدا و رسولؐ کی نظروں میں سرداری کے اہل نہیں تھے۔ ورنہ بجائے اسامہ کے آپ ہی اس لشکر کے امیر بنائے جاتے اور دوسرے صحابہ کو آپکی اطاعت کا حکم دیا جاتا۔ اسکے بعد مولوی صاحب

نے لکھا ہے "اس اختلاف کے بعد آپ نے زبانی تین وصیتیں فرمائیں ۔ جو ضروری بات آپ کاغذ پر لکھوانا چاہتے تھے ممکن ہے کہ وہ یہی ہوں" سبحان اللہ حضرت تو فرماتے ہیں کہ ایسی کتاب لکھوا دوں جس کے بعد تم لوگ کبھی گمراہ نہیں ہوگے ۔ پھر وہ ضروری بات یہی کیونکر ہو سکتی ہیں؟ ان کل باتوں میں کون بات ایسی ہے جس کے نہ کرنے سے مسلمان گمراہ ہوجاتے؟ پہلی بات یہ تھی کہ "کوئی مشرک عرب میں رہنے نہ پائے"... کیا یہ بات ایسی ہوسکتی ہے جس کے نہ ہونے سے اہل اسلام گمراہ ہوجائیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ "سفراء کا اسی طرح احترام کیا جائے جس طرح آپ کے زمانہ میں دستور تھا" کیا یہ بات بھی ایسی تھی جس کے لئے آنحضرتؐ اس اہتمام سے فرماتے کہ "ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم لوگ گمراہ نہ ہوگے"؟ اگر سفراء کا احترام نہ کیا جاتا تو اس سے مسلمانوں میں گمراہی کیونکر آجاتی؟ تیسری وصیت راوی کو یاد ہی نہیں رہی۔ اگر یہ وصیت خلافت کے متعلق تھی تو بے شک یہی ایسی تھی جس کے بغیر مسلمان گمراہ ہوتے اور خلافت کے سوا یہ کچھ ہو ہی نہیں سکتی۔ اب سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے جب وصیت نامہ لکھنے کے لئے قلم دوات طلب کی تو جواب دیا گیا کہ ہمیں کتاب خدا کافی ہے ۔ یہ شخص بیہودہ بکتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد آنحضرتؐ نے یہ تین وصیتیں زبانی کر دیں تو ان پر نہ حسبنا کتاب اللہ کہا گیا نہ ان الرجل لیھجر کی آواز بلند کی گئی ۔ یہ کیوں؟ آنحضرتؐ کا مرض تو باقی بلکہ پہلے سے زیادہ تھا۔ اگر اس وقت سے پہلے حضرت بدحواسی۔ ہذیان کی بات فرما سکتے تھے تو اب اس کا سامان زیادہ ہو گیا تھا۔ پھر اب کیوں نہیں کہا گیا کہ ان پر درد کا غلبہ ہے یہ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ دین اسلام کامل ہو گیا ہے ۔ اب کسی وصیت وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر یہ وصیتیں جو بعد میں کی گئیں قابل توجہ سمجھی گئیں۔ اگر یہ باتیں جو حدیث قرطاس کے بعد دہن رسولؐ سے نکلیں لائق امتثال قرار پائیں تو پہلی بات کہ "وصیت نامہ لکھ دوں" کیوں رد کر دی گئی؟ کیوں اُس وقت قلم دوات لانے کے متعلق جھگڑا اکھڑا ہو گیا؟ وہ جھگڑا وہ نزاع ۔ وہ اختلاف ان زبانی وصیتوں کے بارے میں کیوں نہیں ہوا؟ عقل سلیم آسانی سے فیصلہ کر دیگی کہ چونکہ یہ زبانی وصیتیں خلافت کے متعلق نہیں تھیں ۔حضرت علیؑ اور اہلبیت طاہرینؑ کے بارے میں نہیں کی گئیں اور ان کے سُننے اور ان کی طرف توجہ کرنے سے اُس وقت کی مخصوص پارٹی کا کوئی نقصان نہیں ہو رہا تھا ۔ نہ ان وصیتوں سے اُن کے منصوبے خاک میں مل رہے تھے ۔ اس وجہ سے اِن کو توجہ سے سُنا بھی گیا ۔ اِن کو یاد بھی رکھا گیا ۔ ان پر تنازع بھی نہیں ہوا۔

ان پر حسبنا کتاب اللہ کا شور بھی بلند نہیں ہوا۔ ان پران الرجل لیہجر بھی نہیں کہا گیا۔
برخلاف اُس سابق وصیت نامہ کے کہ اُس سے اُس پارٹی کا بنا بنایا ہوا کھیل مٹی میں مل رہا تھا۔
اس وجہ سے اس کو چٹکیوں میں اُڑا دیا گیا۔ اور غالباً یہی سب سوچ سمجھکر اسامہ کے لشکر کے ساتھ
جانے اور وقتِ وفاتِ رسولؐ مدینہ چھوڑنے سے انکار بھی کیا گیا۔ اور اسی وجہ سے حضرت ابن
عباس جمعرات کے دن کو یاد کرکے برابر رویا کرتے تھے۔ آپ کا یہ قول "جو ضروری بات آپ کاغذ پر
لکھوانا چاہتے تھے ممکن ہے کہ وہ یہی ہوں"۔ اس وجہ سے بھی ناقابل قبول ہے کہ اگر یہی باتیں ہوتیں
تو جناب ابن عباس اس دن کو یاد کرکے رویا کیوں کرتے؟ اگر وہ نوشتہ انھیں باتوں کے متعلق
ہوتا تو جناب ابن عباس بجائے رونے کے خوش ہوتے اور کہتے کہ آنحضرتؐ جو وصیت نامہ لکھنا
چاہتے تھے وہ گو لکھا نہیں گیا مگر آنحضرتؐ نے بعد میں اس کو زبانی وصیتوں کی صورت میں ظاہر فرمادیا
لیکن جناب ابن عباس کی حالت تو یہ لکھی ہوئی ہے۔ امام بخاری تحریر فرماتے ہیں عن ابن عباسؓ
انہ قال یوم الخمیس وما یوم الخمیس ثم بکی حتے خضب دمعہ الحصباء فقال اشتد
برسول اللہؐ وجعہ یوم الخمیس الخ۔ جناب ابن عباس تڑپ تڑپ کر کہتے ہائے جمعرات کا دن۔
جمعرات کا دن کس قیامت کا تھا پھر اس قدر روتے کہ وہاں کے سنگریزے آپ کے آنسوؤں سے
تر ہو جاتے۔ پھر کہتے کہ جمعرات کے روز رسولخدا کا مرض بڑھ گیا تھا تا آخر حدیث (صحیح بخاری
پ۱۲۔ باب جوائز الوفد ص۱۲۶) جس سے واضح ہوتا ہے کہ رسولؐ کی رحلت کے بعد جب تک جناب
ابن عباس زندہ رہے برابر اس دن کو یاد کرکے رویا کرتے۔ اگر وہی بات حضرتؐ نے ان زبانی
وصیتوں میں فرمادی ہوتی تو آپ اس کے لئے یہ سوگ کیوں منایا کرتے؟ دوسری روایۃ اسی صحیح
بخاری میں ہے کہ حدیث قرطاس بیان کرنے کے بعد فکان ابن عباس یقول ان الرزیۃ
کل الرزیۃ ما حال بین رسول اللہؐ وبین ان یکتب لھم ذلک الکتاب من اختلافھم
ولغطھم۔ جناب ابن عباس کہا کرتے تھے کہ مصیبت سب سے بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ حضرت رسولخدا
صلعم جو وصیت نامہ لکھوانا چاہتے تھے اُس میں اور حضرتؐ کے درمیان رکاوٹ کھڑی کردی گئی (صحیح
بخاری پ۲۳۔ باب قول المریض قوموا عنی ص۲۸۷)۔ اگر وہ بات جو آنحضرتؐ لکھوانی چاہتے تھے یہی
ہوتی جو حضرتؐ نے زبان سے فرمادی تو جناب ابن عباس یہ کیوں کہتے کہ رسولؐ کی وصیت روک
دی گئی۔ اسکے اور حضرتؐ کے درمیان خلیج پیدا کردی گئی۔ یا اس کے سامنے دیوار کھڑی

کر دی گئی۔ اسکے بعد مولوی صاحب لکھتے ہیں " مجکو احتیاط کرنی چاہیئے کہ کتاب تاریخ کی حیثیت سے نکل کر علم کلام کے دائرہ میں نہ آجائے "۔ سخت تعجب ہے کہ بہت کچھ لکھ جانے اور تاویل و تشکیک کی پوری قوت صرف کر دینے کے بعد اب آپ کو یہ خیال آیا کہ " کتاب علم کلام کے دائرہ میں نہ آجائے "۔ معلوم نہیں اگر آپ اس کو اس دائرہ میں لانا چاہتے تو اور کیا لکھتے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں " تاہم جو میری ذاتی تحقیق ہے میں الفاروق میں لکھ چکا ہوں "۔ مطلب یہ کہ حدیث قرطاس کے خلاف آپ نے دو مرتبہ زور لگایا ہے۔ ایک دفعہ الفاروق میں اور دوسری مرتبہ سیرۃ النبیؐ میں۔ اور آخری کتاب دیکھنے والوں کو اشارہ کرتے ہیں کہ اس بحث کو الفاروق میں بھی دیکھیں۔ اس وجہ سے ضروری ہوا کہ اُس پر بھی تبصرہ کر دیا جائے لہ آپ تحریر فرماتے ہیں " بیماری کا بڑا مشہور واقعہ قرطاس کا واقعہ ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ آپ نے وفات سے تین روز پہلے قلم اور دوات طلب کیا اور فرمایا کہ میں تمہارے لئے ایسی چیز لکھوں گا کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو گے۔ اس پر حضرت عمر نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آنحضرتؐ کو درد کی شدت ہے اور ہمارے لئے قرآن کافی ہے۔ حاضرین میں سے بعضوں نے کہا کہ رسولؐ اللہ بہکی باتیں کر رہے ہیں (نعوذ باللہ) (روایت میں ھجر کا لفظ ہے جسکے معنے ہذیان کے ہیں)۔ یہ واقعہ بظاہر تعجب انگیز ہے۔ ایک معترض کہ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا گستاخی اور سرکشی ہوگی کہ جناب رسول اللہ صلعم بستر مرگ پر ہیں اور امت کے درد و غم خواری کے لحاظ سے فرماتے ہیں کہ لاؤ میں ایک ہدایت نامہ لکھدوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے۔ یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کے لئے جو ہدایت ہوگی وہ منصب نبوت کے لحاظ سے ہوگی اور اس لئے اُسمیں سہو و خطا کا احتمال نہیں ہو سکتا باوجود اسکے حضرت عمر بے پروائی ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرورت نہیں۔ ہم کو قرآن کافی ہے۔ طرہ یہ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر ہی نے آنحضرتؐ کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا (نعوذ باللہ)۔ یہ اعتراض ایک مدت سے چلا آتا ہے اور مسلمانوں کے دو مختلف گروہ نے اس پر بڑی طبع آزمائیاں کی ہیں لیکن چونکہ اس بحث میں غیر متعلق باتیں چھڑ گئیں اور اصول درایت سے کسی نے کام نہیں لیا۔ اس لئے اصل

لہ بحث قرطاس حضرت رسول خدا صلعم نیز حضرت عمر کی زندگی کا نہایت اہم واقعہ ہے۔ اس وجہ سے اس کو تفصیل سے بیان کر دینا ضروری ہے۔ ناظرین کتاب اسکی طوالت کو معاف کریں ۱۲ منہ

مسئلہ نامنفصل رہا۔ اور عجیب عجیب بیکار بحثیں پیدا ہو گئیں۔ یہاں تک کہ یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ پیغمبرؐ سے ہذیان ہونا ممکن ہے کیونکہ ہذیان انسانی عوارض میں ہے۔ اور آنحضرتؐ عوارض انسانی سے بری نہ تھے۔ یہاں دراصل یہ امر غور طلب ہے کہ جو واقعہ جس طریقہ سے روایتوں میں منقول ہے اس سے کسی امر پر استدلال ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس بحث کے لئے پہلے واقعات ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہیئے (۱) آنحضرتؐ کم و بیش ۱۳ دن تک بیمار رہے (۲) کاغذ و قلم طلب کرنے کا واقعہ جمعرات کے دن کا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں بتصریح مذکور ہے اور چونکہ آنحضرتؐ نے دوشنبہ کے دن انتقال فرمایا اس لئے اس واقعہ کے بعد آنحضرتؐ چار دن تک زندہ رہے (۳) اس تمام مدت بیماری میں آنحضرتؐ کی نسبت اور کوئی واقعہ اختلال حواس کا کسی روایت میں مذکور نہیں (۴) اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے لیکن یہ حدیث باوجود اسکے کہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے (چنانچہ صرف صحیح بخاری میں ۷ طریقوں سے مذکور ہے) با ایں ہمہ بجز عبد اللہ بن عباس کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں (۵) عبد اللہ بن عباس کی عمر اُس وقت صرف ۱۳-۱۴ برس کی تھی (۶) سب سے بڑھکر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اُس موقع پر عبد اللہ بن عباس خود موجود نہ تھے۔ اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انھوں نے کس سے سُنا (بخاری کتابۃ العلم میں جو حدیث مذکور ہے اُس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس اس واقعہ میں موجود تھے۔ اسی لئے محدثین نے اس امر پر بحث کی ہے اور بہ دلائل قطعیہ ثابت کیا ہے کہ وہ موجود نہ تھے۔ دیکھو فتح الباری باب کتابۃ العلم

(۷) تمام روایتوں میں مذکور ہے کہ جب آنحضرتؐ نے کاغذ قلم مانگا تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہؐ بہکی ہوئی باتیں کر رہے ہیں (علامہ قرطبی نے یہ تاویل کی ہے اور اس پر اُن کو ناز ہے کہ لوگوں نے یہ لفظ انکار اور استعجاب کے طور پر کہا تھا یعنی یہ کہ آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے خدانخواستہ آنحضرتؐ کا قول ہذیان تو نہیں کہ اس پر لحاظ نہ کیا جاوے۔ یہ تاویل لگتی ہوئی ہے لیکن بخاری و مسلم کی بعض روایتوں میں ایسے صاف الفاظ ہیں جن میں اس تاویل کا احتمال نہیں۔ مثلاً ھجر ھجر (دو دفعہ) یا ان رسول اللہؐ ھجر صحیح مسلم)۔ اب سب سے پہلے یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ جب اور کوئی واقعہ یا قرینہ آنحضرتؐ کے اختلال حواس کا کہیں کسی روایت میں مذکور نہیں تو صرف اس قدر کہنے سے کہ قلم دوات لاؤ لوگوں کو ہذیان کا خیال کیونکر پیدا ہو سکتا تھا؟

فرض کرلو کہ انبیاء سے ہذیان سرزد ہو سکتا ہے لیکن اسکے یہ معنے تو نہیں کہ وہ معمولی بات بھی کہیں تو ہذیان سمجھی جائے۔ ایک پیغمبر کا وفات کے قریب یہ کہنا کہ قلم دوات لاؤ میں ایسی چیز لکھ دوں کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو۔ اس میں ہذیان کی کیا بات ہے؟ (ہمارے نکتہ سنجوں نے یہ مضمون آفرینی کی ہے کہ چونکہ رسول اللہ لکھنا نہیں جانتے تھے اس لئے آپ کا یہ فرمانا کہ میں لکھ دوں ہذیان کا قرینہ تھا لیکن ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ لکھنے کے معنے لکھوانے کے بھی آتے ہیں اور یہ مجاز عموماً شائع اور ذائع ہے) یہ روایت اگر خواہ مخواہ صحیح سمجھی جائے تب بھی اس قدر بہرحال تسلیم کرنا ہوگا کہ راوی نے روایت میں وہ واقعات چھوڑ دیئے ہیں۔ جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرتؐ ہوش میں نہیں ہیں اور بے ہوشی کی حالت میں قلم دوات طلب فرمارہے ہیں۔ پس ایسی روایت سے جس میں کہ راوی نے واقعہ کی نہایت ضروری خصوصیتیں چھوڑ دیں کسی واقعہ پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے۔ اسکے ساتھ جب ان امور کا لحاظ کیا جائے کہ اتنے بڑے عظیم الشان واقعہ میں تمام صحابہ میں سے صرف حضرت عبد اللہ بن عباس اس کے راوی ہیں۔ اور یہ کہ اُن کی عمر اس وقت کل ۱۳-۱۴ برس کی تھی۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ وہ خود واقعہ کے وقت موجود نہ تھے۔ تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس روایت کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ کسی کوتاہ نظر پر یہ امر گراں گزرے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث پر شبہ کیا جائے۔ لیکن اُس کو سمجھنا چاہیئے کہ بخاری اور مسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ وہ واقعہ کی پوری ہئیت محفوظ نہ رکھ سکا اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ رسول اللہؐ کی نسبت ہذیان اور حضرت عمر کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جائے" (الفاروق حصہ اول صفحہ ۶۴)

واقعہ قرطاس کے متعلق مولوی صاحب نے صرف اسی قدر لکھا ہے۔ اس عبارت میں اکثر جملے ایسے ہیں جنکی حقیقت ہمارے گزشتہ بیانات سے اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے۔ البتہ اس میں بعض باتیں ایسی بھی ہیں جن کا ذکر پہلے نہیں ہوا اس وجہ سے اُن پر روشنی ڈال دینا بھی ضروری ہے آپ نے تحریر فرمایا ہے "اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے لیکن یہ حدیث باوجود اسکے کہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے۔ چنانچہ صرف صحیح بخاری میں ۷ طریقوں سے مذکور ہے یا ایں ہمہ بجز عبد اللہ بن عباس کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں"۔ اگر مولوی صاحب کی یہ عبارت تسلیم بھی کرلی جائے تو سوال

سے کہ صرف حضرت ابن عباس کے روایت کر دینے سے کیا روایت کمزور تسلیم کر لی جائے گی؟ کیا اسکے علاوہ اور بہت سی روایتیں ایسی نہیں ہیں جو صرف حضرت ابن عباس سے مروی ہیں اور اُن کو بالکل اُسی طرح تسلیم کیا جاتا ہے جس طرح اُن روایتوں کو جن کے راوی بکثرت صحابہ ہیں۔ پھر یہ شبہات اُن دوسری روایتوں میں جن کے بیان کرنے میں جناب ابن عباس منفرد ہیں کیوں نہیں وارد کئے جاتے؟ دوسرے صحابہ بھی جن روایتوں کے بیان میں منفرد ہیں کیوں نہیں اسی نظر سے دیکھے جاتے جس طرح واقعہ قرطاس کے متعلق حضرت ابن عباس دیکھے گئے؟ یہ معلوم ہے کہ حضرت ابن عباس کی اپنی خلافت کا مسئلہ نہیں تھا۔ اُن کو وصیت نامہ کے لکھے جانے سے کوئی حکومت نہیں مل جاتی۔ کوئی جائداد نہیں حاصل ہو جاتی کوئی دولت ہاتھ نہیں لگ جاتی۔ بلکہ جس کو آنحضرتؐ خلیفہ لکھنے والے تھے اسی کو مسلمانوں کی حکومت حاصل ہو سکتی تھی۔ البتہ اگر وہ شخص حضرت ابوبکر و عمر کے علاوہ کوئی ہوتا تو ان دونوں بزرگوں کا ضرور نقصان عظیم ہوتا۔ غرض وصیت نامہ لکھ جاتا تو حضرت علیؑ وغیرہ کا نفع ہوتا اور حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ کا نقصان یا اس کا عکس بہرصورت جناب ابن عباس کا نہ کوئی نفع ہوتا نہ نقصان۔ ایسی صورت میں جناب ابن عباس کی حیثیت بے غرض۔ بے لوث۔ بے شک و شبہ مخبر کی ہو جاتی ہے۔ جن کی تنہا روایت کافی ہے۔ برخلاف اس کے حضرت ابوبکر نے حدیث نحن معاشر الانبیاء لانرث ولانورث الخ تنہا روایت کی حالانکہ اس روایت کے مان لینے پر حضرت ابوبکر کا نفع ہی نفع ہوا۔ اس وجہ سے آپکی یہ تنہا روایت قابل قبول نہیں ہونی چاہیئے۔ باوجود اسکے حضرت ابوبکر کی یہ روایت جس میں وہ منفرد ہیں قبول کر لی جاتی ہے۔ اور حضرت ابن عباس کی یہ روایت جس کا اثر اُنکی ذات پر کچھ نہیں پڑ سکتا تھا۔ اس قسم کی عبارت آرائیوں سے ہوا میں اُڑا دی جاتی ہے ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ حضرت ابوبکر کی اس حدیث کے بارے میں تو اور زیادہ زور سے کہنا چاہیئے تھا کہ "یہ حدیث اُنکے خاص نفع کی ہے اور بجز اُن کے اور کسی صحابی سے اس حدیث کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں"۔ اس وجہ سے یہ ناقابل اعتبار نالائق توجہ ہے۔ درصورتیکہ حضرت ابوبکر کی حدیث نحن معاشر الانبیاء قرآن مجید کے مخالف بھی ہے کہ وہ کہتا ہے ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون اور جو ترکہ ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ مریں تو ہم نے ہر ایک مرنے والے کی میراث کے حقدار ٹھہرا دیئے ہیں (پ ۵۔ ع ۲)

اور حضرت ابن عباس کی حدیث قرآن مجید کے بالکل موافق ہے کہ وہ حکم دیتا ہے کتب
علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف
حقا علی المتقین ۔ مسلمانو! تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آموجود ہو
اور وہ کوئی اچھی چیز چھوڑنے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے مناسب طور پر وصیت
کر جائے جو خدا سے ڈرتے ہیں اُن پر یہ ضروری فرض ہے (پ ۲ ع ۶) ۔ اسی آیت کی تعمیل میں
حضرت رسولخدا صلعم وصیت نامہ لکھوا دینا چاہتے تھے (کہ علیؑ ہی میرے خلیفہ رہیں گے جس کا
اعلان میں ۳ سنہ بعثت میں کر چکا ہوں ۔ فاطمہؑ میری میراث پائیں گی وغیرہ) مگر روک دیئے گئے
حضرت عائشہ کی متعدد روایتیں ایسی ہیں جن کو ان کے سوا کسی نے نہیں بیان کیا ۔ خاص کر
حضرت رسولؐ کی محبت ۔ پیار اور خصوصیت کے متعلق ایسی روایتیں بھری ہوئی ہیں جن کی
تائید کسی اور کی روایت سے نہیں ہوتی تو وہ روایتیں کیوں مان لی گئیں اور کیوں ان کے
بارے میں نہیں کہا جاتا کہ یہ روایت ایسی ہے کہ باوجودیکہ اور صحابہ و صحابیات بلکہ ازواج رسولؐ
موجود تھیں مگر کسی اور نے اس کو روایت نہیں کیا اس سبب سے یہ روایت ناقابل اعتبار
ہے ۔ صحابی کی حیثیت سے جو درجہ حضرت ابوبکر و عمر کا ہے وہی حضرت ابن عباس کا بھی ۔ پھر
کوئی وجہ نہیں کہ ان دونوں حضرات کی وہ روایتیں جن کے راوی صرف یہ لوگ ہیں مان لی گئیں
اور وہ روایت جس کے راوی صرف حضرت ابن عباس ہیں شبہ کی نظر سے دیکھی جائے ۔ حضرت
ابن عباس کے متعلق بھی یہ شبہات صرف اس وجہ سے کئے گئے کہ انھوں نے حدیث قرطاس
کی روایت کی ۔ اگر وہ کسی اور مضمون کی روایت بیان کرتے مثلاً کہہ دیتے کہ حضرت ابوبکرؓ کو رسولؐ
نے اپنا دوست کہا ہے ۔ یا حضرت عمرؓ کو رسولؐ نے اپنا معتمد علیہ کہا ہے ۔ یا حضرت عائشہ کو رسولؐ
نے سب عورتوں سے بہتر کہا ہے ۔ تو پھر یہ نکتے پیدا نہیں کئے جاتے بلکہ بزور کہا جاتا
کہ حضرت ابن عباس ایسے صحابی نے اس کی روایت کی ہے جو حضرت رسولؐ کے چچا زاد
بھائی تھے ۔ جو حبر امت تھے ۔ جو رسولؐ کے بڑے مقرب صحابی تھے ۔ جو امت اسلام
کے بڑے ہمدرد اور قابل فخر بزرگ تھے ۔ یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر
صرف حضرت ابن عباس کے بیان کرنے کی وجہ سے یہ روایت کمزور ہے تو دوسرے
صحابہ و تابعین و تبع تابعین نے اسے اُن سے روایت کیوں کیا ۔ کیوں اُن لوگوں نے بھی

نہیں کہا کہ حدیث قرطاس کی روایت جب صرف ابن عباس کرتے ہیں اور دوسرے صحابہ اس کے متعلق خاموش ہیں تو روایت کمزور معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا ہم لوگ اس کی روایت نہ کریں۔ اور کیوں نہ امام بخاری و امام مسلم نے بھی اسی خیال سے اس کی روایت ترک کر دی۔ اگر یہ دونوں بزرگ اس کو معمولی درجہ کی روایت سمجھتے تو آسانی سے اس کو اپنی کتابوں سے نکال دیتے اس کا ذکر ہی نہیں کرتے۔ اس طرح حدیث کی کتابوں میں نہ اس روایت کا دخل ہوتا نہ حضرت رسولؐ کی طرف ہذیان کی نسبت ہوتی۔ نہ حضرت عمر پر گستاخی کا الزام قائم ہوتا۔ مگر بجائے اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ اس روایت کو بڑے بڑے صحابہ وتابعین نے حضرت ابن عباس سے لیا اور دوسروں سے بیان کرتے رہے۔ صحیح بخاری پارہ اول ص۱۶ میں یہ روایت اس سلسلہ سے منقول ہے امام بخاری سے یحییٰ ابن سلیمان نے اس روایت کو بیان کیا۔ ان سے ابن وہب نے کہا۔ ان سے یونس نے ذکر کیا۔ ان سے عبید اللہ نے نقل کیا اور ان سے حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا اور اتنے بزرگوں سے کسی نے بھی یہ خیال نہیں کیا کہ جناب ابن عباس کے سوا کوئی صحابی اس حدیث کی روایت نہیں کرتا تو ہم لوگ کیوں اس کو لیں اور کیوں دوسروں سے بیان کریں۔ بجائے اسکے ان لوگوں نے خود بھی اس حدیث کو لیا اور دوسروں سے بیان بھی کرتے رہے۔ اور امام بخاری ایسے محقق حدیث نے بھی کوئی شبہ نہیں کیا بلکہ پورے اہتمام سے اس کو اپنی صحیح میں درج کر دیا۔ پھر اس صحیح بخاری کے پ۱۲ ص۱۲۶ باب جوائز الوفد میں یہ روایت اس طرح ہے امام بخاری کہتے ہیں کہ مجھ سے قبیصہ نے بیان کیا۔ ان سے ابن عیینہ نے کہا۔ ان سے سلیمان احول نے ذکر کیا۔ ان سے سعید بن جبیر نے نقل کیا اور ان سے حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ اس طرح ان لوگوں نے بھی اسکی روایت میں تامل نہیں کیا۔ پھر اسی پارہ ۱۲ ص۱۶۰ میں یہ روایت اس طرح ہے کہ امام بخاری سے محمد نے بیان کیا۔ ان سے ابن عیینہ نے کہا۔ ان سے سلیمان بن ابو مسلم احول نے ذکر کیا۔ انھوں نے سعید بن جبیر سے سُنا۔ ان سے حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ پھر پ۱۸ ص۱۰ میں ہے کہ امام بخاری سے قتیبہ نے کہا۔ ان سے سفیان نے بیان کیا۔ ان سے سلیمان احول نے ذکر کیا انھوں نے سعید بن جبیر سے سُنا۔ ان سے حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ پھر پ۱۸ ص۱۰ میں ہے کہ امام بخاری سے علی ابن عبد اللہ نے کہا۔ ان سے عبد الرزاق نے بیان کیا۔ ان سے زہری

اپنی شیعہ بی بی کو سُنّی کرنا چاہا تو شیعہ لڑکی نے کہا آؤ تحقیق کریں کہ قرآن مجید سے سُنّی مذہب کا حق ہونا ثابت ہوتا ہے یا شیعہ مذہب کا۔ قرآن مجید جس کے مذہب کو صحیح کہے اسی مذہب کو ہم دونوں آدمی اختیار کریں۔ چنانچہ یہ زبردست بحث شروع ہوئی اور کل اصول و فروع دین میں دونوں شخص اپنی قابلیت کے جوہر دکھلانے لگے خصوصاً تقیہ۔ تبرا۔ خدا کے مجسم ہونے۔ توحید۔ بداء۔ عدل۔ تحریف قرآن۔ قرآن مجید پر شیعوں کے ایمان ہونے یا نہ ہونے۔ قرآن مجید کے ساتھ سنیوں اور شیعوں کے برتاؤ۔ نبوت۔ امامت و خلافت۔ مسح قدمین۔ نماز میں ہاتھ کھولنے۔ بسم اللہ کہنے۔ روزے کے مسائل۔ متعہ کی تحقیق۔ نماز جماعت۔ نجاست مشرکین وغیرہ پر خوب خوب بحثیں ہوئیں مگر ہر مسئلہ میں شیعہ بی بی نے ثابت کر دیا کہ مذہب شیعہ ہی قرآن مجید کے مطابق اور مذہب اہلسنت قرآن مجید کے مخالف ہے۔ آخر سُنّی مولانا صاحب نے مذہب بدل کر اپنے شیعہ ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ ۵۱۶ صفحہ کی اس کتاب میں سُنّی و شیعہ کے کل اختلافات پر کامل تحقیق و جامعیت سے بحث کر کے صراط مستقیم بالکل واضح کر دی گئی ہے۔ کاغذ۔ لکھائی۔ چھپائی سب اعلیٰ درجہ کی قیمت صرف ڈھائی روپیہ

تاریخ ائمہ آج تک اردو زبان میں ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں شیعوں کے کل بزرگان دین کے مفصل حالات اور قابل فخر کارنامے خود اہلسنت کی نہایت معتبر کتابوں سے ایک جگہ جمع کئے گئے ہوں۔ اب عظیم الشان کتاب تاریخ ائمہ میں شروع میں انبیاء کرام کے ضروری حالات۔ پھر حضرت رسول خدا صلعم کے حالات لکھ کر آپ کی ازواج و اصحاب کرام کے حالات لکھے گئے۔ اس کے بعد حضرات ائمہ طاہرین کے مفصل سوانح زندگی اور قابل ناز دینی و دنیوی کارنامے نہایت دلچسپ عنوان سے جمع کئے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ائمہ طاہرین کی ازواج و اولاد کے بھی نہایت معرفت خیز حالات لکھے گئے ہیں۔ علم دوست حضرات نے تسلیم کر لیا کہ اس کتاب میں گویا سمندر کو کوزے میں بند کیا گیا ہے۔ آج تک ہمارے پیشوایان دین کے ایسے قابل قدر حالات دنیا کی کسی زبان (عربی۔ فارسی۔ اردو) میں نہیں لکھے گئے۔ جناب مولانا و مقتدانا آقا سید سبط نبی صاحب قبلہ مجتہد العصر اعلی اللہ مقامہ ساکن نوگانواں سادات و شیعہ ڈین مسلم یونیورسٹی علیگڈھ نے اس کتاب کو اس درجہ پسند فرمایا کہ اس کے نسخے بذریعہ وی پی طلب کئے اور اسے علی گڈھ کالج و اسکول کے شیعہ طلاب کے نصاب تعلیم میں داخل کرا دیا۔ کاغذ۔ لکھائی۔ چھپائی سب اعلیٰ درجہ کی۔ ضخامت ۱۶۰ صفحہ قیمت صرف ... سے صرف ... علاوہ محصول ڈاک۔ جلد طلب کیجئے۔ یہ کتاب ایک نعمت بے بہا ہے اگر جلد نہ منگا لیجئے گا تو دوسری طبع کا خدا جانے انتظار کرنا ہوگا۔ کیا عجب اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا جائے

مجالس خاتون اردو زبان میں چند سال قبل تک کوئی کتاب ایسی نہیں لکھی گئی تھی جو خاص

عورتوں کی ماتمی مجلسوں کے لئے لکھی گئی ہو اور جس کو بہنیں خود پڑھکر دوسری بہنوں کو سنائیں اور انھیں ثواب کرتیں۔ یہ کمی بہت دنوں سے محسوس ہو رہی تھی۔ اس کو رفع کرنے کے لئے کتاب مجالس خواتین لکھی گئی جس میں پہلی محرم سے ۱۰ محرم تک ہر روز اور ہر رات میں عورتوں کے پڑھنے کی تین مجلسیں لکھی گئیں۔ اس طرح ۳۰ مجالس کا یہ ایسا قیمتی ذخیرہ ہو گیا ہے جس کا ہر شیعہ عورت کے پاس ہر وقت رہنا ضروری ہے۔ ہر مجلس کے اخیر میں مصائب بہت رقت خیز اور رُلانے والے دردناک نوحے بھی لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ بہنوں کو حدیث پڑھنے کے بعد کسی دوسرے نوحہ کے رکھنے کی ضرورت نہ ہو بلکہ اسی کتاب سے یہ ضرورت بھی رفع ہو جائے۔ پہلی دفعہ چھپکے پوری کتاب ختم ہو گئی تھی اب دوبارہ چھپوائی گئی ہے۔ اسکے بھی صرف چند نسخے باقی ہیں۔ جلد منگایئے ورنہ تیسرے چھاپے کا انتظار کرنا ہوگا قیمت ۱۲

حضرت ابوبکر حضرت ابوبکر کی سوانح عمری بھی خدا کے فضل و کرم سے بڑی تحقیق و جامعیت سے لکھی اور شائع کی گئی ہے جسکے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں ممدوح کے مفصل حالات ہجرت تک شائع ہوئے ہیں۔ اسمیں خاص کر مضامین نہایت دلچسپ اور ایمان افروز ہیں۔ آپکی نسبی حالت اور عرب میں آپکے خاندان کی حیثیت۔ آپ کے والدین و اجداد و اخوات و دیگر اعزہ مخصوصین کے حالات۔ آپکا خاندانی پیشہ۔ آپ کے خاندانی پیشہ کے نتائج اور اسکے دنیوی و دینی خصوصیات۔ آپکی ولادت کے حالات۔ حلیہ۔ نام۔ کنیت۔ القاب۔ اور ان کے وجوہ و اسباب۔ عہد طفولیت تعلیم و تربیت۔ ذریعہ معاش۔ حضرت رسولخدا صلعم سے آپکا برتاؤ۔ خاندان بنی ہاشم سے تعلقات۔ حضرت عمر سے تعلقات زمانہ جاہلیت کے کارنامے اور اُس عہد میں آپ کے مذہب کی تحقیق۔ آپ کا قبول اسلام۔ اولیتہ اسلام کی بحث۔ آپ کے اسلام قبول کرنے کے اسباب و علل۔ آپ کے اسلام یا ایمان کی حقیقت۔ ابتدائے اسلام میں آپکا اجتہاد اور اس کا نتیجہ۔ حضرت رسولخدا صلعم کی مالی اعانت کرنے کی تحقیق آپ کے دل میں حضرت رسولخدا صلعم اور اسلام کی عزت و محبت۔ حضرت عائشہ کی شادی حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ کیوں کی جب کہ وہ صرف ۶ سال کی تھیں۔ کیا چھ سالہ لڑکیوں کی شادی ملک عرب کے شریف لوگوں میں ہوتی تھی۔ ہجرت میں آنحضرت صلعم آپ کو اپنے ساتھ لیگئے یا آپ خود ہی چلے گئے۔ سفر ہجرت کے کارنامے۔ معیت غار اور اوس کے کارنامے۔ کاغذ لکھائی چھپائی اعلیٰ ۲۶۰ صفحہ قیمت عمر

مشعل ہدایت جناب حاجی سید اظہار حسین صاحب بی۔ اے مجسٹریٹ پنشنر کھجوا کی مشہور اور زبردست تحقیقی کتاب جسمیں دکھایا گیا ہے کہ خدا اپنے کلام پاک میں رسولخدا اور اُنکے آل و اصحاب کے لئے کیا فرماتا ہے اور قرآن مجید سے آل اطہار کا کیا پایہ ثابت ہوا اور اصحاب کس مرتبہ پر فائز تھے۔ ان حقائق کی موجودگی میں امت پر کس کی پیروی اور کس حد تک فرض ہے۔ بہت ہی قابل قدر کتاب ہے حجم ۱۱۲ صفحہ قیمت صرف عمر۔ المشتہر منیجر اصلاح کھجوا

(سید فاخر الدین حیدر نے جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ کے واسطے اصلاح پریس کھجوا میں چھپا کر شائع کیا)

۷۸۶

جریدۂ مبارکہ

اصلاح

(تاریخ اجراء ۱۵ شعبان ۱۳۱۵ ہجری)

نمبر ۴	ماہ ربیع الآخر ۱۳۵۹ھ	جلد ۴۴

مدیر

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم

مقام اشاعت

کھجوا (صوبہ بہار)

چندہ سالانہ خاص ہندوستان سے ۲ روپیہ مع محصول ڈاک

بیرون ہندوستان سے اور اس کا محصول

چندہ سالانہ عام خریداران سے

۸۰۱۱۰

جوہر قرآن و سوانح عمری خلیفہ دوم کی قیمت تین روپیہ دستی دلچسپ ناول جوہر قرآن کی طرح حقیقت پر مبنی نہایت

اور بہت دلچسپ مفید اور محققانہ ناول بھی رسالہ اصلاح کے ساتھ انشاء اللہ جلد از جلد شروع کیا جا رہا ہے

جس میں دکھایا جائیگا کہ خود اہلسنت کی مشہور کتاب صحیح بخاری میں جس کو قرآن مجید کے برابر سمجھا جاتا ہے ہفوات

و مضحکات کا کس قدر انبار لگا ہوا ہے اور عقل و قرآن مجید کے خلاف کس کثرت سے حدیثیں بھری ہوئی ہیں۔

اس کے ساتھ مذہب شیعہ کے موافق بھی کتنا زبردست ذخیرہ موجود ہے جس سے ہر انصاف پسند شخص آسانی کر

تسلیم کریگا کہ اسلام میں مذہب شیعہ ہی حق ہے اسکے مقابلہ میں دوسرے فرقے اپنے کو حق [illegible]

اس جدید کتاب کی وجہ سے رسالہ کے صفحات میں اضافہ کرنا پڑیگا جس کے کاغذ کا جلد از جلد انتظام کرنے کے

لیے ۳۰ رجب ۱۳۵۹ھ تک رسالہ اصلاح کے جدید خریداروں کو کتاب تاریخ ائمہ بجائے ۱۲ کے ۸ میں

دلچسپ ناول جوہر قرآن ۵۱۶ صفحہ بجائے ۱۲ کے ۸ میں اور سوانح عمری خلیفہ دوم کا پہلا حصہ ۲۷۶ صفحہ بجائے

۱۲ کے صرف ۸ میں دیا جائیگا۔ جلد طلب کر لیجئے ورنہ طبع ثانی کے انتظار کی سخت زحمت ہوگی۔

سوانح عمری حضرت خلیفہ دوم حصہ اول یہ کتاب بھی ۲۷۶ صفحہ پر دفتر اصلاح کھجوا سے شائع ہوئی ہے جو ایک

عظیم الشان علمی اور اسلامی کارنامہ ہے۔ جب سے مشہور علامہ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے خلیفہ دوم

حضرت عمر کی مشہور سوانح عمری "الفاروق" شائع کی مذہب شیعہ پر اس سے جو حملہ ہو رہا تھا خصوصاً لوگوں کے خیالات

پر اس کا نہایت مضر اثر پڑنے لگا تھا۔ خاصکر تعلیم یافتہ شیعہ [illegible] سیاست دان۔ جیسے

صائب الرائے۔ ہمدرد اسلام۔ بہی خواہ مسلمین۔ حیرت انگیز [illegible] اسلامی ہیرو [illegible]

اسی وجہ سے انصاف پسند مسلمانوں میں بڑی بے چینی تھی کہ کسی طرح حضرت عمر کی ایسی ہی اور تحقیقی سوانح عمری

بھی لکھی جاتی جس سے آپ کے اصلی حالات اور صحیح واقعات زندگی معتبر کتابوں سے واضح ہو جاتے

اور "الفاروق" کا زہریلا اثر مٹ جاتا۔ الحمد للہ کہ یہ دیرینہ آرزو بر آئی اور دفتر اصلاح سے

حضرت ممدوح کی ایسی ہی سوانح عمری کا پہلا حصہ ۲۷۶ صفحہ میں شائع ہو گیا۔ جس میں حضرت کے

فضائل کی کل حدیثوں پر تبصرہ کر کے ان کا موضوع ہونا ثابت کر دیا گیا۔ اور پھر آپ کی پیدائش

سے ہجرت مدینہ تک کے مفصل حالات جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس سوانح عمری نے مسلمانوں کو [illegible]

کر دیا ہے۔ قیمت صرف ۸ مجلد منگا لیجئے تاکہ دوسرے حصہ کے ساتھ پہلے حصہ کا لطف [illegible]

جوہر قرآن نہایت اعلے درجہ کی کتاب ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح حیدرآباد دکن میں ایک تعلیم یافتہ

نہایت تیز شیعہ لڑکی کی شادی ایک زبردست محقق و علامہ اہلسنت سے ہو گئی جسکے بعد سنی مولانا صاحب سے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اصلاح

نمبر ۱۲ | ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۹ ہجری | جلد ۴۴

اس سال کجھوا کا طاعون اس سال عشرہ محرم کے بعد ہی کجھوا میں انفلوئنزا کی وبا پھیلی جس میں کئی قیمتی جانیں ضائع ہوئیں۔ جیسے برادرم سید شاہد رضا صاحب کجھوی کے لڑکے باقر اور برادرم مولوی سید اظہار الحسنین صاحب عشروی کی دو لڑکیوں نے نمونیا سے انتقال کیا۔ اسکے فوراً ہی بعد طاعون کا زور ہوا۔ چونکہ مدت دراز کے بعد اس سال یہ وبا پھیلی اس سے خوف و انتشار بہت ہوا۔ ایسی سمیت تھی کہ جتنے بیمار ہوئے ان سے بہت کم بچے۔ یہاں کے رہنے والے بہت زیادہ تعداد میں یہ مقام چھوڑ کر دوسری جگہوں پر چلے گئے ہمیں بھی کئی مقام سے اعزہ نے بلایا گر دفتر کے تعلق کی وجہ سے نہ جاسکے۔ البتہ اپنا مکان۔ محلہ بلکہ قصبہ کی پوری آبادی چھوڑ کر اس مقام سے باہر عیدگاہ کے زیر سایہ ٹٹیوں کا انتظام کرکے ہم بھی اپنے کل متعلقین کے ساتھ چلے گئے اور رجب تک دبا کا پورا زور رہا وہیں مقیم رہے۔ کوشش کی کہ اس زمانہ میں بھی مطبع بند نہ ہو اور کم از کم ماہ ربیع الاول و ربیع الثانی کا اصلاح شائع کردیں مگر کسی طرح کامیابی نہیں ہوئی۔ کیونکہ مطبع کے بعض افراد بھی اس مقام کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے گئے تھے۔ مجبوراً مطبع اصلاح بند پڑا رہا۔ اور ہم اپنے ہمدردوں کو اسکی بھی اطلاع نہیں دے سکے کہ کس مصیبت میں گرفتار ہیں۔ طاعون سے بھی بہت قیمتی جانیں ضائع ہوئیں جن میں عزیزم مختار مرحوم ابن سید مظہر الحسن صاحب مرحوم (۱۵ ربیع الاول) اہلیہ برادرم مولوی سید محمد صاحب (۲۵ ربیع الاول) اور دختر صفدر حسن صاحب کے حادثات خاص طور پر قابل ذکر ہیں کہ بہت سخت ہوئے۔ خدائے کریم مرحومین کے درجات عالی کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ مومنین سورہ فاتحہ و توحید کا ثواب سب کی روحوں کو ایصال کرکے شکر گزار کریں۔ اور دعا کریں کہ آئندہ خدا اس وبا سے سب کو محفوظ رکھے۔

غرض عجیب زمانہ وحشت و انتشار حواس گزرا ہے۔ جس کو معمولی شکایت بھی ہوتی اسی وقت اسکی زندگی سے مایوسی ہو جاتی تھی اور چونکہ قصبہ میں بہت کم لوگ رہ گئے تھے اس سبب سے باقی ماندہ افراد نہایت خوف و ہراس کی زندگی بسر کرتے رہے۔ خدا کے فضل سے ماہ دی الاول جمادی الاولی میں کچھ اطمینان ہوا تو ہم لوگ بھی ٹٹیوں سے اپنے مکان میں واپس آئے۔ مگر مطبع اصلاح کے کاربردازان آخر ماہ میں پہونچے اور نمبر ۳ و ۴ چھپنے لگے جو بفضلہ ہمدرد ان اصلاح کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔

معذرت چونکہ گزشتہ ایام ہم سب کی سخت پریشانی کے گزرے۔ مطبع بھی بند رہا۔ ہم بھی آوارہ وطن ہو گئے تھے۔ ڈاک خانہ بھی یہاں سے دور ایک عارضی مقام پر چلا گیا تھا دفتر کے کل امور درہم برہم رہے۔ نہ پرچے روانہ ہو سکے نہ خطوط کی تعمیل ہو سکی۔ نہ فرمائشیں سب پوری ہو سکیں۔ امید ہے کہ آپ حضرات ہمیں معذور سمجھ کر معاف کرینگے اور دعا کرینگے کہ خدا جلد اپنا فضل کر کے ان کل شکایات کی تلافی کرا دے۔ اب بفضلہ تعالیٰ پوری کوشش ہو رہی ہے کہ اصلاح نمبر ۵ و ۶ بھی آپ حضرات تک جلد پہونچ جائیں۔ مگر دفتر کی مالی حالت اس اثنا میں بہت نازک ہو گئی۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ اصلاح جلد جلد آپ کے پاس پہونچنے لگے تو ہر ہمدرد اس کو دو دو جدید خریدار عنایت کر کے تشکر گزار کریں۔ اگر رسالہ کے خریدار نہ مل سکیں تو ناول جوہر قرآن و کتاب تاریخ ائمہ و سوانح عمری خلیفہ دوم حصہ اول کے خریدار تو ضرور مل سکتے ہیں۔ بفضلہ یہ کتابیں طیار ہیں اور ان سے مذہب حق کی نہایت مفید تبلیغ ہو رہی ہے۔

انصار اصلاح کا شکریہ حسب ذیل حضرات نے اس سال رسالہ اصلاح کو جدید خریدار عنایت فرما کر شکر گزار کیا (۷) جناب سید احسن صاحب متعلم جامعۃ و ہم حیدر آباد۔ ۱ (۸) جناب سید مالک علی صاحب چیف انجینیر مانگرول ۱ (۹) جناب سید امیر حیدر صاحب گلاس مرچنٹ بمبئی ۲ (۱۰) جناب سید شاہ منظر حسن صاحب سپرنٹنڈنٹ بستی ۳ (۱۱) جناب حکیم سید محمد زماں صاحب لکھنوی رتلام ۲ (۱۲) جناب سید کرم شاہ صاحب ہیڈ کانسٹبل چوکی دریاخاں ۲ (۱۳) جناب ملک نورخاں صاحب ایس۔ وی ضلع میانوالی ۱ (۱۴) جناب ملک محمد علی صاحب نسیم اول مدرس گورنمنٹ اسکول بھیرا۔ ۱ (۱۵) جناب سید علی افضل صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی

وکیل منٹگمری ۱ (۱۶) جناب ملک گلزار حسین صاحب کیانی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس چارسدہ ۱ (۱۷) جناب سید اطاعۃ حسین صاحب آفیسر لازمی تعلیم سرسی ۱ (۱۸) جناب سید محمد نواز صاحب رضوی بی۔ اے فاضل مشرقیات چک جھمرا-۱۔

خاص ہمدردان اصلاح نے کتابوں کے خریدار بھی عنایت فرمائے۔ ان میں جناب حافظ سید امیر کاظم صاحب رئیس نگینہ۔ جناب سید علی افضل صاحب وکیل منٹگمری۔ جناب مولوی سید ریاست حسین صاحب جعفری سیتاپور۔ جناب حکیم سید محمد زماں صاحب طبیب لکھنوی ریاست رتلام۔ جناب سید نظیر الحسن صاحب سب انسپکٹر پولیس ضلع جھانسی جناب سید بہادر علی شاہ صاحب نقوی ملتان سٹی۔ جناب ولی محمد خاں صاحب جعفری ملکانی بلوچ مدرس ضلع مظفر گڈھ۔ جناب سید یوسف حسن صاحب شہر پٹیالہ۔ جناب سید احمد میاں بڑامیاں صاحب شیرازی ڈھولکا۔ جناب سید سبط حسن صاحب کنسٹبل ضلع جھانسی۔ جناب سید ارتضےٰ حسن صاحب ناظم شیعہ مشن کراری۔ جناب سید محمد حسنین صاحب جعفری کلرک کسٹم ہاؤس بمبئی۔ جناب حکیم سید احمد علی خاں صاحب رئیس بجے پور۔ جناب آقا سید محمد اکبر صاحب کورٹ انسپکٹر پولیس کانپور دام مجدہم خاص طور پر قابل شکریہ ہیں کہ دفتر کی کتابیں خود طلب کیں اور دوسرے مومنین کو بھی آمادہ کر کے ان سے طلب کرائیں۔ مگر اصلاح کے ہزاروں ناظرین سے صرف اتنے حضرات کی ہمدردی سے کیا کام چل سکتا ہے؟ اس وقت رسالہ اصلاح کو دو بہت بڑے علمی اور دینی کام انجام دینا ہیں کہ خلیفہ دوم کی سوانح عمری کا دوسرا حصہ ۶۰۰ صفحہ پر شاندار عنوان سے شائع ہو کر مکمل ہو جائے۔ اور تیسرا نہایت ضروری دلچسپ ناول تحفہ بخاری بھی شائع کر دیا جائے جس میں دکھایا جائے کہ خود حضرات اہلسنت کی مشہور کتاب صحیح بخاری سے بھی مذہب اہلسنت کا خدا اور رسولؐ کے خلاف اور مذہب شیعہ کا حق اور خدا و رسولؐ کے موافق ہونا کس طرح واضح ہے۔ انشاء اللہ یہ ناول بھی شیعوں کا ایک عظیم الشان تبلیغی کارنامہ ہوگا۔ اور کیا عجب ہندوستان کی وہابی دنیا میں اس پر بھی بہت بڑا ماتم قائم ہو جائے۔ مگر بغیر ہمدردان اصلاح کی خاص مستعدی کے یہ کام انجام نہیں پا سکتے اگر کل حضرات صرف ایک ایک خریدار بھی ایسے عنایت کریں جو دفتر کے بہت مقبول علمی ذخیرے (۱) تاریخ ائمہ ۱۲؎ (۲) جوہر قرآن ۱۲؎ (۳) سوانح عمری خلیفہ دوم حصہ اول ۱۲؎ (۴) ذخیرہ حق ۱۲؎

دفتر سے منگالیں تو مذکورہ بالا کل امور آسانی سے انجام پا جائیں اور رسالہ بھی وقت پر شائع ہوتے رہیں
اسکی خاص کوشش ہونی چاہئے کہ رسالہ اصلاح یا کتابوں کے جدید خریداروں سے چندہ پیشگی وصول
آپ حضرات بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں جسکے بعد کتابیں فوراً انکی خدمت میں محصول لگا کر بھیج دی جا
وی پی دیر کر کے وصول ہوتا ہے اس وجہ سے دفتر کے امور معطل رہتے ہیں۔ خدا کے فضل سے جوہر قرآن
و تاریخ ائمہ اور سوانح عمری خلیفہ اول و دوم کا بہت مفید نتیجہ پیدا ہو رہا ہے۔ چاروں کتابیں
حق کی غیر معمولی خدمتیں انجام دے رہی ہیں۔ آپ حضرات پوری کوشش کریں کہ یہ کتابیں کثرت سے
مومنین کے پاس پہنچتی رہیں اور وہ برادران اہلسنت کو بھی یہ سب دکھاتے رہیں۔ جو مومنین اس
سال رسالہ اصلاح کے جدید خریدار ہونگے ان کے ساتھ یہ بڑی رعایت بھی کیجائیگی کہ تاریخ ائمہ بجائے
۲ کے صرف ۱ میں۔ جوہر قرآن بجائے ۲ کے صرف ۱ میں۔ سوانح عمری خلیفہ دوم جلد اول بجائے
۱ کے ۱۲ میں۔ ذخیرہ حق بجائے ۱ کے صرف ۱۰ میں دی جائیگی۔

سوانح عمری خلیفہ دوم کی اہمیت خدا کے فضل سے یہ سوانح عمری امید سے بہت زیادہ
پسند کی جا رہی ہے۔ اسکی مدح میں برابر خطوط آتے رہتے ہیں۔ جناب سردار اللہ بخش خاں صاحب
جسکانی بستی غلام حیدر خاں ضلع مظفر گڈھ پنجاب سے لکھتے ہیں "فاضل اجل کامل بالاکمل فخر المحققین
شمس العلماء جناب مولانا مولوی السید علی حیدر صاحب قبلہ مدظلہ العالی۔ جناب کے آخیری سال ذی الحجہ ۵۸ھ
تک رسالہ جات اصلاح موصول ہو چکے۔ سوانح عمری خلیفہ دوم کی بھی جلد اول تمام ہو کر آچکی۔ اُس کو
پڑھکر دل میں ایسی مسرت پیدا ہوئی جیسے بے اولاد کو اولاد۔ اپاہج بیمار کو مکمل شفا۔ سہ روزہ کے پیاسے
کو آب مل جانے کی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ عالی جاہ اگر میں کوئی بڑا عالم ہوتا کئی صفحات بزبان عربی
تقریظ لکھتا۔ بس اتنا عرض کرتا ہوں کہ جناب نے بہت عمدہ سوانح تحریر فرمائی۔ اللہ تعالے دوسری جلد
کو بھی اپنے فضل کمال سے پایہ تکمیل تک پہونچائے۔ میں آپ کے علم پر قربان۔ دل و دماغ کے صفا
فہم و ذکا محنت شاقہ پر نثار۔ لاکھ لاکھ شکر ہے اس محسن مخلوقات کا جس نے آپکو لاحل معاملہ کے حل کرنیکی
طاقت عطا کی۔ اور قدرت کاملہ نے اُس نیک ماں کی گود کو کیا عمدہ شرف بخشا کہ آپ جیسے نیک کردار کو
فخام بیٹے کو علم کی لوری دیکر محبت کے جھولے میں جھلایا اور تاریخ بینی کا سبق پڑھایا اور سمجھایا کہ میرے پیارے
بچے اللہ تعالے تیری عمر دراز کرے۔ بڑے ہو کر ہادیان دین کے دشمنان کے سوانحات لکھ کر دنیا کو دکھا دینا
کہ یہی ہیں ایسے کارنامے والے صحابہ جن کو ناشناس زمانہ خلفاء رسول بتلا کر عوام کو جہنم اندھوں بنانا چاہتا ہے
تخت سکندری چاہو اور تا زندگی صحت کلی حزو بدن بنا۔ تاکہ ہمیشہ کے لئے دشمنان دین کے مخفیہ زہریلے رازوں کا
انکشاف ہونے کے علاوہ مذہب حقہ شیعہ کو فروغ حاصل ہوتا رہے۔ بار الہا مجھ گنہگار کی دعا قبول کر۔

شیعہ اور قادیانی | جناب من تسلیم۔ میں نے کتاب توضیح المطبوعہ دیکھی اچھا لکھا ہے مگر نتیجہ کچھ نہیں۔ سُنی تو وہی مرغے کی ایک ٹانگ کہے جاتے ہیں۔ دوسرے کی نہ سُنتے ہیں اور نہ تحقیق کرتے ہیں۔ چونکہ ایک قادیانی کے جواب میں لکھی ہے اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ایک قادیانی مبلغ سے میرے لڑکے کا مناظرہ ہوا وہ بہت مختصر اور نتیجہ خیز ہوا۔ اگرچہ قادیانی اور سُنی کسی بات کو خواہ وہ کیسی ہی اچھی ہو تاویلیں کرکے اپنی ضد پر اڑے رہتے ہیں مگر یقین ہے کہ ناظرین اصلاح اس کو پڑھکر لطف حاصل کرینگے۔ واقعہ یہ تھا کہ کاہ نور ضلع رہتک میں میرا لڑکا ڈاکٹر تھا وہاں پر ایک مبلغ حاکم علی نام آئے دن جلسے کرکے اہل کاہ نور کو پریشان کرتا اور قادیانی مذہب کی تبلیغ کرتا تھا وہاں کے جہلا اُس سے دبتے تھے۔ ایک دن کاہ نور کے سردار جو فوجی لوگ ہیں آکر کہنے لگے کہ ڈاکٹر صاحب آج تم حاکم علی سے مناظرہ کرو۔ اوس نے کہا میں اہلکار ہوں اور مناظرہ سے دوسرا فریق ناراض ہوتا ہے۔ خواہمخواہ میری شکایت ہوگی۔ مگر لوگوں نے اس بات پر مجبور کیا کہ آج کا جلسہ بھگت لو پھر ہم تکو تکلیف نہ دیں گے۔ چنانچہ وہ گیا اور مناظرہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام حنفیوں نے غل مچادیا اور حاکم علی کے باپ کے پاس جاکر کہا کہ آج تیرے بیٹے کو ہمارے ڈاکٹر نے ڈھا مارا اسکے بعد حاکم علی شفاخانہ تو آتا تھا مگر پھر مذہبی گفتگو کبھی نہ کی۔ دونوں میں یوں گفتگو شروع ہوئی

ڈاکٹر محمد اعظم۔ ہر رسول اور نبی صاحب وحی ہوتا ہے اور اوسکی خبر صحیح ہوتی ہے ہرگز جھوٹ نہیں ہوتی اور وحی کے تین طریقے ہیں۔ یا فرشتہ سامنے ہوکر خدا کا حکم پہونچاتا ہے۔ جیسے محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ پر وحی آتی تھی۔ دوسرے سچا خواب جیسے حضرت ابراہیم کو ذبح فرزند کا حکم ہوا۔ تیسرے آواز جیسے حضرت موسیٰؑ کو طور پر آواز ہوئی۔ پس یہ باتیں ضرور سچی ہوتی ہیں اور واقع ہوتی ہیں۔

حاکم علی۔ بے شک بالکل ٹھیک ہے۔

ڈاکٹر محمد اعظم۔ اگر کوئی جھوٹا نبی بن کر کوئی وحی بیان کرے تو بالکل جھوٹ نکلتی ہے۔ جیسے مسیلمہ کذاب وغیرہ۔ اور یہی جھوٹے اور سچے نبی کی شناخت ہے۔

حاکم علی۔ ٹھیک ہے اور مجھے تسلیم ہے۔

محمد اعظم۔ مرزا صاحب کی بہت سی باتوں کے علاوہ صرف ایک بات پیش کرتا ہوں کہ اونھوں نے مولوی ثناء اللہ کے مقابل مباہلہ کیا کہ ہم میں جو جھوٹا ہوگا اس قدر عرصہ کے

اندر عذاب سے مرجائیگا۔ مگر اسکے تین چار ماہ بعد مرزا صاحب ہیضہ کرکے مرگئے۔ آپکو یہ مباہلہ تسلیم ہے۔

حاکم علی۔ ہاں تسلیم ہے مگر ہمارے پاس مولوی ثناء اللہ کی تحریر ہے جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ حرام زادہ کی رسی دراز ہوتی ہے۔

محمد اعظم۔ ماشاء اللہ کیا معقول بات کہی۔ صاحبان سُنئے مرزا صاحب تو مباہلہ کرکے جھوٹے ثابت ہوئے اور دوسرے صاحب نے اپنی تحریر کے ذریعہ کیا ثابت کردکھایا۔ جلسہ میں قہقہہ پڑگیا۔

حاکم علی۔ خاموش رہکر میں پھر جواب دوں گا۔

محمد اعظم۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہر قوم میں خواہ ہندو ہوں یا مسلمان، عیسائی ہوں یا یہودی۔ تمام لوگوں سے نبی اور رسول حسب و نسب میں اعلے ہوتا ہے آپ کو تسلیم ہے یا نہیں۔

حاکم علی۔ ہاں تسلیم ہے۔ ضرور اعلے ہوتا ہے۔

محمد اعظم۔ مرزا صاحب اپنے کو سلمان فارسی کی اولاد میں بتاتے تھے۔ بھلا فرمایئے تو سلمان مرزا کب تھے۔ وہ تو مذہب کے زردشتی اور قوم کے گبر تھے۔ جب سے مدینہ آکر مسلمان ہوئے تو کوئی نکاح نہ کیا۔ اور نہ ایسا ثابت ہے۔ پس جو اونکی اولاد ہوگی وہ گبر اور زردشتی تھے اور ایران میں رہے۔

حاکم علی۔ رسول اللہ کی حدیث ہے کہ سلمان ہم اہلبیت میں سے ہیں۔

محمد اعظم۔ یہ ایک نسبتی بات ہے جیسا اس ملک میں محاورہ ہے کہ فلاں شخص میری جان ہے۔ فلاں شخص فلانے کا نفس ناطقہ ہے۔ فلانے آدمی کو میں اپنی اولاد سمجھتا ہوں۔

حاکم علی۔ آپ کو خود تسلیم ہے کہ نبی کی بات جھوٹی نہیں ہوتی اور نص قرآن وما ینطق عن الھوے ہے۔

محمد اعظم۔ آپ نے اپنے مطلب کی آیت پڑھ دی مگر آپ نے قرآن مجید کی تلاوت پورے طور پر نہیں کی سورہ احزاب کا شروع دیکھئے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ خدا نے تمہارے منہ بولے پالکوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنایا یہ تمہارے کہنے کی بات ہے خدا سچ کہتا ہے اور سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ اون کو اونکے باپوں کے نام سے پکارو اور اگر اون کے باپوں کو نہیں جانتے تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔ تو فرمایئے کہ اس کے موجب سلمان

کیونکہ آل رسول ہو سکتے ہیں اور اہلبیت کا اطلاق صرف پانچ تنوں پر ہوتا ہے جو آل عبا کہلاتے ہیں ان کے سوا کوئی اہلبیت نہیں۔ اور اہلبیت دراصل وہ ہو سکتے ہیں جو خدا کے گھر کے مختار ہوں نہ کہ سکونتی گھر میں رہنے والے اور اس کو ان احادیث سے ثابت کر دیا کہ سوا پانچ تنوں کے کوئی شخص مسجد میں بحالت جنابت نہیں جا سکتا تھا۔ اگر سلمان اہلبیت ہوتے تو اونکے لئے بھی یہی حکم ہوتا مگر کہیں سے ثابت نہیں۔ کہئے آپ اب آیت کو رد کرینگے یا تسلیم کرتے ہیں۔

حاکم علی۔ اچھا میں غور کر کے جواب دوں گا۔

محمد اعظم۔ دنیا میں کسی نبی یا رسول کا کوئی استاد نہیں ہوتا ہے۔ براہ راست روح القدس سے تعلیم پاتے ہیں۔ اگر دنیا میں اونکا استاد ہو تو وہ شاگرد سے افضل ہوگا۔

حاکم علی۔ بے شک استاد شاگرد سے افضل ہوتا ہے اور نہ کسی نبی کا کوئی استاد ثابت ہے۔

محمد اعظم۔ ذرا مہربانی کر کے مرزا صاحب کی ہسٹری دیکھئے کہ جب اسکول میں تعلیم پاتے تھے تو کتنے استاد ہندو اور مسلمان اور عیسائیوں سے تعلیم پائی اور اونکے ایک استاد محمد گل شیعہ مذہب کے تھے۔ یہاں تو مرزا صاحب کی ساری نبوت اُڑ گئی۔

حاکم علی۔ میں ان باتوں کے جواب آپ کو پھر دوں گا۔ اسکے بعد جلسہ میں خوشی کا شور مچگیا اور سب چل دیئے۔ فقط حافظ امیر کاظم نگینہ

رسالہ الشمس | ناظرین اصلاح واقف ہیں کہ سنہ ۱۳۲۳ ہجری سے ایک اور ماہوار رسالہ الشمس اس دفتر سے شائع ہوتا تھا۔ حضرت حجۃ الاسلام قبلہ و کعبہ طاب ثراہ کی رحلت کے بعد ہم نے اس رسالہ کے انتظامات مولوی سید اظہار الحسنین صاحب صدر الافاضل کے متعلق کئے اور اُس دفتر کا نام دائرہ تحقیق رکھکر اس کے رجسٹر وغیرہ بھی انھیں کو دیئے۔ موصوف اُس وقت سے اس سال ربیع الثانی تک اسکے امور برابر انجام دیتے رہے۔ مگر اس سال دس روز میں انکی دونوں لڑکیوں نے منوبا سے انتقال کیا اور ساتھ ہی اس قصبہ میں پلیگ کا زور بھی ہوا جس سے سب باشندے پریشان رہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے صدمات کا اثر والدین کے قلب پر کیا ہو سکتا ہے۔ ممدوح نے سردست رسالہ الشمس اور دائرہ تحقیق کے امور ملتوی کر دیئے اور اخباروں میں بھی اعلان کر دیا کہ محرم سنہ ۵۹ سے تفسیر انوار القرآن کی اشاعت ملتوی کر دی ہے۔ اس وجہ سے رسالہ الشمس کی اشاعت اب پھر دفتر اصلاح ہی سے شروع

کی گئی۔ اور ماہ رجب [illegible] سے اسکی جلد ۱۲ کے پرچے انشاء اللہ شائع ہونے لگیں گے۔ مگر چونکہ تفسیر انوار القرآن کا مسودہ نہیں مل سکا۔ اس سبب سے سردست بجائے اُسکے ایک اور نہایت ضروری دلچسپ اور مفید کتاب اُس کے ساتھ شائع کیجائیگی۔ جس کا نام ہے

مجالس اطفال معروف بہ لڑکوں کی مجلسیں

مومنین کے لڑکوں کو بھی شوق ہوتا ہے کہ مجلسوں میں کچھ پڑھا کریں مگر کوئی خاص کتاب ان کے لئے آج تک نہیں لکھی گئی۔ یہ بہت بڑی کمی ہے اس کو رفع کرنے کے لئے یہ تبلیغی و تحقیقی کتاب شائع ہو رہی ہے۔ اس میں انشاء اللہ ۱۰۰ مجلسیں (چار چار پانچ پانچ صفحہ کی) اس طرح لکھی جائینگی کہ پوری کتاب ۴۰۰ صفحہ میں تمام ہو جائے جسمیں ۱۰ مجلسیں عشرہ محرم کی۔ ۲۰ اربعین کی لکھی جائینگی۔ پھر ۲۸ صفر وفات حضرت رسولخدا صلعم و شہادت حضرت امام حسنؑ۔ ۸ ربیع الاول شہادت حضرت امام حسن عسکریؑ۔ ۳ جمادی الاخرے شہادت جناب سیدہؑ۔ ۳ رجب شہادت حضرت امام علی نقیؑ۔ ۲۵ رجب شہادت حضرت امام موسےٰ کاظمؑ ۱۹ و ۲۰ و ۲۱ ماہ رمضان شہادت حضرت امیر المومنینؑ۔ ۲۵ شوال شہادت حضرت امام جعفر صادقؑ ۲۳ ذیقعدہ شہادت حضرت امام علی رضاؑ۔ ۳۰ ذیقعدہ شہادت حضرت امام محمد تقیؑ۔ ۷ ذی الحجہ شہادت حضرت امام محمد باقرؑ۔ ۹ ذی الحجہ شہادت حضرت مسلمؑ کی دو دو مجلسیں لکھی جائینگی۔ اور ۹ ربیع الاول عید زہراؑ۔ ۱۷ ربیع الاول ولادت حضرت رسولخداؐ و ولادت حضرت امام جعفر صادقؑ ۱۰ ربیع الثانی ولادت حضرت امام حسن عسکریؑ۔ ۱۵ جمادی الاولے ولادت حضرت امام زین العابدینؑ ۲۰ جمادی الاخرے ولادت جناب سیدہؑ۔ یکم رجب ولادت حضرت امام محمد باقرؑ۔ ۵ رجب ولادت حضرت امام علی نقیؑ۔ ۱۰ رجب ولادت حضرت محمد تقیؑ۔ ۱۳ رجب ولادت حضرت امیر المومنینؑ۔ ۳ شعبان ولادت حضرت امام حسینؑ۔ ۱۵ شعبان ولادت حضرت حجتؑ۔ ۱۵ رمضان المبارک ولادت حضرت امام حسنؑ۔ ۱۱ ذیقعدہ ولادت حضرت امام علی رضاؑ۔ ۱۸ ذی الحجہ عید غدیر۔ ۲۴ ذی الحجہ عید مباہلہ کی دو دو محفلیں لکھی جائینگی۔ پوری کتاب کی قیمت صرف ۸؍ رکھی گئی ہے۔ کتاب میں انشاء اللہ مضامین تبلیغی و تحقیقی لکھے جائینگے کہ لڑکے ان کو پڑھکر خود بھی مذہب شیعہ کی حقیقت کی دلیلیں اچھی طرح سمجھیں اور دوسروں کو بھی سنائیں۔ انشاء اللہ یہ بھی دفتر اصلاح کا نہایت شاندار علمی کارنامہ ہوگا۔ اگر آپکو بھی یہ کتاب پسند آئے تو جلد ۸؍ بذریعہ منی آرڈر روانہ کیجئے۔ اسکے ساتھ اگر سال بدال کا چندہ اصلاح بھی (۳؍) ارسال کریں تو منی آرڈر کمیشن میں کچھ کفایت ہو جائیگی۔ انشاء مجالس خدا توقع سے زیادہ یہ کتاب نفع کی ثابت ہوگی۔

ساتھ حضرت عمرؓ کو نصاریٰ نجران کے مقابلہ میں مباہلہ کے لئے لے جاتے۔ اس لئے کہ خدا نے فرمایا تھا اے رسولؐ تم ان سے کہو کہ آؤ ہم اپنے اُن لوگوں کو بلائیں جو ہمارے نفسوں کی جگہ ہیں۔ اور انفس صیغہ جمع تھا جس میں حضرت علیؑ کے علاوہ بھی لوگ شریک کئے جا سکتے تھے لیکن آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے سوائے کسی کو نہیں لیا یہاں تک کہ حضرت عمرؓ تک اسکے لئے موزوں نہیں قرار پائے۔ اشاعت اسلام کے لئے دوسرے مقامات پر بھیجا جانا بھی اسلام کی عظیم الشان دینی خدمت تھی۔ مولوی شبلی صاحب نے ان لوگوں کی جو اس کام کے لئے مقرر کئے جاتے تھے ایک مکمل فہرست پیش کر دی ہے۔ لکھتے ہیں" بعض لوگ مخصوص اشاعت اسلام کی غرض سے بھیجے جاتے تھے۔ تفحص سے اس قسم کے دعاۃ کے نام حسب ذیل ملے ہیں۔ علی ابن ابی طالبؑ۔ مغیرہ بن شعبہ۔ خالد بن ولید۔ عمرو بن العاص۔ وبر بن نخیس"۔ (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صفحہ ۱۹) قضایا کا فیصلہ کرنا بھی ایک اہم امر تھا۔ مولوی صاحب نے لکھا ہے "اگرچہ آپکے عہد مبارک میں عہدہ قضاۃ قائم ہو چکا تھا اور حضرت علیؑ اور حضرت معاذ بن جبل کو آپ نے خود یمن کا قاضی مقرر فرما کے بھیجا تھا تاہم مدینہ اور اُسکے حوالی و مضافات کے تمام مقدمات کا آپ خود فیصلہ کرتے تھے" (سیرۃ جلد ۲ صفحہ ۴۷) مگر کسی صورت سے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ آنحضرت صلعم نے حضرت عمرؓ کو بھی کسی مقام کا قاضی بنا کر بھیجا ہو۔ خود مولوی صاحب کی تفصیل سے اسکی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ لکھتے ہیں" فصل قضایا۔ اقامت عدل۔ بسط امن۔ رفع نزاع کے لئے متعدد ولاۃ و حکام کی ضرورت تھی۔ اس غرض سے آپ نے متعدد صحابہ کو مختلف مقامات کا حاکم و والی مقرر فرمایا چنانچہ انکے ناموں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ باذان بن ساسان۔ شہر بن

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۶)

دونوں اپنے اہل و عیال لے کر آئیں اور دعا کریں کہ جو شخص جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو... لیکن جب آنحضرتؐ فاطمہ زہراؑ اور امام حسن و حسین علیہما السلام کو لیکر مباہلہ کے لئے نکلے تو خود انکی جماعت میں سے ایک شخص نے رائے دی کہ مباہلہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر یہ شخص واقعی پیغمبر ہے تو ہم لوگ ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جائینگے۔ غرض ان لوگوں نے کچھ سالانہ خراج قبول کر کے صلح کر لی"۔ (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صفحہ ۳۹)۔ افسوس واقعہ میں اتنا اختصار کہ حضرت علیؑ کا نام تک نہیں لکھا گیا۱۲

باذان - خالد بن سعید بن العاص - مہاجر بن امیۃ المخزومی - زیاد بن لبید الانصاری - ابو موسےٰ اشعری
معاذ بن جبل - عمرو بن حزم - یزید بن ابی سفیان - عتاب بن اسید - علی ابن ابی طالبؓ - عمرو بن العاصؓ
علاء بن حضرمیؓ (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صـ ۵۳) - زکوٰۃ اور جزیہ وصول کرنا اگرچہ معمولی کام تھا اور جو لوگ
نہ جہاد کر سکتے تھے - نہ ان میں علمی خدمت انجام دینے کی صلاحیت تھی غالباً وہی اسکے لئے تجویز
کئے جاتے تھے مگر حضرت عمر کے متعلق یہ کام بھی نہیں کیا گیا - مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں:-
"جو ممالک زیر اثر آتے تھے اور وہاں زکوٰۃ اور جزیہ کے وصول کرنے کے لئے عمال بھیجے جاتے
تھے وہ اکثر اس درجہ کے ہوتے تھے جن کا تقدس - زہد اور پاکیزگی مسلم ہوتی تھی - اسکے ساتھ عالم
اور واعظ بھی ہوتے تھے - اور اس لئے وہ تحصیل مال کے ساتھ تبلیغ اسلام کی خدمت بھی انجام
دے سکتے تھے - ان میں سے بعضوں کے نام حسب ذیل ہیں مہاجر بن امیہ - زیاد بن لبید - خالد بن
سعید - عدی بن حاتم - علاء بن حضرمی - حضرت ابو موسےٰ اشعری - حضرت معاذ بن جبل - جریر
بن عبداللہ بجلی" (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صـ ۱۸) غرض بہت کچھ کوشش کرنے پر بھی ہم اس میں کامیاب
نہ ہو سکے کہ معلوم کریں حضرت رسولخدا صلعم نے آپ کے متعلق کتنی دینی خدمتیں کیں اور آپ نے
ان کو انجام دیا یا نہیں - اگر دیا تو کس طرح - اور جب مولوی شبلی صاحب تک اپنی کتابوں میں آپکے
متعلق ان خدمات کا ذکر نہیں کر سکے تو دوسروں کو کیا پتا مل سکتا ہے - حالانکہ دوسری باتوں
میں آپ کا ذکر کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے مثلاً مولوی صاحب لکھتے ہیں "عبد یالیل طائف کا مشہور
رئیس امیر الوفد تھا - آنحضرتؐ نے اس کو مسجد نبوی میں اُتارا ... بالآخر ان لوگوں نے اسلام پر
آمادگی ظاہر کی لیکن شرطیں پیش کیں ... یہ تینوں درخواستیں نامنظور ہوئیں ... ان لوگوں نے
کہا ... لات کی نسبت کیا ارشاد ہے؟ فرمایا وہ توڑ دیا جائیگا ... بولے کہ اگر ہمارے معبود کو معلوم
ہو جائے کہ آپ کا یہ ارادہ ہے تو وہ تمام شہر کو تباہ کر دے گا - حضرت عمر سے ضبط نہ ہو سکا بولے
کہ تم لوگ کس قدر جاہل ہو - منات صرف ایک پتھر ہے - ان لوگوں نے کہا عمر! ہم تمہارے
پاس نہیں آئے - یہ کہکر آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی کہ ہم منات کو ہاتھ نہیں لگا سکتے - سفارت
جب واپس چلی تو آنحضرتؐ نے ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا کہ شرط کے موافق طائف کے صنم
اعظم (لات) کو جا کر توڑ آئیں" (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صـ ۳۷) - اس میں یہ دو امر قابل غور و فکر ہیں کہ
حضرت عمر نے ان لوگوں سے کچھ کہنا چاہا تو انھوں نے ڈانٹنے کا لہجہ اختیار کر کے کہا عمر ہم تمہارے

پاس نہیں آئے تھے۔ اللہ رے بے بڑھی معلوم نہیں حضرت عمر کا بولنا ان لوگوں کو کیوں اس درجہ ناگوار ہوا کہ اس تیور سے جواب دیا۔ دوسرا یہ کہ باوجود اس کے حضرت صلعم نے آپ کو وہ بت توڑنے کے لئے نہیں بھیجا اور اس خدمت کے لئے بھی ابو سفیان اور مغیرہ بھیجے گئے۔ کتابت کی خدمت کا کوئی واقعہ بھی مولوی شبلی صاحب نہ لکھ سکے۔ کتاب کی فہرست میں آپ کا نام دیا ہے مگر تصریح سے یہ نہیں بتا سکے کہ آنحضرتؐ نے آپ سے کیا لکھوایا حالانکہ دوسرے صحابہ کی بعض کتابتوں کی تعیین کر دی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں "کتاب عہدہ انشاء گویا آنحضرتؐ کی ایک حیثیت سے نیابت تھی اس لئے مختلف اوقات میں بڑے بڑے صحابہ اس خدمت پر مامور کئے گئے ... حضرت ابوبکر۔ حضرت عمر۔ حضرت علیؓ حضرت عثمان ... مختلف اوقات میں اس منصب پر مامور ہوئے۔ اگرچہ ان تمام بزرگوں کو کبھی کبھی یہ خدمت ادا کرنی پڑتی تھی۔ چنانچہ صلحنامہ حدیبیہ حضرت علیؑ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا امراء و سلاطین کے نام خطوط حضرت عامر بن ہبیرہ لکھتے تھے۔ اور امراء عمان کے نام آپ نے جو مکتوب بھیجا تھا وہ حضرت ابی بن کعب کا لکھا تھا۔ قطن بن حارثہ کو جو خط بارگاہ نبوت سے بھیجا گیا تھا وہ حضرت ثابت بن قیس نے لکھا تھا۔ لیکن عام طور پر یہ خدمت حضرت زید بن ثابت کے متعلق تھی اور صحابہ کے گروہ میں ان کا نام اسی حیثیت سے زیادہ نمایاں ہے" (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ ص ۵۲) کتابت کے متعلق بھی اتنے صحابہ کے کارنامے مولوی صاحب نے گنوا دیئے مگر حضرت عمر کا کوئی کارنامہ نہیں بتا سکے۔ اکثر مواقع پر حضرت عمر نے حضرت رسولؐ سے کہا ہے یا حضرت اجازت دیجئے میں اس کی گردن اڑا دوں۔ مگر نہ حضرت رسول خدا صلعم نے کبھی آپ کو اس کی اجازت دی نہ اپنے طور پر جلاد کے کام کے لئے آپ کا انتخاب کیا۔ مولوی شبلی صاحب نے "جلاد" کا عنوان قائم کر کے حضرت زبیر۔ مقداد بن الاسود۔ محمد بن مسلمہ۔ عاصم بن ثابت ضحاک بن سفیان کلابی وغیرہ کا نام لکھا ہے کہ مجرموں کی گردن مارنے کی خدمت ان کے سپرد تھی" (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صفحہ) لیکن اس فہرست میں بھی حضرت عمر کا نام نہیں درج کر سکے۔ نماز پڑھانے بلکہ اذان دینے تک کا کام آپ کے سپرد نہیں کیا گیا مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "موذنین۔ عام طور پر اذان کے لئے کوئی خاص شخص منتخب نہیں کیا جاتا تھا۔ تاہم چند مثالوں سے قیاس ہوتا ہے کہ بڑی بڑی مسجدوں میں یہ عہدہ الگ آپ نے قائم فرمایا تھا چنانچہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں اس عہدہ پر آنحضرتؐ نے ان صاحبوں کو ممتاز فرمایا تھا۔

بلال بن رباح، عمرو ابن ام مکتوم قرشی۔ سعد القرظ۔ ابو محذورہ جمحی قرشی (سیرۃ النبی جلد ۲ صفحہ ۱۰۳)

نویں فصل

حضرت حفصہ کی شادی

شریفوں کا عام دستور ہے کہ اپنی لڑکیوں کا پیغام خود کسی سے نہیں دیتے بلکہ لڑکے والوں کی طرف سے پیغام کا انتظار کرتے ہیں۔ عرب میں بھی ایسا ہی تھا۔ مگر حضرت عمرؓ نے اس رواج کو ترک کر کے خود ہی اپنی پارہ جگر کے نکاح کی کوشش مختلف لوگوں سے کی۔ پہلے تو کئی جگہ آپکی یہ کوشش ناکام رہی تب آپ نے آنحضرت صلعم سے آپ کا نکاح کردیا۔ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "اس سال (سنہ ۳ھ) میں حضرت عمرؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اُن کی صاحبزادی حضرت حفصہ رسول اللہ کے عقد میں آئیں۔ حفصہ کا نکاح جاہلیت میں خنیس بن حذافہ کے ساتھ ہوا تھا خنیس کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے خواہش کی کہ حفصہ کو اپنے نکاح میں لائیں۔ انھوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ پھر حضرت عثمانؓ سے درخواست کی وہ بھی چپ رہے کیونکہ ان دونوں صاحبوں کو معلوم ہوچکا تھا کہ خود جناب رسول اللہ صلعم حضرت حفصہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ شعبان سنہ ۳ھ میں آنحضرتؐ نے حفصہ سے نکاح کیا" (الفاروق صفحہ ۴۸) دوسری کتاب میں لکھا ہے "حضرت حفصہ کے بیوہ ہوجانے کے بعد حضرت عمرؓ کو اُن کے نکاح کی فکر ہوئی۔ سوء اتفاق سے اُسی زمانہ میں حضرت رقیہ کا انتقال ہوچکا تھا۔ اس بنا پر سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے ان کے نکاح کی خواہش حضرت عثمانؓ سے کی۔ انھوں نے کہا میں اس معاملہ میں غور کروں گا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے ذکر کیا۔ انھوں نے خاموشی اختیار کی۔ حضرت عمرؓ کو انکی بے التفاتی سے رنج ہوا، اس کے بعد خود جناب رسالت پناہ نے حضرت حفصہ سے نکاح کی خواہش کی نکاح ہوگیا" (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صفحہ ۴۲۷)۔ مگر افسوس کتابوں سے اس بیان کے خلاف کل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر نے لکھا ہے فانقضت عدتھا فعرضھا عمر علی ابی بکر فسکت فعرضھا علی عثمان حین ماتت رقیۃ فقال ما ارید ان اتزوج الیوم فذکر ذالک عمر لرسول اللہؐ ۔ جب حضرت حفصہ کے بیوہ ہوجانے کے بعد ان کے عدہ کا زمانہ پورا ہوگیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہ کو حضرت ابوبکرؓ پر پیش کیا (کہ ان سے نکاح کرلو)

مگر انھوں نے سکوت کیا۔ تب حضرت عمر نے ان کو رقیہ کے انتقال کے بعد حضرت عثمان پر پیش کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ میں ابھی شادی نہیں کرنی چاہتا۔ تب حضرت عمر نے اس کو حضرت رسولخدا صلعم سے ذکر کیا (اصابہ جلد ۸ صفحہ ۵۱) جس سے معلوم ہوا کہ خود حضرت رسولخدا صلعم نے پیغام نہیں دیا بلکہ حضرت عمر کے ذکر کرنے کے بعد اس پر آمادہ ہوئے۔ اور علامہ دیار بکری نے لکھا ہے

فلما قدم النبیؐ من بدر عرضها عمر علی ابی بکر فلم یجبه بشئ ثم عرض بها علی عثمان فلم یجبه بشئ فشکی عمر الی رسول اللہ۔ فقال یا رسول اللہ عرضت علی عثمان حفصة فاعرض عنی۔ جب حضرت رسولؐ غزوۂ بدر سے فارغ ہو کر مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت عمر نے جناب حفصہ کو حضرت ابوبکر پر پیش کیا مگر انھوں نے کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ پھر آپ نے موصوفہ کو حضرت عثمان پر پیش کیا مگر انھوں نے بھی کوئی بات منظور نہیں کی تو حضرت عمر نے اسکی شکایت حضرت رسولخدا صلعم سے کی اور کہا اے رسولخدا میں نے حفصہ کو عثمان پر پیش کیا تو انھوں نے میری طرف سے اپنا منہ پھیر لیا (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۴۶۹) حضرت رسولخدا صلعم ایسے کریم النفس بزرگ سے حضرت عمر کی یہ بے بسی نہیں دیکھی گئی اور حضرتؐ نے حضرت حفصہ کو اپنے لئے قبول کر لیا۔

دسویں فصل

واقعہ قرطاس کی بحث

واقعہ قرطاس کے متعلق مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں " وفات سے چار دن پہلے (جمعرات) کو آپ نے فرمایا کہ دوات کاغذ لاؤ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے۔ بعض صحابہ نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ رسول اللہ صلعم کو مرض کی شدت ہے (غلبہ الوجع) اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے جو ہمارے لئے کافی ہے۔ اس پر حاضرین میں اختلاف پیدا ہوا۔ بعض کہتے تھے کہ تعمیل ارشاد کی جائے۔ بعض کچھ اور کہتے تھے۔ اختلاف اور شور و غل زیادہ ہوا تو بعض نے کہا اهجر استفهموه۔ خود آپ سے دریافت کرو۔ لوگ جب پوچھنے لگے تو آپ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو۔ میں جس مقام میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جسکی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔ یہ روایت صحیح بخاری موقع وفات کی ہے۔

صحیح بخاری میں یہ حدیث مختلف ابواب میں مذکور ہے اور ہر جگہ الفاظ میں کچھ نہ کچھ اختلاف ہے۔
صحیح مسلم کتاب الوصیۃ میں یہ روایتیں یک جا ہیں۔ جن صحابی نے قلم دوات لانے میں گفتگو کی بخاری
میں ان کا نام نہیں لیکن حدیث کی اور کتابوں میں مثلاً صحیح مسلم بتصریح حضرت عمر کا نام ہے صحیح
مسلم میں انکے یہ الفاظ ہیں قد غلب علیہ الوجع وعندنا کم القرآن و حسبنا کتاب اللہ
آپکو مرض کی شدت ہے۔ ہمارے پاس قرآن موجود ہے۔ خدا کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے
صحیح مسلم کی دوسری روایتوں کے یہ الفاظ ہیں فقالوا ان رسول اللہ لیہجر۔ فقالوا اھجر
استفھموہ تو لوگوں نے کہا کیا آپ بے حواسی کی باتیں کرتے ہیں۔ آپ سے خود پوچھو۔ اس
بنا پر یہ روایت شیعہ سنی کا معرکہ آرا میدان بن گئی ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت صلعم حضرت علیؓ
کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے۔ سنی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کو واقعی تکلیف تھی اور یہ معلوم تھا
کہ شریعت کے متعلق کوئی نکتہ باقی نہیں رہا۔ خود قرآن مجید میں آیت الیوم اکملت لکم نازل ہو چکی تھی
اس لئے حضرت عمر نے آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا۔ اگر کوئی ضروری حکم ہوتا تو آنحضرت
صلعم کسی کے روکے کیونکر رک سکتے تھے۔ اس واقعہ کے بعد چار دن تک آپ زندہ رہے
اس وقت نہ سہی بعد کو لکھوا دیا ہوتا اور یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آپ کیا لکھوانا چاہتے تھے بخاری
میں ہے کہ آپ عبد اللہ بن ابی بکر کو بلا کر حضرت ابو بکر کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے پھر آپ نے
ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا کہ خود خدا اور اہل اسلام ابو بکر کے سوا کسی اور کو پسند نہ کرینگے۔ اس
اختلاف کے بعد آپ نے لوگوں کو زبانی تین وصیتیں فرمائیں جو ضروری بات آپ کاغذ پر لکھوانا
چاہتے تھے۔ ممکن ہے کہ وہ یہی ہوں۔ یا اگر وہ ان کے علاوہ تھی تو آپ اس کو ان عام وصیتوں
کے ساتھ زبانی بھی فرما سکتے تھے۔ اس کے بعد مجمع عام میں جو خطبہ دیا اس میں اس کا اظہار
فرما سکتے تھے۔ مجھکو احتیاط کرنی چاہئے کہ کتاب تاریخ کی حیثیت سے نکل کر علم کلام کے دائرہ
میں نہ آجائے۔ تاہم جو میری ذاتی تحقیق ہے میں الفاروق میں لکھ چکا ہوں (سیرۃ النبی جلد ۲
صفحہ ۱۲۸)۔ مولوی صاحب نے اس عبارت میں ایسی باتیں لکھ دی ہیں جن پر تبصرہ کر دینا ضروری
معلوم ہوتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں "سنی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کو واقعی تکلیف تھی"۔ صرف سنی
ہی نہیں کہتے شیعہ بھی کہتے ہیں اور جب حضرتؐ مرض موت ہی میں مبتلا تھے تو ہر شخص یہی کہیگا
کہ حضرتؐ کو اس وقت واقعی تکلیف تھی۔ کوئی شخص آپ کے آرام یا اطمینان کا دعوے

نہیں کر سکتا گریہ تو حضرتؐ کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ جب وفات کا وقت قریب آگیا تھا تو تکلیف کا ہونا بھی ضروری تھا اور دنیا میں ہر شخص جو اپنے آخر وقت وصیت لکھنا چاہتا ہے واقعی تکلیف ہی میں ہوتا ہے مگر کیا کوئی اور شخص بھی اس تکلیف کی وجہ سے اپنی وصیتیں لکھنے سے محروم کردیا جاتا ہے؟ اور کیا اُسکی اس عارضی تکلیف کا خیال کیا جاتا ہے یا اسکی دائمی تکلیف سے اس کو بچانے کی کوشش کی جاتی ہے جس کے لئے وہ قلم دوات طلب کرتا ہے؟ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی شخص کو اس کے آخر وقت بدحواسی یا اختلال دماغ یا مرگ مفاجات وغیرہ کی وجہ سے وصیت لکھنے یا لکھوانے کا موقع قدرت ہی کی طرف سے حاصل نہیں ہوتا تو دوسروں کو یہ دائمی صدمہ رہ جاتا ہے کہ ہائے بیچارے کو اپنے جذبات کے ظاہر کرنے۔ اپنی آرزوؤں کے لکھ ڈالنے۔ اپنی تمناؤں کے قلمبند کردینے۔ اس دنیا سے جانے کے بعد اپنے انتظامات کے بتا دینے کا موقع نہیں ملا۔ اور اس کا صدمہ اس کو اور اس کے متعلقین کو مدت دراز تک رہجاتا ہے۔ پھر حضرت صلعم نے کون سا قصور کیا تھا کہ آپ کے ساتھ یہ انسانی برتاؤ بھی نہیں کیا گیا؟ آپ کا کیا جرم تھا جس کے سبب سے آپ کے ساتھ اتنی بشری ہمدردی بھی نہیں روا رکھی گئی جو عام انسانوں کے ساتھ کی جاتی ہے؟ یا پھر وہ کیا وجوہ و اسرار تھے جن کے سبب سے آپکے ساتھ وہ اخلاقی سلوک بھی نہیں کیا گیا جو اغیار بلکہ ذاتی ظالموں بلکہ خاندانی دشمنوں تک کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے۔ غرض یہ مسلم ہے کہ حضرتؐ کو اس وقت تکلیف تھی اور ایسی تکلیف تھی کہ اہلبیتؑ بہت پریشان تھے۔ لوگوں کی مایوسی بڑھتی ہی جاتی تھی کسی کو بھی اس سے انکار نہیں ہے مگر سوال یہ ہے کہ حضرتؐ کو اپنے ذاتی مرض کی عارضی تکلیف زیادہ تھی یا اپنی امت کے گمراہ ہونے کا مستقل خوف زیادہ کرب و اذیت کا باعث ہو رہا تھا۔ حضرت رسولخداؐ کی تکلیف تو اُسی وقت سے تھی جب سے آپ نبی مقرر کئے گئے۔ خود فرماتے تھے ما اوذی نبی کما اوذیت جس درجہ مجھے اذیت پہونچائی گئی اتنی اذیت کسی نبی کو نہیں پہونچائی گئی۔ واضح ہے کہ اس سے حضرتؐ کا اشارہ انہیں اذیتوں کی طرف تھا جو آدمیوں کی طرف سے آپ کو پہونچیں خواہ وہ کافروں کی اذیتیں ہوں یا منافقین کے مظالم کی۔ مگر ان اذیتوں کی وجہ سے حضرتؐ لوگوں کی ہدایت و ارشاد کے فرائض سے باز نہیں آئے جس سے واضح ہوا کہ حضرتؐ نے لوگوں کی بھلائی اور خیر خواہی کو اپنی ذاتی تکلیف و اذیت پر ہمیشہ ترجیح دی۔ اور اپنے کو

تکلیف کا عادی کیا۔ اسے خوشی سے پسند کیا۔ اس پر صبر سے کام لیا مگر جس کام کے لیے دنیا میں بھیجے گئے۔ اس کے ترک کرنے کا کبھی وہم بھی نہیں کیا۔ مختصر یہ کہ حضرتؐ کی تکلیف تو اسی وقت سے تھی جب سے حضرتؐ مبعوث برسالت ہوئے۔ لوگوں کی ہدایت کا بیڑا اٹھایا ابتداء رسالت سے وقت وفات تک حضرتؐ کی زندگی کی کون ساعت تکلیف و اذیت سے خالی تھی؟ تو کیا اس کے لئے حضرتؐ نے اپنا فرض منصبی ترک کر دیا؟ کیا حضرتؐ نے لوگوں کی ہدایت سے منہ موڑ لیا؟ کیا حضورؐ نے اپنی تکلیف کی کسی وقت بھی پروا کی؟ پھر اس وقت جب حضور بھی سمجھ رہے ہیں اور صحابہ بھی جان رہے ہیں کہ یہ حضرتؐ کی زندگی کے آخری ایام ہیں اس ضروری خدمتِ رسالت سے آپ کیوں روک دیئے گئے؟ کیوں نہیں حضرتؐ کے پاس قلم دوات لا کر صحابہ نے دریافت کر لیا کہ حضورؐ کیا لکھوانا چاہتے ہیں اور جو حضورؐ فرماتے اس کو کیوں نہیں لکھ لیا؟ ایک معمولی شخص بھی مرنے لگتا ہے تو لوگ چاہتے ہیں کہ وہ کچھ وصیت کر جائے۔ وہ اپنے بعد کے امور کے لئے اپنا خیال کچھ ظاہر کر دے۔ وہ اپنے متعلقین کے متعلق اپنی خواہش بیان کر دے۔ پھر یہ تو حضرت رسولؐ خدا تھے جن کے تعلقات پوری امت اسلام سے وابستہ تھے۔ حضرتؐ کو ان سب کی ہدایت کا گہرا تعلق متفکر رکھتا تھا۔ ان سب کی گمراہی کا خوف حضورؐ کو پریشان کئے تھا۔ ان سب کی دنیا پرستی کا کرب حضورؐ کو بے چین کئے رہتا تھا۔ ایسی حالت میں خود صحابہ کا فرض تھا کہ اپنی طرف سے حضرتؐ سے عرض کرتے کہ مسلمانوں کے بارے میں حضورؐ کچھ ضروری باتیں لکھ دیں یا امت کے لئے حضورؐ کوئی ایسا نوشتہ چھوڑ جائیں جس سے وہ حضورؐ کے بعد اختلاف اور ضلالت سے بچ سکے۔ نہ یہ کہ خود حضرتؐ قلم دوات طلب فرماتے ہیں اور آپ کے ہی خواہ ہی حضرتؐ کی یہ آخری آرزو پوری نہیں ہونے دیتے۔ حضرتؐ کے ارشاد پر قلم و دوات دینا کیسا ایسی باتیں بھی کرنے لگے جس سے حضرتؐ کا کرب اور بڑھ گیا۔ اور حضرتؐ نے مجبور ہو کر ان لوگوں کو اپنے پاس سے الگ کرا دیا۔ آپ لکھتے ہیں" اور یہ معلوم تھا کہ شریعت کے متعلق کوئی نکتہ باقی نہیں رہا تھا صحابہ کا علم کیا حضرت رسول خدا صلعم سے زیادہ تھا کہ حضرتؐ تو کچھ لکھ جانے کی ضرورت محسوس فرماتے تھے اور حضرت عمر وغیرہ اس کو بے ضرورت سمجھتے تھے؟ کیا حکم رسولؐ کے مقابلہ میں حضرت عمر وغیرہ کا اپنا اجتہاد کرنا

اور حکم رسولؐ کو ٹھکرانا درست سمجھا جاسکتا ہے؟ یہ سب باتیں تو بعد کو آپ حضرات بیان کرتے ہیں۔
رسولؐ نے تو کبھی بھی آپ لوگوں کی ان قیاس آرائیوں کا موقع ہی پیدا نہیں ہونے دیا۔ آپ لکھتے ہیں
"خود قرآن مجید میں آیۃ الیوم اکملت لکم نازل ہوچکی تھی" مگر اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ہی
تو حضرت رسول خدا صلعم قلم دوات طلب فرماتے تھے؟ کیا حضرت رسولؐ کو خبر نہیں تھی کہ قرآن میں کوئی مذکورہ
بالا آیت نازل ہوچکی ہے؟ باوجود اسکے حضرت صلعم نے کوئی نوشتہ چھوڑ کر جانا چاہا اور قرآن مجید
کی اس آیت کو اپنی امت کی ہدایت کے لئے کافی نہیں سمجھا جب ہی تو فرمایا کہ دوات کاغذ لاؤ میں
تمہارے لئے ایک تحریر لکھدوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔" پھر حضرت عمر نے قلم دوات کیوں نہیں
دی؟ آپ لکھتے ہیں "اس لئے حضرت عمر نے آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا" یہی تو اعتراض
ہے کہ جب حضرت رسول خدا صلعم خود طلب فرماتے تھے تو حضرت عمر نے اپنی عقل پر کیوں عمل کیا؟ اور
فعل رسولؐ کی مناسبت یا عدم مناسبت کا فیصلہ اپنی رائے سے کیوں کردیا؟ اگر اور مسلمان
کہتے کہ "اے حضرت عمر آپ رسولؐ سے کہیں کہ کوئی وصیت لکھ جائیں تاکہ ہم لوگ حضورؐ کے بعد گمراہ نہ ہوں"
تو حضرت عمر کو یہ خیال کرنا یا کہنا کچھ مناسب ہوسکتا تھا کہ اس وقت حضور بڑی تکلیف میں ہیں۔ درد
کی حالت سے خود ہی پریشان ہوں گے۔ لکھنے کی زحمت دینے سے آپکی تکلیف بڑھ جائیگی۔ یا حضرت
عائشہ وغیرہ نے کوئی فرمائش کی ہوتی کہ اے حضرت عمر اب تو رسولؐ دنیا سے جاتے ہیں۔ کوئی نوشتہ
بھی نہیں چھوڑے جاتے۔ آپ کوئی صورت ایسی کیجئے کہ حضرتؐ اپنے بعد کے امور کے لئے
کچھ لکھ دیں"۔ اور ان کے جواب میں حضرت عمر کہتے کہ "تم رسولؐ کی حالت دیکھتی نہیں ہو آپکی
تکلیف اور پریشانی سے کیا بے خبر ہو؟ ایسی صورت میں حضور سے کسی امر کی فرمائش کرنے
کا کون سا موقع ہے؟ اس وقت تو جہاں تک ہو سکے حضرتؐ کی خدمت کرلینے اور حضور کو آرام
پہونچا دینے کی کوشش کرنی چاہئے اور تمہیں اپنے آئندہ امور کو خدا کے حوالے چھوڑ دینا چاہئے"
یا اگر حضرت سیدہ چاہتیں کہ اپنے پدر بزرگوار سے امت کے نام اپنے لئے کوئی سفارش نامہ تحریر
کرالیں جس سے آپکی آئندہ زندگی آرام و اطمینان سے بسر ہوسکے اور اس وقت حضرت عمر
آپ کو یہ جواب دیتے کہ "تم اپنے پدر بزرگوار کی حالت دیکھتی نہیں ہو۔ حضرتؐ کے کرب اور
بے چینی کی وجہ سے اس کا موقع بھی ہے کہ حضرتؐ سے ایسی بات کی خواہش کیجائے
اس وقت تو جو بات آپکی تکلیف بڑھا دے اس سے حضور کو بچانے کی کوشش

کرنی چاہیئے۔ اگر لکھنے یا لکھوانے کی خواہش کی جائیگی تو بجائے سکون کے آپ کے مرض میں بہت زیادتی ہو جائیگی جس کو حضرت کا ضعف برداشت نہیں کر سکیگا" تو حضرت عمر کی سیاست سب کو پسند ہوتی اور ہر شخص کہتا کہ آپ کو حضرت رسول کی جو محبت تھی اُس نے اس بات پر آمادہ کیا اور یہی آپ کو کرنا اور کہنا چاہیئے تھا۔ اگر جب حضرت رسول خدا صلعم نے خود اپنی طرف سے فرمایا کہ "دوات کا غذ لاؤ میں تمہارے لیئے ایک تحریر لکھدوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے" تو حضرت عمر نے آپ کو خدا کا رسول سمجھکر آپکی اطاعت کیوں نہیں کی اور قلم دوات کیوں نہیں دے دی؟ حضرت رسول خدا صلعم اُس وقت اپنے عہدۂ نبوت و رسالت سے معزول تو نہیں کر دیئے گئے تھے اور آپکی اطاعت کا حکم منسوخ تو نہیں ہوا تھا پھر آپ نے ارشاد رسول کی مخالفت کیوں کی کیوں نہیں آپکو قلم دوات دے دی؟ خدا نے فرمایا ہے قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی اگر تمکو اللہ کی محبت ہے تو میری راہ پر چلو (پ ۳ ع ۱۱) واطیعوا اللّٰہ والرسول لعلکم ترحمون اللہ اور اُسکے رسول کا کہا مانو اس لئے کہ تم پر رحم ہو۔ ومن یطع اللّٰہ ورسولہ یدخلہ جنات جو لوگ اللہ اور اُسکے رسول کے حکم پر چلیں تو اللہ انکو بہشتوں میں لیجائیگا (پارہ ۴ ع ۱۳) یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول مسلمانو! اللہ تعالےٰ کا حکم مانو اور اسکے رسول کا حکم مانو (پ ۵ ع ۵) وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللّٰہ۔ اور ہم نے جو رسول بھیجا وہ اسی لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کا کہا مانا جائے (پ ۵ ع ۶) ومن یطع اللّٰہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللّٰہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولٰئک رفیقا۔ جو اللہ اور رسول کا کہا مانیں وہ جنت میں اُن لوگوں کے ساتھ ہونگے جن کو اللہ نے سرفراز کیا ہے۔ یعنی پیغمبر اور صدیق اور شہید اور نیکو کاروں کے ساتھ اور ان لوگوں کا ساتھ اچھا ہے (پ ۵ ع ۹) من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ۔ جو رسول کا کہا مانے اُس نے اللہ کا کہا مانا (پ ۵ ع ۸) اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول اور اللہ و رسول کا کہا مانو (پ ۷ ع ۲) فآمنوا باللّٰہ ورسولہ تو اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ۔ (پ ۹ ع ۱۰) واطیعوا اللّٰہ ورسولہ ان کنتم مومنین اور اللہ اور اسکے رسول کا کہا مانو اگر تم میں ایمان ہے (پ ۹ ع ۱۵) واطیعوا اللّٰہ ورسولہ اور اللہ و رسول کا کہا مانو (پ ۱۰ ع ۲) ومن یطع اللّٰہ ورسولہ ویخش اللّٰہ ویتقہ فاولٰئک ھم الفائزون اور جو شخص اللہ و رسول کا حکم مانے اور اللہ سے ڈرتا ہے تو ایسے ہی لوگ کامیاب

ہوں گے (پ۴ ع ۴) واطیعوا الرسول لعلکم ترحمون اور رسولؐ کا کہا مانو اس لئے کہ تم پر رحم کیا جائے (پ۱۸ ع ۱۱)
ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیما جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کے کہنے پر چلے
اس نے بڑی مراد پائی (پ ۲۲ ع ۶) - واطیعوا اللہ ورسولہ خدا اور اسکے رسولؐ کا کہا مانتے
رہو (پ ۱۰ ع ۲) - ان آیات میں کہیں بھی خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر رسولؐ حالت صحت میں ہوں
ان کا حکم مانو اور حالت مرض میں ہوں تو ان کا حکم نہ مانو کسی اشارہ سے بھی یہ بات نہیں فرمائی
کہ اگر رسولؐ اطمینان و آرام سے ہوں تو انکی اطاعت کرو اور اگر تکلیف یا درد یا زحمت میں ہوں تو
انکی اطاعت نہ کرو بلکہ مطلق اطاعت کا حکم ہے - اس کا مقتضے یہی ہونا چاہئے کہ رسولؐ جب تک زندہ
رہیں - جب تک خدا کے یہاں واپس نہ جائیں - جب تک دنیا میں کچھ بول یا کہہ سکیں یا اشارہ کنایہ
بھی کر سکیں اس وقت تک انکی ہر بات مانو ہر حکم کی اطاعت کرو اور کسی امر میں ذرہ برابر چون و چرا نہ
کرو - پھر حضرت عمرؓ نے کیوں نہیں حضرت رسولؐ خدا کو قلم دوات دیکر حضرتؐ کی اطاعت کا شرف
حاصل کیا؟ دو حالت سے خالی نہیں - یا حضرت عمرؓ مسلمان نہ مانے جائیں تو آپ پر خدا اور رسولؐ
کی اطاعت بھی بلحاظ ہر واجب نہیں کہی جاسکتی - یا مسلمان مانے اور حکم رسولؐ کے مخالف کہے
جائیں - مولوی شبلی صاحب پہلی صورت قبول نہیں کر سکتے تو دوسری ہی صورت تسلیم کرنی ہوگی
کہ حضرت عمرؓ نے حکم رسولؐ کی مخالفت کی اور حضرتؐ کو آخر زندگی میں اپنی نافرمانی سے تکلیف پہونچائی - حالانکہ خدا نے
جس طرح خدا اور رسولؐ کی اطاعت کا حکم دیا ہے اسیطرح خدا اور رسولؐ کی مخالفت سے ڈرایا ہے قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا
فان اللہ لا یحب الکافرین اے رسولؐ کہدو کہ تم لوگ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو لیکن اس پر بھی
اگر وہ نہ مانیں تو اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا (پ۳ ع ۱۱) یہ آیت نہایت صاف ہے جس سے واضح
ہوتا ہے کہ جو لوگ کسی وقت اور رسولؐ کی کسی حالت میں بھی خدا اور رسولؐ کا حکم نہ مانیں گے ان کو
خدا کافر سمجھیگا کیونکہ ان کا حکم نہ ماننے والوں ہی کو وہ یہاں کافرین کے لفظ سے یاد کر رہا ہے یہاں
یہ نہیں فرمایا کہ اگر وہ لوگ رسولؐ ہی کی صحت کی حالت میں اس کا حکم نہیں مانیں گے تو کافر ہوں گے اور
مرض کی حالت میں اس کا حکم نہیں مانیں گے تو کافر نہیں ہونگے بلکہ مطلق فرما کر واضح کر دیا کہ اگر رسولؐ کی
زندگی کی کسی ساعت میں بھی اسکے حکم سے عدول کرینگے تو وہ خدا کے ہاں کافرین کی فہرست میں شمار کرلئے
جائیں گے - پھر فرمایا ہے ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ نارا خالدا فیھا ولہ عذاب مھین
جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے اور اسکی حدوں سے بڑھ جائے تو اللہ اس کو دوزخ

[illegible]

میں جھونک دیگا جس میں ہمیشہ پڑا رہیگا اور اس کے لئے ذلیل عذاب ہوگا (پ ۴ ع ۱۳) - ایسیں بھی خدا نے
یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص رسول کی صحت میں اُنکے حکم کی نافرمانی کرے گا صرف اُس کو اللہ دوزخ میں ڈالیگا
اور محض اُسی کے لئے ذلیل عذاب ہوگا اور جو رسول کے مرض کی حالت میں انکی نافرمانی کرے گا اُس کو
خدا دوزخ میں نہیں جھونکے گا - اور اسکے لیئے ذلیل عذاب نہیں ہوگا - پھر فرماتا ہے ومن یشاقق
الرسول من بعد ما تبین له الهدی ویتبع غیر سبیل المومنین نوله ما تولی ونصله جهنم
وساءت مصیرا اور جو کوئی سیدھی راہ کھل جانے کے بعد پیغمبر کا خلاف کرے اور مسلمانوں کے
رستے کے سوائے دوسرا رستہ لے ہم اس کو اسی رستہ پر لے چلیں گے اور اس کو دوزخ میں جھونک
دینگے اور وہ اس کا بہت ہی برا ٹھکانا ہے (پ ۵ ع ۱۴) - اس میں بھی خدا نے اسکی قید نہیں کی کہ جو
شخص رسول کی صحت میں انکے خلاف کرے گا اسکو دوزخ میں ڈالے گا اور رسول کے مرض یا ضعف میں
انکے خلاف کرے گا اس کو جہنم میں داخل نہیں کرے گا - بلکہ ہر حالت میں رسول کی نافرمانی کرنیوالوں
کی وہی سزا مقرر کیگئی ہے - واطیعوا الله واطیعوا الرسول واحذروا فان تولیتم فاعلموا
انما علی رسولنا البلاغ المبین - اللہ اور رسول کا کہا مانو اور خدا سے ڈرو (کہ ان کی
کی مخالفت تم سے نہ ہونے پائے) پھر اگر تم نہ مانو تو یہ سمجھو کہ ہمارے رسول کا فرض صرف احکام خدا
کا کھول کر بیان کر دینا ہے (پ ۷ ع ۲) پھر فرماتا ہے ذلک بانهم شاقوا الله ورسوله و من
یشاقق الله ورسوله فان الله شدید العقاب - ان لوگوں کی یہ سزا اس وجہ سے ہے
کہ انھوں نے اللہ و رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ و رسول کی مخالفت کریگا اللہ اس کو سخت عذاب
دینے والا ہے (پ ۹ ع ۱۶) یا ایها الذین آمنوا اطیعوا الله ورسوله ولا تولوا عنه وانتم
تسمعون ولا تکونوا کالذین قالوا سمعنا وهم لا یسمعون - اے ایمان والو!
اللہ و رسول کا کہا مانو اور رسول کا حکم سُن کر اس سے منہ مت پھیرو اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ
جو زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم نے سُنا لیکن اپنے عمل سے نہیں ثابت کرتے کہ انھوں نے سُنا ہی (پ ۹ ع ۱۷)
الم یعلموا انه من یحادد الله ورسوله فان له نار جهنم خالدا فیها ذلک الخزی العظیم -
کیا ان لوگوں کو یہ نہیں معلوم ہے کہ جو اللہ و رسول کی مخالفت کرے گا اس کے لئے دوزخ کی آگ
طیار ہے جسمیں وہ ہمیشہ رہیگا یہ بڑی رسوائی ہے (پ ۱۰ ع ۱۴) فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ
ان تصیبهم فتنة او یصیبهم عذاب الیم - پھر جو لوگ رسول کا حکم نہیں مانتے انکو ڈرنا چاہئے

کہ ان پر کوئی مصیبت یا دردناک عذاب نازل ہو جائے (پ۱۸ ع ۱۵) یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم۔ مسلمانو! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور انکے خلاف کرکے اپنے اعمال نہ مٹاؤ (پ۲۶ ع ۸) یہ آیت بھی بہت ہیبت ناک ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کسی وقت بھی رسوؑل کی بات رد کردیگا۔ یا آپ کے حکم سے سرتابی کرے گا اسکے کل اعمال ملیامیٹ ہو جائیں گے۔ نماز، روزہ تک اُسکے نامۂ اعمال سے مٹا دیا جائیگا۔ اس آیت میں بھی اسکی قید نہیں ہے کہ جب رسوؑل حالت صحت میں ہوں تب انکی مخالفت کرنے والوں کے کل اعمال باطل ہو جائیں گے اور جب حالت مرض میں ہوں تب انکے احکام کی نافرمانی کرنے والوں کے کل اعمال باطل نہیں ہوں گے بلکہ درست رہیں گے۔ اس کا نتیجہ صاف ہے کہ رسوؑل کی صحت، مرض ضعف۔ ناتوانی غرض ہر حالت کی بات واجب التعمیل ہے۔ اور جو شخص حضرتؐ کی کسی حالت میں بھی حضرتؐ کی نافرمانی کرے گا اسکے کل اعمال باطل کر دیئے جائیں گے۔ ومن یعص اللہ و رسولہ فان لہ نار جہنم خالدین فیھا ابداً اور جو لوگ اللہ و رسوؑل کی نافرمانی کریں گے اُنکے لئے دوزخ کی آگ موجود ہے۔ اور وہ اس میں ہمیشہ پڑے رہیں گے (پ۲۹ ع ۱۲) اگر انسان غور کرے تو حسب ذیل آیات خاص طور پر بتاتی ہیں کہ حضرتؐ کے دوات قلم طلب کرنے پر حضرت عمر کو بالکل عذر نہیں کرنا چاہیئے تھا بلکہ آپ کا فرض تھا کہ فوراً حاضر کر دیتے۔ یا ایھا الذین آمنوا استجیبوا للہ و للرسول اذا دعاکم لما یحییکم مسلمانو! جب رسوؑل تمکو ایسے کام کے لئے بلائیں جس میں تمہاری دنیوی اور دینی زندگی (یعنی ہدایت) ہے تو اللہ اور رسوؑل کا حکم مانو (پ۹ ع ۱۷)۔ یہ واضح ہے کہ اس وقت بھی حضرت رسو لخدا صلعم مسلمانوں کو جو حکم دے رہے تھے وہ اپنی ذات کے لئے نہیں تھا۔ اپنے کھانے پینے کے لئے نہیں تھا۔ اپنے لباس اور فرش کے لئے نہیں تھا۔ اپنی دولت و جائداد کے لئے نہیں تھا۔ اپنی اولاد کے لئے نہیں تھا جناب سیدہ و امام حسنؑ حسینؑ کی راحت رسانی کے لئے نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کو گمراہی سے بچانے کے لئے تھا کیونکہ خطاب صحابہ ہی سے تھا اور ان الفاظ میں تھا جسکے بعد تم گمراہ نہ ہوگے جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ نوشتہ مسلمانوں کی دنیوی اور دینی زندگی ہی کے لئے ہوتا مگر حضرت عمر نے اس کو لکھنے نہیں دیا اور ان تمام آیات قرآن مجید سے چشم پوشی کرلی اور اسکے انجام سے بھی غض بصر کیا حالانکہ اگر آپ وصیت نامہ نہ روکتے تو حضرتؐ کے بعد ہی مسلمانوں میں جو جھگڑے پیدا ہوگئے وہ نہ ہوتے۔

یہ تو یقینی ہے کہ وفات رسولؐ کے بعد مسلمانوں میں دو فرقے ہو گئے اور یہ بھی یقینی ہے کہ دونوں ہی سیدھے راستے پر نہیں کہے جا سکتے۔ ایک فرقہ یقیناً گمراہ ہوا تو اس گمراہی کا باعث کون قرار پایا؟ اگر حضرتؐ کی وہ وصیت لکھ دی گئی ہوتی تو حضرت عمر پر کوئی الزام نہیں آتا اور آپ کے دامن پر یہ دھبا نہ لگتا کہ آخر وقت میں رسولؐ جو وصیت لکھنی چاہتے تھے اس کو آپ ہی نے روک دیا۔ اور رسولؐ دنیا سے جاتے وقت اپنی آخری تمنا کے پوری نہ ہونے کا داغ حضرت عمر ہی کی وجہ سے لے گئے۔ یہ آیۃ بھی صاف ہے وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا کسی مسلمان مرد یا کسی مسلمان عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ و رسولؐ کسی بات کا حکم کر دیں تو پھر اس کو اس بات میں کوئی اختیار رہے اور جو شخص اللہ و رسولؐ کا حکم نہ مانے وہ کھلا گمراہ ہو چکا (پ ۲۲ ع ۲)۔ اس حکم کو بھی خدا نے عام رکھا ہے کہ رسولؐ خواہ صحت کی حالت میں کوئی حکم دے یا مرض میں کسی وقت بھی کسی مسلمان کو اس میں دخل دینے کا اختیار نہیں رہتا۔ یہاں بھی حضرت رسولخدا قلم دوات لانے کا حکم دیتے ہیں مگر حضرت عمر فرماتے ہیں کہ "آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں"۔ حالانکہ قلم دوات کا نہ دینا ہی حضرتؐ کی تکلیف کا باعث تھا اگر اس وقت وصیت نامہ لکھنے کی واقعی اور شدید ضرورت نہ ہوتی تو خدا آنحضرتؐ کو حکم ہی نہیں دیتا کہ تم صحابہ سے قلم دوات لیکر وصیت لکھ دو کیونکہ آنحضرتؐ تو کوئی قول اپنے دل سے نہیں کہتے بلکہ وحی خدا نازل ہونے پر فرماتے تھے جیسا کہ خدا نے فرمایا وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔ میرا رسولؐ کوئی بات اپنے دل سے نہیں کہا کرتا بلکہ جو کہتا ہے وہ میری وحی نازل ہونے کے بعد ہی کہتا ہے (پ ۲۷ ع ۵) اس وجہ سے ماننا پڑے گا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے آخری وقت جو فرمایا کہ مجھے قلم دوات دو میں ایسی چیز لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔ یہ بھی وحی خدا کے مطابق فرمایا تھا نہیں اگر آپ کا اس وقت وصیت نامہ لکھنا مناسب ہوتا تو خدا آنحضرتؐ کو اس کا حکم دیتا ہی نہیں۔ اب ہر مسلمان فیصلہ کر سکتا ہے کہ خدا نے تو آنحضرتؐ کو وصیت نامہ لکھنے کا حکم دیا اور حضرت عمر نے کہا کہ ایسا کرنا آپ کے لئے مناسب نہیں۔ ان دونوں میں کس کی بات ماننے کے قابل تھی۔ خدا کی یا حضرت عمر کی۔ اور حکم خدا کے مقابلہ میں حضرت عمر نے اپنی رائے پر عمل کیا تھا اس سے اپنے خدا و رسولؐ کو خوش کیا یا ناراض۔ اگر آپ کے اس قول پر رسولخدا صلعم خاموش ہو جاتے تو معلوم ہوتا کہ آپ نے اس کا اثر نہیں لیا لیکن آنحضرتؐ نے تو اسی وقت آزردگی

جس سے حضرتؐ کی کمال درجہ اذیت واضح ہو گئی کہ فرمایا قوموا عنی۔ میرے پاس سے چلے جاؤ۔ اگر حضرت رسولخدا صلعم ہذیان کی باتیں کرتے ہوتے تو آپکو خبر بھی نہیں ہوتی کہ وہاں آپ کے متعلق کیا رائے زنی ہو رہی ہے۔ لیکن آپ کا یہ فرمانا کہ یہاں سے چلے جاؤ بتاتا ہے کہ حضرتؐ کے حواس بالکل درست تھے اور ذرہ برابر بھی بے خبری یا غلبہ درد کا اثر نہیں تھا اور جس طرح صحت کی باتیں ہوتی تھیں۔ اسی طرح کا کلام یہ بھی تھا۔ یہ آیت بھی قابل لحاظ ہے وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب۔ اے مسلمانو! پیغمبرؐ جو حکم تم کو دیں اس کو ضرور مان لینا اور جس چیز سے منع کریں اس سے ضرور باز رہنا اور اللہ سے ڈرتے رہنا (یعنی پیغمبرؐ کے خلاف نہ کرنا کہ) بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے (پ ۲۸ ع ۴)۔ یہ حکم بھی عام ہے۔ رسولؐ کی صحت یا مرض پر موقوف نہیں ہے کہ جب رسولؐ صحیح ہوں تو انکی بات مانو اور جب وہ مریض ہوں تو انکی بات نہ ماننا۔ اسکے بعد مولوی صاحب لکھتے ہیں "اگر کوئی ضروری حکم ہوتا تو آنحضرت صلعم کسی کے روکنے سے کیونکر رُک سکتے تھے"۔ سبحان اللہ کتابوں میں بھرا ہوا ہے اور آپ نے خود بھی نقل کیا ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا "میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں جسکے بعد تم گمراہ نہ ہوگے" اس کے بعد آپ لکھتے ہیں "اگر ضروری حکم ہوتا" جب وہ ایسی تحریر ہوتی جسکے بعد مسلمان گمراہ نہ ہوتے تو اس کے ضروری ہونے میں کسی مسلمان کو شک ہو سکتا ہے؟ آنحضرتؐ کے قول کا نتیجہ یہی تو ہوا کہ اگر وہ تحریر نہیں لکھی جاتی تو لوگ گمراہ ہو جاتے۔ پھر جو تحریر مسلمانوں کو گمراہی سے بچا سکتی اس سے زیادہ ضروری بات کیا ہو سکتی تھی؟ قرآن مجید بھی تو اسی لئے نازل ہوا کہ اس کے بعد لوگ گمراہ نہ ہوں۔ اسلام اسی لئے آیا کہ لوگ گمراہی سے نکلیں۔ حضرت رسولخدا صلعم اسی لئے مبعوث کئے گئے کہ لوگوں کو گمراہی سے نجات دیں۔ اسی گمراہی سے بچانے کے لئے حضرتؐ وہ وصیت نامہ بھی لکھنا چاہتے تھے۔ اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ اس وصیت نامہ کی اتنی ہی ضرورت تھی جس قدر قرآن مجید کے نازل ہونے کی۔ اس وصیت کا اسی قدر فائدہ ہوتا جس قدر دین اسلام کے آنے کا ہوا۔ اور اس وصیت سے وہی نفع پہونچتا جو حضرت رسولخدا صلعم کے مبعوث برسالت ہونے سے پہونچا اور اسکی وجہ یہی ہے کہ جس طرح حضرتؐ نے اپنی زندگی بھر مسلمانوں کو گمراہی سے بچانے کی کوشش کی۔ اسی طرح اب اپنی وفات کے بعد بھی ان سب کو گمراہی سے محفوظ کرنے کے لئے وصیت لکھنا چاہی۔ اگر وہ وصیت نامہ لکھ گیا ہوتا تو جس طرح آنحضرتؐ کی زندگی میں قرآن مجید سے اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لوگوں کی ہدایت

ہوتی رہتی تھی۔ اُسی طرح آنحضرتؐ کی وفات کے بعد لوگ ہدایت پر قائم رہتے مگر وہ وصیت نامہ نہیں لکھنے دیا گیا اس وجہ سے مسلمانوں میں گمراہی کے دروازے کھل گئے۔ یہ سوال کہ "کسی کے روکنے سے کیونکر رُک سکتے تھے"۔ کس درجہ حیرت خیز ہے۔ خود ہی لکھتے ہیں کہ حضرتؐ وصیت نامہ لکھنے کو قلم دوات مانگی اور لوگوں نے نہیں دیا" اور خود ہی لکھتے ہیں کہ "کیونکر رُک سکتے تھے"۔ اے جناب! جس طرح اُس وقت حضرت عمر وغیرہ کے روکنے سے رُک گئے اُسی طرح باقی چار دن بھی رُک گئے حضرتؐ کا اب بس ہی کیا تھا۔ گھر حضرت عائشہ کا تھا جس میں حکومت صرف حضرت ابوبکر وغیرہ کی تھی، اور مرض و ناتوانی کی حالت یہ پہنچ گئی تھی کہ خود قلم دوات تک نہیں اُٹھا سکتے تھے۔ خود کاغذ تک نہیں لے سکتے تھے۔ تو اب لکھتے کیونکر؟ اگر حضرتؐ کا اختیار کچھ بھی باقی رہتا تو کاغذ قلم دوات طلب کرنے پر کیا لوگوں کو اتنی ہمت ہوتی کہ حضرتؐ کے منہ پر کہہ دیتے ان الرجل لیہجر۔ یہ شخص ہذیان بک رہا ہے۔ یہ جملے ہی بتاتے ہیں کہ حضرت رسولخدا صلعم کس درجہ مجبور اور بے بس ہو چکے تھے کہ اپنی طاقت جواب دے چکی تھی۔ حضرت عائشہ حضرت ابوبکر و عمر کے خلاف کر نہیں سکتی تھیں۔ اور حضرت عمر کسی طرح لکھنے نہیں دیتے تھے۔ تو اب اور کون سی صورت باقی رہ گئی تھی جس سے آنحضرت صلعم بعد میں وہ وصیت نامہ لکھتے یا لکھوا دیتے۔ آپ لکھتے ہیں "اُس وقت نہ سہی بعد کو لکھوا دیا ہوتا"۔ یہ اُس وقت ہوتا جب آنحضرت صلعم حضرت عائشہ کے گھر سے اُٹھ جاتے۔ حضرت علیؑ و ابن عباس وغیرہ کا کچھ اختیار ہو جاتا۔ دوسرے صحابہ کو کچھ خدمت کرنے کا موقع ملتا۔ یا حضرتؐ ہی میں اتنی طاقت آجاتی کہ کسی کے روکے نہیں رُکتے۔ خود بڑھکر قلم دواتؑ لے لیتے۔ خود ہی اُٹھکر کاغذ حاصل کر لیتے اور وصیت نامہ لکھکر حضرت ابوبکر و عمر و عائشہ کی حفاظت سے نکلکر حضرتؐ دوسرے صحابہ سے کچھ کہنے یا ان کو کچھ دینے پاتے۔ لیکن جب تک آپ اپنی زندگی میں اسی حالت میں رہے جو قلم دوات طلب کرتے وقت تھی اُس وقت تک تو اس وصیت نامہ کے لکھنے میں وہی مشکلات حائل رہتیں جو پہلے ہی وقت مانع ہو گئیں۔ اگر حضرتؐ چار دن کے بعد وہ وصیت نامہ لکھنے کی قدرت پا سکتے تو پہلی ہی دفعہ کیوں اس ناکامیابی کا صدمہ برداشت کرتے؟ چار دن کے بعد تو حضرت اور زیادہ کمزور، مضمحل اور دوسروں کے محتاج ہو گئے تھے۔ اور پہلی دفعہ وصیت نامہ لکھنے کا ارادہ ظاہر کر کے تو ہذیان کا لقب پا چکے تھے۔ اب پھر اس کا خیال کر کے کیا جنون وغیرہ خطاب کا موقع مہیا فرما دیتے؟ حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تو جانتے تھے

کم من جراب الجبب حلت به الندامة ۔ جو شخص ایک دفعہ تجربہ کرنے کے بعد پھر اس چیز کا تجربہ کرتا ہے وہ ندامت وافسوس میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔ پھر کیوں اُس بدمزگی اور بے لطفی کا امکان ہونے دیتے ۔ پھر آپ لکھتے ہیں "اور یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آپ (حضرت رسولخدا صلعم) کس دین کو پسند کرتے تھے" ۔ حضرتؐ تو صاف فرما رہے ہیں کہ ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے" اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ حضرتؐ سچے اسلام پر باقی رہنے کی صورت لکھکر مسلمانوں کو بتا دینا چاہتے تھے کہ اسی طرح چلو گے تو اُس دین پر باقی رہو گے جو میں تم لوگوں کے پاس لایا تھا اور جس کو میں اس وقت تک خدا کا سچا مذہب بتا رہا ہوں ۔ اگر اب بھی اسکی تعیین نہیں ہوئی تو اسلام کے مشہور علماء کے اقوال ملاحظہ فرمائیے ۔ جناب شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے :- کان النبیؐ اراد ان یکتب تعیین واحد من الصحابة للخلافة لئلا یقع بعده نزاع منهم وکان بکاء ابن عباس لفوات مقصده من هذا الخیر ۔ حضرت رسولخدا صلعم چاہتے تھے کہ صحابہ سے ایک شخص کو اپنی خلافت کے لئے معین فرما دیں تا کہ حضورؐ کے بعد مسلمانوں میں نزاع نہ پیدا ہو ۔ اور حضرت ابن عباس جو اس حدیث کو یاد کر کے روتے تھے تو وہ بھی اسی خیال سے کہ اس بہترین انتظام کی صورت درہم برہم کر دی گئی (اشعة اللمعات جلد ۔ ص ۔) اور علامہ خفاجی شارح شفاء قاضی عیاض لکھتے ہیں ۔ فصل فان قلت فقد تقررت عصمته فی اقواله فما معنے الحدیث فی وصیته من الباب الثانی من القسم الثالث قال سفیان اراد ان یبین امر الخلافة بعده حتے لا یختلفوا فیها فصل اگر تم کہو کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ حضرت رسولؐ اپنے اقوال میں معصوم تھے ۔ پھر قسم ثالث کے دوسرے باب میں حضرت کی وصیت کے متعلق جو حدیث ہے اس کا مطلب کیا قرار پائیگا ۔ سفیان کہتے تھے کہ حضرتؐ نے ارادہ کیا تھا کہ اپنے بعد خلافت کے مسئلہ کو خود ہی طے کر دیں تا کہ اس کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف نہ پیدا ہو (نسیم الریاض جلد ۔ ص ۔) اور علامہ کرمانی نے خطابی سے نقل کیا ہے کہ هذا یتاول علی وجهین احدهما انه اراد ان یکتب اسم الخلیفة بعده لئلا یختلف الناس ولا یتنازعوا فیؤدیهم ذلک الی الضلال ۔ اس امر کی تاویل دو صورتوں سے ہو سکتی ہے ۔ ایک یہ کہ آنحضرتؐ اپنے بعد اپنے خلیفہ کا نام لکھنا چاہتے تھے

یہ ایسا ہی سوال ہے جیسے کوئی شخص کہے "یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آپ کیا لکھوانا چاہتے تھے"

تاکہ لوگ اسکے بارے میں اختلاف نہ کرنے لگیں اور ایسی نزاع نہ قائم ہو جائے جو ان کو گمراہی کی حد تک
پہونچا دے (شرح صحیح بخاری از علامہ کرمانی) اور علامہ ابن حجر نے اکتب لکم کتابا
کی شرح میں لکھا ہے۔ اراد ان ینص علی اسامی الخلفاء بعدہ
اس وصیت نامہ سے حضرت اپنے بعد اپنے خلفاء کی تعیین فرما دینا چاہتے تھے
(فتح الباری پ ۱ - ص ۱۱۲ مطبوعہ دہلی) اور علامہ نووی نے لکھا ہے:-
قد اختلف العلماء فی الکتاب الذی هم النبیؐ به فقیل اراد ان ینص علی الخلافة
فی انسان معین لئلا یقع نزاع و فتن - علماء نے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ آنحضرت
وصیت نامہ میں کون سا مضمون لکھنا چاہتے تھے - لوگوں نے کہا ہے کہ حضرتؐ نے ارادہ کیا کہ
اپنا خلیفہ کسی خاص شخص کو معین کردیں تاکہ جھگڑا اور فتنہ و فساد نہ قائم ہو (شرح صحیح مسلم جلد ۲)
اور جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے لکھا ہے "ایتونی بدواۃ و قرطاس - آنحضرت نے
مرض موت میں فرمایا دوات اور کاغذ میرے پاس لاؤ - میں ایک ایسی کتاب تم کو لکھ دوں کہ تم میرے
بعد اگر اس پر چلو تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے - اس وقت حجرے میں بہت سے صحابہ تھے: کسی نے کہا لاؤ
کسی نے کہا آپ پر بیماری کی شدت ہے ایسے وقت میں آپ کو کتاب لکھوانے سے اور زیادہ تکلیف
ہوگی - غرض گلغپ ہونے لگی - آخر آنحضرتؐ نے فرمایا چلے جاؤ پیغمبرؐ کے پاس جھگڑا کرنا مناسب نہیں
غرض یہ کتاب نہ لکھی گئی - عبداللہ بن عباس ساری عمر اس پر افسوس کرتے رہے - اس حدیث کو
حدیث القرطاس کہتے ہیں شیعوں نے اس کو صحابہ کے خلاف ایک بڑی دلیل سمجھا ہے اور اس پر
خوب بحث کی ہے اور اہلسنت نے ان کے اعتراضوں کے جواب دیئے ہیں - اور اللہ خوب جانتا ہے
کہ آپ کیا لکھوانے والے تھے - بہرحال اگر کتاب لکھی جاتی تو شاید آپ کی وفات کے بعد اتنا
اختلاف نہ ہوتا جتنا ہوا مگر اللہ کی تقدیر ایسی تھی کہ کتاب نہ لکھی جائے - ایسا ہی ہوا -
فعینا بعضنا منهم ما شاء" (انوار اللغۃ پ ۱۱ ص ۹۳) - اس عبارت میں مولوی صاحب نے گو صاف صاف نہیں کہا
ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم خلافت کا مسئلہ طے کر دینا چاہتے تھے مگر دبے الفاظ میں اس کو واضح کر دیا ہے
کیونکہ یہ جملہ "بہرحال اگر کتاب لکھی جاتی تو شاید آپکی وفات کے بعد اتنا اختلاف نہ ہوتا جتنا ہوا"۔
اسکے مقصود کا اعلان کرنے کے لئے کافی ہے - آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اختلاف اور کس امر میں ہوا؟ کیا خلافت
کے سوا بھی اسوقت کوئی مسئلہ مسلمانوں کے اختلاف کا باعث ہوا؟ کیا سقیفہ بنی ساعدہ کے جھگڑے اور مثلاً

امیر و منکم امیر کی صدائیں نہیں کہتیں کہ یہی وہ اختلاف تھا جسکے روکنے کے لئے آنحضرت صلعم وصیت نامہ لکھ دینا اور مسلمانوں کو گمراہی سے بچا لینا چاہتے تھے۔ اس کے بعد مولوی صاحب کا یہ جملہ "مگر اللہ کی تقدیر ایسی تھی کہ کتاب نہ لکھی جائے" کس درجہ عبرت خیز ہے۔ خدا ہی نے تو آنحضرت کو حکم دیا کہ وصیت نامہ لکھ دو تاکہ تمہارے بعد مسلمان اختلاف نہ کریں اور گمراہی کے گڈھے میں نہ گریں۔ پھر خدا ہی کی تقدیر ایسی کیوں ہوتی کہ کتاب نہ لکھی جائے۔ خدا تو حکم دیتا ہے کہ نماز پڑھو رسولؐ تاکید فرماتے رہے کہ تارک الصلوۃ نہ بنو۔ مگر اب جو لوگ نماز نہیں پڑھتے ہیں ان کے بارے میں بھی کیا آپ یہی کہیں گے کہ اللہ کی تقدیر ایسی تھی کہ یہ لوگ نماز نہ پڑھیں۔ پھر جو شخص تارک الصلوۃ ہوگا اُس کو خدا عذاب کرے گا یا نہیں۔ اگر نہیں کرے گا تو نماز پڑھنے والا اور وہ برابر ہوا۔ اور اگر عذاب کرے گا تو کیوں۔ اس لئے کہ خدا ہی کی تقدیر تو ایسی تھی کہ وہ نماز نہ پڑھے۔ غرض اپنے بزرگوں کے عیوب پر پردہ ڈالنے کے لئے خدا پر اعتراض کی پروا بھی نہیں کی جاتی۔ افسوس اگر اب بھی رسولخدا صلعم کا مقصود واضح نہیں ہوا تو اب اُن بزرگ کی تحریر ملاحظہ فرمایئے جو آپکے بڑے گہرے اور معزز دوست تھے۔ اور آپ کے ہم پلہ مصنف مانے جاتے ہیں شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں "اب پھر فاطمہؓ اور ابوبکرؓ اور علیؓ اور عائشہؓ کے باہمی تعلقات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان کی آپس کی رشتہ داریاں معلوم ہیں۔ عمریں معلوم ہیں۔ اسلامی خدمات معلوم ہیں۔ پیغمبرؐ صاحب ہر ایک کے ساتھ جس طرح کا برتاؤ کرتے تھے وہ معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ان میں ہر ایک حیثیت منافستہ کی باعث ہو سکتی ہے اور منافستہ ہوئی بھی تھی۔ ہماری اپنی رائے یہ ہے کہ ان لوگوں میں منافستہ تو مدت سے قائم تھی۔ واقعات مابعد نے منافستہ کو محاسدۃ بنا دیا کیونکہ طبیعتوں میں کدورتیں ہوتی ہیں اور ان کو ایک دوسرے سے کبھی صاف نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ علیؓ اور ابوبکرؓ میں۔ اور فاطمہؓ اور عائشہؓ میں ہوا کہ ایک دوسرے کے لحاظ سے یا پیغمبرؐ صاحب کے ڈر سے کبھی برہ رو اظہار رنجش کی نوبت نہ آئی تو بات بات میں بدگمانی کے پہلو نکلتے آئے۔ اور رنجش ہے کہ چپکے چپکے ترقی کرتی جاتی ہے۔ اس بات کے جتانے کی کچھ ضرورت نہیں کہ ابوبکرؓ اور عائشہؓ باپ بیٹی ایک فریق تھے اور علیؓ اور فاطمہؓ میاں بی بی ایک فریق۔ پیغمبرؐ صاحب کے سامنے ہر ایک فریق اپنی اپنی جگہ قائم تھا۔ اب وہ وقت قریب آنے لگا کہ منافستہ متخاصمین میں غالب و مغلوب کا فیصلہ کردے۔ یعنی پیغمبرؐ صاحب ۲۲ صفر ۱۱ھ روز شنبہ کو بیمار

ہے... کمزوری اس قدر ہوگئی تھی کہ نماز پڑھانے کے لئے حجرے سے نکل کر پاس کے پاس چند قدم مسجد تک نہیں جا سکتے تھے... عباس نے علیؑ سے کہا کہ اب پیغمبر صاحب کا وقت اخیر ہے۔ تم سامنے سے ہو مت۔ عجب نہیں تمہارے مفید مطلب کچھ وصیت کر دیں۔ چنانچہ علیؑ سامنے جا کھڑے ہوئے۔ پیغمبر صاحب نے آنکھ کھولی علیؑ کو کھڑا پایا فرمایا ایتونی بقرطاس اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدی ابدا (میرے پاس کاغذ لاؤ کہ میں تمہیں وہ بات لکھ دوں جس کی وجہ سے تم میرے بعد کبھی جادۂ مستقیم سے منحرف نہ ہو) اس پر حاضرین میں ہوا اختلاف۔ بعض نے کہا وصیت لکھوا لینی چاہئے اور بعض نے جن میں بڑے وزن دار بات کے دھنی عمرؓ تھے منع کیا اور کہا حسبنا کتاب اللہ (ہم کو کتاب اللہ بس کرتی ہے) اس پر پیغمبر صاحب نے ناخوش ہو کر سب کو اپنے پاس سے اٹھوا دیا۔ پھر پیغمبر صاحب نے نہ تو وصیت کا خیال فرمایا اور نہ قضا نے ان کو مہلت ہی دی... عائشہؓ شروع علالت سے تا دم مرگ پاس سے نہ کھسکیں... [1] واقعۂ قرطاس نے بھانڈا پھوڑا کہ اول دن سے رکاوٹوں کی کھچڑی خلافت

---

[1] بعض نادان اعتراض کرتے ہیں کہ اگر حضرت عمر نے وصیت نہیں لکھنے دی تو حضرت علیؑ نے قلم دوات کیوں نہیں دے دیا آپ کیوں خاموش رہے اور کیوں نہ یہ وصیت لکھوالی۔ ان کو یہ الفاظ بغور پڑھنے چاہئیں حضرت علیؑ تو بالکل مجبور کر دیئے گئے تھے۔ حجرہ حضرت عائشہ کا تھا جہاں حضرت علیؑ یا فاطمہؑ یا خاندان بنی ہاشم سے کسی کا زور چل سکتا ہی نہیں تھا۔ اور پھر وہاں حضرت ابوبکر و حضرت عمر اور ان کے ہم خیال صحابہ کا مجمع تھا۔ جگہ تنگ تھی۔ حجرہ تھا ہی کتنا بڑا۔ اور حضرت علیؑ برابر وہاں رہنے بھی نہیں پاتے تھے بلکہ بلائے جاتے تب بھی روک دیئے جاتے تھے۔ چنانچہ اسی زمانہ کے واقعات میں یہ بھی ہے کہ علامہ طبری نے لکھا ہے قال رسول اللہؐ ابعثوا الی علیؑ فادعوہ فقالت عائشۃ لو بعثت الی ابی بکر۔ وقالت حفصۃ لو بعثت الی عمر فاجتمعوا عندہ جمیعا فقال رسول اللہؐ انصرفوا فان تک لی حاجۃ ابعث الیکم فانصرفوا وقال رسول اللہؐ ان الصلاۃ قیل نعم۔ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ کسی کو بھیجکر علیؑ کو میرے پاس بلا دو۔ اس پر حضرت عائشہ بولیں کاش آپ ابوبکر کو بلاتے۔ اور حضرت حفصہ بولیں کاش آپ عمر کو بلاتے۔ اسکے بعد حضرت ابوبکر و عمر آنحضرت کے پاس پہونچ بھی گئے تو حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا تم سب یہاں سے چلے جاؤ۔ اگر مجھ کو کوئی ضرورت ہوگی تو میں خود تم لوگوں کو بلا بھیجوں گا۔ اس پر وہ سب کے

کے لئے بک رہی تھی۔ خلافت کے سوا سے اور کون سا ضروری مطلب ہو سکتا تھا جس کے لئے احتضار کی حالت میں صورت سوال بنکر پیغمبرؐ صاحب کو تکلیف دی جائے۔ بات پھر بھی گول ہی

(بقیہ حاشیہ ص۱۱۶)

سب نکل گئے۔ اُس وقت حضرت رسولؐ نے پوچھا کہ کیا نماز کا وقت آ گیا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں (تاریخ طبری جلد ۳ ص۱۹۵)۔ اس روایت سے واضح ہوا کہ حضرت رسولخدا اپنے آخری وقت حضرت علیؑ سے ملنا بھی چاہتے تھے تو کامیاب نہیں ہوتے تھے۔ کیونکہ اس کمرے پر حضرت عائشہ وحفصہ کا قبضہ تھا۔ اور علامہ محب طبری نے لکھا ہے عن عائشۃ قال رسول اللہ لما حضرتہ الوفاۃ ادعوالی حبیبی فدعوالہ ابا بکر فنظر الیہ ثم وضع رأسہ۔ ثم قال ادعوالی حبیبی فدعوالہ عمر فلما نظر الیہ وضع رأسہ۔ ثم قال ادعوالی حبیبی فدعوالہ علیا فلما رآہ ادخلہ معہ فی الثوب الذی کان علیہ فلم یزل یحتضنہ حتی قبض ویدہ علیہ اخرجہ الرازی۔ حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ جب حضرت رسولخدا صلعم کی وفات کا وقت پہونچا تو فرمایا میرے دوست کو بلا دو۔ لوگوں نے حضرت ابوبکر کو بلا دیا۔ آنحضرت صلعم نے ان کو دیکھا تو اپنا سر گرا دیا۔ پھر فرمایا ارے میرے حبیب کو بلا دو۔ اب لوگوں نے حضرت عمر کو بلا دیا۔ جب حضرتؐ نے آنکھ کھول کر دیکھا کہ حضرت عمر ہیں تو پھر اپنا سر گرا دیا اور پھر فرمایا میرے پیارے کو بلا دو۔ اب مجبوراً لوگوں نے حضرت علیؑ کو بلایا۔ جب آپ کو آنحضرتؐ نے دیکھا تو اپنی چادر میں لے لیا۔ اور برابر آپ کے سینے سے لپٹے رہے یہاں تک کہ اسی حالت میں انتقال کیا اس وقت حضرتؐ کا ہاتھ آپ ہی کے جسم پر تھا (ریاض النضرہ جلد ۲ ص۱۸۰)۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ اپنے امکان بھر حضرت علیؑ کو حضرت رسولخدا صلعم سے دور ہی رکھتی تھیں اور آنے بھی دیتی تھیں تو انتہائی درجہ کی مجبوری کے بعد۔ ایسی صورت میں آنحضرت صلعم حضرت علیؑ سے قلم دوات کیسے طلب کرتے اور حضرت علیؑ سے اگر وہ وصیت نامہ لکھوا بھی دیتے تو اسے مانتا کون؟ سب کہتے کہ غلط ہے۔ نہ رسولؐ نے لکھوایا۔ نہ رسولؐ نے کچھ کہا۔ یہ علیؑ نے اپنی خلافت حاصل کرنے کے لئے جعل و فریب سے کام لیا ہے۔ خود حضرت عائشہ حضرت علیؑ کے خلاف کھڑی ہو جاتیں اور سب مسلمانوں سے کہتیں کہ رسولؐ تو میرے حجرے میں میرے فرش پر رہے۔ میں برابر حضرتؐ کی خدمت میں موجود رہی۔ آنحضرتؐ نے

ہی رہی۔ علیؓ نے سامنے جا کھڑے ہونے کے سوا منہ سے کچھ نہ کہا۔ پیغمبر صاحب نے بھی وصیت
کی جس کے لئے کاغذ منگواتے تھے کچھ صراحت نہ فرمائی کہ کیا لکھوانا چاہتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ ص۱۱۷)

نہ قلم دوات طلب کی نہ وصیت نامہ لکھوایا۔ نہ زبانی کوئی وصیت کی۔ مجھ سے بڑھکر حضرتؐ کا حال
جاننے والا کون ہو سکتا ہے۔ علیؓ اس وقت اپنے کو خلیفۂ رسولؐ ثابت کرنے کے لئے اس جھوٹے وصیت
کو پیش کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں حضرت رسولخدا کا وصیت نامہ لکھوانا فضل عبث ہوتا۔ جب حضرت
عائشہ اتنا تک ظاہر کرنا پسند نہیں کرتی تھیں کہ حضرت رسولخدا صلعم آپ کے کاندھے پر اپنا ہاتھ رکھ کر
مسجد میں تشریف لے گئے تو وہ اس کو کیسے پسند کرتیں کہ حضرت رسولخدا حضرت علیؓ کے بارے میں وصیت
لکھوا دیں اور حضرت عائشہ اس وصیت نامہ سے لوگوں کو باخبر ہونے دیں۔ خود معظمہ کا بیان سنو۔
عبید اللہ نے کہا کہ حضرت عائشہ فرماتی تھیں جب حضرت رسولؐ بیمار ہوئے اور حضرتؐ کا درد تیز ہو گیا
تو اپنی بی بیوں سے اجازت چاہی کہ حضرتؐ میرے (عائشہ) ہی (کے) گھر میں رہیں۔ اور وہیں
حضرتؐ کی تیمارداری کی جائے سب بی بیوں نے حضرتؐ کو اجازت دے دی۔ اسی زمانہ میں
ایک روز حضرت صلعم دو شخصوں پر تکیہ کرتے ہوئے گھر سے باہر نکلے۔ اور وہ دونوں آدمی جن پر
ٹیک کر حضرتؐ باہر نکلے جناب عباس تھے اور ایک شخص اور تھا۔ اس کے بعد (اس روایت کے
راوی) عبید اللہ بیان کرتے تھے کہ اس بات کو نیز حضرت عائشہ نے جو کہا اس کو میں نے جناب
عباس سے ذکر کیا تو انھوں نے مجھ سے پوچھا تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ دوسرا شخص جس کا نام حضرت
عائشہ نے نہیں لیا کون تھا؟ میں (عبید اللہ) نے کہا نہیں۔ تو انھوں نے بتایا کہ وہ علی ابن ابیطالب
تھے (صحیح بخاری پ۳ ص۲۲۳ مطبوعہ دہلی) اسکی شرح میں علامہ قسطلانی نے لکھا ہے ولکن عائشۃ
لا تطیب نفسالہ بخیر دعن الزھری ولکنھا لا تقدر ان تذکرہ بخیر۔ لیکن حضرت عائشہ کا
نفس حضرت علیؓ کی کسی بھلائی سے خوش ہوتا ہی نہیں تھا اور زہری سے روایت ہے کہ لیکن حضرت
عائشہ سے ممکن ہی نہیں تھا کہ حضرت علیؓ کا کوئی ذکر خیر کر سکیں (ارشاد الساری جلد ۶
ص۳۳۲)۔ اور علامہ ابن حجر لکھتے ہیں قولہ قال ھو علی ابن ابی طالب۔ زاد الاسماعیلی
من روایۃ عبد الرزاق عن معمر ولکن عائشۃ لا تطیب لہ بخیر
لابن اسحاق فی المغازی عن الزھری ولکنھا لا تقدر ان تذکرہ بخیر

مگر جن کے دل میں تمنائے خلافت چٹکیاں لے رہی تھی اونھوں نے تو وصیتنا مشتی سے منصوبے ہی کو چٹکیوں میں اڑا دیا اور مزاحمت کی تاویل یہ کی کہ ہماری ہدایت کے لئے قرآن بس کرتا ہے۔ اور چونکہ اس وقت پیغمبر صاحب کے حواس برجا نہیں کاغذ قلم دوات کالانا کچھ ضرور نہیں۔ خدا جانے کیا کیا لکھوا دیں گے ... پیغمبرؐ صاحب کے انتقال سے سبھی کو قلق ہوا ہوگا۔ مگر بڑا قلق فاطمہؑ کا تھا کہ ان کے حق میں گویا مصیبت کا آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔ انھوں نے باپ کے مرنے کا اتنا رنج کیا اور کرنا ہی تھا کہ چھ مہینہ کے اندر ہی اندر گھل گھل کر مر گئیں اور جتنے دن جیں ہنسنا تو درکنار مسکرائیں تک نہیں۔ ہم کو جب فاطمہ زہراؑ کا خیال آتا ہے تو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ علیؑ کو خلافت مل جاتی تو غمزدہ فاطمہؑ کی کچھ تو دل جوئی ہو جاتی۔ یہ خیال اور بھی زیادہ

(بقیہ حاشیہ ص۱۱۸)

ابن عباس نے جو کہا کہ جن بزرگ کا نام حضرت عائشہ نے نہیں بتایا وہ حضرت علیؑ تھے۔ اس کے متعلق اسمعیلی نے عبد الرزاق کی روایت سے یہ جملہ بھی زیادہ کیا ہے کہ مگر حضرت عائشہ علیؑ کی کوئی بھلائی برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ اور علامہ ابن اسحاق نے مغازی میں زہری سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا لیکن عائشہ سے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ حضرت علیؑ کو کسی طرح بھی بھلائی سے یاد کر سکیں (فتح الباری پ۳ ص۳)۔ یہ روایت مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص۲۲۸ وغیرہ میں بھی ہے۔ مورخ جلیل علامہ طبری نے بھی لکھا ہے کہ کانت لا تقدر علی ان تذکرہ بخیر۔ حضرت عائشہ اس بات کی قدرت ہی نہیں رکھتی تھیں کہ وہ حضرت علیؑ کا ذکر خیر کر سکیں (تاریخ طبری جلد ۳ ص۱۸۹)۔ اب فیصلہ آسان ہے کہ اگر حضرت علیؑ قلم دوات دینا بھی چاہتے اور وصیت لکھنے پر آمادہ بھی ہوتے تو کیا کر سکتے تھے۔ حجرہ حضرت عائشہ کا اور وہ تابع حضرت ابوبکر کی اور حضرت ابوبکر رائے میں حضرت عمر کے جو اڑے ہوئے تھے کہ وصیت نامہ نہیں لکھنے دینگے تو حضرت علیؑ کیسے لکھتے۔ علاوہ بریں جب حضرت رسولخدا صلعم حضرت علیؑ سے یہ وصیت لکھواتے یا قلم دوات طلب کرتے اور حضرت علیؑ انکار کرتے تب اعتراض ہوتا۔ مگر حضرت صلعم نے تو حضرت علیؑ سے قلم دوات مانگا ہی نہیں۔ کیونکہ اگر حضرت علیؑ سے مانگتے تو فرماتے ائتنی بقرطاس اکتب لک کتابا۔ اے علیؑ میرے پاس کاغذ لاؤ کہ میں تمہارے لئے ایک وصیت نامہ لکھ دوں لیکن بجائے اسکے آنحضرتؐ کے الفاظ ہیں ایتونی بقرطاس اکتب لکم۔ تم لوگ میرے

تکلیف دیتا ہے جب دیکھا جاتا ہے کہ پہلے انتخاب ہی میں علیؑ کی ناکامی نے پیغمبر صاحب کی نسل کی اہمی وقعت کو کم کرتے کرتے آخر کو بالکل زائل کر دیا۔ اب جو کچھ بھی اسلامی وقعت پیغمبر صاحب کی نسل کی رہ گئی ہے وہ یہی ہے کہ درود میں آل محمدؐ کا نام برائے نام ابھی تک باقی چلا جاتا ہے۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص قوم کو کسی طرح کا فائدہ پہونچاتا ہے تو لوگ اُسکی نسلوں تک کا احسان مانتے ہیں۔ ایک پیغمبر صاحب تھے کہ جھگڑوں ۔ لیٹروں کو بادشاہ ۔ بدمعاشوں کو بھلا مانس ۔ بُت پرستوں کو خدا پرست ۔ نالائقوں کو لائق ۔ وحشیوں کو مہذب ۔ جانوروں کو انسان بنا گئے۔ اُن کے ان تمام احسانات کا بدلہ اُن ہی کی امت نے اُن کے نواسے، نواسیوں، بہو بیٹیوں کو جو دیا اور جیسا دیا اُس کا رونا آج تک اسلامی دنیا میں رویا جارہا ہے اور قیامت تک رویا جائیگا۔ قطعہ

اترجو امة قتلت حسينا ⁖ شفاعة جده يوم الحساب

فلا والله ليس لهم شفيع ⁖ وهم يوم القيامة فى العذاب

(جس امت نے حسینؑ کو قتل کیا کیا وہ اسکی امید رکھتی ہے کہ قیامت کے روز اُن کے نانا کی شفاعت اُسے نصیب ہوگی؟ قسم خدا کی اُس روز اُن کا کوئی سفارشی نہ ہوگا اور وہ قیامت کے دن مبتلائے عذاب ہونگے) پیغمبر صاحب کی نسل کے ساتھ انکی امت کا برتاؤ جو کچھ بھی اور جیسا کچھ بھی ہوا نا مناسب ہوا بے جا ہوا۔ .. عائشہ رضؓ علیؑ کو نیچا دکھانے کی تاک میں تھیں ... ہمارے ملک میں عورتوں کا

(بقیہ حاشیہ ص۱۱۹)

پاس کاغذ لاؤ تاکہ میں تم لوگوں کے لئے کتاب لکھدوں۔ جو اعلان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے حضرت علیؑ کو چھوڑ کر کل صحابہ سے یہ بات فرمائی کیونکہ ایتونی صیغہ جمع کا ہے اور لکم میں بھی ضمیر جمع ہی کی ہے اسی سے اس موقع پر حضرت علیؑ کے کچھ بولنے یا کہنے یا کرنے کا بالکل ذکر نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم نے نہ حضرت علیؑ سے یہ بات فرمائی۔ نہ حضرتؑ سے چاہا کہ کاغذ لادیں۔ جن لوگوں سے چاہا اور جن لوگوں کو گمراہی سے بچانے کے لئے وہ وصیت نامہ لکھنے کا ارادہ کیا انھوں نے بولنے کی ضرورت سمجھی۔ جواب دینے کی حاجت محسوس کی اور کہہ دیا کہ ہمیں کتاب خدا کافی ہے۔ وصیت نامہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہذیان کی نسبت دے دی تو حضرت علیؑ کو بھی وصیت نامہ لکھنے یا اُس کا ارادہ کرنے پر آسانی سے خطاب دے دیا جاتا کہ عم رسولؐ ہیں یہ بدحواس ہوگئے تھے۔ یہ اُس وقت اپنے ہوش وحواس ہی میں نہیں تھے

ایک طبعی خاصہ تریا ہٹ اور ایک تریا چرتر بھی مانا گیا ہے... عائشہ کا ایک چرتر تو یہ تھا کہ پیغمبر صاحب پر مرض الموت کی شدت ہوئی تو آپ اس قدر ناتواں ہو گئے تھے کہ امہات المومنین کے رہنے کے حجرے مسجد سے ملحق تھے۔ مسجد میں جانے کے لئے حجروں میں اندرونی رستے بھی تھے کہ حجرے سے نکلے مسجد میں نماز پڑھی اور پھر حجرے میں ہو رہے۔ علالت کی حالت میں ضعف کی وجہ سے اتنا نہیں ہو سکتا تھا کہ عائشہؓ کے حجرے سے نکلکر مسجد تک جائیں تو آپ نے عائشہؓ سے فرمایا کہ نمازی مسجد میں میرے منتظر ہیں۔ میں تو جا نہیں سکتا۔ اپنے باپ سے کہو کہ میری جگہ امامت کریں۔ عائشہؓ بولیں کہ ابو بکر بڑے رقیق القلب ہیں۔ اُن سے آپکی جگہ نماز پڑھاتے نہیں بن پڑیگی۔ عمرؓ کو ارشاد ہو تو وہ امامت کریں۔ اس پر پیغمبر صاحب نے ناخوش ہو کر فرمایا انکن لصواحب یوسف۔ نہیں جیسا میں کہتا ہوں ابو بکر امامت کریں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابو بکرؓ نے برابر تین دن امامت کی [1] اب سوچنے کی بات ہے کہ پیغمبر صاحب نے یہ کیا فرمایا انکن لصواحب یوسف اس کا مطلب کیا تھا۔ انکن لصواحب یوسف کے لفظی معنی تو یہ ہیں کہ تم عورتیں یوسف والیاں ہو۔ لیکن معلوم کرنا چاہیئے کہ پیغمبر صاحب نے عائشہؓ اور انکی ساتھ والیوں کو کیا سمجھکر یوسف والیاں فرمایا۔ یوسفؑ کا قصہ قرآن کی ایک مستقل سورہ یوسف میں موجود ہے۔ اور یوسف والیاں زلیخا۔ اُسکی لونڈی باندیاں۔ اُس کی مصاحب اور وہ بی بیاں جنہیں یوسفؑ کے دکھانے کو زلیخا نے دعوت دی تھی۔ اور پھر انھیں عورتوں نے بادشاہ مصر کے آگے یوسفؑ کی صفائی کی شہادت دی تھی۔ **اچھا پھر عائشہؓ اور زلیخا سے کیا مناسبت کہ پیغمبر صاحب نے عائشہؓ کو زلیخا بنا دیا؟** شراح حدیث نے اسکی کئی توجیہیں کی ہیں۔ سو ہماری سمجھ میں تو آئی نہیں۔ آخر سوچ کر ہم ہی نے یہ مطلب نکالا کہ پیغمبر صاحب نے عائشہؓ کے متعلق چرتر کی طرف اشارہ کیا۔ قرآن میں زلیخا کے چرتر کو لفظ کید سے تعبیر کیا ہے ان ربی بکیدھن علیم۔ انہ من کیدکن۔ ان کیدکن عظیم۔ بے شک انکے چرتروں کو میرا پروردگار ہی خوب جانتا ہے۔ یہ بھی تم عورتوں کے چرتر ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ تم عورتوں کے چرتر بڑے غضب کے ہوتے ہیں۔ کید کے معنے ہیں مکر۔ تدبیر۔ چھل۔ فریب۔ پھر کید

---

[1] حضرت ابو بکرؓ کی امامت کی مفصل بحث حضرت ابو بکرؓ کی سوانح عمری جلد دوم میں مذکور ہو چکی ہے جو اس سے قبل دفتر اصلاح کھجوا سے شائع کی گئی ہے ۱۲

کے مفہوم میں تدبیر کے ساتھ چالاکی بھی داخل ہے۔ اسی کو ہمارے یہاں چرتر کہتے ہیں اور ہم نے کید کا ترجمہ چرتر کیا بھی ہے۔ زلیخا کا چرتر تو قرآن سے معلوم کر سکتے ہو عائشہؓ کا چرتر یہ تھا کہ وہ دل سے تو باپ کی امامت اور خلافت سبھی کچھ چاہتی تھیں اور پیغمبرؐ صاحب کو معلوم تھا۔ اور اس وقت ظاہر میں تو باپ کو ناقابل امامت بنایا مگر بات ایسی کہی جس سے ظاہر ہو کہ ابو بکرؓ سے بڑھکر پیغمبرؐ صاحب کا کوئی ہوا خواہ نہیں۔ اسکے یہ معنے کہ ابو بکرؓ سے بڑھکر کسی کو امامت اور خلافت کا استحقاق نہیں اور وہی تمام صحابہ میں افضل اور اولے بالامامت والخلافت ہیں۔ یہ اسی قسم کی بات ہوئی جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

ولا عیب فیھم غیر ان سیوفھم ؛؛ بھن فلول من قراع الکتائب

ذم کے پیرائے میں مدح۔ من چاہے منڈیا ہلائے۔ اسی کو ہم چرتر کہتے ہیں۔ اور اسی پر پیغمبرؐ صاحب نے عائشہؓ کو زلیخا سے تشبیہ دی ... یہ بھی پیغمبرؐ صاحب کا گھر ہے کہ مستورات کی دو چار باتیں کتابوں میں آگئی ہیں۔ ان ہی باتوں سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ کون کس مزاج کی تھی... عائشہؓ ... عمر کے اعتبار سے بچی تھیں اور ان کے کھیلنے کھانے کے دن تھے ... اس وجہ سے پیغمبرؐ صاحب کا برتاؤ بھی ان کے ساتھ خاص طرح کا تھا ... ان سب باتوں کو عائشہؓ اپنے دل سے اس پر محمول کرتی تھیں کہ زمرۂ مستورات میں پیغمبرؐ صاحب کو وہی سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ اسی خیال سے وہ برخود غلط بھی ہو گئی تھیں۔ دوسری امہات المومنین سے اپنے تئیں برتر سمجھتی تھیں اور انکی تذلیل کر بیٹھتی تھیں جس کا انکو کوئی حق نہ تھا ... عائشہؓ سوکنوں کے بارے میں اس قدر حد سے بڑھ چلی تھیں کہ پیغمبرؐ صاحب خدیجہؓ کا ذکر خیر کرتے تو کہتیں کہ میرے سامنے کیا اُس بوڑھی دہا جن بچہ کش کے مرنے کا افسوس کیا کرتے ہو۔ خدا نے تم کو اس سے بہتر بی بی دی ہے یعنی میں۔ بھلا توقع کیجا سکتی ہے کہ یہ فاطمہؓ اور علیؓ کے ساتھ خاطر مدارات سے پیش آتی ہونگی مگر ہاں یوں کہو کہ پیغمبرؐ صاحب کی زندگی میں اُن کی عنایت خاص کے ہوتے علیؓ اور فاطمہؓ کو عائشہؓ کی یا کسی کی پروا ہی کیا تھی۔ پیغمبرؐ صاحب کے انتقال کے بعد علیؓ نے اپنے لئے خلافت کا احراز کرنا چاہا اس بنا پر کہ پیغمبرؐ صاحب کے عزیزوں میں انکے سوا اس منصب جلیل کا اہل اور تھا ہی کون ... یہ خیال بے اصل بھی نہ تھا۔ ان کے حق میں پیغمبرؐ صاحب نے دمک دمی دمک لحمی لحمی [illegible] میرے خون میں اور تیرا گوشت پوست میرے گوشت پوست میں ملا ہوا ہے اور انت منی بمنزلۃ

ھارون من موسیٰ (تم میری نسبت ایسے ہو جیسے ہارون موسیٰ کی نسبت تھے) فرمایا تھا۔ اور یہ بھی فرماتے تو ان کا اور پیغمبر صاحب کا گوشت پوست خون ایک تھا۔ وہ پیغمبرؐ کے حقیقی چچازاد بھائی تھے۔ اُن کو پیغمبرؐ صاحب نے بچپن سے بیٹوں کی طرح پالا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ علیؓ طفل نوزائیدہ تھے۔ دودھ کے لئے روتے اور کسی عورت کی چھاتی منہ میں نہ لیتے تو پیغمبرؐ صاحب اپنی زبان اُن کو چسانے اور وہ سیر ہو کر سو جاتے۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ پیغمبرؐ صاحب نے اپنی لخت جگر فاطمۃ الزہراءؓ کو ان سے بیاہ دیا تھا اور ان سے پیغمبرؐ صاحب کی نسل چلی تھی۔ وہ اپنی ذات سے بڑے لائق تھے کہ پیغمبرؐ صاحب نے انا مدینۃ العلم وعلی بابھا سے ان کی لیاقت کی تصدیق اور توثیق فرمائی تھی۔ وہ شجاعت اور سخاوت اور خطابت اور زود مندی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ اُنکی اصابت رائے پر پیغمبرؐ صاحب کو کلی اعتماد تھا کہ نوعمری میں انکو یمن کا قاضی بنا کر بھیج دیا تھا۔ جس رات کفار مکہ پیغمبرؐ کو بغتۃً مار ڈالنے کے ارادے سے رات بھر پیغمبرؐ صاحب کا گھر گھیرے پڑے رہے۔ پیغمبرؐ صاحب ان کو اپنی جگہ لٹا کر چپکے سے باہر نکل گئے

ع این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ خیبر فتح نہیں ہوتا تھا آخر پیغمبرؐ صاحب نے ایک دن فوجی افسروں کو جمع کر کے فرمایا کہ کل جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اس مہم کو سر کرے گا اور وہ علیؓ تھے ہجرت کے نویں برس ابوبکرؓ کو قافلہ سالار بنا کر حاجیوں کو مدینہ سے مکہ روانہ کیا۔ اتنے میں سورہ برأت کی شروع کی آیتیں نازل ہوئیں اور ان کا موسم حج میں اعلان کرنا ضرور تھا پیغمبرؐ صاحب نے آیتیں دیکر علیؓ کو دوڑایا۔۔ علیؓ کی بجائے خود اتنی خصوصیتیں۔ اتنی خدمتیں اتنی فضیلتیں تھیں کہ اُن کے ہوتے علیؓ نے اگر توقع خلافت کو دل میں جگہ دی ہو تو کوئی اس کو توقع بیجا یا فزوں تر از استحقاق نہیں کہہ سکتا۔۔۔ ہم خوب سمجھتے ہیں کہ پیغمبرؐ صاحب کی پدرانہ شفقت علیؓ کے ساتھ خاص تھی۔ اور علیؓ چند در چند حیثیتوں سے خلافت کے شایاں بھی تھے۔۔۔ ہم نے عائشہؓ کے تعلق کی وجہ سے قتل عثمان اور جنگ جمل کے حالات بھی تحریر کئے ورنہ یہ بھی ہمارے موضوع سے خارج ہے۔۔۔ اور چونکہ بات مردوں میں ہو رہی تھی عائشہؓ کو اس میں دخل در معقولات مناسب نہ تھا اور دخل بھی ایسا دخل کہ کشت و خون میں شریک گروہی۔۔۔ باجود اتنے انقلابات کے کانٹے کی طرح ابھی تک اُن کے دل میں کھٹکتی تھی اور خاص کر علیؓ کی طرف سے اُن کا بطون صاف نہ تھا۔ اور اسی کو ہم نے تریاہٹ سے تعبیر کیا۔ ہم کو تو اسکے سوائے اور کوئی توجیہ سوجھ نہیں پڑی

۱۰. عائشہؓ اور علیؓ میں جو دلی کدورت تھی اور اُسی کدورت کی وجہ سے جنگ جمل کا وقوع ہوا تھا۔ جس میں طرفین کے ۱۳ ہزار آدمی مارے گئے تھے اور مقتولین عوام الناس نہیں بلکہ اکثر صحابی اور عُبّاد اور حُفّاظ ۔ اہل السنتہ بے تامل کہہ دینگے کہ علیؓ اور عائشہؓ میں کچھ بھی رنجش نہ تھی۔ لوگوں کے بہکانے سکھانے سے دونوں لشکروں میں اتفاقیہ مُٹھ بھیڑ ہو گئی - ہم مانتے ہیں کہ اہل السنتہ کا یہ کہنا محض اس غرض سے ہے کہ عائشہؓ اور علیؓ کے مذہبی تقدس میں فرق نہ آئے۔ لیکن جو حقیقۃ الحال سے واقف ہے وہ تو جانتا ہے"... (کتاب امہات الامۃ مطبوعہ دہلی) ۔ مذکورہ بالا کل عبارت کتاب مذکور کے صفحہ ۹۰ سے ۱۱۲ تک کا اقتباس ہے جس کے پڑھنے سے اچھی طرح واضح ہو جائیگا کہ حضرت رسول خدا صلعم اس وصیت نامہ میں کیا لکھوانا چاہتے تھے اور کن وجوہ و اسباب سے حضرتؐ اس ارادہ میں ناکامیاب رہے اور کیسی زبردست رکاوٹیں حائل تھیں جن کی وجہ سے آنحضرتؐ کی زندگی کی یہ آخری تمنا پوری نہیں ہو سکی۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے اسکے بعد لکھا ہے "اس واقعہ کے بعد چار دن تک آپ زندہ رہے ۔ اس وقت نہیں بعد کو لکھوا دیا ہوتا" سخت حیرت ہے کہ مولوی صاحب ایسے فہمیدہ مصنف کے قلم سے ایسا جملہ نکلے ۔ اس واقعہ کے بعد چار دن تک حضرتؐ زندہ رہے تو آپکی حالت بگڑتی گئی یا سنبھلتی گئی؟ حضرتؐ اُسی حجرے میں رہے یا کسی اور جگہ اُٹھ بیٹھے حضرتؐ کا ماحول وہی رہا یا بدل گیا؟ حضرتؐ کے فرش اور جائے قیام کی فضا وہی رہی یا اس میں تغیر ہو گیا تھا؟ حضرتؐ کی تیمارداری کرنے والے ۔ حضرتؐ کی نگرانی کرنے والے ۔ حضرتؐ کی حرکات و سکنات پر پہرہ رکھنے والے وہی بزرگان مہربان تھے یا کوئی اور لوگ تھے؟ اگر کل امور وہی تھے جو چار دن پہلے تھے تو حضرت صلعم پہلے ہی اس وصیت نامہ کے لکھنے میں کیوں کامیاب ہو جاتے اور اب کس طرح اس کو "لکھوا دیا ہوتا"؟ حضرتؐ کے فرش کے احاطہ سے حضرت عائشہ کھسک نہیں سکتی تھیں اور نہ وہ حضرت ابوبکر کے خلاف اب بھی کچھ کر سکتی تھیں ۔ اور حضرت ابوبکر حضرت عمر کی رائے سے آج بھی باہر نہیں ہو سکتے تھے تو اور کون تھا جس سے آنحضرت صلعم قلم دوات کاغذ طلب فرماتے اور کس سے لکھواتے؟ اور کون شخص تھا جو حضرت عائشہ و ابوبکر و عمر کی شدید مخالفت کے باوجود انکے مقابلہ میں کاغذ لیکر حضرتؐ کے پاس بیٹھ جاتا اور ان لوگوں سے ہاتھا پائی ہوتی تو کاغذ قلم دوات کو چھیننے نہ دیتا بلکہ حضرت رسول صلعم کو بولنے تک کا موقع دیتا۔ پہلا سوال تو یہی ہے کہ جب ایک بند حجرے میں کسی مریض کی تمنا و آرزو کے خلاف لوگ ایکا کر لیں تو کیا وہ مریض کچھ بولنے کا موقع بھی پا سکتا ہے؟ اس لئے

کہ وہ بالکل مجبور و بے بس رہتا ہے اور جو اس کے تیمار دار کہتے ہیں وہی اس کو بھی کہنا اور جو اس کے
آس پاس کے لوگ چاہتے ہیں وہی اس کو بھی کرنا پڑتا ہے۔ پھر حضرت رسولخدا صلعم بعد ہی کوئی
وصیت نامہ کس سے اور کیونکر لکھوا دیتے اور اُسے لیکر کوئی شخص حضرتؐ کے پاس سے ہٹ کیونکر
سکتا تھا؟ فرض کیجئے کہ حضرتؐ لکھوا بھی دیتے تو کیا حضرت عائشہ۔ حضرت حفصہ۔ حضرت ابوبکر
اور حضرت عمر اُس نوشتہ کو وہاں سے جانے بھی دیتے؟ اس کو چھین کر چاک کر دینے سے کون قوت
اُن چاروں حضرات کو روک سکتی تھی؟ جب حضرت عمر اس قدر زبردست ہو گئے تھے کہ حضرت
رسولؐ کو وصیت نامہ لکھنے تک نہیں دیا پھر بالفرض بعد کو رسولؐ وہ وصیت نامہ لکھ بھی دیتے تو
حضرت عمر اس وصیت نامہ کو زندہ کیسے رہنے دیتے؟ حضرت عمر نے کچھ ہی دنوں میں اپنے طرز عمل
سے ثابت کر دیا کہ اگر رسولؐ کا وصیت نامہ لکھ بھی جاتا تو آپ اس کو چاک کر دیتے۔ جب خلافت
پر پورا قبضہ ہو گیا۔ سب جھگڑے ختم ہو چکے۔ سب مطمئن ہو گئے اور حضرت ابوبکر پوری قوت
و شان سے دنیائے اسلام پر بادشاہت کرنے لگے۔ جب آپکے کل طرفدار بظاہر آپ کے مطیع
نظر آتے تھے اُس وقت تو حضرت عمر نے اُن کا نوشتہ پھاڑ کر پھینک دینے میں کوئی تامل ہی نہیں
کیا۔ پھر رسولؐ ایسے قریب الارتحال بے بس شخص کے وصیت نامہ کی خیریت کیونکر ہوتی؟ علامہ حلبی
نے لکھا ہے۔ فی کلام سبط ابن الجوزی رحمہ اللہ انہ رضی اللہ عنہ کتب لہا بفدک
ودخل علیہ عمر رض فقال ما ھذا فقال کتاب کتبتہ لفاطمۃ بمیراثہا من ابیہا فقال
مماذا تنفق علی المسلمین وقد حاربتک العرب کما تری ثم اخذ عمر الکتاب
فشقہ۔ علامہ سبط ابن الجوزی کے کلام میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہؑ کے لئے فدک کا
وثیقہ لکھ دیا۔ اتنے میں حضرت عمر وہاں پہنچ گئے اور پوچھا یہ کیا ہے؟ حضرت ابوبکر نے کہہ دیا حضرت
رسولخدا کی جو میراث فاطمہؑ کو پہنچتی ہے اُسی کے بارے میں یہ وثیقہ میں نے لکھکر ان کو دے دیا
ہے۔ حضرت عمر بولے پھر کس چیز سے تم مسلمانوں کے متعلق خرچ کرو گے؟ حالانکہ دیکھتے ہو کہ عرب
تم سے جنگ پر آمادہ ہیں۔ یہ کہکر آپ نے وہ وثیقہ چھین لیا اور اُس کو چاک کر ڈالا (سیرۃ حلبیہ
طبع مصر جلد ۳ صفحہ ۳۶۳)۔ مولوی صاحب نے اس کے بعد لکھا ہے "اور یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آپ
کیا لکھوانا چاہتے تھے۔ بخاری میں ہے کہ آپ عبداللہ بن ابوبکر کو بلا کر حضرت ابوبکر کی
خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے۔ پھر آپ نے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا کہ خود خدا اور اہل

اسلام ابوبکر کے سوا کسی اور کو پسند نہ کرینگے" مولوی صاحب کا یہ جملہ آپ کے سابق جملہ سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے۔ اگر حضرت ابوبکر کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تو کیا حضرت عمرؓ اس سے اختلاف کر سکتے؟ اگر حضرت عمر کو اسکی ادنےٰ امید بھی ہو جاتی تو وہ ایک نہیں ہزار قلم ہزار دواتیں اور ہزار اوراق لیکر بیٹھ جاتے اور ہزار صحابہ کو اندر سے باہر تک جمع کر کے سب سے وہ وصیت نامہ لکھوا دیتے اور حسبنا کتاب اللہ کے عوض اطیعوا الرسول اور ما آتاکم الرسول فخذوہ وغیرہ کا شور بلند کرتے بلکہ آپ کے حسنِ انتظام سے بعید نہیں ہوتا کہ مدینہ کے کفار تک کو اسکی گواہی کے لئے بلا لیتے۔ حضرت ابوبکر کے پسینہ کے ایک قطرے پر حضرت عمر اپنے خون کا ہزاروں قطرہ نثار کرنے میں تامل ہی نہیں کر سکتے تھے۔ پھر آپکی خلافت کے لئے وہ کیا یہ اہتمام کرتے کہ وصیت نامہ لکھنے نہ پائے؟ کون عقل اس کو قبول کر سکتی اور کون باحواس شخص اسکو تسلیم کر سکتا ہے؟ آپ نے تحریر فرمایا ہے "بخاری میں ہے کہ آپ عبداللہ بن ابی بکر کو بلا کر الخ" مگر افسوس آپ نے یہ نہیں لکھا کہ بخاری نے اپنی کتاب کے کس باب اور کس فصل میں یہ لکھا ہے۔ ہم کو تو بہت کچھ تلاش کرنے پر بھی یہ روایت نہیں ملی۔ امام بخاری نے اس روایت کو (۱) پہلے پارے۔ کتاب العلم باب کتابۃ العلم (صفحہ ۱۰۶ مطبوعہ دہلی) میں لکھا ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ پڑھ جائیے کہیں یہ عبارت نہیں ہے (۲) پھر پ ۱۲ کتاب الشروط باب جوائز الوفد صفحہ ۱۲۶ میں یہ روایت لکھی ہے اس میں بھی نہیں ہے (۳) پھر پ ۱۲ باب اخراج الیہود کتاب الجہاد صفحہ ۶۱۱ میں لکھی ہے۔ اس میں بھی حضرت ابوبکر کی خلافت کا ذکر نہیں ہے (۴) پھر پ ۱۸ کتاب المغازی باب مرض النبیؐ و وفاتہ صفحہ ۱۰۰ میں یہ لکھی ہو اس میں بھی اس کا اشارہ تک نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت کے بارے میں آپ نے کچھ لکھوانا چاہا تھا۔ (۵) پھر پ ۲۳ کتاب المرضیٰ باب قول المریض قوموا عنی صفحہ ۸۴۶ میں لکھی ہے مگر اس میں بھی حضرت ابوبکر کی خلافت کے متعلق کوئی حرف نہیں ہے (۶) پھر پ ۳۰ کتاب الاعتصام باب کراہیۃ الاختلاف صفحہ ۱۰۹ میں لکھی ہے۔ مگر افسوس اس میں بھی ہم کو وہ عبارت نہیں ملی۔ معلوم نہیں مولوی صاحب نے واقعاً صحیح بخاری میں یہ عبارت دیکھی بھی ہے یا صرف امام بخاری صاحب سے حسن ظن کی بنا پر تحریر کر دیا کہ بخاری میں یہ لکھا ہے۔ کاش آپ بخاری کی اصل عبارت نقل کر دیتے۔ اور اسکے پارے۔ کتاب۔ باب کا پتا بھی بتا دیتے تاکہ اسکی تلاش میں آسانی ہوتی۔ جب تک ان باتوں کا علم نہ ہو اس وقت تک اسکے راویوں کی تحقیق بھی نہیں ہو سکتی کہ کون اور کیسے تھے۔ ثبت العرش ثم النقش

پہلے دیوار کو ثابت کرو پھر اس پر نقش و نگار بنانا۔ مولوی صاحب نے لکھا ہے "یہ روایت صحیح بخاری موقع وفات کی ہے" اس وجہ سے امید ہوئی کہ شاید اسی جگہ حضرت ابوبکر کی خلافت کا وہ مضمون بھی مل جائے جس کا دعوے مولوی صاحب نے کیا ہے۔ مگر افسوس وہاں بھی صرف یہ عبارت ملی قال ابن عباس یوم الخمیس وما یوم الخمیس اشتد برسول اللہ وجعه فقال ائتونی اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ ابدا۔ فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی تنازع فقالوا ما شانه اھجر استفھموہ فذھبوا یردون عنه فقال دعونی فالذی انا فیه خیر مما تدعونی الیه واوصاھم بثلاث قال اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب واجیزوا الوفد بنحو ما کنت اجیزھم وسکت عن الثالثة او قال فنسیتھا۔

جناب ابن عباس بیان کرتے تھے کہ آہ جمعرات کا روز! ہائے جمعرات کا روز کس قیامت کا تھا کہ اس روز حضرت رسولخدا کا مرض تیز ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس قلم دوات لاؤ۔ میں تمہارے لئے وہ وصیت نامہ لکھوا دوں جسکے بعد کبھی تم لوگ گمراہ نہیں ہوگے۔ تو اس پر لوگ ہاں جھگڑا کرنے لگے اور کسی نبی کے پاس جھگڑا کرنا مناسب نہیں ہے۔ پھر لوگوں نے کہا رسول کی کیا حالت ہے۔ کیا ہذیان بکتے ہیں؟ ان سے دریافت تو کرلو۔ اس پر لوگ بار بار رد کرنے لگے۔ یہ دیکھکر آنحضرتؐ نے فرمایا تم لوگ مجھے چھوڑ دو کہ میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جسکی طرف تم لوگ مجھے بلاتے ہو اور ان سے زبانی تین وصیتیں فرمائیں کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دینا اور وفد کو اسی طرح جائزہ دینا جس طرح میں جائزہ دیتا تھا اور تیسرے سے سکوت کیا یا راوی نے کہا کہ میں اس تیسری بات کو بھول گیا (صحیح بخاری پ ۱۸ کتاب المغازی باب مرض النبیؐ و وفاته صنف) ۔ پوری روایت اسی طرح اور اتنی ہی ہے۔ ایک حرف بھی کم یا زائد نہیں۔ اگر مولوی صاحب زندہ ہوتے تو ان سے دریافت کیا جاتا کہ وہ صحیح بخاری کس جگہ موجود ہے جس میں آپ نے یہ روایت ملاحظہ فرمائی تھی۔ مولوی شبلی صاحب نے فن درایت پر بہت زور دیا ہے۔ شروع ہی میں لکھ چکے ہیں "واقعہ کی تحقیق کے لئے پہلے راویوں کی جرح و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہیئے بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں۔ کیونکہ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے" (الفاروق صلا) ہم نے تو سمجھا تھا کہ آپ نے جس روایت سے حضرت ابوبکر کی خلافت کے متعلق وصیت نامہ لکھنے کا ارادہ

تحریر کیا ہے۔ اسکے راویوں کی جرح وتعدیل بھی کر چکے۔ مگر جب بخاری میں وہ عبارت ملی ہی نہیں
تو وہ فرض کیونکر انجام پائے۔ اب اصول درایۃ کے مطابق آپ جانچئے کہ کیا حضرت ابوبکر کی خلافت
کے متعلق آنحضرتؐ کے وصیت نامہ لکھنے کا ارادہ ممکن بھی تھا؟ اگر اس واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں
تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے۔ خواہ وہ روایت صحیح مسلم میں ہو یا صحیح بخاری میں (جو درصورتیکہ
کسی کتاب میں نہیں ہے) اور اس واقعہ کا غیر ممکن ہونا اس سے واضح ہے کہ اگر آنحضرت صلعم
حضرت ابوبکر کو خلافۃ کے لائق سمجھتے تو سورہ براءۃ کی تبلیغ تک سے معزول نہیں کر دیتے۔ جب خدا
ورسولؐ نے ایک مخصوص زمانہ میں صرف سورہ براءۃ کی تبلیغ تک کے لئے آپ کو پسند نہیں کیا تو پوری
امت اسلام کی ہدایت وقیادت کا عظیم الشان بوجھ آپ پر کیسے دیتے؟ جب رسولؐ کے زندہ
رہتے ہوئے بھی آپ اس قابل نہیں سمجھے گئے کہ صرف ایک سال ایک مختصر سی سورہ براءۃ کی محض
تبلیغ کر دیں تو رسولؐ کے بعد حضرتؐ کے کل فرائض کی انجام دہی کا خیال بھی آپ کے متعلق
کسی کو نہیں ہو سکتا تھا۔ علاوہ بریں آنحضرت صلعم نے اپنے مرض موت ہی میں اسامہ کا لشکر
مدینہ سے باہر بھیج دینے کی کوشش کی اور اسی لشکر کے ساتھ حضرت ابوبکر وعمر کو بھی حکم دیا کہ اس
شہر کو چھوڑ کر وہاں سے بہت دور چلے جائیں۔ اگر خدا ورسولؐ اس بات کو پسند کرتے کہ آنحضرتؐ
کے خلیفہ حضرت ابوبکر ہوں تو آپ کو مدینہ ہی میں رہنے کا حکم دیا جاتا بلکہ تاکید کی جاتی کہ یہاں
سے ہٹو نہیں نہ یہ حکم کہ اسامہ کی ماتحتی میں تم بھی چلے جاؤ۔ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت
رسولؐ کی وفات کے وقت حضرت ابوبکر وعمر کو حکم دیا گیا تھا کہ اسامہ کے ماتحت مدینہ سے باہر
چلے جائیں۔ اگر حضرت ابوبکر میں خلافۃ کی قابلیت ہوتی تو آنحضرت صلعم آپ کو اسامہ ایسے
کم سن صحابی کا ماتحت کیوں بناتے؟ غرض حضرت رسول خدا صلعم نے اپنی وفات سے قبل دو انتظام
کر کے ثابت کر دیا کہ حضرت ابوبکر اس قابل نہیں ہیں کہ آپ حضرتؐ کی جگہ بیٹھ سکیں۔ ایک سورہ براءۃ
کی تبلیغ سے معزولی تھی جس نے ثابت کیا کہ آپ میں دینی خدمات کی سرداری یا احکام الٰہی کی تبلیغ
وحفاظت کی صلاحیت نہیں ہے۔ دوسرا اسامہ کے ماتحت ہو کر اسکے ساتھ مدینہ سے باہر جانے
کے لئے مامور ہونا تھا جس نے واضح کر دیا کہ آپ نبوی امور لشکر کشی۔ فتح ممالک کے لئے بھی خدا
ورسولؐ کی نظروں میں سرداری کے اہل نہیں تھے۔ ورنہ بجائے اسامہ کے آپ ہی اس لشکر
کے امیر بنائے جاتے اور دوسرے صحابہ کو آپکی اطاعت کا حکم دیا جاتا۔ اسکے بعد مولوی صاحب

نے لکھا ہے "اس اختلاف کے بعد آپ نے زبانی تین وصیتیں فرمائیں۔ جو ضروری بات آپ کاغذ پر لکھوانا چاہتے تھے ممکن ہے کہ وہ یہی ہوں" سبحان اللہ حضرت تو فرماتے ہیں کہ ایسی کتاب لکھوا دوں جسکے بعد تم لوگ کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔ پھر وہ ضروری بات یہی کیونکر ہو سکتی ہیں؟ ان کل باتوں میں کون بات ایسی ہے جس کے نہ کرنے سے مسلمان گمراہ ہو جاتے؟ پہلی بات یہ تھی کہ "کوئی مشرک عرب میں رہنے نہ پائے"۔۔ کیا یہ بات ایسی ہو سکتی ہے جسکے نہ ہونے سے اہل اسلام گمراہ ہو جاتے؟ دوسری بات یہ ہے کہ "سفراء کا اسی طرح احترام کیا جائے جس طرح آپ کے زمانہ میں دستور تھا" کیا یہ بات بھی ایسی تھی جسکے لئے آنحضرتؐ اس اہتمام سے فرماتے کہ "ایسی تحریر لکھ دوں جسکے بعد تم لوگ گمراہ نہ ہوگے"؟ اگر سفراء کا احترام نہ کیا جاتا تو اس سے مسلمانوں میں گمراہی کیونکر آجاتی؟ تیسری وصیت راوی کو یاد ہی نہیں رہی۔ اگر یہ وصیت خلافت کے متعلق تھی تو بے شک یہی ایسی تھی جسکے بغیر مسلمان گمراہ ہوتے اور خلافت کے سوا یہ کچھ ہو ہی نہیں سکتی۔ اب سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے جب وصیت نامہ لکھنے کے لئے قلم دوات طلب کی تو جواب دیا گیا کہ ہمیں کتاب خدا کافی ہے۔ یہ شخص بیہودہ بکتے ہیں۔ لیکن اسکے بعد آنحضرتؐ نے یہ تین وصیتیں زبانی کر دیں تو ان پر نہ حسبنا کتاب اللہ کہا گیا نہ ان الرجل لیھجر کی آواز بلند کی گئی۔ یہ کیوں؟ آنحضرتؐ کا مرض تو باقی بلکہ پہلے سے زیادہ تھا۔ اگر اس وقت سے پہلے حضرت بدحواسی۔ ہذیان کی بات فرما سکتے تھے تو اب اس کا سامان زیادہ ہو گیا تھا۔ پھر اب کیوں نہیں کہا گیا کہ ان پر درد کا غلبہ ہے یہ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ دین اسلام کامل ہو گیا ہے۔ اب کسی وصیت وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے اگر یہ وصیتیں جو بعد میں کی گئیں قابل توجہ سمجھی گئیں۔ اگر یہ باتیں جو حدیث قرطاس کے بعد دہن رسولؐ سے نکلیں لائق امتثال قرار پائیں تو پہلی بات کہ "وصیت نامہ لکھ دوں" کیوں رد کر دی گئی؟ کیوں اس وقت قلم دوات لانے کے متعلق جھگڑا اکھڑا ہو گیا؟ وہ جھگڑا وہ نزاع۔ وہ اختلاف ان زبانی وصیتوں کے بارے میں کیوں نہیں ہوا؟ عقل سلیم آسانی سے فیصلہ کر دیگی کہ چونکہ یہ زبانی وصیتیں خلافت کے متعلق نہیں تھیں۔ حضرت علیؑ اور اہلبیت طاہرینؑ کے بارے میں نہیں کیگئیں اور ان کے سننے اور ان کی طرف توجہ کرنے سے اُس وقت کی مخصوص پارٹی کا کوئی نقصان نہیں ہو رہا تھا۔ نہ ان وصیتوں سے اُن کے منصوبے خاک میں مل رہے تھے۔ اس وجہ سے اِن کو توجہ سے سُنا بھی گیا۔ اِن کو یاد بھی رکھا گیا۔ ان پر تنازع بھی نہیں ہوا۔

ان پر حسبنا کتاب اللہ کا شور بھی بلند نہیں ہوا۔ ان پر ان الرجل لیھجر بھی نہیں کہا گیا۔ برخلاف اُس سابق وصیت نامہ کے کہ اُس سے اُس پارٹی کا بنایا بنایا ہوا کھیل مٹی میں مل رہا تھا۔ اس وجہ سے اس کو چٹکیوں میں اُڑا دیا گیا۔ اور غالباً یہی سب سوچ سمجھ کر اسامہ کے لشکر کے ساتھ جانے اور بوقت وفات رسولؐ مدینہ چھوڑنے سے انکار بھی کیا گیا۔ اور اسی وجہ سے حضرت ابن عباس جمعرات کے دن کو یاد کر کے برابر رویا کرتے تھے۔ آپ کا یہ قول "جو ضروری بات آپ کا غذ پر لکھوانا چاہتے تھے ممکن ہے کہ وہ یہی ہوں"۔ اس وجہ سے بھی ناقابل قبول ہے کہ اگر یہی باتیں ہوتیں تو جناب ابن عباس اس دن کو یاد کر کے رویا کیوں کرتے؟ اگر وہ نوشتہ انھیں باتوں کے متعلق ہوتا تو جناب ابن عباس بجائے رونے کے خوش ہوتے اور کہتے کہ آنحضرتؐ جو وصیت نامہ لکھنا چاہتے تھے وہ گو لکھا نہیں گیا مگر آنحضرتؐ نے بعد میں اس کو زبانی وصیتوں کی صورت میں ظاہر فرما دیا لیکن جناب ابن عباس کی حالت تو یہ لکھی ہوئی ہے۔ امام بخاری تحریر فرماتے ہیں عن ابن عباس انہ قال یوم الخمیس وما یوم الخمیس ثم بکیٰ حتے خضب دمعہ الحصباء فقال اشتد برسول اللہؐ وجعہ یوم الخمیس الخ۔ جناب ابن عباس تڑپ تڑپ کر کہتے ہائے جمعرات کا دن۔ جمعرات کا دن کس قیامت کا تھا پھر اس قدر روتے کہ وہاں کے سنگریزے آپ کے آنسوؤں سے تر ہو جاتے۔ پھر کہتے کہ جمعرات کے روز رسولخدا کا مرض بڑھ گیا تھا تا آخر حدیث (صحیح بخاری پ ۱۲۔ باب جوائز الوفد ص ۱۲۶) جس سے واضح ہوتا ہے کہ رسولؐ کی رحلت کے بعد جب تک جناب ابن عباس زندہ رہے برابر اس دن کو یاد کر کے رویا کرتے۔ اگر وہی بات حضرتؐ نے ان زبانی وصیتوں میں فرما دی ہوتی تو آپ اس کے لئے یہ سوگ کیوں منایا کرتے؟ دوسری روایۃ اسی صحیح بخاری میں ہے کہ حدیث قرطاس بیان کرنے کے بعد فکان ابن عباس یقول ان الرزیۃ کل الرزیۃ ما حال بین رسول اللہؐ وبین ان یکتب لھم ذلک الکتاب من اختلافھم ولغطھم۔ جناب ابن عباس کہا کرتے تھے کہ مصیبت سب سے بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم جو وصیت نامہ لکھوانا چاہتے تھے اُس میں اور حضرتؐ کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی گئی (صحیح بخاری پ ۲۳۔ باب قول المریض قوموا عنی ص ۳۸۴)۔ اگر وہ بات جو آنحضرتؐ لکھوانی چاہتے تھے یہی ہوتی جو حضرتؐ نے زبان سے فرما دی تو جناب ابن عباس یہ کیوں کہتے کہ رسولؐ کی وصیت روک دی گئی۔ اسکے اور حضرتؐ کے درمیان خلیج پیدا کر دی گئی۔ یا اس کے سامنے دیوار کھڑی

کردی گئی۔ اسکے بعد مولوی صاحب لکھتے ہیں "مجکو احتیاط کرنی چاہیئے کہ کتاب تاریخ کی حیثیت سے نکل کر علم کلام کے دائرہ میں نہ آجائے"۔ سخت تعجب ہے کہ بہت کچھ لکھ جانے اور تاویل وتشکیک کی پوری قوت صرف کر دینے کے بعد اب آپ کو یہ خیال آیا کہ "کتاب علم کلام کے دائرہ میں نہ آجائے"۔ معلوم نہیں اگر آپ اس کو اس دائرہ میں لانا چاہتے تو اور کیا لکھتے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں "تاہم جو میری ذاتی تحقیق ہے میں الفاروق میں لکھ چکا ہوں"۔ مطلب یہ کہ حدیث قرطاس کے خلاف آپ نے دو مرتبہ زور لگایا ہے۔ ایک دفعہ الفاروق میں اور دوسری مرتبہ سیرۃ النبیؐ میں۔ اور آخری کتاب دیکھنے والوں کو اشارہ کرتے ہیں کہ اس بحث کو الفاروق میں بھی دیکھیں۔ اس وجہ سے ضروری ہوا کہ اُس پر بھی تبصرہ کر دیا جائے [1] آپ تحریر فرماتے ہیں "بیماری کا بڑا مشہور واقعہ قرطاس کا واقعہ ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ آپ نے وفات سے تین روز پہلے قلم اور دوات طلب کیا اور فرمایا کہ میں تمہارے لئے ایسی چیز لکھوں گا کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو گے۔ اس پر حضرت عمر نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آنحضرت کو درد کی شدت ہے اور ہمارے لئے قرآن کافی ہے۔ حاضرین میں سے بعضوں نے کہا کہ رسول اللہ بہکی باتیں کر رہے ہیں (نعوذ باللہ) (روایت میں ھجر کا لفظ ہے جسکے معنے ہذیان کے ہیں)۔ یہ واقعہ بظاہر تعجب انگیز ہے۔ ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا گستاخی اور سرکشی ہوگی کہ جناب رسول اللہ صلعم بستر مرگ پر ہیں اور امت کے درد وغم خواری کے لحاظ سے فرماتے ہیں کہ لاؤ میں ایک ہدایت نامہ لکھدوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے۔ یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کے لئے جو ہدایت ہوگی وہ منصب نبوت کے لحاظ سے ہوگی اور اس لئے اسمیں سہو وخطا کا احتمال نہیں ہوسکتا باوجود اسکے حضرت عمر بے پروائی ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرورت نہیں۔ ہم کو قرآن کافی ہے۔ طرہ یہ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر ہی نے آنحضرت کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا (نعوذ باللہ)۔ یہ اعتراض ایک مدت سے چلا آتا ہے اور مسلمانوں کے دو مختلف گروہ نے اس پر بڑی طبع آزمائیاں کی ہیں لیکن چونکہ اس بحث میں غیر متعلق باتیں چھڑ گئیں اور اصول درایت سے کسی نے کام نہیں لیا۔ اس لئے اصل

[1] بحث قرطاس حضرت رسولخدا صلعم نیز حضرت عمر کی زندگی کا نہایت اہم واقعہ ہے۔ اس وجہ سے اس کو تفصیل سے بیان کر دینا ضروری ہے۔ ناظرین کتاب اسکی طوالت کو معاف کریں ۱۲ منہ

مسئلہ نامنفصل رہا۔ اور عجیب عجیب بیکار بحثیں پیدا ہو گئیں۔ یہاں تک کہ یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ پیغمبرؐ سے ہذیان ہونا ممکن ہے کیونکہ ہذیان انسانی عوارض میں ہے۔ اور آنحضرتؐ عوارض انسانی سے بری نہ تھے۔ یہاں در اصل یہ امر غور طلب ہے کہ جو واقعہ جس طریقہ سے روایتوں میں منقول ہے اس سے کسی امر پر استشہاد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس بحث کے لئے پہلے واقعات ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہیئے (۱) آنحضرتؐ کم و بیش ۱۳ دن تک بیمار رہے (۲) کاغذ و قلم طلب کرنے کا واقعہ جمعرات کے دن کا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں بتصریح مذکور ہے اور چونکہ آنحضرتؐ نے دوشنبہ کے دن انتقال فرمایا اس لئے اس واقعہ کے بعد آنحضرتؐ چار دن تک زندہ رہے (۳) اس تمام مدت بیماری میں آنحضرتؐ کی نسبت اور کوئی واقعہ اختلال حواس کا کسی روایت میں مذکور نہیں (۴) اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے لیکن یہ حدیث باوجود اسکے کہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے (چنانچہ صرف صحیح بخاری میں ۷ طریقوں سے مذکور ہے) باایں ہمہ بجز عبد اللہ بن عباس کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں (۵) عبد اللہ بن عباس کی عمر اُس وقت صرف ۱۳-۱۴ برس کی تھی (۶) سب سے بڑھکر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اُس موقع پر عبد اللہ بن عباس خود موجود نہ تھے۔ اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انھوں نے کس سے سُنا (بخاری کتاب العلم میں جو حدیث مذکور ہے اُس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس اس واقعہ میں موجود تھے۔ اسی لئے محدثین نے اس امر پر بحث کی ہے اور بہ دلائل قطعیہ ثابت کیا ہے کہ وہ موجود نہ تھے۔ دیکھو فتح الباری باب کتابۃ العلم

(۷) تمام روایتوں میں مذکور ہے کہ جب آنحضرتؐ نے کاغذ قلم مانگا تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ بہکی ہوئی باتیں کر رہے ہیں (علامہ قرطبی نے یہ تاویل کی ہے اور اس پر اُن کو ناز ہے کہ لوگوں نے یہ لفظ انکار اور استعجاب کے طور پر کہا تھا یعنی یہ کہ آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے خدانخواستہ آنحضرتؐ کا قول ہذیان تو نہیں کہ اس پر لحاظ نہ کیا جاوے۔ یہ تاویل لگتی ہوئی ہے لیکن بخاری و مسلم کی بعض روایتوں میں ایسے صاف الفاظ ہیں جن میں اس تاویل کا احتمال نہیں۔ مثلاً ھجر ھجر (دو دفعہ) یا ان رسول اللہ ﷺ یھجر صحیح مسلم)۔ اب سب سے پہلے یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ جب اور کوئی واقعہ یا قرینہ آنحضرتؐ کے اختلال حواس کا کہیں کسی روایت میں مذکور نہیں تو صرف اس قدر کہنے سے کہ قلم دوات لاؤ لوگوں کو ہذیان کا خیال کیونکر پیدا ہو سکتا تھا

فرض کرو کہ انبیاء سے ہذیان سرزد ہو سکتا ہے لیکن اسکے یہ معنے تو نہیں کہ وہ معمولی بات بھی کہیں تو ہذیان سمجھی جائے۔ ایک پیغمبر کا وفات کے قریب یہ کہنا کہ قلم دوات لاؤ میں ایسی چیز لکھ دوں کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو۔ اس میں ہذیان کی کیا بات ہے؟ (ہمارے نکتہ سنجوں نے یہ مضمون آفرینی کی ہے کہ چونکہ رسولؐ اللہ لکھنا نہیں جانتے تھے اس لئے آپ کا یہ فرمانا کہ میں لکھ دوں ہذیان کا قرینہ تھا لیکن ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ لکھنے کے معنے لکھوانے کے بھی آتے ہیں اور یہ مجاز عموماً شائع اور ذائع ہے) یہ روایت اگر خواہ مخواہ صحیح سمجھی جائے تب بھی اس قدر بہر حال تسلیم کرنا ہوگا کہ راوی نے روایت میں وہ واقعات چھوڑ دیئے ہیں۔ جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرتؐ ہوش میں نہیں ہیں اور بے ہوشی کی حالت میں قلم دوات طلب فرمارہے ہیں۔ پس ایسی روایت سے جس میں کہ راوی نے واقعہ کی نہایت ضروری خصوصیتیں چھوڑ دیں کسی واقعہ پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے اسکے ساتھ جب ان امور کا لحاظ کیا جائے کہ اتنے بڑے عظیم الشان واقعہ میں تمام صحابہ میں سے صرف حضرت عبداللہ بن عباس اس کے راوی ہیں۔ اور یہ کہ اُن کی عمر اُس وقت کل ۱۳-۱۴ برس کی تھی۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ وہ خود واقعہ کے وقت موجود نہ تھے تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس روایت کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ کسی کوتاہ نظر پر یہ امر گراں گزرے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث پر شبہ کیا جائے۔ لیکن اُس کو سمجھنا چاہیے کہ بخاری اور مسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ وہ واقعہ کی پوری ہیئت محفوظ نہ رکھ سکا اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ رسولؐ اللہ کی نسبت ہذیان اور حضرت عمرؓ کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جائے" (الفاروق حصہ اول صفحہ ۶۴)

واقعہ قرطاس کے متعلق مولوی صاحب نے صرف اسی قدر لکھا ہے۔ اس عبارت میں اکثر جملے ایسے ہیں جنکی حقیقت ہمارے گزشتہ بیانات سے اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے۔ البتہ اس میں بعض باتیں ایسی بھی ہیں جن کا ذکر پہلے نہیں ہوا اس وجہ سے اُن پر روشنی ڈال دینا بھی ضروری ہے آپ نے تحریر فرمایا ہے" اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے لیکن یہ حدیث باوجود اسکے کہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے۔ چنانچہ صرف صحیح بخاری میں ۷ طریقوں سے مذکور ہے یا تاہم بجز عبداللہ بن عباس کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں"۔ اگر مولوی صاحب کی یہ عبارت تسلیم بھی کر لی جائے تو سوال یہ

ہے کہ صرف حضرت ابن عباس کے روایت کر دینے سے کیا روایت کمزور تسلیم کر لی جائے گی؟ کیا اسکے علاوہ اور بہت سی روایتیں ایسی نہیں ہیں جو صرف حضرت ابن عباس سے مروی ہیں اور اُن کو بالکل اُسی طرح تسلیم کیا جاتا ہے جس طرح اُن روایتوں کو جن کے راوی بکثرت صحابہ ہیں۔ پھر یہ شبہات اُن دوسری راویتوں میں جن کے بیان کرنے میں جناب ابن عباس منفرد ہیں کیوں نہیں وارد کئے جاتے؟ دوسرے صحابہ بھی جن روایتوں کے بیان میں منفرد ہیں کیوں نہیں اسی نظر سے دیکھے جاتے جس طرح واقعہ قرطاس کے متعلق حضرت ابن عباس دیکھے گئے؟ یہ معلوم ہے کہ حضرت ابن عباس کی اپنی خلافت کا مسئلہ نہیں تھا۔ اُن کو وصیت نامہ کے لکھے جانے سے کوئی حکومت نہیں مل جاتی۔ کوئی جائداد نہیں حاصل ہو جاتی کوئی دولت ہاتھ نہیں لگ جاتی۔ بلکہ جس کو آنحضرتؐ خلیفہ لکھنے والے تھے اسی کو مسلمانوں کی حکومت حاصل ہو سکتی تھی۔ البتہ اگر وہ شخص حضرت ابوبکر و عمر کے علاوہ کوئی ہوتا تو ان دونوں بزرگوں کا ضرور نقصان عظیم ہوتا۔ غرض وصیت نامہ لکھ جاتا تو حضرت علیؑ وغیرہ کا نفع ہوتا اور حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ کا نقصان یا اس کا عکس بہر صورت جناب ابن عباس کا نہ کوئی نفع ہوتا نہ نقصان۔ ایسی صورت میں جناب ابن عباس کی حیثیت بے غرض۔ بے لوث۔ بے شک و شبہ مخبر کی ہو جاتی ہے۔ جن کی تنہا روایت کافی ہے۔ برخلاف اس کے حضرت ابوبکر نے حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث الخ تنہا روایت کی حالانکہ اس روایت کے مان لینے پر حضرت ابوبکر کا نفع ہی نفع ہوا۔ اس وجہ سے آپکی یہ تنہا روایت قابل قبول نہیں ہونی چاہئے۔ باوجود اسکے حضرت ابوبکر کی یہ رواایت جس میں وہ منفرد ہیں قبول کر لی جاتی ہے۔ اور حضرت ابن عباس کی یہ روایت جس کا اثر اُنکی ذات پر کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس قسم کی عبارت آرائیوں سے ہوا میں اُڑا دی جاتی ہے ؎ ببیں تفاوت رہ از کجا تا بکجا۔ حضرت ابوبکر کی اس حدیث کے بارے میں تو اور زیادہ زور سے کہنا چاہئے تھا کہ "یہ حدیث اُنکے خاص نفع کی ہے اور بجز اُن کے اور کسی صحابی سے اس حدیث کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں۔ اس وجہ سے یہ ناقابل اعتبار نالائق توجہ ہے۔ در صورتے کہ حضرت ابوبکر کی حدیث نحن معاشر الانبیاء قرآن مجید کے مخالف بھی ہے کہ وہ کہتا ہے و لکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون اور جو ترکہ ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ مریں تو ہم نے ہر ایک مرنے والے کی میراث کے حق ٹھہرا دیئے ہیں (پ ۵ - ع ۲)

اور حضرت ابن عباس کی حدیث قرآن مجید کے بالکل موافق ہے کہ وہ حکم دیتا ہے کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین ۔ مسلمانو! تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آموجود ہو اور وہ کوئی اچھی چیز چھوڑنے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے مناسب طور پر وصیت کر جائے جو خدا سے ڈرتے ہیں اُن پر یہ ضروری فرض ہے (پ ۲ ع ۶) ۔ اسی آیت کی تعمیل میں حضرت رسول خدا صلعم وصیت نامہ لکھوا دینا چاہتے تھے (کہ علیؑ ہی میرے خلیفہ رہیں گے جس کا اعلان میں سنہ بعثت میں کر چکا ہوں ۔ فاطمہؑ میری میراث پائیں گی وغیرہ) مگر روک دیئے گئے حضرت عائشہ کی متعدد روایتیں ایسی ہیں جن کو ان کے سوا کسی نے نہیں بیان کیا ۔ خاص کر حضرت رسولؐ کی محبت ۔ پیار اور خصوصیت کے متعلق ایسی روایتیں بھری ہوئی ہیں جن کی تائید کسی اور کی روایت سے نہیں ہوتی تو وہ روایتیں کیوں مان لی گئیں اور کیوں ان کے بارے میں نہیں کہا جاتا کہ یہ روایت ایسی ہے کہ باوجودیکہ اور صحابہ وصحابیات بلکہ ازواج رسولؐ موجود تھیں مگر کسی اور نے اس کو روایت نہیں کیا اس سبب سے یہ روایت ناقابل اعتبار ہے ۔ صحابی کی حیثیت سے جو درجہ حضرت ابوبکر وعمر کا ہے وہی حضرت ابن عباس کا بھی ۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان دونوں حضرات کی وہ روایتیں جن کے راوی صرف یہ لوگ ہیں مان لی جائیں اور وہ روایت جس کے راوی صرف حضرت ابن عباس ہیں شبہ کی نظر سے دیکھی جائے ۔ حضرت ابن عباس کے متعلق بھی یہ شبہات صرف اس وجہ سے کئے گئے کہ انھوں نے حدیث قرطاس کی روایت کی ۔ اگر وہ کسی اور مضمون کی روایت بیان کرتے مثلاً کہہ دیتے کہ حضرت ابوبکر کو رسولؐ نے اپنا دوست کہا ہے ۔ یا حضرت عمر کو رسولؐ نے اپنا معتمد علیہ کہا ہے ۔ یا حضرت عائشہ کو رسولؐ نے سب عورتوں سے بہتر کہا ہے ۔ تو پھر یہ نکتے پیدا نہیں کئے جاتے بلکہ بزور کہا جاتا کہ حضرت ابن عباس ایسے صحابی نے اس کی روایت کی ہے جو حضرت رسولؐ کے چچا زاد بھائی تھے ۔ جو حبر امت تھے ۔ جو رسولؐ کے بڑے مقرب صحابی تھے ۔ جو امت اسلام کے بڑے ہمدرد اور قابل فخر بزرگ تھے ۔ یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر صرف حضرت ابن عباس کے بیان کرنے کی وجہ سے یہ روایت کمزور ہے تو دوسرے صحابہ وتابعین وتبع تابعین نے اسے اُن سے روایت کیوں کیا ۔ کیوں اُن لوگوں نے ان کی

نہیں کہا کہ حدیث قرطاس کی روایت جب صرف ابن عباس کرتے ہیں اور دوسرے صحابہ اس کے متعلق خاموش ہیں تو روایت کمزور معلوم ہوتی ہے۔ لہذا ہم لوگ اس کی روایت نہ کریں۔ اور کیوں نہ امام بخاری و امام مسلم نے بھی اسی خیال سے اس کی روایت ترک کر دی۔ اگر یہ دونوں بزرگ اس کو معمولی درجہ کی روایت سمجھتے تو آسانی سے اس کو اپنی کتابوں سے نکال دیتے اس کا ذکر ہی نہیں کرتے۔ اسی طرح حدیث کی کتابوں میں نہ اس روایت کا دخل ہوتا نہ حضرت رسولؐ کی طرف ہذیان کی نسبت ہوتی۔ نہ حضرت عمر پر گستاخی کا الزام قائم ہوتا۔ مگر بجائے اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ اس روایت کو بڑے بڑے صحابہ و تابعین نے حضرت ابن عباس سے لیا اور دوسروں سے بیان کرتے رہے۔ صحیح بخاری پارہ اول ص۲۶ا میں یہ روایت اس سلسلہ سے منقول ہے امام بخاری سے یحییٰ ابن سلیمان نے اس روایت کو بیان کیا۔ ان سے ابن وہب نے کہا۔ ان سے یونس نے ذکر کیا۔ ان سے عبید اللہ نے نقل کیا اور ان سے حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا اور اتنے بزرگوں سے کسی نے بھی یہ خیال نہیں کیا کہ جناب ابن عباس کے سوا کوئی صحابی اس حدیث کی روایت نہیں کرتا تو ہم لوگ کیوں اس کو لیں اور کیوں دوسروں سے بیان کریں۔ بجائے اسکے ان لوگوں نے خود بھی اس حدیث کو لیا اور دوسروں سے بیان بھی کرتے رہے۔ اور امام بخاری ایسے محقق حدیث نے بھی کوئی شبہ نہیں کیا بلکہ پورے اہتمام سے اس کو اپنی صحیح میں درج کر دیا۔ پھر اس صحیح بخاری کے پ۱۲ ص۱۲۶ باب جوائز الوفد میں یہ روایت اس طرح ہے امام بخاری کہتے ہیں کہ مجھ سے قبیصہ نے بیان کیا۔ ان سے ابن عیینہ نے کہا۔ ان سے سلیمان احول نے ذکر کیا۔ ان سے سعید بن جبیر نے نقل کیا اور ان سے حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ اس طرح ان لوگوں نے بھی اسکی روایت میں تامل نہیں کیا۔ پھر اسی پارہ ۱۲ ص۱۵۲ میں یہ روایت اس طرح ہے کہ امام بخاری سے محمد نے بیان کیا۔ ان سے ابن عیینہ نے کہا۔ ان سے سلیمان بن ابو مسلم احول نے ذکر کیا۔ انھوں نے سعید بن جبیر سے سنا۔ ان سے حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ پھر پ۱۸ ص۱۱ میں ہے کہ امام بخاری سے قتیبہ نے کہا۔ ان سے سفیان نے بیان کیا۔ ان سے سلیمان احول نے ذکر کیا انھوں نے سعید بن جبیر سے سنا۔ ان سے حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ پھر پ۱۸ ص۱۱ میں ہے کہ امام بخاری سے علی ابن عبد اللہ نے کہا۔ ان سے عبد الرزاق نے بیان کیا۔ ان سے زہری

[illegible] نے کہا کہ تحقیق کرو کہ قرآن مجید سے کس مذہب کی تائید ہوتی ہے
سنی یا شیعہ مذہب کی۔ قرآن مجید جس مذہب کو سچا کہے اسی مذہب کو ہم دونوں آدمی اختیار کریں
چنانچہ یہ زبردست بحث شروع ہوئی اور کل اصول و فروع دین میں دونوں شخص اپنی قابلیت کے جوہر
دکھاتے رہے۔ جبر و قدر۔ خدا کے مجسم ہونے۔ توحید۔ بدا۔ عدل۔ تحریف قرآن۔ قرآن مجید پر شیعوں
کے ایمان ہونے یا نہ ہونے۔ قرآن مجید کے ساتھ سنیوں اور شیعوں کے برتاؤ۔ نبوت۔ امامت و خلافت
مسح قدمین۔ نماز میں ہاتھ کھولنے۔ بسم اللہ کہنے۔ روزے کے مسائل۔ متعہ کی تحقیق۔ نماز جماعت۔ نجاست
مشرکین وغیرہ پر خوب خوب بحثیں ہوئیں مگر ہر مسئلہ میں شیعہ نبی نے ثابت کر دیا کہ مذہب شیعہ ہی قرآن مجید کے
مطابق اور مذہب اہلسنت قرآن مجید کے مخالف ہے۔ آخر سنی مولانا صاحب نے مذہب بدل کر اپنے شیعہ ہو جانے کا
اعلان کر دیا۔ الغرض اس کتاب میں سنی و شیعہ کے کل اختلافات پر کامل تحقیق و جامعیت سے بطور مکالمہ مستقل
بالکل واضح کر دی گئی ہے۔ کاغذ۔ لکھائی۔ چھپائی سب اعلیٰ درجہ کی قیمت صرف ڈھائی روپیہ [illegible]

تاریخ ائمہ آج تک اردو زبان میں ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں شیعوں کے کل بزرگان دین کے
حالات اور مکمل فرمان [illegible] خود اہلسنت کی نہایت معتبر کتابوں سے ایک جگہ جمع کئے گئے ہوں۔ [illegible]
[illegible] انبیاء کرام کے ضروری حالات۔ پھر حضرت رسول خدا صلعم کے حالات [illegible]
[illegible] کے حالات لکھے گئے [illegible] کے بعد حضرات ائمہ اثنا عشر کے مفصل حالات زندگی اور قابل قدر [illegible]
[illegible] نہایت دلچسپ عنوان سے جمع کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ سادات [illegible] کی [illegible]
کے بھی نہایت [illegible] حالات لکھے گئے ہیں۔ [illegible] تسلیم کیا کہ اس کتاب [illegible]
[illegible] میں بند کیا گیا [illegible] قابل قدر حالات [illegible] کسی زبان
[illegible] فارسی۔ [illegible] لکھے گئے۔ جناب مولانا [illegible] آقا سید [illegible] صاحب قبلہ [illegible]
[illegible] سادات و شیعہ [illegible] نے اس کتاب کو اس درجہ پسند
[illegible] کے [illegible]
[illegible] کاغذ۔ لکھائی۔ چھپائی سب [illegible] قیمت [illegible]
[illegible] صرف [illegible] کتاب [illegible]
[illegible]
[illegible]

محرم کی مجالس کے لئے لکھی گئی ہیں تاکہ بیبیاں خود پڑھ کر دوسری بہنوں کو سنا سکیں اور ثواب حاصل کر سکیں۔ یہ کمی بہت دنوں سے محسوس ہو رہی تھی۔ اس کو رفع کرنے کے لئے کتاب مجالس خواتین لکھی گئی جس میں پہلی محرم سے ۱۰ محرم تک ہر روز اور ہر حالات میں عورتوں کے پڑھنے کی تین مجلسیں لکھی گئیں۔ اس طرح یہ کتاب ایسا قیمتی ذخیرہ ہو گیا ہے جس کا ہر شیعہ عورت کے پاس ہر وقت رہنا ضروری ہے۔ ہر مجلس کے آخر میں مصائب بہت رقت خیز اور رلانے والے دو دو صفحے نوحے بھی لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ بہنوں کو حدیث پڑھنے کے بعد کسی دوسری چیز کے رکھنے کی ضرورت نہ ہو بلکہ اسی کتاب سے یہ ضرورت بھی رفع ہو جائے۔ پہلی دفعہ چھپ کے پوری کتاب ختم ہو گئی تھی اب دوبارہ چھپوائی گئی ہے۔ اسکے بھی صرف چند نسخے باقی ہیں۔ جلد منگا لیجئے ورنہ تیسرے چھاپے کا انتظار کرنا ہو گا۔ قیمت

حضرت ابو بکر | حضرت ابو بکر کی سوانح عمری بھی خدا کے فضل و کرم سے بڑی تحقیق و جامعیت سے لکھی اور شائع کی گئی ہے جس کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں ہجرت کے مفصل حالات قبل ہجرت شائع ہوئے ہیں۔ اسمیں خاص کر مضامین نہایت دلچسپ اور ایمان افروز ہیں۔ آپکی نسبی حالت اور عرب میں آپکے خاندان کی حیثیت۔ آپ کے والدین و اجداد و اخوات و دیگر اعزہ مخصوصین کے حالات۔ آپکا خاندانی پیشہ۔ آپ کے خاندانی پیشہ کے نتائج اور اسکے دینی و دنیوی خصوصیات۔ آپکی ولادت کے حالات۔ حلیہ۔ نام۔ کنیت۔ القاب۔ اور ان کے وجوہ و اسباب۔ عہد طفولیت تعلیم و تربیت۔ ذریعہ معاش۔ حضرت رسولخدا صلعم سے آپکا برتاؤ۔ خاندان بنی ہاشم سے تعلقات۔ حضرت عمر سے تعلقات زمانہ جاہلیت کے کارنامے اور اس عہد میں آپ کے مذہب کی تحقیق۔ آپ کا قبول اسلام۔ اولیۃ اسلام کی بحث۔ آپ کے اسلام قبول کرنے کے اسباب و علل۔ آپ کے اسلام یا ایمان کی حقیقت۔ ابتدائی اسلام میں آپ کا اجتہاد اور اس کا نتیجہ۔ حضرت رسولخدا صلعم کی مالی اعانت کرنے کی تحقیق آپ کے دل میں حضرت رسولخدا صلعم اور اسلام کی عزت و محبت۔ حضرت عائشہ کی شادی حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ کیوں کی جب کہ وہ صرف ۶ سال کی تھیں۔ کیا چھ سالہ لڑکیوں کی شادی ملک عرب کے شریف لوگوں میں ہوتی تھی۔ ہجرت میں آنحضرت صلعم آپ کو اپنے ساتھ لے گئے یا آپ خود ہی چلے گئے۔ سفر ہجرت کے کارنامے۔ معیت غار اور اس کے کارنامے۔ کاغذ لکھائی چھپائی اعلیٰ صفحہ ۲۰۰ قیمت عمر

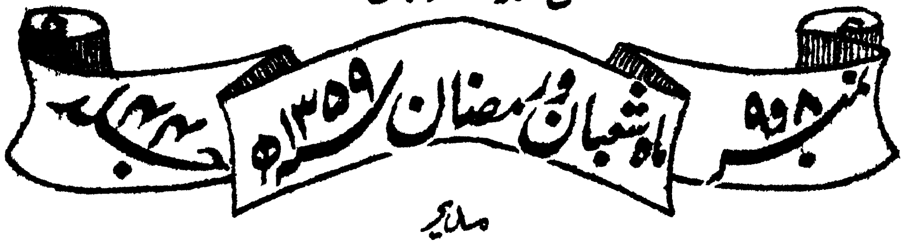
مشعل ہدایت | جناب حاجی سید [illegible] صاحب بی۔ اے بیرسٹرایٹ لا پشاور کی مشہور و معروف تصنیف
[illegible] کتاب [illegible] ہے [illegible] اور [illegible] قرآن [illegible]
[illegible] ہدایت [illegible]
[illegible]

۷۸۶

جریدۂ مبارکہ

اصلاح

تاریخ اجراء ۱۵ شعبان ۱۳۱۵ھ



مدیر

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم

مقام اشاعت

کھجوا (صوبہ بہار)

سوانح عمری کو جلد مکمل کرائیے

اے دردمندان دین و ملت! محض خدا کے فضل و کرم سے سوانح عمری خلیفہ دوم کا دوسرا حصہ بھی ختم کے قریب پہنچا۔ البتہ اس کی اشاعت میں تاخیر ہوئی اور اس کی ساری اصلاح بھی کئی مہینوں کے بعد نکلا مگر یہ صبر لازمی تھا۔ اگر سوانح عمری جلدی کی وجہ سے پوری تحقیق سے مکمل نہ ہوتی تو اس کتاب میں یہ عیب باقی رہ جاتا جس سے آپکے مذہب کی یہ عظیم الشان محنت بالکل ضائع جاتی۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ دیر آید درست آید کے مطابق اب یہ قابل فخر سوانح عمری پوری ہوا چاہتی ہے صرف ۱۲۰۰ روپیوں کے کاغذ کی اور فکر ہے کہ اس کا بھی سامان ہو جائے تو انشاء اللہ ایک ہی مہینہ میں آپ اس تحقیقی و تبلیغی کتاب کو مکمل پائیں گے مجبوراً پھر درخواست کی جاتی ہے کہ اگر آپ صرف پچاس حضرات اپنے اعزہ و احباب کو دفتر کی صرف تین کتابیں جوہر قرآن قیمتی ۸؎ و تاریخ ائمہ قیمتی ۸؎ و سوانح عمری خلیفہ دوم حصہ اول قیمتی ۸؎ کی خریداری پر آمادہ کر دیں تو بہت آسانی سے مطلوبہ مقدار کا کاغذ آجائے اور اس اہم فرض سے بھی ملت اسلامیہ سبکدوش ہو جائے۔ جسکے بعد تیسرے بہت دلچسپ اور مفید مذہبی ناول تحفہ بخاری کا انتظام کیا جائے۔ وی پی طلب کرنے میں ان کتابوں کی قیمتیں یہاں بہت دیر کر کے پہنچیں گی بہتر یہ ہے کہ ان خریداروں سے ان کتابوں کی قیمت آپ خود وصول کر کے جلد از جلد بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دیں کہ فوراً کاغذ منگا لیا جائے اور ان خریداروں کو کتابیں روانہ کر دی جائیں انشاء اللہ اس کتاب سے حضرت دوم کی پوری اور اصل تصویر نمایاں ہو جائیگی اور دین حق کی تبلیغ کا زبردست فرض بھی انجام پائے گا۔ کیونکہ حضرت عمر ہی مذہب اہلسنت کے بنیاد ڈالنے والے ہیں جوہر قرآن و تاریخ ائمہ و سوانح عمری حصہ اول اتنی دلچسپ اور مفید کتابیں ہیں کہ آپ اپنے احباب کو دکھائیں گے تو وہ حضرات جلد انکی خریداری پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے آپ کو زیادہ زحمت بھی نہیں ہو گی۔ البتہ توجہ کی شدید ضرورت ہے اور جس قدر جلد آپ متوجہ ہونگے انشاء اللہ اسی قدر جلد یہ کتاب پوری ہو جائیگی اور آپکی قوم و ملت کی یہ دیرینہ آرزو پوری ہو گی کہ حضرت ممدوح کی بھی سوانح عمری لکھی جائے۔ آپ اصلاح کے نمبروں میں پڑھ چکے ہیں کہ اس سوانح عمری کے پہلے ہی حصہ کو پڑھ کر کتنے سنی بھائیوں نے مذہب شیعہ قبول کر لیا۔ اگر اور بھائیوں کو بھی آپ شیعہ کرنا چاہتے ہیں تو جلد اس کی تکمیل کی کوشش کیجئے کتاب صرف ۱۲۰۰ روپیہ کی وجہ سے یہ دینی خدمت ادھوری نہ رہ جائے اور تحفہ بخاری بھی رکی نہ رہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصلاح

نمبر ۸ و ۹	ماہ شعبان المعظم و رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ	جلد ۲۴

حضرت عمر و شاہ ولی اللہ و مولوی شبلی صاحبان

حضرت عمر (اپنے صاحب زادے جناب عبد اللہ بن عمر سے) بیٹا! ذرہ جاکر شاہ ولی اللہ (اور مولوی) شبلی صاحب کو بلا لاؤ۔ کہنا کہ ایک نہایت ضروری کام کے لئے آپ کو طلب کیا ہے۔

عبد اللہ۔ بہت خوب۔ لیکن وہ لوگ کچھ دریافت کریں تو کیا کہوں گا۔ اس کو بھی فرما دیجئے۔

حضرت عمر۔ کہنا اباجان نے آپ لوگوں کو زحمت دی ہے۔ ایک سخت ضرورت ہے زیادہ نہیں۔

جناب عبد اللہ۔ (شاہ ولی اللہ صاحب کی جائے قیام پر پہنچکر) السلام علیکم۔ آپکو والد صاحب نے یاد فرمایا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حاضر ہوں خیر تو ہے۔ اتنا سویرے کیوں یاد فرمایا۔

جناب عبد اللہ۔ رات حضور بہت متفکر رہے۔ غذا بھی تناول نہیں فرمائی۔ غالباً شب بھر سوئے بھی نہیں۔ اچھا آپ چلیں۔ میں اب مولوی شبلی صاحب کے پاس جاتا ہوں۔ انکو بھی طلب فرمایا ہے۔ پھر اُن کے ہاں پہنچکر دونوں صاحبوں میں اس طرح گفتگو ہوتی رہی۔

جناب عبد اللہ۔ مولوی شبلی صاحب! السلام علیکم۔ اباجان نے آپ کو طلب فرمایا ہے۔

مولوی شبلی صاحب۔ اس وقت مجھے سر سید احمد خاں بہادر سے ملنے جانا ہے۔ معاف کریں پھر کسی وقت چلوں گا۔ غالباً حضرت فاروق کو کوئی جلدی نہیں ہوگی۔ اس وجہ سے پھر دیکھا جائیگا۔

جناب عبد اللہ۔ ارے! یہ آپ کیا کہتے ہیں؟ اباجان کے مقابلہ میں سید احمد خاں کی کیا حقیقت ہے کہ آپ یہ عذر کرتے ہیں۔ جب آپ دنیا میں تھے تب تو والد صاحب کی اتنی تعظیم تھی کہ ان کی سوانح عمری لکھکر ان کو دنیا بھر کے انبیاء و مرسلین تک سے بہتر ثابت کر دکھایا اور اب ایسی لاپروائی! کیا وہ مان جان وہیں تک کے لئے تھی؟ اب کوئی تعلق نہیں۔

مولوی شبلی صاحب۔ ہاں وہاں اسی کی ضرورت تھی۔ اس سے میری بے حد قدر و منزلت بڑھی۔ اور اپنے زمانہ میں مجھے اس کا پورا صلہ مل گیا۔ مگر یہاں تو وہ میرے کچھ بھی کام نہیں

آئی بلکہ اُس کی وجہ سے میرے نامۂ اعمال کی جو حالت ہو گئی ہے ۔ بیان نہیں کر سکتا۔

جناب عبد اللہ ۔ تو سید احمد خاں سے آپکو کیا کام ہے کہ وہاں جانا ضروری سمجھتے ہیں اور ابا جان کے حکم کو اسقدر ٹالتے ہیں

مولوی شبلی صاحب ۔ اُن سے مشورہ کرنا ہے کہ ان کی پیروی میں قیامت ۔ بہشت دوزخ کے متعلق میرا بھی جو خیال تھا وہ سب جانتے ہیں لیکن یہاں آ کر یقین ہوا کہ یہ سب باتیں حتمی ہیں ۔ اب کیا کیا جائے کہ یہاں کی مصیبتوں سے نجات ملے ۔ اور بہشت میں رہ سکوں ۔

مولوی صاحب ۔ یہ تو خوب کہی ۔ اچھا چلئے پہلے حضرت ہی کی زیارت کی جائے ۔ حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہو کر

مولوی شبلی صاحب ۔ سرکار عالی ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔

حضرت عمر ۔ وعلیک السلام ۔ کہو سب خیریت ہے ۔

مولوی شبلی صاحب ۔ اب خیریت کہاں جس قدر عافیت دنیا میں تھی اسی قدر یہاں اس کشمکش کا سامان ہے ۔ لیکن پہلے سرکار یہ فرمائیں غلام کو کیوں طلب فرمایا ہے ۔ اس کے بعد میں اپنی داستان افکار کھولوں گا ۔

حضرت عمر ۔ میں ان دنوں بہت پریشان ہوں اور اس پریشانی میں تم لوگوں سے خاص مدد ملنے کی امید ہے اس وجہ سے شاہ ولی اللہ کو بھی بلایا اور تم کو بھی کہ انھوں نے ازالۃ الخفاء لکھکر اور تم نے میری سوانح عمری لکھکر ہندوستان میں میرا جھنڈا گاڑ دیا اور کتنے مسلمانوں کے ذہن نشین کر دیا کہ میرا درجہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم سے بھی بڑھا ہوا ہے ۔

شاہ ولی اللہ صاحب اور مولوی شبلی صاحب ۔ یہ سرکار کی ذرہ نوازی ہے ورنہ ہم لوگوں نے تو اپنا فرض ادا کیا ہے ۔

حضرت عمر ۔ خیر اس وقت کہنا یہ ہے کہ ایک چھوٹی سی جگہ کھوا ضلع سارن صوبہ بہار میں میری سوانح عمری ایسی لکھی جا رہی ہے جس میں میرے وہ سب امور کھول بیان کئے جاتے ہیں جن پر تم لوگوں نے خوب خوب پردے ڈال رکھے تھے ۔ اس کی وجہ سے تم لوگوں کی ریاضتیں مٹی میں مل رہی ہیں ۔ فضیلت کا ڈھول کھل رہا ہے ۔ اب کیا کیا جائے کہ یہ سلسلہ موقوف ہو ۔

شاہ ولی اللہ صاحب ۔ حضور کے لئے یہ امر کیوں باعث تردد ہے ۔ سرکار کے کرامات تو مشہور ہی ہیں ۔ میں نے بھی اپنی کتاب میں اُن سب کو بہت دل لگا کر جمع کیا ہے ۔ بس کوئی

جناب عبد اللہ ۔ تو کیوں نہ پیچھے ابا جان کی ۔ دیکھئے ۔ دعا کرو وہ بھی چپ ہو کر اور دیکھیں ۔

کرامت کرکے اس سوانح عمری کو موقوف کرا دیجئے۔ ایسا کیجئے کہ اس سوانح عمری لکھنے والے پر بجلی گر جائے۔ یا وہ کسی وبا میں مبتلا ہو جائے یا اُس کا قلم رُک جائے۔ یا اُس کا دماغ معطل ہو جائے۔ یا اُسکے خریداروں کے دل سے اس کتاب کا شوق ہی غائب ہو جائے۔

مولوی شبلی صاحب۔ آپ نے پھر وہی پُرانی دقیانوسی باتیں نکالیں۔ یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ کوئی امر نیچر کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ میں نے تو اسی وجہ سے اپنی کتاب الفاروق میں حضرت کی کسی کرامت کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ یہ سب مہمل اور ناممکن باتیں ہیں آپ ایسے علمار ذی شان کو ان سب کا نام بھی نہ لینا چاہیئے۔ میں نے آپ کی بڑی مدح و ثنا اپنی کتاب الفاروق و علم الکلام وغیرہ میں کی ہے اور آپ کے فضل و کمال کا پورا اعتراف کرتا ہوں لیکن خلاف عقل باتوں میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا معاف کیجئے

شاہ ولی اللہ صاحب۔ تو خلاف عقل بات کیا ہے؟ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا درجہ خدا کے ہاں اتنا بھی نہیں ہے کہ آپ خدا سے دعا کریں کہ آپ کی اس سوانح عمری لکھنے والے پر بجلی گرا دے تو خدا اس دعا کو قبول نہیں کرے گا۔ حالانکہ آپ کے زبان ہلا دینے کی وجہ سے ایک شخص کا خاندان کا خاندان جل بھن کر خاک سیاہ ہو گیا تھا دیکھو تاریخ الخلفار صـ۸۶ وغیرہ اسی سوانح عمری حصہ اول صـ۸۵ میں بھی اس کا ذکر ہے۔

مولوی شبلی صاحب۔ میں دیکھوں کہاں؟ کیا یہاں بھی آپ اپنی کتابوں کا ذخیرہ بغل میں لپیٹ کر لیتے آئے ہیں؟ ہاں تاریخ الخلفار میں یہ مضمون ضرور موجود ہے مگر خلاف عقل ہونے کی وجہ سے ردی میں پھینک دینے کے قابل ہے۔ یہ کتابیں نہایت بیہودی بلکہ دریا میں ڈال دینے کے قابل ہیں۔ ان باتوں سے تو رافضیوں کو اور بھی تالیاں بجانے کا موقع ملتا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب۔ آپ ان باتوں کو نہ مانئے مگر میرا تو اعتقاد ہے کہ یہ سب باتیں ممکن ہیں۔ اور اگر حضرت فاروق چاہیں گے تو یہاں سے بھی سب کچھ کر سکتے ہیں۔ میں دہریہ نہیں ہو گیا بلکہ پیر اولیار تک کے کرامات کا قائل ہوں۔ آپ اپنا لکچر رہنے دیجئے۔

حضرت عمر۔ میں نے زبردست وار تو کیا تھا۔ چنانچہ وہ سوانح عمری کئی مہینوں کے لئے ملتوی ہو گئی تھی اور اس کا لکھنے والا بڑے بڑے تردّدات میں مبتلا ہو گیا تھا یہاں تک کہ اسکے خریداروں کو یقین ہو گیا تھا کہ اب وہ سوانح عمری کسی طرح پوری نہیں ہو سکتی۔ لیکن اسکے

خریدار بھی مشکل کشا علی مرتضی کے شیعہ ہیں جو میری مشکلیں بھی کس طرح حل کر دیتے تھے کہ میں بے ساختہ بول اٹھتا تھا لولا علیؑ لہلک عمر۔ ان سب نے زور لگا کر میری محنتوں کو مٹی میں ملا دیا۔ اور اس لکھنے والے کی دلچسپ کتابیں (تاریخ ائمہ - جوہر قرآن - ذخیرۂ حق - بھائی جان (حضرت ابوبکر) کی سوانح عمری کے حصہ اول اور میری سوانح عمری کے حصہ اول) کے بہت سے خریدار مہیا کر کے اور اُن سے قیمتیں لیکر دفتر اصلاح میں بھیج دیں جس سے کاغذ کا سامان ہو گیا اور معلوم ہوا ہے کہ ۲۸۰ صفحہ تک میری اس سوانح عمری کا دوسرا حصہ بھی چھپ گیا اب کیا ہے ۲۳۲ صفحے اور باقی رہ گئے ہیں۔ اگر رافضیوں کی یہ جماعت جس کو مجھ سے خاص طور کی غلش ہے اسی طرح کوشش کرتی رہی تو یہ ۲۳۲ صفحے بھی شائع ہو جائیں گے۔ آپ لوگ کوئی صورت ایسی کریں کہ اب یہ سوانح عمری نہ شائع ہو۔ ورنہ بڑی مصیبت ہو گی۔

مولوی شبلی صاحب۔ سرکار عالی! جناب شاہ صاحب تو جنات۔ عملیات۔ کرامات۔ معجزات وغیرہ کے قائل ہیں جن باتوں کو عقل سے ذرہ برابر لگاؤ نہیں۔ اور میں ہر چیز کو نیچر کی عینک لگا کر دیکھنے کا پابند ہوں۔ تو میری اور انکی رائے ایک طرح کیسے ہو سکتی ہے۔

حضرت عمر۔ خیر ان کی سمجھ میں جو آیا انھوں نے رائے دے دی۔ اب تم بھی کچھ کہو میں سنوں

مولوی صاحب۔ میری رائے ہے کہ مرزا حیرت کو اس مشورہ میں شریک کیجئے۔ وہ ہندوستان میں کسی شخص کو خواب دکھا کر سکھا دیں کہ وہ شخص کوئی اخبار کرزن گزٹ جیسا نکال کر اس جدید سوانح عمری کا جواب اس طرح لکھے کہ اس رافضی کی سب تحقیقیں رائگاں ہو جائیں۔

حضرت عمر۔ مگر وہ اس کو کیا کر سکتے ہیں کہ میری سوانح عمری میں جو باتیں لکھی جا رہی ہیں وہ سب میرے ہی مریدوں کی کتابوں سے نقل کر دی جاتی ہیں۔ اور سب کا صفحہ وغیرہ بھی تو بتا دیا جاتا ہے۔ اس آفت کا علاج بتاؤ۔ ان کتابوں کا کیا جواب ہو سکتا ہے۔

مولوی صاحب۔ سرکار عالی نے خیال نہیں فرمایا۔ اسی غرض سے تو میں نے مرزا حیرت کا نام پیش کیا کہ وہ آسانی سے ہر چیز کا انکار کر دینگے۔ امام حسین علیہ السلام کا واقعہ ایسا متواتر کہ ہماری لاکھوں کتابوں میں موجود ہے۔ مگر اس شیر نے سب سے آنکھیں بند کر کے انکار کر دیا۔ اور لکھ دیا کہ حضرت شہید ہی نہیں ہوئے۔ لطف یہ کہ اپنے ہی ہم مذہب علماء کو گالیاں بھی خوب دے ڈالیں کہ ان لوگوں نے واقعہ شہادت کو اپنی کتابوں میں درج کیوں کیا۔

شاہ صاحب۔ میں حیران ہوں کہ آپکی باتوں کو حقیقت پر محمول کروں یا مزاح سمجھوں۔ آپ کو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی کرامات سے تو انکار ہے۔ معجزات کے بھی آپ قائل نہیں۔ نیچر کے خلاف کسی بات کو ماننے کے لئے طیار نہیں لیکن مرزا حیرت ایسے اخبا نویس کو آپ اس قابل سمجھتے ہیں کہ کسی کے خواب میں جاکر سمجھادیں۔ آپ تو خوب ہم لوگوں کو بنا رہے ہیں۔ حضرت فاروق کے کرب و اضطراب کا آپ پر کوئی اثر نہیں بندۂ خدا! کوئی ایسی تدبیر سوچو کہ حضرت کی یہ پریشانی دور ہو۔ یہ مذاق کا موقع نہیں۔

مولوی صاحب۔ پھر آپ ہی بتائیں کہ ہم لوگ یہاں سے کیا کرسکتے ہیں۔ نہ کوئی ڈاک جاتی ہے۔ نہ ریل کا سلسلہ ہے۔ نہ ٹیلیفون کا رشتہ۔ نہ ریڈیو کا انتظام ہے۔ پھر کوئی تدبیر ذہن میں آئے بھی تو اس پر عمل کیونکر کیا جائے۔ پہلے اس بات کو توطے کریجئے۔

شاہ صاحب۔ حضور میری رائے ہے کہ کسی فرشتہ کی خوشامد کی جائے وہ جاکر ملک الموت کو سکھا پڑھا کر آمادہ کریں کہ اس سوانح عمری کے لکھنے والوں کی روح قبض کرلیں قصہ ہی ختم ہوجائے۔ نہ وہ کم بخت موذی زندہ رہیگا۔ نہ حضور کی شان میں ایسی گستاخی کریگا۔

حضرت عمر۔ نہیں یہ بھی بیکار ہے۔ ملک الموت بھی بغیر اجازت خدا کسی کی روح نہیں قبض کرسکتے۔ ایسی باتیں نہ کرو جس سے یہاں کے لوگ بھی ہم لوگوں کی عقلوں پر مضحکہ کریں۔

مولوی صاحب۔ جناب شاہ صاحب! آپ لوگوں کے ہاں تو عملیات کا بڑا زور تھا پیری مریدی کا سلسلہ اس کے بغیر چل ہی نہیں سکتا۔ پھر آپ ہی کوئی عمل کیوں نہیں کرتے۔ جو بار بار حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو زحمت دیتے ہیں۔

شاہ صاحب۔ اگر میں دنیا میں موجود رہتا تو آپ دیکھ لیتے کیا کچھ نہ کرڈالتا۔ لیکن اب تو دوسرے عالم میں پھنس گیا ہوں۔ جہاں اپنے ہی انجام سے حواس درست نہیں ہیں۔ مگر آپ کی عقل میں واقعاً کوئی صورت آتی ہو تو بیان کردیجئے۔ مزاح نہ کیجئے۔ کیونکہ آپ جانتے ہیں ہم سب لوگوں کے مذہب کی بنیاد زیادہ تر حضرت فاروق ہی کی ذات والا صفات ہے۔ اگر یہ سوانح عمری مکمل ہوگئی اور جس طرح حضرت کے فضائل کی دھجیاں اڑادی گئی ہیں اسی طرح آپکی خلافت کے دنیوی کارناموں کی تحقیق بھی کردی گئی تو آپکی الفاروق بھی ردی ہوجائیگی۔ میری ازالۃ الخفا کی عظمت بھی گھٹ جائیگی اور مذہب اہلسنت کو بھی ناقابل

صدمہ پہنچیگا ۔ جسکی تلافی کسی طرح میری سمجھ میں تو آتی نہیں ہے ۔
مولوی صاحب ۔ میرا تو خیال ہے کہ قانون قدرت سے لڑنا بیکار ہے ۔ یہ مسلم ہے کہ گرم کہ نہ یافت ۔ میں نے جو کچھ ملمع سازیاں کیں ان کا اثر کب تک رہ سکتا ہے ۔ آپ نے بھی جو کچھ جانفشانیاں کیں ان کے نتائج کی مدت ختم ہو چکی ۔ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے کارناموں کی جو تاویلیں کی گئیں ان کی حقیقت کا فاش ہونا ضروری ہے ۔ اب یہ چیزیں ہم لوگوں کے اختیار سے باہر ہو گئیں ۔ ان کی فکر ہی بے جا ہے ۔ اگر حضرت عمر بہت بڑے اسلامی ہیرو کے عوض ایک معمولی انسان مانے جائیں تو اس سے نقصان ہی کیا ہے ۔ پرانی لکیر کے فقیر بنے رہنا کسی طرح مناسب نہیں ۔ اچھا ہے لوگوں کو نئی نئی تحقیقات دیکھنے کا موقع مل رہا ہے ۔ شیعوں کو بہت دنوں سے تمنا تھی کہ میری الفاروق کا زور گھٹے ۔ اب انکی یہ آرزو پوری ہو رہی ہے تو کیا مضائقہ ہے ۔ جس طرح سرسید احمد خاں دونوں فرقوں (سنیوں اور شیعوں) کی ترقی کے خواہاں ہیں میں بھی اس کو پسند کرتا ہوں کہ شیعہ اپنی تحقیق کے مطابق حضور کی سوانح عمری لکھیں اور اس کے ذریعہ سے انکی ترقی بھی ہو کہ درحقیقت وہ بھی اسلام ہی کی ترقی ہے ۔ اگر اس سوانح عمری سے کچھ لوگ سنی مذہب ترک کر کے شیعہ ہو گئے تو بہر صورت مسلمان ہی رہے ۔ اس فکر میں ہم لوگ کیوں جان دیں ۔ ہمیں تو اپنی فکر کرنی چاہیئے کہ یہاں ذرہ ذرہ کا حساب درپیش ہے ۔ ہم سب چل کر خدا کے سامنے اقرار کریں کہ حضرت عمر اور حضرت علیؓ کے متعلق شیعہ جو کہتے ہیں وہی ٹھیک ہے ۔ ہم لوگوں سے خطائے اجتہادی ہو گئی کہ ان کے عقیدے کو نہیں مانا ۔ اب توبہ کرتے ہیں ۔ ہمیں معاف کر دیا جائے ۔
شاہ صاحب ۔ کیا خوب ! اب توبہ کرنے کی بھی ایک ہی کہی ۔ اے حضرت یہاں تو سب گنہگار توبہ کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں گے ۔ مگر یہ تو بتایئے کہ ان کی توبہ کو کوئی سنیگا کیونکر اور اس کا فائدہ کیا ہوگا ۔ خدائی فرمان ہو چکا ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ (جو شخص ذرہ برابر اچھا کام کرے گا وہ مرنے کے بعد اس کا انعام ضرور پائیگا اور جو شخص ذرہ برابر برا کام کرے گا وہ اس کی سزا ضرور پائیگا)

حضرت عمر۔ یہ سب بے کار باتیں ہیں۔ مجھے اس کی فکر ہے کہ میری جو عظمت و جلالت فرقہ اہلسنت میں قائم ہے وہ اسی طرح باقی رہے۔ اس میں ذرہ برابر کمی نہ ہو۔ اور اگر یہ سوانح عمری پوری ہوگئی تو میری سب عزت خاک میں مل جائیگی۔ آپ لوگ اگر اس سوانح عمری کے بند کرانے کی کوئی تدبیر نہیں کر سکتے تو کم از کم یہی کیجئے کہ اس تک ہمارے فرقہ اہلسنت سے کسی شخص کی نظر نہ پہنچنے پائے۔

مولوی صاحب۔ واہ! آپ نے بھی ایک ہی کہی۔ جب وہ چھپ رہی ہے تو سب ہی دیکھیں گے۔ لیکن برادران اہلسنت اس کا دیکھنا پسند ہی کب کرینگے۔ ہمارے علماء تو سب سے زیادہ اور پہلا کام یہی کرتے ہیں کہ سب سنیوں کو تاکید کر دیتے ہیں خبردار شیعوں کی کتابیں نہ دیکھنا۔ اُن میں بڑا زہر بھرا ہوتا ہے۔ تم نے دیکھا کہ بس اپنے مذہب سے گئے۔

حضرت عمر۔ نہیں اس نئی سوانح عمری میں چونکہ کل باتیں ہمارے ہی مذہب کے بڑے معتبر عالموں کی کتابوں سے لکھی جاتی اور بہت تہذیب۔ شیریں بیانی۔ متانت بردباری اور بے تعصبی سے درج کی جاتی ہیں۔ اس وجہ سے ہزاروں اہلسنت بھی اس کو دیکھ رہے ہیں۔ اور اُن کے خیالات میری جانب سے بہت خراب ہوتے جاتے ہیں مجھے خوف ہے کہ اگر یہ کتاب پوری ہوگئی اور فرقہ اہلسنت کے لوگوں نے دیکھ لیا تو میری شان و شکوہ کا پتا نہیں ملیگا اور میری اصلی تصویر پر سے نقاب اُلٹ جائیگی۔ بہت سے راز سربستہ کا انکشاف ہو چکا جو باقی رہ گئے ہیں اُن کا بھی جلد پردہ چاک ہو جائیگا۔

مولوی صاحب۔ تو پھر یہ مصیبت لاعلاج ہے۔ سوا صبر کوئی چارہ نہیں۔

حضرت عمر۔ میں نے تو اسی لئے آپ لوگوں کو زحمت دی تھی۔ جب آپ لوگوں کو بھی مایوسی ہے تو مجبوری ہے۔ آپ لوگ تشریف لے جائیں۔ کیوں اپنا وقت ضائع کریں اور میرا بھی۔

شاہ صاحب۔ حضور عالی! مایوسی کی گفتگو تو مولوی شبلی صاحب کرتے ہیں اور آپ مجھے بھی خون لگا کر شہیدوں میں داخل کرتے ہیں۔ ان کے خیالات تو معلوم ہو گئے کہ کتابوں کے اعتبار سے آپ اسلام کے مورخ اور اعتقادات کے اعتبار سے قانون قدرت کے شیدا ہیں۔ آپ انکی باتوں پر نہ جائیں بلکہ اپنی کرامات کا کچھ کرشمہ دکھا کر ان کو بھی از سر نو اپنے حلقہ میں داخل فرمالیں۔ اور بتا دیں کہ یہاں سے ریلوے۔ یا تار یا ریڈیو یا اور جہلات کا

سلسلہ ہو یا نہ ہو لیکن حضور ہر امر خارق عادت پر قدرت تامہ رکھتے ہیں۔ جب حضور نے ملک عرب کے شہر مدینہ سے پکار کر ایک جہینہ کی راہ پر جو شخص تھا اسکو حکم دے دیا کہ یا ساریۃ الجبل۔ اے ساریہ بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ جاؤ۔ اور اُس نے وہاں سے (سیکڑوں کوس دور ملک عجم کے شہر نہاوند کے پاس) حضور کی آواز کو سن لیا تو اب ایسا کیوں نہیں ہو سکتا۔ آپ سب سے اونچی جگہ پر چڑھکر خوب زور سے چیخیں اور فرمائیں اُے ہندوستان کے سینو بلکہ اے اردو داں سنیو! تم لوگ جہاں جہاں ہو سُن لو کہ دفتر اصلاح کی سوانحعمری خلیفہ دوم کو جو ایک بیہودہ رافضی لکھ رہا ہے (خدا اسکے قلم کو توڑ دے۔ اسکے کاغذوں کو جلا دے اور اس شخص کو آفات ارضی و سماوی میں مبتلا کر دے) ہر گز ہر گز نہ دیکھنا۔ اسمیں میرے خلاف بڑے زہریلے مادے بھرے جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ سب باتیں تم لوگوں ہی کی کتابوں سے لکھی جاتی ہیں مگر وہ صاف ظاہر کرنے کے قابل نہیں تھیں۔ اس موذی دشمن نے اُن باتوں کو کرید کرید کر میری اصلی حالت تم لوگوں کو سمجھا دی

مولوی صاحب۔ قہ۔ قہ۔ قہ۔ قہ۔

حضرت عمر۔ اچھا اس وقت تم دونوں جاؤ۔ آرام کرو۔ پھر دیکھا جائیگا۔

فقط بقلم سید آغا جعفر کھجوئی

اخبار غم | افسوس گزشتہ ایام میں ہمارے کئی مخلص احباب اور مخصوص اعزہ نے ہم لوگوں کو اپنی مفارقت کے صدمہ میں مبتلا کیا (۱) فاضل مکرم و حبیب محترم جناب مولانا سید محمد یوسف صاحب مرحوم زنگی پوری پرنسپل مدرسہ جوادیہ بنارس نے ۱۳ جمادی الاولیٰ ۵۹ھ کو انتقال کیا مرحوم ممتاز افاضل میں تھے۔ اس مدرسہ کو ترقی دینے میں بڑی محنت کی تھی۔ افسوس ابھی عمر بھی زیادہ نہیں ہوئی تھی کہ اجل کے شکار ہو گئے (۲) ہمارے قریبی ماموں جناب سید خورشید مسلم صاحب پیشکار ہائیکورٹ پٹنہ نے ۶ ربیع الثانی سنہ ۵۹ھ کو انتقال کیا۔ مرحوم بڑے خوش صفات اور مرنجاں مرنج اصول کے بزرگ تھے بسادگی۔ تواضع و دیگر اخلاق حسنہ کے مجسمہ تھے۔ خدا آپکے فرزند رشید سید محمد ابراہیم صاحب ایم۔ اے سب ڈپٹی کلکٹر کو صبر عطا کرے (۳) ہمارے ایک اور ماموں جناب سید محمد قاسم صاحب رئیس کھجوانے بھی ۱۴ شعبان کو انتقال کیا۔ مرحوم بھی بڑی خوبیوں اور پرانی وضع کے بزرگ تھے۔ خدا آپ کے فرزندوں سید زین العابدین صاحب سب انسپکٹر و سید عین الحسن صاحب انجنیر کو صبر عطا کرے (۴) ہمارے ایک اور ماموں جناب خانبہادر ڈاکٹر سید علی حسن صاحب مرحوم ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پٹنہ جنرل ہاسپٹل نے بھی ۸ شعبان کو انتقال کیا۔ مرحوم فن ڈاکٹری میں اکمل افراد سے تھے۔ خدا آپکے فرزند صالح سید احسان اختر صاحب سلمہ کو صبر دے۔ مومنین سورہ فاتحہ و توحید کا ثواب سب کی روحوں کو ایصال کریں۔

hindered her from prostrating herself before her idol which she used to worship. The form of benediction of blessing which the musalmans always add when they name him is "God glorify the face of him." They say moreover that Mohamed talking of him, said "Ali is for me and I am for him; he stands to me in the same rank as Aaron did to Moses; I am the town in which all knowledge is shut up and he is the gate of it." (Ockley page 330).

6. If Ali be considered with regard to his courage, temper, piety and understanding, he was one of the greatest men that was ever born in that nation. (Ockley Page 335)

7. The birth, the alliance, the character of Ali, which exalted him above the rest of his countrymen, might justify his claim to the vacant throne of Arabia. The son of Abu Talib was in his own right the chief of the family of Hashim, and the hereditary prince or guardian of the city and temple of Mecca. The light of prophecy was extinct but the husband of Fatima might expect the inheritance and blessing of her father. The Arabs had sometimes been patient of a

female reign; and the two grandsons of the Prophet had often been founded in his lap and shown in his pulpit, as the hope of his age and the chief of the youth of Paradise. The first of the true believers might aspire to march before them in this world and the next; and if some were of a graver or more rigid cast, the zeal and virtue of Ali were never outstripped by any recent proselyte. He united the qualifications of a poet, a soldier and a saint: his wisdom still breathes in a collection of moral and religious sayings; and every antagonist, in the combats of the tongue or of the sword, was subdued by his eloquence and valour. From the first hour of his mission to the last rites of his funeral, the apostle was never forsaken by a generous friend, whom he delighted to name his brother, his viceregent, and faithful Aaron of a second Moses.

The son of Abu Talib was afterwards reproached for neglecting to secure his interest by a solemn declaration

of his right, which would have silenced all competition, and sealed his succession by the decrees of heaven. But the unsuspecting hero confided in himself, and the jealousy of empire and perhaps the fear of opposition, might suspend the resolutions of Mohammad; and the bed of sickness was beseiged by the artful Ayesha; the daughter of Abubakr and the enemy of Ali. (Gibbon Vol. III Page 518)

8. Of all these Ali seems to have had the strongest right; not only was he son-in-law of the Prophet, but it will be remembered that he was the first one to rush to his support when the mission was announced and had at that most critical moment received the title "Kalif" joined with the promise that his commands should be obeyed. (Gilman Page 225)

9. During the year 633 Fatima died, and Ali then joined the other companions of the Prophet in attending upon the Kalif's court setting aside the grievance that he had felt at

being passed over in the election. He probably found that it was better policy to fall in with the current, at least to appearance than to fight against popular feeling, though he never forgot that he had been the only person called Kalif by the Prophet. (Gilman Page 264).

10. The right of succession in order of consanguinity, lay with Ali and his virtues and services eminently entitle him to it.

On the first burst of his generous zeal when Islamism was a derided and persecuted faith, he had been pronounced by Mohomed his brother, his viceregent; he had ever since been devoted to him in word and deed and had honoured the cause by his magnanimity as signally as he had vindicated it by his valour.

(Irvingsspage 1.)

بیت الاحزان[1]

اگرچہ بعد اثبات اس امر کے کہ جناب سیدہ کے گھر جلانے کو آگ لکڑیاں لے گئے اور حضرت ابوبکر مرتے وقت اس پر افسوس کرتے رہے کہ کاش ہم کشف بیت فاطمہ نہ کئے ہوتے ضرورت اس کی نہ تھی کہ بیت الاحزان کا بھی کچھ حال لکھا جائے مگر بغرض تکمیل رسالہ النار الموقدہ کچھ اجمالی تذکرہ اس کا بھی مناسب ہے۔

صاحب تذکرۃ المعصومین نے کتاب بحار الانوار[2] سے نقل کیا ہے (اور دیگر علمائے اہل تشیع نے بھی لکھا ہے) کہ وہ معصومہ دن رات اپنے باپ کے غم میں ڈھاڑیں مار مار کر رویا کرتی تھیں کسی وقت آنسو آنکھوں سے نہ تھمتے تھے۔ اور آواز نالہ و بے قراری کم نہ ہوتی تھی پس اُن معصومہ کی کثرت گریہ وزاری سے تمامی اہل مدینہ تنگ ہوئے اور بزرگان مدینہ جمع ہو کر جناب امیرؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی اے ابوالحسنؑ جناب فاطمہ زہراء اپنے پدر بزرگوار کے غم میں تمام رات اور تمام دن روتی ہیں۔ اور اُن معصومہ کے رونے سے نہ ہمیں راتوں کو نیند آتی ہے اور نہ کوئی دن کو طلب معیشت اور اپنے کاموں میں مشغول ہو سکتا ہے اس لئے ہم عرض کرتے ہیں کہ ہماری جانب سے آپ خدمت جناب سیدہؑ میں عرض کریں کہ آپ یا شب کو رویا کریں اور دن کو خاموش رہیں یا دن کو رویا کریں اور شب کو آرام فرمائیں۔ حضرتؑ نے جناب فاطمہؑ کو روسائے مدینہ کا پیغام پہنچایا۔ جناب سیدہ نے عرض کیا کہ اے ابوالحسنؑ بہت کم ہے زندگی میری اور رہنا میرا ان لوگوں میں۔ اور بہت قریب ہے رحلت میری ان سب میں سے۔ پس بخدا میں ہرگز رات اور دن گریہ وزاری کو ترک نہ کروں گی۔ یہاں تک کہ ملاقات کروں اپنے پدر عالی مقدار رسول خدا سے۔ جناب امیرؑ نے

---

[1] اس مضمون کو ہمارے رسالے النار الموقدہ کا ضمیمہ سمجھنا چاہیئے۔ [2] چونکہ ہم نے اپنے مضمون میں کتابوں کے حوالے ٹھیک ٹھیک دیئے ہیں جن سے ہر شخص بآسانی اپنے وہم و شک کو رفع کر سکتا ہے اس سبب سے ہم نے (بعض کم علم ناظرین کے خیال سے) تمام عربی اور فارسی عبارتوں کے اردو مطلب پر اکتفا کی ہے اور طول کے اندیشہ سے عربی اور فارسی عبارتوں کو نقل نہیں کیا۔

یہ جواب سن کر فرمایا اے فاطمہؑ اس امر میں تم کو اختیار ہے جو چاہو وہ کرو۔ بعد اس کے حضرتؑ نے قبرستان بقیع میں مدینہ سے علیحدہ ایک حجرہ رونے کے لئے اُس معصومہ کو بنوا دیا کہ نام اُس کا بیت الاحزان[1] ہے۔ پس جناب سیدہ کا معمول تھا کہ جب صبح ہوتی تو حسنین علیہما السلام آگے آگے اور آپ پیچھے روتی ہوئی قبرستانِ بقیع میں تشریف لیجاتی تھیں۔ اور وہاں جاکر دن بھر متصل رویا کرتی تھیں۔ پس جبکہ شام ہوتی تھی اُس وقت جناب امیرؑ قبرستانِ بقیع میں تشریف لیجاتے اور اپنے ساتھ اُس معصومہ کو گھر میں لاتے۔ جب وقت وفات جناب سیدہ کا قریب آیا تو بہت کچھ وصیت کی علی بن ابی طالبؑ کو منجملہ اُن وصیتوں کے یہ تھی کہ اے ابوالحسنؑ تم میرے جنازہ پر نماز پڑھنا اور مجھے شب کو دفن کرنا۔ اور نماز نہ پڑھے مجھ پر وہ امت کہ جنھوں نے عہد شکنی کی خدا و رسول سے امیر المومنینؑ کے باب میں اور ظلم کیا حق میں میرے اور چھین لی ارث میری اور پارہ کیا میری سند کو جو باب فدک میں میرے باپ نے مجھے لکھ دی تھی۔ اور تکذیب کی گواہوں کی میرے قسم بخدا کہ گواہ میرے حضرت جبرئیلؑ و میکائیلؑ اور جناب امیر المومنینؑ اور ام ایمن ہیں پس سزاوار نہیں ہے کہ یہ امت نماز پڑھے کیونکہ خدا و رسول ان سے بیزار ہیں۔ اور میں بھی ان سے آزردہ ہوں۔ پس جناب امیرؑ نے مطابق وصیت جناب سیدہ کے عمل فرمایا اور کسی کو اس حال (وفاتِ سیدہ) سے مطلع نہ کیا۔

یہ ہے مختصر کیفیت بیت الاحزان اور وفاتِ جناب سیدہ کی جو کتب شیعہ میں لکھی ہے۔

اب ہم یہ لکھتے ہیں کہ آیا ان روایات کا وجود یا ثبوت کتب اہلسنت میں بھی پایا جاتا ہے یا نہیں۔

صاحب حبیب السیر[2] لکھتے ہیں۔ کتب فریقین میں متعدد الطرق سے وارد ہوا ہے کہ جب آیہ کریمہ وآت ذی القربی حقہ[3] نازل ہوئی تو خواجہ کائنات نے مزرعۂ فدک فاطمہ زہراؑ کو دیدیا۔ اور امیر المومنین ابوبکر نے اپنے اوائل ایام خلافت میں اُس مزرعہ کو مع تمام متروکات سید کائنات داخل بیت المال کرلیا۔ اور پھر جناب فاطمہؑ کو نہ دیا اور جب علی کرم اللہ وجہہ اور فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا

---

[1] بیت بمعنی خانہ۔ احزان جمع حزن بمعنی غم پس بیت الاحزان یا بیت الحزن غمکدہ یا ماتم کدہ ۱۲ منہ

[2] مطبوعہ بمبئی جلد اول جزو سوم صفحہ ۹ یہ کتاب فارسی ہے ہم نے صرف اردو ترجمہ لکھدیا ہے۔

[3] اور دے تو (اے رسول) قرابت دار کو حق اوس کا۔

نے اس قضیہ میں اُن جناب سے گفتگو کی کہا کہ میں نے رسول خدا سے سنا ہے کہ فرمایا نحن معاشر الانبیاء لا نورث ولا نورث (ہم گروہ انبیا کا ورثہ نہیں ہوا کرتا نہ ہم کو ورثہ ملتا ہے نہ ہمارا ورثہ کسی کو ملتا ہے) اور کشف الغمہ میں (امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ بعد وفات رسول اللہ صلعم کے امیر المومنین علیؑ نے سیدۃ النساء سے کہا کہ جاؤ خلیفۂ رسول خدا کے پاس اور میراث اپنی طلب کرو۔ اور فاطمہؑ خلیفہ کے پاس گئیں اور فرمایا میراث میرے باپ کی مجھے دے۔ امیر المومنین ابوبکر نے کہا النبی لا یورث (یعنی نبی کا ورثہ نہیں ہوا کرتا) جناب فاطمہؑ نے کہا کیا سلیمان نے داؤد کا ورثہ نہیں پایا۔ پس ابوبکر غضبناک ہو کر بولے کہ نبی کا ورثہ نہیں ہوتا۔ فرمایا جناب فاطمہؑ نے الم یقل زکریا فھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب (کیا زکریا نے یہ دعا نہیں مانگی کہ بارالہا عطا کر تو مجھ کو ایک ولی جو وارث ہو میرا اور وارث ہو آل یعقوبؑ کا) فرمایا جناب ابوبکر نے کہ نبی کا ورثہ نہیں ہوا کرتا۔ پس ارشاد کیا جناب فاطمہؑ نے کہ خدائے تعالیٰ نے نہیں فرمایا یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین (خدائے تعالیٰ تم کو وصیت کرتا ہے کہ تمہاری اولاد کے بارہ میں مرد کا حصہ عورت کے حصے سے دوگنا ہے) پس کہا ابوبکر نے نبی کا ورثہ نہیں ہوتا۔ القصہ اس قضیہ میں درمیان امیر المومنین علیؑ اور فاطمہؑ اور شیخین رضی اللہ عنہم کے جیسا کہ بعض کتب مبسوط میں مذکور ہے بہت کچھ گفت و شنید واقع ہوئی۔ مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فدک اہلبیتؑ کو واپس نہیں دیا۔ اور نیز متروکات سیدۂ کائنات سے کچھ بھی بقول عذر آلو نہ دیا۔ اور یہ بات جمہور کے نزدیک عجیب و غریب و قابل وا امور سے ہے۔ ارباب اخبار بیان کرتے ہیں کہ جناب فاطمہ علیہا السلام حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصیبت میں گرفتار ہوئیں تو صبح سے شام اور شام سے صبح تک اس قدر گریہ وزاری اور نالہ و بے قراری کرتی تھیں کہ اہل مدینہ ان کی گریہ سے تنگ آگئے اور عرض کی کہ اے دختر پیغمبر خدا اگر آپ دن کو روتی ہیں تو رات کو چپ رہا کیجئے کہ ہمیں بھی آسائش حاصل ہو۔ پس جناب سیدہؑ راتوں کو مقابر شہدا میں جا کر رویا کرتی تھیں .... کسی نے فاطمہؑ کو مرتے دم تک ہنستے نہ دیکھا ... اور روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ جنازہ جناب سیدہؑ پر بقولے مرتضیٰ علیؑ نے اور بروایتی عباس نے نماز پڑھی اور دوسرے دن شیخین اور تمام اصحاب جناب سید البشر کے امیر المومنین حیدر پر عتاب کرنے لگے کہ ہم کو خبر کیوں نہ کی کہ ہم بھی فاطمہؑ کے جنازہ پر نماز پڑھنے کا شرف حاصل کرتے۔ شاہ ولایت پناہ نے فرمایا کہ میں نے سیدہ کی وصیت

کے سبب سے ایسا کیا۔" حبیب السیر جلد اول جزو سوم ص۵ اور روضۃ الصفا مطبوعہ نولکشور جلد دوم ص۱۶۱ او رمعارج النبوۃ مطبوعہ نولکشور رکن چہارم ص۲۲۷ میں لکھا ہے کہ۔

"حضرت رسالت پناہ نے فدک کی طرف امیر المومنین علیؑ کو بھیجا اور صلح جناب امیرؑ کے ہاتھوں واقع ہوئی۔ اس طرح کہ جناب امیرؑ ان کی جانوں کا قصد نہ کریں اور (حوائط فدک) خاص رسول اللہ صلعم کی ملکیت رہیں۔ پس جبرئیل نازل ہوئے اور کہا کہ حقتعالیٰ فرماتا ہے کہ حق خویشوں کا دیدے۔ آنحضرتؐ نے دریافت کیا کہ وہ خویش کون ہیں اور اُن کا حق کیا ہے۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ فاطمہؑ ہے حوائط فدک اُس کو دیدے اور جو کچھ فدک میں خدا و رسولؐ کا حصہ ہے وہ بھی اُسی کو دیدے اور پیغمبرؐ نے فاطمہؑ کو بُلایا اور اُن کو ایک سند لکھ دی اور وہی سند تھی کہ رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد فاطمہؑ نے ابوبکر کے سامنے پیش کی تھی اور کہا تھا کہ یہ نوشتہ رسولؐ ہے کہ میرے اور حسنؑ حسینؑ کے واسطے لکھا ہے۔"

سیرۃ الحلبیہ[۲] جلد سوم ص۴۰۱ اور صواعق محرقہ[۳] ص۲۲ کے بموجب فاطمہؑ نے فدک کا دعویٰ کیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلعم نے فدک مجھکو عطا کیا ہے۔ ابوبکر نے گواہ مانگا۔ علیؑ۔ ام ایمن حسنؑ حسینؑ اور ام کلثوم پیش کئے گئے۔ ان کی شہادت کو وجوہ اعتراض قائم کرکے نامنظور کیا گیا اور سیدہؑ کا دعویٰ خارج کر دیا گیا۔ ذرا آگے چل کر یہی صاحب سیرۃ الحلبیہ لکھتے ہیں "ابن جوزی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر نے فدک جناب فاطمہؑ کے لئے واگزاشت کرکے کاغذ لکھدیا تھا کہ عمر ابوبکر کے پاس آ پہنچے انھوں نے کہا کہ یہ کیا ہے۔ کہا کہ نوشتہ ہے کہ فاطمہؑ کو اُن کے باپ کی میراث کے بارہ میں لکھدیا ہے۔ کہا کہ پھر مسلمانوں کو کیا کھلاؤ گے۔ اور عرب سے تم کو لڑائی درپیش ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔ پس عمر نے وہ نوشتہ لیکر چاک کر ڈالا۔" معجم البلدان[۴] جلد ششم

---

[۱] حبیب السیر اور روضۃ الصفا اور معارج النبوۃ جو اہل السنت کی معتبر اور معتمد تاریخ و سیر کی کتابوں میں سے ہیں۔ فارسی زبان میں ہیں۔ ۱۲ [۲] علی ابن برہان الدین شافعی (المتوفی سنہ ۱۰۴۴ھ) کی مستند اور معتبر تالیف عربی زبان میں تین ضخیم جلدوں میں مصر کے مطبع ازہریہ میں چھپی ہے اس کا دوسرا نام انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون ہے۔ [۳] ابن حجر مکی کی مشہور و معتبر کتاب عربی زبان میں مطبوعہ مصر مطبع میمنیہ ۱۲۔ [۴] یاقوت حموی (المتوفی سنہ ۶۲۶ھ) کی مشہور تصنیف عربی زبان میں مع تکملہ دس مجلدوں میں مطبع سعادت مصر میں چھپی ہے۔ ۱۲

صفحہ ۳۴ اور فتوح البلدان بلاذری[1] صفحہ ۴۰ میں لکھا ہے کہ سنہ ۲۱۰ھ میں مامون نے حکم دیا کہ فدک بنی فاطمہؑ کو دے دیا جائے اور اپنے مدینہ کے عامل قثم بن جعفر کو لکھا کہ رسول اللہ صلعم نے فدک اپنی بیٹی جناب فاطمہؑ کو عطا کر دیا تھا اور یہ امر ظاہر اور مشہور تھا آنحضرت صلعم کی آل میں سے کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ فاطمہؑ اس پر ہمیشہ دعوے کرتی رہیں۔ میری رائے میں فدک فاطمہؑ کے وارثوں کو واپس اور حوالہ کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ بنی فاطمہؑ کو دیدیا گیا۔

فدک سے متعلق ان تمام روایات کا خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ (۱) فدک خدا کے حکم سے جناب رسالت مآب صلعم نے جناب فاطمہؑ کے نام لکھدیا تھا (۲) خلیفہ اول نے ضبط کر لیا (۳) جناب سیدہؑ نے دعوے کیا (۴) خلیفہ نے (اپنی مصنوعی مخالف قرآن) حدیث نحن معاشر الانبیاء الخ پیش کر کے اور سیدہؑ کے پیش کردہ گواہوں۔ علیؑ۔ ام ایمن حسنؑ حسینؑ اور ام کلثومؑ کی شہادت کو غیر معتبر اور ناکافی کہکر دعوے خارج کر دیا (۵) بعد میں سیدہؑ کے حجج و براہین قاطعہ سے جو اونھوں نے کلام اللہ سے پیش کیں معقول ہو کر واگذاشت فدک کی سند لکھدی۔ اوسی وقت عمرؓ آ پہونچے اور انتظام سلطنت کے واسطے روپیہ کی ضرورت ظاہر کر کے وہ سند چھین کر چاک کر ڈالی۔ اور فاطمہؑ فدک سے محروم کر دی گئیں (۶) جناب فاطمہؑ تا دم وفات اپنے فدک کے دعوے پر قائم رہیں مگر اون کو نہ دیا گیا (۷) جناب فاطمہؑ کو اپنے باپ کی میت سے ایسے صدمات اور ایسی تکلیفیں پہنچی تھیں کہ وہ اُن سے ایسی ناراضی اور غضبناکی کی حالت میں رحلت کر گئیں کہ اپنے جنازہ تک پر حاضر ہونے کی ممانعت کر گئیں۔

فدک کی بحث ہمارے نفس مضمون سے بہت کم تعلق رکھتی ہے۔ مگر چونکہ جناب سیدہؑ کی آخری وصیت میں اس کا ذکر آ گیا ہے۔ اس سبب سے ہم نے ضمناً سرسری طور سے اس پر بھی نظر ڈال دی ہے۔ ورنہ علمائے اعلام کی اس مادہ میں بڑی بڑی تصنیفات موجود ہیں اور اب بھی بیچارے اٹاوے کے کاریگر کے بے ہنگم ٹانکے جو اُس نے دہلی کے معمر بساطی کے کچے

[1] یہ کتاب احمد بن یحییٰ بلاذری (المتوفی ۲۷۹ھ) کی تصنیف عربی زبان میں مصر کے مطبع موضوعات میں چھپی ہے ۱۲ منہ

سوت کو بڑی محنت سے بٹکر اپنی آیات بینات کے جوڑ میں لگائے تھے کشف الظلمات کے تیز اوزار سے بڑی سہولت سے کاٹے اور اُدھیڑے جارہے ہیں۔

پس ہم اپنے اصل مضمون بیت الاحزان کی طرف رجوع کرتے ہیں:-

مولوی شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی مدینہ کی تاریخ جذب القلوب میں لکھتے ہیں "قبہ عباس سے قبلہ کی طرف مائل بشرق ایک مسجد جناب سیّدہ کی طرف منسوب ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ وہ بیت الحزن کرکے مشہور ہے۔ اس واسطے کہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غم میں آدمیوں میں رہنے سے متنفر ہوکر وہیں اقامت فرمائی تھی۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ جگہ وہ گھر ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بقیع میں لیا تھا۔ محدث مذکور نے اسی روایت کو اسی طرح اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں درج کیا ہے (دیکھو ترجمہ جذب القلوب مطبوعہ نول کشور ص۱۷۵ اور منہاج النبوۃ اردو ترجمہ مدارج النبوۃ جلد دوم ص۸۴۴)

سوانح عمری رسول کریم[1] مطبوعہ لاہور ص۱۱ میں لکھا ہے کہ مدینہ کے باب البقیع سے قریب ہی حضرت عباس اور حضرت امام حسنؑ کا مقبرہ ہے۔ اس قبہ کے برابر حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا کا بیت الحزن ہے حضرت رسول کریم کی وفات کے بعد آپ اسی مکان میں رہا کرتی تھیں۔ تاریخ آل امجاد[2] ص۱۷ میں مولف نے گورستان بقیع کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد ہمسایہ شدت گریہ فاطمہ زہراؑ سے رات کو سو نہیں سکتے تھے۔ اس سبب سے جناب سیّدہ دن بھر ایک درخت کے نیچے بیٹھکر رویا کرتی تھیں اُس (جگہ) کا نام بیت الحزن ہوگیا۔ مگر اکسیر التواریخ (جلد دوم ص۲۷) میں لکھا ہے "پس جناب فاطمہؑ کے واسطے ایک گھر بقیع میں بنایا گیا اور اس کا نام بیت الاحزان رکھا گیا"۔

اب ہم اپنے تمام مضمون کا خلاصہ ایک لائق سنی مصنف کی لفظوں میں لکھتے ہیں۔ مصنف مذکور مولوی صدرالدین احمد صاحب اپنی کتاب رواتح المصطفٰے[3] میں جناب فاطمہؑ کا حال

---

[1] مولوی حافظ حکیم ظہیر احمد صاحب کی اردو تصنیف مطبع خادم التعلیم لاہور میں چھپی ہے ۱۳۰۵ھ [2] یہ کتاب مولوی عبدالمجید صاحب مرحوم نے اپنے مطبع انصاری دہلی میں چھپوائی تھی ۱۲[3] مصنفہ مولوی صدرالدین احمد

لکھتے ہوئے ص۳۶ و ۳۷ میں تحریر کرتے ہیں کہ "بعد از وفات پیغمبر واقعات بسیار گزشتہ مثل معاملہ فدک و سقط شدن حمل او و تہدید نمودن عمر خطاب بنی ہاشم را کہ در خانہ زہرا اجتماع نمودہ بودند و نالہ و شیون نمودن حضرت زہرا پیش انصار طولی وارد ذکرش ناکردن اولے ترست۔ وصیت نمودن حضرت زہرا کہ ہیچکس بر جنازہ او حاضر نشود دلیل صریح است برآنکہ حضرت زہرا آزردہ و ملول از دنیا رفت اکنوں تاویل ہر چہ خواہند بکنند۔ الغرض ما از مشاجرات صحابہ عنان قلم منصرف نمودیم زہرا بعد از وفات پدر بزرگوار از خود خانۂ در جنت البقیع گرفتہ آنرا بیت الحزن مقرر نمودہ اکثر ایام در آنجا بسر می برد۔ و مرثیہ براے پیغمبر انشاء نمودہ یک بیت از اول آں قصیدہ اینست ؎

صبت علیّ مصائب لو انھا ؛ صبت علی الایام صرن لیالیا

(ترجمہ) پیغمبر خدا کی وفات کے بعد بہت سے واقعات گزرے مثل معاملہ فدک اور اسقاط حمل جناب سیدہ اور عمر خطاب کا بنی ہاشم کو دھمکانا جو خانۂ جناب زہرا میں جمع ہوئے تھے اور نالہ و شیون کرنا حضرت زہرا کا انصار کے سامنے طول طویل معاملے ہیں۔ اُن کا نہ ذکر کرنا بہتر ہے۔ وصیت کرنی جناب سیدہ کی کہ کوئی اون کے جنازہ پر حاضر نہ ہو صریح دلیل ہے۔ اس بات پر کہ حضرت زہرا آزردہ اور ملول دنیا سے گئیں۔ اب بیٹھے ہوئے جو چاہو تاویل کیا کرو۔ الغرض ہم صحابہ کے مشاجرات سے قلم کو روکتے ہیں۔ جناب زہرا نے اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد ایک مکان جنت البقیع میں اختیار کر لیا تھا اور اُس کو بیت الحزن (ماتم کدہ) بنا کر اکثر ایام وہیں بسر کرتی تھیں۔ ایک مرثیہ جناب پیغمبر کے واسطے کہا تھا کہ اُس قصیدہ کی اول میں ایک بیت یہ ہے" اے پدر بزرگوار آپکی وفات کے بعد مجھ پر وہ مصیبتیں گزریں کہ اگر وہ مصیبتیں دنوں پر پڑتیں تو وہ دن راتیں ہو جاتے")

(بقیہ حاشیہ ص۲۴۲)

لوہاری بزبان فارسی مطبع احمدی کانپور میں چھپی ہے۔ مصنف مذکور نے اپنی کتاب کے ص۲۱ میں حضرت صاحب الامر کے وفات پا جانے کا اعتقاد ظاہر کیا ہے۔ اور اُن حضرت کے معجزات جو شواہد میں نقل ہیں اُن کو غیر معتمد کہکر انکار کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کیسے شدید اہل تسنن تھے کہ مولوی جامی سے بھی بڑھکر ہوئے ہیں ۱۲ منہ

مصنف علام نے ان چند سطروں میں غور کرنے کے واسطے بہت کچھ لکھ دیا ہے۔ والعاقل تکفیہ الاشارۃ۔

ہم نے یہاں صرف واقعات کو لکھا ہے اور ہر امر کا تاریخی ثبوت دیا ہے جسکی غرض صرف اسقدر ہے کہ جو حضرات واقعات سے انکار کرتے ہیں وہ سمجھیں کہ شیعوں کا دعوے کس قدر مدلل ہوتا ہے کہ ہر دعوے ایک نہیں صدہا کتب اہل سنت سے ثابت ہے۔

رہا نتیجہ وہ سمجھ بوجھ سے متعلق ہے۔ ممکن ہے کوئی یہ سمجھے کہ جو سلوک جناب سیدہ کے ساتھ بوجہ مطالبہ فدک کیا گیا وہی حق تھا جیسا کہ مولوی عبدالعلی صاحب نے مسلم الثبوت میں لکھا ہے اور ممکن ہے کہ کوئی انسانی ہمدردی دل رکھنے والا اسکے برعکس نتیجہ نکالے کہ یہ وہ ظلم ہے جو نہ ابتدا اے آفرینش سے آج تک ہوا اور نہ ہوگا۔ جس سے وہ تعمیل حکم خدا ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعدلھم عذاباً مھینا والذین یوذون المومنین والمومنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتاناً و اثما مبینا (سورۃ احزاب)

لعنت کرتے ہیں۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے جو لوگ خدا ورسولؐ کو ایذا دیتے ہیں ان پر خدا کی لعنت ہے۔ اور جو لوگ مومنین و مومنات کو ایذا دیتے ہیں تو اونھوں نے بہتان اور گناہ عظیم کا بوجھا اپنے سر پر رکھا۔ فقط

ایس ذاکر حسین جعفر

ضروری سوال اب یہ نہایت اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے جناب سیدہ کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا۔ اس میں موصوف نے احکام خدا کی پابندی یا حضرت رسول خدا صلعم کے قول و فعل کی پیروی۔ یا کفار مکہ و مدینہ کی اقتداء کی یا اپنے ذاتی اجتہاد سے کام لیا۔ بس یہی چار صورتیں ہو سکتی ہیں۔ احکام خدا کی پابندی تو ہو نہیں سکتی اس لئے کہ اُس نے کہیں یہ حکم نہیں دیا ہے کہ جو شخص کسی کی بیعت نہیں کرے اس کے بازو پر کوڑے مارو۔ اس کے پہلو پر دروازہ گرا دو۔ اس کے گلے میں رسی باندھ کر کشاں کشاں لاؤ۔ اور اس کے گھر کو جلا کر پھونک دو۔ جب اپنے کو معبود منوانے۔ اپنی وحدانیت کا اقرار کرانے اور اپنی بندگی کرانے کے لئے اس نے ان باتوں کو پسند نہیں کیا تو اپنے کسی بندے کی بیعت کی غرض سے کیونکر ان سختیوں کو گوارا کر سکتا ہے۔ اسی طرح کسی نبی کو پیشوا اور ہادی ماننے کے لئے بھی خدا نے ان صورتوں کی اجازت نہیں دی۔ خود حضرت سید الانبیاء والمرسلین کا کلمہ پڑھنے اور دین اسلام قبول کرنے کے لئے بھی اس نے ان امور کو منظور نہیں کیا بلکہ صاف صاف فرما دیا لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی۔ مذہب کے متعلق کوئی زبردستی نہیں ہے۔ حق کا راستہ گمراہی سے واضح ہو چکا ہے جو چاہے اس کو اختیار کرے اور جو چاہے گمراہ رہے (پ ۳۔ رکوع ۲) فان اسلموا فقد اھتدوا وان تولوا فانما علیک البلاغ۔ اگر یہ لوگ اسلام قبول کریں گے تو بے کھٹکے راہ راست پر آجائیں گے اور اگر منہ پھیریں گے تو اے رسول تم پر صرف اسلام کا پہونچا دینا فرض ہے (پ ۳۔ ع ۱۰) من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ومن تولے فما ارسلناک علیھم حفیظا۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے روگردانی کی تو تم کچھ خیال نہ کرو کیونکہ ہم نے تم کو ان لوگوں کا پاسبان مقرر کر کے تو بھیجا نہیں ہے (پ ۵۔ ع ۸) تم ان لوگوں پر کسی قسم کا جبر دینے کے لئے نہیں مقرر کئے گئے ہو جو ہمارے عذاب کے وعدے سے ڈرے بس اس کو تم صرف قرآن کے ذریعہ نصیحت کرتے رہو (پ ۲۶۔ رکوع ۱۷) فذکر انما انت مذکر لست علیھم بمصیطر الا من تولے و کفر فیعذبہ اللہ العذاب الاکبر۔ ان الینا ایابھم ثم ان علینا حسابھم۔ اے رسول تم ان لوگوں کی نصیحت کئے جاؤ۔ تمہارا کام تو بس نصیحت ہی

وما انت علیھم بجبار فذکر بالقرآن من یخاف وعید۔ اے رسول

کرتے رہنا ہے۔ تم کچھ ان پر داروغہ تو ہو نہیں۔ بس جس نے منہ پھیر لیا اور تمہاری باتیں نہ مانیں اس کی سزا خدا کے ذمہ ہے کہ وہی اس پر بڑا عذاب کرے گا۔ بیشک ان سب کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے۔ پھر ان کا حساب بھی ہمارے ہی ذمہ ہے (پ۳۰ ع ۱۳)۔ واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واحذروا فان تولیتم فاعلموا انما علےٰ رسولنا البلاغ المبین۔ اور خدا کا حکم مانو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور نافرمانی سے بچے رہو۔ اس پر بھی اگر تم نے (حکم خدا سے) منہ پھیرا تو سمجھ رکھو کہ ہمارے رسولؐ پر بس صاف صاف پیغام پہونچا دینا فرض ہے۔ پھر کرو چاہے نہ کرو تم کو اختیار ہے (پ ۷ ع ۲)۔ ماعلے الرسول الا البلاغ ہمارے رسولؐ پر پیغام پہونچا دینے کے سوا کچھ فرض نہیں ہے (پ۷ ع ۳)۔ فان تولوا فانما علیک البلاغ المبین اگر یہ لوگ ایمان سے منہ پھیریں تو اے رسولؐ تمہارا فرض صرف احکام کا صاف صاف پہونچا دینا ہے بس (پ۱۴ ع ۱۷)۔ غرض اس مضمون کی آیتیں قرآن مجید میں بھری ہوئی ہیں کہ اگر کوئی شخص رسولؐ کو نہ مانے تو رسولؐ بس اس کو سمجھا دیں اور احکام خدا پہونچاتے رہیں۔ اس سے زیادہ کسی کارروائی کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر یا حضرت عمر حضرت رسولؐ کی خلافت یا نیابت ہی کے لئے یہ سب کارروائیاں کرتے رہے۔ پھر جن باتوں کا حکم خدا نے حضرت رسولخدا صلعم کو بھی نہیں دیا وہ باتیں ان لوگوں نے کیوں ایجاد کیں؟ ان صاحبوں کی ان باتوں سے کس قدر عقل کو حیرت ہوتی ہے کہ جن چیزوں کو خدا اور رسولؐ نے کفار و منافقین تک کے لئے جائز نہیں سمجھا ان کو انھوں نے حضرت علیؑ اور رسول زادی کے لئے نہ صرف جائز سمجھا بلکہ کر ڈالا۔ کفار تک سے مناسب برتاؤ کی تعلیم قرآن مجید نے دے دی ہے مگر ان حضرات نے اس کو بھی پس پشت ڈال دیا۔ اور جو ان کے دل میں آیا اس پر کاربند ہو گئے۔ حضرت موسےٰؑ و ہارونؑ خدا کے پیغمبر تھے اور فرعون کافر ہی نہیں تھا بلکہ اس سے بھی بڑھا ہوا کہ خدائی کا دعویدار اور اللہ کا مقابل بنتا تھا۔ اب دیکھو خدا ایسے سرکش سے کس برتاؤ کی تعلیم دیتا ہے۔ جناب موسےٰؑ سے فرماتا ہے اذھب انت واخوک بایاتی ولا تنیا فی ذکری۔ اذھبا الی فرعون انہ طغیٰ فقولا لہ قولا لینا لعلہ یتذکر او یخشیٰ۔ قالا ربنا اننا نخاف

ان یفرط علینا او ان یطغی ۔ قال لا تخافا اننی معکما اسمع وارے ۔ فاتیاہ فقولا انا رسولا ربک فارسل معنا بنی اسرائیل ولا تعذبھم قد جئناک بآیۃ من ربک والسلام علی من اتبع الھدے ۔ اے موسےٰ تم اپنے بھائی (ہارون) سمیت ہمارے معجزے لیکر جاؤ اور دیکھو ہماری یاد میں سستی نہ کرنا ۔ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ ۔ بے شک وہ بہت سرکش ہوگیا ہے ۔ پھر اس کے پاس پہونچکر نرمی سے باتیں کرنا کہ اس کا دل نصیحت ماننے پر آمادہ ہوسکے یا خدا سے ڈرے ۔ دونوں نے عرض کی اے ہمارے پروردگار ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے ۔ یا اور زیادہ سرکشی نہ کرنے لگے خدا نے فرمایا تم دونوں ڈرو نہیں ۔ میں تمہارے ساتھ ہوں اور سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہوں ۔ غرض تم دونوں اسکے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم آپ کے پاس آپ کے پروردگار کے رسول ہیں ۔ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے اور انہیں ستایئے نہیں ۔ ہم آپ کے پاس آپ کے پروردگار کا معجزہ لیکر آئے ہیں اور جو شخص راہ راست کی پیروی کرے اُسی کے لئے سلامتی ہے (پ ۱۶ ۔ع ۱۱) ۔ ان آیات کے ایک ایک لفظ پر غور کرو اور حضرت عمر کی کارروائیوں سے ملاؤ ۔ فرعون خدا کا منکر ۔ خود ہی خدائی کا مدعی ہے ۔ اور جو چاہتا ہے اسی دعوے کے مطابق خدا کے مقابلہ میں کرتا رہتا ہے ۔ اس پر خدا کا غضب کس درجہ ہونا چاہیئے ۔ اور اس کو خدا کن کن سختیوں کا مستحق سمجھتا ہوگا ۔ ایسے شخص کے ساتھ سخت سے سخت ترین برتاؤ کا حکم دیتا جب بھی قابل اعتراض نہیں ہوتا لیکن وہ کسی زیادتی کی اجازت نہیں دیتا بلکہ حضرت موسےٰ و ہارون کو سخت باتیں کرنے سے بھی منع کرکے فرماتا ہے قولا لہ قولا لینا اس سے باتیں تک نرمی سے کرنا ۔ خدا تو اپنے مخالف کے لئے یہ فرمائے ۔ اور حضرت عمر اپنے مخالف نہیں بلکہ صرف غیر مطیع کے لئے آگ لکڑی لے جائیں ۔ اس پر اس کے مکان کا دروازہ گرادیں ۔ اس پر خاردار کوڑہ ماریں ۔ اور ان سب کے قتل پر آمادہ ہوجائیں !!! اس پر صاحبان عقل گھبراکر پوچھ سکتے ہیں کہ کیا حضرت عمر نے اپنا درجہ خدا سے زیادہ سمجھا یا اپنے اختیارات کو خدا کے اختیارات سے زیادہ قرار دیا ۔ یا حضرت سیدہ کے بیعت نہ کرنے کو فرعون کی فرعونیت سے زیادہ قرار دیا ۔ یہاں ذرہ نمرود کے متعلق بھی خدا کا برتاؤ دیکھ لو ۔ خدا فرماتا ہے الم تر الی الذی حاج ابراھیم فی ربہ ان آتاہ اللہ الملک

اذ قال ابراہیم ربی الذی یحیی و یمیت۔ قال انا احی و امیت قال ابراہیم فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب فبھت الذی کفر۔ اے رسول کیا تم نے اس شخص (نمرود کے حال) پر نظر نہیں کی جو صرف اس برتے پر کہ خدا نے اسے سلطنت دے رکھی تھی ابراہیم سے ان کے پروردگار کے بارے میں الجھ پڑا کہ جب ابراہیم نے اس سے کہا میرا پروردگار تو وہ ہے جو لوگوں کو جلاتا اور مارتا ہے تو وہ بھی شیخی میں آکر کہنے لگا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا اچھا خدا تو آفتاب کو پورب سے نکالتا ہے بھلا تم اس کو پچھم سے تو نکال کر دکھا دو۔ اس پر وہ کافر مبہوت ہو کر رہ گیا (پ ۳ ع ۳) بس صرف عقلی مباحثہ تک یہ مقابلہ رہا۔ نہ کوئی زیادتی کی گئی۔ نہ کوئی سختی روا رکھی گئی۔ اور نہ کوئی زور آزمائی کی گئی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ شاید حضرت عمر نے ان سختیوں میں حضرت رسولخدا صلعم کے احکام و اعمال کی پیروی کی ہو۔ مگر افسوس ایسا بھی نہیں ہے۔ اول تو آنحضرتؐ کا کوئی قول و فعل قرآن مجید کے خلاف ہو تا ہی نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ حضرتؐ کی پوری زندگی کو مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک پڑھ جاؤ کہیں بھی تم کو حضرتؐ کا یہ برتاؤ کسی شخص کے ساتھ بھی نہیں ملے گا جو حضرت عمر نے جناب سیدہ اور حضرت علیؑ کے ساتھ کیا۔ اگر کہا جائے کہ مکہ معظمہ میں حضرتؐ خود ہی بے بس تھے۔ کفار کی سختیوں کا جواب کیونکر دیتے۔ تو کہا جائیگا کہ مدینہ میں تشریف لانے کے بعد تو حضرتؐ کی قوت و شوکت بہت بڑھ گئی تھی اور کفار و منافقین کا مقابلہ برابر ہوتا ہی رہتا تھا۔ پھر کیا آنحضرت صلعم نے بھی اپنے کسی نہ ماننے والے کے بازوؤں پر کوڑے بازی کی؟ کسی کے خود ہی قتل کا ارادہ کیا؟ کسی کے گھر پر آگ لکڑی منگائی یا بھیجی تاکہ اس کے رہنے والوں کو اس میں جلا دیں؟ کسی کو گرفتار کرکے زبردستی اپنے دربار میں بلایا؟ حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے مخالفوں کے ساتھ ایسا کوئی برتاؤ بھی کیا ہو تو کوئی شخص بیان کرے حضرتؐ کا جو سلوک اپنے مخالفین کے ساتھ ہوتا تھا اس کو بھی دیکھ لو تاکہ تم کو موازنہ کرنے کا موقع ملے کہ رسولؐ نے کیا کیا اور حضرت عمر نے حضرتؐ کی خلافت کی شان کس طرح دکھائی۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "ارباب سیر نے تصریح کی ہے اور تمام واقعات شاہد ہیں کہ آنحضرتؐ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ صحیحین میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے کبھی کسی سے اپنے

ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا۔ بجز اس صورت کے کہ اس نے احکام الہی کی تفضیح کی ہو جنگ احد کی شکست سے زیادہ رؤساء طائف کے تحقیر آمیز برتاؤ کی یاد خاطر اقدس پر گراں تھی تاہم دس برس کے بعد غزوۂ طائف میں جب وہ ایک طرف منجنیق سے مسلمانوں پر پتھر برسا رہے تھے تو دوسری طرف ایک سراپائے علم وعفو انسان (خود آنحضرت صلعم) یہ دعا مانگ رہا تھا کہ خدایا انہیں سمجھ عطا کر اور ان کو آستانۂ اسلام پر جھکا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ۹ھ میں جب ان کے وفد نے مدینہ کا رخ کیا تو آپ نے صحن مسجد میں ان کو مہمان اتارا اور عزت وحرمت کے ساتھ ان سے پیش آئے۔ قریش نے آپ کو گالیاں دیں، مارنے کی دھمکی دی، راستوں میں کانٹے بچھائے، جسم اطہر پر نجاستیں ڈالیں۔ گلے میں پھندا ڈالکر کھینچا۔ آپکی شان میں گستاخیاں کیں۔ نعوذ باللہ کبھی جادوگر کبھی پاگل کبھی شاعر کہا لیکن آپ نے کبھی ان کی باتوں پر برہمی ظاہر نہیں فرمائی۔ غریب سے غریب آدمی بھی جب کسی مجمع میں جھٹلایا جاتا ہے تو وہ غصہ سے کانپ اٹھتا ہے۔ ایک صاحب جنہوں نے آنحضرت صلعم کو ذی المجاز کے بازار میں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے دیکھا تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ حضور فرما رہے تھے "لوگو لا الہ الا اللہ کہو تو نجات پاؤ گے"۔ پیچھے پیچھے ابوجہل تھا وہ آپ پر خاک اڑا اڑا کر کہہ رہا تھا "لوگو! اس شخص کی باتیں تم کو اپنے مذہب سے برگشتہ نہ کر دیں۔ یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے دیوتاؤں لات وعزیٰ کو چھوڑ دو"۔ راوی کہتا ہے کہ آپ اس حالت میں اس کی طرف مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے (مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۶۳)

سب سے بڑھکر طیش اور غضب کا موقع افک کا واقعہ تھا جب کہ منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ کو نعوذ باللہ تہمت لگائی تھی۔ حضرت عائشہ آپ کی محبوب ترین ازواج اور حضرت ابوبکر جیسے یار غار اور افضل الصحابہ کی صاحبزادی تھیں، شہر منافقوں سے بھرا پڑا تھا، جنہوں نے دم بھر میں اس خبر کو اس طرح پھیلا دیا کہ سارا مدینہ گونج اٹھا دشمنوں کی شماتت، ناموس کی بدنامی، محبوب کی تفضیح یہ باتیں انسانی صبر وتحمل کے پیمانے میں نہیں سما سکتیں۔ تاہم رحمت عالم نے ان سب باتوں کے ساتھ کیا کیا؟ تہمت کا تمام تر بانی رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی تھا اور آپ کو اس کا بخوبی علم تھا بایں ہمہ آپ نے صرف اس قدر کیا کہ مجمع عام میں منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا مسلمانو! جو شخص میرے ناموس کے

متعلق مجھ کو ستاتا ہے اُس سے میری داد کون لے سکتا ہے؟ حضرت سعد بن معاذؓ غصہ سے بے تاب ہو گئے اور اُٹھ کر کہا میں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ آپ نام بتائیں تو اس کا سر اُڑا دوں۔ سعد بن عبادہ نے جو عبداللہ بن ابی کے حلیف تھے مخالفت کی اور اس پر دونوں طرف کے حمایتی کھڑے ہو گئے قریب تھا کہ تلواریں کھنچ جائیں آپ نے دونوں کو ٹھنڈا کیا... قریش نعوذ باللہ آنحضرتؐ کو گالیاں دیتے تھے۔ بُرا بھلا کہتے تھے۔ ضد سے آپ کو محمدؐ (تعریف کیا گیا) نہیں کہتے تھے بلکہ مذمم (مذمت کیا گیا) کہتے تھے لیکن آپ اس کے جواب میں اپنے دوستوں کو خطاب کرکے صرف اسی قدر فرمایا کرتے کہ تمہیں تعجب نہیں آتا کہ اللہ تعالےٰ قریش کی گالیوں کو مجھ سے کیونکر پھیرتا ہے، وہ مذمم کو گالیاں دیتے اور مذمم پر لعنت بھیجتے ہیں اور میں محمدؐ ہوں... **دشمنوں سے عفو و درگزر اور حسن سلوک** انسان کے ذخیرۂ اخلاق میں سب سے زیادہ کم یاب اور نادرالوجود چیز دشمنوں پر ترحم اور اُن سے عفو و درگزر ہے لیکن حامل وحی و نبوت کی ذات اقدس میں یہ جنس فراواں تھی۔ دشمن سے انتقام لینا انسان کا قانونی فرض ہے۔ لیکن اخلاق کے دائرہ شریعت میں آ کر یہ فرضیت بدل کر مکروہ تحریمی بن جاتی ہے۔ تمام روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ آپ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ دشمنوں سے انتقام کا سب سے بڑا موقع فتح حرم کا دن تھا جب کہ وہ کینہ خواہ سامنے آئے جو آنحضرت صلعم کے خون کے پیاسے تھے اور جن کے دست ستم سے آپ نے طرح طرح کی اذیتیں اٹھائی تھیں لیکن اُن سب کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم طلقاء۔ تم پر کوئی ملامت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

وحشی جو اسلام کے قوت بازو اور آنحضرتؐ کے عزیز ترین چچا حضرت حمزہؓ کا قاتل تھا مکہ میں رہتا تھا۔ جب مکہ میں اسلام کی قوت نے ظہور کیا وہ بھاگ کر طائف آیا۔ طائف نے بھی آخر سر اطاعت خم کیا اور وحشی کے لئے یہ بھی مامن نہ رہا لیکن اُس نے سنا کہ آنحضرت صلعم سفراء سے کبھی سختی کے ساتھ پیش نہیں آتے۔ ناچار خود رحمت عالم کے دامن میں پناہ لی اور اسلام قبول کیا۔ آنحضرت صلعم نے صرف اس قدر فرمایا کہ میرے

سامنے نہ آیا کرنا کہ تم کو دیکھ کر مجھے چچا کی یاد آتی ہے۔
ہندہ ابوسفیان کی بیوی جس نے حضرت حمزہ کا سینہ چاک کیا اور دل و جگر کے ٹکڑے کئے فتح مکہ کے دن نقاب پوش آئی کہ آنحضرت صلعم پہچان نہ سکیں اور بےخبری میں بیعت اسلام کر کے سند امان حاصل کر لے۔ پھر اس موقع پر بھی گستاخی سے باز نہ آئی، آنحضرت صلعم نے ہندہ کو پہچان لیا۔ لیکن اس واقعہ کا ذکر تک نہ فرمایا۔ ہندہ اس کرشمۂ اعجاز سے متاثر ہو کر بے اختیار بول اٹھی یا رسولؐ اللہ! آپ کے خیمہ سے مبغوض تر خیمہ کوئی میری نگاہ میں نہ تھا لیکن آج آپ کے خیمہ سے کوئی زیادہ محبوب خیمہ میری نگاہ میں دوسرا نہیں...
ابوسفیان اسلام سے پہلے جیسے کچھ تھے غزوات نبوی کا ایک ایک حرف اس کا شاہد ہے، بدر سے لیکر فتح مکہ تک جتنی لڑائیاں اسلام کو لڑنی پڑیں ان میں سے اکثر میں ان کا ہاتھ تھا لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب وہ گرفتار کر کے لائے گئے اور حضرت عباس ان کو لیکر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ اُن کے ساتھ محبت سے پیش آئے، حضرت عمر نے گزشتہ جرائم کی یاداش میں اُن کے قتل کا ارادہ کیا لیکن آپ نے منع فرمایا اور نہ صرف یہ بلکہ اُن کے گھر کو امن و امان کا حرم بنا دیا، فرمایا کہ "جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اُس کا قصور معاف ہوگا"۔
کیا دنیا کے کسی فاتح نے اپنے دشمن کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے؟... قریش کی ستمگری و جفاکاری کی داستان دُہرانے کی ضرورت نہیں، یاد ہوگا کہ شعب ابی طالب میں تین برس تک ان ظالموں نے آپ کو اور آپ کے خاندان کو اس طرح محصور کر رکھا تھا کہ غلہ کا ایک دانہ اندر پہنچ نہیں سکتا تھا۔ بچے بھوک سے روتے تھے اور تڑپتے تھے اور یہ بے درد ان کی آوازیں سُنکر ہنستے اور خوش ہوتے تھے لیکن معلوم ہے کہ رحمت عالم نے اس کے معاوضہ میں قریش کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ مکہ میں غلہ یمامہ سے آتا تھا، یمامہ کے رئیس یہی ثمامہ بن آثال تھے، مسلمان ہو کر جب یہ مکہ گئے تو قریش نے تبدیل مذہب پر ان کو طعنہ دیا، انھوں نے غصہ سے کہا کہ "خدا کی قسم اب رسول اللہ صلعم کی اجازت کے بغیر گیہوں کا ایک دانہ نہیں ملے گا"۔ اس بندش

سے مکہ میں اناج کا کال پڑ گیا۔ آخر گھبرا کر قریش نے اُس آستانہ کی طرف رجوع کیا جس سے کوئی سائل کبھی محروم نہیں گیا۔ حضور کو رحم آیا اور کہلا بھیجا کہ بندش اُٹھا لو۔ چنانچہ حسب دستور غلہ جانے لگا۔

کفار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ:۔ کفار کے ساتھ آپ کے حسن خلق کے بہت سے واقعات مذکور ہیں لیکن مورخین یورپ مدعی ہیں کہ یہ اُس وقت تک کے واقعات ہیں جب تک اسلام ضعیف تھا اور مجاملت اور لطف و آشتی کے سوا چارہ نہ تھا۔ اسلئے ہم اس عنوان کے نیچے صرف وہ واقعات نقل کریں گے جو اس زمانہ کے ہیں جب کہ مخالفین کی قوتیں پامال ہو چکی تھیں اور آنحضرت صلعم کو پورا اقتدار حاصل ہو چکا تھا...

یہود و نصاریٰ کے ساتھ برتاؤ:۔ خلق عمیم میں کافر و مسلم، دوست دشمن عزیز و بیگانہ کی تمیز نہ تھی، ابر رحمت دشت و چمن پر یکساں برستا تھا۔ یہود کو آنحضرت صلعم سے جس شدت کی عداوت تھی اُسکی شہادت غزوہ خیبر تک کے ایک ایک واقعہ سے ملتی ہے لیکن آپ کا طرز عمل مدت تک یہ رہا کہ جن امور کی نسبت مستقل حکم نازل نہ ہوتا آپ ان میں انھیں کی تقلید فرماتے...

دشمنانِ جان سے عفو و درگزر:۔ جانی دشمنوں اور قاتلانہ حملہ آوروں سے عفو و درگزر کا واقعہ پیغمبروں کے صحیفۂ اخلاق کے سوا اور کہاں مل سکتا ہے جس شب کو آپنے ہجرت فرمائی ہے کفار قریش کے نزدیک یہ طے شدہ تھا کہ صبح کو محمدؐ کا سر قلم کر دیا جائیگا اس لئے دشمنوں کا ایک دستہ رات بھر خانۂ نبوی کا محاصرہ کئے کھڑا رہا، اگرچہ اس وقت ان دشمنوں سے انتقام لینے کی آپ میں ظاہری قوت نہ تھی لیکن ایک وقت آیا جب انہیں سے ایک ایک شخص کی گردن اسلام کی تلوار کے نیچے تھی۔ اور اسکی جان صرف آنحضرت صلعم کے رحم و کرم پر موقوف تھی لیکن ہر شخص کو معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی شخص اس جرم میں کبھی مقتول نہیں ہوا۔

ہجرت کے دن قریش نے آنحضرت صلعم کے سر کی قیمت مقرر کی تھی۔ اور اعلان کیا تھا کہ جو محمدؐ کا سر لائے گا یا زندہ گرفتار کرے گا اس کو سو اونٹ انعام میں دیئے

جائیں گے، سراقہ بن جعشم پہلے شخص تھے جو اس نیت سے اپنے صبا رفتار گھوڑے
پر سوار ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے آپ کے قریب پہنچے۔ آخر دو تین دفعہ کرشمۂ اعجاز
دیکھ کر اپنی نیتِ بد سے توبہ کی اور خواہش کی کہ مجھ کو سند امان دی جائے۔ چنانچہ
سند امان لکھ دی گئی۔ اس کے آٹھ برس کے بعد فتح مکہ کے موقع پر وہ حلقۂ اسلام
میں داخل ہوئے اور اس جرم کے متعلق ایک حرف سوال بھی درمیان میں نہیں
آیا... فتح مکہ کے زمانہ میں ایک دفعہ اسّی آدمیوں کا ایک دستہ منہ اندھیرے
جبل تنعیم سے اُتر کر آیا اور چھپ کر آنحضرت صلعم کو قتل کرنا چاہا۔ اتفاق سے وہ
لوگ گرفتار ہو گئے لیکن آنحضرت صلعم نے ان کو چھوڑ دیا اور کچھ تعرض نہیں کیا...

دشمنوں کے حق میں دعائے خیر:۔ دشمنوں کے حق میں بد دعا کرنا انسان کی فطری
عادت ہے لیکن پیغمبروں کا مرتبہ عام انسانی سطح سے بدرجہا بلند ہوتا ہے جو لوگ ان کو
گالیاں دیتے ہیں وہ اُن کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں اور جو اُن کے تشنۂ خون
ہوتے ہیں وہ ان کو پیار کرتے ہیں۔ ہجرت سے قبل مکہ میں مسلمانوں پر اور خود
آنحضرت صلعم پر جو پیہم مظالم ہو رہے تھے اس داستان کے دہرانے کے لئے بھی
سنگ دلی درکار ہے۔ اسی زمانہ میں خبّاب بن ارتؓ ایک صحابی نے عرض کی کہ یا
رسول اللہ! دشمنوں کے حق میں بد دعا فرمائیے۔ یہ سُن کر چہرۂ مبارک سُرخ ہو گیا۔
ایک دفعہ چند صاحبوں نے مل کر اسی قسم کی بات کہی تو فرمایا "میں دنیا کے لئے لعنت
نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

مستورات کے ساتھ برتاؤ:۔ دنیا میں یہ صنفِ ضعیف (عورتیں) چونکہ ہمیشہ
ذلیل رہی ہے اس لئے کسی نامور شخص کے حالات میں یہ پہلو کبھی پیشِ نظر نہیں رہا
کہ اس مظلوم گروہ کے ساتھ اس کا طریقِ معاشرت کیا تھا، اسلام دنیا کا سب سے
پہلا مذہب ہے جس نے عورتوں کی حق رسی کی اور عزت و منزلت کے دربار میں
ان کو مردوں کے برابر جگہ دی۔ اس لئے شارعِ اسلام کے واقعاتِ زندگی
میں ہم کو یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ مستورات کے ساتھ اُن کا طرزِ عمل کیا تھا۔۔ عورتیں
عموماً نہایت دلیری کے ساتھ آپ سے بے محابا مسائل دریافت کرتی تھیں اور صحابہ

کو اُن کی جرأت پر حیرت ہوتی تھی لیکن آپ کسی قسم کی ناگواری نہیں ظاہر فرماتے
تھے۔ چونکہ عورتیں عموماً نازک طبع اور ضعیف القلب ہوتی ہیں ان کی خاطرداری کا
نہایت خیال رکھتے تھے۔

رحمت و محبت عام:۔ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک تمام دنیا کے
لئے رحمت بنکر آئی تھی ... تم آنحضرت صلعم کے حلم و عفو مسامحت و درگزر کے سیکڑوں
واقعات پڑھ چکے نظر آیا ہوگا کہ اس خزانۂ رحمت میں دوست دشمن کافر مسلم، بوڑھے
بچے۔ عورت مرد، آقا و غلام، انسان و حیوان ہر ایک صنفِ ہستی برابر کی حصہ دار
تھی ... آپ نے دنیا کو پیغام دیا لا تحاسدوا ولا تباغضوا وکونوا عباد اللہ
اخوانا۔ ایک دوسرے پر بغض و حسد نہ کرو۔ اے خدا کے بندو! سب آپس میں
بھائی بھائی بن جاؤ۔ ایک اور حدیث میں حکم فرمایا احبّ للناس ما تحب
لنفسک تکن مسلما۔ لوگوں کے لئے وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو تو مسلم
بنو گے ... آپ نے فرمایا لا یومن احدکم حتی یحب للناس ما یحب لنفسہ
وحتی یحب المرء لا یحبہ الا للہ عزوجل۔ تم میں سے کوئی اُس وقت تک
کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ سب لوگوں کے لئے وہی محبوب نہ رکھے
جو اپنے لئے رکھتا ہے اور جب تک وہ دوسرے کو بے غرض صرف خدا کے
لئے پیار نہ کرے" (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ ص۲۸۳ تا ۳۱۳) [1]

تیسری صورت یہ ہے کہ حضرت عمر نے جناب سیدہ کے ساتھ یہ برتاؤ کرنے میں
کفار مکہ و مدینہ کی اقتداء کی ہو۔ لیکن تاریخ و سیرت و مغازی کا ایک ایک حرف

[1] **حضرت علیؑ کا برتاؤ:۔** جناب سیدہ نے صرف بیعت خلیفہ اول و ثانی سے سکوت
کیا تو حضرت عمر نے اُن کے ساتھ جو سلوک کیا اُس کو تم پڑھ چکے۔ حضرت رسول خدا صلعم
کو بھی جو لوگ مانتے نہیں تھے اُن کے ساتھ حضرتؐ جو سلوک کرتے تھے اس کا بھی نمونہ
دیکھ چکے۔ اب اسے بھی جان لو کہ اسلام کے ایک اور پیشوا (حضرت علیؑ) کا برتاؤ
لوگوں کے ساتھ جو حضرتؑ کو نہیں مانتے تھے کیا ہوتا تھا۔ اور اس صفت میں حضرتؑ

پڑھ جاؤ۔ رجال و حدیث کے ذخیروں کو اچھی طرح الٹ جاؤ تم کو اس کا اشارہ تک کہیں نہیں مل سکتا کہ کسی کافر نے کسی عورت کو اس وجہ سے کوڑا مارا ہو یا اس پر اسکے مکان کا دروازہ گرا دیا ہو۔ یا اسکے بچہ کا اسقاط کرا دیا ہو۔ یا اس کے مکان کے جلا ڈالنے کی دھمکی دی ہو بلکہ وہاں آگ لکڑی کا ڈھیر بھی کر دیا ہو کہ وہ عورت اس شخص کو اپنا مذہبی پیشوا اور دینی مقتدا کیوں نہیں مانتی یا اپنے عقائد اس شخص کے ایسے کیوں نہیں رکھتی۔ یا جو شخص مذہباً اس سے مغائر ہے اس کا ساتھ کیوں دیتی یا اس کو مدد کیوں پہونچاتی ہے۔ مثال کے لئے دور جانے کی ضرورت نہیں۔ حضرت خدیجہ سے بھی کفار عرب کو تقریباً وہی عداوت ہونی چاہئے تھی جو انھیں حضرت رسولخدا صلعم سے تھی کہ اگر آنحضرت نے اسلام کا نام لیا تو حضرت خدیجہ نے اس کو تسلیم کرنے میں سبقت کی۔ اگر آنحضرت نے بت پرستی کو گمراہی بتایا تو حضرت خدیجہ نے فوراً اسکی تصدیق کی۔ اگر حضرت رسولخدا صلعم نے لوگوں کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۵۴)

کا طرز عمل بالکل آنحضرت صلعم کے قدم بہ قدم تھا یا کسی موقع پر کسی حیثیت سے کچھ فرق نظر آتا ہے۔ تاکہ تم کو اس امر کا فیصلہ کرنے میں آسانی ہو کہ حضرت رحمۃ للعالمین کی صفات حسنہ کا پورا فوٹو کون شخص تھا۔ مصداق انک لعلی خلق عظیم کا بہترین آئینہ کس بزرگ کو سمجھنا چاہیئے۔ رسولؐ کے بعد خلق کی ہدایت و اصلاح کے لئے کس مجسمۂ اخلاق کریمہ کی ضرورت تھی۔ اور وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہونے کے بعد حجۃ خدا کس شان کا ہونا چاہیئے۔ حضرت علیؑ کو اپنے زمانہ میں چار قسم کے لوگوں سے معاملہ پیش آیا۔ اول خلفاء ثلثہ۔ دوسرے بانیان جنگ جمل۔ تیسرے ارباب جنگ صفین۔ چوتھے خوارج۔ خلفاء ثلثہ کے ساتھ حضرت کا برتاؤ مشہور ہے کہ باوجود کہ ان لوگوں نے حضرتؑ پر ہر طرح کی زیادتیاں کیں لیکن آپ ہمیشہ ان لوگوں پر رحم ہی کرتے رہے اور ایک منٹ کے لئے بھی یہ ثابت ہونے نہیں دیا کہ حضرت رحمۃ للعالمین کے طرز عمل سے آپ بال برابر بھی الگ ہیں۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ حضرت عمر کا قول آج تک مشہور اور ضرب المثل ہے کہ لولا علی لھلک عمر۔ اگر حضرت

نئے مذہب کی طرف بلایا تو حضرت خدیجہ نے اس کے لئے اپنی کل دولت پیش کردی
حضرت فاطمہؑ صرف اپنے مقام پر خاموش بیٹھی رہیں۔ خلافتِ اول یا ثانی کے خلاف
آپ نے نہ کوئی کوشش کی۔ نہ کوئی دولت خرچ کی۔ نہ کسی اور طرح کوئی حصہ لیا
اور ان کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا کہ کوڑے سے پیٹی گئیں۔ ان کے جسم مبارک پر
دروازہ گرا دیا گیا اور گھر پر آگ لکڑی جمع کر دی گئی۔ لیکن جناب خدیجہ کفار عرب
کے مقابلہ میں صرف خاموش ہی نہیں بیٹھی رہیں بلکہ ان کے مذہب پر کاری ضرب لگاتی
رہیں۔ ان کے دین کی مذمت کی۔ اس پر لات مارا۔ اپنے عمل سے ثابت کیا کہ کفار
عرب کے بزرگوں کی جگہ جہنم ہے۔ دین اسلام جلد از جلد قبول کیا۔ حضرت رسولخدا
صلعم کا تن دھن سے ساتھ دیا۔ اسلام کی حمایت میں سینہ سپر رہیں اور مسلمانوں کی
ترقی و اشاعت کے لئے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ لیکن کفار عرب نے نہ انکے
بازوؤں پر کوڑے مارے نہ ان پر یورش کی۔ نہ ان پر فوج کشی کی۔ نہ ان پر
دروازہ گرایا۔ اور نہ ان کے مکان میں آگ لگانے کا سامان کیا۔ اب تم خود فیصلہ کرلو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۵)

علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ صفحہ ۲۶۸ وغیرہ)۔ آپ بار بار
کہا کرتے این مفراج الکرب این ابوالحسن۔ کرب کے دور کرنے والے ابوالحسن
(حضرت علیؑ) کہاں ہیں ان کو بلاؤ۔ کان عمر بن الخطاب یتعوذ باللہ من معضلۃ
لیس لھا ابو حسن۔ حضرت عمر ہر اس مشکل اور مصیبت کا سامنا کرنے سے خدا کی پناہ
طلب کرتے تھے جسکے دفع کرنے کے لئے حضرت علیؑ نہ ہوتے (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۱۶)
عرب کے ذی اثر اور صاحب اقتدار سردار ابو سفیان نے حضرت علیؑ کی حمایت میں بہت
چاہا کہ حضرت اول و دوم کی کامیابیوں کا تخت ہی الٹ دیا جائے اور اس کے لئے ہر
طرح آمادگی ظاہر کی مگر حضرت علیؑ نے اس کو قبول نہ کر کے دکھا دیا کہ حضرت رحمۃ للعالمین
کی پیروی کس طرح کی جاتی ہے۔ اور باوجود اسباب مہیا ہونے کے اپنے مخالفوں
سے انتقام کس طرح ترک کیا جاتا ہے۔ حضرت عثمان کا مسلمانوں نے جب محاصرہ کرلیا
اور دنیا کا ذرہ ذرہ ان کے خون کا پیاسا ہو گیا تو وہ حضرت علیؑ ہی تھے جنہوں نے انکی

کہ کس کا طرز عمل کس قابل تھا اور حضرت عمر نے جناب سیدہ کے برتاؤ میں خدا اور رسول کی طرح کفار عرب کی بھی مخالفت ہی کی۔ اور ان سختیوں کی ایجاد کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ مگر لطف یہ ہے کہ آپکی یہ شدتیں بھی صرف حضرت فاطمہؑ و جناب امیرؑ ہی کے ساتھ تھیں۔ حضرت ابوبکر کی یا اپنی خلافت میں آپ نے اور کسی شخص کے ساتھ ان باتوں سے ایک کو بھی جائز نہیں رکھا۔ معلوم نہیں آپ کے جذبات اُس زمانہ میں کیوں اور کیسے ہو گئے تھے کہ جناب سیدہ کے رسول زادی ہونے کی پروا بھی نہیں کی اور رجودل میں آتا گیا کرتے گئے۔ جسکی وجہ سے آج تک اسلامی تاریخ کے اوراق ان شرمناک واقعات سے دنیا کو اسلام اور ارکان اسلام پر ہنسنے کا موقع مہیا کرتے رہتے ہیں۔ مولوی شبلی صاحب ہمارے ہیرو کی حمایت میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیتے ہیں مگر حضرت فاطمہؑ کے ساتھ اس برتاؤ کی کوئی تاویل ان سے بھی نہ ہو سکی۔ اقرار کرنا ہی پڑا لکھتے ہیں۔ "بنو ہاشم اپنے ادعا پر رُکے رہے اور حضرت فاطمہؑ کے گھر میں وقتاً فوقتاً جمع ہو کر مشورے کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمر نے بزور اُن سے بیعت لینی چاہی لیکن بنو ہاشم حضرت علیؑ کے سوا اور کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر نے حضرت فاطمہؑ کے گھر کے

(بقیہ حاشیہ ۲۵۶)

حفاظت میں اپنے گھٹنے ٹیک دیئے اور نہ صرف باغیوں کو روکتے بلکہ آپ کو کھانے پانی تک کی مدد پہونچاتے رہے۔ مورخین نے بتصریح لکھا ہے کہ حاصر الناس عثمان ومنعوہ الماء فاشرف علے الناس فقال افیکم علیؑ فقالوا لا۔ قال افیکم سعد قالوا لا۔ فسکت ثم قال الا احد یبلغ علیا بہ نیسقینا ماء فبلغ ذلک علیا فبعث الیہ ثلث قرب مملوۃ ماءً فما کادت تصل الیہ وجرح بسببہا عدۃ من موالی بنی ہاشم وبنی امیۃ حتے وصل الماء الیہ۔ فبلغ علیا ان عثمان یرید قتلہ۔ فقال انما اردنا منہ مروان فاما قتل عثمان فلا۔ فقال للحسن والحسین اذہبا بسیفکما حتے تقوما علے باب عثمان فلا تدعا احدا یصل الیہ۔ مسلمانوں نے حضرت عثمان کا محاصرہ کرکے ان پر پانی بند کر دیا۔ تو وہ کوٹھے پر چڑھکر لوگوں

دروازے پر کھڑے ہوکر کہا کہ یا بنت رسول اللہ خدا کی قسم آپ ہم کو سب سے زیادہ محبوب ہیں تاہم اگر آپ کے ہاں لوگ اس طرح مجمع کرتے رہے تو میں ان لوگوں کی وجہ سے گھر میں آگ لگا دوں گا۔ اگرچہ سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اپنا اعتبار ظاہر نہیں کر سکتے کیونکہ روایت کے رواۃ کا حال ہم کو نہیں معلوم ہو سکا تاہم درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ حضرت عمر کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت عمر نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کارروائیاں کیں اُن میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ انہی بے اعتدالیوں نے اُٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اسی وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہو جاتیں جو آگے چل کر جناب امیر علیہ السلام اور امیر معاویہ میں واقع ہوئیں" (الفاروق جلد ۱ صفحہ ۴۲)

مولوی شبلی صاحب کو بتانا چاہیئے کہ حضرت عمر نے بنو ہاشم سے کیوں بزور بیعت لینی چاہی کیا ان کا یہ فعل جائز تھا؟ کیا خدا نے کسی سے بھی بزور بیعت لینے کا کسی کو حکم دیا ہے؟ پھر خدا نے حضرت آدمؑ سے حضرت سید الانبیاء تک کو کیوں حکم نہیں دیا کہ جو شخص انکو نہ مانے اس سے بزور بیعت لیں۔ اس سے زبردستی اپنے کو پیغمبر منوائیں۔ اپنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۷)

سے پوچھنے لگے تم میں حضرت علیؑ بھی ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ پوچھا سعد ہیں؟ کہا گیا وہ بھی نہیں ہیں۔ تو حضرت عثمان خاموش ہو گئے۔ پھر کہا کیا تم میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو حضرت علیؑ تک میرا پیغام پہنچا دے کہ میں پیاسا ہوں وہ مجھے کسی طرح پانی پلوا دیں۔ یہ خبر حضرت علیؑ تک پہنچ گئی تو پانی سے بھری ہوئی تین مشکیں ان کی طرف بھیج دیں مگر باغیوں نے کوشش کی کہ وہ پانی بھی ان تک پہنچنے نہ پائے۔ انہیں زور آزمائی ہوئی تو موالی بنی ہاشم و بنی امیہ سے بہت لوگ زخمی ہو گئے تب جاکر پانی اُن تک پہونچ سکا۔ پھر حضرت علیؑ کو معلوم ہوا کہ باغی حضرت عثمان کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو فرمایا اُن سے تو صرف اس امر کا مطالبہ تھا کہ مروان کو حوالہ کر دیں۔ رہا ان کا قتل

مذہب میں اس کو سختی کر کے داخل کریں۔ اس کو مجبور کر کے خدا اور اپنی پیغمبری کا کلمہ پڑھوائیں۔ اس کو بقہر و غلبہ اپنا مطیع بنائیں۔ اس کو کوڑے اور تلوار سے خوف زدہ کر کے اپنی جماعت بڑھائیں۔ اور اس کو بےبس کر کے اپنے حلقہ میں لے لیں۔ لیکن کسی نبی یا رسول کو اسکی اجازت نہیں دی گئی۔ بلکہ صاف صاف فرمادیا لیہلک من ھلک عن بینۃ و یحییٰ من حی عن بینۃ۔ تاکہ جو شخص گمراہ ہو وہ حق کی حجت تمام ہونے کے بعد گمراہ ہو اور جو ہدایت پائے وہ ہدایت کی حجت تمام ہونے کے بعد ہدایت پائے (پ ۱۰ ع ۱)۔ پھر حضرت ابوبکر کے لئے کیا خصوصیت تھی کہ ان کے لئے زبردستی کا اہتمام کیا گیا۔ اور حضرت عمر کو کیا حق تھا کہ انھوں نے ان لوگوں سے بزور بیعت لینی چاہی۔ کیا حضرت رسول خدا صلعم نے کسی سے بزور بیعت لینے کی اجازت دی ہے؟ یا حضرت صلعم نے اپنے طرز عمل سے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ کسی سے بزور بیعت لی جائے۔ سوال تو صرف یہ ہے کہ حضرت عمر نے کیوں کسی پر زور دیا۔ اور جو لوگ بیعت نہیں کرتے تھے ان پر کس عقلی یا نقلی دلیل سے دباؤ دیکر بیعت لینی چاہی۔ مولوی صاحب نے لکھا ہے "یاد رکھنا چاہیئے کہ انہی بے اعتدالیوں نے اُٹھتے ہوئے فتنوں کو دبادیا"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۵) تو یہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد حضرت علیؑ نے اپنے صاحبزادوں جناب حسنؑ و حسینؑ سے فرمایا کہ تم لوگ اپنی تلواریں لیکر جاؤ عثمان کے دروازے پر کھڑے ہوجاؤ اور کسی شخص کو انکے پاس پہنچنے نہ دو (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۰۹)

دوسری جماعت جنگ جمل والوں کی ہے جنہوں نے حضرت علیؑ کی ظاہری خلافت کے شروع ہی میں آپ کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا۔ اس میں حضرت عائشہ کا بہت بڑا حصہ تھا۔ گویا اس کی روح رواں وہی تھیں۔ اگر وہ شریک نہ ہوتیں یا شریک ہونے کے بعد اس سے علیحدہ ہوجاتیں تو اسی وقت جنگ موقوف ہوجاتی اور کسی مسلمان کا خون نہ ہونے پاتا۔ مگر ان کی مستقل مزاجی کی وجہ سے بقول مورخین اسلام طرفین کے ۲۰ ہزار مسلمانوں کا خون بہایا گیا۔ اور تقریباً اتنی ہی مسلمان عورتیں بیوہ کردی گئیں۔ اور معلوم نہیں کتنے بچے اور بچیاں یتیمی کی مصیبت میں مبتلا ہوئیں۔ حضرت سیدہ نے صرف بیعت

مولوی صاحب کا فرض تھا کہ یہ بھی بتا دیتے وہ آسکتے ہوئے فتنے کن لوگوں کیطرف سے تھے۔ ان لوگوں کی طرف سے جن کے فتنوں کے خوف سے آنحضرتؐ نے ان کو اپنی زندگی ہی میں جیش اسامہ کے ساتھ مدینہ سے بہت دور چلے جانے کا حکم دیا تھا یا ان لوگوں کی طرف سے جن سے آنحضرتؐ کو کوئی خوف نہیں تھا اور جن کو وفات تک آنحضرتؐ نے اپنے پاس سے جدا نہیں کیا۔ ہر شخص تسلیم کریگا کہ خدا اور رسول کا انتظام دوسروں کے انتظام سے ہزارہا درجہ بہتر تھا۔ پس جو لوگ لشکر اسامہ کے ماتحت کر دیئے گئے تھے وہ اگر چلے گئے ہوتے تو کہیں بھی فتنہ و فساد کا نشان تک نہیں ملتا اگر نہیں گئے تھے تو اپنی جگہ خاموش بیٹھے رہتے۔ یہ کیا کہ رسولؐ کی روح پرواز کرتی ہے اور وہ آنحضرتؐ کا جنازہ چھوڑ سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ گئے اور خلافت کا انتظام کر لیا۔ مولوی صاحب نے آخر میں لکھا ہے "بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اسی وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہو جاتیں جو آگے چل کر جناب امیرؑ اور امیر معویہ میں واقع ہوئیں"۔ اگر ہمارے معزز دوست زندہ ہوتے تو ان سے سوال کیا جاتا کہ آپ نے یہ عبارت عالم بیداری میں لکھی ہے یا عالم خواب وخیال میں۔ بنو ہاشم کی سازش کہاں تھی اور کس مصنف نے لکھا ہے کہ بنی ہاشم نے کوئی سازش کی انھوں نے صرف بیعتِ حضرت ابوبکر سے انکار کیا۔ کیا اسی کو سازش کہتے ہیں؟ پھر تو حضرت رسولؐ خدا

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵۹) نہ کرنے کی وجہ سے جو اذیتیں اٹھائیں ان کو تم پڑھ چکے ہو۔ اب حضرت عائشہ نے حضرت علیؑ سے اتنی مخالفت اور ایسی سخت جنگ کے بعد کیا دیکھا اسکو بھی معلوم کرلو "بعد واقعہ جمل حضرت علیؑ حضرت عائشہ کے قیام گاہ پر گئے اور بعد حصول اجازت اندر جاکر ان سے کہنے لگے رسولؐ کی بی بیوں کو خدا کا حکم ہے کہ قرن فی بیوتکن یعنی اپنے گھروں میں بیٹھی رہو مگر تم نے اشد خطا کی اور ایسے امور کی مرتکب ہوئیں جو تمہارے مناسب حال نہ تھے باوجود سے کہ تم نے آنحضرتؐ کو مکرر یہ فرماتے سنا تھا کہ میں جس کا مولا ہوں علیؑ بھی اس کا مولا ہے۔ پھر بھی تم نے میرے ساتھ دشمنی کی۔ اب مناسب یہی ہے کہ اسی وقت مدینہ کو لوٹ جاؤ اور جس گھر میں جناب رسولؐ نے تم کو چھوڑا تھا تادم مرگ قرار پکڑو

کو بھی آپ سازش ہی کا الزام دیں گے۔ کیونکہ حضرتؑ نے بھی تو بتوں کو معبود ماننے سے انکار کیا تھا۔ لات و عزے کے آگے سجدہ کرنے سے سرتابی کی تھی۔ کفار کا مذہب اختیار کرنے سے باز رہے تھے۔ مخالفین کی اطاعت سے منکر ہو گئے تھے۔ لطف یہ ہے کہ جناب امیرؑ اور امیر معاویہ کی خانہ جنگیاں بھی حضرت ابوبکر و عمر ہی کی وجہ سے ہوئیں۔ اس کو بہت معتبر مورخ اسلام علامہ مسعودی کی تحریر سے دیکھیں لکھتے ہیں (صرف ترجمہ درج کیا جاتا ہے)

جناب محمد ابن ابی بکر اور امیر معویہ میں خط و کتابت محمد ابن ابی بکر نے معویہ کو ایک خط اس مضمون کا لکھا کہ محمد ابن ابی بکر کی جانب سے گمراہ معاویہ کو معلوم ہو کہ خدا ے باعظمت و جبروت نے اپنی مخلوق کو عبث پیدا نہیں کیا۔ نہ خلقت عالم کی اُس کو حاجت تھی نہ بغیر آفرینش مخلوق اوسکی قوت میں کچھ ضعف ہو سکتا تھا بلکہ اس نے مخلوقات کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ اپنے صانع حقیقی کی عبادت کریں چنانچہ مخلوقات میں گمراہ بھی ہیں رشید بھی شقی بھی ہیں سعید بھی۔ پھر اللہ تعالےٰ نے جناب رسالت مآبؐ کو اپنے علم و قبولیت کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۰) رہو۔ مگر حضرت عائشہ آمادہ نہ ہوئیں تو دوسرے دن امام حسنؑ کو ایک پیام دے کر حضرت علیؑ نے حضرت عائشہ کے پاس بھیجا کہ جا کر کہنا اگر تم اسی وقت مدینہ کی جانب نہ روانہ ہو گی تو میں تم کو ایک ایسے امر پر متنبہ کروں گا جس کو تم خوب جانتی ہو۔ حضرت عائشہ یہ سُنتے ہی اوٹھیں اور حکم دیا کہ ابھی میرے اسباب سواری پر بار کر کے سفر مدینہ کا سامان کرو۔ اُس وقت ان کے چہرے سے کمال اضطراب ظاہر ہوتا تھا۔ بصرہ کی ایک عورت نے کہا جب ابن عباس نے تم کو علیؑ کا پیام پہنچایا تو تم نے کلہ بکلہ جواب دیا۔ پھر خود علیؑ نے آکر تم سے جو کہا تم نے قبول نہ کیا۔ اب یہ حسنؑ کون سا پیام لائے جس پر تم اس درجہ مضطرب ہو گئیں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا بات یہ ہے کہ ایک دفعہ میں نے علیؑ سے گفتگو میں زیادہ درشتی اختیار کی تو رسول اللہ نے میری سخت کلامی پر غضبناک ہو کر علیؑ سے فرمایا اے علیؑ میں نے ان بی بیوں کا طلاق تمہارے قبضۂ اختیار میں دے دیا۔ اور تم کو اپنا وکیل کیا ان میں سے جس کو تم میری طرف سے طلاق دے دو گے اُس کا نام

مطابق رسالت و امانت وحی کے لئے منتخب فرما کر بطور بشیر و نذیر مبعوث فرمایا اور جس نے سب سے پہلے آنحضرتؐ کی تصدیق فرمائی تو وہ علی ابن ابی طالب ہیں جو ہر موقع خوف و دہشت میں رسول مقبول کے جان نثار رہے۔ جس سے آنحضرتؐ نے جنگ کی اس سے انھوں نے بھی جنگ کی اور جس سے آنحضرت نے صلح کی اُس سے انھوں نے بھی صلح کی۔ ہمیشہ شب و روز خوف وجوع کی حالت میں رسول مقبول پر اپنی جان فدا کرنے کو طیار رہے۔ اور ان تمام باتوں میں ایسی سبقت لے گئے کہ نہ پیروان رسول میں کوئی اُنکی نظیر ہو سکتا ہے نہ اعمال حسنہ میں کوئی انکی برابری کر سکتا ہے۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ تو ان پر فوقیت ڈھونڈھتا ہے۔ حالانکہ تو تو ہی ہے اور وہ وہ ہی ہیں۔ وہ اپنی نیت کی بنا پر اصدق الناس اور اپنی ذریت کے اعتبار سے افضل الناس اور فاطمہ زہرا کے شوہر ہونے کی حیثیت سے خیر الناس ہیں۔ اُن کے چچا حمزہ سید الشہداء جنگ احد ہیں۔ اور ان کے باپ وہ شخص ہیں جو پیغمبر خدا کی تکلیفوں کو دور کرتے رہے۔ اور اے معویہ تو خود بھی لعنت کردہ شدہ ہے اور تیرا باپ بھی۔ تم باپ بیٹے ہمیشہ رسول اللہ کی ایذا رسانی کے خواہاں اور جان

(بقیہ حاشیہ ص۲۹۱) ازواج رسولؐ کے دفتر سے محو ہو جائے گا۔ نیز آنحضرتؐ نے امر طلاق کو مطلقاً فرمایا تھا اپنی زندگی اور موت کا فرق نہیں کیا تھا۔ چنانچہ علی بن ابیطالب نے مجھے اسی بات پر متنبہ کیا ہے جس کو سُنکر میں خائف ہوں کہ مبادا ان کی زبان پر ایسا ناگوار لفظ آجائے جس کا تدارک ممکن نہ ہو۔ اور منقول ہے کہ جب حضرت عائشہ نے سفر مدینہ کا ارادہ فرمایا تو حضرت علیؑ نے بارہ ہزار درہم سامان سفر کے لئے حضرت عائشہ کے پاس بھیج دیئے اور جناب محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ اپنی بہن کو مدینہ طیبہ پہونچا آئیں (روضۃ الاحباب جلد ص ارجح المطالب ص۲۰۲)

غور اور انصاف کرو کہ جناب سیدہ کے صرف سکوت پر ان کے ساتھ کیا کچھ نہ کیا گیا۔ اور حضرت عائشہ کی اس مخالفت اور فوج کشی اور خوں ریزی پر حضرت علیؑ نے ان سے کیا سلوک کیا ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

تیسری جماعت جس سے حضرت علیؑ کو مقابلہ کرنا پڑا جنگ صفین والے ہیں۔ ان کے ساتھ

وہاں سے تو رخدا کے بجھانے میں کوشاں رہنے۔ اسی حالت میں تیرا باپ مرگیا اور تو اسکا قائم مقام ہوا۔ تیرے گواہ وہ لوگ ہیں جو بقیۂ احزاب و منافقین میں سے آہستہ آہستہ تیرے پاس پہونچکر پناہ گزیں ہوئے اور علیؑ (صاحب فضل مبین قدیم) کے شاہد عادل وہ انصار ہیں جن کی فضیلت کا ذکر قرآن میں ہے اور جن کی مدح و ثنا بحیثیت مہاجر و انصار ہونے کے خدا نے فرمائی ہے۔ یہی لوگ علیؑ کی فوج اور جماعت ہیں اور علیؑ کی پیروی کو حق اور اُن کی مخالفت کو شقاوت جانتے ہیں۔ پس وائے ہو تجھ کو کہ علیؑ کی برابری کرتا ہے حالانکہ علیؑ وارث و وصی رسول ہیں۔ علیؑ کی اولاد رسولؐ مقبول کی اولاد ہے اور علیؑ ہی پیغمبر خدا کی پیروی کرنے میں اور آنحضرتؐ سے اقرب عہد ہونے میں اول الناس ہیں جن کو آنحضرتؐ نے اپنے تمام امور و اسرار پر آگاہ کیا۔ اور تو خود بھی اُن کا دشمن ہے اور تیرا باپ بھی ان کا دشمن تھا۔ پس جس قدر تیرے امکان میں ہو باطل ذریعوں سے دنیوی تمتع حاصل کر اور جتنا ابن العاص سے

(بقیہ حاشیہ صـ۲۶۲) حضرتؑ نے جس رحم دلی کا برتاؤ کیا اب اس کو دیکھو جب حضرت علیؑ کی تمام فوج لشکر معویہ کے مقابل پہنچ گئی تو معویہ والوں نے پہلے ہی نہر فرات پر قبضہ کرلیا اور حضرت علیؑ کے لشکر پر پانی بند کردیا۔ جب حضرتؑ کو پانی کے روک کی خبر ہوئی تو معویہ کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہارے لشکر نے پانی بند کردیا ہے۔ لشکر کے ساتھ ضعیف کمزور اور بوڑھے بھی ہیں۔ مناسب نہیں کہ مسلمانوں سے پانی روکا جائے۔ اگر ہم یہاں تم سے پہلے پہنچ گئے ہوتے تو ہرگز تم لوگوں پر پانی بند نہ کرتے ہم لوگ پانی پر لڑنے نہیں آئے بلکہ دین کے لئے یہ جنگ ہے تاکہ خلق خدا پر حجت واضح ہو جائے۔ مناسب ہے کہ لشکر کو لب دریا سے اٹھا لو اور پھر لڑو تاکہ حق و باطل کا فرق جنگ سے ظاہر ہو جائے۔ لیکن اگر تمہاری یہی مرضی ہے کہ جو گھاٹ لے لے فتح اُسی کی سمجھی جائے تو ہم اس پر راضی ہیں۔ اس پیغام کے پہنچنے پر معویہ نے اپنے اہل سے مشورہ کیا۔ عمرو عاص نے کہا اے معویہ کیا تم اپنے خیال میں ساقی کوثر کو نہر فرات کے کنارے پیاسا رکھ سکتے ہو پھر معویہ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ جناب امیر کے لشکر

ہو سکے تجھے گمراہی میں مدد دے۔ گمراہ معویہ! یقین کرلے کہ تیری میعاد ختم ہو چکی اور تیرا مکر سست ہو گیا اور بالآخر تجھ پر واضح ہو جائے گا کہ عاقبت علیا کس کے لئے ہے۔ نیز یہ بھی سمجھ لے کہ تو اُس خدا سے فریب کرتا ہے جس نے تیرے کید کی جزا سے تجھے اب تک امن دے رکھا ہے اور جسکی رحمت سے تو مایوس ہو چکا ہے۔ وہ تیری گھات میں ہے اور تو اُس سے بے خبر۔ اور سلام ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

معویہ کا جواب محمد بن ابی بکر کے نام | جب یہ نامہ معویہ کے پاس پہنچا تو انھوں نے اس کے جواب میں لکھا کہ "اپنے پدر کو عیب لگانے والے پسر محمد بن ابی بکر پر من جانب معویہ بن صخر واضح ہو کہ تو نے اپنے خط میں خدا کی اُس عظمت و قدرت کا ذکر کیا ہے جس کا وہ اہل ہے اور اُن محامد کو بیان کیا ہے جن کے ساتھ خدا نے اپنے رسوؐل کو برگزیدہ فرمایا۔ نیز انہیں ذکروں کے ساتھ تو نے ایسا کلام کثیر بھی قلم بند کیا ہے جو تیری تضعیف اور تیرے باپ کے لئے سرزنش اور ملامت کا باعث ہے۔ تو نے اپنے خط میں علیؑ ابن ابیطالب کی فضیلت و سابقیت کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی دکھایا ہے کہ وہ رسول اللہؐ کے ساتھ قرابت قریبہ رکھتے ہیں۔ اور اونھوں نے ہول اور خوف کے اوقات میں آنحضرتؐ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۳) پیاس سے سخت بے تاب ہوئے تو حضرتؐ سے کہا یا امیرالمومنین تمام لشکر پیاسا ہے ہم کب تک خاموش رہیں۔ اجازت دیجئے کہ لڑ کر ان لوگوں سے پانی چھین لیں۔ حضرتؐ نے مجبوراً اجازت دی۔ زور شور کی لڑائی کے بعد حضرتؐ کی فوج نے گھاٹ چھین لی۔ اب حضرتؐ کے لشکر نے دریا پر چھاؤنی ڈال دی۔ معویہ کو نہایت اضطراب ہوا۔ عمرو عاص نے بھی خوب ملامت کی اور کہا میں کیا کہتا تھا بتاؤ اب اگر علیؑ تمہارے ساتھ وہی کریں جو تم نے کل ان کے ساتھ کیا تھا تو تمہارا کیا حال ہو؟ معویہ نے کہا اب کیا ہوگا؟ عمرو عاص نے کہا علیؑ تمہارے ایسے نہیں ہیں۔ افسوس لکھنؤ کس پر۔ وہ بڑے ہی رحم دل اور صاحب عفو و کرم ہیں۔ ہرگز پانی بند نہیں ہونے دینگے۔ خجل اور شرمندہ ہو کر معویہ نے حضرت علیؑ کے پاس درخواست بھیجی کہ ہم پر پانی بند نہ کریں۔ ساقی کوثر نے جواب میں فرمایا ہم کسی پر پانی بند نہیں کرینگے۔

کے ساتھ کس قدر ہمدردی کی ہے۔ لیکن میری نسبت تیری یہ حجت اور عیب گیری بر بنائے فضل غیر ہے۔ تیرے فضل پر مبنی نہیں ہے۔ اور میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ اُس نے تجھ سے اس فضل کو پھیر کر تیرے غیر کو عطا کیا۔ سُن! ہم سب جن میں تیرے باپ بھی شامل ہیں علی ابن ابی طالب کا فضل اور اُن کے حقوق کا لازم و مبرور ہونا اچھی طرح جانتے تھے مگر جب خدا نے اپنے رسول کو دین و حجت کے کامل و آشکارا ہو جانے کے بعد اپنے پاس بلا لیا تو تیرے باپ اور اُن کے فاروق ہی اول وہ شخص تھے جنہوں نے باہم اتفاق کر کے علیؑ کے حق کو چھین لیا۔ اور امر خلافت کے متعلق علیؑ کی مخالفت کی۔ پھر دونوں صاحبوں نے علیؑ کو اپنی بیعت کے لئے بلایا مگر علیؑ عرصہ تک کنارہ کش رہے جس سے اُن دونوں صاحبوں کو رنج و اندوہ لاحق ہوا۔ اور بالآخر ان دونوں نے علیؑ کی نسبت ایسے اہم منصوبے قائم کئے کہ علیؑ کو اُن کی بیعت کرنی پڑی۔ تاہم ان دونوں

(بقیہ حاشیہ ص۲۶۴) خاطر جمع رکھو اور منادی کرا دی کہ پانی سب کے لئے ہے۔ کسی کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ دونوں لشکروں میں جس کو ضرورت ہو بے تکلف آدمیوں بلکہ جانوروں کے لئے بھی لے جائے۔

چوتھی جماعت جو حضرت علیؑ سے جنگ پر آمادہ ہوئی خوارج تھے۔ انھوں نے کہا خدا کے سوائے دوسرے کا حکم کوئی چیز نہیں ہے۔ پھر انھوں نے حضرت علیؑ پر خروج کر کے مقام حروراء میں بغرض جنگ لشکر جمع کیا۔ جب یہ خبر حضرت علیؑ کو پہونچی تو آپ نے ابن عباس کو خوارج کے افہام و تفہیم کے لئے بھیجا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک جماعت کثیر اپنے ارادے سے باز رہی اور باقی گروہ خوارج کا نہروان چلا گیا۔ حضرت علیؑ کو یہ حال معلوم ہوا تو آپ نے نہروان کی طرف رخ کیا۔ وہاں خوارج حضرت سے لڑنے پر آمادہ نظر آئے۔ اونھوں نے اتنی زیادتی کی کہ حضرتؑ کی طرف کے ایک شخص عبد اللہ کو ذبح اور انکی حاملہ بی بی کا پیٹ چاک کر ڈالا۔ اس کے بعد بنی طے کی تین عورتوں کو قتل کیا کہ ام سنان بھی ان میں تھی۔ حضرت علیؑ یہ حال سُن کر کمال متاسف ہوئے۔ خوارج کو بہت سمجھایا۔

بزرگوں نے علیؓ کو نہ اپنے کسی امر میں شریک کیا۔ نہ اپنے بھیدوں پر اطلاع دی حتے کہ ان دونوں صاحبوں نے دنیا سے رحلت فرمائی اور عثمان اُن کے قائم مقام ہوئے اور انکی سیرت و طریقت پر بلورا عمل کیا۔ پھر تو نے اور علیؓ نے عثمان کی عیب گیری پر کمر باندھی حتے کہ دور دور کے اہل معاصی اس کی بابت حرص میں پڑ گئے اور تو نے اور علیؓ نے عثمان کے ساتھ دشمنی کا اظہار کر کے اُن کو بلاؤں میں ڈالنا چاہا اور اس کے متعلق تیری اور علیؓ کی مراد پوری ہو گئی۔

اے ابو بکر کے بیٹے نیچ اور اپنی بالشت کو اپنی انگلیوں کی درمیانی وسعت پر قیاس کر۔ تو اوس شخص کے مقابلہ اور مساوات سے قاصر ہے جو پہاڑوں کو اپنی بردباری کے ساتھ وزن کرتا ہے۔ پس جس معاملہ کے متعلق ہم گفتگو کر رہے ہیں اگر وہ ٹھیک ہے تو تیرے باپ ہی نے استبدادی طریقہ سے اُس کی ابتداء کی اور ہم سب اُن کے اس فعل میں شریک رہے۔ اگر تیرے باپ قبل ازیں ایسا برتاؤ عمل میں نہ لاتے تو ہم بھی علیؓ کی مخالفت نہ کرتے بلکہ اُن کے مطیع رہتے لیکن جب ہم نے تیرے باپ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو اونھیں کی مثال ہم نے بھی اختیار کی۔ اب اگر تو عیب الزام لگائے تو اپنے باپ کو لگائے یا اس خیال کو چھوڑ دے۔ اور سلام ہو اُس پر جو حق کی طرف رجوع کرے"۔ فقط

(ان خطوط کی اصل عربی عبارت مروج الذہب مطبوعہ مصر برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۶ صفحہ ۹ میں موجود ہے اور یہ ترجمہ بھی انہیں کے ہم مذہب خاں بہادر شیخ احمد حسین صاحب تعلقہ دار پریانواں کی تاریخ احمدی صفحہ ۱۷۶ سے نقل کیا گیا ہے۔) مورخ مشہور علامہ ابن اثیر جزری ع

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۵) پند و نصیحت کی مگر وہ نہ مانے تو مجبوراً حضرتؓ نے ان سے بھی اسی طرح دفاعی جنگ کی جس طرح حضرت رسول خدا صلعم مدینہ میں اسلام و مسلمین کی حمایت میں جہاد کرتے رہے۔ لیکن نہ کسی کو مجبور کر کے گرفتار کیا نہ کسی نہتے پر ہتھیار اُٹھنے دیا نہ کسی عورت کو کوڑے لگوائے۔ نہ اس پر دروازہ گرانے کا حکم دیا نہ اسکے مکان کے جلا ڈالنے کا سامان کیا ۱۲

علامہ طبری نے بھی ان خطوط کا ذکر کیا ہے مگر ان کے مضمون کو غائب کر دیا۔ لکھتے ہیں ان محمد ابن ابی بکر کتب الی معویۃ لما ولی فذکر مکاتبات جرت بینھما کرھت ذکرھا لما فیہ مما لا یحتمل سماعھا العامۃ معویہ کے خلیفہ ہونے پر ان میں اور محمد بن ابی بکر میں ایسی خط و کتابت جاری رہی جسکی نقل کو میں پسند نہیں کرتا کیونکہ ان میں وہ مضامین مذکور ہیں جن کا سننا عام لوگ کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے (تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۲۳۲ و کامل جلد ۳ صفحہ ۱۰۱)

چوتھی فصل

حضرت ابوبکر پر آپکا غلبہ

حضرت ابوبکر باوجودیکہ خلیفہ کہے جاتے مگر درحقیقت خلافت کے کل امور حضرت عمر ہی انجام دیا کرتے۔ کان ابوبکر لا یخالف عمر ولا یعصیہ۔ حضرت ابوبکر کسی طرح حضرت عمر کی نہ مخالفت کرتے اور نہ ان کی نافرمانی کرتے تھے (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۲۴۷) خرج الزبرقان والاقرع الی ابی بکر وقالا اجعل لنا خراج البحرین ونضمن لک الا یرجع من قومنا احد ففعل وکتب الکتاب وکان الذی یختلف بینھم طلحۃ واشھدوا شھودا منھم عمر فلما اتی عمر بالکتاب فنظر فیہ لم یشھد۔ قال لا واللہ ولا کرامۃ ثم مزق الکتاب ومحاہ فغضب طلحۃ فاتی ابابکر فقال أانت الامیر ام عمر۔ فقال عمر غیر ان الطاعۃ لی فسکت ۔ دو شخص زبرقان و اقرع حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا بحرین کا خراج ہمارے لئے مقرر کر دیجئے۔ ہم ضامن ہوتے ہیں کہ ہماری قوم سے کوئی پلٹے گا نہیں آپنے یہ بات مان لی اور ایک دستاویز لکھ کر اُن کے حوالہ کر دی۔ اس وثیقہ کے کئی گواہ مقرر ہوئے جن میں حضرت عمر کا نام بھی تھا۔ مگر حضرت عمر نے اس کو دیکھا تو پھاڑ ڈالا اور مٹا دیا اس پر طلحہ غضب ناک ہو کر حضرت ابوبکر کے پاس آئے۔ اور کہا خلیفہ آپ ہیں یا عمر؟ بولے خلیفہ تو عمر ہی ہیں مگر طاعت میری ہے۔ اس پر وہ خاموش ہو رہے (طبری جلد ۳ صفحہ ۲۴۰)۔ ثم بعث ابوبکر الجنود الی الشام وکان اول من استعمل علی ربع منھا خالد بن سعید فاخذ عمر یقول اتؤمرہ وقد صنع ما صنع وقال ما قال فلم

يمن ل بابى بكر حتى عزله ـ حضرت اول نے کچھ فوجیں شام کو بھیجیں اور ایک ربع پر
خالد بن سعید کو افسر بنایا تو حضرت عمر کہنے لگے تم اس کو افسر فوج بناتے ہو؟ حالانکہ اسنے
جو کچھ کیا کیا اور جو کچھ کہا کہا۔ حضرت عمر ان پر مسلط ہی رہے یہاں تک کہ انھوں نے
خالد کو اسی وقت معزول کر دیا (طبری جلد ۴ صـ۲۸) ۔عن عروة قال دخلت على
معوية فقال لى ما فعل المسلول قلت هو عندى قال انا والله خططته بيدى
اقطع ابوبكر الزبير فكنت اكتبها فجاء عمر فاخذ ابوبكر الكتاب فادخله فى ثنى الفراش
فدخل عمر فقال كانكم على حاجة فقال ابوبكر نعم فخرج فاخرج ابوبكر الكتاب
فاتممته ـ عروہ کا قول ہے کہ ایک دفعہ میں معویہ کے پاس گیا۔ انھوں نے پوچھا مسلول
نامی زمین کس کے پاس ہے۔ کہا میرے پاس۔ معویہ نے کہا ابوبکر نے اسے اپنے داماد
زبیر کو دینا چاہا تو میں اس کا وثیقہ لکھنے لگا مگر عمر وہاں پہنچ گئے تو ابوبکر نے وہ وثیقہ اپنے
فرش کے نیچے چھپا لیا۔ حضرت عمر پوچھنے لگے تم لوگ کوئی خاص کام کرتے تھے؟ ابوبکر
نے کہا ہاں۔ تو وہ نکل گئے۔ تب ابوبکر نے وہ وثیقہ نکالا اور میں نے اسے تمام کیا (کنزالعمال
جلد ۲ صـ۱۸۹)۔ جناب سیدہ اور حضرت امیرؑ کے استدلال سے لاجواب ہو کر حضرت ابوبکر
نے فدک کا وثیقہ بھی آپ کے لئے لکھدیا تھا۔ مگر حضرت عمر بگڑتے اور بہت کچھ بولتے رہے
ثم اخذ عمر الكتاب فشقه پھر حضرت عمر نے وہ وثیقہ لیکر پھاڑ ڈالا (سیرۃ حلبیہ
جلد ۳ صـ۳۹۱) حضرت ابوبکر فرماتے تھے والله لا اجدد شيئا رده عمر ـ خدا کی قسم میں
اس بات کو منظور نہیں کرسکتا جس کو عمر نے نامنظور کر دیا ہو (منتخب کنزالعمال جلد ۴ صـ۳۴۳)
فاشار عليه عمر بعزله فقال ابوبكر فمن يجزى عنى جزاء خالد قال عمر انا قال فانت
حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو مشورہ دیا کہ خالد کو معزول کر دو۔ پوچھا خالد جو کارہائے نمایاں
انجام دے رہے ہیں کون سنبھالے گا؟ کہا میں۔ حضرت ابوبکر نے کہا اچھا تم جاکر اور ان کو
معزول کر کے ان کا کام اپنے ہاتھ میں لے لو۔ حضرت عمر آمادہ ہو گئے۔ مگر اصحاب رسول
نے حضرت ابوبکر سے کہا یہ کیا غلطی کرتے ہیں۔ بغیر عمر کے آپ کا کام نہیں چل سکتا۔ آپ
ان سے صاف کہہ دیں کہ تمہیں یہیں رہنا ہوگا (اصابہ جلد ۲ صـ۱۰) ۔ مگر بعض اوقات
حضرت عمر کی باتیں حضرت ابوبکر کی برداشت سے بھی باہر ہو جاتی تھیں جسکی وجہ سے آپ

اُن پر بگڑ جاتے بلکہ ہاتھ پاؤں کو بھی حرکت دینے لگتے۔ مثلاً جس طرح حضرت رسولخدا صلعم نے اسامہ بن زید کو سردار فوج مقرر کیا تھا۔ حضرت ابوبکر نے بھی کیا تو صحابہ نے حضرت عمر سے کہلایا کہ کسی بڑے شخص کو ہمارا سردار بنائیے۔ حضرت عمر گئے اور صحابہ کا پیغام پہنچایا فوثب ابوبکر وکان جالسا فاخذ بلحیۃ عمر فقال لہ ثکلتک امک وعدمتک یا ابن الخطاب استعملہ رسول اللہ وتامرنی ان انزعہ۔ یہ بات سنی تو حضرت ابوبکر نے جو بیٹھے ہوئے تھے اُچک کر حضرت عمر کی ڈاڑھی پکڑ لی اور کہا اے خطاب کے بیٹے! تمہاری ماں تمہارے ماتم میں بیٹھے اور تم کو ناپید کرے! اسامہ کو رسولخدا صلعم تو سردار مقرر کر گئے اور تم مجھے حکم دیتے ہو کہ ان کو معزول کردوں (تاریخ طبری جلد ۳ ص۲۱۲ وکامل جلد ۲ ص۱۲۷ وغیرہ) اور جب حضرت عمر نے ممدوح سے کہا یا خلیفۃ رسول اللہ تالف الناس وارفق بھم۔ فقال جبار فی الجاھلیۃ خوار فی الاسلام فبماذا اتالفھم۔ اے خلیفۂ رسولؐ لوگوں کو ملائیے اور ان کے ساتھ نرمی کیجیے تو حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا تم جاہلیت میں جبار تھے اور اسلام میں خوار ہو گئے۔ میں کس چیز سے ان لوگوں کو ملاؤں؟ (منتخب کنزالعمال جلد ۴ ص۳۴۹ و تاریخ الخلفاء ص۵۰ و ازالۃ الخفاء مقصد ۲ ص۲۸ وغیرہ) "اجبار فی الجاھلیۃ وخوار فی الاسلام حضرت صدیق نے حضرت عمر سے فرمایا کیا جاہلیت کے زمانہ میں تو تم سرکش اور سخت تھے اسلام میں آکر ناتوان اور کمزور ہو گئے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد عرب کے کئی قبیلوں نے زکوۃ دینے سے انکار کیا۔ حضرت صدیق نے کہا میں ان سے لڑوں گا۔ حضرت عمر نے یہ رائے دی کہ تم کو تالیف قلوب چاہیئے۔ تب حضرت صدیق نے یہ فرمایا" (انوار اللغۃ پ۳ ص۱۳۱)۔ کبھی کبھی حضرت رسولؐ کی زندگی میں بھی دونوں بزرگوں کے درمیان اس طرح کی نوک جھوک ہو جایا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا میری امت سے ایک لاکھ آدمی بہشت میں جائیں گے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے تین بار کہا اے رسولؐ ہمیں زیادہ کیجیئے۔ فقال عمر یا ابا بکر قال مالنا ولک یا ابن الخطاب۔ تو حضرت عمر نے کہا اے ابوبکر بس بھی کرو۔ اس پر حضرت ابوبکر نے جواب دیا اے خطاب کے بیٹے تم ہمارے درمیان کیوں بولنے لگتے ہو؟ (مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص۱۹۳)

پانچویں فصل

مالک کا واقعہ اور مظلوم کی زبردست حمایت

بعض اوقات حضرت عمر مظلوم کی حمایت پر اس طرح آمادہ ہو جاتے کہ حضرت ابوبکر کی ناراضی کی پروا بھی نہیں کرتے تھے جس کی وجہ سے دونوں بزرگوں میں سخت اختلاف پیدا ہوجاتا تھا۔ مثلاً مالک بن نویرہ کی طرفداری جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں قبیلہ بنو یربوع نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا۔ ان کا بزرگ مالک بن نویرہ تھا جو بادشاہ، بہادر سردار اور شاعر تھا۔ وفات رسول پر اس نے حضرت ابوبکر کو زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تو حضرت ابوبکر نے اس کی طرف خالد بن ولید کو بھیجا کہ اس سے جنگ کرو۔ مالک نے ان لوگوں سے کہا میں مسلمان ہوں نماز پڑھتا ہوں صرف ابوبکر کو زکوۃ دینا نہیں چاہتا۔ اس پر دونوں میں دیر تک سخت کلامی ہوئی۔ خالد نے کہا میں تم کو ضرور قتل کر کے رہوں گا۔ اور ضرار ابن ازور کو حکم دیا کہ مالک کو قتل کردو۔ ضرار بڑھا تو مالک اپنی بی بی کی طرف جو نہایت ہی حسینہ و جمیلہ تھی متوجہ ہو کر کہنے لگا میری یہی بی بی میرے قتل ہونے کا سبب ہے کیونکہ اسی کی خوبصورتی مجھے قتل کراتی ہے۔ خالد نے کہا نہیں بلکہ تم اسلام سے پھر گئے اس سبب سے قتل کئے جاتے ہو۔ مالک نے کہا واہ میں تو اسلام ہی پر قائم ہوں۔ اس جگہ حضرت عمر کے صاحب زادے عبداللہ اور ابو قتادہ انصاری بھی موجود تھے۔ ان دونوں نے خالد سے مالک کی سفارش کی (کہ یہ مسلمان ہے کیونکر اس کو قتل کرتے ہو) مگر خالد نے ان دونوں کی باتیں بھی ناپسند کیں۔ خود خالد کی فوج سے بہ کثرت لوگوں نے خالد سے کہا کہ یہ لوگ مسلمان ہیں ہم نے ان کی اذان سنی اور ان کو نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ تم کو خدا کی قسم ان کو قتل نہ کرو۔ مگر خالد نے کسی کی بات نہیں سنی اور کہا اے ضرار ان کی گردن اڑا دو۔ بیچارہ فوراً قتل کر دیا گیا اور اس کا سر ایک دیگچی کا چولھا بنا دیا گیا (کہ اس کے سر میں آگ لگائی گئی اور اس پر دیگچی رکھی گئی) کیونکہ مالک کے سر میں بال بہت تھے۔ اس کے بعد فوراً ہی

خالد نے مالک کی بی بی پر قبضہ کیا جسکے متعلق ایک شخص نے کچھ اشعار میں یہ مضمون لکھا ہے اے مخاطب جب تو اس قبیلہ سے جو جانوروں کی ٹاپوں سے روندڈالا گیا گزرے تو کہدے کہ مالک کے قتل ہو جانے کے بعد یہ رات بڑی لمبی ہو گئی۔ خالد نے ظلم و ستم سے مالک کی پری جمال بی بی پر تصرف کر لیا جس کا عشق اس کے سینہ میں بہت دنوں سے شعلہ ور ہو رہا تھا۔ خالد نے کسی طرح اپنی تمنا پوری کر لی اور اس نے نہ اپنی فریفتگی سے منہ موڑا نہ اس پر قابو رکھ سکا۔ اس طرح وہ نئی معشوقہ کا ہم بستر ہو گیا اور (اُس معشوقہ کا شوہر) بیچارہ مالک اپنی بی بی سے جدا کر کے ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ جب اس واقعہ کی خبر حضرت عمر و ابوبکر کو ہوئی تو حضرت عمر نے انسے کہا کہ خالد نے (مالک کی خوبصورت بی بی سے) زنا کیا ہے اس کو سنگسار کر دو۔ پھر اس طرح گفتگو ہونے لگی:۔

حضرت ابوبکر۔ میں اس کو سنگسار نہیں کر سکتا اس نے تاویل کی تو خطا کی پھر میں قتل کیوں کروں۔

حضرت عمر۔ اچھا اس نے ایک مسلمان (مالک) کو قتل کیا ہے۔ اس کے عوض اسکو قتل کر دو۔

حضرت ابوبکر۔ میں اس کو قتل بھی نہیں کروں گا۔ اس نے تاویل کی جس میں اس سے خطا ہو گئی۔

حضرت عمر۔ خیر تو اس کو معزول کر دو (کہ پھر ایسا ظلم نہ کر سکے)

حضرت ابوبکر۔ میں اس تلوار کو نیام میں نہیں کر سکتا جس کو خدا نے ان لوگوں (میرے مخالفوں) پر کھینچ دیا ہے۔

غرض حضرت عمر لاکھ کوشش کرتے رہے مگر حضرت ابوبکر نے ان کی کوئی بات نہیں مانی (طبری جلد ۳ صفحہ ۲۴۲ و کامل جلد ۲ صفحہ ۱۴۶ و ابوالفدا جلد ا صفحہ ۱۵۸ و روضۃ المناظر جلد ا صفحہ ۱۱۸ وغیرہ)۔ جس وقت مالک نے دیکھا تھا کہ جناب خالد بن ولید کی نظر اسکی خوشجمال بی بی پر پڑ گئی۔ اُسی وقت کہہ دیا کہ اب میری خیریت نہیں۔ ان خالد ساء امرأۃ مالک وکانت فائقۃ فی الجمال فقال مالک بعد ذلک لامرأتہ قتلتنی یعنی

ساقتل من اجلک۔ جب خالد کی نظر مالک کی زوجہ پر پڑ گئی جو حسن جمال میں آپ اپنی نظیر تھی تو مالک نے فوراً اس سے کہہ دیا اب میرے قتل میں کوئی شبہ نہیں رہا یعنی تیرے عشق ہی کی وجہ سے خالد مجھکو قتل کرکے رہیگا تاکہ میرے بعد وہ تجھ سے اپنا مطلب پورا کرے (اصابہ جلد ۶ ص۳۶)۔ لطف یہ کہ خالد حکم اسلام کے مطابق زمانہ عدہ تک بھی برداشت نہ کرسکے وقتل مالک بن نویرۃ فتزوج امرأته ام متمم من لیلته وکانت جمیلة۔ جب مالک بن نویرہ قتل کردیا گیا تو جس دن وہ قتل ہوا اُسی رات کو خالد نے اُس کی بی بی سے ہم بستری کی کیونکہ وہ بہت ہی خوبصورت تھی۔ ان خالدا امر براس مالک فجعل اثفیة القدر۔ پھر خالد نے حکم دیا کہ مالک کا سر چولھا بنالیا جائے اور اُس پر دیگچی رکھی جائے۔ وکان من اکثر الناس شعرا فکانت القدر علی راسه۔ مالک کے سر کے بال بہت تھے۔ اُس میں آگ لگاکر دیگچی اس پر رکھ دیگئی (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۲۳۳)۔ یہاں ایک مشکل سوال پیدا ہوتا ہے کہ ام متمم تو اپنے بے مثال حسن وجمال کی وجہ سے قبضہ میں کرلی گئی اور حلال وحرام کی پروا تک نہیں کی گئی اور مالک بھی اُسی کے آتش عشق کی وجہ سے ختم کردیا گیا مگر اس کے مرنے کے بعد اس کی لاش کو کیوں سزا دی گئی کہ اس کے بالوں میں آگ لگائی گئی۔ اس کے سر کا چولھا بنایا اور اس پر کھانا پکایا گیا۔ شاید اس نئی بیوہ کو اس کے محبوب شوہر کا نیا تماشہ دکھانے کے لئے یہ برتاؤ کیا گیا ہو۔ حضرت ابوبکر ان کل باتوں سے خوش ہی ہوتے اور خالد کی مدح وثنا کے پُل ہی باندھتے رہے۔ فلما بلغ ذلك ابا بكر قال عجزت النساء ان يلدن مثل خالد۔ جب خالد کے کارنامے حضرت ابوبکر تک پہونچے تو (بجائے افسوس ورنج کے) خوش ہوکر اور جوش میں آکر فرماتے کہ دوسری عورتیں خالد ایسا بہادر پیدا کرنے سے عاجز ہیں (طبری جلد ۴ ص۱۱۱ و کامل جلد ۲ ص۱۴۹ وغیرہ)۔ اس وجہ سے خالد کی دلیری بھی بہت بڑھ گئی تھی۔ وہ حضرت عمر کی بھی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے تھے۔ جب خلیفہ وقت ہی ان کی پشت پناہی پر آمادہ تھے تو وہ کسی کی پروا ہی کیوں کرتے۔ حضرت عمر اس وقت سوائے شرمندہ ہونے کے اور کرتے ہی کیا لیکن ممدوح پر ان مظالم کا خاص اثر تھا۔ وہ خالد کو ظالم۔ زانی اور گردن زدنی سمجھتے رہے اور اپنی جانب سے انکی مخالفت کا کوئی درجہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اس وجہ سے جب خود خلافت کی مسند پر تشریف فرما ہوئے تو

خالد کو جلد از جلد معزول کرکے رہے۔

چھٹی فصل

حضرت عمر کا استخلاف

جب ۱۳ھ میں حضرت ابوبکر دنیا سے انتقال کرنے لگے تو پائخانہ سے لوگوں کو جھانکا اور دعا عثمان خالیا فقال له اكتب بسم الله الرحمن الرحيم هذا ما عهد ابوبكر الى المسلمين اما بعد قال ثم اغمی علیه فذهب عنه فكتب عثمان اما بعد فانی قد استخلفت علیکم عمر بن الخطاب ولم آلکم خیرا ثم افاق ابوبکر فقال اقرء علی فقرء علیه فکبر ابوبکر وقال اراک خفت ان یختلف الناس ان افتلتت نفسی فی غشیتی قال نعم۔ حضرت عثمان کو تنہائی میں بلا کر وصیت نامہ لکھوانے لگے "ابعد" ول کر بیہوش ہوگئے۔ حضرت عثمان نے خود لکھ دیا میں نے تم پر عمر کو خلیفہ کیا۔ حضرت ابوبکر کو ہوش ہوا تو پڑھوایا۔ سنکر کہا اللہ اکبر تم ڈر گئے کہ میں ختم نہ ہو جاؤں۔ حضرت عثمان نے کہا ہاں (طبری جلد ۴ صفحہ ۵۲)۔ وارسل الکتاب مع مولی له ومعه عمر پھر حضرت ابوبکر نے وہ وصیت نامہ اپنے غلام اور حضرت عمر کے ساتھ لوگوں کیطرف بھیجا وبیدہ الجرید تو هو یقول اسمعوا واطیعوا قول خلیفة رسول الله۔ حضرت عمر ڈنڈا لئے لوگوں سے کہتے تھے خلیفہ رسول کا حکم سنو اور مانو (طبری جلد ۴ صفحہ ۵۲ وکامل جلد ۲ صفحہ ۱۶۲) فقال له رجل ما فی الکتاب یا ابا حفص قال لا ادری ولکنی اول من سمع واطاع۔ قال لکنی والله ادری ما فیه۔ امرته عام اول وامرک العام۔ حضرت عمر وہ وثیقہ لیکر لوگوں کے پاس گئے تو ایک شخص نے پوچھا اے حفصہ کے باپ! اسمیں لکھا کیا ہے؟ کہا معلوم نہیں لیکن سب سے پہلے اس حکم کا ماننے والا میں ہوں۔ اس شخص نے کہا تم کو نہ معلوم ہو لیکن خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ اسمیں کیا لکھا ہے۔ پار سال تم نے انکو خلیفہ بنایا تو (اسکے عوض) اس سال انہوں نے تمکو خلیفہ بنا دیا (امامۃ وسیاسۃ جلد ۱ صفحہ ۲۳) معلوم نہیں ممدوح نے کس مصلحت سے اپنے پائخانہ میں سے جھانک کر حضرت عمر کو اپنا خلیفہ ظاہر کرنا پسند کیا۔ ع رموز مملکت خویش خسرواں دانند

چوتھا باب۔ وفات خلیفہ اول سے وفات حضرت عمر تک کے حالات

پہلی فصل۔ خلافت کی اجمالی کیفیت

تاریخ ابوالفدا بہت جامع اور مختصر تاریخ ہے۔ اس وجہ سے ہم پہلے اسکی پوری عبارت نقل کرتے ہیں تاکہ اجمالی حالات پر آسانی سے نظر ہو جائے۔ لکھتے ہیں:-

ذکر وفات ابی بکر رضی اللہ عنہ و قد اختلف فی سبب موتہ فقیل ان الیہود سمتہ فی ارز وقیل فی حسو فاکل ہو والحارث ابن کلدۃ فقال الحارث اکلنا طعاما مسموما سم سنۃ فما تا بعد سنۃ وعن عائشۃ رضی اللہ عنہا انہ اغتسل وکان یوما باردا فحم خمسۃ عشر یوما لا یخرج الی الصلاۃ وامر عمران یصلی بالناس وعہد بالخلافۃ الی عمر ثم توفی مساء لیلۃ الثلاثاء بین المغرب والعشاء لثمان بقین من جمادی الآخرۃ سنۃ ثلاث عشرۃ فکانت خلافتہ سنتین وثلاثۃ اشہر وعشر لیال وعمرہ ثلاث وستون سنۃ وغسلتہ زوجتہ اسماء بنت عمیس وحمل علی السریر الذی حمل علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصلی علیہ عمر فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین القبر والمنبر واوصی ان یدفن الی جنب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحفر لہ وجعل راسہ عند کتفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان حسن القامۃ خفیف العارضین معروق الوجہ غائر العینین ناتی الجبہۃ احنی عاری الاشاجع یخضب بالحناء والکتم۔

ذکر خلافۃ عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبد العزی رضی اللہ عنہ بویع بالخلافۃ فی الیوم الذی مات فیہ ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ واول خطبۃ خطبہا قال یا ایہا الناس واللہ ما فیکم احد اقوی عندی من الضعیف حتی آخذ الحق لہ ولا اضعف عندی من القوی حتی آخذ الحق منہ ثم اول شیٔ امر بہ ان عزل خالد بن الولید عن الامرۃ وولی ابا عبیدۃ علی الجیش بالشام وارسل بذلک الیہما وہو اول من سمی بامیر المومنین وکان ابوبکر یخاطب بخلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ثم سار ابو عبیدۃ) ونازل دمشق وکانت منزلتہ من جہۃ باب الجابیۃ ونزل خالد من جہۃ باب توما وباب شرقی ونزل عمرو بن العاص بناحیۃ اخری وحاصروہا قریبا من سبعین لیلۃ وفتح خالد مایلیہ بالسیف فخرج اہل دمشق وبذلوا الصلح لابی عبیدۃ من الجانب الآخر وفتحوا لہ الباب فامنہم ودخل والتقی مع خالد فی وسط البلد وبعث ابو عبیدۃ بالفتح الی عمر (وفی ایامہ) فتح العراق (ثم دخلت سنۃ اربع عشرۃ) فیہا فی المحرم امر عمر ببناء البصرۃ فاختطت

وقیل فی سنة خمس عشرة و فیها توفی ابو قحافة ابو ابی بکر الصدیق وعمرہ سبع وتسعون سنة وکانت وفاته بعد وفاة ابنه ابی بکر (ثم دخلت سنة خمس عشرة) فیها فتحت حمص بعد دمشق بعد حصار طویل حتی طلب الروم الصلح فصالحهم ابو عبیدة علی ما صالح اهل دمشق (ثم سار) الی حماة قال القاضی جمال الدین بن واصل رحمه الله تعالی فی التاریخ الذی نقلنا هذا منه ان حماة کانت فی زمن داؤد وسلیمان علیهما السلام مدینة عظیمة قال وقد وجدت ذکرها فی اخبار داؤد وسلیمان فی کتاب اسفار الملوک الذی بایدی الیهود وکذلک کانت فی زمن الیونان الا انها فی زمن الفتوح وقبله کانت صغیرة هی وشیزر وکانا من عمل حمص وکانت حمص کرسی مملکة هذه البلاد وقد ذکرها امرئ القیس فی قصیدته التی اولها :. سما لک شوق بعد ما کان اقصرا :. ویقول من جملتها ـ تقطع اسباب اللبانة والهوی :. عشیة جاوزنا حماة وشیزرا ـ قال بعض الشراح حماة وشیزر قریتان من قری حمص ولما وصل ابو عبیدة الی حماة خرجت الروم التی بها الیه یطلبون الصلح فصالحهم علی الجزیة لرؤسهم والخراج علی ارضهم وجعل کنیستهم العظمی جامعا وهو جامع السوق الاعلی من حماة ثم جدد فی خلافة المهدی من بنی العباس وکان علی لوح منه مکتوب انه جدد من خراج حمص ثم سار ابو عبیدة الی شیزر فصالحه اهلها علی صلح اهل حماة وکذلک صالح اهل المعرة وکان یقال لها معرة حمص ثم قیل لها معرة النعمان بن بشیر الانصاری لانها کانت مضافة الیه مع حمص فی خلافة معاویة (ثم) سار ابو عبیدة الی اللاذقیة ففتحها عنوة (وفتح) جبلة والطرطوس (ثم) سار ابو عبیدة الی قنسرین وکانت کرسی المملکة المنسوبة الیوم الی حلب وکانت حلب من جملة اعمال قنسرین ولما نازلها ابو عبیدة وخالد بن الولید کان بها جمع عظیم من الروم فجری بینهم قتال شدید انتصر فیه المسلمون ثم بعد ذلک طلب اهلها الصلح علی صلح اهل حمص فاجابهم علی ان یخربوا المدینة فخربت (ثم) فتح بعد ذلک حلب وانطاکیة ومنبج ودلوک وسرمین وتنزین وعزاز واستولی

على الشام من هذه الناحية (ثم) سار خالد الى مرعش ففتحها واجلى اهلها واخربها وفتح حصن الحدث (وفى هذه السنة) لما فتحت هذه البلاد وهى سنة خمس عشرة .:. وقيل ست عشرة ايس هرقل من الشام وسار الى قسطنطينية من الرها .:. ولما سار هرقل علا على نشز من الارض ثم التفت الى الشام وقال السلام عليك يا سوريا سلام لا اجتماع بعده ولا يعود اليك رومى بعدها الا خائفا حتى يولد الولد المشؤم وليته لم يولد فما اجل فعله وامر فتنته على الروم ثم فتحت قيسارية وصبصطية وبها قبر يحيى بن زكريا ونابلس ولد ويافا وتلك البلاد جميعها واما بيت المقدس فطال حصاره وطلب اهله من ابى عبيدة ان يصالحهم على صلح اهل الشام بشرط ان يكون عمر بن الخطاب متولى امر الصلح فكتب ابو عبيدة الى عمر بذلك فقدم عمر رضى الله عنه الى القدس وفتحها واستخلف على المدينة على بن ابى طالب رضى الله عنه (وفى هذه السنة) اعنى سنة خمس عشرة وضع عمر ابن الخطاب الدواوين وفرض العطاء للمسلمين ولم يكن قبل ذلك وقيل كان ذلك سنة عشرين فقيل له ابدا بنفسك فامتنع وبدا بالعباس عم رسول الله صلى الله عليه وسلم ففرض له خمسة وعشرين الفا ثم بدأ بالاقرب فالاقرب من رسول الله صلى الله عليه وسلم وفرض لاهل بدر خمسة آلاف خمسة آلاف و فرض لمن بعدهم الى الحديبية وبيعة الرضوان اربعة آلاف اربعة آلاف ثم لمن بعدهم ثلاثة آلاف ثلاثة آلاف وفرض لاهل القادسية واهل الشام الفين الفين وفرض لمن بعد القادسية واليرموك الفا الفا ولروادفهم خمسمائة خمسمائة ثم ثلثمائة ثلثمائة ثم مائتين مائتين وخمسين (وكان فى هذه السنة اعنى سنة خمس عشرة وقعة القادسية وكان المتولى لحرب الاعاجم فيها سعد بن ابى وقاص وكان مقدم العجم رستم وجرى بين المسلمين وبين الاعاجم اذ ذاك قتال عظيم دام اياما فكان (اليوم) الاول يوم اغواث ثم (يوم) غماس ثم (ليلة) الهرير لتركهم الكلام فيها وانما كانوا يهرون هريرا حتى اصبح الصباح ودام القتال الى الظهيرة وهبت ريح عاصفة فمال الغبار على المشركين فانكسروا وانتهى القعقاع واصحابه

الی سریر رستم وقد قام رستم عنه واستظل تحت بغال علیها مال وصلت من
کسری للنفقة فلما شد واعلی رستم هرب ولحقه هلال بن علقمة فاخذ برجله
وقتله ثم جاء به حتی رمی به بین ارجل البغال وصعد السریر ونادی قتلت رستم
ورب الکعبة وتمت الهزیمة علی العجم وقتل منهم ما لا یحصی ثم ارتحل سعد ونزل
غربی دجلة علی نهر شیر قبالة مدائن کسری وایوانه المشهور ولما شاهد المسلمون
ایوان کسری کبروا وقالوا هذا ابیض کسری هذا ما وعد الله ورسوله (ثم دخلت
سنة ست عشرة) واقام سعد علی نهر شیر الی ایام من صفر ثم عبروا دجلة وهربت
الفرس من المدائن نحو حلوان وکان یزدجرد قد قدم عیاله الی حلوان وخرج هو
ومن معه بما قدروا علیه من المتاع ودخل المسلمون المدائن وقتلوا کل من وجدوه
واحتاطوا بالقصر الابیض ونزل به سعد واتخذوا ایوان کسری مصلی واحتاطوا
علی اموال من الذهب والآنیة والثیاب تخرج عن الاحصاء وادرک بعض المسلمین
بغلا وقع فی الماء فوجد علیه حلیة کسری من التاج والمنطقة والدرع وغیر ذلک
کله مکلل بالجوهر ووجدوا اشیاء یطول شرحها وکان لکسری بساط طوله ستون ذراعاً
فی ستین ذراعاً وکان علی هیئة روضة قد صورت فیه الزهور بالجوهر علی قضبان
الذهب فاستوهب سعد ما یخص اصحابه منه وبعث به الی عمر فقطعه عمر وقسمه
بین المسلمین فاصاب علی بن ابی طالب منه قطعة فباعها بعشرین الف درهم (واقام)
سعد بالمدائن وارسل جیشاً الی جلولا وکان قد اجتمع بها الفرس فانتصر المسلمون
وقتلوا من الفرس ما لا یحصی وهذه الوقعة هی المعروفة بوقعة جلولا وکان یزدجرد
بحلوان فسار عنها وقصدها المسلمون واستولوا علیها (ثم) فتح المسلمون تکریت
والموصل (ثم) فتحوا ماسبذان عنوة وکذلک قرقیسیا (وفی هذه السنة) اعنی
سنة ست عشرة للهجرة قدم جبلة بن الایهم علی عمر بن الخطاب رضی الله عنه
فتلقاه جماعة من المسلمین ودخل فی زی حسن وبین یدیه جنائب مقادة ولبس
اصحابه الدیباج ثم خرج عمر الی الحج فی هذه السنة فحج جبلة معه فبینا جبلة طائف اذ
وطئ ازاره رجل من فزارة علی ازاره فلطمه جبلة فهشم انفه فاقبل الفزاری الی عمر شاکیا

فاحضره عمر وقال اقتد نفسك والا امرته ان يلطمك فقال جبلة كيف ذلك وانا ملك وهو سوقة فقال عمر ان الاسلام جمعكما وسوى بين الملك والسوقة فى الحد فقال جبلة كنت اظن انى بالاسلام اعز منى فى الجاهلية فقال عمر دع عنك هذا فقال جبلة اتنصر فقال عمر ان تنصرت ضربت عنقك فقال انظرنى ليلتى هذه فانظره فلما جاء الليل سار جبلة بخيله ورجله الى الشام ثم سار الى القسطنطينية وتبعه خمسمائة رجل من قومه فتنصروا عن آخرهم وفرح هرقل بهم واكرمه ثم ندم جبلة على فعله ذلك وقال

تنصرت الاشراف من عار لطمة .:. وما كان فيها لو صبرت لها ضرر

تكنفنى فيها اللجاج ونخوة .:. وبعت لها العين الصحيحة بالعور

فياليت امى لم تلدنى وليتنى .:. رجعت الى القول الذى قاله عمر

وكان قد مضى رسول عمر الى هرقل وشاهد ما هو فيه جبلة من النعمة فارسل جبلة خمسمائة دينار لحسان بن ثابت واوصلها عمر اليه ومدحه حسان بن ثابت بابيات منها

ان ابن جفنة من بقية معشر .:. لم يغرهم آباؤهم باللوم

لم ينسنى بالشام اذ هو ربها .:. كلا ولا متنصرا بالروم

يعطى الجزيل ولا يراه عنده .:. الا كبعض عطية المذموم

(ثم دخلت سنة سبع عشرة) فيها اختطت الكوفة وتحول سعد اليها (وفى هذه السنة) اعتمر عمر واقام بمكة عشرين ليلة ووسع فى المسجد الحرام وهدم منازل قوم ابوا ان يبيعوها وجعل اثمانها فى بيت المال وتزوج ام كلثوم بنت على بن ابى طالب وامها فاطمة رضى الله عنها (وفى هذه السنة) كانت واقعة المغيرة بن شعبة وهى ان المغيرة كان عمر قد ولاه البصرة وكان فى قبالة العلية التى فيها المغيرة بن شعبة علية فيها اربعة وهم ابو بكرة مولى النبى صلى الله عليه وسلم واخوه لامه زياد بن ابيه ونافع بن كلدة وشبل بن معبد فرفعت الريح الكوة عن العلية فنظروا الى المغيرة وهو على ام جميل بنت الارقم بن عامر بن صعصعة وكانت

تغشی المغیرۃ فکتبوا الی عمر بذلک فعزل المغیرۃ واستقدمه مع الشهود وولی البصرۃ اباموسی الاشعری فلما قدم الی عمر شهد ابوبکرۃ ونافع وشبل علی المغیرۃ بالزنا ... واما زیاد بن ابیه فلم یفصح شهادۃ الزنا وکان عمر قد قال قبل ان یشهد انی ارى رجلا ارجو ان لا یفضح الله به رجلا من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال زیاد رأیته جالسا بین رجلی امرأۃ ورأیت رجلین مرفوعتین کاذنی حمار ونفسا یعلو واستا تنبو عن ذکر ولا اعرف ما وراء ذلک فقال عمر هل رأیت المیل فی المکحلة قال لا فقال هل تعرف المرأۃ قال لا ولکن اشبهها فامر عمر بالثلاثة الذین شهدوا بالزنا ان یحد واحد القذف فجلدوا وکان زیادۃ اخا ابی بکرۃ لامه فلم یکلمه ابوبکرۃ بعدها (دنیا) فتح المسلمون الاهواز وکان قد استولی علیها الهرمزان وکان من عظماء الفرس ثم فتحوا رام هرمز وتستر وتحصن الهرمزان فی القلعة وحاصروه فطلب الصلح علی حکم عمر فانزل علی ذلک وارسلوا به الی عمر ومعه وفد منهم انس بن مالک والاحنف بن قیس فلما وصلوا به الی المدینة البسوه کسوته من الدیباج المذهب ووضعوا علی راسه تاجه وهو مکلل بالیاقوت لیراه عمر والمسلمون فطلبوا عمر فلم یجدوه فسألوا عنه فقیل جالس فی المسجد فاتوه وهو نائم فجلسوا دونه فقال الهرمزان این هو عمر قالوا هوذا قال فاین حرسه وحجابه قالوا لیس له حارس ولا حاجب واستیقظ عمر لجلبة الناس فنظر الی الهرمزان وقال الحمد لله الذی اذل بالاسلام هذا واشباهه وامر بنزع ما علیه فنزعوه والبسوه ثوبا صفیقا فقال له عمر کیف رایت عاقبة الغدر وعاقبة امر الله فقال الهرمزان نحن وایاکم فی الجاهلیة لما خلی الله بیننا وبینکم غلبناکم ولما کان الله الآن معکم غلبتمونا ودار بینهما الکلام وطلب الهرمزان ماء فاتی به فقال اخاف ان تقتلنی وانا اشرب فقال عمر لا باس علیک حتی تشرب فرمی بالاناء فانکسر فقصد عمر قتله فقالت الصحابة انک امنته بقولک لا باس علیک الی ان تشرب ولم یشرب ذلک الماء وآخر الامر ان الهرمزان اسلم وفرض له عمر الفین (ثم دخلت سنة ثمانی عشرۃ) فیها حصل فی المدینة والحجاز قحط عظیم

فکتب عمر الى سائر الامصار يستغيثهم فكان ممن قدم عليه ابو عبيدة من الشام باربعة آلاف راحلة من الزاد وقسم عمر ذلك على المسلمين حتى رخص الطعام بالمدينة ⁂ ولما اشتد القحط خرج عمر ومعه العباس وجمع الناس واستسقى متشفعا بالعباس فما رجع الناس حتى تداركت السحب وامطروا واقبل الناس يتمسحون باذيال العباس رضى الله عنه (وفى هذه السنة) اعنى سنة ثمان عشرة كان طاعون عمواس بالشام مات به ابو عبيدة بن الجراح واسمه عامر بن عبد الله بن الجراح الفهرى احد العشرة المشهود لهم بالجنة واستخلف ابو عبيدة على الناس (معاذ) بن جبل الانصارى فمات ايضا بالطاعون واستخلف (عمرو) بن العاص ومات من الناس فى هذا الطاعون خمسة وعشرون الف نفس فطال مكثه شهرا وطمع العدو فى المسلمين واصاب بالبصرة مثله (وفى هذه السنة) سار عمر الى الشام فقسم مواريث الذين ماتوا ثم رجع الى المدينة فى ذى القعدة (ثم دخلت سنة تسع عشرة وسنة عشرين) فيهما فتحت مصر والاسكندرية على يد عمرو بن العاص والزبير بن العوام فنازلا عين شمس وهو بقرب المطرية وكان بها جمعهم ففتحاها وبعث عمرو بن العاص ابرهة بن الصباح الى الفرماء وضرب عمرو فسطاطه موضع جامع عمرو بمصر الآن واختطت مصر وبنى موضع الفسطاط الجامع المعروف بجامع عمرو بن العاص ثم توجه الى الاسكندرية ففتحها عنوة بعد قتال كثير (وفيها) اعنى سنة عشرين توفى بلال بن رباح مؤذن رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو مولى ابى بكر الصديق واسم امه حمامة وهو من مولدى الحبشة اسلم بعد اسلام ابى بكر الصديق ولم يؤذن بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم فطلب من ابى بكر ان يرسله الى الجهاد فسأله ابوبكر ان يقيم معه فاقام معه حتى توفى عمر فسأله عمر ذلك فابى بلال وسار الى دمشق واقام بها حتى مات ودفن عند الباب الصغير (ثم دخلت سنة احدى وعشرين) فيها كانت وقعة نهاوند مع الاعاجم وكان قد اجتمعوا فى مائة وخمسين الفا ومقدمهم الفيرزان فجرى بينهم وبين المسلمين حروب كثيرة آخرها ان المسلمين

هزموا الاعاجم واثخنوهم قتلا وهرب الفيرزان مقدم جيش الاعاجم فلما وصل الى ثنية همذان وجد بغالا محملة عسلا فلم يقدر على المضي فنزل عن فرسه وهرب في الجبل فتبعه القعقاع راجلا وقتله فقال المسلمون ان لله جندا من عسل (وفي هذه السنة) فتحت الدينور والصيمرة وهمذان واصفهان (وفي هذه السنة) توفي خالد ابن الوليد واختلف في موضع قبره فقيل بحمص وقيل بالمدينة (ثم دخلت سنة اثنتين وعشرين) فيها فتحت اذربيجان والري وجرجان وقزوين وزنجان وطبرستان (وفيها) سار عمرو بن العاص الى برقة فصالحه اهلها على الجزية (ثم) سار الى طرابلس الغرب فحاصرها وفتحها عنوة (وفي هذه السنة) غزى الاحنف بن قيس خراسان وحارب يزدجرد وافتتح هراة عنوة (ثم) سار الى مرو وكتب يزدجرد الى ملك الترك يستمده والى ملك الصغد والى ملك الصين يستمدهما وانهزم يزدجرد الى بلخ ثم سار اليه المسلمون فهزموه وعبر يزدجرد نهر جيحون (ثم) ان يزدجرد اختلف هو وعسكره فانه اشار بالمقام مع الترك واشار عسكره بمصالحة المسلمين والدخول في حكمهم فابى يزدجرد ذلك فطرده عسكره واخذوا خزانته وسار يزدجرد مع الترك في حاشيته واقام بفرغانة زمن عمر كله وبقي عسكره في اماكنهم وصالحوا المسلمين (وفيها) توفي ابي بن كعب بن قيس وهو من ولد مالك بن النجار وكان يكنى ابا المنذر احد كتاب الوحي لرسول الله صلى الله عليه وسلم وهو الذي امر الله تعالى رسوله عليه الصلوة والسلام ان يقرأ القرآن على ابي بن كعب المذكور وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اقرأ امتي ابي بعدي وقيل مات في سنة ثلاثين في خلافة عثمان (ثم دخلت سنة ثلاث وعشرين)

ذكر مقتل عمر رضي الله عنه (وفي هذه السنة) طعن ابو لؤلؤة واسمه فيروز عبد المغيرة بن شعبة عمر بن الخطاب وهو في الصلاة بخنجر في خاصرته وتحت سرته وذلك لست بقين من ذي الحجة من السنة المذكورة وتوفي يوم السبت سلخ ذي الحجة ودفن يوم الاحد هلال محرم سنة اربع وعشرين وكانت مدة خلافته عشر سنين

وستة اشهر وثمانية ايام ودفن عند النبى صلى الله عليه وسلم وابى بكر الصديق رضى الله عنهما وعهد بالخلافة الى النفر الذين مات رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو عنهم راض وهم على وعثمان وطلحة والزبير وسعد رضى الله عنهم بعد ان عرضها على عبد الرحمن بن عوف فابى وكان عمر رضى الله عنه طويل القامة ابيض اصلع اشيب وكان عمره خمساً وخمسين سنة وقيل ستين وقيل ثلاثا وستين وكان له من الفضل والزهد والعدل والشفقة على المسلمين القدر الاوفر فمن ذلك انه جاء الى عبد الرحمن بن عوف وهو يصلى فى بيته ليلا فقال عبد الرحمن ماجاء بك يا امير المومنين فى هذه الساعة فقال ان رفقة نزلوا فى ناحية السوق خشيت عليهم سراق المدينة فانطلق لنحرسهم فاتيا السوق وقعدا على نشز من الارض يتحدثان ويحرسانهم وهما اول من سمى باميرالمومنين واول من كتب التاريخ وارخ من السنة التى هاجر فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم واول من عس بالليل واول من نهى عن بيع امهات الاولاد واول من جمع الناس فى صلاة الجنازة على اربع تكبيرات وكانوا قبل ذلك يكبرون اربعا وخمسا وستا واول من جمع الناس على امام يصلى بهم التراويح فى رمضان وكتب بذلك الى سائر البلدان وامرهم به واول من حمل الدرة وضرب بها ودون الدواوين وخطب مرة الناس وعليه ازار فيه اثنتى عشرة رقعة وكان مرة فى بعض حجاته فلما مر بضجنان قال لا اله الا الله المعطى ماشاء من شاء كنت ارعى ابل الخطاب فى هذا الوادى فى مدرعة صوف وكان فظا يتعبنى اذا عملت ويضربنى اذا قصرت وقد اصبحت وليس بينى وبين الله احد وفضائله رضى الله عنه اكثر من ان تحصر (ثم دخلت سنة اربع وعشرين) فيها عقب موت عمر اجتمع اهل الشورى وهم على وعثمان وعبد الرحمن بن عوف وسعد بن ابى وقاص وعبد الله بن عمر رضى الله عنهم وكان قد شرط عمر ان يكون ابنه عبد الله شريكا فى الرأى ولا يكون له حظ فى الخلافة وطال الامر بينهم وكان قد جعل لهم عمر مدة ثلاثة ايام وقال لايمضى اليوم الرابع الا وكم امير وان اختلفتم فكونوا مع الذى معه عبد الرحمن

فمضى على الى العباس رضى الله عنهما وقال له عدل عنا لان سعدا لا يخالف عبد الرحمن لانه بن عمه وعبد الرحمن صهر عثمان فلا يختلفون فيوليها احدهم الآخر فقال العباس لما ادفعك عن شئ الا رجعت الى مستاخرا اشرت عليك قبل وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم ان تسأله فيمن يجعل هذا الامر فأبيت وأشرت عليك بعد وفاته ان تعاجل هذا الامر فابيت وأشرت عليك حين سماك عمر فى الشورى ان لا تدخل فيهم فابيت وهذا الرهط لا يبرحون يدفعوننا عن هذا الامر حتى يقوم له غيرنا وأيم الله لا يناله الا بشر لا ينفع معه خير (ثم) جمع عبد الرحمن الناس بعد ان اخرج نفسه عن الخلافة فدعا عليا فقال عليك عهد الله و ميثاقه لتعملن بكتاب الله وسنة رسوله وسيرة الخليفتين من بعده فقال ارجوان افعل واعمل مبلغ علمى وطاقتى ودعا بعثمان وقال له مثل ما قال لعلى فرفع عبد الرحمن راسه الى سقف المسجد ويده فى يد عثمان وقال اللهم اسمع واشهد اللهم انى جعلت ما فى رقبتى من ذلك فى رقبة عثمان وبايعه فقال على ليس هذا اول يوم تظاهرتم علينا فيه فصبر جميل والله المستعان على ما تصفون والله ما وليت عثمان الا ليرد الامر اليك والله كل يوم هو فى شان فقال عبد الرحمن يا على لا تجعل على نفسك حجة وسبيلا فخرج على وهو يقول سيبلغ الكتاب أجله (فقال) المقداد بن الاسود لعبد الرحمن والله لقد تركته يعنى عليا وانه من الذين يقضون بالحق و به يعدلون فقال يا مقداد لقد اجهدت للمسلمين - فقال المقداد انى لاعجب من قريش انهم تركوا رجلا ما أقول ولا اعلم ان رجلا اقضى بالحق ولا اعلم منه فقال عبد الرحمن يا مقداد اتق الله فانى اخاف عليك الفتنة ثم لما احدث عثمان رضى الله عنه ما احدث من توليته الامصار للاحداث من اقاربه روى انه قيل لعبد الرحمن بن عوف هذا كله فعلك فقال لم أظن هذا به لكن لله على ان لا أكلمه أبدا ومات عبد الرحمن وهو مهاجر لعثمان رضى الله عنهما و دخل عليه عثمان عائدا فى مرضه فتحول الى الحائط ولم يكلمه

حضرت ابوبکرؓ کی وفات کا بیان | آپ کی وفات کے سبب میں اختلاف ہے کوئی کہتا ہے

کہ یہود نے چاول یا حریرہ میں زہر دے دیا۔ جسے آپ نے کھا لیا اور ایک سال کے بعد مر گئے
مگر حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ انھوں نے سردی کے زمانہ میں غسل کیا جس سے ۱۵ دن تک تپ
آتی رہی تو نماز کے لیے نکلنا موقوف کر دیا اور حضرت عمر کو نماز پڑھانے اور خلافۃ کرنے کا
حکم دیا۔ پھر ۲۲ جمادی الآخرۃ ۱۳ھ کو انتقال کر گئے۔ آپ کی خلافت ۲ سال ۳ ماہ ۱۰ دن
اور آپ کی عمر ۶۳ سال ہوئی۔ آپ کی زوجہ اسماء نے غسل دیا اور جس تخت پر حضرت رسولؐ
کا جنازہ اُٹھا تھا اُسی پر آپ بھی اُٹھائے گئے۔ مسجد رسولؐ میں قبر اور منبر کے درمیان
آپ پر حضرت عمر نے نماز جنازہ پڑھی۔ اور آپ کی وصیت کے مطابق رسولؐ کے پہلو
میں قبر کھودی گئی جس میں آپ دفن کر دیئے گئے۔ آپکی قامت اچھی۔ دونوں گال پچکے ہوئے
چہرے پر رگیں اُبھری ہوئی۔ آنکھیں دھنسی ہوئی۔ پیشانی آگے کو نکلی ہوئی۔ انگلیاں
گوشت سے خالی اور بیٹھ آگے یا پیچھے کو دبی (یعنی کبڑ نکلی) ہوئی تھی۔ مہندی اور
وسمہ کا خضاب کرتے تھے۔

حضرت عمر بن الخطاب کی خلافۃ کا بیان جس روز حضرت ابوبکر مرے اُسی دن آپکی
خلافت کی بیعت کی گئی۔ آپکی پہلی تقریر یہ تھی "اے لوگو! خدا کی قسم تم میں کوئی شخص میرے
نزدیک کمزور سے زیادہ مضبوط نہیں یہاں تک کہ میں اس کا حق لے لوں۔ اور مضبوط
سے زیادہ کمزور کوئی نہیں یہاں تک کہ اس سے حق لے لوں"۔ پھر پہلا کام آپ نے
یہ کیا کہ خالد بن ولید کو افسری سے معزول کر کے انکی جگہ شام کے لشکر کا سردار ابو عبیدہؓ
کو کر دیا اور یہ پیغام دونوں کے پاس بھیج دیا۔ آپ ہی نے سب سے پہلے اپنا نام امیر المومنین
رکھا۔ حضرت ابوبکر تو خلیفہ رسول اللہ کہے جاتے تھے۔ پھر ابو عبیدہ گئے اور دمشق
پر چڑھائی کی۔ ایک طرف سے انھوں نے۔ ایک جانب سے خالد اور ایک سمت سے عمرو
عاص نے دمشق کا محاصرہ کر لیا ستر دن محاصرہ کے بعد دمشق زیر ہو گیا اور ابو عبیدہ
نے فتح کی خوش خبری حضرت عمر کے ہاں بھیج دی۔ انھیں دنوں میں عراق فتح ہوا۔
۱۴ھ کے محرم میں حضرت عمر نے حکم دیا کہ بصرہ آباد کیا جائے تو اسکی حد بندی کی گئی
اور بقولے یہ ۱۵ھ کا واقعہ ہے۔ اور اسی سال حضرت ابوبکر کے والد ابو قحافہ نے
۹۷ سال کی عمر میں حضرت ابوبکر کے بعد انتقال کیا۔

سنہ ۱۵ھ اس سال دمشق کے بعد بہت دنوں محاصرہ ہونے پر حمص بھی فتح ہو گیا اور رومیوں نے صلح کی درخواست کی تو ابو عبیدہ نے ان سے بھی انہیں شرائط پر صلح کی جن شرطوں پر اہل دمشق نے کی تھی۔ پھر وہاں سے وہ حماۃ کی طرف گئے۔ قاضی جمال الدین بن واصل نے اُس تاریخ میں جس سے ہم نے یہ مضمون نقل کیا لکھا ہے کہ حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کے زمانہ میں یہ مقام حماۃ ایک بڑا شہر تھا۔ انھوں نے کہا ہے کہ میں نے اس کا ذکر حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کے حالات میں کتاب اسفار الملوک میں پایا ہے جو یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ اسی طرح یونان کے زمانہ میں بھی یہ بڑا شہر تھا مگر یہ کہ زمانہ فتوحات میں بلکہ اس کے قبل بھی یہ ایک چھوٹا قصبہ رہ گیا تھا۔ یہ اور شیزر حمص کے مضافات میں تھے اور حمص ان شہروں کا صدر مقام تھا۔ جب ابو عبیدہ حماۃ پہنچے تو وہاں کے رومی صلح کی درخواست لے کر نکلے۔ ابو عبیدہ نے ان سے اس شرط پر صلح کر لی کہ ہر شخص کا جزیہ اور ہر زمین کا خراج دینا ہوگا۔ اور ان کے بڑے گرجا کو مسجد بنا دیا جو حماۃ کے بڑے بازار کی مسجد جامع قرار پائی۔ پھر بنی عباس کے خلیفہ مہدی کے زمانہ میں اس مسجد کی مرمت کی گئی۔ اور اس کی ایک لوح پر لکھا گیا کہ اس مسجد کی مرمت مقام حمص کے خراج سے کی گئی ہے۔ وہاں سے ابو عبیدہ شیزر گئے۔ وہاں کے باشندوں نے بھی انہیں شرائط پر صلح کر لی جو حماۃ والوں کے تھے۔ اسی طرح معرہ والوں نے بھی صلح کر لی۔ پہلے اس کا نام معرۃ النعمان بن بشیر انصاری کہا جانے لگا۔ کیونکہ معویہ کی خلافت میں وہ حمص کے ساتھ اسی شخص کے ذمہ کر دیا گیا تھا۔ وہاں سے ابو عبیدہ لاذقیہ کی طرف بڑھے اور اس کو زبردستی (قہر و جبر سے) فتح کر لیا۔ اور جبلہ و طرطوس کو بھی لے لیا۔ وہاں سے ابو عبیدہ قنسرین کی طرف بڑھے جو سلطنت حلب کا پایہ تخت تھا اور حلب قنسرین کے مضافات سے تھا۔ جب ابو عبیدہ و خالد بن ولید نے اس پر حملہ کیا تو وہاں رومیوں کی بہت بڑی جمعیت تھی۔ دونوں طرف سخت جنگ ہوئی مگر مسلمان ہی کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد وہاں کے باشندوں نے بھی صلح کی درخواست کی انہیں شرائط پر جو حمص والوں سے طے ہوئے تھے مگر ابو عبیدہ نے اس شرط پر صلح منظور کی کہ وہ شہر تباہ و برباد کر دیا جائے چنانچہ وہ برباد کر دیا گیا۔ اس کے بعد حلب و انطاکیہ و منبج و دلوک و سرمین و تیزین و عزاز بھی فتح کر لئے گئے اور اس جانب سے شام

حمص فتح ہوا پھر معرہ

پر پورا تسلط ہوگیا۔ یہاں سے خالد مرعش کی طرف بڑھے اسے فتح کرکے اسکے باشندوں کو جلا وطن کردیا اور اس شہر کو مٹا دیا۔ اور قلعہ حدث کو بھی فتح کرلیا اور اسی سال ۱۵ھ میں جب یہ سب شہر فتح ہوگئے اور کچھ لوگوں نے کہا ہے ۱۶ھ میں ہرقل شام سے مایوس ہوکر رہا سے قسطنطنیہ کی طرف چلا گیا۔ جب جانے لگا تو ایک ٹیلے پر چڑھکر اور شام کی طرف منہ کرکے کہنے لگا اے شام تجھ پر سلام ہو ایسا سلام کہ پھر ملنا نہیں ہوگا اور تیری طرف اب کوئی رومی نہیں پلٹیگا مگر یہ کہ وہ خوف زدہ ہوگا یہاں تک کہ منحوس بچہ پیدا ہو اور کاش وہ نہ پیدا ہوتا۔ اس کا فعل کتنا مہتم بالشان اور اس کا فتنہ کتنا سخت ہوگا۔ پھر قیساریہ اور صبصطیہ بھی فتح ہوگئے (وہیں حضرت یحییٰ بن زکریا کی قبر ہے) اور نابلس ولد یافا اور یہ سب شہر بھی۔ پھر بیت المقدس پر حملہ ہوا تو مسلمانوں نے اس کا محاصرہ کرلیا جو بہت دنوں تک رہا۔ آخر وہاں کے باشندوں نے ابوعبیدہ سے شام والوں کے شرائط پر درخواست صلح کی اس عنوان سے کہ خود عمر بن الخطاب آکر صلح نامہ لکھیں۔ ابوعبیدہ نے اسکی خبر حضرت عمر کو کی تو وہ حضرت علی کو مدینہ میں اپنی جگہ رکھکر بیت المقدس آئے اور اس کو فتح کیا۔ اور اسی سال یعنی ۱۵ھ میں حضرت عمر نے دفتروں کو وضع کیا اور مسلمانوں کے لئے وظیفے مقرر کئے جس کا پہلے نام ونشان بھی نہ تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ کام ۲۰ھ میں کیا۔ لوگوں نے کہا آپ اپنی ذات سے شروع کریں مگر وہ نہ مانے اور حضرت رسولؐ کے چچا جناب عباس سے شروع کیا ان کے لئے ۲۵ ہزار درہم سالانہ مقرر کئے۔ پھر درجہ بدرجہ جو شخص حضرت رسولؐ سے جتنا قریب تھا اسی مناسبت سے اس کا نام پہلے درج کیا۔ اور بدر میں جو اصحاب شریک تھے ان کے لئے پانچ پانچ ہزار اور شرکاء بدر کے بعد سے صلح حدیبیہ و بیعۃ الرضوان تک شریک ہونے والوں کے لئے چار چار ہزار۔ پھر ان کے بعد والوں کے لئے تین تین ہزار۔ اور اہل قادسیہ و اہل شام کے لئے دو دو ہزار اور جنگ قادسیہ و یرموک سے بعد کے مجاہدین کے لئے ایک ایک ہزار۔ اور ان کے ردیفوں کے لئے پانچ پانچ سو پھر تین تین سو پھر ڈھائی ڈھائی سو مقرر کئے۔

اور اسی سال یعنی ۱۵ھ میں جنگ قادسیہ بھی ہوئی۔ اس میں عجمیوں سے لڑنے کے ذمہ دار سعد بن ابی وقاص مقرر کئے گئے اور عجمیوں کی طرف سے رستم سپہ سالار مقرر ہوا اور اب مسلمانوں اور عجمیوں کے درمیان بہت بڑی جنگ واقع ہوئی جو کئی دن تک ہوتی رہی۔ اول دن کی لڑائی جنگ اغواث دوسرے دن کی جنگ عماس اور رات کی لیلۃ الہریر کے نام سے مشہور ہے کیونکہ اس رات ان لوگوں نے اپنی بات چیت ترک کر دی تھی اور فوجوں کو لڑنے کے لئے ابھارنے ہی میں پوری رات بسر کر دی۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور دوپہر تک لڑائی ہوتی رہی۔ پھر ایک تیز و تند آندھی آئی جس کا غبار مشرکین کی جانب پڑا اور وہ بے دم ہوگئے اور قعقاع اور ان کی فوج والے رستم کے تخت تک پہنچ گئے۔ رستم یہ حال دیکھکر تخت سے اتر کر کچھ خچروں کے سایہ میں چلا آیا تھا جن پر وہ مال لدے ہوئے تھے جو اس کے پاس مصارف جنگ کے لئے کسرے کے ہاں سے بھیجے گئے تھے۔ پھر جب مسلمانوں نے رستم پر حملہ کیا تو وہ بھاگ نکلا مگر ہلال بن علقمہ اس کے پاس پہنچ ہی گئے اور اس کا پاؤں گھسیٹ کر اسے قتل کر ڈالا۔ پھر اس کی لاش لاکر خچروں کے پاؤں میں ڈال دی اور اسکے تخت پر چڑھکر پکارے کہ خدا کی قسم میں نے سردار فوج رستم کو قتل کر دیا۔ یہ سنکر ایرانی بھاگ نکلے۔ انکی پوری شکست ہوگئی۔ مسلمانوں نے دور تک ان کا پیچھا کر کے بے حد و حساب لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ وہاں سے سعد بن ابی وقاص فوج لے کر آگے بڑھے اور دجلہ کے پچھم جانب ایک نہر شیر پر اترے جو مدائن کسری اور اس کے مشہور ایوان کے مقابل تھی۔ یہاں جب مسلمانوں نے ایوان کسرے دیکھا تو تکبیر بلند کی اور کہا یہ کسرے کا سفید محل ہے۔ یہ وہ ہے جس کا خدا و رسول نے وعدہ کیا تھا۔

سنہ ۱۶ھ پھر سنہ ۱۶ھ داخل ہوا۔ سعد نہر شیر پر ماہ صفر کے اوائل تک ٹھہرے رہے۔ پھر دریائے دجلہ کو عبور کیا اور ایرانی مدائن سے حلوان کیطرف بھاگ گئے۔ یزدگرد نے پہلے ہی اپنے حرم اور خاندان شاہی کو حلوان روانہ کر دیا تھا۔ اب خود بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جو کچھ مال و دولت لے سکا ساتھ لیکر وہاں چلا گیا

اور اہل اسلام مدائن میں داخل ہوگئے وہاں جس کو بھی پایا قتل کر دیا۔ اور سفید محل کو اپنی حراست میں لے لیا۔ سعد اُسی میں اُترے ایوان کسرے کو اپنی عبادت گاہ بنائی اور سونے چاندی کے کل مالوں، ظرفوں اور لباس کو اپنے قبضہ میں کر لیا جو حد و حساب سے باہر تھے۔ بعض مسلمانوں نے ایک خچر کو پایا جو نہر میں پڑا ہوا تھا اسکے اوپر کسرے کے زیوروں کا انبار تھا مثلاً اُس کا تاج۔ کمربند۔ زرہیں وغیرہ جو سب جواہرات سے مزیّن تھے۔ غرض سونے۔ چاندی اور مختلف قسم کے کپڑوں اور قیمتی فرشوں کا اندازہ تعداد اور وہم سے خارج تھا۔ کسرے کا ایک خاص فرش تھا جسکی لمبائی ۶۰ گز اور چوڑائی بھی ۶۰ گز تھی۔ وہ بالکل ایک باغ کی صورت کا بنایا گیا تھا جس میں پھولوں اور شگوفوں کی تصویریں سب کی سب جواہرات سے بنائی گئی تھیں یعنی سونے کی زمین، زمرد کا سبزہ۔ پکھراج کی جدولیں۔ سونے چاندی کے درخت۔ ریشم کے پتے اور جواہرات کے پھل تھے۔ سعد نے اس کو حضرت عمر کے پاس بھیج دیا۔ انہوں نے اس کے ٹکڑے کرا کے مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے حضرت علیؓ کو بھی ایک ٹکڑا ملا جسے آپ نے ۲۰ ہزار درہم میں بیچ ڈالا۔ سعد مدائن ہی میں مقیم رہے اور جلولا، کی طرف لشکر روانہ کیا جہاں پر ایرانی جمع ہوگئے تھے۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی اور انھوں نے ایرانیوں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کیا جنکی عدد و حساب نہیں (بقول مورخ طبری ایک لاکھ ایرانی جان سے مارے گئے)۔ یہ واقعہ جنگ جلولا، کے نام سے مشہور ہے۔ یزدگرد حلوان میں تھا۔ شکست کی خبر سُنکر اسے بھی چھوڑ دیا اور اس شہر پر بھی مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ پھر اہل اسلام نے تکریت و موصل کو فتح کیا۔ پھر ماسندان کو زبردستی فتح کیا اور اسی طرح قرقیسیا کو۔

اور اسی سال یعنی ۱۶ھ میں جبلہ ابن ایہم حضرت عمر کے پاس آیا مسلمانوں نے اس کو ہاتھوں ہاتھ اُتارا کیونکہ وہ شان و شکوہ سے آیا تھا۔ اس کے ساتھ بہت عمدہ عمدہ کوتل جانور تھے اور اس کے ساتھ والے ریشم و دیبا کے لباسوں سے آراستہ تھے۔ اسی سال حضرت عمر حج کو گئے۔ جبلہ بھی ان کے ساتھ گیا۔ ایک دفعہ وہ طواف کر رہا تھا کہ اس کی چادر کا گوشہ فزارہ کے ایک شخص کے پاؤں کے نیچے دب گیا جبلہ

نے اُس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا جس سے اس کی ناک زخمی ہو گئی۔ اس نے حضرت عمر سے اس کی شکایت کی۔ آپ نے جبلہ کو بلا بھیجا اور کہا ابھی جرمانہ داخل کرو ورنہ میں اس کو حکم دوں گا کہ تم کو بھی طمانچہ مارے۔ جبلہ نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں بادشاہ اور یہ معمولی آدمی۔ حضرت عمر نے کہا اسلام نے تم دونوں کو جمع کیا اور سزا میں بادشاہ اور معمولی آدمی کو برابر کر دیا ہے۔ جبلہ نے کہا میں تو سمجھتا تھا کہ اسلام میں آنے کے بعد میری عزت زمانہ جاہلیت سے بھی زیادہ ہو جائیگی۔ حضرت عمر نے کہا ان باتوں کو چھوڑ دو۔ جبلہ نے کہا تو میں نصرانی ہو جانا چاہتا ہوں۔ حضرت عمر نے کہا ایسا کرو گے تو ابھی گردن اُڑا دی جائیگی۔ اُس نے کہا آج رات بھر کی مہلت دیجئے۔ آپ نے اُسے مہلت دے دی۔ رات کو جبلہ اپنے سواروں، پیادوں کے ساتھ شام کی طرف چلا گیا اور وہاں سے قسطنطنیہ کو روانہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس کی قوم کے پانچ سو آدمی بھی چلے گئے جو قسطنطنیہ پہنچکر سب کے سب عیسائی ہو گئے۔ ہرقل کو اس کی بڑی خوشی ہوئی۔ اس نے ان سب کی بہت عزت کی۔ پھر جبلہ اپنے فعل پر نادم ہوا اور اسکے متعلق کچھ اشعار بھی کہے۔ اور حضرت عمر کا قاصد ہرقل کے ہاں گیا تھا وہاں اس نے اُس ناز و نعم کو دیکھا جس میں جبلہ اور اُس کے ساتھی تھے۔ جبلہ نے وہاں سے پانچ سو اشرفیاں حسان بن ثابت کے لئے بھیج دیں تو حسان نے اس کی مدح میں بہت سے اشعار کہہ دیئے۔

سنہ ۱۷ھ پھر سنہ ۱۷ھ داخل ہوا۔ اس میں شہر کوفہ آباد کیا گیا اور سعد اسی میں چلے گئے۔ اسی سال حضرت عمر عمرہ بجا لائے۔ مکہ میں ۲۰ دن رہے۔ مسجد حرام کو وسیع کیا اور ان سب لوگوں کے مکانوں کو منہدم کرا دیا۔ جنہوں نے ان مکانوں کے بیچنے سے انکار کیا تھا۔ اور ان سب کی قیمت بیت المال میں رکھ لی اور حضرت علی و فاطمہ کی صاحبزادی جناب ام کلثوم سے شادی کی۔

واقعہ مغیرہ اسی سال مغیرہ بن شعبہ کا قصہ بھی پیش آیا۔ جس کا واقعہ یہ ہے کہ مغیرہ کو حضرت عمر نے بصرہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔ جس کوٹھے پر مغیرہ رہتے تھے اس کے مقابل ایک اور کوٹھا تھا جس میں چار آدمی رہتے تھے (الف) ابو بکرۃ (ب) اس کا مادری بھائی

زیاد بن ابیہ (ج) نافع بن کلدہ اور (د) شبل ابن معبد۔ ایک روز ہوا تیز چلی تو مغیرہ کے کوٹھے کی کھڑکی کھل گئی۔ ان چاروں آدمیوں نے دیکھا کہ مغیرہ ایک خوبصورت عورت ام جمیل دختر ارقم بن عامر کے اوپر ہیں اور وہ عورت ان کو اپنی ٹانگوں میں لئے ہوئے ہے (یعنی دونوں زنا کر رہے ہیں)۔ ان لوگوں نے اس واقعہ سے حضرت عمر کو مطلع کر دیا۔ اونھوں نے مغیرہ کو معزول کر کے گواہوں سمیت مدینہ میں بلا بھیجا۔ اور بصرہ کی حکومت ابو موسےٰ اشعری کے حوالہ کی۔ جب مغیرہ حضرت عمر کے پاس آئے اور بیان لیا گیا تو ابو بکرہ و نافع و شبل نے گواہی دی کہ مغیرہ اس عورت کے ساتھ زنا کر رہے تھے لیکن زیاد ابن ابیہ نے زنا کی صاف صاف گواہی نہیں دی۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ جب وہ گواہی دینے کے لئے کھڑا ہوا تو حضرت عمر نے پہلے ہی کہہ دیا کہ اب میں ایسے شخص کو دیکھ رہا ہوں جس کے بارے میں مجھے امید ہے کہ خدا اس کے ذریعہ سے ایک صحابی رسولؐ کو فضیحت نہیں ہونے دیگا۔ تو زیاد نے اس طرح گواہی دی "میں نے دیکھا کہ مغیرہ ایک عورت کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھے ہیں۔ اور اس عورت کی دونوں ٹانگیں گدھی کے دونوں کانوں کی طرح اُٹھی ہوئی ہیں۔ وہ سانس زور سے لیتی ہے اور اُسکی دُبران کے ذکر سے اُٹھ جاتی ہے اس کے پیچھے کیا ہو رہا تھا اس کو میں نہیں پہچانتا" حضرت عمر نے پوچھا جس طرح سرمہ دانی میں سلائی جاتی ہے اسی طرح اس عورت کی ... میں ان کے ... کو جاتے دیکھا ہے یا نہیں؟ کہا نہیں۔ پوچھا اچھا اس عورت کو پہچانتے ہو؟ کہا نہیں لیکن مجھے اس کے بارے میں شبہہ ہے۔ گواہی ختم ہو گئی تو حضرت عمر نے مغیرہ کو چھوڑ دیا اور ان تینوں گواہوں کو جنہوں نے ان کے زنا کی گواہی دی تھی جھوٹ افتراء کی حد باری سب کو خوب کوڑے لگائے گئے۔ اور یہ زیاد ابو بکرۃ کا مادری بھائی تھا۔ اس واقعہ کے بعد ابو بکرۃ زندگی بھر اپنے اس بھائی سے بولے تک نہیں۔

اور اسی سال مسلمانوں نے اہواز فتح کیا۔ ایران کے نامی سردار ہرمزان نے اس پر قبضہ کر رکھا تھا۔ پھر رام ہرمز و تستر کو فتح کیا اور ہرمزان قلعہ میں پناہ گیر ہو گیا۔ تو مسلمانوں نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ ہرمزان نے اس شرط پر اپنے کو حوالہ کر دیا کہ اُسے مدینہ حضرت عمر کے

پاس بھیج دیا جائے۔ اس کی یہ شرط منظور کی گئی اور وہ انس بن مالک واحنف بن قیس کے ساتھ حضرت عمر کے ہاں روانہ کر دیا گیا۔ مدینہ پہنچکر اس نے سنہرے ریشم کے کپڑے پہنے اور وہ تاج سر پر رکھا جس میں یاقوت جڑے ہوئے تھے تاکہ حضرت عمر اور اہل اسلام اس کی یہ عظمت و شان دیکھیں۔ مدینہ پہنچکر ان لوگوں نے حضرت عمر کو تلاش کیا مگر وہ نہیں ملے۔ تو ان کو دریافت کیا۔ تب ان لوگوں سے کہا گیا کہ وہ مسجد میں ہیں۔ یہ سب وہاں پہنچے تو وہ مسجد میں سوتے تھے۔ یہ سب ان کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ ہرمزان نے گھبرا کر پوچھا وہ عمر کہاں ہیں؟ لوگوں نے بتایا یہی تو ہیں۔ پوچھا ان کے دربان اور چوکیدار کہاں ہیں۔ کہا گیا نہ کوئی دربان ہے نہ چوکیدار۔ لوگوں کی آواز سے حضرت عمر جگ گئے تو ہرمزان کو دیکھکر کہا اُس خدا کی حمد ہے جس نے اسلام سے اس کو ذلیل کیا۔ اور حکم دیا کہ اس کے کل شاہی لباس چھین لئے جائیں اور بھدے لباس پہنائے جائیں۔ پھر آپ نے ہرمزان سے کہا دیکھا تم نے کہ بدعہدی اور حکم خدا کا کیا انجام ہوا۔ ہرمزان نے کہا زمانہ جاہلیت میں ہم تم ایسے تھے کہ ہمارے درمیان خدا حائل تھا تو ہم تم پر غالب رہا کرتے تھے اور اب خدا تمہارے ساتھ ہو گیا تو تم لوگ ہم پر غالب آ گئے۔ غرض اسی طرح دونوں کے درمیان باتیں ہوتی رہیں۔ اتنے میں ہرمزان نے پانی مانگا۔ جب پانی آیا تو ہاتھ میں کوزہ لیکر کہا مجھے خوف ہے کہ پانی پینے میں تم مجھے قتل نہ کر ڈالو۔ حضرت عمر نے کہا تم مطلق خوف نہ کرو جب تک اس کو پی نہ لوگے کسی قسم کے خطرہ میں نہ ڈالے جاؤ گے۔ اس پر اُس نے وہ کوزہ پھینک دیا۔ وہ ٹوٹ گیا تو حضرت عمرؓ جھلا کر اس کو قتل کرنا چاہا مگر صحابہ نے کہا آپ ابھی اس کو امان دے چکے ہیں۔ اور اس نے پانی پیا نہیں تو جب تک وہ پی نہ لے آپ اس کو قتل کیسے کرینگے؟ قصہ مختصر یہ کہ ہرمزان مسلمان ہو گیا۔ اور حضرت عمر نے دو ہزار اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

سنہ ۱۸ھ پھر سنہ ۱۸ھ داخل ہوا۔ اس سال مدینہ اور حجاز میں سخت قحط پڑا۔ حضرت عمر نے مختلف شہروں کے حاکموں سے مدد مانگی تو ابو عبیدہ شام سے غلہ کے چار ہزار اونٹ لائے اور حضرت عمر نے اس کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جس سے مدینہ میں کھانا ارزاں ہو گیا۔ اور جب قحط کی شدت ہوئی تو حضرت عمر اور آنحضرت صلعم کے چچا جناب عباس اور سب

لوگ باہر نکل پڑے اور جناب عباس کی شفاعت سے نماز استسقاء پڑھکر دعا کی۔ ابھی اس سے فارغ ہو کر لوگ اپنے گھر پلٹنے بھی نہ پائے تھے کہ زور شور کا ابر آیا اور بارش ہونے لگی تو سب لوگ جناب عباس کے دامنوں کو بطور تبرک مس کرنے لگے۔

اور اسی سال یعنی سنہ ۱۸ھ میں شام میں وبائے طاعون پھیلی اس میں شام کے گورنر ابو عبیدہ بن جراح نے وفات پائی۔ مرتے وقت معاذ بن جبل کو قائم مقام کرتے گئے یہ بھی طاعون سے مرے تو عمرو عاص کو حاکم شام بنا دیا۔ غرض اس طاعون سے پچیس ہزار مسلمان ختم ہو گئے۔ ایک مہینہ تک یہ وبا شدت پر رہی جس سے دشمنوں کو مسلمانوں کے بارے میں طمع پیدا ہو گئی۔ اور بصرہ میں بھی یہ مصیبت نازل ہوئی۔ اسی سال حضرت عمر شام گئے اور مُردوں کی میراث وارثوں کو تقسیم کر کے ذی القعدہ میں مدینہ واپس آئے۔

سنہ ۱۹و۲۰ھ پھر سنہ ۱۹و۲۰ھ داخل ہوا۔ اس میں عمرو بن عاص و زبیر بن عوام کے ہاتھوں پر ملک مصر و اسکندریہ فتح ہو گئے۔ یہ دونوں عین شمس پر جو مطریہ کے قریب ہے حملہ آور ہوئے جہاں انکی بڑی جماعت تھی۔ دونوں نے اس کو فتح کیا۔ اور عمرو عاص نے ابرہتہ بن صباح کو فرما کی طرف روانہ کیا اور اپنا ڈیرا اس جگہ ڈالا جہاں ان دنوں مصر میں مسجد عمرو موجود ہے۔ اور مصر کی حد بندی کی گئی اور عمرو عاص کے ڈیرے پر وہ یادگار مسجد بنائی گئی جو جامع عمرو بن عاص کے نام سے مشہور ہے۔ پھر وہ اسکندریہ کی طرف متوجہ ہوئے تو اس کو بھی سخت اور طویل جنگ کے بعد زبردستی قہر و غلبہ سے فتح کر لیا۔

اور اسی سال (یعنی سنہ ۲۰ھ میں) بلال بن رباح نے جو رسول خدا صلعم کے موذن اور حضرت ابو بکر کے آزاد کردہ غلام تھے انتقال کیا۔ ان کی ماں کا نام حمامتہ تھا۔ اور انکی پیدائش ملک حبشہ میں ہوئی تھی۔ وہ حضرت ابو بکر کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور آنحضرتؐ کے بعد اذان نہیں دی۔ بلکہ حضرت ابو بکر سے درخواست کی کہ ان کو کسی جہاد میں بھیجیں مگر آپ نے کہا میرے ساتھ ہی رہو۔ چنانچہ وہ آپ ہی کے ساتھ رہے یہاں تک کہ حضرت عمر کی خلافت شروع ہوئی۔ آپ نے بھی ان سے اپنے

ساتھ رہنے کو کہا مگر اب انہوں نے انکار کیا۔ اور دمشق چلے گئے۔ وہیں مرتے وقت تک رہے اور باب صغیر کے پاس دفن کئے گئے۔

سنہ ۲۱ھ پھر سنہ ۲۱ھ داخل ہوا جس میں عجمیوں سے مشہور جنگ نہاوند ہوئی۔ اس میں ایرانی لشکر کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ ان کا سردار فیرزان تھا۔ دونوں طرف کی فوجوں میں بہت لڑائیاں ہوتی رہیں۔ آخر مسلمانوں نے اس میں بھی ایرانیوں کو شکست دی۔ اور قتل کرکے ان سب کو فنا کرڈالا۔ سردار فوج فیرزان بھاگ نکلا۔ اور جب ثنیہ ہمدان میں پہنچا تو کچھ خچروں کو پایا۔ جن پر شہد لدا ہوا تھا۔ اب اس سے چلا نہ گیا۔ اپنے گھوڑے سے اترا اور پہاڑ کی طرف بھاگا۔ مگر قعقاع نے پیدل اس کا تعاقب کیا۔ اور پکڑ کر قتل کردیا جس پر مسلمانوں نے کہا اللہ اکبر اسکے کچھ لشکر شہد میں بھی رہتے ہیں۔ اسی سال دینور و صمیرہ و ہمدان و اصفہان بھی فتح کرلئے گئے۔ اسی سال خالد بن ولیدؓ نے انتقال کیا۔ انکی جائے دفن کے بارے میں اختلاف ہے کہ حمص میں ہے یا مدینہ میں۔

سنہ ۲۲ھ پھر سنہ ۲۲ھ داخل ہوا۔ اس میں آذربیجان۔ رے۔ جرجان۔ قزوین زنجان اور طبرستان فتح کئے گئے۔ اور اسی سال عمرو بن العاص برقہ کیطرف گئے مگر وہاں والوں نے جزیہ دینا قبول کرلیا جس پر صلح ہوگئی۔ پھر وہ ملک طرابلس الغرب کی طرف بڑھے اس کا محاصرہ کیا اور قہر و غلبہ سے فتح کرلیا۔ اسی سال احنف بن قیس نے خراسان پر حملہ کیا یزدجرد سے جنگ کی اور ہراۃ کو قہر و غلبہ سے فتح کرلیا۔ پھر مرو روذ کی طرف گئے تو یزدجرد نے ترک و صغد و ملک چین کے بادشاہوں کی طرف خطوط بھیجکر ان لوگوں سے مدد طلب کی۔ مگر یزدجرد نے بلخ تک شکست کھائی۔ پھر اسکی طرف مسلمان گئے اور اس کو شکست دی اور یزدجرد نہر جیحون پار ہوگیا۔ پھر یزدجرد اور اس کے لشکر کے درمیان اختلاف ہوگیا۔ اس کی رائے تھی کہ ترک کے ساتھ قیام کیا جائے اور اسکے لشکر کی رائے تھی کہ مسلمانوں سے صلح کرکے انکی اطاعت کرلی جائے مگر یزدجرد اس کو نہ مانا تو اس کے لشکر نے اس کو نکال باہر کیا اور اس کا خزانہ بھی چھین لیا تو

یزدجرد ترک کے ساتھ اپنے خاص لوگوں کے ہمراہ چلا گیا اور حضرت عمر کی زندگی تک فرغانہ میں مقیم رہا اور اس کے لشکر والے اپنی جگہوں میں رہے اور مسلمانوں سے صلح کر لی۔

اسی سال ابی بن کعب نے انتقال کیا وہ مالک بن نجار کی اولاد سے تھے۔ ابومنذر کنیت تھی۔ حضرت رسولؐ کی وحی لکھنے کا شرف ان کو بھی تھا۔ یہی وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں خدا نے رسولؐ کو حکم دیا تھا کہ قرآن کو ابی بن کعب پڑھائیں اور حضرت رسولؐ نے فرمایا تھا کہ میرے بعد میری امت میں سب سے اچھی قراءۃ والے ابی ہیں۔ اور کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ یہ ۳۰ھ میں بزمانہ خلافۃ حضرت عثمان مرے ہیں۔

۲۳ھ پھر ۲۳ھ داخل ہوا

حضرت عمرؓ کے قتل کا بیان

اسی سال ابو لؤلؤۃ نے جس کا نام فیروز اور جو مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا حضرت عمر پر نماز میں ایک خنجر سے حملہ کیا جس سے آپکی کمر اور زیر ناف کا مقام زخمی ہوا۔ یہ واقعہ ۲۴ ذی الحجہ ۲۳ھ کا ہے اور ذی الحجہ کی آخری تاریخ میں بروز شنبہ آپ نے رحلت کی اور اتوار کے دن یکم محرم ۲۴ھ کو آپ دفن کئے گئے۔ آپ کی خلافت دس سال چھ ماہ اور ۸ دن تک رہی۔ حضرت رسولخدا صلعم و حضرت ابو بکر صدیق کے پاس دفن کئے گئے۔ اور خلافت کا عہد اُن لوگوں کے ذمہ کر گئے جن سے حضرت رسولخدا صلعم اپنے انتقال کے وقت راضی تھے یعنی حضرت علیؓ و عثمان و طلحہ و زبیر و سعدؓ بعد اس کے کہ اس کو عبد الرحمن بن عوف پر پیش کیا اور اونھوں نے انکار کر دیا تھا۔

حضرت عمر لمبے قد، گورے رنگ، گنجے اور سفید بال والے تھے۔ آپکی عمر ۵۵ یا ۶۰ یا ۶۳ سال کی تھی۔ آپ کو فضل و زہد و عدل و شفقۃ بر مسلمین سے کافی حصہ ملا تھا۔ اسی سے یہ بھی ہے کہ آپ عبد الرحمن بن عوف کے ہاں گئے۔ وہ اس وقت اپنے گھر میں رات کو نماز پڑھتے تھے۔ عبد الرحمن نے کہا اے امیر المومنین آپ کے اس وقت آنے کا کیا سبب ہوا؟ آپ نے کہا کچھ مسافر بازار کے کنارے اُترے ہیں۔ مجھے انکے

بارے میں مدینہ کے چوروں کا خوف ہے ۔ چلو ان کی حفاظت کریں ۔ غرض وہ دونوں بازار گئے ایک ٹیلہ پر بیٹھ گئے اور آپس میں باتیں اور انکی حفاظت کرتے رہے اور حضرت عمر پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا ۔ اور اول وہ شخص ہیں جنہوں نے تاریخ لکھی اور اُس سال سے تاریخ کا حساب رکھا جس سال حضرت رسولخدا صلعم نے ہجرت کی تھی ۔ اور پہلے وہ شخص ہیں جو رات کو بدمعاشوں کی تلاش میں پھرا کرتے رہے ۔ اور اول وہ شخص ہیں جنہوں نے امہات اولاد (بچہ والی لونڈیوں) کے بیچنے سے منع کیا ۔ اور پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کو نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر جمع کیا ۔ اس سے پہلے لوگ چار اور پانچ اور چھ تکبیریں کہتے تھے ۔ اور پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کو ایک امام پر جمع کیا جو ان لوگوں کو ماہ رمضان میں تراویح پڑھاتا تھا ۔ آپ نے اس کا حکم نامہ تمام شہروں کی طرف لکھ بھیجا اور وہاں سب کو اس کی پابندی کرنے کا حکم دیا ۔ اور آپ پہلے وہ ہیں جنہوں نے دُرّہ (کوڑا) اٹھایا اور اُس سے لوگوں کو مارا ۔ اور دیوانوں (دفتروں) کو مرتب کیا ۔ اور ایک دفعہ لوگوں کو اس طرح خطبہ دیا کہ آپ کے اوپر صرف ایک چادر تھی جس میں بارہ پیوند لگے تھے ۔ اور ایک دفعہ حج کو گئے جب ضحیان سے گزرے تو کہا اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں جس کو جس قدر چاہتا ہے دیتا ہے ۔ ایک زمانہ تھا کہ میں اس وادی میں خطاب کے اونٹوں کو اونی کا صرف ایک کُرتا پہنے چرایا کرتا تھا ۔ وہ (خطاب) بڑا سخت دل تھا ۔ جب میں پورا کام کرتا تھا تو مجھ پر رعب جماتا تھا اور جب کچھ کمی کرتا تھا تو مجھے پیٹتا تھا ۔ اور اب میں ایسے حال میں ہو گیا کہ میرے اوپر خدا کے سوائے کسی کی بھی حکومت نہیں ہے ۔ حضرت رضی اللہ عنہ کے اور فضائل اس سے زیادہ ہیں کہ ان کا حصر کیا جائے ۔

سنہ ۲۴ھ | پھر سنہ ۲۴ھ داخل ہوا ۔ اس میں حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد اہل شوریٰ کا جلسہ ہوا جو حضرت علیؓ و عثمان و عبدالرحمن بن عوف و سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم تھے ۔ حضرت عمرؓ نے یہ شرط کر دی تھی کہ ان کے بیٹے عبداللہ رائے مشورہ میں شریک رہیں مگر خلافت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہو ۔ ان لوگوں کے درمیان

انتخاب خلیفہ کے متعلق باتیں بہت بڑھ گئیں۔ حضرت عمر نے اس کام کے لئے صرف تین دن مقرر کئے تھے اور کہا تھا چوتھا دن گزرنے نہ پائے مگر یہ کہ کوئی شخص خلیفہ ضرور ہو جائے۔ اگر تم لوگوں میں اختلاف ہو تو اس شخص کا ساتھ دینا جس کی طرف عبد الرحمن ہوں۔ یہ سن کر حضرت علیؑ جناب عباس کی طرف گئے اور کہا اس دفعہ بھی ہم چھانٹ دیئے گئے۔ اس لئے کہ سعد تو عبد الرحمن کے خلاف ہو نہیں سکتے۔ کیونکہ وہ ان کے چچا زاد بھائی ہیں اور عبد الرحمان حضرت عثمان کے داماد ٹھہرے۔ یہ لوگ آپس میں اختلاف کر نہیں سکتے۔ غرض انہیں سے ایک شخص دوسرے کو خلیفہ بنا دے گا۔ جناب عباس نے کہا میں نے تم کو کسی امر سے نہیں روکا مگر یہ کہ تم دیر کر کے میری طرف پلٹے۔ میں نے تم کو وفاۃ رسولؐ سے پہلے رائے دی تھی کہ حضرتؐ سے پوچھ لو یہ امر کس شخص کے متعلق رہیگا مگر تم نے انکار کیا۔ اور حضرتؐ کی وفاۃ کے بعد میں نے مشورہ دیا کہ خلافت پر قبضہ رکھنے میں جلدی کرو تب بھی تم نے انکار کیا۔ اور جب تم کو عمر نے شورے میں رکھا تب بھی میں نے کہہ دیا تھا کہ تم اس کمیٹی میں نہ رہنا مگر تم نے انکار کیا۔ یہ وہ پارٹی ہے جو ہمیشہ ہم لوگوں کو اس حق سے ہٹاتی ہی رہی یہاں تک کہ اس کو ہمارا غیر اڑھا لیتا ہے۔ اور خدا کی قسم اس دفعہ بھی اس (خلافۃ) کو وہی شخص لے لیگا جس کے ساتھ کوئی بھلائی نفع نہیں دیگی۔ اسکے بعد عبد الرحمن بن عوف نے اپنے کو امیدواران خلافت سے الگ کر کے باقی لوگوں کو جمع کیا۔ پھر حضرت علیؑ کو بلا کر کہا تم خدا سے عہد و پیمان کرو کہ کتاب خدا، سنت رسول اور خلیفہ اول و خلیفہ دوم کی سیرۃ پر عمل کرو گے۔ حضرتؑ نے جواب دیا مجھے امید ہے کہ میں ایسا کروں گا اور اپنے علم و طاقت کے مطابق عمل کروں گا۔ اس کے بعد عبد الرحمن نے حضرت عثمان کو بلا کر وہی کہا جو حضرت علیؑ سے کہا تھا۔ پھر عبد الرحمن نے اپنا سر مسجد کی چھت کی طرف بلند کر کے اور حضرت عثمان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر کہا اے اللہ تو سن اور گواہ رہ۔ اے اللہ میں نے اس بوجھ کو جو میری گردن پر تھا عثمان کی گردن پر ڈالدیا۔ اور فوراً حضرت عثمان کی بیعت کر لی۔ حضرت علیؑ نے کہا یہ پہلا دن نہیں ہے جس روز تم لوگوں نے ہمارے خلاف ایکا کیا ہے فصبر جمیل واللہ المستعان۔ اب بھی صبر ہی بہتر ہے۔ اور اللہ ہی سے ہر صبر میں اعانت کی درخواست ہے۔ خدا کی قسم تم نے

عثمان کو خلیفہ نہیں بنایا مگر اس لئے کہ وہ اس حکومت کو تمہیں پلٹا دیں۔ عبد الرحمن نے کہا اے علی تم اپنے نفس پر کوئی حجۃ اور سبیل نہ قرار دو۔ اس پر حضرت علیؑ وہاں سے نکل گئے اور فرماتے گئے یقیناً کتاب اپنی مدت پر پہنچکر رہے گی۔ اس کے بعد جناب مقداد بن اسود نے عبد الرحمن بن عوف سے کہا خدا کی قسم تم نے ان (حضرت علیؑ) کو ترک کردیا حالانکہ وہ ان لوگوں سے ہیں جو حق کے مطابق فیصلہ اور اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ تو عبد الرحمن نے کہا اے مقداد میں نے مسلمانوں کی بھلائی کرنے کی کوشش کی ہے۔ تب مقداد نے کہا مجھے قریش پر سخت حیرت ہوتی ہے کہ انھوں نے اس بزرگ کو کیسے چھوڑ دیا جس کے بارے میں میرا دعوےٰ اور علم ہے کہ ان سے زیادہ حق کے مطابق فیصلہ کرنے والا اور ان سے زیادہ علم رکھنے والا کوئی بھی نہیں ہے۔ عبد الرحمن نے کہا اے مقداد اللہ سے ڈرو کیونکہ مجھے خوف ہے تم کسی فتنہ میں نہ پڑجاؤ۔ پھر جب حضرت عثمان نے خلاف عہد و پیمان بہت سے کام کر ڈالے۔ مثلاً بڑے بڑے شہروں کی حکومت اپنے رشتہ کے ناتجربہ کار لوگوں کے حوالہ کردی تو عبد الرحمن سے کہا گیا (ع اے باد صبا ایں ہمہ آوردہ تست) ان سب کے بانی آپ ہی ہیں۔ تو انھوں نے جواب دیا مجھے اُس وقت تو ان سے ان باتوں کا گمان بھی نہ تھا۔ لیکن اب میں خدا سے عہد کرتا ہوں کہ عثمان سے کبھی بھی نہ بولوں گا۔ واقعاً عبد الرحمن مرتے وقت تک حضرت عثمان سے ناراض ہی رہے۔ ان کے مرض موت میں حضرت عثمان عیادت کے لئے ان کے پاس گئے بھی تو انھوں نے اپنا منہ دیوار کی طرف پھیر لیا اور ان سے کچھ بھی نہ بولے (اصل عربی عبارت تاریخ ابو الفدا مطبوعہ مصر جلد ا صـ۱۵۸ سے صـ۱۶۶ تک ہے)۔ تاریخ ابو الفدا درحقیقت مشہور تاریخ اسلام یعنی تاریخ کامل ابن اثیر جزری کا خلاصہ ہے اور تاریخ کامل تقریباً تاریخ طبری کی نقل ہے۔ اس وجہ سے مذکورہ بالا عبارت کو انہیں دونوں تاریخوں کی عبارتوں کا خلاصہ سمجھنا چاہئے بس جس واقعہ کی جزئیات کو تفصیل سے بیان کرکے بڑی تاریخوں میں طول دیا گیا ہے انہیں امور کو علامہ ابو الفدا نے مختصر کرکے ذکر کردیا ہے۔ پھر بھی جو ضروری چیزیں عبارت بالا میں درج ہونے سے رہ گئی ہیں کوشش کی جائیگی کہ ان سب کو دوسری کتابوں سے بھی آئندہ صفحات میں ذکر کردیا جائے تاکہ یہ سوانحعمری انشاء اللہ ہر طرح مکمل اور ممدوح کے حالات کا سچا آئینہ ہوجائے۔

دوسری فصل

آپکی خلافت سے مسلمانوں کی پریشانی

یہ عجیب امر ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو خلیفہ بنایا تو تمام اہل اسلام کو اس درجہ ناپسند ہوا کہ وہ سب تڑپ اُٹھے ۔ تاریخ کے کل اوراق اُلٹ جاؤ تم کو کسی خلیفہ کے مقرر ہونے پر (خواہ وہ خلفاء راشدین سے ہو یا خلفاء بنی امیہ یا بنی عباس یا خلفاء قسطنطنیہ کے عثمانی خاندان سے) اہل اسلام کا وہ اضطراب نہیں ملے گا جو آپ کے متعلق ظاہر ہوا ۔ صرف چند روایتیں بطور نمونہ ذکر کی جاتی ہیں ۔ دخل طلحۃ علی ابی بکر فقال استخلفت علی الناس عمر وقد رأیت ما یلقی الناس منہ وانت معہ ۔ فکیف بہ اذا خلا بھم وانت لاقٍ ربک فسائلک عن رعیتک ۔ طلحہ نے (جو عشرہ مبشرہ سے تھے) حضرت ابوبکر سے کہا تم نے عمر کو لوگوں کا حاکم اور اپنا خلیفہ بنا دیا حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ جب تم موجود تھے تب مسلمانوں نے ان سے کیا کیا مصیبتیں جھیلیں ۔ پھر جب تم اپنے پروردگار کے پاس جاتے ہو اور وہاں کو میدان خالی ملتا ہے تو وہ کیا کچھ نہ کریں گے خدا تم سے تمہاری رعیت کے بارے میں ضرور ہی سوال کرے گا (طبری جلد ۴ صفحہ ۵۲)

یہ تو صرف طلحہ کا بیان واضح ہوا ۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ کا نام سُن کر مسلمانوں کی کل مقتدر جماعتیں خواہ وہ مہاجرین ہوں یا انصار بے چین ہوگئی تھیں اور اُن لوگوں نے اس پر صبر کرنا گوارا نہیں کیا ۔ بلکہ فریادیں کیں ۔ استغاثے بلند کئے ۔ حضرت ابوبکر کو خدا اور روز قیامت کی باز پرس سے بہت ڈرایا اور اس کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا کہ کسی طرح آپ اس جگہ پر نہ معین کئے جائیں ۔ مندرجہ ذیل روایت سے اس انتشار کا کچھ پتا چلتا ہے دخل علیہ المہاجرون والانصار حین بلغھم انہ استخلف عمر فقالوا انک استخلفت علینا عمر وقد عرفتہ وعلمت بوائقہ فینا وانت بین اظھرنا ۔ فکیف اذا ولیت عنا وانت لاق اللہ فسائلک فما انت قائل ۔ مہاجرین و انصار کو جب خبر ملی کہ حضرت عمر خلیفہ بنا دیئے گئے تو وہ سب کے سب دوڑے

ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے ہاں آئے اور فریاد کرنے لگے۔ کہا ہم دیکھتے ہیں کہ تم نے ہمارے اوپر عمرؓ کو خلیفہ مقرر کردیا ہے حالانکہ تم ان کو خوب پہچانتے ہو اور اُن کے اُن سب بوائق (فتنے۔ فساد۔ ظلم وستم۔ اذیات۔ سفاکی وغیرہ) سے بھی اچھی طرح واقف ہو جو تمہارے زمانہ میں وہ کرتے تھے۔ پھر جب تم ان کو خلیفہ بنا کر چلے جاؤگے تو وہ کیا کچھ نہیں کر ڈالیں گے؟ تم اللہ سے ملوگے اور وہ تم سے اس کی باز پرس کریگا تو اُس کو کیا جواب دوگے؟ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص۳۲) مگر حضرت ابوبکرؓ پر ان استغاثوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اور ہوتا بھی کیونکر۔ انھوں نے نہایت دلیری سے اپنی کارروائی کی مدح وثنا کے پل باندھ دیئے اور یہ کہا دیا کہ آپ اپنی ذاتی رائے کے مقابلہ میں تمام مہاجرین وانصار کی رایوں کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے۔ اُس طرح اجماع کے زور۔ اس کی حقیت اور اسکی حجیت کو اپنی چٹکیوں سے اُڑا دیتے ہیں۔ اور دنیا کو دکھا دیتے ہیں کہ خلافت اولیٰ وثانیہ کے متعلق اجماع کا دعوےٰ آج تک شرمندۂ دلیل نہیں ہوسکا پہلی خلافت صرف حضرت عمرؓ کی بیعت سے مسلّم ہوگئی۔ اور اُسکے جواب یا معاوضہ میں دوسری خلافت بھی صرف حضرت ابوبکرؓ کی ذاتی اور شخصی تمنا اور آرزو سے مسلمانوں پر مسلط کردی گئی اجماع کی تاویل بس مضحکہ ہی مضحکہ ہے۔ یہ وہ لفظ ہے جس کا عملی دنیا میں کوئی معنی ہی نہیں ہے!!!

فقال طلحۃ والزبیر ما کنت قائلا لربک اذ ادلیتہ مع غلظتہ وفی روایۃ قال طلحۃ الولی علینا فظا غلیظا۔ ما تقول لربک اذا لقیتہ۔ فقال ابوبکر ساندونی فاجلسوہ فقال اباللہ تخوفنی اقول استعملت علیہم خیرا ھلک۔ طلحہ وزبیر نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا جب تم عمرؓ کو ہم پر باوجود ان کی غلظت (سخت مزاجی۔ تندی۔ بد اخلاقی وغیرہ) کے خلیفہ مقرر کرتے ہو تو اپنے پروردگار کو کیا جواب دوگے؟ اور دوسری روایت میں ہے کہ طلحہ نے کہا کیا تم ہم پر فظ غلیظ کو خلیفہ بناتے ہو؟ [۱] جب تم اپنے

---

[۱] فظ سخت گو سخت مزاج۔ غلیظ درشت خو۔ اکھڑ۔ کھرا۔ (انوار اللغۃ) دونوں میں مزاج کی برائی اور سختی شامل ہے۔ خدا نے حضرت رسولخدا صلعم کو خاص طور پر اس عیب سے بچایا تھا بلکہ اس نے اس برائی کو اس درجہ قابل نفرت سمجھا ہے کہ قرآن مجید میں فرمایا تھا

پروردگار سے ملوگے تو اُس کو کیا جواب دوگے؟ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے اپنے لوگوں سے کہا تم لوگ ذرہ مجھے سہارا تو لگا دینا۔ لوگوں نے ان کو بٹھایا تو کہا کیا تم مجھ کو خدا سے ڈراتے ہو؟ جاؤ۔ میں خدا کو جواب دے دوں گا کہ میں نے اس شخص کو ان کا حاکم بنا دیا جو تیرے اہل میں سب سے اچھا تھا (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۲۶۹)۔ خدا کو ہادیانِ دین و پیشوایانِ مذہب کی خوش خلقی۔ نرم مزاجی۔ تواضع و انکسار اس درجہ مطلوب تھی کہ حضرت سید المرسلین ایسے رحمۃ للعالمین کو بھی بار بار اس کی تاکید فرماتا رہا کہ مزاج میں تعلّی نہ آنے دینا بلکہ واخفض جناحک للمومنین ان مسلمانوں سے (اگرچہ وہ غریب ہوں) جھک کر ملا کرو (پارہ ۱۴-ع ۶) واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین فان عصوک فقل انی بریٔ مما تعملون و توکل علے العزیز الرحیم الذی یریٰک حین تقوم۔ اے رسولؐ جو مومنین تمہارے پیرو ہوگئے ہیں اُنکے سامنے اپنا بازو جھکاؤ (تواضع کرو) پھر بھی اگر لوگ تمہاری نافرمانی کریں تو تم صاف صاف کہ دو کہ میں تمہارے کرتوتوں سے بری الذمہ ہوں اور تم اُس خدا پر جو سب سے غالب اور بڑا مہربان ہے بھروسا رکھو کہ جب تم نماز تہجد میں کھڑے ہوتے ہو تمہیں دیکھتا ہے (پ ۱۹ ع ۱۵)۔ اس قسم کی آیتیں بے حد و حساب ہیں۔ حضرت رسولؐ کی

(بقیہ حاشیہ ص ۲۹۹) رحمۃ من اللہ لنت لھم و لو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک۔ اے پیغمبر یہ بھی اللہ کا بڑا ہی فضل ہے کہ تم ان لوگوں کو نرم دل پیشوا ملے ہو۔ اگر تم مزاج کے اکھڑ اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ کبھی کے تمہارے پاس سے تتر بتر ہوگئے ہوتے۔ ایک بھی تمہارے گرد نہ پھٹکتا (قرآن مجید پ ۴ ع ۸)۔ یہ عجیب امر ہے کہ جن عیوب سے خدا نے آنحضرتؐ کو بچایا ہے اونھیں برائیوں کو حضرت عمرؓ میں بیان کرکے صحابہ کرام آپکی خلافت سے اختلاف کرتے تھے لیکن حضرت ابوبکرؓ ان عذروں کو کیونکر قبول کرتے۔ اور جب ابتداء اسلام سے آپ نے ممدوح کے مقابلہ میں کسی کو کوئی چیز نہیں سمجھا تو اب کون طاقت آپ کا خیال بدل سکتی تھی۔ اور اگر آپ ابکے خلاف چاہتے بھی تو حضرت عمرؓ آپ کو کامیاب کیونکر ہونے دیتے ۱۲

احادیث میں بھی بڑا ذخیرہ اس امر کا ہے کہ عامہ مسلمین تک کو خوش خلق اور نرم دل ہونا چاہیئے - چہ جائے کہ وہ لوگ جو اُن کے پیشوا مانے جائیں کہ اُن کا ان صفات میں دوسروں کے لئے نمونہ ہونا ضروری ہے - اگر ایک دو صحابی حضرت عمر کے متعلق ان خرابیوں کی شکایت کرتے تو اُن کا قول لاپروائی سے ٹال دیا جاتا لیکن مہاجرین انصار سب کا اک زبان ہو کر شکایت کرنا ضرور قابل توجہ تھا -

تیسری فصل

حضرت عمر کا خطبہ پڑھنا اور حضرت امام حسینؑ کا کہنا کہ میرے باپ کی جگہ سے اُتر آیئے

علامہ ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے ووقع للحسین نحو ذلک مع عمر وھو علی المنبر فقال له منبر ابیک والله لا منبر ابی - ایسا ہی واقعہ[1] امام حسینؑ کا بھی ہے کہ جب حضرت عمر

---

[1] یہ اشارہ اس طرف ہے کہ پہلے یہ بات حضرت امام حسنؑ حضرت ابو بکر سے کہہ چکے تھے - امام دار قطنی نے لکھا ہے کہ حضرت امام حسنؑ جناب ابو بکر کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ حضرت رسولؐ کے منبر پر بیٹھے ہیں - آپ نے فرمایا یہ میرے باپ کے بیٹھنے کی جگہ ہے - اس سے آپ اُتر آیئے - حضرت ابو بکر بولے سچ کہا آپ نے خدا کی قسم یہ آپ کے باپ ہی کی جگہ ہے - پھر آپ کو گود میں بٹھا کر رونے لگے (صواعق محرقہ ص۱۰۵ و تاریخ الخلفاء ص۵۵ و ریاض نضرہ ص۱۳۸ و تاریخ خطیب و نہایۃ العقول فخر رازی وغیرہ) - اس سے ثابت ہوا کہ حضرت امام حسنؑ تک کو جو اُس وقت دس سال کے تھے معلوم تھا کہ حضرت رسولؐ کا منبر حضرت ابو بکر کے نہیں بلکہ حضرت علیؑ کے بیٹھنے کی جگہ اور حضرتؑ ہی کا حق ہے - اسی وجہ سے اُن پر اعتراض کیا اور اس پر سے اُتر آنے کی تاکید کی - اس کے جواب میں حضرت ابو بکر نے قسم کھا کر کہا کہ بے شک یہ آپ کے باپ ہی کی جگہ ہے - یہاں ایک مشکل سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خلافت حضرت علیؑ کا حق نہیں تھا تو حضرت امام حسنؑ نے کیوں فرمایا اور حضرت ابو بکر نے بھی کیوں قسم کھا کر کہا کہ یہ آپ کے باپ ہی کے بیٹھنے کی جگہ ہے؟

منبر پر تھے تو کہا میرے باپ کے منبر سے اُتر آئیے۔ حضرت عمر نے جواب دیا بے شک آپ کے باپ ہی کا منبر ہے اور خدا کی قسم میرے باپ کا منبر نہیں ہے (صواعق محرقہ ۱۰۵) اور علامہ ابن حجر عسقلانی وغیرہ نے لکھا ہے حدثنی الحسینؑ بن علیؑ قال عمر وھو یخطب علی المنبر فصعدت الیہ۔ فقلت انزل عن منبر ابی واذھب الی منبر ابیک۔ فقال عمر لم یکن لابی منبر۔ واخذنی فاجلسنی معہ۔ فلما نزل انطلق بی الی منزلہ فقال لی من علمک۔ قلت واللہ ما علمنی احد۔ قال بابی لوجعلت تغشانا۔ قال فاتیتہ یوما وھو خال بمعویۃ وابن عمر بالباب۔ فرجع ابن عمر فرجعت معہ فلقینی بعد فقال لی لم اراک۔ قال انی جئت وانت خال بمعویۃ فرجعت مع ابن عمر۔ فقال انت احق من ابن عمر فانما انبت ما ترے فی رؤسنا اللہ ثم انتم۔ حضرت امام حسینؑ بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں حضرت عمر کے ہاں گیا۔ کیا دیکھتا ہوں وہ منبر پر خطبہ دے رہے ہیں تو میں بھی منبر پر چڑھ گیا اور اُن سے کہا میرے باپ کے منبر سے اُتر آئیے اور اُس منبر پر جا کر بیٹھئے جو آپ کے باپ کا ہو۔ حضرت عمر نے کہا میرے باپ کا تو کوئی بھی منبر نہیں ہے!!! یہ کہکر وہیں مجھے بھی بٹھا لیا اور جب اس سے اُترے تو مجھے بھی اپنے ساتھ گھر لیتے گئے۔ وہاں پہنچکر مجھ سے پوچھنے لگے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۱) ظاہر ہے کہ وہ منبر رسولخدا صلعم کا تھا حضرت علیؑ کا نہیں تھا پس اگر حضرت صلعم کے بعد حقیت خلافت کے ذریعہ سے وہ جگہ حضرت علیؑ کے بیٹھنے کی نہیں ہو گئی تھی تو حضرت ابوبکر کی یہ قسم کیسی تھی؟ کیا اس سے حضرت علیؑ کی اُس شکایت کی تائید نہیں ہوتی جس کو امام مسلم تک نے لکھا ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا ولکنک استبددت علینا بالامر وکنا نحن نرے لنا حقا۔ تم نے ہم لوگوں کو الگ کرکے اپنی رائے سے اکیلے خلافت پر قبضہ کر لیا حالانکہ خلافت ہمارا حق تھا (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۹۱)۔ اور علامہ طبری نے لکھا ہے نرے ان لنا فی ھذا الامر حقا فاستبددتم به علینا فشوذ کر قرابتہ من رسول اللہ وحقھم فلم یزل علی یقول ذلک حتے بکے ابوبکر۔ حضرت علیؑ نے حضرت اول سے فرمایا کہ اس خلافت کو ہم لوگ اپنا حق سمجھتے

کیوں بھائی یہ بات آپ کو کس نے سکھائی تھی؟ میں نے کہا خدا کی قسم کسی نے بھی نہیں (بلکہ میں نے اپنے دل سے کہی تھی)۔ تب حضرت عمر بولے میرا باپ آپ پر فدا ہو جائے آپ کبھی کبھی میرے ہاں آیا کریں۔ اس پر میں ایک دن ان کے ہاں گیا مگر معلوم ہوا کہ معویہ ان کے پاس ہیں اور وہ دونوں تخلیہ میں کچھ کر رہے ہیں۔ حضرت عمر کے بیٹے دروازے پر ہیں۔ وہ بھی اندر نہیں جا سکے بلکہ پلٹ آئے۔ تو میں بھی پلٹ آیا۔ اس کے کچھ دنوں بعد حضرت عمر مجھ سے ملے تو کہا آپ میرے ہاں آئے نہیں؟ میں نے کہا میں آیا تو تھا مگر آپ اور معویہ تنہائی میں کچھ کر رہے تھے تو میں بھی عبد اللہ ابن عمر کے ساتھ واپس گیا۔ حضرت عمر نے کہا میرے لڑکے سے زیادہ آپ کا حق مجھ پر ہے کیونکہ ہم لوگوں کے سروں کا ایک ایک بال تک صرف خدا کے فضل اور آپ کے طفیل ہی میں پیدا ہوا ہے (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۔ و تہذیب الکمال وکنز العمال جلد ۷ صفحہ و ازالۃ الخفا و جلد ۲ صفحہ) حضرت عمر نے اس قول میں اعتراف کر لیا گویا ان کی خلقت۔ ان کا گوشت پوست اور ہر نعمت ان حضرات ہی کی طفیل میں ملی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۲) تھے مگر تم لوگوں نے ہم کو الگ کر کے خود ہی اُس پر قبضہ کر لیا پھر حضرت عباس نے رسول خدا صلعم سے اپنی قرابت بیان کی اور اپنے حقوق ذکر کئے۔ حضرت برابر یہ بیان کرتے ہی رہے یہاں تک کہ حضرت ابو بکر رونے لگے (طبری جلد ۳ صفحہ ۲۰۲)

لہ اسی کے قریب حضرت رسول خدا کے مشہور صحابی ابو ہریرہ نے بھی کہا تھا۔ علامہ طبری وغیرہ نے لکھا ہے عن ابی المہزم قال کنا مع ابی ھریرۃ فی جنازۃ فلما جعنا اعیا الحسین فقعد فجعل ابو ھریرۃ ینفض التراب عن قدمیہ بثوبہ فقال لہ الحسین انت یا ابا ھریرۃ ابو المہزم بیان کرتے تھے کہ ایک جنازہ میں ابو ہریرہ کے ساتھ میں بھی تھا جب دفن کر کے سب پلٹے تو حضرت امام حسینؑ چڑھائی کی وجہ سے تھک گئے تھے۔ یہ دیکھ کر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرتؑ کے دونوں پاؤں اپنے کپڑوں سے جھاڑنے لگے۔ تو امام حسینؑ نے فرمایا اے ابو ہریرہ تم یہ کیا کر رہے ہو۔ انھوں نے جواب دیا۔ مجھے ایسا ہی کرنے دیجئے کیونکہ آپ کے جو فضائل مجھے معلوم ہیں اگر وہ سب دوسرے لوگوں کو بھی معلوم ہو جائیں تو وہ لوگ آپ کو اپنے کاندھوں پر سوار کر کے لے جایا کریں (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ)

تفصیل صد ۱ - قال وعلی منکم غرض الناس منک معا اعلم علی کی فضلہ موافقہم

چوتھی فصل

کیا حضرت ابوبکر و عمر کی خلافت جمہوری تھی؟

زمانہ حال کے نامور مصنف مولوی شبلی صاحب نعمانی نے لکھا ہے "فلسفہ تاریخی کا یہ ایک راز ہے کہ جو واقعات جس قدر زیادہ شہرت پکڑ جاتے ہیں اسی قدر اُن کی صحت زیادہ مشتبہ ہوتی ہے۔ دیوار قہقہہ۔ چاہ بابل۔ آب حیواں۔ مار ضحاک۔ جام جم سے بڑھکر کس واقعے نے شہرت عام کی سند حاصل کی ہے۔ لیکن کیا ان میں ایک بھی اصلیت سے علاقہ رکھتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اکثر واقعات کسی خاص وقتی سبب سے شہرت کی منظر پر آجاتے ہیں پھر عام تقلید کے اثر سے جو خاصہ انسانی ہے شہرت عام کی بنا پر لوگ اس پر یقین کرتے چلے جاتے ہیں اور کسی کو تنقید اور تحقیق کا خیال تک نہیں آتا یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہ مسلمات عامہ میں داخل ہو جاتے ہیں"۔ پھر ایک مثال ذکر کرکے لکھتے ہیں "اس واقعہ کا کانوں میں پڑنا تھا کہ گویا خدا کا خاص قاصد آکر ایک ایک کے کان میں وحی پھونک گیا۔ بچے۔ جوان۔ بوڑھے۔ جاہل۔ عالم۔ رذیل۔ شریف۔ نیک۔ بد سب یہی راگ گانے لگے۔ رفتہ رفتہ تقریر۔ تحریر۔ ضرب المثل۔ تلمیحات۔ افسانہ کوئی چیز اس سے خالی نہیں رہی لیکن بالآخر تحقیق کی عدالت نے فیصلہ کیا ع

عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ" (رسالہ اورنگ زیب مطبوعہ لاہور ص۲)

تقریباً یہی حال خلافت شیخین کی جمہوریت کا بھی ہے کہ کچھ سادہ لوح لوگوں نے کہا دونوں بزرگوں کی خلافت جمہوری تھی اور تقلید کے شیدائی اس آواز کو لے اُڑے۔ اب کوئی نہیں دیکھتا کہ جمہوریت کی تعریف کیا ہے اور اس کا ہزارواں حصہ بھی ان خلافتوں پر صادق آتا ہے یا نہیں۔ حد ہوگئی کہ مولوی شبلی صاحب ایسے فہمیدہ۔ روشن خیال۔ اور باخبر مصنف بھی اس غلط فہمی کا شکار ہوگئے اور اس وہمی بنیاد پر بہت بڑی عمارت کھڑی کردی۔ لکھتے ہیں "پہلے یہ بتانا چاہئے کہ اُس (حضرت عمر کی) حکومت

تحفۂ قرآن نہایت اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح حیدرآباد دکن میں ایک تعلیم یافتہ نہایت تیز شیعہ لڑکی کی شادی ایک زبردست محقق و علامہ اہلسنت سے ہو گئی جبکہ سنی مولانا صاحب نے اپنی شیعہ بی بی کو سنی کرنا چاہا تو شیعہ لڑکی نے کہا آؤ تحقیق کریں کہ قرآن مجید سے سنی مذہب کا حق ہونا ثابت ہوتا ہے یا شیعہ مذہب کا۔ قرآن مجید جس مذہب کو صحیح کہے اسی مذہب کو ہم دونوں آدمی اختیار کریں۔ چنانچہ زبردست بحث شروع ہوئی اور کل اصول و فروع دین میں دونوں شخص اپنی قابلیت کے جوہر دکھانے لگے خصوصاً تقیہ۔ تبرا۔ خدا کے مجسم ہونے۔ توحید بداء۔ عدل۔ تحریف قرآن۔ قرآن مجید پر شیعوں کے ایمان ہونے یا نہ ہونے۔ قرآن مجید کے ساتھ سنیوں اور شیعوں کے برتاؤ۔ نبوت۔ امامت و خلافت۔ مسح قدمین۔ نماز میں ہاتھ کھولنے بسم اللہ کہنے۔ روزے کے مسائل۔ متعہ کی تحقیق۔ نماز جماعت۔ نجاست مشرکین وغیرہ پر خوب خوب بحثیں ہوئیں مگر ہر مسئلہ میں شیعہ بی بی نے ثابت کر دیا کہ مذہب شیعہ ہی قرآن مجید کے مطابق اور مذہب اہلسنت قرآن مجید کے مخالف ہے۔ آخر سنی مولانا صاحب نے مذہب بدل کر اپنے شیعہ ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ ۵۱۶ صفحہ کی اس کتاب میں سنی و شیعہ کے کل اختلافات پر کامل تحقیق و جامعیت سے تبصرہ کر کے صراط مستقیم بالکل واضح کر دی گئی۔ کاغذ۔ لکھائی۔ چھپائی سب اعلیٰ درجہ کی قیمت صرف دو روپیہ آٹھ آنہ ہر طرف سے برابر فرمائشیں آ رہی ہیں۔ آپ بھی جلدی منگالیں جسے

تاریخ ائمہ آج تک اردو زبان میں ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں شیعوں کے کل بزرگان دین کے ضروری حالات اور قابل فخر کارنامے خود اہلسنت کی نہایت معتبر کتابوں سے ایک جگہ جمع کیے گئے ہوں۔ اس عظیم الشان کتاب تاریخ ائمہ میں مشہور انبیاء کرام کے ضروری حالات۔ پھر حضرت رسول خدا صلعم کے حالات [illegible] و اصحاب کرام کے حالات لکھے گئے۔ اسکے بعد حضرات ائمہ طاہرین کے مفصل سوانح زندگی اور قابل قدر دینی و دنیوی کارنامے نہایت دلچسپ عنوان سے جمع کیے گئے ہیں۔ اسکے ساتھ ساتھ ائمہ طاہرین کی ازواج و اولاد و اصحاب کے بھی نہایت معرفت خیز حالات لکھے گئے ہیں۔ علم دوست حضرات نے تسلیم کر لیا کہ اس کتاب میں گویا دریا کو کوزہ میں بند کیا گیا ہے۔ آج تک ہمارے پیشوایان دین کے ایسے قابل قدر حالات دنیا کی کسی زبان عربی و فارسی، اردو میں نہیں لکھے گئے۔ جناب ملاذ و معتمد انا آقا سید سبط نبی صاحب قبلہ مجتہد العصر ادام اللہ مقامہ ساکن نوگانواں سادات و شیعہ ڈین مسلم یونیورسٹی علیگڈھ نے اس کتاب کو اس درجہ پسند فرمایا کہ اسکے نسخے بذریعہ [illegible] طلب کیے اور اسے علیگڈھ کالج و اسکول کے شیعہ طلاب کے نصاب تعلیم میں

[illegible] کاغذ۔ لکھائی۔ چھپائی سب اعلیٰ درجہ کی۔ صفحات [illegible] قیمت صرف [illegible]
[illegible] سے صرف [illegible] علاوہ محصولڈاک۔ جلد طلب کیجئے۔ یہ کتاب ایک نعمت بے بہا ہے۔ اگر جلد ختم ہو گئی تو دوسری طبع کا شدید انتظار کرنا ہوگا۔ کیا عجب کہ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا جائے۔

مجالس خاتون اردو زبان میں چند سال قبل تک کوئی کتاب ایسی نہیں ملتی تھی جو خاص عورتوں کی زنانی مجلسوں کے لیے لکھی گئی ہو۔ اور جس کو بہنیں خود پڑھکر دوسری بہنوں کو سنائیں اور انھیں [illegible] کریں۔ یہ کمی بہت دنوں سے محسوس ہو رہی تھی۔ اس کو رفع کرنے کے لیے کتاب مجالس خاتون لکھی گئی جس میں پہلی محرم سے ۱۰ محرم تک ہر روز اور ہر رات میں عورتوں کے پڑھنے کی تین تین مجلسیں لکھی گئیں۔ اس طرح ۳۰ مجلسوں کا یہ ایسا قیمتی ذخیرہ ہو گیا ہے جس کا ہر شیعہ عورت کے پاس ہر وقت رہنا ضروری ہے۔ ہر مجلس کے آخر میں مصائب بہت رقت خیز اور رلانے والے دردناک نوحے بھی لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ بہنوں کو حدیث پڑھنے کے بعد کسی دوسرے نوحہ کے دیکھنے کی ضرورت نہ ہو بلکہ اسی کتاب سے یہ ضرورت بھی رفع ہو جائے۔ پہلی دفعہ چھپ کر یہ کتاب ختم ہو گئی تھی اب دوبارہ چھپوائی گئی ہے۔ اسکے بھی صرف چند نسخے باقی ہیں جلد منگائیے ورنہ تیسرے چھاپہ کا انتظار کرنا ہوگا قیمت [illegible]

حضرت ابوبکر کی سوانح عمری بھی خدا کے فضل و کرم سے بڑی تحقیق و جامعیت سے لکھی اور شائع کی گئی ہے جسکے دو حصے ہیں پہلے حصے میں مدینہ کے مفصل حالات ہجرت تک شائع ہوئے ہیں اسمیں خاص کر یہ مضامین نہایت دلچسپ اور ایمان افروز ہیں۔ آپکی نسبی حالت اور عرب میں آپکے خاندان کی حیثیت۔ آپکے والدین و اجداد و اخوات و دیگر اعزہ و مخصوصین کے حالات۔ آپکا خاندانی پیشہ۔ آپ کے خاندانی پیشہ کے نتائج اور اس کے دنیوی و دینی خصوصیات آپکی ولادت کے حالات۔ حلیہ۔ نام۔ کنیت۔ القاب۔ اور ان کے وجوہ و اسباب۔ عہد طفولیت تعلیم و تربیت ذریعۂ معاش حضرت رسولؐ خدا سے آپکا برتاؤ۔ خاندان بنی ہاشم سے تعلقات۔ حضرت عمر سے تعلقات زمانۂ جاہلیت کے کارنامے۔ آپکا قبول اسلام۔ اولیت اسلام کی بحث۔ آپکے اسلام یا ایمان کی حقیقت ابتدائے اسلام میں آپکا جہاد۔ حضرت رسول خدا کی مالی اعانت کرنے کی تحقیق۔ سفر ہجرت کے کارنامے۔ معیت غار اور اسکے کارنامے۔ کاغذ۔ لکھائی۔ چھپائی اعلیٰ ۲۶۰ صفحہ قیمت [illegible]

مشعل ہدایت جناب حاجی سید اظہار حسنین صاحب بی۔اے [illegible] پنشنر [illegible] اور تحقیقی کتاب جسمیں دکھایا گیا ہے کہ خدا نے اپنے کلام پاک میں [illegible] اور اصحاب کے لئے کیا فرمایا ہے۔ اور قرآن مجید سے [illegible] ثابت [illegible] خاص حقائق ہیں۔ ان حقائق کی [illegible] ہدایت پر [illegible] قیمت [illegible]

P.O. Kujhwa (Bihar Circle)

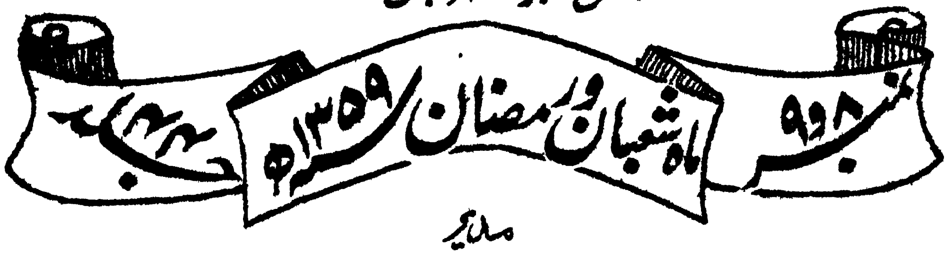
المشتہر: مینیجر اصلاح کجھوا (صوبہ بہار)

[illegible] اصلاح پریس کجھوا میں چھپوا کر شائع کیا

جریدۂ مبارکہ

اصلاح

تاریخ اجراء ۱۵ شعبان ۱۳۱۵ھ



مدیر

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم

مقام اشاعت

کھجوا (صوبہ بہار)

چندہ سالانہ ... محصول ڈاک

سوانح عمری کو جلد مکمل کرائیے

اے درد مندان دین و ملت! محض خدا کے فضل و کرم سے سوانح عمری خلیفہ دوم کا دوسرا حصہ بھی ختم کے قریب پہنچا۔ حالانکہ اس کی اشاعت میں تاخیر ہوئی اور اس سال رسالہ اصلاح کئی کئی مہینوں کے بعد نکلا مگر یہ بھی اچھا ہی تھا۔ اگر سوانح عمری جلدی کی وجہ سے پوری تحقیق سے مکمل نہ ہوتی تو اس کتاب میں یہ عیب باقی رہ جاتا جس سے آپکے مذہب کی عظیم الشان محنت بالکل ضائع جاتی۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ دیر آید درست آید کے مطابق اب یہ قابل فخر سوانح عمری پوری ہوا چاہتی ہے صرف ۸۸ جزو کے کاغذ کی اور فکر ہے کہ اس کا بھی سامان ہو جائے تو انشاء اللہ ایک ہی مہینہ میں آپ اس تحقیقی و تبلیغی کتاب کو مکمل پائیں گے مجبوراً پھر درخواست کی جاتی ہے کہ اگر آپ صرف پچاس حضرات اپنے اعزہ و احباب کو دفتر کی صرف تین کتابوں جوہر قرآن قیمتی ۱۲ و تاریخ ائمہ قیمتی ۸ و سوانح عمری خلیفہ دوم حصہ اول قیمتی ۸ کی خریداری پر آمادہ کر دیں تو بہت آسانی سے مطلوبہ مقدار کا کاغذ آ جائے اور اس اہم فرض سے بھی ملت کو سبک دوش ہو جائے جس کے بعد تیسرے بہت دلچسپ اور مفید مذہبی ناول تحفہ بخاری کا انتظام کیا جائے۔ وی پی طلب کرنے میں ان کتابوں کی قیمتیں یہاں بہت دیر کر کے پہنچیں گی بہتر یہ ہے کہ ان خریداروں سے ان کتابوں کی قیمت آپ خود وصول کر کے جلد از جلد بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دیں کہ فوراً کاغذ منگا لیا جائے اور ان خریداروں کو کتابیں روانہ کر دی جائیں انشاء اللہ اس کتاب سے حضرت دوم کی پوری اور اصل تصویر نمایاں ہو جائیگی اور دین حق کی تبلیغ کا زبردست فرض بھی انجام پائے گا۔ کیونکہ حضرت عمر ہی مذہب اہلسنت کے بنیادی ستون ہیں جوہر قرآن و تاریخ ائمہ و سوانح عمری حصہ اول اتنی دلچسپ اور مفید کتابیں ہیں کہ آپ اپنے احباب کو دکھائیں گے تو وہ حضرات جلد انکی خریداری پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے آپ کو زیادہ زحمت بھی نہیں ہو گی۔ البتہ توجہ کی شدید ضرورت ہے اور جس قدر جلد آپ متوجہ ہونگے انشاء اللہ اسی قدر جلد یہ کتاب پوری ہو جائیگی اور آپکی قوم و ملت کی یہ دیرینہ آرزو پوری ہو گی کہ حضرت ممدوح کی بھی سوانح عمری لکھی جائے۔ آپ اصلاح کے نمبروں میں پڑھ چکے ہیں کہ اس سوانح عمری کے پہلے ہی حصہ کو پڑھ کر کتنے سُنی بھائیوں نے مذہب شیعہ قبول کر لیا۔ اگر اور بھائیوں کو بھی آپ شیعہ کرنا چاہتے ہیں تو جلد اس کی تکمیل کی کوشش کیجئے کتاب صرف ۸۸ جزو کی وجہ سے یہ دینی خدمت ادھوری نہ رہ جائے اور تحفہ بخاری بھی رُکی نہ رہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصلاح

نمبر ۸ و ۹ | ماہ شعبان المعظم و رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ | جلد ۴

حضرت عمر و شاہ ولی اللہ و مولوی شبلی صاحبان

حضرت عمر (اپنے صاحب زادے جناب عبداللہ بن عمر سے) بیٹا! ذرہ جاکر شاہ ولی اللہ اور مولوی شبلی صاحب کو بلا لاؤ۔ کہنا کہ ایک نہایت ضروری کام کے لئے آپ کو طلب کیا ہے۔

عبداللہ۔ بہت خوب۔ لیکن وہ لوگ کچھ دریافت کریں تو کیا کہوں گا۔ اس کو بھی فرما دیجئے۔

حضرت عمر۔ کہنا ابا جان نے آپ لوگوں کو زحمت دی ہے۔ ایک سخت ضرورت ہے زیادہ نہیں۔

جناب عبداللہ۔ (شاہ ولی اللہ صاحب کی جائے قیام پر پہنچکر) السلام علیکم۔ آپکو والد صاحب نے یاد فرمایا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حاضر ہوں خیر تو ہے۔ اتنا سویرے کیوں یاد فرمایا۔

جناب عبداللہ۔ رات حضور بہت متفکر رہے۔ غذا بھی تناول نہیں فرمائی۔ غالباً شب بھر سوئے بھی نہیں۔ اچھا آپ چلیں۔ میں اب مولوی شبلی صاحب کے پاس جاتا ہوں۔ انکو بھی طلب فرمایا ہے۔ پھر اُن کے ہاں پہنچکر دونوں صاحبوں میں اس طرح گفتگو ہوتی رہی۔

جناب عبداللہ۔ مولوی شبلی صاحب! السلام علیکم۔ اباجان نے آپ کو طلب فرمایا ہے۔

مولوی شبلی صاحب۔ اس وقت مجھے سرسید احمد خاں بہادر سے ملنے جانا ہے۔ معاف کریں پھر کسی وقت چلوں گا۔ غالباً حضرت فاروق کو کوئی جلدی نہیں ہوگی۔ اس وجہ سے پھر دیکھا جائیگا۔

جناب عبداللہ۔ ارے! یہ آپ کیا کہتے ہیں؟ ابا جان کے مقابلہ میں سید احمد خاں کی کیا حقیقت ہے کہ آپ یہ عذر کرتے ہیں۔ جب آپ دنیا میں تھے تب تو والد صاحب کی اتنی تعظیم کی کہ ان کی سوانح عمری لکھکر ان کو دنیا بھر کے انبیاء و مرسلین تک سے بہتر ثابت کر دکھایا اور اب ایسی لاپروائی! کیا وہ ماننا جانا وہیں تک کے لئے تھی؟ اب کوئی تعلق نہیں۔

مولوی شبلی صاحب۔ ہاں وہاں اسی کی ضرورت تھی۔ اس سے میری بے حد قدر و منزلت بڑھی۔ اور اپنے زمانہ میں مجھے اس کا پورا صلہ مل گیا۔ مگر یہاں تو وہ میرے کچھ بھی کام نہیں

آئی بلکہ اُس کی وجہ سے میرے نامۂ اعمال کی جو حالت ہو گئی ہے۔ بیان نہیں کر سکتا۔
جناب عبد اللہ۔ تو سید احمد خاں سے آپکو کیا کام ہے کہ وہاں جانا ضروری سمجھتے اور ابا جان کے حکم کو اس قدر ٹالتے ہیں
مولوی شبلی صاحب۔ اُن سے مشورہ کرنا ہے کہ ان کی پیروی میں قیامت۔ بہشت و دوزخ کے متعلق میرا بھی جو خیال تھا وہ سب جانتے ہیں لیکن یہاں آکر یقین ہوا کہ یہ سب باتیں حتمی ہیں۔ اب کیا کیا جائے کہ یہاں کی مصیبتوں سے نجات ملے۔ اور بہشت میں رہ سکوں۔
مولوی صاحب۔ یہ تو خوب کہی۔ اچھا چلئے پہلے حضرت ہی کی زیارت کی جائے۔ حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہو کر
مولوی شبلی صاحب۔ سرکار عالی۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔
حضرت عمر۔ وعلیک السلام۔ کہو سب خیریت ہے۔
مولوی شبلی صاحب۔ اب خیریت کہاں جس قدر عافیت دنیا میں تھی اسی قدر یہاں اس کشمکش کا سامان ہے۔ لیکن پہلے سرکار یہ فرمائیں غلام کو کیوں طلب فرمایا ہے۔ اس کے بعد میں اپنی داستان افکار کھولوں گا۔
حضرت عمر۔ میں ان دنوں بہت پریشان ہوں اور اس پریشانی میں تم لوگوں سے خاص مدد ملنے کی امید ہے اس وجہ سے شاہ ولی اللہ کو بھی بلایا اور تم کو بھی کہ انھوں نے ازالۃ الخفا لکھکر اور تم نے میری سوانح عمری لکھکر ہندوستان میں میرا جھنڈا گاڑ دیا اور کتنے مسلمانوں کے ذہن نشین کر دیا کہ میرا درجہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم سے بھی بڑھا ہوا ہے۔
شاہ ولی اللہ صاحب اور مولوی شبلی صاحب۔ یہ سرکار کی ذرہ نوازی ہے ورنہ ہم لوگوں نے تو اپنا فرض ادا کیا ہے۔
حضرت عمر۔ خیر اس وقت کہنا یہ ہے کہ ایک چھوٹی سی جگہ کھجوا ضلع سارن صوبہ بہار میں میری سوانح عمری ایسی لکھی جا رہی ہے جس میں میرے وہ سب امور کھول بیان کئے جاتے ہیں جن پر تم لوگوں نے خوب پردے ڈال رکھے تھے۔ اس کی وجہ سے تم لوگوں کی ریاضتیں مٹی میں مل رہی ہیں۔ فضیلت کا ڈھول کھل رہا ہے۔ اب کیا کیا جائے کہ یہ سلسلہ موقوف ہو۔
شاہ ولی اللہ صاحب۔ حضور کے لئے یہ امر کیوں باعث تردد ہے۔ سرکار کے کرامات تو مشہور ہی ہیں۔ میں نے بھی اپنی کتاب میں اُن سب کو بہت دل لگا کر جمع کیا ہے۔ بس کوئی

کرامت کرکے اس سوانح عمری کو موقوف کرا دیجئے۔ ایسا کیجئے کہ اس سوانح عمری لکھنے والے پر بجلی گر جائے۔ یا وہ کسی وبا میں مبتلا ہو جائے یا اُس کا قلم رُک جائے۔ یا اُس کا دماغ معطل ہو جائے۔ یا اُسکے خریداروں کے دل سے اس کتاب کا شوق ہی غائب ہو جائے۔

مولوی شبلی صاحب۔ آپ نے پھر وہی پُرانی دقیانوسی باتیں نکالیں۔ یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ کوئی امر نیچر کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ میں نے تو اسی وجہ سے اپنی کتاب الفاروق میں حضرت کی کسی کرامت کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ یہ سب مہمل اور ناممکن باتیں ہیں آپ ایسے علمار ذی شان کو ان سب کا نام بھی نہ لینا چاہیئے۔ میں نے آپ کی بڑی مدح و ثنا اپنی کتاب الفاروق و علم الکلام وغیرہ میں کی ہے اور آپ کے فضل و کمال کا پورا اعتراف کرتا ہوں لیکن خلاف عقل باتوں میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا معاف کیجئے

شاہ ولی اللہ صاحب۔ تو خلاف عقل بات کیا ہے؟ کیا حضرت عمر رضے اللہ عنہ کا درجہ خدا کے ہاں اتنا بھی نہیں ہے کہ آپ خدا سے دعا کریں کہ آپ کی اس سوانح عمری لکھنے والے پر بجلی گرا دے تو خدا اس دعا کو قبول نہیں کرے گا۔ حالانکہ آپ کے زبان ہلا دینے کی وجہ سے ایک شخص کا خاندان کا خاندان جل بھن کر خاک سیاہ ہو گیا تھا دیکھو تاریخ الخلفار صفحہ دغیرہ اسی سوانح عمری حصہ اول صفحہ میں بھی اس کا ذکر ہے۔

مولوی شبلی صاحب۔ میں دیکھوں کہاں؟ کیا یہاں بھی آپ اپنی کتابوں کا ذخیرہ بغل میں لپیٹ کر لیتے آئے ہیں؟ ہاں تاریخ الخلفار میں یہ مضمون ضرور موجود ہے مگر خلاف عقل ہونے کی وجہ سے ردی میں پھینک دینے کے قابل ہے۔ یہ کتابیں نہایت بیہودہ بلکہ دریا میں ڈالدینے کے قابل ہیں۔ ان باتوں سے تو رافضیوں کو اور بھی تالیاں بجانے کا موقع ملتا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب۔ آپ ان باتوں کو نہ مانئے مگر میرا تو اعتقاد ہے کہ یہ سب باتیں ممکن ہیں۔ اور اگر حضرت فاروق چاہیں گے تو یہاں سے بھی سب کچھ کر سکتے ہیں۔ میں دہریہ نہیں ہو گیا بلکہ پیر اولیار تک کے کرامات کا قائل ہوں۔ آپ اپنا لکچر رہنے دیجئے۔

حضرت عمر۔ میں نے زبردست وار تو کیا تھا چنانچہ وہ سوانح عمری کئی مہینوں کے لئے ملتوی ہو گئی تھی اور اس کا لکھنے والا بڑے بڑے ترددات میں مبتلا ہو گیا تھا یہاں تک کہ اسکے خریداروں کو یقین ہو گیا تھا کہ اب وہ سوانح عمری کسی طرح پوری نہیں ہو سکتی۔ لیکن اسکے

خریدار بھی مشکل کشا علی مرتضیٰ کے شیعہ ہیں جو میری مشکلیں بھی کس طرح حل کر دیتے تھے کہ میں
بے ساختہ بول اٹھتا تھا لولا علیؑ لہلک عمر۔ ان سب نے زور لگا کر میری محنتوں کو مٹی
میں ملا دیا۔ اور اس لکھنے والے کی دلچسپ کتابیں (تاریخ ائمہ۔ جوہر قرآن۔ ذخیرۂ حق۔
بھائی جان (حضرت ابوبکر) کی سوانح عمری کے حصہ اول اور میری سوانح عمری کے حصہ اول)
کے بہت سے خریدار مہیا کرکے اور ان سے قیمتیں لیکر دفتر اصلاح میں بھیج دیں جس سے کاغذ
کا سامان ہو گیا اور معلوم ہوا ہے کہ ۴۰ صفحہ تک میری اس سوانح عمری کا دوسرا حصہ بھی چھپ گیا
اب کیا ہے ۲۴۲ صفحے اور باقی رہ گئے ہیں۔ اگر رافضیوں کی یہ جماعت جس کو مجھ سے خاص طور
کی خلش ہے اسی طرح کوشش کرتی رہی تو یہ ۲۴۲ صفحے بھی شائع ہو جائیں گے۔ آپ لوگ
کوئی صورت ایسی کریں کہ اب یہ سوانح عمری نہ شائع ہو۔ ورنہ بڑی مصیبت ہو گی۔

مولوی شبلی صاحب۔ سرکار عالی جناب شاہ صاحب نوجنات۔ عملیات۔ کرامات۔ معجزات
وغیرہ کے قائل ہیں جن باتوں کو عقل سے ذرہ برابر لگاؤ نہیں۔ اور میں ہر چیز کو نیچر کی عینک
لگا کر دیکھنے کا پابند ہوں۔ تو میری اور انکی رائے ایک طرح کیسے ہو سکتی ہے۔

حضرت عمر۔ خیر ان کی سمجھ میں جو آیا انھوں نے رائے دے دی۔ اب تم بھی کچھ کہو میں سنوں

مولوی صاحب۔ میری رائے ہے کہ مرزا حیرت کو اس مشورہ میں شریک کیجئے۔ وہ
ہندوستان میں کسی شخص کو خواب دکھا کر سکھا دیں کہ وہ شخص کوئی اخبار کرزن گزٹ جیسا نکال کر اس
جدید سوانح عمری کا جواب اس طرح لکھے کہ اس رافضی کی سب تحقیقیں رائگاں ہو جائیں۔

حضرت عمر۔ مگر وہ اس کو کیا کر سکتے ہیں کہ میری سوانح عمری میں جو باتیں لکھی جارہی ہیں وہ
سب میرے ہی مریدوں کی کتابوں سے نقل کر دی جاتی ہیں۔ اور سب کا صفحہ وغیرہ بھی
تو بتا دیا جاتا ہے۔ اس آفت کا علاج بتاؤ۔ ان کتابوں کا کیا جواب ہو سکتا ہے۔

مولوی صاحب۔ سرکار عالی نے خیال نہیں فرمایا۔ اسی غرض سے تو میں نے مرزا حیرت
کا نام پیش کیا کہ وہ آسانی سے ہر چیز کا انکار کر دینگے۔ امام حسین علیہ السلام کا واقعہ ایسا
متواتر کہ ہماری لاکھوں کتابوں میں موجود ہے۔ مگر اس شیر نے سب سے آنکھیں بند کرکے
انکار کر دیا۔ اور لکھ دیا کہ حضرت شہید ہی نہیں ہوئے۔ لطف یہ کہ اپنے ہی ہم مذہب علماء
کو گالیاں بھی خوب دے ڈالیں کہ ان لوگوں نے واقعہ شہادت کو اپنی کتابوں میں درج کیا گیا۔

شاہ صاحب - میں حیران ہوں کہ آپکی باتوں کو حقیقت پر محمول کروں یا مزاح سمجھوں۔ آپ کو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی کرامات سے تو انکار ہے - معجزات کے بھی آپ قائل نہیں - نیچر کے خلاف کسی بات کو ماننے کے لئے طیار نہیں لیکن مرزا حیرت ایسے اخبار نویس کو آپ اس قابل سمجھتے ہیں کہ کسی کے خواب میں جاکر سمجھا دیں - آپ تو خوب ہم لوگوں کو بنا رہے ہیں - حضرت فاروق کے کرب و اضطراب کا آپ پر کوئی اثر نہیں بندۂ خدا! کوئی ایسی تدبیر سوچو کہ حضرت کی یہ پریشانی دور ہو - یہ مذاق کا موقع نہیں۔

مولوی صاحب - پھر آپ ہی بتائیں کہ ہم لوگ یہاں سے کیا کر سکتے ہیں - نہ کوئی ڈاک جاتی ہے - نہ ریل کا سلسلہ ہے - نہ ٹیلیفون کا رشتہ - نہ ریڈیو کا انتظام ہے - پھر کوئی تدبیر ذہن میں آئے بھی تو اس پر عمل کیونکر کیا جائے - پہلے اس بات کو تو طے کر لیجئے۔

شاہ صاحب - حضور میری رائے ہے کہ کسی فرشتہ کی خوشامد کی جائے وہ جاکر ملک الموت کو سکھا پڑھا کر آمادہ کریں کہ اس سوانح عمری کے لکھنے والوں کی روح قبض کر لیں قصہ ہی ختم ہو جائے - نہ وہ کم بخت موذی زندہ رہیگا - نہ حضور کی شان میں ایسی گستاخی کریگا۔

حضرت عمر - نہیں یہ بھی بیکار ہے - ملک الموت بھی بغیر اجازت خدا کسی کی روح نہیں قبض کر سکتے - ایسی باتیں نہ کرو جس سے یہاں کے لوگ بھی ہم لوگوں کی عقلوں پر مضحکہ کریں -

مولوی صاحب - جناب شاہ صاحب! آپ لوگوں کے ہاں تو عملیات کا بڑا زور تھا پیری مریدی کا سلسلہ اس کے بغیر چل ہی نہیں سکتا - پھر آپ ہی کوئی عمل کیوں نہیں کرتے - جو بار بار حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو زحمت دیتے ہیں -

شاہ صاحب - اگر میں دنیا میں موجود رہتا تو آپ دیکھ لیتے کیا کچھ نہ کر ڈالتا - لیکن اب تو دوسرے عالم میں پھنس گیا ہوں - جہاں اپنے ہی انجام سے حواس درست نہیں ہیں - مگر آپ کی عقل میں واقعاً کوئی صورت آتی ہو تو بیان کر دیجئے - مزاح نہ سمجھئے - کیونکہ آپ جانتے ہیں ہم سب لوگوں کے مذہب کی بنیاد زیادہ تر حضرت فاروق ہی کی ذات والا صفات ہے - اگر یہ سوانح عمری مکمل ہو گئی اور جس طرح حضرت کے فضائل کی دھجیاں اُڑا دی گئی ہیں اُسی طرح آپکی خلافت کے دنیوی کارناموں کی تحقیق بھی کر دی گئی تو آپکی الفاروق بھی بے وزن ہو جائیگی - میری ازالۃ الخفاء کی عظمت بھی گھٹ جائیگی اور مذہب اہلسنت کو بھی ناقابل [illegible]

صدمہ پہنچیگا۔ جسکی تلافی کسی طرح میری سمجھ میں تو آتی نہیں ہے۔
مولوی صاحب۔ میرا تو خیال ہے کہ قانون قدرت سے لڑنا بیکار ہے۔ یہ مسلم ہے کہ گر کرنہ یافت۔ میں نے جو کچھ ملمع سازیاں کیں ان کا اثر کب تک رہ سکتا ہے۔ آپ نے بھی جو کچھ جانفشانیاں کیں ان کے نتائج کی مدت ختم ہوچکی۔ اور حضرت فاروق رضے اللہ عنہ کے کارناموں کی جو تاویلیں کی گئیں ان کی حقیقت کا فاش ہونا ضروری ہے۔ اب یہ چیزیں ہم لوگوں کے اختیار سے باہر ہوگئیں۔ ان کی فکر ہی بے جا ہے۔ اگر حضرت عمر بہت بڑے اسلامی ہیرو کے عوض ایک معمولی انسان مانے جائیں تو اس سے نقصان ہی کیا ہے۔ پرانی لکیر کے فقیر بنے رہنا کسی طرح مناسب نہیں۔ اچھا ہے لوگوں کو نئی نئی تحقیقات دیکھنے کا موقع مل رہا ہے۔ شیعوں کو بہت دنوں سے تمنا تھی کہ میری الفاروق کا زور گھٹے۔ اب انکی یہ آرزو پوری ہورہی ہے تو کیا مضائقہ ہے۔ جس طرح سرسید احمد خاں دونوں فرقوں (سنیوں اور شیعوں) کی ترقی کے خواہاں ہیں میں بھی اس کو پسند کرتا ہوں کہ شیعہ اپنی تحقیق کے مطابق حضور کی سوانح عمری لکھیں اور اس کے ذریعہ سے انکی ترقی بھی ہو کہ درحقیقت وہ بھی اسلام ہی کی ترقی ہے اگر اس سوانح عمری سے کچھ لوگ سنی مذہب ترک کرکے شیعہ ہوگئے تو بہر صورت مسلمان ہی رہے۔ اس فکر میں ہم لوگ کیوں جان دیں۔ ہمیں تو اپنی فکر کرنی چاہیئے کہ یہاں ذرہ ذرہ کا حساب درپیش ہے۔ ہم سب چل کر خدا کے سامنے اقرار کریں کہ حضرت عمر اور حضرت علیؓ کے متعلق شیعہ جو کہتے ہیں وہی ٹھیک ہے۔ ہم لوگوں سے خطائے اجتہادی ہوگئی کہ ان کے عقیدے کو نہیں مانا۔ اب توبہ کرتے ہیں۔ ہمیں معاف کردیا جائے

شاہ صاحب۔ کیا خوب! اب توبہ کرنے کی بھی ایک ہی کہی۔ اے حضرت یہاں تو سب گنہگار توبہ کرنے کے لئے آمادہ ہوجائیں گے۔ مگر یہ تو بتایئے کہ ان کی توبہ کو کوئی سنیگا کیونکر اور اس کا فائدہ کیا ہوگا۔ خدائی فرمان ہوچکا ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ (جو شخص ذرہ برابر اچھا کام کرے گا وہ مرنے کے بعد اس کا انعام ضرور پائیگا اور جو شخص ذرہ برابر برا کام کرے گا وہ اس کی سزا ضرور پائیگا)

حضرت عمر۔ یہ سب بے کار باتیں ہیں۔ مجھے اس کی فکر ہے کہ میری جو عظمت و جلالت فرقہ اہلسنت میں قائم ہے وہ اسی طرح باقی رہے۔ اس میں ذرہ برابر کمی نہ ہو۔ اور اگر یہ سوانح عمری پوری ہوگئی تو میری سب عزت خاک میں مل جائیگی۔ آپ لوگ اگر اس سوانح عمری کے بند کرانے کی کوئی تدبیر نہیں کر سکتے تو کم از کم یہی کیجئے کہ اس تک ہمارے فرقہ اہلسنت سے کسی شخص کی نظر نہ پہنچنے پائے۔

مولوی صاحب۔ واہ! آپ کی بھی ایک ہی کہی۔ جب وہ چھپ رہی ہے تو سب ہی دیکھیں گے۔ لیکن برادران اہلسنت اس کا دیکھنا پسند ہی کب کرینگے۔ ہمارے علماء تو سب سے زیادہ اور پہلا کام یہی کرتے ہیں کہ سب سنیوں کو تاکید کر دیتے ہیں خبردار شیعوں کی کتابیں نہ دیکھنا۔ اُن میں بڑا زہر بھرا ہوتا ہے۔ تم نے دیکھا کہ بس اپنے مذہب سے گئے۔

حضرت عمر۔ نہیں اس نئی سوانح عمری میں چونکہ کل باتیں ہمارے ہی مذہب کے بڑے معتبر عالموں کی کتابوں سے لکھی جاتی اور بہت تہذیب۔ شیریں بیانی۔ متانت، رواداری اور بے تعصبی سے درج کی جاتی ہیں۔ اس وجہ سے ہزاروں اہلسنت بھی اس کو دیکھ رہے ہیں۔ اور اُن کے خیالات میری جانب سے بہت خراب ہوتے جاتے ہیں مجھے خوف ہے کہ اگر یہ کتاب پوری ہوگئی اور فرقہ اہلسنت کے لوگوں نے دیکھ لیا تو میری شان و شکوہ کا پتا نہیں ملیگا اور میری اصلی تصویر پر سے نقاب اُلٹ جائیگی۔ بہت سے راز سربستہ کا انکشاف ہو چکا جو باقی رہ گئے ہیں اُن کا بھی جلد پردہ چاک ہو جائیگا۔

مولوی صاحب۔ تو پھر یہ مصیبت لاعلاج ہے۔ سوائے صبر کوئی چارہ نہیں۔

حضرت عمر۔ میں نے تو اسی لئے آپ لوگوں کو زحمت دی تھی۔ جب آپ لوگوں کو بھی مایوسی ہے تو مجبوری ہے۔ آپ لوگ تشریف لے جائیں۔ کیوں اپنا وقت ضائع کریں اور میرا بھی۔

شاہ صاحب۔ حضور عالی! مایوسی کی گفتگو تو مولوی شبلی صاحب کرتے ہیں اور آپ مجھے بھی خون لگا کر شہیدوں میں داخل کرتے ہیں۔ ان کے خیالات تو معلوم ہوگئے کہ کتابوں کے اعتبار سے آپ اسلام کے مورخ اور اعتقادات کے اعتبار سے قانون قدرت کے شیدا ہیں۔ آپ انکی باتوں پر نہ جائیں بلکہ اپنی کرامات کا کچھ کرشمہ دکھا کر ان کو بھی از سر نو اپنے حلقہ میں داخل فرمالیں۔ اور بتادیں کہ یہاں سے ریلوے۔ یا تار یا ریڈیو یا اور جہلات کا

سلسلہ ہویا نہ ہو لیکن حضور ہر امر خارق عادت پر قدرت تامہ رکھتے ہیں۔ جب حضور نے ملک عرب کے شہر مدینہ سے پکار کر ایک مہینہ کی راہ پر جو شخص تھا اسکو حکم دے دیا کہ یا ساریۃ الجبل۔ اے ساریہ بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ جاؤ۔ اور اُس نے وہاں سے (سیکڑوں کوس دور ملک عجم کے شہر نہاوند کے پاس) حضور کی آواز کو سن لیا تو اب ایسا کیوں نہیں ہو سکتا۔ آپ سب سے اونچی جگہ پر چڑھکر خوب زور سے چیخیں اور فرمائیں اُے ہندوستان کے سینو بلکہ اے اردو داں سنیو! تم لوگ جہاں جہاں ہو سن لو کہ دفتر اصلاح کی سوانحعمری خلیفہ دوم کو جو ایک بیہودہ رافضی لکھ رہا ہے (خدا اسکے قلم کو توڑ دے۔ اسکے کاغذوں کو جلا دے اور اس شخص کو آفات ارضی و سماوی میں مبتلا کر دے) ہر گز ہر گز نہ دیکھنا۔ اسمیں میرے خلاف بڑے زہریلے مادے بھرے جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ سب باتیں تم لوگوں ہی کی کتابوں سے لکھی جاتی ہیں مگر وہ صاف ظاہر کرنے کے قابل نہیں تھیں۔ اس موذی دشمن نے اُن باتوں کو کرید کرید کر میری اصلی حالت تم لوگوں کو سمجھا دی

مولوی صاحب۔ قہ۔ قہ۔ قہ۔ قہ۔

حضرت عمر۔ اچھا اس وقت تم دونوں جاؤ۔ آرام کرو۔ پھر دیکھا جائیگا۔

فقط بقلم سید آغا جعفر کھجوی

اخبار غم افسوس گزشتہ ایام میں ہمارے کئی مخلص احباب اور مخصوص اعزہ نے ہم لوگوں کو اپنی مفارقت کے صدمہ میں مبتلا کیا (۱) فاضل کرم و حبیب محترم جناب مولانا سید محمد یوسف صاحب مرحوم زنگی پوری پرنسپل مدرسہ جوادیہ بنارس نے ۳ جمادی الاولیٰ ۵۹ھ کو انتقال کیا مرحوم ممتاز افاضل میں تھے۔ اس مدرسہ کو ترقی دینے میں بڑی محنت کی تھی۔ افسوس ابھی عمر بھی زیادہ نہیں ہوئی تھی کہ اجل کے شکار ہو گئے (۲) ہمارے قریبی ماموں جناب سید خورشید مسلم صاحب پیشکار ہائیکورٹ پٹنہ نے ۶ ربیع الثانی ۵۹ھ کو انتقال کیا۔ مرحوم بڑے خوش صفات اور مرنجاں مرنج اصول کے بزرگ تھے یسادگی۔ تواضع و دیگر اخلاق حسنہ کے مجسمہ تھے۔ خدا آپکے فرزند رشید سید محمد ابراہیم صاحب ایم۔ اے سب ڈپٹی کلکٹر کو صبر عطا کرے (۳) ہمارے ایک اور ماموں جناب سید محمد قاسم صاحب رئیس کھجوا نے بھی ۱۴ شعبان کو انتقال کیا۔ مرحوم بھی بڑی خوبیوں اور پرانی وضع کے بزرگ تھے۔ خدا آپ کے فرزندوں سید زین العابدین صاحب سب انسپکٹر و سید عین الحسن صاحب انجنیر کو صبر عطا کرے (۴) ہمارے ایک اور ماموں جناب خانبہادر ڈاکٹر سید علی حسن صاحب مرحوم ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پٹنہ جنرل ہاسپٹل نے بھی ۸ شعبان کو انتقال کیا۔ مرحوم فن ڈاکٹری میں اکمل افراد سے تھے۔ خدا آپکے فرزند صالح سید احسان اختر صاحب سلمہ کو صبر دے۔ مومنین سورہ فاتحہ و توحید کا ثواب سب کی روحوں کو ایصال کریں۔

hindered her from prostrating herself before herr idol which she used to worship. The form of benediction of blessing which the musalmans always add when they name him is "God glorify the face of him". They say moreover that Mohamed talking of him, said "Ali is for me and I am for him; he stands to me in the same rank as Aaron did to Moses; I am the town in which all knowledge is shut up and he is the gate of it." (Ockley page 330).

6. If Ali be considered with regard to his courage, temper, piety and understanding, he was one of the greatest men that was ever born in that nation. (Ockley Page 335)

7. The birth, the alliance, the character of Ali, which exalted him above the rest of his countrymen, might justify his claim to the vacant throne of Arabia. The son of Abu Talib was in his own right the chief of the family of Hashim, and the hereditary prince or guardian of the city and temple of Mecca. The light of prophecy was extinct but the husband of Fatima might expect the inheritance and blessing of her father. The Arabs had sometimes been patient of a

female reign; and the two grandsons of the Prophet had often been founded in his lap and shown in his pulpit, as the hope of his age and the chief of the youth of Paradise. The first of the true believers might aspire to march before them in this world and the next; and if some were of a graver or more rigid cast, the zeal and virtue of Ali were never outstripped by any recent proselyte. He united the qualifications of a poet, a soldier and a saint: his wisdom still breathes in a collection of moral and religious sayings, and every antagonist, in the combats of the tongue or of the sword, was subdued by his eloquence and valour. From the first hour of his mission to the last rites of his funeral, the apostle was never forsaken by a generous friend, whom he delighted to name his brother, his viceregent, and faithful Aaron of a second Moses.

The Son of Abu Talib was afterwards reproached for neglecting to secure his interest by a solemn declaration

of his right, which would have silenced all competition, and sealed his succession by the decrees of heaven. But the unsuspecting hero confided in himself, and the jealousy of empire and perhaps the fear of opposition, might suspend the resolutions of Mohammad; and the bed of sickness was beseiged by the artful Ayesha; the daughter of Abubakr and the enemy of Ali. (Gibbon Vol. III Page 518)

8. Of all these Ali seems to have had the strongest right; not only was he son-in-law of the Prophet, but it will be remembered that he was the first one to rush to his support when the mission was announced and had at that most critical moment received the title "Kalif" joined with the promise that his commands should be obeyed. (Gilman Page 225)

9. During the year 633 Fatima died, and Ali then joined the other companions of the Prophet in attending upon the Kalif's court setting aside the grievance that he had felt at

being passed over in the election.
He probably found that it was better
policy to fall in with the current,
at least to appearance than to fight
against popular feeling, though he
never forgot that he had been the
only person called kalif by the
Prophet. (Gilman Page 264).

10. The right of succession in order
of consanguinity, lay with Ali and
his virtues and services eminently
entitle him to it.

On the first burst of his
generous zeal when Islamism
was a derided and persecuted faith,
he had been pronounced by Mohomed
his brother, his viceregent; he had
ever since been devoted to him in
word and deed and had honoured
the cause by his magnanimity
as signally as he had vindicated
it by his valour.

(Irvings page 1.)

بیت الاحزان[1]

اگرچہ بعد اثبات اس امر کے کہ جناب سیدہ کے گھر جلانے کو آگ لکڑیاں لے گئے اور حضرت ابوبکر مرتے وقت اس پر افسوس کرتے رہے کہ کاش ہم کشف بیت فاطمہؑ نہ کئے ہوتے ضرورت اس کی نہ تھی کہ بیت الاحزان کا بھی کچھ حال لکھا جائے مگر بغرض تکمیل رسالہ النار الموقدہ کچھ اجمالی تذکرہ اس کا بھی مناسب ہے۔

صاحب تذکرۃ المعصومین نے کتاب بحار الانوار سے نقل کیا ہے[2] (اور دیگر علمائے اہل تشیع نے بھی لکھا ہے) کہ وہ معصومہ دن رات اپنے باپ کے غم میں ڈھاڑیں مار مار کر رویا کرتی تھیں کسی وقت آنسو آنکھوں سے نہ تھمتے تھے۔ اور آواز نالہ و بے قراری کم نہ ہوتی تھی پس اُن معصومہ کی کثرت گریہ وزاری سے تمامی اہل مدینہ تنگ ہوئے اور بزرگان مدینہ جمع ہو کر جناب امیرؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی اے ابوالحسنؑ جناب فاطمہ زہراء اپنے پدر بزرگوار کے غم میں تمام رات اور تمام دن روتی ہیں۔ اور اُن معصومہ کے رونے سے نہ ہمیں راتوں کو نیند آتی ہے اور نہ کوئی دن کو طلب معیشت اور اپنے کاموں میں مشغول ہو سکتا ہے اس لئے ہم عرض کرتے ہیں کہ ہماری جانب سے آپ خدمت جناب سیدہ میں عرض کریں کہ آپ یا شب کو رویا کریں اور دن کو خاموش رہیں یا دن کو رویا کریں اور شب کو آرام فرمائیں۔ حضرتؑ نے جناب فاطمہؑ کو روسائے مدینہ کا پیغام پہنچایا۔ جناب سیدہ نے عرض کیا کہ اے ابوالحسنؑ بہت کم ہے زندگی میری اور رہنا میرا ان لوگوں میں۔ اور بہت قریب ہے رحلت میری ان سب میں سے۔ پس بخدا میں ہرگز رات اور دن گریہ وزاری کو ترک نہ کروں گی۔ یہاں تک کہ ملاقات کروں اپنے پدر عالی مقدار رسول خدا سے۔ جناب امیرؑ نے

---

[1] اس مضمون کو ہمارے رسالے النار الموقدہ کا ضمیمہ سمجھنا چاہئے۔ [2] چونکہ ہم نے اپنے مضمون میں کتابوں کے حوالے ٹھیک ٹھیک دیئے ہیں جن سے ہر شخص بآسانی اپنے وہم و شک کو رفع کر سکتا ہے اس سبب ہم نے (بعض کم علم ناظرین کے خیال سے) تمام عربی یا فارسی عبارتوں کے اردو مطلب پر اکتفا کی ہے اور طول کے اندیشہ سے عربی اور فارسی عبارتوں کو نقل نہیں کیا۔

یہ جواب سن کر فرمایا اے فاطمہؑ اس امر میں تم کو اختیار ہے جو چاہو وہ کرو۔ بعد اس کے حضرتؑ نے قبرستان بقیع میں مدینہ سے علیحدہ ایک حجرہ رونے کے لئے اُس معصومہ کو بنوا دیا کہ نام اُس کا بیت الاحزان[1] ہے۔ پس جناب سیدہ کا معمول تھا کہ جب صبح ہوتی تو حسنین علیہما السلام آگے آگے اور آپ پیچھے روتی ہوئی قبرستان بقیع میں تشریف لیجاتی تھیں۔ اور وہاں جاکر دن بھر مقصل رویا کرتی تھیں۔ پس جبکہ شام ہوتی تھی اُس وقت جناب امیرؑ قبرستان بقیع میں تشریف لیجاتے اور اپنے ساتھ اُس معصومہ کو گھر میں لاتے۔ جب وقت وفات جناب سیدہ کا قریب آیا تو بہت کچھ وصیت کی علی بن ابی طالبؑ کو منجملہ اُن وصیتوں کے یہ تھی کہ اے ابوالحسنؑ تم میرے جنازہ پر نماز پڑھنا اور مجھے شب کو دفن کرنا۔ اور نماز نہ پڑھے مجھ پر وہ امت کہ جنھوں نے عہد شکنی کی خدا و رسول سے امیرالمومنینؑ کے باب میں اور ظلم کیا حق میں میرے اور چھین لی ارث میری اور پارہ کیا میری سند کو جو باب فدک میں میرے باپ نے مجھے لکھ دی تھی۔ اور تکذیب کی گواہوں کی میرے۔ قسم بخدا کہ گواہ میرے حضرت جبرئیلؑ و میکائیلؑ اور جناب امیرالمومنینؑ اور ام ایمن ہیں پس سزاوار نہیں ہے کہ یہ امت نماز پڑھے کیونکہ خدا و رسول ان سے بیزار ہیں۔ اور میں بھی ان سے آزردہ ہوں۔ پس جناب امیرؑ نے مطابق وصیت جناب سیدہ کے عمل فرمایا اور کسی کو اس حال (وفات سیدہ) سے مطلع نہ کیا۔

یہ ہے مختصر کیفیت بیت الاحزان اور وفات جناب سیدہ کی جو کتب شیعہ میں لکھی ہے۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آیا ان روایات کا وجود یا ثبوت کتب اہلسنت میں بھی پایا جاتا ہے یا نہیں۔

صاحب حبیب السیر[2] لکھتے ہیں۔ کتب فریقین میں متعدد الطرق القول سے وارد ہوا ہے کہ جب آیہ کریمہ وآت ذی القربیٰ حقہ[3] نازل ہوئی تو خواجۂ کائنات نے مزرعۂ فدک فاطمہ زہراؑ کو دیدیا۔ اور امیرالمومنین ابوبکر نے اپنے اوائل ایام خلافت میں اُس مزرعہ کو مع تمام متروکات سید کائنات کے داخل بیت المال کرلیا۔ اور پھر جناب فاطمہؑ کو نہ دیا اور جب علی کرم اللہ وجہہ اور فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا

---

[1] بیت بمعنی خانہ۔ احزان جمع حزن بمعنی غم۔ پس بیت الاحزان یا بیت الحزن۔ غمکدہ یا ماتم کدہ ۱۲ منہ

[2] مطبوعہ بمبئی جلد اول جزو سوم صفحہ ۹ یہ کتاب فارسی ہے ہم نے صرف اردو ترجمہ لکھدیا ہے۔

[3] اور دے تو (اے رسول) قرابت دار کو حق اوس کا۔

نے اس قضیہ میں اُن جناب سے گفتگو کی کہا کہ میں نے رسول خدا سے سنا ہے کہ فرمایا نحن معاشر الانبیاء
لا نورث ولا نورث (ہم گروہِ انبیا کا ورثہ نہیں ہوا کرتا نہ ہم کو ورثہ ملتا ہے نہ ہمارا ورثہ کسی کو ملتا ہے)
اور کشف الغمہ میں امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ بعد وفات رسول اللہ صلعم کے امیر المومنین علیؑ نے
سیدۃ النساء سے کہا کہ جاؤ خلیفہ رسول خدا کے پاس اور میراث اپنی طلب کرو۔ اور فاطمہؑ خلیفہ
کے پاس گئیں اور فرمایا میراث میرے باپ کی مجھے دے۔ امیر المومنین ابوبکر نے کہا النبی لا یورث
(یعنی نبی کا ورثہ نہیں ہوا کرتا) جناب فاطمہؑ نے کہا کیا سلیمان نے داؤد کا ورثہ نہیں پایا۔ پس
ابوبکر غضبناک ہوکر بولے کہ نبی کا ورثہ نہیں ہوتا۔ فرمایا جناب فاطمہؑ نے الم یقل زکریا فہب لی
من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب (کیا زکریا نے یہ دعا نہیں مانگی کہ بارالہا عطا کر
تو مجھکو ایک ولی جو وارث ہو میرا اور وارث ہو آل یعقوبؑ کا) فرمایا جناب ابوبکر نے کہ نبی کا ورثہ
نہیں ہوا کرتا۔ پس ارشاد کیا جناب فاطمہؑ نے کہ خدائے تعالیٰ نے نہیں فرمایا یوصیکم اللہ فی
اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین (خدائے تعالیٰ تم کو وصیت کرتا ہے کہ تمھاری اولاد
کے بارہ میں مرد کا حصہ عورت کے حصہ سے دُگنا ہے) پس کہا ابوبکر نے نبی کا ورثہ نہیں ہوتا۔ القصہ
اس قضیہ میں درمیان امیر المومنین علیؑ اور فاطمہؑ اور شیخین رضی اللہ عنہم کے جیسا کہ بعض کتب مطولہ
میں مذکور ہے بہت کچھ گفت و شنید واقع ہوئی۔ مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فدک اہلبیتؑ
کو واپس نہیں دیا۔ اور نیز متروکات سیدۂ کائنات سے کچھ بھی بتولِ عذراؑ کو نہ دیا۔ اور یہ بات جمہور
کے نزدیک عجیب غریب وقایع و امور سے ہے۔ ارباب اخبار بیان کرتے ہیں کہ جناب فاطمہ علیہا السلام
حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصیبت میں گرفتار ہوئیں تو صبح سے شام اور شام
سے صبح تک اس قدر گریہ وزاری اور نالہ و بے قراری کرتی تھیں کہ اہل مدینہ ان کی گریہ سے تنگ
آ گئے اور عرض کی کہ اے دختر پیغمبر خدا اگر آپ دن کو روتی ہیں تو رات کو چپ ہو بیٹھیے کہ ہمیں بھی
آسائش حاصل ہو۔ پس جناب سیدہؑ راتوں کو مقابر شہدا میں جا کر رویا کرتی تھیں۔۔۔۔ کسی نے
فاطمہؑ کو مرتے دم تک ہنستے نہ دیکھا۔۔ اور روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ جنازہ جناب سیدہؑ پر
بقول مرتضیٰ علیؑ نے اور بروایتی عباس نے نماز پڑھی اور دوسرے دن شیخین اور تمام اصحاب
جناب سید البشر کے امیر المومنین حیدر پر عتاب کرنے لگے کہ ہم کو خبر کیوں نہ کی کہ ہم بھی فاطمہؑ کے
جنازہ پر نماز پڑھنے کا شرف حاصل کرتے۔ شاہ ولایت پناہ نے فرمایا کہ میں نے سیدہؑ کی وصیت

کے سبب سے ایسا کیا۔" حبیب السیر[1] جلد اول جزو سوم ص۵۵ اور روضۃ الصفا مطبوعہ نولکشور
جلد دوم ص۱۶۱ میں تھا۔ معارج النبوۃ مطبوعہ نول کشور رکن چہارم ص۲۲۸ میں لکھا ہے کہ۔
"حضرت رسالت پناہ نے فدک کی طرف امیر المومنین علیؑ کو بھیجا اور صلح جناب امیرؑ کے ہاتھوں
واقع ہوئی۔ اس طرح کہ جناب امیرؑ ان کی جانوں کا قصد نہ کریں اور (علاقہ فدک) خاص رسول
اللہ صلعم کی ملکیت رہیں۔ پس جبرئیل نازل ہوئے اور کہا کہ حقتعالیٰ فرماتا ہے کہ حق خویشوں
کا دیدے۔ آنحضرتؐ نے دریافت کیا کہ وہ خویش کون ہیں اور اُن کا حق کیا ہے۔ جبرئیلؑ نے کہا
کہ فاطمہؑ ہے جوائط فدک اُس کو دیدے اور جو کچھ فدک میں خدا اور رسول کا حصہ ہے وہ بھی
اُسی کو دیدے اور پیغمبرؐ نے فاطمہؑ کو بلایا اور اُن کو ایک سند لکھ دی اور وہی سند تھی کہ
رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد فاطمہؑ نے ابوبکر کے سامنے پیش کی تھی اور کہا تھا کہ یہ
نوشتہ رسولؐ کا میرے اور حسنؑ حسینؑ کے واسطے لکھا ہے۔"

سیرۃ الحلبیہ[2] جلد سوم ص۳۶۱ اور صواعق محرقہ[3] ص۲۲ کے بموجب فاطمہؑ نے فدک کا دعوی کیا اور فرمایا کہ
رسول اللہ صلعم نے فدک مجھ کو ہبہ کیا ہے۔ ابوبکر نے گواہ مانگا۔ علیؑ۔ ام ایمن۔ حسنؑ حسینؑ اور ام کلثوم
پیش کیے گئے۔ ان کی شہادت کو وجوہ اعتراض قائم کرکے نامنظور کیا گیا اور سیدہؑ کا دعوی
خارج کر دیا گیا۔ ذرا آگے چل کر یہی صاحب سیرۃ الحلبیہ لکھتے ہیں "ابن جوزی نے لکھا ہے
کہ حضرت ابوبکر نے فدک جناب فاطمہؑ کے لئے واگذاشت کرکے کاغذ لکھدیا تھا کہ عمر
ابوبکر کے پاس آ پہنچے انھوں نے کہا کہ یہ کیا ہے۔ کہا کہ نوشتہ ہے کہ فاطمہؑ کو اُن کے باپ
کی میراث کے بارہ میں لکھدیا ہے۔ کہا کہ پھر مسلمانوں کو کیا کھلاؤ گے۔ اور عرب سے تم کو لڑائی
درپیش ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔ پس عمر نے وہ نوشتہ لیکر چاک کر ڈالا۔" معجم البلدان[4] جلد ششم

۱؎ حبیب السیر اور روضۃ الصفا اور معارج النبوۃ جو اہل تسنن کی معتبر اور معتمد تاریخ و سیر کی کتابوں میں سے ہیں۔ فارسی زبان میں ہیں۔ ۱۲ ۲؎ علی ابن برہان الدین شافعی (المتوفی سنہ ۱۰۴۴ھ) کی مستند اور معتبر تالیف عربی زبان میں تین ضخیم جلدوں میں مصر کے مطبع ازہریہ میں چھپی ہے اس کا دوسرا نام انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون ہے
۳؎ ابن حجر مکی کی مشہور و معتبر کتاب عربی زبان میں مطبوعہ مصر مطبع میمنیہ ۱۲۔ ۴؎ یاقوت حموی (المتوفی سنہ ۶۲۶ھ)
کی مشہور تصنیف عربی زبان میں مع تکملہ دس مجلدوں میں مطبع سعادت مصر میں چھپی ہے۔ ۱۲

صفحہ۳۵ اور فتوح البلدان بلاذری صفحہ میں لکھا ہے کہ سنہ ۲۱۰ھ میں مامون نے حکم دیا کہ فدک بنی فاطمہؑ کو دے دیا جائے اور اپنے مدینہ کے عامل قثم بن جعفر کو لکھا کہ رسول اللہ صلعم نے فدک اپنی بیٹی جناب فاطمہؑ کو عطا کر دیا تھا اور یہ امر ظاہر اور مشہور تھا آنحضرت صلعم کی آل میں سے کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ فاطمہؑ اس پر ہمیشہ دعوے کرتی رہیں۔ میری رائے میں فدک فاطمہؑ کے وارثوں کو واپس اور حوالہ کر دینا چاہیے۔ چنانچہ بنی فاطمہؑ کو دیدیا گیا۔

فدک سے متعلق ان تمام روایات کا خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ (۱) فدک خدا کے حکم سے جناب رسالت مآب صلعم نے جناب فاطمہؑ کے نام لکھدیا تھا (۲) خلیفہ اول نے ضبط کر لیا (۳) جناب سیدہ نے دعوے کیا (۴) خلیفہ نے (اپنی مصنوعی مخالف قرآن) حدیث نحن معاشر الانبیاء الخ پیش کر کے اور سیدہؑ کے پیش کردہ گواہوں۔ علیؑ۔ ام ایمن حسنؑ حسینؑ اور ام کلثومؑ کی شہادت کو غیر معتبر اور ناکافی کہکر دعوے خارج کر دیا (۵) بعد میں سیدہ کے جج و براہین قاطعہ سے جو انھوں نے کلام اللہ سے پیش کیں معقول ہو کر واگذاشت فدک کی سند لکھدی۔ اوسی وقت عمر آپہونچے اور انتظام سلطنت کے واسطے روپیہ کی ضرورت ظاہر کر کے وہ سند چھین کر چاک کر ڈالی۔ اور فاطمہؑ فدک سے محروم کر دی گئیں (۶) جناب فاطمہؑ تادم وفات اپنے فدک کے دعوے پر قائم رہیں مگر اون کو نہ دیا گیا (۷) جناب فاطمہؑ کو اپنے باپ کی امت سے ایسے صدمات اور ایسی تکلیفیں پہنچی تھیں کہ وہ اُن سے ایسی ناراضی اور غضبناکی کی حالت میں رحلت کر گئیں کہ اپنے جنازہ تک پر حاضر ہونے کی ممانعت کر گئیں۔

فدک کی بحث ہمارے نفس مضمون سے بہت کم تعلق رکھتی ہے۔ مگر چونکہ جناب سیدہ کی آخری وصیت میں اس کا ذکر آگیا ہے۔ اس سبب سے ہم نے ضمناً سرسری طور سے اس پر بھی نظر ڈال دی ہے۔ ورنہ علمائے اعلام کی اس مادہ میں بڑی بڑی تصنیفات موجود ہیں اور اب بھی بیچارے اٹاوے کے کاریگر کے بے ہنگم ٹانکے جو اُس نے دہلی کے معمر بساطی کے پیچے

سلہ یہ کتاب احمد بن یحییٰ بلاذری (المتوفی ۲۷۹ھ) کی تصنیف عربی زبان میں مصر کے مطبع موضوعات میں چھپی ہے ۱۲ منہ

سوت کو بڑی محنت سے بٹکر اپنی آیات بینات کے جوڑ میں لگائے تھے کشف الظلمات کے تیز اوزار سے بڑی سہولت سے کاٹے اور اُدھیڑے جا رہے ہیں۔

پس ہم اپنے اصل مضمون بیت الاحزان کی طرف رجوع کرتے ہیں:-

مولوی شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی مدینہ کی تاریخ جذب القلوب میں لکھتے ہیں "قبہ عباس سے قبلہ کی طرف مائل بشرق ایک مسجد جناب سیدہ کی طرف منسوب ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ وہ بیت الحزن کرکے مشہور ہے۔ اس واسطے کہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غم میں آدمیوں میں رہنے سے متنفر ہوکر وہیں اقامت فرمائی تھی۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ جگہ وہ گھر ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بقیع میں لیا تھا۔ محدث مذکور نے اسی روایت کو اسی طرح اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں درج کیا ہے (دیکھو ترجمہ جذب القلوب مطبوعہ نول کشور ص۱۶۷ اور منہاج النبوۃ اردو ترجمہ مدارج النبوۃ جلد دوم ص۴۴۲)

سوانح عمری رسول کریم صلعم مطبوعہ لاہور ص۱۰۱ میں لکھا ہے کہ مدینہ کے باب البقیع سے قریب ہی حضرت عباسؓ اور حضرت امام حسنؓ کا مقبرہ ہے۔ اس قبہ کے برابر حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا کا بیت الحزن ہے حضرت رسول کریم کی وفات کے بعد آپ اسی مکان میں رہا کرتی تھیں۔ تاریخ آل امجاد[۱] ص۱۰۱ میں مولف نے گورستان بقیع کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد ہمسایہ شدت گریہ فاطمہ زہرا سے رات کو سو نہیں سکتے تھے۔ اس سبب سے جناب سیدہ دن بھر ایک درخت کے نیچے بیٹھکر رویا کرتی تھیں اُس (جگہ) کا نام بیت الحزن ہوگیا۔ مگر اکسیر التواریخ (جلد دوم ص۲۷) میں لکھا ہے "پس جناب فاطمہؓ کے واسطے ایک گھر بقیع میں بنایا گیا اور اس کا نام بیت الاحزان رکھا گیا"۔

اب ہم اپنے تمام مضمون کا خلاصہ ایک لائق سنی مصنف کی لفظوں میں لکھتے ہیں۔ مصنف مذکور مولوی صدرالدین احمد صاحب اپنی کتاب رواتح المصطفےٰ صلعم میں جناب فاطمہؓ کا حال

---

[۱] مولوی حافظ حکیم ظہیر احمد صاحب کی اردو تصنیف مطبع خادم التعلیم لاہور میں چھپی ہے ۱۲۹۲ھ یہ کتاب مولوی عبدالمجید صاحب مرحوم نے اپنے مطبع انصاری دہلی میں چھپوائی تھی ۱۲۸۳ھ مصنفہ مولوی صدر الدین احمد

لکھتے ہوئے ص۲۶۶ و ۳۷ میں تحریر کرتے ہیں کہ بعد از وفات پیغمبر واقعات بسیار گذشتہ مثل معاملہ فدک وسقط شدن حمل او و تہدید نمودن عمر خطاب بنی ہاشم را کہ در خانہ زہرا اجتماع نمودہ بودند و نالہ و شیون نمودن حضرت زہرا پیش انصار طولی وارد و ذکرش ناکردن اولے ترست۔ وصیت نمودن حضرت زہرا کہ ہیچکس بر جنازہ او حاضر نشود دلیل صریح است برآنکہ حضرت زہرا آزردہ و ملول از دنیا رفت اکنون تاویل ہر چہ خواہند بکنند۔ الغرض، ما از مشاجرات صحابہ عنان قلم منصرف نمودیم زہرا بعد از وفات پدر بزرگوار از خود خانۂ در جنت البقیع گرفتہ آنرا بیت الحزن مقرر نمودہ اکثر ایام در آنجا بسر می برد۔ و مرثیہ براے پیغمبر انشاء نمودہ یک بیت از اول آں قصیدہ اینست ؎

صبت علیّ مصائب لو انھا ؞ صبت علی الایام صرن لیالیا

(ترجمہ) پیغمبر خدا کی وفات کے بعد بہت سے واقعات گزرے مثل معاملہ فدک اور اسقاط حمل جناب سیدہ اور عمر خطاب کا بنی ہاشم کو دھمکانا جو خانۂ جناب زہرا میں جمع ہوئے تھے اور نالہ و شیون کرنا حضرت زہرا کا انصار کے سامنے طول طویل معاملے ہیں۔ اُن کا نہ ذکر کرنا بہتر ہے۔ وصیت کرنی جناب سیدہ کی کہ کوئی اون کے جنازہ پر حاضر نہ ہو صریح دلیل ہے اس بات پر کہ حضرت زہراؑ آزردہ اور ملول دنیا سے گئیں۔ اب بیٹھے ہوئے جو چاہو تاویل کیا کرو۔ الغرض ہم صحابہ کے مشاجرات سے قلم کو روکتے ہیں۔ جناب زہراؑ نے اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد ایک مکان جنت البقیع میں اختیار کر لیا تھا اور اُس کو بیت الحزن (ماتم کدہ) بنا کر اکثر ایام وہیں بسر کرتی تھیں۔ ایک مرثیہ جناب پیغمبرؐ کے واسطے کہا تھا کہ اُس قصیدہ کی اول میں ایک بیت یہ ہے۔" اے پدر بزرگوار آپکی وفات کے بعد مجھپر وہ مصیبتیں گزریں کہ اگر وہ مصیبتیں دنوں پر پڑتیں تو وہ دن راتیں ہو جاتے"

(بقیہ حاشیہ ص۲۴۲)

لوہاری بزبان فارسی مطبع احمدی کانپور میں چھپی ہے۔ مصنف مذکور نے اپنی کتاب کے ص۲۶۱ میں حضرت صاحب الامرؑ کے وفات پاجانے کا اعتقاد ظاہر کیا ہے۔ اور اُن حضرتؑ کے معجزات جو شواہد میں نقل ہیں اُن کو غیر معتمد کہکر انکار کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کیسے شدید اہل تسنن تھے کہ مولوی جامی سے بھی بڑھکر ہوئے ہیں ۱۲ منہ

مصنف علام نے ان چند سطروں میں غور کرنے کے واسطے بہت کچھ لکھ دیا ہے۔ والعاقل تکفیہ الاشارۃ۔

ہم نے یہاں صرف واقعات کو لکھا ہے اور ہر امر کا تاریخی ثبوت دیا ہے جسکی غرض صرف اسقدر ہے کہ جو حضرات واقعات سے انکار کرتے ہیں وہ سمجھیں کہ شیعوں کا دعوے کس قدر مدلل ہوتا ہے کہ ہر دعوے ایک نہیں صدہا کتب اہل سنت سے ثابت ہے۔

رہا نتیجہ وہ سمجھ بوجھ سے متعلق ہے۔ ممکن ہے کوئی یہ سمجھے کہ جو سلوک جناب سیدہ کے ساتھ بوجہ مطالبہ فدک کیا گیا وہی حق تھا جیسا کہ مولوی عبد العلی صاحب نے مسلم الثبوت میں لکھا ہے اور ممکن ہے کہ کوئی انسانی ہمدردی دل رکھنے والا اسکے برعکس نتیجہ نکالے کہ یہ وہ ظلم ہے جو نہ ابتداے آفرینش سے آج تک ہوا اور نہ ہوگا جس سے وہ بتعمیل حکم خدا ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعدلھم عذاباً مھینا والذین یوذون المومنین والمومنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتاناً واثماً مبینا (سورۂ احزاب)

لعنت کرتے ہیں۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے جو لوگ خدا ورسولؐ کو ایذا دیتے ہیں ان پر خدا کی لعنت ہے۔ اور جو لوگ مومنین و مومنات کو ایذا دیتے ہیں تو انھوں نے بہتان اور گناہ عظیم کا بوجھ اپنے سر پر رکھا۔ فقط

ایس ذاکر حسین جعفر

ضروری سوال اب یہ نہایت اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے جناب سیدہ کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا۔ اس میں موصوف نے احکام خدا کی پابندی یا حضرت رسول خدا صلعم کے قول و فعل کی پیروی۔ یا کفار مکہ و مدینہ کی اقتدا کی یا اپنے ذاتی اجتہاد سے کام لیا۔ بس یہی چار صورتیں ہو سکتی ہیں۔ احکام خدا کی پابندی تو ہو نہیں سکتی اس لئے کہ اُس نے کہیں یہ حکم نہیں دیا ہے کہ جو شخص کسی کی بیعت نہیں کرے اس کے بازو پر کوڑے مارو۔ اس کے پہلو پر دروازہ گرا دو۔ اس کے گلے میں رسی باندھ کر کشاں کشاں لاؤ۔ اور اس کے گھر کو جلا کر پھوک دو۔ جب اپنے کو معبود منوانے۔ اپنی وحدانیت کا اقرار کرانے اور اپنی بندگی کرانے کے لئے اس نے ان باتوں کو پسند نہیں کیا تو اپنے کسی بندے کی بیعت کی غرض سے کیونکر ان سختیوں کو گوارا کر سکتا ہے۔ اسی طرح کسی نبی کو پیشوا اور ہادی ماننے کے لئے بھی خدا نے ان صورتوں کی اجازت نہیں دی۔ خود حضرت سید الانبیاء والمرسلین کا کلمہ پڑھنے اور دین اسلام قبول کرنے کے لئے بھی اس نے ان امور کو منظور نہیں کیا بلکہ صاف صاف فرما دیا لا اکراہ فی الدین قد تبیّن الرّشد من الغی۔ مذہب کے متعلق کوئی زبردستی نہیں ہے۔ حق کا راستہ گمراہی سے واضح ہو چکا ہے جو چاہے اس کو اختیار کرنے اور جو چاہے گمراہ رہے (پ ۳۔ رکوع ۲) فان اسلموا فقد اھتدوا وان تولوا فانما علیک البلاغ۔ اگر یہ لوگ اسلام قبول کریں گے تو بے کھٹکے راہ راست پر آجائیں گے اور اگر منہ پھیر لیں گے تو اے رسولؐ تم پر صرف اسلام کا پہونچا دینا فرض ہے (پ ۳۔ ع ۱۰) من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ومن تولے فما ارسلناک علیھم حفیظا۔ جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اُس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے روگردانی کی تو تم کچھ خیال نہ کرو کیونکہ ہم نے تم کو ان لوگوں کا پاسبان مقرر کر کے تو بھیجا نہیں ہے (پ ۵۔ ع ۸) تم ان لوگوں پر کسی قسم کا جبر دینے کے لئے نہیں مقرر کئے گئے ہو۔ جو ہمارے عذاب کے وعدے سے ڈرے بس اس کو تم صرف قرآن کے ذریعہ نصیحت کرتے رہو (پ ۲۶۔ رکوع ۱۷) فذکر انما انت مذکر لست علیھم بمصیطر الا من تولے وکفر فیعذبہ اللہ العذاب الاکبر۔ ان الینا ایابھم ثم ان علینا حسابھم۔ اے رسولؐ تم ان لوگوں کی نصیحت کئے جاؤ۔ تمہارا کام تو بس نصیحت ہی

عمر وما انت علیھم بجبار فذکر بالقرآن من یخاف وعید۔ اسے رسولؐ

کرتے رہنا ہے۔ تم کچھ ان پر داروغہ تو ہو نہیں۔ بس جس نے منہ پھیر لیا اور تمہاری باتیں نہ مانیں اس کی سزا خدا کے ذمہ ہے کہ وہی اس پر بڑا عذاب کرے گا۔ بیشک ان سب کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے۔ پھر ان کا حساب بھی ہمارے ہی ذمہ ہے (پ۳۰ ع ۱۳)۔ واطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واحذروا فان تولیتم فاعلموا انما علیٰ رسولنا البلاغ المبین۔ اور خدا کا حکم مانو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور نافرمانی سے بچے رہو۔ اس پر بھی اگر تم نے (حکم خدا سے) منہ پھیرا تو سمجھ رکھو کہ ہمارے رسولؐ پر بس صاف صاف پیغام پہونچا دینا فرض ہے۔ پھر کرو چاہے نہ کرو تم کو اختیار ہے (پ ۷ ع ۲)۔ ما علی الرسول الا البلاغ ہمارے رسولؐ پر پیغام پہونچا دینے کے سوا کچھ فرض نہیں ہے (پ ۷ ع ۳)۔ فان تولوا فانما علیک البلاغ المبین اگر یہ لوگ ایمان سے منہ پھیریں تو اے رسولؐ تمہارا فرض صرف احکام کا صاف صاف پہونچا دینا ہے بس (پ ۱۴ ع ۱۷)۔ غرض اس مضمون کی آیتیں قرآن مجید میں بھری ہوئی ہیں کہ اگر کوئی شخص رسولؐ کو نہ مانے تو رسولؐ بس اس کو سمجھا دیں اور احکام خدا پہونچاتے رہیں۔ اس سے زیادہ کسی کارروائی کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر یا حضرت عمر حضرت رسولؐ کی خلافت یا نیابۃً ہی کے لئے یہ سب کارروائیاں کرتے رہے۔ پھر جن باتوں کا حکم خدا نے حضرت رسول خدا صلعم کو بھی نہیں دیا وہ باتیں ان لوگوں نے کیوں ایجاد کیں؟ ان صاحبوں کی ان باتوں سے کس قدر عقل کو حیرت ہوتی ہے کہ جن چیزوں کو خدا اور رسولؐ نے کفار و منافقین تک کے لئے جائز نہیں سمجھا ان کو انھوں نے حضرت علیؑ اور رسول زادی کے لئے نہ صرف جائز سمجھا بلکہ کر ڈالا۔ کفار تک سے مناسب برتاؤ کی تعلیم قرآن مجید نے دے دی ہے مگر ان حضرات نے اس کو بھی پس پشت ڈال دیا۔ اور جو ان کے دل میں آیا اس پر کاربند ہو گئے۔ حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ خدا کے پیغمبر تھے اور فرعون کافر ہی نہیں تھا بلکہ اس سے بھی بڑھا ہوا کہ خدائی کا دعویدار اور اللہ کا مقابل بنتا تھا۔ اب دیکھو خدا ایسے سرکش سے کس برتاؤ کی تعلیم دیتا ہے۔ جناب موسیٰؑ سے فرماتا ہے اذھب انت واخوک بایاتی ولا تنیا فی ذکری۔ اذھبا الی فرعون انہ طغی فقولا لہ قولا لینا لعلہ یتذکر او یخشی۔ قالا ربنا اننا نخاف

ان یفرط علینا او ان یطغیٰ ۔ قال لا تخافا اننی معکما اسمع واریٰ ۔ فاتیاہ فقولا انا رسولا ربک فارسل معنا بنی اسرائیل ولا تعذبھم قد جئناک بآیۃ من ربک والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ ۔ اے موسیٰ تم اپنے بھائی (ہارون) سمیت ہمارے معجزے لیکر جاؤ اور دیکھو ہماری یاد میں سستی نہ کرنا ۔ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ ۔ بے شک وہ بہت سرکش ہوگیا ہے ۔ پھر اس کے پاس پہونچکر نرمی سے باتیں کرو کہ اس کا دل نصیحت ماننے پر آمادہ ہوسکے یا خدا سے ڈرے ۔ دونوں نے عرض کی اے ہمارے پروردگار ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے ۔ یا اور زیادہ سرکشی نہ کرنے لگے خدا نے فرمایا تم دونوں ڈرو نہیں ۔ میں تمہارے ساتھ ہوں اور سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہوں ۔ غرض تم دونوں اسکے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم آپ کے پاس آپ کے پروردگار کے رسول ہیں ۔ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے اور انہیں ستائیے نہیں ۔ ہم آپ کے پاس آپ کے پروردگار کا معجزہ لیکر آئے ہیں اور جو شخص راہ راست کی پیروی کرے اُسی کے لئے سلامتی ہے (پ ۱۶ ع ۱۱) ۔ ان آیات کے ایک ایک لفظ پر غور کرو اور حضرت عمر کی کارروائیوں سے ملاؤ ۔ فرعون خدا کا منکر ۔ خود ہی خدائی کا مدعی ہے ۔ اور جو چاہتا ہے اسی دعوے کے مطابق خدا کے مقابلہ میں کرتا رہتا ہے ۔ اس پر خدا کا غضب کس درجہ ہونا چاہیئے ۔ اور اس کو خدا کن کن سختیوں کا مستحق سمجھتا ہوگا ۔ ایسے شخص کے ساتھ سخت سے سخت تر برتاؤ کا حکم دیتا جب بھی قابل اعتراض نہیں ہوتا لیکن وہ کسی زیادتی کی اجازت نہیں دیتا بلکہ حضرت موسیٰ و ہارون کو سخت باتیں کرنے سے بھی منع کرکے فرماتا ہے قولا لہ قولا لینا اس سے باتیں تک نرمی سے کرنا ۔ خدا تو اپنے مخالف کے لئے یہ فرمائے ۔ اور حضرت عمر اپنے مخالف نہیں بلکہ صرف غیر مطیع کے لئے آگ لکڑی لے جائیں ۔ اس پر اس کے مکان کا دروازہ گرادیں ۔ اس پر خاردار کوڑہ ماریں ۔ اور ان سب کے قتل پر آمادہ ہوجائیں !!!

اس پر صاحبان عقل گھبرا کر پوچھ سکتے ہیں کہ کیا حضرت عمر نے اپنا درجہ خدا سے زیادہ سمجھا یا اپنے اختیارات کو خدا کے اختیارات سے زیادہ قرار دیا ۔ یا حضرت سیدہ کے بیعۃ نہ کرنے کو فرعون کی فرعونیت سے زیادہ قرار دیا ۔ یہاں ذرہ نمرود کے متعلق بھی خدا کا برتاؤ دیکھ لو ۔ خدا فرماتا ہے الم تر الی الذی حاج ابراھیم فی ربہ ان اتاہ اللہ الملک

اذ قال ابراھیم ربی الذی یحیی و یمیت - قال انا احی و امیت قال ابراھیم فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب فبھت الذی کفر - اے رسول کیا تم نے اس شخص (نمرود کے حال) پر نظر نہیں کی جو صرف اس برتے پر کہ خدا نے اُسے سلطنت دے رکھی تھی ابراہیم سے ان کے پروردگار کے بارے میں الجھ پڑا کہ جب ابراہیم نے اس سے کہا میرا پروردگار تو وہ ہے جو لوگوں کو جلاتا اور مارتا ہے تو وہ بھی شیخی میں آکر کہنے لگا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں - ابراہیم نے کہا اچھا خدا تو آفتاب کو پورب سے نکالتا ہے بھلا تم اس کو پچھم سے تو نکال کر دکھا دو - اس پر وہ کافر مبہوت ہو کر رہ گیا (پ ۳ ع ۳) بس صرف عقلی مباحثہ تک یہ مقابلہ رہا - نہ کوئی زیادتی کی گئی - نہ کوئی سختی روا رکھی گئی - اور نہ کوئی زور آزمائی کی گئی -

دوسری صورت یہ ہے کہ شاید حضرت عمر نے ان سختیوں میں حضرت رسول خدا صلعم کے احکام و اعمال کی پیروی کی ہو - مگر افسوس ایسا بھی نہیں ہے - اول تو آنحضرتؐ کا کوئی قول و فعل قرآن مجید کے خلاف ہوتا ہی نہیں تھا - دوسرے یہ کہ حضرتؐ کی پوری زندگی کو مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک پڑھ جاؤ کہیں بھی تم کو حضرتؐ کا یہ برتاؤ کسی شخص کے ساتھ بھی نہیں ملے گا جو حضرت عمر نے جناب سیدہ اور حضرت علیؑ کے ساتھ کیا - اگر کہا جائے کہ مکہ معظمہ میں حضرتؐ خود ہی بے بس تھے - کفار کی سختیوں کا جواب کیونکر دیتے - تو کہا جائیگا کہ مدینہ میں تشریف لانے کے بعد تو حضرتؐ کی قوت و شوکت بہت بڑھ گئی تھی اور کفار و منافقین کا مقابلہ برابر ہوتا ہی رہتا تھا - پھر کیا آنحضرت صلعم نے بھی اپنے کسی نہ ماننے والے کے بازوؤں پر کوڑے بازی کی؟ کسی کے خود ہی قتل کا ارادہ کیا؟ کسی کے گھر پر آگ لکڑی منگائی یا بھیجی تاکہ اس کے رہنے والوں کو اس میں جلا دیں؟ کسی کو گرفتار کر کے زبردستی اپنے دربار میں بلایا؟ حضرت رسولِ خدا صلعم نے اپنے مخالفوں کے ساتھ ایسا کوئی برتاؤ بھی کیا ہو تو کوئی شخص بیان کرے - حضرتؐ کا جو سلوک اپنے مخالفین کے ساتھ ہوتا تھا اس کو بھی دیکھ لو تاکہ تم کو موازنہ کرنے کا موقع ملے کہ رسول نے کیا کیا اور حضرت عمر نے حضرتؐ کی خلافت کی شان کس طرح دکھائی - شمس العلما مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "ارباب سیر نے تصریح کی ہے اور تمام واقعات شاہد ہیں کہ آنحضرتؐ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا - صحیحین میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے کبھی کسی سے اپنے

ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا۔ بجز اس صورت کے کہ اس نے احکام الہی کی تفضیح کی ہو جنگ
احد کی شکست سے زیادہ رؤسار طائف کے تحقیر آمیز برتاؤ کی یاد خاطر اقدس پر گراں تھی۔
تاہم دس برس کے بعد غزوۂ طائف میں جب وہ ایک طرف منجنیق سے مسلمانوں پر پتھر برسا
رہے تھے تو دوسری طرف ایک سراپائے حلم وعفو انسان (خود آنحضرت صلعم) یہ دعا مانگ
رہا تھا کہ خدایا اُنھیں سمجھ عطا کر اور اُن کو آستانۂ اسلام پر جھکا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ۹ھ
میں جب اُن کے وفد نے مدینہ کا رخ کیا تو آپ نے صحن مسجد میں ان کو مہمان اتارا اور عزت
وحرمت کے ساتھ ان سے پیش آئے۔ قریش نے آپ کو گالیاں دیں، مارنے کی دھمکی
دی، راستوں میں کانٹے بچھائے، جسم اطہر پر نجاستیں ڈالیں۔ گلے میں پھندا ڈالکر
کھینچا۔ آپکی شان میں گستاخیاں کیں۔ نعوذ باللہ کبھی جادوگر کبھی پاگل کبھی شاعر کہا لیکن
آپ نے کبھی ان کی باتوں پر برہمی ظاہر نہیں فرمائی۔ غریب سے غریب آدمی بھی جب کسی مجمع
میں جھٹلایا جاتا ہے تو وہ غصہ سے کانپ اٹھتا ہے۔ ایک صاحب جنہوں نے آنحضرت صلعم
کو ذی المجاز کے بازار میں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے دیکھا تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ
حضور فرما رہے تھے "لوگو لا الہ الا اللہ کہو تو نجات پاؤ گے"۔ پیچھے پیچھے ابو جہل تھا وہ آپ
پر خاک اُڑا اُڑا کر کہہ رہا تھا "لوگو! اس شخص کی باتیں تم کو اپنے مذہب سے برگشتہ
نہ کر دیں۔ یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے دیوتاؤں لات وعزیٰ کو چھوڑ دو"۔ راوی کہتا
ہے کہ آپ اس حالت میں اس کی طرف مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے (مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۶۳)
سب سے بڑھکر طیش اور غضب کا موقع افک کا واقعہ تھا جب کہ منافقین نے حضرت عائشہ
صدیقہ کو نعوذ باللہ تہمت لگائی تھی۔ حضرت عائشہ آپ کی محبوب ترین ازواج اور حضرت
ابو بکر جیسے یار غار اور افضل الصحابہ کی صاحب زادی تھیں، شہر منافقوں سے بھرا
پڑا تھا، جنہوں نے دم بھر میں اس خبر کو اس طرح پھیلا دیا کہ سارا مدینہ گونج اُٹھا
دشمنوں کی شماتت، ناموس کی بدنامی، محبوب کی تفضیح یہ باتیں انسانی صبر وتحمل کے پیمانہ
میں نہیں سما سکتیں۔ تاہم رحمت عالم نے ان سب باتوں کے ساتھ کیا کیا؟ تہمت کا تمام
تر بانی رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی تھا اور آپ کو اس کا بخوبی علم تھا بایں ہمہ آپ نے
صرف اس قدر کیا کہ مجمع عام میں منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا مسلمانو! جو شخص میرے ناموس کے

متعلق مجھ کو ستاتا ہے اُس سے میری داد کون لے سکتا ہے؟ حضرت سعد بن معاذ غصہ سے بے تاب ہو گئے اور اُٹھکر کہا میں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ آپ نام بتائیں تو اس کا سر اُڑا دوں۔ سعد بن عبادہ نے جو عبداللہ بن ابی کے حلیف تھے مخالفت کی اور اس پر دونوں طرف کے حمایتی کھڑے ہو گئے قریب تھا کہ تلواریں کھنچ جائیں آپ نے دونوں کو ٹھنڈا کیا... قریش نعوذ باللہ آنحضرتؐ کو گالیاں دیتے تھے۔ بُرا بھلا کہتے تھے۔ ضد سے آپ کو محمدؐ (تعریف کیا گیا) نہیں کہتے تھے بلکہ مذمم (مذمت کیا گیا) کہتے تھے لیکن آپ اس کے جواب میں اپنے دشمنوں کو خطاب کر کے صرف اسی قدر فرمایا کرتے کہ تمہیں تعجب نہیں آتا کہ اللہ تعالےٰ قریش کی گالیوں کو مجھ سے کیونکر پھیرتا ہے، وہ مذمم کو گالیاں دیتے اور مذمم پر لعنت بھیجتے ہیں اور میں محمدؐ ہوں۔ دشمنوں سے **عفو و درگزر اور حسن سلوک** انسان کے ذخیرۂ اخلاق میں سب سے زیادہ کمیاب اور نادر الوجود چیز دشمنوں پر ترحم اور اُن سے عفو و درگزر ہے لیکن حامل وحی و نبوت کی ذات اقدس میں یہ جنس فراواں تھی۔ دشمن سے انتقام لینا انسان کا قانونی فرض ہے۔ لیکن اخلاق کے دائرہ شریعت میں آکر یہ فرضیت بدل کر کروہ تحریمی بن جاتی ہے۔ تمام روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ آپ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ دشمنوں سے انتقام کا سب سے بڑا موقع فتح حرم کا دن تھا جب کہ وہ کینہ خواہ سامنے آئے جو آنحضرت صلعم کے خون کے پیاسے تھے اور جن کے دست ستم سے آپ نے طرح طرح کی اذیتیں اٹھائی تھیں لیکن اُن سب کو یہ کہکر چھوڑ دیا کہ لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم طلقاء۔ تم پر کوئی ملامت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

وحشی جو اسلام کے قوت بازو اور آنحضرتؐ کے عزیز ترین چچا حضرت حمزہ کا قاتل تھا مکہ میں رہتا تھا۔ جب مکہ میں اسلام کی قوت نے ظہور کیا وہ بھاگ کر طائف آیا۔ طائف نے بھی آخر سر اطاعت خم کیا اور وحشی کے لئے یہ بھی مامن نہ رہا لیکن اُس نے سنا کہ آنحضرت صلعم سفراء سے کبھی سختی کے ساتھ پیش نہیں آتے۔ ناچار خود رحمت عالم کے دامن میں پناہ لی اور اسلام قبول کیا۔ آنحضرت صلعم نے صرف اس قدر فرمایا کہ تیر

سامنے نہ آیا کرنا کہ تم کو دیکھ کر مجھے چچا کی یاد آتی ہے۔
ہندہ ابوسفیان کی بیوی جس نے حضرت حمزہ کا سینہ چاک کیا اور دل و جگر کے ٹکڑے کئے فتح مکہ کے دن نقاب پوش آئی کہ آنحضرت صلعم پہچان نہ سکیں اور بیخبری میں بیعت اسلام کرکے سند امان حاصل کرلے۔ پھر اس موقع پر بھی گستاخی سے باز نہ آئی، آنحضرت صلعم نے ہندہ کو پہچان لیا۔ لیکن اس واقعہ کا ذکر تک نہ فرمایا۔ ہندہ اس کرشمۂ اعجاز سے متاثر ہوکر بے اختیار بول اٹھی یا رسولؐ اللہ! آپ کے خیمہ سے مبغوض تر خیمہ کوئی میری نگاہ میں نہ تھا لیکن آج آپ کے خیمہ سے کوئی زیادہ محبوب خیمہ میری نگاہ میں دوسرا نہیں...
ابوسفیان اسلام سے پہلے جیسے کچھ تھے غزوات نبوی کا ایک ایک حرف اس کا شاہد ہے، بدر سے لیکر فتح مکہ تک جتنی لڑائیاں اسلام کو لڑنی پڑیں ان میں سے اکثر میں ان کا ہاتھ تھا لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب وہ گرفتار کرکے لائے گئے اور حضرت عباس ان کو لیکر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ اُن کے ساتھ محبت سے پیش آئے، حضرت عمر نے گزشتہ جرائم کی پاداش میں اُن کے قتل کا ارادہ کیا لیکن آپ نے منع فرمایا اور نہ صرف یہ بلکہ اُن کے گھر کو امن و امان کا حرم بنا دیا، فرمایا کہ "جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے گا اُس کا قصور معاف ہوگا"۔
کیا دنیا کے کسی فاتح نے اپنے دشمن کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے؟... قریش کی ستمگری و جفاکاری کی داستان دُہرانے کی ضرورت نہیں، یاد ہوگا کہ شعب ابی طالب میں تین برس تک ان ظالموں نے آپ کو اور آپ کے خاندان کو اس طرح محصور کر رکھا تھا کہ غلہ کا ایک دانہ اندر پہنچ نہیں سکتا تھا۔ بچے بھوک سے روتے تھے اور تڑپتے تھے اور یہ بے درد ان کی آوازیں سُنکر ہنستے اور خوش ہوتے تھے لیکن معلوم ہے کہ رحمتِ عالم نے اس کے معاوضہ میں قریش کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ مکہ میں غلہ یمامہ سے آتا تھا، یمامہ کے رئیس یہی ثمامہ بن آثال تھے یہ مسلمان ہوکر جب یہ مکہ گئے تو قریش نے بتدیل مذہب پر ان کو طعنہ دیا، انھوں نے غصہ سے کہا کہ "خدا کی قسم اب رسول اللہ صلعم کی اجازت کے بغیر گیہوں کا ایک دانہ نہیں ملے گا"۔ اس بندش

سے مکہ میں اناج کا کال پڑ گیا۔ آخر گھبرا کر قریش نے اُس آستانہ کی طرف رجوع کیا جس سے کوئی سائل کبھی محروم نہیں گیا۔ حضور کو رحم آیا اور کہلا بھیجا کہ بندش اُٹھا لو۔ چنانچہ حسب دستور غلہ جانے لگا۔

کفار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ:۔ کفار کے ساتھ آپ کے حسن خلق کے بہت سے واقعات مذکور ہیں لیکن مورخین یورپ مدعی ہیں کہ یہ اُس وقت تک کے واقعات ہیں جب تک اسلام ضعیف تھا اور مجاملت اور لطف و آشتی کے سوا چارہ نہ تھا۔ اسلئے ہم اس عنوان کے نیچے صرف وہ واقعات نقل کریں گے جو اس زمانہ کے ہیں جب کہ مخالفین کی قوتیں پامال ہو چکی تھیں اور آنحضرت صلعم کو پورا اقتدار حاصل ہو چکا تھا...

یہود و نصاریٰ کے ساتھ برتاؤ:۔ خلق عمیم میں کافر و مسلم، دوست دشمن عزیز و بیگانہ کی تمیز نہ تھی، ابر رحمت دشت و چمن پر یکساں برستا تھا۔ یہود کو آنحضرت صلعم سے جس شدت کی عداوت تھی اُسکی شہادت غزوہ خیبر تک کے ایک ایک واقعہ سے ملتی ہے لیکن آپ کا طرز عمل مدت تک یہ رہا کہ جن امور کی نسبت مستقل حکم نازل نہ ہوتا آپ ان میں انہیں کی تقلید فرماتے...

دشمنانِ جان سے عفو و درگزر:۔ جانی دشمنوں اور قاتلانہ حملہ آوروں سے عفو و درگزر کا واقعہ پیغمبروں کے صحیفۂ اخلاق کے سوا اور کہاں مل سکتا ہے جس شب کو آپنے ہجرت فرمائی ہے کفار قریش کے نزدیک یہ طے شدہ تھا کہ صبح کو محمدؐ کا سر قلم کر دیا جائیگا اس لئے دشمنوں کا ایک دستہ رات بھر خانۂ نبوی کا محاصرہ کئے کھڑا رہا، اگرچہ اس وقت ان دشمنوں سے انتقام لینے کی آپ میں ظاہری قوت نہ تھی لیکن ایک وقت آیا جب انہیں سے ایک ایک شخص کی گردن اسلام کی تلوار کے نیچے تھی۔ اور اسکی جان صرف آنحضرت صلعم کے رحم و کرم پر موقوف تھی لیکن ہر شخص کو معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی شخص اس جرم میں کبھی مقتول نہیں ہوا۔

ہجرت کے دن قریش نے آنحضرت صلعم کے سر کی قیمت مقرر کی تھی۔ اور اعلان کیا تھا کہ جو محمدؐ کا سر لائے گا یا زندہ گرفتار کرے گا اس کو سو اونٹ انعام میں دیئے

جائیں گے، سراقہ بن جعشم پہلے شخص تھے جو اس نیت سے اپنے صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے آپ کے قریب پہنچے۔ آخر دو تین دفعہ کرشمۂ اعجاز دیکھکر اپنی نیت بد سے توبہ کی اور خواہش کی کہ مجھ کو سند امان دی جائے۔ چنانچہ سند امان لکھکر دی گئی۔ اس کے آٹھ برس کے بعد فتح مکہ کے موقع پر وہ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے اور اس جرم کے متعلق ایک حرف سوال بھی درمیان میں نہیں آیا... فتح مکہ کے زمانہ میں ایک دفعہ اسّی آدمیوں کا ایک دستہ منہ اندھیرے جبل تنعیم سے اُتر کر آیا اور چھپ کر آنحضرت صلعم کو قتل کرنا چاہا۔ اتفاق سے وہ لوگ گرفتار ہو گئے لیکن آنحضرت صلعم نے ان کو چھوڑ دیا اور کچھ تعرض نہیں کیا...

دشمنوں کے حق میں دعاے خیر:۔ دشمنوں کے حق میں بد دعا کرنا انسان کی فطری عادت ہے لیکن پیغمبروں کا مرتبہ عام انسانی سطح سے بدرجہا بلند ہوتا ہے جو لوگ انکو گالیاں دیتے ہیں وہ اُن کے حق میں دعاے خیر کرتے ہیں اور جو اُن کے تشنۂ خون ہوتے ہیں وہ ان کو پیار کرتے ہیں۔ ہجرت سے قبل مکہ میں مسلمانوں پر اور خود آنحضرت صلعم پر جو پیہم مظالم ہو رہے تھے اس داستان کے دہرانے کے لئے بھی سنگ دلی درکار ہے۔ اسی زمانہ میں خباب بن ارتؓ ایک صحابی نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! دشمنوں کے حق میں بد دعا فرمائیے۔ یہ سُن کر چہرۂ مبارک سُرخ ہوگیا۔ ایک دفعہ چند صاحبوں نے مل کر اسی قسم کی بات کہی تو فرمایا "میں دنیا کے لئے لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

مستورات کے ساتھ برتاؤ:۔ دنیا میں یہ صنف ضعیف (عورتیں) چونکہ ہمیشہ ذلیل رہی ہے اس لئے کسی نامور شخص کے حالات میں یہ پہلو کبھی پیش نظر نہیں رہا کہ اس مظلوم گروہ کے ساتھ اس کا طریق معاشرت کیا تھا، اسلام دنیا کا سب سے پہلا مذہب ہے جس نے عورتوں کی حق رسی کی اور عزت و منزلت کے دربار میں اُن کو مردوں کے برابر جگہ دی۔ اس لئے شارع اسلام کے واقعات زندگی میں ہم کو یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ مستورات کے ساتھ اُن کا طرز عمل کیا تھا.. عورتیں عموماً نہایت دلیری کے ساتھ آپ سے بے محابا مسائل دریافت کرتی تھیں اور صحابہ

کو اُن کی جرأت پر حیرت ہوتی تھی لیکن آپ کسی قسم کی ناگواری نہیں ظاہر فرماتے تھے۔ چونکہ عورتیں عموماً نازک طبع اور ضعیف القلب ہوتی ہیں ان کی خاطرداری کا نہایت خیال رکھتے تھے۔

رحمت و محبت عام :۔ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک تمام دنیا کے لئے رحمت بنکر آئی تھی ... تم آنحضرت صلعم کے حلم و عفو مسامحت و درگزر کے سیکڑوں واقعات پڑھ چکے نظر آیا ہوگا کہ اس خزانۂ رحمت میں دوست دشمن کافر مسلم، بوڑھے بچے۔ عورت مرد، آقا و غلام، انسان و حیوان ہر ایک صنف ہستی برابر کی حصہ دار تھی ... آپ نے دنیا کو پیغام دیا لا تحاسدوا و لا تباغضوا وکونوا یا عباد اللہ اخوانا۔ ایک دوسرے پر بغض و حسد نہ کرو۔ اے خدا کے بندو! سب آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ ایک اور حدیث میں حکم فرمایا احبّ للناس ما تحب لنفسک تکن مسلما۔ لوگوں کے لئے وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو تو مسلم بنو گے ... آپ نے فرمایا لا یومن احدکم حتی یحب للناس ما یحب لنفسہ و حتی یحب المرء لا یحب الا للہ عزوجل۔ تم میں سے کوئی اُس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ سب لوگوں کے لئے وہی محبوب نہ رکھے جو اپنے لئے رکھتا ہے اور جب تک وہ دوسرے کو بے غرض صرف خدا کے لئے پیار نہ کرے" (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صفحہ ۳۱۳ تا ۳۱۴) [1]

تیسری صورت یہ ہے کہ حضرت عمر نے جناب سیّدہ کے ساتھ یہ برتاؤ کرنے میں کفار مکہ و مدینہ کی اقتداء کی ہو۔ لیکن تاریخ و سیرت و مغازی کا ایک ایک حرف

---

[1] حضرت علیؓ کا برتاؤ :۔ جناب سیّدہ نے صرف بیعت خلیفہ اول و ثانی سے سکوت کیا تو حضرت عمر نے اُن کے ساتھ جو سلوک کیا اُس کو تم پڑھ چکے۔ حضرت رسول خدا صلعم کو بھی جو لوگ مانتے نہیں تھے اُن کے ساتھ حضرتؐ جو سلوک کرتے تھے اس کا بھی نمونہ دیکھ چکے۔ اب اسے بھی جان لو کہ اسلام کے ایک اور پیشوا (حضرت علیؑ) کا برتاؤ اُن لوگوں کے ساتھ جو حضرتؑ کو نہیں مانتے تھے کیا ہوتا تھا۔ اور اس صفت میں حضرتؑ

پڑھ جاؤ۔ رجال وحدیث کے ذخیروں کو اچھی طرح الٹ جاؤ تم کو اس کا اشارہ تک کہیں نہیں مل سکتا کہ کسی کافر نے کسی عورت کو اس وجہ سے کوڑا مارا ہو یا اس پر اُسکے مکان کا دروازہ گرادیا ہو۔ یا اسکے بچہ کا اسقاط کرادیا ہو۔ یا اس کے مکان کے جلا ڈالنے کی دھمکی دی ہو بلکہ وہاں آگ لکڑی کا ڈھیر بھی کردیا ہو کہ وہ عورت اس شخص کو اپنا مذہبی پیشوا اور دینی مقتدا کیوں نہیں مانتی یا اپنے عقائد اس شخص کے ایسے کیوں نہیں رکھتی۔ یا جو شخص مذہباً اس سے مغائر ہے اس کا ساتھ کیوں دیتی یا اس کو مدد کیوں پہونچاتی ہے۔ مثال کے لئے دور جانے کی ضرورت نہیں۔ حضرت خدیجہ سے بھی کفار عرب کو تقریباً وہی عداوت ہونی چاہئے تھی جو انھیں حضرت رسولخدا صلعم سے تھی کہ اگر آنحضرتؐ نے اسلام کا نام لیا تو حضرت خدیجہ نے اس کو تسلیم کرنے میں سبقت کی۔ اگر آنحضرت نے بت پرستی کو گمراہی بتایا تو حضرت خدیجہ نے فوراً اسکی تصدیق کی۔ اگر حضرت رسولخدا صلعم نے لوگوں کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۴)

کا طرز عمل بالکل آنحضرت صلعم کے قدم بہ قدم تھا یا کسی موقع پر کسی حیثیت سے کچھ فرق نظر آتا ہے۔ تاکہ تم کو اس امر کا فیصلہ کرنے میں آسانی ہو کہ حضرت رحمۃ للعالمین کی صفات حسنہ کا پورا فوٹو کون شخص تھا۔ مصداق انک لعلٰی خلق عظیم کا بہترین آئینہ کس بزرگ کو سمجھنا چاہیئے۔ رسولؐ کے بعد خلق کی ہدایت واصلاح کے لئے کس مجسمۂ اخلاق کریمہ کی ضرورت تھی۔ اور وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہونے کے بعد حجۃ خدا کس شان کا ہونا چاہیئے حضرت علیؑ کو اپنے زمانہ میں چار قسم کے لوگوں سے معاملہ پیش آیا۔ اول خلفاء ثلثہ۔ دوسرے بانیان جنگ جمل۔ تیسرے ارباب جنگ صفین۔ چوتھے خوارج۔ خلفاء ثلثہ کے ساتھ حضرت کا برتاؤ مشہور ہے کہ باوجودیکہ ان لوگوں نے حضرتؑ پر ہر طرح کی زیادتیاں کیں لیکن آپ ہمیشہ ان لوگوں پر رحم ہی کرتے رہے اور ایک منٹ کے لئے بھی یہ ثابت ہونے نہیں دیا کہ حضرت رحمۃ للعالمین کے طرز عمل سے آپ بال برابر بھی الگ ہیں۔ یہاں تک مدد کی کہ حضرت عمر کا قول آج تک مشہور اور ضرب المثل ہے کہ لولا علی لھلک عمر۔ اگر حضرت

نئے مذہب کی طرف بلایا تو حضرت خدیجہ نے اس کے لئے اپنی کل دولت پیش کر دی۔
حضرت فاطمہؑ صرف اپنے مقام پر خاموش بیٹھی رہیں۔ خلافت اول یا ثانی کے خلاف
آپ نے نہ کوئی کوشش کی۔ نہ کوئی دولت خرچ کی۔ نہ کسی اور طرح کوئی حصہ لیا
اور ان کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا کہ کوڑے سے پیٹی گئیں۔ ان کے جسم مبارک پر
دروازہ گرا دیا گیا اور گھر پر آگ لکڑی جمع کر دی گئی۔ لیکن جناب خدیجہ کفار عرب
کے مقابلہ میں صرف خاموش ہی نہیں بیٹھی رہیں بلکہ ان کے مذہب پر کاری ضرب لگاتی
رہیں۔ ان کے دین کی مذمت کی۔ اس پر لات مارا۔ اپنے عمل سے ثابت کیا کہ کفار
عرب کے بزرگوں کی جگہ جہنم ہے۔ دین اسلام جلد از جلد قبول کیا۔ حضرت رسولخدا
صلعم کا تن دھن سے ساتھ دیا۔ اسلام کی حمایت میں سینہ سپر رہیں اور مسلمانوں کی
ترقی و اشاعت کے لئے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ لیکن کفار عرب نے نہ انکے
بازوؤں پر کوڑے مارے نہ ان پر یورش کی۔ نہ ان پر فوج کشی کی۔ نہ ان پر
دروازہ گرایا۔ اور نہ ان کے مکان میں آگ لگانے کا سامان کیا۔ اب تم خود فیصلہ کر لو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۵)

علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ صفحہ ۲۶۸ وغیرہ)۔ آپ بار بار
کہا کرتے این مفرج الکرب این ابوالحسن۔ کرب کے دور کرنے والے ابوالحسن
(حضرت علیؑ) کہاں ہیں ان کو بلاؤ۔ کان عمر بن الخطاب یتعوذ باللہ من معضلۃ
لیس لھا ابوحسن۔ حضرت عمر ہر اس مشکل اور مصیبت کا سامنا کرنے سے خدا کی پناہ
طلب کرتے تھے جسکے دفع کرنے کے لئے حضرت علیؑ نہ ہوتے (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۱۶)
عرب کے ذی اثر اور صاحب اقتدار سردار ابوسفیان نے حضرت علیؑ کی حمایت میں بہت
چاہا کہ حضرت اول و دوم کی کامیابیوں کا تخت ہی الٹ دیا جائے اور اس کے لئے پوری
طرح آمادگی ظاہر کی مگر حضرت علیؑ نے اس کو قبول نہ کر کے دکھا دیا کہ حضرت رحمۃ للعالمین
کی پیروی کس طرح کی جاتی ہے۔ اور باوجود اسباب مہیا ہونے کے اپنے مخالفوں
سے انتقام کس طرح ترک کیا جاتا ہے۔ حضرت عثمان کا مسلمانوں نے جب محاصرہ کر لیا
اور دنیا کا ذرہ ذرہ ان کے خون کا پیاسا ہو گیا تو وہ حضرت علیؑ ہی تھے جنہوں نے انکی

کہ کس کا طرزِ عمل کس قابل تھا اور حضرت عمر نے جنابِ سیّدہ کے برتاؤ میں خدا اور رسولؐ کی طرح کفارِ عرب کی بھی مخالفت ہی کی۔ اور ان سختیوں کی ایجاد کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ مگر لطف یہ ہے کہ آپکی یہ شدتیں بھی صرف حضرت فاطمہؑ و جناب امیرؑ ہی کے ساتھ تھیں۔ حضرت ابوبکر کی یا اپنی خلافت میں آپ نے اور کسی شخص کے ساتھ ان باتوں سے ایک کو بھی جائز نہیں رکھا۔ معلوم نہیں آپ کے جذبات اُس زمانہ میں کیوں اور کیسے ہوگئے تھے کہ جنابِ سیّدہؑ کے رسول زادی ہونے کی پروا بھی نہیں کی اور جو دل میں آتا گیا کرتے گئے جسکی وجہ سے آج تک اسلامی تاریخ کے اوراق ان شرمناک واقعات سے دنیا کو اسلام اور ارکانِ اسلام پر ہنسنے کا موقع مہیا کرتے رہتے ہیں۔ مولوی شبلی صاحب ہمارے ہیرو کی حمایت میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیتے ہیں مگر حضرت فاطمہؑ کے ساتھ اس برتاؤ کی کوئی تاویل ان سے بھی نہ ہو سکی۔ اقرار کرنا ہی پڑا لکھتے ہیں۔ "بنو ہاشم اپنے ادعا پر اَڑے رہے اور حضرت فاطمہؑ کے گھر میں وقتاً فوقتاً جمع ہو کر مشورے کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمر نے بزور اُن سے بیعت لینی چاہی لیکن بنو ہاشم حضرت علیؑ کے سوا اور کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر نے حضرت فاطمہؑ کے گھر کے

(بقیہ حاشیہ ص۲۵۶)

حفاظت میں اپنے گھٹنے ٹیک دیئے اور نہ صرف باغیوں کو روکتے بلکہ آپ کو کھانے پانی تک کی مدد پہونچاتے رہے۔ مورخین نے بتصریح لکھا ہے کہ حاصر الناس عثمان ومنعوہ الماء فاشرف علی الناس فقال افیکم علیؑ فقالوا لا۔ قال افیکم سعد قالوا لا۔ فسکت ثم قال الا احد یبلغ علیا به نیسقینا ماء فبلغ ذلک علیا فبعث الیه بثلث قرب مملوة ماءً فما کادت تصل الیه وجرح بسببها عدة من موالی بنی ہاشم و بنی امیة حتی وصل الماء الیه۔ فبلغ علیا ان عثمان یراد قتله۔ فقال انما اردنا منه مروان فاما قتل عثمان فلا۔ فقال للحسن والحسین اذهبا بسیفکما حتی تقوما علی باب عثمان فلا تدعا احدا یصل الیه۔ مسلمانوں نے حضرت عثمان کا محاصرہ کرکے ان پر پانی بند کر دیا۔ تو وہ کوٹھے پر چڑھکر لوگوں

دروازے پر کھڑے ہوکر کہا کہ یا بنت رسول اللہ خدا کی قسم آپ ہم کو سب سے زیادہ محبوب ہیں تاہم اگر آپ کے ہاں لوگ اس طرح مجمع کرتے رہے تو میں ان لوگوں کی وجہ سے گھر میں آگ لگا دوں گا۔ اگرچہ سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اپنا اعتبار ظاہر نہیں کرسکتے کیونکہ روایت کے رواۃ کا حال ہم کو نہیں معلوم ہو سکا تاہم درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ حضرت عمرؓ کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت عمرؓ نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کارروائیاں کیں اُن میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ انہی بے اعتدالیوں نے اُٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اسی وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہو جاتیں جو آگے چل کر جناب امیر علیہ السلام اور امیر معاویہ میں واقع ہوئیں" (الفاروق جلد ۱ صفحہ ۴۲)

مولوی شبلی صاحب کو بتانا چاہئے کہ حضرت عمرؓ نے بنو ہاشم سے کیوں بزور بیعت لینی چاہی کیا ان کا یہ فعل جائز تھا؟ کیا خدا نے کسی سے بھی بزور بیعت لینے کا کسی کو حکم دیا ہے؟ پھر خدا نے حضرت آدمؑ سے حضرت سید الانبیاءؐ تک کو کیوں حکم نہیں دیا کہ جو شخص انکو نہ مانے اس سے بزور بیعت لیں۔ اس سے زبردستی اپنے کو پیغمبر منوائیں۔ اپنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۷)

سے پوچھنے لگے تم میں حضرت علیؓ بھی ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ پوچھا سعد ہیں؟ کہا گیا وہ بھی نہیں ہیں۔ تو حضرت عثمان خاموش ہو گئے۔ پھر کہا کیا تم میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو حضرت علیؓ تک میرا پیغام پہونچا دے کہ میں پیاسا ہوں وہ مجھے کسی طرح پانی پلوا دیں۔ یہ خبر حضرت علیؓ تک پہنچ گئی تو پانی سے بھری ہوئی تین مشکیں ان کی طرف بھیج دیں مگر باغیوں نے کوشش کی کہ وہ پانی بھی ان تک پہنچنے نہ پائے۔ آپس میں زور آزمائی ہوئی تو موالی بنی ہاشم و بنی امیہ سے بہت لوگ زخمی ہو گئے تب وہ پانی اُن تک پہونچ سکا۔ پھر حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ باغی حضرت عثمان کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو فرمایا اُن سے تو صرف اس امر کا مطالبہ تھا کہ مروان کو حوالہ کر دیں۔ رہا ان کا قتل

مذہب میں اس کو سختی کرکے داخل کریں۔ اس کو مجبور کرکے خدا اور اپنی پیغمبری کا کلمہ پڑھوائیں۔ اس کو بقہر وغلبہ اپنا مطیع بنائیں۔ اس کو کوڑے اور تلوار سے خوف زدہ کرکے اپنی جماعت بڑھائیں۔ اور اس کو بےبس کرکے اپنے حلقہ میں لے لیں۔ لیکن کسی نبی یا رسول کو اسکی اجازت نہیں دی گئی۔ بلکہ صاف صاف فرمادیا لیہلک من ھلک عن بینة ویحییٰ من حی عن بینة۔ تاکہ جو شخص گمراہ ہو وہ حق کی حجت تمام ہونے کے بعد گمراہ ہو اور جو ہدایت پائے وہ ہدایت کی حجت تمام ہونے کے بعد ہدایت پائے (پ ۱۰ ع ۱)۔ پھر حضرت ابوبکر کے لئے کیا خصوصیت تھی کہ ان کے لئے زبردستی کا اہتمام کیا گیا۔ اور حضرت عمر کو کیا حق تھا کہ انھوں نے ان لوگوں سے بزور بیعت لینی چاہی۔ کیا حضرت رسول خدا صلعم نے کسی سے بزور بیعت لینے کی اجازت دی ہے؟ یا حضرتؐ نے اپنے طرز عمل سے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ کسی سے بزور بیعت لی جائے۔ سوال تو صرف یہ ہے کہ حضرت عمر نے کیوں کسی پر زور دیا۔ اور جو لوگ بیعت نہیں کرتے تھے ان پر کس عقلی یا نقلی دلیل سے دباؤ دیکر بیعت لینی چاہی۔ مولوی صاحب نے لکھا ہے "یاد رکھنا چاہیئے کہ انہی بے اعتدالیوں نے اُٹھتے ہوئے فتنوں کو دبادیا"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۸) تو یہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد حضرت علیؑ نے اپنے صاحبزادوں جناب حسنؑ و حسینؑ سے فرمایا کہ تم لوگ اپنی تلواریں لیکر جاؤ عثمان کے دروازے پر کھڑے ہو جاؤ اور کسی شخص کو انکے پاس پہنچنے نہ دو (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۰۹)

دوسری جماعت جنگ جمل والوں کی ہے جنہوں نے حضرت علیؑ کی ظاہری خلافت کے شروع ہی میں آپ کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا۔ اس میں حضرت عائشہ کا بہت بڑا حصہ تھا۔ گویا اس کی روح رواں وہی تھیں۔ اگر وہ شریک نہ ہوتیں یا شریک ہونے کے بعد اس سے علیحدہ ہو جاتیں تو اسی وقت جنگ موقوف ہو جاتی اور کسی مسلمان کا خون نہ ہونے پاتا۔ مگر ان کی مستقل مزاجی کی وجہ سے بقول مورخین اسلام طرفین کے ۲۰ ہزار مسلمانوں کا خون بہایا گیا۔ اور تقریباً اتنی ہی مسلمان عورتیں بیوہ کردی گئیں۔ اور معلوم نہیں کتنے بچے اور بچیاں یتیمی کی مصیبت میں مبتلا ہوئیں۔ حضرت سیدہ نے صرف بیعت

مولوی صاحب کا فرض تھا کہ یہ بھی بتا دیتے وہ اُٹھتے ہوئے فتنے کن لوگوں کیطرف سے تھے۔ ان لوگوں کی طرف سے جن کے فتنوں کے خوف سے آنحضرتؐ نے ان کو اپنی زندگی ہی میں جیش اسامہ کے ساتھ مدینہ سے بہت دور چلے جانے کا حکم دیا تھا یا ان لوگوں کی طرف سے جن سے آنحضرتؐ کو کوئی خوف نہیں تھا اور جن کو وفات تک آنحضرتؐ نے اپنے پاس سے جدا نہیں کیا۔ ہر شخص تسلیم کریگا کہ خدا اور رسول کا انتظام دوسروں کے انتظام سے ہزارہا درجہ بہتر تھا۔ پس جو لوگ لشکر اسامہ کے ماتحت کر دیئے گئے تھے وہ اگر چلے گئے ہوتے تو کہیں بھی فتنہ و فساد کا نشان تک نہیں ملتا اگر نہیں گئے تھے تو اپنی جگہ خاموش بیٹھے رہتے۔ یہ کیا کہ رسولؐ کی روح پرواز کرتی ہے اور وہ آنحضرتؐ کا جنازہ چھوڑ سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ گئے اور خلافت کا انتظام کر لیا۔ مولوی صاحب نے آخر میں لکھا ہے "بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اُسی وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہو جاتیں جو آگے چل کر جناب امیرؑ اور امیر معویہ میں واقع ہوئیں"۔ اگر ہمارے معزز دوست زندہ ہوتے تو ان سے سوال کیا جاتا کہ آپ نے یہ عبارت عالم بیداری میں لکھی ہے یا عالم خواب و خیال میں۔ بنو ہاشم کی سازش کہاں تھی اور کس مصنف نے لکھا ہے کہ بنی ہاشم نے کوئی سازش کی انھوں نے صرف بیعتِ حضرت ابوبکرؓ سے انکار کیا۔ کیا اسی کو سازش کہتے ہیں؟ پھر تو حضرت رسولؐ خدا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۹) نہ کرنے کی وجہ سے جو اذیتیں اٹھائیں ان کو تم پڑھ چکے ہو۔ اب حضرت عائشہ نے حضرت علیؑ سے اتنی مخالفت اور ایسی سخت جنگ کے بعد کیا دیکھا اسکو بھی معلوم کر لو" بعد واقعہ جمل حضرت علیؑ حضرت عائشہ کے قیام گاہ پر گئے اور بعد حصول اجازت اندر جاکر ان سے کہنے لگے رسولؐ کی بی بیوں کو خدا کا حکم ہے کہ قرن فی بیوتکن یعنی اپنے گھروں میں بیٹھی رہو مگر تم نے اشد خطا کی اور ایسے امور کی مرتکب ہوئیں جو تمہارے مناسب حال نہ تھے باوجود یکہ تم نے آنحضرتؐ کو مکرر یہ فرماتے سنا تھا کہ میں جس کا مولا ہوں علیؑ بھی اس کا مولا ہے۔ پھر بھی تم نے میرے ساتھ دشمنی کی۔ اب مناسب یہی ہے کہ اسی وقت مدینہ کو لوٹ جاؤ اور جس گھر میں جناب رسولؐ نے تم کو چھوڑا تھا تادم مرگ قرار پکڑ

کو بھی آپ سازش ہی کا الزام دیں گے۔ کیونکہ حضرتؑ نے بھی تو بتوں کو معبود ماننے سے انکار کیا تھا۔ لات و عزیٰ کے آگے سجدہ کرنے سے سرتابی کی تھی۔ کفار کا مذہب اختیار کرنے سے باز رہے تھے۔ مخالفین کی اطاعت سے منکر ہو گئے تھے۔

لطف یہ ہے کہ جناب امیرؑ اور امیر معاویہ کی خانہ جنگیاں بھی حضرت ابوبکر و عمر ہی کی وجہ سے ہوئیں۔ اس کو بہت معتبر مورخ اسلام علامہ مسعودی کی تحریر سے دیکھیں لکھتے ہیں (صرف ترجمہ درج کیا جاتا ہے)

جناب محمد ابن ابی بکر اور امیر معویہ میں خط و کتابت محمد ابن ابی بکر نے معویہ کو ایک خط اس مضمون کا لکھا کہ محمد ابن ابی بکر کی جانب سے گمراہ معاویہ کو معلوم ہو کہ خدا نے باعظمت و جبروت نے اپنی مخلوق کو عبث پیدا نہیں کیا۔ نہ خلقت عالم کی اُس کو حاجت تھی نہ بغیر آفرینش مخلوق اوسکی قوت میں کچھ ضعف ہو سکتا تھا بلکہ اس نے مخلوقات کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ اپنے صانع حقیقی کی عبادت کریں چنانچہ مخلوقات میں گمراہ بھی ہیں رشید بھی شقی بھی ہیں سعید بھی۔ پھر اللہ تعالے نے جناب رسالت مآبؐ کو اپنے علم و قبولیت کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۰) رہو۔ مگر حضرت عائشہ آمادہ نہ ہوئیں تو دوسرے دن امام حسنؑ کو ایک پیام دے کر حضرت علیؑ نے حضرت عائشہ کے پاس بھیجا کہ جا کر کہنا اگر تم اسی وقت مدینہ کی جانب نہ روانہ ہو گی تو میں تم کو ایک ایسے امر پر متنبہ کروں گا جس کو تم خوب جانتی ہو۔ حضرت عائشہ یہ سنتے ہی اوٹھیں اور حکم دیا کہ ابھی میرے اسباب سواری پر بار کرکے سفر مدینہ کا سامان کرو۔ اُس وقت ان کے چہرے سے کمال اضطراب ظاہر ہوتا تھا۔ بصرہ کی ایک عورت نے کہا جب ابن عباس نے تم کو علیؑ کا پیام پہنچایا تو تم نے کلہ بکلہ جواب دیا۔ پھر خود علیؑ نے آکر تم سے جو کہا تم نے قبول نہ کیا۔ اب یہ حسنؑ کون سا پیام لائے جس پہ تم اس درجہ مضطرب ہو گئیں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا بات یہ ہے کہ ایک دفعہ میں نے علیؑ سے گفتگو میں زیادہ درشتی اختیار کی تو رسول اللہؐ نے میری سخت کلامی پر غضبناک ہو کر علیؑ سے فرمایا اے علیؑ میں نے ان بی بیوں کا طلاق تمہارے قبضۂ اختیار میں دے دیا۔ اور تم کو اپنا وکیل کیا ان میں سے جس کو تم میری طرف سے طلاق دے دو گے اُس کا نام

مطابق رسالت و امانت وحی کے لئے منتخب فرما کر بطور بشیر و نذیر مبعوث فرمایا اور جس نے سب سے پہلے آنحضرتؐ کی تصدیق فرمائی وہ علی ابن ابی طالب ہیں جو ہر موقع خوف و دہشت میں رسول مقبول کے جان نثار رہے ہے۔ جس سے آنحضرتؐ نے جنگ کی اس سے انھوں نے بھی جنگ کی اور جس سے آنحضرت نے صلح کی اُس سے انھوں نے بھی صلح کی۔ ہمیشہ شب و روز خوف و جوع کی حالت میں رسول مقبول پر اپنی جان فدا کرنے کو طیار رہے۔ اور ان تمام باتوں میں ایسی سبقت لے گئے کہ نہ پیروان رسول میں کوئی اُنکی نظیر ہو سکتا ہے نہ اعمال حسنہ میں کوئی انکی برابری کر سکتا ہے۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ تو ان پر فوقیت ڈھونڈھتا ہے۔ حالانکہ تو تو ہی ہے اور وہ وہ ہی ہیں۔ وہ اپنی نیت کی بنا پر اصدق الناس اور اپنی ذریت کے اعتبار سے افضل الناس اور فاطمہ زہرا کے شوہر ہونے کی حیثیت سے خیر الناس ہیں۔ اُن کے چچا حمزہ سید الشہداء جنگ احد ہیں۔ اور ان کے باپ وہ شخص ہیں جو پیغمبر خدا کی تکلیفوں کو دور کرتے رہے۔ اور اے معویہ تو خود بھی لعین کردہ شدہ ہے اور تیرا باپ بھی۔ تم باپ بیٹے ہمیشہ رسول اللہ کی ایذا رسانی کے خواہاں اور جان

(بقیہ حاشیہ ۲۹) ازواج رسولؐ کے دفتر سے محو ہو جائے گا۔ نیز آنحضرتؐ نے امر طلاق کو مطلقاً فرمایا تھا اپنی زندگی اور موت کا فرق نہیں کیا تھا۔ چنانچہ علی بن ابیطالب نے مجھے اسی بات پر متنبہ کیا ہے جس کو سنکر میں خائف ہوں کہ مبادا ان کی زبان پر ایسا ناگوار لفظ آجائے جس کا تدارک ممکن نہ ہو۔ اور منقول ہے کہ جب حضرت عائشہ نے سفر مدینہ کا ارادہ فرمایا تو حضرت علیؑ نے بارہ ہزار درہم سامان سفر کے لئے حضرت عائشہ کے پاس بھیج دیئے اور جناب محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ اپنی بہن کو مدینہ طیبہ پہونچا آئیں (روضۃ الاحباب جلد ص و ارجح المطالب ص۲۰۲)

غور اور انصاف کرو کہ جناب سیدہ کے صرف سکوت پر ان کے ساتھ کیا کچھ نہ کیا گیا۔ اور حضرت عائشہ کی اس مخالفت اور فوج کشی اور خوں ریزی پر حضرت علیؑ نے ان سے کیا سلوک کیا ؏ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

تیسری جماعت جس سے حضرت علیؑ کو مقابلہ کرنا پڑا جنگ صفین والے ہیں۔ ان کے ساتھ

وہاں سے نور خدا کے بجھانے میں کوشاں رہے - اسی حالت میں تیرا باپ مرگیا اور تو اسکا قائم مقام ہوا - تیرے گواہ وہ لوگ ہیں جو بقیۂ احزاب و منافقین میں سے آہستہ آہستہ تیرے پاس پہونچکر پناہ گزیں ہوئے اور علیؑ (صاحب فضل مبین قدیم) کے شاہد عادل وہ انصار ہیں جن کی فضیلت کا ذکر قرآن میں ہے اور جن کی مدح و ثنا بہ حیثیت مہاجر و انصار ہونے کے خدا نے فرمائی ہے - یہی لوگ علیؑ کی فوج اور جماعت ہیں اور علیؑ کی پیروی کو حق اور اُن کی مخالفت کو شقاوت جانتے ہیں پس وائے ہو تجھ کو کہ علیؑ کی برابری کرتا ہے حالانکہ علیؑ وارث و وصی رسول ہیں - علیؑ کی اولاد رسولؐ مقبول کی اولاد ہے اور علیؑ ہی پیغمبر خدا کی پیروی کرنے میں اور آنحضرتؐ سے اقرب عہد ہونے میں اول الناس ہیں جن کو آنحضرتؐ نے اپنے تمام امور و اسرار پر آگاہ کیا - اور تو خود بھی اُن کا دشمن ہے اور تیرا باپ بھی ان کا دشمن تھا - پس جس قدر تیرے امکان میں ہو باطل ذریعوں سے دنیوی تمتع حاصل کر اور جتنا ابن العاص سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۲) حضرتؑ نے جس رحم دلی کا برتاؤ کیا اب اس کو دیکھو جب حضرت علیؑ کی تمام فوج لشکر معویہ کے مقابل پہنچ گئی تو معویہ والوں نے پہلے ہی نہر فرات پر قبضہ کرلیا اور حضرت علیؑ کے لشکر پر پانی بند کردیا - جب حضرتؑ کو پانی کے روک کی خبر ہوئی تو معویہ کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہارے لشکر نے پانی بند کردیا ہے - لشکر کے ساتھ ضعیف کمزور اور بوڑھے بھی ہیں - مناسب نہیں کہ مسلمانوں سے پانی روکا جائے - اگر ہم یہاں تم سے پہلے پہنچ گئے ہوتے تو ہرگز تم لوگوں پر پانی بند نہ کرتے ہم لوگ پانی پر لڑنے نہیں آئے بلکہ دین کے لئے یہ جنگ ہے تاکہ خلق خدا پر حجت واضح ہو جائے - مناسب ہے کہ لشکر کو لب دریا سے اٹھالو اور پھر لڑلو - تاکہ حق و باطل کا فرق جنگ سے ظاہر ہو جائے - لیکن اگر تمہاری یہی مرضی ہے کہ جو گھاٹ لے لے فتح اُسی کی سمجھی جائے تو ہم اس پر راضی ہیں - اس پیغام کے پہنچنے پر معویہ نے اپنے امرا سے مشورہ کیا - عمرو عاص نے کہا اے معویہ کیا تم اپنے خیال میں ساقی کوثر کو نہر فرات کے کنارے پیاسا رکھ سکتے ہو پھر معویہ پر کوئی اثر نہیں ہوا - جناب امیرؑ کے لشکر

ہو سکے تجھے گمراہی میں مدد دے۔ گمراے معویہ! یقین کر لے کہ تیری میعاد ختم ہو چکی اور تیرا مکر سست ہو گیا اور بالآخر تجھ پر واضح ہو جائیگا کہ عاقبت علیا کس کے لئے ہے۔ نیز یہ بھی سمجھ لے کہ تو اُس خدا سے فریب کرتا ہے جس نے تیرے کید کی جزا سے تجھے ابتک امن دے رکھا ہے اور جسکی رحمت سے تو مایوس ہو چکا ہے۔ وہ تیری گھات میں ہے اور تو اُس سے بے خبر۔ اور سلام ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

معویہ کا جواب محمد بن ابی بکر کے نام | جب یہ نامہ معویہ کے پاس پہنچا تو انھوں نے اس کے جواب میں لکھا کہ" اپنے پدر کو عیب لگانے والے پسر محمد بن ابی بکر بمن جانب معویہ بن صخر واضح ہو کہ تو نے اپنے خط میں خدا کی اُس عظمت و قدرت کا ذکر کیا ہے جس کا وہ اہل ہے اور اُن محامد کو بیان کیا ہے جن کے ساتھ خدا نے اپنے رسولؐ کو برگزیدہ فرمایا۔ نیز انہیں ذکروں کے ساتھ تو نے ایسا کلام کثیر بھی قلم بند کیا ہے جو تیری تضعیف اور تیرے باپ کے لئے سرزنش اور ملامت کا باعث ہے۔ تو نے اپنے خط میں علیؑ ابن ابیطالب کی فضیلت و سابقیت کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی دکھایا ہے کہ وہ رسول اللہؐ کے ساتھ قرابت قریبہ رکھتے ہیں۔ اور اونھوں نے ہول اور خوف کے اوقات میں آنحضرتؐ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۳) پیاس سے سخت بے تاب ہوئے تو حضرتؑ سے کہا یا امیرالمومنین تمام لشکر پیاسا ہے ہم کب تک خاموش رہیں۔ اجازت دیجئے کہ لڑ کر ان لوگوں سے پانی چھین لیں۔ حضرتؑ نے مجبوراً اجازت دی۔ زور شور کی لڑائی کے بعد حضرتؑ کی فوج نے گھاٹ چھین لی۔ اب حضرتؑ کے لشکر نے دریا پر چھاؤنی ڈالدی۔ معویہ کو نہایت اضطراب ہوا۔ عمرو عاص نے بھی خوب ملامت کی اور کہا میں کیا کہتا تھا بتاؤ اب اگر علیؑ تمہارے ساتھ وہی کریں جو تم نے کل ان کے ساتھ کیا تھا تو تمہارا کیا حال ہو؟ معویہ نے کہا اب کیا ہو گا؟ عمرو عاص نے کہا علیؑ تمہارے ایسے نہیں ہیں۔ افسوس کہ یہ۔ وہ بڑے ہی رحم دل اور صاحب عفو و کرم ہیں۔ ہرگز پانی بند نہیں ہونے دینگے۔ خجل اور شرمندہ ہو کر معویہ نے حضرت علیؑ کے پاس درخواست بھیجی کہ ہم پر پانی بند نہ کریں۔ ساقی کوثر نے جواب میں فرمایا ہم کسی پر پانی بند نہیں کرینگے۔

کے ساتھ کس قدر ہمدردی کی ہے۔ لیکن میری نسبت تیری یہ حجت اور عیب گیری بربنائے
فضل غیر ہے۔ تیرے فضل پر مبنی نہیں ہے۔ اور میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ اُس نے
مجھ سے اس فضل کو پھیر کر تیرے غیر کو عطا کیا۔ سن! ہم سب جن میں تیرے باپ
بھی شامل ہیں علی ابن ابی طالب کا فضل اور اُن کے حقوق کا لازم
و مبرور ہونا اچھی طرح جانتے تھے مگر جب خدا نے اپنے رسولؐ کو دین
وحجت کے کامل و آشکارا ہو جانے کے بعد اپنے پاس بلا لیا تو تیرے باپ
اور اُن کے فاروق ہی اول وہ شخص تھے جنہوں نے باہم اتفاق کر کے
علیؑ کے حق کو چھین لیا۔ اور امر خلافت کے متعلق علیؑ کی مخالفت کی۔ پھر
دونوں صاحبوں نے علیؑ کو اپنی بیعت کے لئے بلایا مگر علیؑ عرصہ تک کنارہ کش رہے جس سے
اُن دونوں صاحبوں کو رنج و اندوہ لاحق ہوا۔ اور بالآخر ان دونوں نے علیؑ کی
نسبت ایسے اہم منصوبے قائم کئے کہ علیؑ کو اُن کی بیعت کرنی پڑی۔ تاہم ان دونوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۴) خاطر جمع رکھو اور منادی کرادی کہ پانی سب کے لئے ہے۔
کسی کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ دونوں لشکروں میں جس کو ضرورت ہو بے تکلف
آدمیوں بلکہ جانوروں کے لئے بھی لے جائے۔
چوتھی جماعت جو حضرت علیؑ سے جنگ پر آمادہ ہوئی خوارج تھے۔ انھوں نے کہا خدا
کے سوا دوسرے کا حکم کوئی چیز نہیں ہے۔ پھر انھوں نے حضرت علیؑ پر خروج کر کے
مقام حروراء میں بغرض جنگ لشکر جمع کیا۔ جب یہ خبر حضرت علیؑ کو پہونچی تو آپ نے ابن عباس
کو خوارج کے افہام و تفہیم کے لئے بھیجا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک جماعت کثیر اپنے ارادے
سے باز رہی اور باقی گروہ خوارج کا نہروان چلا گیا۔ حضرت علیؑ کو یہ حال معلوم ہوا
تو آپ نے نہروان کی طرف رخ کیا۔ وہاں خوارج حضرت سے لڑنے پر آمادہ نظر
آئے۔ انھوں نے اتنی زیادتی کی کہ حضرت کی طرف کے ایک شخص عبداللہ کو ذبح اور انکی
حاملہ بی بی کا پیٹ چاک کر ڈالا۔ اس کے بعد بنی طے کی تین عورتوں کو قتل کیا کہ ام سنان
بھی ان میں تھی۔ حضرت علیؑ یہ حال سن کر کمال متاسف ہوئے۔ خوارج کو بہت سمجھایا۔

بزرگوں نے علیؑ کو نہ اپنے کسی امر میں شریک کیا۔ تو اپنے بھیدوں پر اطلاع دی حتے کہ ان دونوں صاحبوں نے دنیا سے رحلت فرمائی اور عثمان اُن کے قائم مقام ہوئے اور انکی سیرت وطریقت پر بطور اعمل کیا۔ پھر تو نے اور علیؑ نے عثمان کی عیب گیری پر کمر باندھی حتے کہ دور دور کے اہل معاصی اس کی بابت حرص میں پڑ گئے اور تو نے اور علیؑ نے عثمان کے ساتھ دشمنی کا اظہار کر کے اُن کو بلاؤں میں ڈالنا چاہا اور اس کے متعلق تیری اور علیؑ کی مراد پوری ہو گئی۔

اے ابو بکر کے بیٹے نیچ اور اپنی بالشت کو اپنی انگلیوں کی درمیانی وسعت پر قیاس کر۔ تو اس شخص کے مقابلہ اور مساوات سے قاصر ہے جو پہاڑوں کو اپنی بردباری کے ساتھ وزن کرتا ہے پس جس معاملہ کے متعلق ہم گفتگو کر رہے ہیں اگر وہ ٹھیک ہے تو تیرے باپ ہی نے استبدادی طریقہ سے اُس کی ابتدار کی اور ہم سب اُن کے اس فعل میں شریک رہے۔ اگر تیرے باپ قبل ازیں ایسا برتاؤ عمل میں نہ لاتے تو ہم بھی علیؑ کی مخالفت نہ کرتے بلکہ اُن کے مطیع رہتے لیکن جب ہم نے تیرے باپ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو اونھیں کی مثال ہم نے بھی اختیار کی۔ اب اگر تو عیب و الزام لگائے تو اپنے باپ کو لگائے یا اس خیال کو چھوڑ دے۔ اور سلام ہو اُس پر جو حق کی طرف رجوع کرے"۔ فقط

(ان خطوط کی اصل عربی عبارت مروج الذہب مطبوعہ مصر برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۶ صفحہ ۷۹ میں موجود ہے اور یہ ترجمہ بھی انہیں کے ہم مذہب خاں بہادر شیخ احمد حسین صاحب تعلقہ دار پریانواں کی تاریخ احمدی صفحہ ۱۷۶ سے نقل کیا گیا ہے۔) مورخ مشہور علامہ ابن اثیر جزری و

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۵) پند ونصیحت کی مگر وہ نہ مانے تو مجبوراً حضرتؓ نے ان سے بھی اسی طرح دفاعی جنگ کی جس طرح حضرت رسولخدا صلعم مدینہ میں اسلام و مسلمین کی حمایت میں جہاد کرتے رہے۔ لیکن نہ کسی کو مجبور کر کے گرفتار کیا نہ کسی نہتے پر ہتھیار اُٹھنے دیا نہ کسی عورت کو کوڑے لگوائے۔ نہ اس پر دروازہ گرانے کا حکم دیا نہ اسکے مکان کے جلا ڈالنے کا سامان کیا ۱۲

علامہ طبری نے بھی ان خطوط کا ذکر کیا ہے مگر ان کے مضمون کو غائب کر دیا۔ لکھتے ہیں ان محمد ابن ابی بکر کتب الی معویة لماولی فذکر مکاتبات جرت بینہما کرھت ذکرھا لمافیہ مما لا یحتمل سماعہا العامة معویہ کے خلیفہ ہونے پر ان میں اور محمد بن ابی بکر میں ایسی خط و کتابت جاری رہی جسکی نقل کو میں پسند نہیں کرتا کیونکہ ان میں وہ مضامین مذکور ہیں جن کا سننا عام لوگ کسی طرح برداشت نہیں کرسکتے (تاریخ طبری جلد ۵ صہ ۲۳۲ و کامل جلد ۳ صہ ۱۱۴)

چوتھی فصل

حضرت ابوبکر پر آپکا غلبہ

حضرت ابوبکر باوجودیکہ خلیفہ کہے جاتے مگر درحقیقت خلافت کے کل امور حضرت عمر ہی انجام دیا کرتے۔ کان ابوبکر لا یخالف عمر ولا یعصیہ۔ حضرت ابوبکر کسی طرح حضرت عمر کی نہ مخالفت کرتے اور نہ ان کی نافرمانی کرتے تھے (تاریخ خمیس جلد ۲ صہ ۲۴۷) خرج الزبرقان والاقرع الی ابی بکر وقالا اجعل لنا خراج البحرین ونضمن لک الا یرجع من قومنا احد ففعل وکتب الکتاب وکان الذی یختلف بینہم طلحة واشہد واشہودا منہم عمر فلما اتی عمر بالکتاب فنظر فیہ لم یشہد۔ قال لا واللہ ولا کرامة ثم مزق الکتاب ومحاہ فغضب طلحة فاتی ابابکر فقال أانت الامیر ام عمر۔ فقال عمر غیر ان الطاعة لی فسکت۔ دو شخص زبرقان واقرع حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا بحرین کا خراج ہمارے لئے مقرر کردیجئے۔ ہم ضامن ہوتے ہیں کہ ہماری قوم سے کوئی پلٹے گا نہیں۔ آپنے یہ بات مان لی اور ایک دستاویز لکھ کر اُن کے حوالہ کر دی۔ اس وثیقہ کے کئی گواہ مقرر ہوئے جن میں حضرت عمر کا نام بھی تھا۔ مگر حضرت عمر نے اس کو دیکھا تو پھاڑ ڈالا اور مٹا دیا اس پر طلحہ غضب ناک ہو کر حضرت ابوبکر کے پاس آئے۔ اور کہا خلیفہ آپ ہیں یا عمر؟ بولے خلیفہ تو عمر ہی ہیں مگر طاعت میری ہے۔ اس پر وہ خاموش ہو رہے (طبری جلد ۳ صہ ۲۴۰)۔ ثم بعث ابوبکر الجنود الی الشام وکان اول من استعمل علے ربع منہا خالد بن سعید فاخذ عمر یقول اتؤمرہ وقد صنع ما صنع وقال ما قال فلم

ینال بابی بکر حتے عزلہ۔ حضرت اول نے کچھ فوجیں شام کو بھیجیں اور ایک ربع پر خالد بن سعید کو افسر بنایا تو حضرت عمر کہنے لگے تم اس کو افسر فوج بناتے ہو؟ حالانکہ اس نے جو کچھ کیا کیا اور جو کچھ کہا کہا۔ حضرت عمر ان پر مسلط ہی رہے یہاں تک کہ انھوں نے خالد کو اُسی وقت معزول کر دیا (طبری جلد ۴ صفحہ ۲)۔ عن عروۃ قال دخلت علی معویۃ فقال لی ما فعل المسلول قلت ھو عندی قال انا واللہ خططتہ بیدی اقطع ابو بکر الزبیر فکنت اکتبھا فجاء عمر فاخذ ابو بکر الکتاب فادخلہ فی ثنی الفراش فدخل عمر فقال کانکم علی حاجۃ فقال ابو بکر نعم فخرج فاخرج ابو بکر الکتاب فاتممتہ۔ عروہ کا قول ہے کہ ایک دفعہ میں معویہ کے پاس گیا۔ انھوں نے پوچھا مسلول نامی زمین کس کے پاس ہے۔ کہا میرے پاس۔ معویہ نے کہا ابو بکر نے اسے اپنے داماد زبیر کو دینا چاہا تو میں اس کا وثیقہ لکھنے لگا مگر عمر وہاں پہنچ گئے تو ابو بکر نے وہ وثیقہ اپنے فرش کے نیچے چھپا لیا۔ حضرت عمر پوچھنے لگے تم لوگ کوئی خاص کام کرتے تھے۔ ابو بکر نے کہا ہاں۔ تو وہ نکل گئے۔ تب ابو بکر نے وہ وثیقہ نکالا اور میں نے اسے تمام کیا (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۱۸۱)۔ جناب سیدہ اور حضرت امیرؑ کے استدلال سے لاجواب ہو کر حضرت ابو بکر نے فدک کا وثیقہ بھی آپ کے لئے لکھ دیا تھا۔ مگر حضرت عمر بگڑتے اور بہت کچھ بولتے رہے ثم اخذ عمر الکتاب فشقہ پھر حضرت عمر نے وہ وثیقہ لیکر پھاڑ ڈالا (سیرۃ حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۳۹۱)۔ حضرت ابو بکر فرماتے تھے واللہ لا اجد د شیئا رد ہ عمر [illegible] کی قسم میں اس بات کو منظور نہیں کر سکتا جس کو عمر نے نامنظور کر دیا ہو (منتخب کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۳۰۱)۔ فاشار علیہ عمر بعزلہ فقال ابو بکر فمن یجزی عنی جزاء خالد [illegible] فقال فانت حضرت عمر نے حضرت ابو بکر کو مشورہ دیا کہ خالد کو معزول کر دو۔ پوچھا [illegible] نمایاں انجام دے رہے ہیں کون سنبھالنے گا؟ کہا میں۔ حضرت ابو بکر نے [illegible] کو معزول کر کے ان کا کام اپنے ہاتھ میں لے لو۔ حضرت عمر آمادہ [illegible] نے حضرت ابو بکر سے کہا یہ کیا غلطی کرتے ہیں۔ بغیر عمر کے آپ کا [illegible] آپ ان سے صاف کہہ دیں کہ تمہیں یہیں رہنا ہوگا (اصابہ جلد ۲ صفحہ [illegible])۔ بعض اوقات حضرت عمر کی باتیں حضرت ابو بکر کی برداشت سے بھی باہر ہو جاتی تھیں حتیٰ کہ آپ

اُن پر بگڑ جاتے بلکہ ہاتھ پاؤں کو بھی حرکت دینے لگتے۔ مثلاً جس طرح حضرت رسولخدا صلعم نے اسامہ بن زید کو سردار فوج مقرر کیا تھا۔ حضرت ابوبکر نے بھی کیا تو صحابہ نے حضرت عمر سے کہلایا کہ کسی بڑے شخص کو ہمارا سردار بنائیے۔ حضرت عمر گئے اور صحابہ کا پیغام پہنچایا فوثب ابوبکر وکان جالسا فاخذ بلحیۃ عمر فقال لہ ثکلتک امک وعدمتک یا ابن الخطاب استعملہ رسول اللہ وتامرنی ان انزعہ۔ یہ بات سنی تو حضرت ابوبکر نے جو بیٹھے ہوئے تھے اُچک کر حضرت عمر کی ڈاڑھی پکڑ لی اور کہا اے خطاب کے بیٹے! تمہاری ماں تمہارے ماتم میں بیٹھے اور تم کو ناپید کرے! اسامہ کو رسولخدا صلعم تو سردار مقرر کر گئے اور تم مجھے حکم دیتے ہو کہ ان کو معزول کر دوں (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۱۲ رکامل جلد ۲ صفحہ ۱۲۱ وغیرہ) اور جب حضرت عمر نے ممدوح سے کہا یا خلیفۃ رسول اللہ تالف الناس وارفق بھم۔ فقال جبار فی الجاھلیۃ خوار فی الاسلام فبماذا اتالفھم۔ اے خلیفہ رسولؐ! لوگوں کو ملائیے اور ان کے ساتھ نرمی کیجئے تو حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا تم جاہلیۃ میں جبار تھے اور اسلام میں خوار ہو گئے۔ میں کس چیز سے ان لوگوں کو ملاؤں؟ (منتخب کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۳۴۹ و تاریخ الخلفاء صفحہ ۵۰ وازالۃ الخفاء مقصد ۲ صفحہ ۳۰ وغیرہ) "اجبار فی الجاھلیۃ وخوار فی الاسلام" حضرت صدیق نے حضرت عمر سے فرمایا کیا جاہلیت کے زمانہ میں تو تم سرکش اور سخت تھے اسلام میں آ کر نادان اور کمزور ہو گئے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد عرب کے کئی قبیلوں نے زکوۃ دینے سے انکار کیا۔ حضرت صدیق نے کہا میں ان سے لڑوں گا۔ حضرت عمر نے یہ رائے دی کہ تم کو تالیف قلوب چاہیئے۔ تب حضرت صدیق نے یہ فرمایا (انوار اللغۃ پ ۲ صفحہ ۱۳۱)۔ کبھی کبھی حضرت رسولؐ کی زندگی میں بھی دونوں بزرگوں کے درمیان اس طرح کی نوک جھوک ہو جایا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا میری امت سے ایک لاکھ آدمی بہشت میں جائیں گے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے تین بار کہا اے رسولؐ ہمیں زیادہ کیجئے۔ فقال عمر یا ابابکر قال مالنا ولک یا ابن الخطاب۔ تو حضرت عمر نے کہا اے ابوبکر بس بھی کرو۔ اس پر حضرت ابوبکر نے جواب دیا اے خطاب کے بیٹے تم ہمارے درمیان کیوں بولنے لگتے ہو؟ (مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۹۳)

پانچویں فصل

مالک کا واقعہ اور مظلوم کی زبردست حمایت

بعض اوقات حضرت عمر مظلوم کی حمایت پر اس طرح آمادہ ہو جاتے کہ حضرت ابوبکر کی ناراضی کی پروا بھی نہیں کرتے تھے جس کی وجہ سے دونوں بزرگوں میں سخت اختلاف پیدا ہو جاتا تھا۔ مثلاً مالک بن نویرہ کی طرفداری جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں قبیلہ بنو یربوع نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ ان کا بزرگ مالک بن نویرہ تھا جو بادشاہ، بہادر سردار اور شاعر تھا۔ وفات رسولؐ پر اس نے حضرت ابوبکر کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو حضرت ابوبکر نے اس کی طرف خالد بن ولید کو بھیجا کہ اس سے جنگ کرو۔ مالک نے ان لوگوں سے کہا میں مسلمان ہوں نماز پڑھتا ہوں صرف ابوبکر کو زکوٰۃ دینا نہیں چاہتا۔ اس پر دونوں میں دیر تک سخت کلامی ہوئی۔ خالد نے کہا میں تم کو ضرور قتل کر کے رہوں گا۔ اور ضرار ابن ازور کو حکم دیا کہ مالک کو قتل کر دو۔ ضرار بڑھا تو مالک اپنی بی بی کی طرف جو نہایت ہی حسینہ و جمیلہ تھی متوجہ ہو کر کہنے لگا میری یہی بی بی میرے قتل ہونے کا سبب ہے کیونکہ اسی کی خوبصورتی مجھے قتل کراتی ہے۔ خالد نے کہا نہیں بلکہ تم اسلام سے پھر گئے اس سبب سے قتل کئے جاتے ہو۔ مالک نے کہا واہ میں تو اسلام ہی پر قائم ہوں۔ اس جگہ حضرت عمر کے صاحبزادے عبداللہ اور ابو قتادہ انصاری بھی موجود تھے۔ ان دونوں نے خالد سے مالک کی سفارش کی (کہ یہ مسلمان ہے کیونکر اس کو قتل کرتے ہو) مگر خالد نے ان دونوں کی باتیں بھی ناپسند کیں۔ خود خالد کی فوج سے بکثرت لوگوں نے خالد سے کہا کہ یہ لوگ مسلمان ہیں ہم نے ان کی اذان سنی اور ان کو نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ تم کو خدا کی قسم ان کو قتل نہ کرو۔ مگر خالد نے کسی کی بات نہیں سنی اور کہا اے ضرار ان کی گردن اڑا دو۔ بیچارہ فوراً قتل کر دیا گیا اور اس کا سر ایک دیگچی کا چولھا بنا دیا گیا (کہ اس کے سر میں آگ لگائی گئی اور اس پر دیگچی رکھی گئی) کیونکہ مالک کے سر میں بال بہت تھے۔ اس کے بعد فوراً ہی

خالد نے مالک کی بی بی پر قبضہ کیا جسکے متعلق ایک شخص نے کچھ اشعار میں یہ مضمون لکھا ہے اے مخاطب جب تو اس قبیلہ سے جو جانوروں کی ٹاپوں سے روندڈالا گیا گزرے تو کہہ دے کہ مالک کے قتل ہو جانے کے بعد یہ رات بڑی لمبی ہو گئی۔ خالد نے ظلم وستم سے مالک کی پری جمال بی بی پر تصرف کر لیا جس کا عشق اس کے سینہ میں بہت دنوں سے شعلہ ور ہو رہا تھا۔ خالد نے کسی طرح اپنی تمنا پوری کرلی اور اُس نے نہ اپنی فریفتگی سے منہ موڑا نہ اُس پر قابو رکھ سکا۔ اس طرح وہ نئی معشوقہ کا ہم بستر ہو گیا اور (اُس معشوقہ کا شوہر) بیچارہ مالک اپنی بی بی سے جدا کر کے ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ جب اس واقعہ کی خبر حضرت عمر و ابو بکر کو ہوئی تو حضرت عمر نے انسے کہا کہ خالد نے (مالک کی خوبصورت بی بی سے) زنا کیا ہے اس کو سنگسار کرو۔ پھر اس طرح گفتگو ہونے لگی:۔

حضرت ابو بکر۔ میں اس کو سنگسار نہیں کر سکتا اس نے تاویل کی تو خطا کی پھر میں قتل کیوں کروں۔

حضرت عمر۔ اچھا اس نے ایک مسلمان (مالک) کو قتل کیا ہے۔ اس کے عوض اسکو قتل کردو۔

حضرت ابو بکر۔ میں اس کو قتل بھی نہیں کروں گا۔ اس نے تاویل کی جس میں اس سے خطا ہو گئی۔

حضرت عمر۔ خیر تو اس کو معزول کردو (کہ پھر ایسا ظلم نہ کرسکے)

حضرت ابو بکر۔ میں اس تلوار کو نیام میں نہیں کر سکتا جس کو خدا نے ان لوگوں (میرے مخالفوں) پر کھینچ دیا ہے۔

غرض حضرت عمر لاکھ کوشش کرتے رہے مگر حضرت ابو بکر نے ان کی کوئی بات نہیں مانی (طبری جلد ۳ ص۲۴۱ و کامل جلد ۲ ص۱۴۹ و ابو الفدا جلد ۱ ص۱۵۸ و روضۃ المناظر جلد ۱ ص۱۹۲ وغیرہ)۔ جس وقت مالک نے دیکھا تھا کہ جناب خالد بن ولید کی نظر اسکی خوبصورت بی بی پر پڑ گئی۔ اُسی وقت کہہ دیا کہ اب میری خیریت نہیں۔ ان خالدا ساءه امرأة مالک وکانت فائقة فی الجمال فقال مالک بعد ذلک لامرأته قتلتنی یعنی

ساقتل من اجلک۔ جب خالد کی نظر مالک کی زوجہ پر پڑ گئی جو حسن جمال میں آپ اپنی نظیر تھی تو مالک نے فوراً اس سے کہہ دیا اب میرے قتل میں کوئی شبہ نہیں رہا یعنی تیرے عشق ہی کی وجہ سے خالد مجھکو قتل کرکے رہیگا تاکہ میرے بعد وہ تجھ سے اپنا مطلب پورا کرے (اصابہ جلد ۶ صـ۳۷)۔ لطف یہ کہ خالد حکم اسلام کے مطابق زمانہ عدہ تک بھی برداشت نہ کر سکے وقتل مالک بن نویرۃ فتزوج امرأتہ ام متمم من لیلتہ وکانت جمیلۃ۔ جب مالک بن نویرہ قتل کر دیا گیا تو جس دن وہ قتل ہوا اُسی رات کو خالد نے اُس کی بی بی سے ہم بستری کی کیونکہ وہ بہت ہی خوبصورت تھی۔ ان خالدا امر براس مالک فجعل اثفیۃ القدر۔ پھر خالد نے حکم دیا کہ مالک کا سر چولھا بنا لیا جائے اور اُس پر دیگچی رکھی جائے۔ وکان من اکثر الناس شعرا فکانت القدر علی راسہ۔ مالک کے سر کے بال بہت تھے۔ اُس میں آگ لگا کر دیگچی اس پر رکھ دی گئی (تاریخ خمیس جلد ۲ صـ۲۳۳)۔ یہاں ایک مشکل سوال پیدا ہوتا ہے کہ ام متمم تو اپنے بے مثال حسن وجمال کی وجہ سے قبضہ میں کر لی گئی اور حلال وحرام کی پرواہ تک نہیں کی گئی اور مالک بھی اُسی کے آتش عشق کی وجہ سے ختم کر دیا گیا مگر اس کے مرنے کے بعد اس کی لاش کو کیوں سزا دی گئی کہ اس کے بالوں میں آگ لگائی گئی۔ اس کے سر کا چولھا بنایا اور اس پر کھانا پکایا گیا۔ شاید اس نئی بیوہ کو اس کے محبوب شوہر کا نیا تماشہ دکھانے کے لئے یہ برتاؤ کیا گیا ہو۔ حضرت ابوبکر ان کل باتوں سے خوش ہی ہوتے اور خالد کی مدح وثنا کے پل ہی باندھتے رہے۔ فلما بلغ ذلک ابابکر قال عجزت النساء ان یلدن مثل خالد۔ جب خالد کے کارنامے حضرت ابوبکر تک پہونچے تو (بجائے افسوس ورنج کے) خوش ہو کر اور جوش میں آ کر فرماتے کہ دوسری عورتیں خالد ایسا بہادر پیدا کرنے سے عاجز ہیں (طبری جلد ۴ صـ۱۰۱ و کامل جلد ۲ صـ۱۳۹ وغیرہ)۔ اس وجہ سے خالد کی دلیری بھی بہت بڑھ گئی تھی۔ وہ حضرت عمر کی بھی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے تھے۔ جب خلیفہ وقت ہی ان کی پشت پناہی پر آمادہ تھے تو وہ کسی کی پروا ہی کیوں کرتے۔ حضرت عمر اس وقت سوائے شرمندہ ہونے کے اور کرتے ہی کیا لیکن ممدوح پر ان مظالم کا خاص اثر تھا۔ وہ خالد کو ظالم۔ زانی اور گردن زدنی سمجھتے رہے اور اپنی جانب سے انکی مخالفت کا کوئی درجہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اس وجہ سے جب خود خلافت کی مسند پر تشریف فرما ہوئے تو

خالد کو جلد از جلد معزول کرکے رہے۔

چھٹی فصل
حضرت عمر کا استخلاف

جب ۱۳ھ میں حضرت ابوبکر دنیا سے انتقال کرنے لگے تو پائخانہ سے لوگوں کو جھانکا اور دعا عثمان خالیا فقال له اکتب بسم الله الرحمن الرحیم هذا ما عهد ابوبکر الی المسلمین اما بعد قال ثم اغمی علیه فذهب عنه فکتب عثمان اما بعد فانی قد استخلفت علیکم عمر بن الخطاب ولم آلکم خیرا ثم افاق ابوبکر فقال اقرء علی فقرء علیه فکبر ابوبکر وقال اراک خفت ان یختلف الناس ان افتلتت نفسی فی غشیتی قال نعم۔

حضرت عثمان کو تنہائی میں بلا کر وصیت نامہ لکھوانے لگے "امابعد" بول کر بیہوش ہو گئے۔ حضرت عثمان نے خود لکھ دیا "میں نے تم پر عمر کو خلیفہ کیا" حضرت ابوبکر کو ہوش ہوا تو پڑھوایا سنکر کہا اللہ اکبر تم ڈر گئے کہ میں ختم نہ ہو جاؤں۔ حضرت عثمان نے کہا ہاں (طبری جلد ۴ صفحہ ۵۲)۔ وارسل الکتاب مع مولی له ومعه عمر یعنی حضرت ابوبکر نے وہ وصیت نامہ اپنے غلام اور حضرت عمر کے ساتھ لوگوں کیطرف بھیجا وبید ہ جرید ة وهو یقول اسمعوا واطیعوا قول خلیفة رسول الله۔ حضرت عمر ڈنڈا لئے لوگوں سے کہتے تھے خلیفہ رسول کا حکم سنو اور مان لو (طبری جلد ۴ صفحہ ۵۲ وکامل جلد ۲ صفحہ ۱۶۲) فقال له رجل ما فی الکتاب یا اباحفص قال لا ادری ولکنی اول من سمع واطاع۔ قال لکنی والله ادری ما فیه۔ امرته عام اول وامرک العام۔ حضرت عمر وہ وثیقہ لیکر لوگوں کے پاس گئے تو ایک شخص نے پوچھا اے حفصہ کے باپ! اسمیں لکھا کیا ہے؟ کہا معلوم نہیں لیکن سب سے پہلے اس حکم کا ماننے والا میں ہوں۔ اس شخص نے کہا تم کو نہ معلوم ہو لیکن خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ اسمیں کیا لکھا ہے۔ پارسال تم نے انکو خلیفہ بنایا تو (اسکے عوض) اس سال انہوں نے تمکو خلیفہ بنا دیا (امامۃ وسیاستہ جلد ۱ صفحہ ۳۳) معلوم نہیں ممدوح نے کس مصلحۃ سے اپنے پائخانہ میں سے جھانک کر حضرت عمر کو اپنا خلیفہ ظاہر کرنا پسند کیا۔ ع رموز مملکت خویش خسرواں دانند

چوتھا باب۔ وفاۃ خلیفہ اول سے وفاۃ حضرت عمر تک کے حالات
پہلی فصل۔ خلافۃ کی اجمالی کیفیت

تاریخ ابوالفدا بہت جامع اور مختصر تاریخ ہے۔ اس وجہ سے ہم پہلے اسکی پوری عبارت نقل کرتے ہیں تاکہ اجمالی حالات پر آسانی سے نظر ہو جائے۔ لکھتے ہیں:۔

ذکر وفات ابی بکر رضی اللہ عنہ وقد اختلف فی سبب موتہ فقیل ان الیہود سمتہ فی ارز وقیل فی حسو فاکل ہو والحارث ابن کلدۃ فقال الحارث اکلنا طعاما مسموما سم سنۃ فماتا بعد سنۃ وعن عائشۃ رضی اللہ عنہا انہ اغتسل وکان یوما باردا فحم خمسۃ عشر یوما لا یخرج الی الصلاۃ وامر عمران یصلی بالناس وعہد بالخلافۃ الی عمر ثم توفی مساء لیلۃ الثلاثاء بین المغرب والعشاء لثمان بقین من جمادی الآخرۃ سنۃ ثلاث عشرۃ فکانت خلافتہ سنتین وثلاثۃ اشہر وعشر لیال وعمرہ ثلاث وستون سنۃ وغسلتہ زوجتہ اسماء بنت عمیس وحمل علی السریر الذی حمل علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصلی علیہ عمر فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین القبر والمنبر واوصی ان یدفن الی جنب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحفر لہ وجعل راسہ عند کتفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان حسن القامۃ خفیف العارضین معروق الوجہ غائر العینین ناتی الجبہۃ احنی عاری الاشاجع یخضب بالحناء والکتم۔

ذکر خلافۃ عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبد العزی رضی اللہ عنہ بویع بالخلافۃ فی الیوم الذی مات فیہ ابو بکر الصدیق رضی اللہ تعالی عنہ واول خطبۃ خطبہا قال یا ایہا الناس واللہ ما فیکم احد اقوی عندی من الضعیف حتی آخذ الحق لہ ولا اضعف عندی من القوی حتی آخذ الحق منہ ثم اول شیٔ امر بہ ان عزل خالد بن الولید عن الامرۃ وولی ابا عبیدۃ علی الجیش بالشام وارسل بذلک الیہما وہو اول من سمی بامیر المومنین وکان ابو بکر یخاطب بخلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ثم سار ابو عبیدۃ) ونازل دمشق وکانت منزلتہ من جہۃ باب الجابیۃ ونزل خالد من جہۃ باب توما وباب شرقی ونزل عمرو بن العاص بناحیۃ اخری وحاصروہا قریبا من سبعین لیلۃ وفتح خالد ما یلیہ بالسیف فخرج اہل دمشق وبذلوا الصلح لابی عبیدۃ من الجانب الآخر وفتحوا لہ الباب فامنہم ودخل والتقی مع خالد فی وسط البلد وبعث ابو عبیدۃ بالفتح الی عمر (وفی ایامہ فتح العراق (ثم دخلت سنۃ اربع عشرۃ) فیہا فی المحرم امر عمر ببناء البصرۃ فاختطت

وقيل فی سنة خمس عشرة وفيها توفی ابو ابی بکر الصديق وعمره سبع وتسعون سنة وكانت وفاته بعد وفاة ابنه ابی بکر (ثم دخلت سنة خمس عشرة) فيها فتحت حمص بعد دمشق بعد حصار طويل حتى طلب الروم الصلح فصالحهم ابو عبيدة على ما صالح اهل دمشق (ثم سار) الى حماة قال القاضی جمال الدين بن واصل رحمه الله تعالى فی التاريخ الذی نقلنا هذا منه ان حماة كانت فی زمن داؤد وسليمان عليهما السلام مدينة عظيمة قال وقد وجدت ذكرها فی اخبار داؤد وسليمان فی كتاب اسفار الملوك الذی بايدی اليهود وكذلك كانت فی زمن اليونان الا انها فی زمن الفتوح وقبله كانت صغيرة هی وشيزر وكانا من عمل حمص وكانت حمص كرسی مملكة هذه البلاد وقد ذكرها امرئ القيس فی قصيدته التی اولها :. سمالك شوق بعد ما كان اقصرا .:. ويقول من جملتها ـ تقطع اسباب اللبانة والهوى .:. عشية جاوزنا حماة وشيزرا ـ قال بعض الشراح حماة وشيزر قريتان من قرى حمص ولما وصل ابو عبيدة الى حماة خرجت الروم التی بها اليه يطلبون الصلح فصالحهم على الجزية لرؤسهم والخراج على ارضهم وجعل كنيستهم العظمى جامعا وهو جامع السوق الاعلى من حماة ثم جدد فی خلافة المهدی من بنی العباس وكان على لوح منه مكتوب انه جدد من خراج حمص ثم سار ابو عبيدة الى شيزر فصالحه اهلها على صلح اهل حماة وكذلك صالح اهل المعرة وكان يقال لها معرة حمص ثم قيل لها معرة النعمان بن بشير الانصاری لانها كانت مضافة اليه مع حمص فی خلافة معاوية (ثم) سار ابو عبيدة الى اللاذقية ففتحها عنوة (وفتح) جبلة وانطرطوس (ثم) سار ابو عبيدة الى قنسرين وكانت كرسی المملكة المنسوبة اليوم الى حلب وكانت حلب من جملة اعمال قنسرين ولما نازلها ابو عبيدة وخالد بن الوليد كان بها جمع عظيم من الروم فجرى بينهم قتال شديد انتصر فيه المسلمون ثم بعد ذلك طلب اهلها الصلح على صلح اهل حمص فاجابهم على ان يخربوا المدينة فخربت (ثم) فتح بعد ذلك حلب والطاكية ومنبج ودلوك وسرمين وتيزين وعزاز واستولى

على الشام من هذه الناحية (ثم) سار خالد الى مرعش ففتحها و اجلى اهلها
و اخربها و فتح حصن الحدث (وفى هذه السنة) لما فتحت هذه البلاد و
هى سنة خمس عشرة .:. وقيل ست عشرة ايس هرقل من الشام وسار الى
قسطنطينية من الرها .:. ولما سار هرقل علا على نشز من الارض ثم التفت الى
الشام وقال السلام عليك يا سوريا سلام لا اجتماع بعده ولا يعود اليك رومى
بعدها الا خائفا حتى يولد الولد المشئوم وليته لم يولد فما اجل فعله و امر فتنته على
الروم ثم فتحت قيسارية وصبصطية وبها قبر يحيى بن زكريا و نابلس ولد ويافا
وتلك البلاد جميعها و اما بيت المقدس فطال حصاره و طلب اهله من ابى عبيدة
ان يصالحهم على صلح اهل الشام بشرط ان يكون عمر بن الخطاب متولى امر الصلح
فكتب ابو عبيدة الى عمر بذلك فقدم عمر رضى الله عنه الى القدس و فتحها و استخلف
على المدينة على بن ابى طالب رضى الله عنه (وفى هذه السنة) اعنى سنة خمس
عشرة وضع عمر ابن الخطاب الدواوين وفرض العطاء للمسلمين ولم يكن قبل ذلك
وقيل كان ذلك سنة عشرين فقيل له ابدا بنفسك فامتنع و بدأ بالعباس عم رسول الله
صلى الله عليه وسلم ففرض له خمسة وعشرين الفا ثم بدأ بالاقرب فالاقرب من
رسول الله صلى الله عليه وسلم وفرض لاهل بدر خمسة آلاف خمسة آلاف و
فرض لمن بعدهم الى الحديبية وبيعة الرضوان اربعة آلاف اربعة آلاف ثم
لمن بعدهم ثلاثة آلاف ثلاثة آلاف وفرض لاهل القادسية واهل الشام الفين
الفين وفرض لمن بعد القادسية واليرموك الفا الفا ولروادفهم خمسمائة خمسمائة
ثم ثلثمائة ثلثمائة ثم مائتين وخمسين مائتين وخمسين (وكان فى هذه السنة
اعنى سنة خمس عشرة وقعة القادسية وكان المتولى لحرب الاعاجم فيها سعد بن ابى
وقاص وكان مقدم العجم رستم وجرى بين المسلمين وبين الاعاجم اذ ذاك قتال عظيم
دام اياما فكان (اليوم) الاول يوم اغواث ثم (يوم) غماس ثم (ليلة) الهرير لتركهم
الكلام فيها و انما كانوا يهرون هريرا حتى اصبح الصباح ودام القتال الى الظهيرة
وهبت ريح عاصفة فمال الغبار على المشركين فانكسروا و انتهى القعقاع واصحابه

الی سریر رستم وقد قام رستم عنہ واستظل تحت بغال علیہا مال وصلت من کسری للنفقة فلما شد واعلی رستم هرب ولحقه هلال بن علقمة فاخذ برجله وقتله ثم جاء به حتی رمی به بین ارجل البغال وصعد السریر ونادی قتلت رستم ورب الکعبة وتمت الهزیمة علی العجم وقتل منهم ما لا یحصی ثم ارتحل سعد ونزل غربی دجلة علی نهرشیر قبالة مدائن کسری وایوانه المشهور ولما شاهد المسلمون ایوان کسری کبروا وقالوا هذا ابیض کسری هذا ما وعد الله ورسوله (ثم دخلت سنة ست عشرة) واقام سعد علی نهرشیر الی ایام من صفر ثم عبروا دجلة وهربت الفرس من المدائن نحو حلوان وکان یزدجرد قد قدم عیاله الی حلوان وخرج هو ومن معه بما قدروا علیه من المتاع ودخل المسلمون المدائن وقتلوا کل من وجدوه واحتاطوا بالقصر الابیض ونزل به سعد واتخذوا ایوان کسری مصلی واحتاطوا علی اموال من الذهب والآنیة والثیاب تخرج عن الاحصاء وادرک بعض المسلمین بغلا وقع فی الماء فوجد علیه حلیة کسری من التاج والمنطقة والدرع وغیر ذلک کله مکلل بالجوهر ووجدوا اشیاء یطول شرحها وکان لکسری بساط طوله ستون ذراعا فی ستین ذراعا وکان علی هیئة روضة قد صورت فیه الزهور بالجوهر علی قضبان الذهب فاستوهب سعد ما یخص اصحابه منه وبعث به الی عمر فقطعه عمر وقسمه بین المسلمین فاصاب علی بن ابی طالب منه قطعة فباعها بعشرین الف درهم (واقام) سعد بالمدائن وارسل جیشا الی جلولا وکان قد اجتمع بها الفرس فانتصر المسلمون وقتلوا من الفرس ما لا یحصی وهذه الوقعة هی المعروفة بوقعة جلولا وکان یزدجرد بحلوان فسار عنها وقصدها المسلمون واستولوا علیها (ثم) فتح المسلمون تکریت والموصل (ثم) فتحوا ماسبذان عنوة وکذلک قرقیسیا (وفی هذه السنة) اعنی سنة ست عشرة للهجرة قدم جبلة بن الایهم علی عمر بن الخطاب رضی الله عنه فتلقاه جماعة من المسلمین ودخل فی زی حسن وبین یدیه جنائب مقادة ولبس اصحابه الدیباج ثم خرج عمر الی الحج فی هذه السنة فحج جبلة معه فبینا جبلة طائف اذ وطئ رجل من فزارة علی ازاره فلطمه جبلة فهشم انفه فاقبل الفزاری الی عمر فشکاه

فاحضرہ عمر وقال افتدافتک والا امرته ان يلطمك فقال جبلة كيف ذلك وانا ملك وهو سوقة فقال عمر ان الاسلام جمعكما وسوى بين الملك والسوقة فى الحد فقال جبلة كنت اظن انى بالاسلام اعز منى فى الجاهلية فقال عمر دع عنك هذا فقال جبلة اتنصر فقال عمر ان تنصرت ضربت عنقك فقال انظرنى ليلتى هذه فانظره فلما جاء الليل سار جبلة بخيله ورجله الى الشام ثم سار الى القسطنطينية وتبعه خمسمائة رجل من قومه فتنصروا عن آخرهم وفرح هرقل بهم واكرمه ثم ندم جبلة على فعله ذلك وقال

تنصرت الاشراف من عار لطمة .:. وما كان فيها لو صبرت لها ضرر

تكنفنى فيها اللجاج ونخوة .:. وبعت لها العين الصحيحة بالعور

فياليت امى لم تلدنى وليتنى .:. رجعت الى القول الذى قاله عمر

وكان قد مضى رسول عمر الى هرقل وشاهد ما هو فيه جبلة من النعمة فارسل جبلة خمسمائة دينار لحسان بن ثابت واوصلها عمر اليه ومدحه حسان بن ثابت بابيات منها

ان ابن جفنة من بقية معشر .:. لم يغرهم آباؤهم باللوم

لم ينسنى بالشام اذ هو ربها .:. كلا ولا متنصرا بالروم

يعطى الجزيل ولا يراه عنده .:. الا كبعض عطية المذموم

(ثم دخلت سنة سبع عشرة) فيها اختطت الكوفة وتحول سعد اليها (وفى هذه السنة) اعتمر عمر واقام بمكة عشرين ليلة ووسع فى المسجد الحرام وهدم منازل قوم ابوا ان يبيعوها وجعل اثمانها فى بيت المال وتزوج ام كلثوم بنت على بن ابى طالب وامها فاطمة رضى الله عنها (وفى هذه السنة) كانت واقعة المغيرة بن شعبة وهى ان المغيرة كان عمر قد ولاه البصرة وكان فى قبالة العلية التى فيها المغيرة بن شعبة علية فيها اربعة وهم ابو بكرة مولى النبى صلى الله عليه وسلم واخوه لامه زياد بن ابيه ونافع بن كلدة وشبل بن معبد فرفعت الريح الكوة عن العلية فنظروا الى المغيرة وهو على ام جميل بنت الارقم بن عامر بن صعصعة وكانت

لغشی المغیرۃ فکتبوا الی عمر بذلک فعزل المغیرۃ واستقدمہ مع الشھود وولی البصرۃ اباموسی الاشعری فلما قدم الی عمر شھد ابوبکرۃ ونافع وشبل علی المغیرۃ بالزنا ... واما زیاد بن ابیہ فلم یفصح شھادۃ الزنا وکان عمر قد قال قبل ان یشھد اری رجلا ارجو ان لا یفضح اللہ بہ رجلا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال زیاد رأیتہ جالسا بین رجلی امرأۃ ورأیت رجلین مرفوعتین کاذنی حمار ونفسا یعلو واستا تنبو عن ذکر ولا اعرف ماوراء ذلک فقال عمر ھل رأیت المیل فی المکحلۃ قال لا فقال ھل تعرف المرأۃ قال لا ولکن اشبھھا فامر عمر بالثلاثۃ الذین شھدوا بالزنا ان یحد واحد القذف فجلدوا وکان زیادہ اخا ابی بکرۃ لامہ فلم یکلمہ ابوبکرۃ بعدھا (وفیھا) فتح المسلمون الاھواز وکان قد استولی علیھا الھرمزان وکان من عظماء الفرس ثم فتحوا رام ھرمز وتستر وتحصن الھرمزان فی القلعۃ وحاصروہ فطلب الصلح علی حکم عمر فانزل علی ذلک وارسلوا بہ الی عمر ومعہ وفد منھم انس بن مالک والاحنف بن قیس فلما وصلوا بہ الی المدینۃ البسوہ کسوتہ من الدیباج المذھب ووضعوا علی راسہ تاجہ وھو مکلل بالیاقوت لیراہ عمر والمسلمون فطلبوا عمر فلم یجدوہ فسألوا عنہ فقیل جالس فی المسجد فاتوہ وھو نائم فجلسوا دونہ فقال الھرمزان این ھو عمر قالوا ھوذا قال فاین حرسہ وحجابہ قالوا لیس لہ حارس ولا حاجب واستیقظ عمر لجلبۃ الناس فنظر الی الھرمزان وقال الحمد للہ الذی اذل بالاسلام ھذا واشباھہ وامر بنزع ما علیہ فنزعوہ والبسوہ ثوبا صفیقا فقال لہ عمر کیف رایت عاقبۃ الغدر وعاقبۃ امر اللہ فقال الھرمزان انا نحن وایاکم فی الجاھلیۃ لما خلی اللہ بیننا وبینکم غلبناکم ولما کان اللہ الآن معکم غلبتمونا وداربینھما الکلام وطلب الھرمزان ماء فاتی بہ فقال اخاف ان تقتلنی وانا اشرب فقال عمر لاباس علیک حتی تشرب فرمی بالاناء فانکسر فقصد عمر قتلہ فقالت الصحابۃ انک امنتہ بقولک لا باس علیک الی ان تشرب ولم یشرب ذلک الماء وآخر الامر ان الھرمزان اسلم وفرض لہ عمر الفین (ثم دخلت سنۃ ثمانی عشرۃ) فیھا حصل فی المدینۃ والحجاز قحط عظیم

فکتب عمر الی سائر الامصار یستغیثهم فکان ممن قدم علیه ابو عبیدة من الشام باربعة آلاف راحلة من الزاد وقسم عمر ذلك علی المسلمین حتی رخص الطعام بالمدینة ولما اشتد القحط خرج عمر ومعه العباس وجمع الناس واستسقی متشفعا بالعباس فما رجع الناس حتی تدارکت السحب وامطروا واقبل الناس یتمسحون باذیال العباس رضی الله عنه (وفی هذه السنة) اعنی سنة ثمان عشرة کان طاعون عمواس بالشام مات به ابو عبیدة بن الجراح واسمه عامر بن عبد الله بن الجراح الفهری احد العشرة المشهود لهم بالجنة واستخلف ابو عبیدة علی الناس (معاذ) بن جبل الانصاری فمات ایضا بالطاعون واستخلف (عمرو) بن العاص ومات من الناس فی هذا الطاعون خمسة وعشرون الف نفس فطال مکثه شهرا وطمع العدو فی المسلمین واصاب بالبصرة مثله (وفی هذه السنة) سار عمر الی الشام فقسم مواریث الذین ماتوا ثم رجع الی المدینة فی ذی القعدة (ثم دخلت سنة تسع عشرة وسنة عشرین) فیها فتحت مصر والاسکندریة علی ید عمرو بن العاص والزبیر بن العوام فنازلا عین شمس وهو یقرب المطریة وکان بها جمعهم ففتحاها وبعث عمرو بن العاص ابرهة بن الصباح الی الفرماء وضرب عمرو فسطاطه موضع جامع عمرو بمصر الآن واختطت مصر وبنی موضع الفسطاط الجامع المعروف بجامع عمرو بن العاص (ثم) توجه الی الاسکندریة ففتحها عنوة بعد قتال کثیر (وفیها) اعنی سنة عشرین توفی بلال بن رباح موذن رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو مولی ابی بکر الصدیق واسم امه حمامة وهو من مولدی الحبشة اسلم بعد اسلام ابی بکر الصدیق ولم یوذن لعد رسول الله صلی الله علیه وسلم فطلب من ابی بکر ان یرسله الی الجهاد فسأله ابو بکر ان یقیم معه فاقام معه حتی توفی عمر فسأله عمر ذلك فابی بلال وسار الی دمشق واقام بها حتی مات ودفن عند الباب الصغیر (ثم دخلت سنة احدی وعشرین) فیها کانت وقعة نهاوند مع الاعاجم وکان قد اجتمعوا فی مائة وخمسین الفا ومقدمهم الفیرزان فجری بینهم وبین المسلمین حروب کثیرة آخرها ان المسلمین

هزموا الاعاجم وأتبعوهم فقتلوا وهرب الفيرزان مقدام جيش الاعاجم فلما وصل
الى ثنية همدان وجد بغالا محملة عسلا فلم يقدر على المضى فنزل عن فرسه وهرب
فى الجبل فتبعه القعقاع راجلا وقتله فقال المسلمون ان لله جندا من عسل (وفى
هذه السنة) فتحت الدينور والصيمرة وهمدان واصفهان (وفى هذه السنة)
توفى خالد ابن الوليد واختلف فى موضع قبره فقيل بحمص وقيل بالمدينة (ثم
دخلت سنة اثنتين وعشرين) فيها فتحت اذربيجان والرى وجرجان وقزوين
وزنجان وطبرستان (وفيها) سار عمرو بن العاص الى برقة فصالحه اهلها على الجزية
(ثم) سار الى طرابلس الغرب فحاصرها وفتحها عنوة (وفى هذه السنة) غزى
الاحنف بن قيس خراسان وحارب يزدجرد وافتتح هراة عنوة (ثم) سار الى
مرو الروذ وكتب يزدجرد الى ملك الترك يستمده والى ملك الصغد والى
ملك الصين يستمدهما وانهزم يزدجرد الى بلخ ثم سار اليه المسلمون فهزموه
وعبر يزدجرد نهر جيحون (ثم) ان يزدجرد اختلف هو وعسكره فانه اشار
بالمقام مع الترك واشار عسكره بمصالحة المسلمين والدخول فى حكمهم فابى يزد
جرد ذلك فطرده عسكره واخذوا خزانته وسار يزدجرد مع الترك فى
حاشيته واقام بفرغانة زمن عمر كله وبقى عسكره فى اماكنهم وصالحوا المسلمين
(وفيها) توفى ابى بن كعب بن قيس وهو من ولد مالك بن النجار وكان يكنى ابا المنذر
احد كتاب الوحى لرسول الله صلى الله عليه وسلم وهو الذى امر الله تعالى رسوله
عليه الصلوة والسلام ان يقرأ القرآن على ابى بن كعب المذكور وقال رسول الله
صلى الله عليه وسلم اقرأ امتى ابى بعدى وقيل مات فى سنة ثلاثين فى خلافة
عثمان (ثم دخلت سنة ثلاث وعشرين)

ذكر مقتل عمر رضى الله عنه

(وفى هذه السنة) طعن ابو لؤلؤة واسمه فيروز عبد المغيرة
بن شعبة عمر بن الخطاب وهو فى الصلاة بخنجر فى خاصرته وتحت سرته وذلك
لست بقين من ذى الحجة من السنة المذكورة وتوفى يوم السبت سلخ ذى الحجة
ودفن يوم الاحد هلال محرم سنة اربع وعشرين وكانت مدة خلافته عشر سنين

وستة اشهر وثمانية ايام ودفن عند النبي صلى الله عليه وسلم وابي بكر الصديق
رضي الله عنهما وعهد بالخلافة الى النفر الذين مات رسول الله صلى الله
عليه وسلم وهو عنهم راض وهم علي وعثمان وطلحة والزبير وسعد رضي الله
عنهم بعد ان عرضها على عبد الرحمن بن عوف فابى وكان عمر رضي الله عنه طويل
القامة ابيض اصلع اشيب وكان عمره خمساً وخمسين سنة وقيل ستين وقيل ثلاثاً
وستين وكان له من الفضل والزهد والعدل والشفقة على المسلمين القدر الوافر
فمن ذلك انه جاء الى عبد الرحمن بن عوف وهو يصلي في بيته ليلا فقال عبد الرحمن
ما جاء بك يا امير المومنين في هذه الساعة فقال ان رفقة نزلوا في ناحية
السوق خشيت عليهم سراق المدينة فانطلق لنحرسهم فاتيا السوق فقعدا على
نشز من الارض يتحدثان ويحرسانهم وعمر اول من سمي باميرالمومنين واول من
كتب التاريخ وارخ من السنة التي هاجر فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم
واول من عس بالليل واول من نهى عن بيع امهات الاولاد واول من جمع الناس
في صلاة الجنازة على اربع تكبيرات وكانوا قبل ذلك يكبرون اربعا وخمسا وستا
واول من جمع الناس على امام يصلي بهم التراويح في رمضان وكتب بذلك الى
سائر البلدان وامرهم به واول من حمل الدرة وضرب بها ودون الدواوين
وخطب مرة الناس وعليه ازار فيه اثنتي عشرة رقعة وكان مرة في بعض حجاته
فلما مر بضجنان قال لا اله الا الله المعطي ما شاء من شاء كنت ارعى ابل الخطاب
في هذا الوادي في مدرعة صوف وكان فظا يتعبني اذا عملت ويضربني اذا
قصرت وقد اصبحت وليس بيني وبين الله احد وفضائله رضي الله عنه اكثر
من ان تحصر (ثم دخلت سنة اربع وعشرين) فيها عقب موت عمر اجتمع اهل الشورى
وهم علي وعثمان وعبد الرحمن بن عوف وسعد بن ابي وقاص وعبد الله بن عمر رضي الله
عنهم وكان قد شرط عمر ان يكون ابنه عبد الله شريكا في الراي ولا يكون له حظ
في الخلافة وطلحة غائب بينهم وكان قد جعل لهم عمر مدة ثلاثة ايام وقال
لا يمضي اليوم الرابع الا ولكم امير وان اختلفتم فكونوا مع الذي معه عبد الرحمن

ثم مضى علي الى العباس رضي الله عنهما وقال له عدل عنا لان سعدا لا يخالف عبد الرحمن لانه ابن عمه وعبد الرحمن صهر عثمان فلا يختلفون فيوليها احدهم الآخر فقال العباس لم ادفعك عن شئ الا رجعت الي مستاخرا اشرت عليك قبل وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم ان تسأله فيمن يجعل هذا الامر فأبيت وأشرت عليك بعد وفاته ان تعاجل هذا الامر فابيت وأشرت عليك حين سماك عمر في الشورى ان لا تدخل فيهم فابيت وهذا الرهط لا يبرحون يدفعوننا عن هذا الامر حتى يقوم له غيرنا وأيم الله لا يناله الا بشر لا ينفع معه خير (ثم) جمع عبد الرحمن الناس بعد ان اخرج نفسه عن الخلافة فدعا عليا فقال عليك عهد الله وميثاقه لتعملن بكتاب الله وسنة رسوله وسيرة الخليفتين من بعده فقال ارجوان افعل واعمل مبلغ علمي وطاقتي ودعا بعثمان وقال له مثل ما قال لعلي فرفع عبد الرحمن راسه الى سقف المسجد ويده في يد عثمان وقال اللهم اسمع واشهد اللهم اني جعلت ما في رقبتي من ذلك في رقبة عثمان وبايعه فقال علي ليس هذا اول يوم تظاهرتم علينا فيه فصبر جميل والله المستعان على ما تصفون والله ما وليت عثمان الا ليرد الامر اليك والله كل يوم هو في شان فقال عبد الرحمن يا علي لا تجعل على نفسك حجة وسبيلا فخرج علي وهو يقول سيبلغ الكتاب أجله (فقال) المقداد بن الاسود لعبد الرحمن والله لقد تركته يعني عليا وانه من الذين يقضون بالحق وبه يعدلون فقال يا مقداد لقد اجهدت للمسلمين - فقال المقداد اني لاعجب من قريش انهم تركوا رجلا ما أقول ولا اعلم ان رجلا اقضى بالحق ولا اعلم منه فقال عبد الرحمن يا مقداد اتق الله فاني اخاف عليك الفتنة ثم لما احدث عثمان رضي الله عنه ما احدث من توليته الامصار للاحداث من اقاربه روى انه قيل لعبد الرحمن بن عوف هذا كله فعلك فقال لم أظن هذا به لكن لله علي ان لا أكلمه أبدا ومات عبد الرحمن وهو مهاجر لعثمان رضي الله عنهما ودخل عليه عثمان عائدا في مرضه فتحول الى الحائط ولم يكلمه

حضرت ابوبکر کی وفات کا بیان | آپ کی وفاۃ کے سبب میں اختلاف ہے کوئی کہتا ہے

کر یہود نے چاول یا حریرہ میں زہر دے دیا۔ جسے آپ نے کھالیا اور ایک سال کے بعد مر گئے مگر حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ انھوں نے سردی کے زمانہ میں غسل کیا جس سے ۱۵ دن تک تپ آتی رہی تو نماز کے لئے نکلنا موقوف کردیا اور حضرت عمر کو نماز پڑھانے اور خلافہ کرنے کا حکم دیا۔ پھر ۲۲ جمادی الآخرۃ ۱۳ھ کو انتقال کر گئے۔ آپ کی خلافت ۲ سال ۳ ماہ ۱۰ دن اور آپ کی عمر ۶۳ سال ہوئی۔ آپ کی زوجہ اسماء نے غسل دیا اور جس تخت پر حضرت رسولؐ کا جنازہ اُٹھا تھا اُسی پر آپ بھی اُٹھائے گئے۔ مسجد رسولؐ میں قبر اور منبر کے درمیان آپ پر حضرت عمر نے نماز جنازہ پڑھی۔ اور آپ کی وصیت کے مطابق رسولؐ کے پہلو میں قبر کھودی گئی جس میں آپ دفن کردیئے گئے۔ آپکی قامت اچھی۔ دونوں گال پچکے ہوئے چہرے پر رگیں اُبھری ہوئی۔ آنکھیں دھنسی ہوئی۔ پیشانی آگے کو نکلی ہوئی۔ انگلیاں گوشت سے خالی اور پیٹھ آگے یا پیچھے کو دبی (یعنی کبڑ نکلی) ہوئی تھی۔ مہندی اور وسمہ کا خضاب کرتے تھے۔

حضرت عمر بن الخطاب کی خلافۃ کا بیان جس روز حضرت ابوبکر مرے اُسی دن آپکی خلافت کی بیعت کی گئی۔ آپکی پہلی تقریر یہ تھی "اے لوگو! خدا کی قسم تم میں کوئی شخص میرے نزدیک کمزور سے زیادہ مضبوط نہیں یہاں تک کہ میں اس کا حق لے لوں۔ اور مضبوط سے زیادہ کمزور کوئی نہیں یہاں تک کہ اس سے حق لے لوں"۔ پھر پہلا کام آپ نے یہ کیا کہ خالد بن ولید کو افسری سے معزول کرکے انکی جگہ شام کے لشکر کا سردار ابو عبیدہ کو کردیا اور یہ پیغام دونوں کے پاس بھیجدیا۔ آپ ہی نے سب سے پہلے اپنا نام امیر المومنین رکھا۔ حضرت ابوبکر تو خلیفہ رسول اللہ کہے جاتے تھے۔ پھر ابوعبیدہ گئے اور دمشق پر چڑھائی کی۔ ایک طرف سے انھوں نے۔ ایک جانب سے خالد اور ایک سمت سے عمرو عاص نے دمشق کا محاصرہ کرلیا ستر دن محاصرہ کے بعد دمشق زیر ہوگیا اور ابوعبیدہ نے فتح کی خوشخبری حضرت عمر کے ہاں بھیج دی۔ انھیں دنوں میں عراق فتح ہوا۔

۱۴ھ کے محرم میں حضرت عمر نے حکم دیا کہ بصرہ آباد کیا جائے تو اسکی حد بندی کی گئی اور بقولے یہ ۱۶ھ کا واقعہ ہے۔ اور اسی سال حضرت ابوبکر کے والد ابوقحافہ نے ۹۷ سال کی عمر میں حضرت ابوبکر کے بعد انتقال کیا۔

سنہ ۱۵ھ

اس سال دمشق کے بعد بہت دنوں محاصرہ ہونے پر حمص بھی فتح ہوگیا اور رومیوں نے صلح کی درخواست کی تو ابوعبیدہ نے ان سے بھی انہیں شرائط پر صلح کی جن شرطوں پر اہل دمشق نے کی تھی۔ پھر وہاں سے وہ حماۃ کی طرف گئے۔ قاضی جمال الدین بن واصل نے اُس تاریخ میں جس سے ہم نے یہ مضمون نقل کیا لکھا ہے کہ حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کے زمانہ میں یہ مقام حماۃ ایک بڑا شہر تھا۔ انھوں نے کہا ہے کہ میں نے اس کا ذکر حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کے حالات میں کتاب اسفار الملوک میں پایا ہے جو یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ اسی طرح یونان کے زمانہ میں بھی یہ بڑا شہر تھا مگر یہ کہ زمانہ فتوحات میں بلکہ اس کے قبل بھی یہ ایک چھوٹا قصبہ رہ گیا تھا۔ یہ اور شیزر حمص کے مضافات میں تھے اور حمص ان شہروں کا صدر مقام تھا۔ جب ابوعبیدہ حماۃ پہنچے تو وہاں کے رومی صلح کی درخواست لے کر نکلے۔ ابوعبیدہ نے ان سے اس شرط پر صلح کر لی کہ ہر شخص کا جزیہ اور ہر زمین کا خراج دینا ہوگا۔ اور ان کے بڑے گرجا کو مسجد بنادیا جو حماۃ کے بڑے بازار کی مسجد جامع قرار پائی۔ پھر بنی عباس کے خلیفہ مہدی کے زمانہ میں اس مسجد کی مرمت کی گئی۔ اور اس کی ایک لوح پر لکھا گیا کہ اس مسجد کی مرمت مقام حمص کے خراج سے کی گئی ہے۔ وہاں سے ابوعبیدہ شیزر گئے۔ وہاں کے باشندوں نے بھی انہیں شرائط پر صلح کی جو حماۃ والوں کے تھے۔ اسی طرح معرہ والوں نے بھی صلح کر لی۔ پہلے اس کا نام معرہ نعمان بن بشیر انصاری کہا جانے لگا۔ کیونکہ معویہ کی خلافت میں وہ حمص کے ساتھ اسی شخص کے ذمہ کردیا گیا تھا۔ وہاں سے ابوعبیدہ لاذقیہ کی طرف بڑھے اور اس کو زبردستی (قہر و جبر سے) فتح کر لیا۔ اور جبلہ و طرطوس کو بھی لے لیا۔ وہاں سے ابوعبیدہ قنسرین کی طرف بڑھے جو سلطنت حلب کا پایہ تخت تھا اور حلب قنسرین کے مضافات سے تھا۔ جب ابوعبیدہ و خالد بن ولید نے اس پر حملہ کیا تو وہاں رومیوں کی بہت بڑی جمعیت تھی۔ دونوں طرف سخت جنگ ہوئی مگر مسلمان ہی کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد وہاں کے باشندوں نے بھی صلح کی درخواست کی انہیں شرائط پر جو حمص والوں سے طے ہوئے تھے مگر ابوعبیدہ نے اس شرط پر صلح منظور کی کہ وہ شہر تباہ و برباد کردیا جائے چنانچہ وہ برباد کردیا گیا۔ اس کے بعد حلب و انطاکیہ و منبج و دلوک و سرمین و تیزین و عزاز بھی فتح کر لیے گئے اور اس جانب سے شام

حمص فتح ہوا پھر معرہ

پر پورا تسلط ہو گیا۔ یہاں سے خالد دمشق کی طرف بڑھے اسے فتح کر کے اس کے باشندوں کو جلا وطن کر دیا اور اس شہر کو مٹا دیا۔ اور قلعہ حدث کو بھی فتح کر لیا اور اسی سال ۱۵ھ میں جب یہ سب شہر فتح ہو گئے اور کچھ لوگوں نے کہا ہے ۱۶ھ میں ہرقل شام سے مایوس ہو کر رہا سے قسطنطنیہ کی طرف چلا گیا۔ جب جانے لگا تو ایک ٹیلے پر چڑھ کر اور شام کی طرف منہ کر کے کہنے لگا اے شام تجھ پر سلام ہو ایسا سلام کہ پھر ملنا نہیں ہو گا اور تیری طرف اب کوئی رومی نہیں پلٹیگا مگر یہ کہ وہ خوفزدہ ہو گا یہاں تک کہ منحوس بچہ پیدا ہو اور کاش وہ نہ پیدا ہوتا۔ اس کا فعل کتنا مہتم بالشان اور اس کا فتنہ کتنا سخت ہو گا۔ پھر قیساریہ اور صبصطیہ بھی فتح ہو گئے (وہیں حضرت یحییٰ بن زکریا کی قبر ہے) اور نابلس و لد یافا اور یہ سب شہر بھی۔ پھر بیت المقدس پر حملہ ہوا تو مسلمانوں نے اس کا محاصرہ کر لیا جو بہت دنوں تک رہا۔ آخر وہاں کے باشندوں نے ابوعبیدہ سے شام والوں کے شرائط پر درخواست صلح کی اس عنوان سے کہ خود عمر بن الخطاب آکر صلح نامہ لکھیں۔ ابوعبیدہ نے اسکی خبر حضرت عمر کو کی تو وہ حضرت علی کو مدینہ میں اپنی جگہ رکھکر بیت المقدس آئے اور اس کو فتح کیا۔ اور اسی سال یعنی ۱۵ھ میں حضرت عمر نے دفتروں کو وضع کیا اور مسلمانوں کے لئے وظیفے مقرر کئے جس کا پہلے نام و نشان بھی نہ تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ کام ۲۰ھ میں کیا۔ لوگوں نے کہا آپ اپنی ذات سے شروع کریں گر وہ نہ مانے اور حضرت رسولؐ کے چچا جناب عباس سے شروع کیا ان کے لئے ۲۵ ہزار درہم سالانہ مقرر کئے۔ پھر درجہ بدرجہ جو شخص حضرت رسولؐ سے جتنا قریب تھا اوسی مناسبت سے اس کا نام پہلے درج کیا۔ اور بدر میں جو اصحاب شریک تھے ان کے لئے پانچ پانچ ہزار اور شرکاء بدر کے بعد سے صلح حدیبیہ و بیعۃ الرضوان تک شریک ہونے والوں کے لئے چار چار ہزار۔ پھر ان کے بعد والوں کے لئے تین تین ہزار۔ اور اہل قادسیہ و اہل شام کے لئے دو دو ہزار اور جنگ قادسیہ و یرموک سے بعد کے مجاہدین کے لئے ایک ایک ہزار۔ اور ان کے روبیعوں کے لئے پانچ پانچ سو پھر تین تین سو پھر ڈھائی ڈھائی سو مقرر کئے۔

اور اسی سال یعنی ۱۴ھ میں جنگ قادسیہ بھی ہوئی۔ اس میں عجمیوں سے لڑنے کے ذمہ دار سعد بن ابی وقاص مقرر کئے گئے اور عجمیوں کی طرف سے رستم سپہ سالار مقرر ہوا اور اب مسلمانوں اور عجمیوں کے درمیان بہت بڑی جنگ واقع ہوئی جو کئی دن تک ہوتی رہی۔ اول دن کی لڑائی جنگ اغواث دوسرے دن کی جنگ عماس اور رات کی لیلۃ الہریر کے نام سے مشہور ہے کیونکہ اس رات ان لوگوں نے اپنی بات چیت ترک کر دی تھی اور فوجوں کو لڑنے کے لئے ابھار۔ سنے ہی میں پوری رات بسر کر دی۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور دو پہر تک لڑائی ہوتی رہی۔ پھر ایک تیز و تند آندھی آئی جس کا غبار مشرکین کی جانب پڑا اور وہ بے دم ہو گئے اور قعقاع اور انکی فوج والے رستم کے تخت تک پہنچ گئے۔ رستم یہ حال دیکھکر تخت سے اتر کر کچھ خچروں کے سایہ میں چلا آیا تھا جن پر وہ مال لدے ہوئے تھے جو اس کے پاس مصارف جنگ کے لئے کسرے کے ہاں سے بھیجے گئے تھے۔ پھر جب مسلمانوں نے رستم پر حملہ کیا تو وہ بھاگ نکلا مگر ہلال بن علقمہ اس کے پاس پہنچ ہی گئے اور اس کا پاؤں گھسیٹ کر اسے قتل کر ڈالا۔ پھر اس کی لاش لاکر خچروں کے پاؤں میں ڈال دی اور اسکے تخت پر چڑھکر پکارے کہ خدا کی قسم میں نے سردار فوج رستم کو قتل کر دیا۔ یہ سنکر ایرانی بھاگ نکلے۔ انکی پوری شکست ہو گئی۔ مسلمانوں نے دور تک ان کا پیچھا کر کے بے حد و حساب لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ وہاں سے سعد بن ابی وقاص فوج لے کر آگے بڑھے اور دجلہ کے پچھم جانب ایک نہر شیر پر اترے جو مدائن کسری اور اس کے مشہور ایوان کے مقابل تھی۔ یہاں جب مسلمانوں نے ایوان کسرے دیکھا تو تکبیر بلند کی اور کہا یہ کسرے کا سفید محل ہے۔ یہ وہ ہے جس کا خدا و رسولؐ نے وعدہ کیا تھا۔

۱۶ھ پھر ۱۶ھ داخل ہوا۔ سعد نہر شیر پر ماہ صفر کے اوائل تک ٹھہرے رہے۔ پھر دریائے دجلہ کو عبور کیا اور ایرانی مدائن سے حلوان کیطرف بھاگ گئے۔ یزدگرد نے پہلے ہی اپنے حرم اور خاندان شاہی کو حلوان روانہ کر دیا تھا۔ اب خود بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جو کچھ مال و دولت لے سکا ساتھ لیکر وہاں چلا گیا

اور اہل اسلام مدائن میں داخل ہو گئے وہاں جس کو بھی پایا قتل کر دیا۔ اور سفید محل کو اپنی حراست میں لے لیا۔ سعد اُسی میں اُترے ایوان کسرے کو اپنی عبادت گاہ بنائی اور سونے چاندی کے کل مالوں۔ ظرفوں اور لباس کو اپنے قبضہ میں کر لیا جو حد و حساب سے باہر تھے۔ بعض مسلمانوں نے ایک خچر کو پایا جو نہر میں پڑا ہوا تھا جسکے اوپر کسرے کے زیوروں کا انبار رکھا تھا مثلاً اُس کا تاج۔ کمربند۔ زرہیں وغیرہ جو سب جواہرات سے مزین تھے۔ غرض سونے۔ چاندی اور مختلف قسم کے کپڑوں اور قیمتی فرشوں کا اندازہ تعداد اور وہم سے خارج تھا۔ کسرے کا ایک خاص فرش تھا جسکی لمبائی ۶۰ گز اور چوڑائی بھی ۶۰ گز تھی۔ وہ بالکل ایک باغ کی صورت کا بنایا گیا تھا جس میں پھولوں اور شگوفوں کی تصویریں سب کی سب جواہرات سے بنائی گئی تھیں یعنی سونے کی زمین، زمرد کا سبزہ۔ پکھراج کی جدولیں۔ سونے چاندی کے درخت۔ ریشم کے پتے اور جواہرات کے پھل تھے۔ سعد نے اس کو حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا۔ انہوں نے اس کے ٹکڑے کرا کے مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے حضرت علیؓ کو بھی ایک ٹکڑا ملا جسے آپ نے ۲۰ ہزار درہم میں بیچ ڈالا۔ سعد مدائن ہی میں مقیم رہے اور جلولاء کی طرف لشکر روانہ کیا جہاں پر ایرانی جمع ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی اور انھوں نے ایرانیوں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کیا جنکی حد و حساب نہیں (بقول مورخ طبری ایک لاکھ ایرانی جان سے مارے گئے)۔ یہ واقعہ جنگ جلولاء کے نام سے مشہور ہے۔ یزدگرد حلوان میں تھا۔ شکست کی خبر سُنکر اسے بھی چھوڑ دیا اور اس شہر پر بھی مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ پھر اہل اسلام نے تکریت و موصل کو فتح کیا۔ پھر ماسندان کو زبردستی فتح کیا اور اسی طرح قرقیسیا کو۔

اور اسی سال یعنی ۱۶ھ میں جبلہ ابن ایہم حضرت عمرؓ کے پاس آیا مسلمانوں نے اس کو ہاتھوں ہاتھ اُتارا کیونکہ وہ شان و شکوہ سے آیا تھا۔ اس کے ساتھ بہت عمدہ عمدہ کوتل جانور تھے اور اس کے ساتھ والے ریشم و دیبا کے لباسوں سے آراستہ تھے۔ اسی سال حضرت عمرؓ حج کو گئے۔ جبلہ بھی ان کے ساتھ گیا۔ ایک دفعہ وہ طواف کر رہا تھا کہ اس کی چادر کا گوشہ فزارہ کے ایک شخص کے پاؤں کے نیچے دب گیا جبلہ

نے اُس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا جس سے اس کی ناک زخمی ہوگئی۔ اس نے حضرت عمر سے اس کی شکایت کی۔ آپ نے جبلہ کو بلا بھیجا اور کہا ابھی جرمانہ داخل کرو ورنہ میں اس کو حکم دوں گا کہ تم کو بھی طمانچہ مارے۔ جبلہ نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں بادشاہ اور یہ معمولی آدمی۔ حضرت عمر نے کہا اسلام نے تم دونوں کو جمع کیا اور سزا میں بادشاہ اور معمولی آدمی کو برابر کر دیا ہے۔ جبلہ نے کہا میں تو سمجھتا تھا کہ اسلام میں آنے کے بعد میری عزت زمانہ جاہلیت سے بھی زیادہ ہو جائیگی۔ حضرت عمر نے کہا ان باتوں کو چھوڑ دو۔ جبلہ نے کہا تو میں نصرانی ہو جانا چاہتا ہوں۔ حضرت عمر نے کہا ایسا کرو گے تو ابھی گردن اڑا دی جائیگی۔ اُس نے کہا آج رات بھر کی مہلت دیجئے۔ آپ نے اُسے مہلت دے دی۔ رات کو جبلہ اپنے سواروں، پیادوں کے ساتھ شام کی طرف چلا گیا اور وہاں سے قسطنطنیہ کو روانہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس کی قوم کے پانچ سو آدمی بھی چلے گئے جو قسطنطنیہ پہنچکر سب کے سب عیسائی ہو گئے۔ ہرقل کو اس کی بڑی خوشی ہوئی۔ اس نے ان سب کی بہت عزت کی۔ پھر جبلہ اپنے فعل پر نادم ہوا اور اسکے متعلق کچھ اشعار بھی کہے۔ اور حضرت عمر کا قاصد ہرقل کے ہاں گیا تھا وہاں اس نے اُس ناز ونعم کو دیکھا جس میں جبلہ اور اُس کے ساتھی تھے۔ جبلہ نے وہاں سے پانچ سو اشرفیاں حسان بن ثابت کے لئے بھیج دیں تو حسان نے اس کی مدح میں بہت سے اشعار کہہ دیئے۔

۱۷ھ پھر ۱۷ھ داخل ہوا۔ اس میں شہر کوفہ آباد کیا گیا اور سعد اسی میں چلے گئے۔ اسی سال حضرت عمر عمرہ بجا لائے۔ مکہ میں ۲۰ دن رہے۔ مسجد حرام کو وسیع کیا اور ان سب لوگوں کے مکانوں کو منہدم کرا دیا۔ جنہوں نے ان مکانوں کے بیچنے سے انکار کیا تھا۔ اور ان سب کی قیمت بیت المال میں رکھ لی اور حضرت علی و فاطمہ کی صاحبزادی جناب ام کلثوم سے شادی کی۔

واقعہ مغیرہ اسی سال مغیرہ بن شعبہ کا قصہ بھی پیش آیا۔ جس کا واقعہ یہ ہے کہ مغیرہ کو حضرت عمر نے بصرہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔ جس کوٹھے پر مغیرہ رہتے تھے اس کے مقابل ایک اور کوٹھا تھا جس میں چار آدمی رہتے تھے (الف) ابو بکرۃ (ب) اس کا مادری بھائی

زیاد بن ابیہ (ج) نافع بن کلدہ اور (د) شبل ابن معبد۔ ایک روز ہوا تیز چلی تو مغیرہ کے کوٹھے کی کھڑکی کھل گئی۔ ان چاروں آدمیوں نے دیکھا کہ مغیرہ ایک خوبصورت عورت ام جمیل دختر ارقم بن عامر کے اوپر ہیں اور وہ عورت ان کو اپنی ٹانگوں میں لئے ہوئے ہے (یعنی دونوں زنا کر رہے ہیں)۔ ان لوگوں نے اس واقعہ سے حضرت عمر کو مطلع کر دیا۔ انھوں نے مغیرہ کو معزول کر کے گواہوں سمیت مدینہ میں بلا بھیجا۔ اور بصرہ کی حکومت ابو موسےٰ اشعری کے حوالہ کی۔ جب مغیرہ حضرت عمر کے پاس آئے اور بیان لیا گیا تو ابو بکرہ و نافع و شبل نے گواہی دی کہ مغیرہ اس عورت کے ساتھ زنا کر رہے تھے لیکن زیاد ابن ابیہ نے زنا کی صاف صاف گواہی نہیں دی۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ جب وہ گواہی دینے کے لئے کھڑا ہوا تو حضرت عمر نے پہلے ہی کہہ دیا کہ اب میں ایسے شخص کو دیکھ رہا ہوں جس کے بارے میں مجھے امید ہے کہ خدا اس کے ذریعہ سے ایک صحابی رسولؐ کو فضیحت نہیں ہونے دیگا۔ تو زیاد نے اس طرح گواہی دی " میں نے دیکھا کہ مغیرہ ایک عورت کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھے ہیں۔ اور اس عورت کی دونوں ٹانگیں گدہی کے دونوں کانوں کی طرح اٹھی ہوئی ہیں۔ وہ سانس زور سے لیتی ہے اور اسکی دُبران کے ذکر سے اٹھ جاتی ہے اس کے پیچھے کیا ہو رہا تھا اس کو میں نہیں پہچانتا" حضرت عمر نے پوچھا جس طرح سرمہ دانی میں سلائی جاتی ہے اسی طرح اس عورت کی ... میں ان کے ... کو جاتے دیکھا ہے یا نہیں؟ کہا نہیں۔ پوچھا اچھا اس عورت کو پہچانتے ہو؟ کہا نہیں لیکن مجھے اس کے بارے میں شبہہ ہے۔ گواہی ختم ہو گئی تو حضرت عمر نے مغیرہ کو چھوڑ دیا اور ان تینوں گواہوں کو جنہوں نے ان کے زنا کی گواہی دی تھی جھوٹ افتراء کی حد ماری سب کو خوب کوڑے لگائے گئے۔ اور یہ زیاد ابو بکرۃ کا مادری بھائی تھا۔ اس واقعہ کے بعد ابو بکرۃ زندگی بھر اپنے اس بھائی سے بولے تک نہیں۔

اور اسی سال مسلمانوں نے اہواز فتح کیا۔ ایران کے نامی سردار ہرمزان نے اس پر قبضہ کر رکھا تھا۔ پھر رام ہرمز تستر کو فتح کیا اور ہرمزان قلعہ میں پناہ گیر ہو گیا۔ تو مسلمانوں نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ ہرمزان نے اس شرط پر اپنے کو حوالہ کر دیا کہ اُسے مدینہ حضرت عمر کے

پاس بھیج دیا جائے۔ اس کی یہ شرط منظور کی گئی اور وہ انس بن مالک و احنف بن
قیس کے ساتھ حضرت عمر کے ہاں روانہ کر دیا گیا۔ مدینہ پہنچکر اس نے سنہرے ریشم کے
کپڑے پہنے اور وہ تاج سر پر رکھا جس میں یاقوت جڑے ہوئے تھے تاکہ حضرت عمر اور
اہل اسلام اس کی یہ عظمت و شان دیکھیں۔ مدینہ پہنچکر ان لوگوں نے حضرت عمر کو تلاش
کیا مگر وہ نہیں ملے۔ تو ان کو دریافت کیا۔ تب ان لوگوں سے کہا گیا کہ وہ مسجد میں ہیں۔
یہ سب وہاں پہنچے تو وہ مسجد میں سوتے تھے۔ یہ سب ان کے پاس ہی بیٹھ گئے۔
ہرمزان نے گھبرا کر پوچھا وہ عمر کہاں ہیں؟ لوگوں نے بتایا یہی تو ہیں۔ پوچھا ان کے
دربان اور چوکیدار کہاں ہیں۔ کہا گیا نہ کوئی دربان ہے نہ چوکیدار۔ لوگوں کی آواز
سے حضرت عمر جگ گئے تو ہرمزان کو دیکھکر کہا اُس خدا کی حمد ہے جس نے اسلام سے
اس کو ذلیل کیا۔ اور حکم دیا کہ اس کے کل شاہی لباس چھین لئے جائیں اور بھدے
لباس پہنائے جائیں۔ پھر آپ نے ہرمزان سے کہا دیکھا تم نے کہ بدعہدی اور حکم خدا
کا کیا انجام ہوا۔ ہرمزان نے کہا زمانہ جاہلیت میں ہم تم ایسے تھے کہ ہمارے درمیان خدا
حائل تھا تو ہم تم پر غالب رہا کرتے تھے اور اب خدا تمہارے ساتھ ہو گیا تو تم لوگ
ہم پر غالب آ گئے۔ غرض اسی طرح دونوں کے درمیان باتیں ہوتی رہیں۔ اتنے میں ہرمزان
نے پانی مانگا۔ جب پانی آیا تو ہاتھ میں کوزہ لیکر کہا مجھے خوف ہے کہ پانی پینے میں تم مجھے قتل نہ
کر ڈالو۔ حضرت عمر نے کہا تم مطلق خوف نہ کرو۔ جب تک اس کو پی نہ لوگے کسی قسم کے خطرہ
میں نہ ڈالے جاؤ گے۔ اس پر اُس نے وہ کوزہ پھینک دیا۔ وہ ٹوٹ گیا تو حضرت عمر نے
جھلا کر اوس کو قتل کرنا چاہا مگر صحابہ نے کہا آپ ابھی اس کو امان دے چکے ہیں۔ اور اسنے
پانی پیا نہیں تو جب تک وہ پی نہ لے آپ اس کو قتل کیسے کرینگے؟ قصہ مختصر یہ کہ ہرمزان
مسلمان ہو گیا۔ اور حضرت عمر نے دو ہزار اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

۱۸ھ پھر ۱۸ھ داخل ہوا۔ اس سال مدینہ اور حجاز میں سخت قحط پڑا۔ حضرت عمر نے مختلف
شہروں کے حاکموں سے مدد مانگی تو ابو عبیدہ شام سے غلہ کے چار ہزار اونٹ لائے اور
حضرت عمر نے اس کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جس سے مدینہ میں کھانا ارزاں ہو گیا۔
اور جب قحط کی شدت ہوئی تو حضرت عمر اور آنحضرت صلعم کے چچا جناب عباس اور سب

لوگ باہر نکل پڑے اور جناب عباس کی شفاعت سے نماز استسقاء پڑھکر دعا کی۔ ابھی اس سے فارغ ہوکر لوگ اپنے گھر پلٹنے بھی نہ پائے تھے کہ زور شور کا ابر آیا اور بارش ہونے لگی تو سب لوگ جناب عباس کے دامنوں کو بطور تبرک مس کرنے لگے۔

اور اسی سال یعنی سنہ ۱۸ھ میں شام میں وبائے طاعون پھیلی اس میں شام کے گورنر ابو عبیدہ بن جراح نے وفات پائی۔ مرتے وقت معاذ بن جبل کو قائم مقام کرتے گئے یہ بھی طاعون سے مرے تو عمرو عاص کو حاکم شام بنا دیا۔ غرض اس طاعون نے پچیس ہزار مسلمان ختم ہوگئے۔ ایک مہینہ تک یہ وبا شدت پر رہی جس سے دشمنوں کو مسلمانوں کے بارے میں طمع پیدا ہوگئی۔ اور بصرہ میں بھی یہ مصیبت نازل ہوئی۔ اسی سال حضرت عمر شام گئے اور مردوں کی میراث وارثوں کو تقسیم کر کے ذیقعدہ میں مدینہ واپس آ گئے۔

سنہ ۱۹ و ۲۰ھ پھر سنہ ۱۹ و ۲۰ھ داخل ہوا۔ اس میں عمرو بن عاص و زبیر بن عوام کے ہاتھوں پر ملک مصر و اسکندریہ فتح ہوگئے۔ یہ دونوں عین شمس پر جو مطریہ کے قریب ہے حملہ آور ہوئے جہاں انکی بڑی جماعت تھی۔ دونوں نے اس کو فتح کیا۔ اور عمرو عاص نے ابرہتہ بن صباح کو فرما کی طرف روانہ کیا اور اپنا ڈیرا اس جگہ ڈالا جہاں ان دنوں مصر میں مسجد عمرو موجود ہے۔ اور مصر کی حد بندی کی گئی اور عمرو عاص کے ڈیرے پر وہ یادگار مسجد بنائی گئی جو جامع عمرو بن عاص کے نام سے مشہور ہے۔ پھر وہ اسکندریہ کی طرف متوجہ ہوئے تو اس کو بھی سخت اور طویل جنگ کے بعد زبردستی قہر و غلبہ سے فتح کر لیا۔

اور اسی سال (یعنی سنہ ۲۰ھ میں) بلال بن رباح نے جو رسولخدا صلعم کے موذن اور حضرت ابوبکر کے آزاد کردہ غلام تھے انتقال کیا۔ ان کی ماں کا نام حمامتہ تھا۔ اور انکی پیدائش ملک حبشہ میں ہوئی تھی۔ وہ حضرت ابوبکر کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور آنحضرتؐ کے بعد اذان نہیں دی۔ بلکہ حضرت ابوبکر سے درخواست کی کہ ان کو کسی جہاد میں بھیجیں مگر آپ نے کہا میرے ساتھ ہی رہو۔ چنانچہ وہ آپ ہی کے ساتھ رہے یہاں تک کہ حضرت عمر کی خلافۃ شروع ہوئی۔ آپ نے بھی ان سے اپنے

ساتھ رہنے کو کہا مگر اب انہوں نے انکار کیا۔ اور دمشق چلے گئے۔ وہیں مرتے وقت تک رہے اور باب صغیر کے پاس دفن کئے گئے۔

سنہ ۲۱ھ پھر سنہ ۲۱ھ داخل ہوا جس میں عجمیوں سے مشہور جنگ نہاوند ہوئی۔ اس میں ایرانی لشکر کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ ان کا سردار فیرزان تھا۔ دونوں طرف کی فوجوں میں بہت لڑائیاں ہوتی رہیں۔ آخر مسلمانوں نے اس میں بھی ایرانیوں کو شکست دی۔ اور قتل کرکے ان سب کو فنا کر ڈالا۔ سردار فوج فیرزان بھاگ نکلا۔ اور جب ثنیہ ہمدان میں پہنچا تو کچھ خچروں کو پایا۔ جن پر شہد لدا ہوا تھا۔ اب اس سے چلا نہ گیا۔ اپنے گھوڑے سے اترا اور پہاڑ کی طرف بھاگا۔ مگر قعقاع نے پیدل اس کا تعاقب کیا۔ اور پکڑ کر قتل کر دیا جس پر مسلمانوں نے کہا اللہ اکبر اسکے کچھ لشکر شہد میں بھی رہتے ہیں۔ اسی سال دینور و صمیرۃ و ہمدان و اصفہان بھی فتح کرلئے گئے۔ اسی سال خالد بن ولیدؓ نے انتقال کیا۔ انکی جائے دفن کے بارے میں اختلاف ہے کہ حمص میں ہے یا مدینہ میں۔

سنہ ۲۲ھ پھر سنہ ۲۲ھ داخل ہوا۔ اس میں آذربیجان۔ رے۔ جرجان۔ قزوین زنجان اور طبرستان فتح کئے گئے۔ اور اسی سال عمرو بن العاص برقہ کیطرف گئے مگر وہاں والوں نے جزیہ دینا قبول کرلیا جس پر صلح ہو گئی۔ پھر وہ ملک طرابلس الغرب کی طرف بڑھے اس کا محاصرہ کیا اور قہر و غلبہ سے فتح کرلیا۔ اسی سال احنف بن قیس نے خراسان پر حملہ کیا یزدجرد سے جنگ کی اور ہراۃ کو قہر و غلبہ سے فتح کرلیا۔ پھر مرو روز کی طرف گئے تو یزدجرد نے ترک و صغد و ملک چین کے بادشاہوں کی طرف خطوط بھیجکر ان لوگوں سے مدد طلب کی۔ مگر یزدجرد نے بلخ تک شکست کھائی۔ پھر اسکی طرف مسلمان گئے اور اس کو شکست دی اور یزدجرد نہر جیحون پار ہوگیا۔ پھر یزدجرد اور اس کے لشکر کے درمیان اختلاف ہوگیا۔ اس کی رائے تھی کہ ترک کے ساتھ قیام کیا جائے اور اسکے لشکر کی رائے تھی کہ مسلمانوں سے صلح کرکے انکی اطاعت کرلی جائے مگر یزدجرد اس کو نہ مانا تو اس کے لشکر نے اس کو نکال باہر کیا اور اس کا خزانہ بھی چھین لیا تو

یزدجرد ترک کے ساتھ اپنے خاص لوگوں کے ہمراہ چلا گیا اور حضرت عمر کی زندگی تک فرغانہ میں مقیم رہا اور اس کے لشکر والے اپنی جگہوں میں رہے اور مسلمانوں سے صلح کرلی۔

اسی سال ابی بن کعب نے انتقال کیا وہ مالک بن نجار کی اولاد سے تھے۔ ابو منذر کنیت تھی۔ حضرت رسولؐ کی وحی لکھنے کا شرف ان کو بھی تھا۔ یہی وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں خدا نے رسولؐ کو حکم دیا تھا کہ قرآن کو ابی بن کعب پڑھائیں اور حضرت رسولؐ نے فرمایا تھا کہ میرے بعد میری امت میں سب سے اچھی قراءۃ والے ابی ہیں۔ اور کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ یہ ۳۰ھ میں بزمانہ خلافت حضرت عثمان مرے ہیں۔

۲۳ھ

پھر ۲۳ھ داخل ہوا

حضرت عمرؓ کے قتل کا بیان

اسی سال ابولؤلؤۃ نے جس کا نام فیروز اور جو مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا حضرت عمر پر نماز میں ایک خنجر سے حملہ کیا جس سے آپکی کمر اور زیر ناف کا مقام زخمی ہوا۔ یہ واقعہ ۲۴ ذی الحجہ ۲۳ھ کا ہے اور ذی الحجہ کی آخری تاریخ میں بروز شنبہ آپ نے رحلت کی اور اتوار کے دن یکم محرم ۲۴ھ کو آپ دفن کئے گئے۔ آپ کی خلافت دس سال چھ ماہ اور ۸ دن تک رہی۔ حضرت رسولخدا صلعم و حضرت ابوبکر صدیق کے پاس دفن کئے گئے۔ اور خلافت کا عہد اُن لوگوں کے ذمہ کر گئے جن سے حضرت رسولخدا صلعم اپنے انتقال کے وقت راضی تھے یعنی حضرت علیؑ و عثمان و طلحہ و زبیر و سعدؓ بعد اس کے کہ اس کو عبدالرحمن بن عوف پر پیش کیا اور اونھوں نے انکار کردیا تھا۔

حضرت عمر لمبے قد، گورے رنگ، گنجے اور سفید بال والے تھے۔ آپکی عمر ۵۵ یا ۶۰ یا ۶۳ سال کی تھی۔ آپ کو فضل و زہد و عدل و شفقۃ بر مسلمین سے کافی حصہ ملا تھا۔ اسی سے یہ بھی ہے کہ آپ عبدالرحمن بن عوف کے ہاں گئے۔ وہ اس وقت اپنے گھر میں رات کو نماز پڑھتے تھے۔ عبدالرحمن نے کہا اے امیرالمومنین آپ کے اس وقت آنے کا کیا سبب ہوا؟ آپ نے کہا کچھ مسافر بازار کے کنارے اُترے ہیں۔ مجھے انکے

بارے میں مدینہ کے چوروں کا خوف ہے ۔ چلو ان کی حفاظت کریں ۔ غرض دونوں بازار گئے ایک ٹیلہ پر بیٹھ گئے اور آپس میں باتیں اور انکی حفاظت کرتے رہے اور حضرت عمر پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا ۔ اور اول وہ شخص ہیں جنہوں نے تاریخ لکھی اور اس سال سے تاریخ کا حساب رکھا جس سال حضرت رسول خدا صلعم نے ہجرت کی تھی ۔ اور پہلے وہ شخص ہیں جو رات کو بدمعاشوں کی تلاش میں پھرا کرتے رہے ۔ اور اول وہ شخص ہیں جنہوں نے امہات اولاد (بچہ والی لونڈیوں) کے بیچنے سے منع کیا ۔ اور پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کو نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر جمع کیا ۔ اس سے پہلے لوگ چار اور پانچ اور چھ تکبیریں کہتے تھے ۔ اور پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کو ایک امام پر جمع کیا جو ان لوگوں کو ماہ رمضان میں تراویح پڑھاتا تھا ۔ آپ نے اس کا حکم نامہ تمام شہروں کی طرف لکھ بھیجا اور وہاں سب کو اس کی پابندی کرنے کا حکم دیا ۔ اور آپ پہلے وہ ہیں جنہوں نے دُرّہ (کوڑا) اٹھایا اور اس سے لوگوں کو مارا ۔ اور دیوانوں (دفتروں) کو مرتب کیا ۔ اور ایک دفعہ لوگوں کو اس طرح خطبہ دیا کہ آپ کے اوپر صرف ایک چادر تھی جس میں بارہ پیوند لگے تھے ۔ اور ایک دفعہ حج کو گئے جب ضجنان سے گزرے تو کہا اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں جس کو جس قدر چاہتا ہے دیتا ہے ۔ ایک زمانہ تھا کہ میں اس وادی میں خطاب کے اونٹوں کو اونکا صرف ایک کُرتا پہنے چرایا کرتا تھا ۔ وہ (خطاب) بڑا سخت دل تھا ۔ جب میں پورا کام کرتا تھا تو مجھ پر رعب جماتا تھا اور جب کچھ کمی کرتا تھا تو مجھے پیٹتا تھا ۔ اور اب میں ایسے حال میں ہو گیا کہ میرے اوپر خدا کے سوائے کسی کی بھی حکومت نہیں ہے ۔ حضرت رضی اللہ عنہ کے اور فضائل اس سے زیادہ ہیں کہ ان کا حصر کیا جائے ۔

سنہ ۲۴ھ پھر سنہ ۲۴ھ داخل ہوا ۔ اس میں حضرت عمر کی وفات کے بعد اہل شوریٰ کا جلسہ ہوا جو حضرت علیؓ و عثمان و عبدالرحمن بن عوف و سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم تھے ۔ حضرت عمر نے یہ شرط کر دی تھی کہ ان کے بیٹے عبداللہ رائے مشورہ میں شریک رہیں مگر خلافت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہو ۔ ان لوگوں کے درمیان

انتخاب خلیفہ کے متعلق باتیں بہت بڑھ گئیں۔ حضرت عمر نے اس کام کے لئے صرف تین دن مقرر کئے تھے اور کہا تھا جو تھا دن گزرنے نہ پائے مگر یہ کہ کوئی شخص خلیفہ ضرور ہو جائے۔ اگر تم لوگوں میں اختلاف ہو تو اس شخص کا ساتھ دینا جس کی طرف عبدالرحمن ہوں۔ یہ سن کر حضرت علیؑ جناب عباس کی طرف گئے اور کہا اس دفعہ بھی ہم چھانٹ دیئے گئے۔ اس لئے کہ سعد تو عبدالرحمن کے خلاف ہو نہیں سکتے۔ کیونکہ وہ ان کے چچا زاد بھائی ہیں اور عبدالرحمان حضرت عثمان کے داماد ٹھہرے۔ یہ لوگ آپس میں اختلاف کر نہیں سکتے۔ غرض انہیں سے ایک شخص دوسرے کو خلیفہ بنا دے گا۔ جناب عباس نے کہا میں نے تم کو کسی امر سے نہیں روکا مگر یہ کہ تم دیر کر کے میری طرف پلٹے۔ میں نے تم کو وفات رسولؐ سے پہلے رائے دی تھی کہ حضرتؐ سے پوچھ لو یہ امر کس شخص کے متعلق رہیگا۔ مگر تم نے انکار کیا۔ اور حضرتؐ کی وفات کے بعد میں نے مشورہ دیا کہ خلافت پر قبضہ رکھنے میں جلدی کرو تب بھی تم نے انکار کیا۔ اور جب تم کو عمر نے شورے میں رکھا تب بھی میں نے کہدیا تھا کہ تم اس کمیٹی میں نہ رہنا مگر تم نے انکار کیا۔ یہ وہ پارٹی ہے جو ہمیشہ ہم لوگوں کو اس حق سے ہٹاتی ہی رہی یہاں تک کہ اس کو ہمارا غیر اڑھا لیتا ہے۔ اور خدا کی قسم اس دفعہ بھی اس (خلافۃ) کو وہی شخص لے لیگا جس کے ساتھ کوئی بھلائی نفع نہیں دیگی۔ اسکے بعد عبدالرحمن بن عوف نے اپنے کو امیدواران خلافت سے الگ کر کے باقی لوگوں کو جمع کیا۔ پھر حضرت علیؑ کو بلا کر کہا تم خدا سے عہد و پیمان کرو کہ کتاب خدا، سنت رسولؐ اور خلیفہ اول و خلیفہ دوم کی سیرۃ پر عمل کرو گے۔ حضرتؑ نے جواب دیا مجھے امید ہے کہ میں ایسا کروں گا اور اپنے علم و طاقت کے مطابق عمل کروں گا۔ اس کے بعد عبدالرحمن نے حضرت عثمان کو بلا کر وہی کہا جو حضرت علیؑ سے کہا تھا۔ پھر عبدالرحمن نے اپنا سر مسجد کی چھت کی طرف بلند کر کے اور حضرت عثمان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر کہا اے اللہ تو سن اور گواہ رہ۔ اے اللہ میں نے اس بوجھ کو جو میری گردن پر تھا عثمان کی گردن پر ڈالدیا۔ اور فوراً حضرت عثمان کی بیعت کر لی۔ حضرت علیؑ نے کہا یہ پہلا دن نہیں ہے جس روز تم لوگوں نے ہمارے خلاف ایکا کیا ہے فصبر جمیل واللہ المستعان۔ اب بھی صبر ہی بہتر ہے۔ اور اللہ ہی سے ہر صبر میں اعانت کی درخواست ہے۔ خدا کی قسم تم نے

عثمان کو خلیفہ نہیں بنایا مگر اس لئے کہ وہ اس حکومت کو تمہیں پلٹا دیں۔ عبد الرحمن نے کہا اے علی تم اپنے نفس پر کوئی حجۃ اور سبیل نہ قرار دو۔ اس پر حضرت علیؑ وہاں سے نکل گئے اور فرماتے گئے یقیناً کتاب اپنی مدت پر پہنچکر رہے گی۔ اس کے بعد جناب مقداد بن اسود نے عبد الرحمن بن عوف سے کہا خدا کی قسم تم نے ان (حضرت علیؑ) کو ترک کر دیا حالانکہ وہ ان لوگوں سے ہیں جو حق کے مطابق فیصلہ اور اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ تو عبد الرحمن نے کہا اے مقداد میں نے مسلمانوں کی بھلائی کرنے کی کوشش کی ہے۔ تب مقداد نے کہا مجھے قریش پر سخت حیرت ہوتی ہے کہ انھوں نے اس بزرگ کو کیسے چھوڑ دیا جس کے بارے میں میرا دعوے اور علم ہے کہ ان سے زیادہ حق کے مطابق فیصلہ کرنے والا اور ان سے زیادہ علم رکھنے والا کوئی بھی نہیں ہے۔ عبد الرحمن نے کہا اے مقداد اللہ سے ڈرو کیونکہ مجھے خوف ہے تم کسی فتنہ میں نہ پڑجاؤ۔ پھر جب حضرت عثمان نے خلاف عہد و پیان بہت سے کام کر ڈالے۔ مثلاً بڑے بڑے شہروں کی حکومت اپنے رشتہ کے ناتجربہ کار لوگوں کے حوالہ کر دی تو عبد الرحمن سے کہا گیا (ع۔ اے باد صبا ایں ہمہ آوردہ تست) ان سب کے بانی آپ ہی ہیں۔ تو انھوں نے جواب دیا مجھے اُس وقت تو ان سے ان باتوں کا گمان بھی نہ تھا۔ لیکن اب میں خدا سے عہد کرتا ہوں کہ عثمان سے کبھی بھی نہ بولوں گا۔ واقعاً عبد الرحمن مرتے وقت تک حضرت عثمان سے ناراض ہی رہے۔ ان کے مرض موت میں حضرت عثمان عیادت کے لئے ان کے پاس گئے بھی تو انھوں نے اپنا منہ دیوار کی طرف پھیر لیا اور ان سے کچھ بھی نہ بولے (اصل عربی عبارت تاریخ ابو الفدا مطبوعہ مصر جلد ا ص ۱۵۸ سے ص ۱۶۶ تک ہے)۔ تاریخ ابو الفدا درحقیقت مشہور تاریخ اسلام یعنی تاریخ کامل ابن اثیر جزری کا خلاصہ ہے اور تاریخ کامل تقریباً تاریخ طبری کی نقل ہے۔ اس وجہ سے مذکورہ بالا عبارت کو انہیں دونوں تاریخوں کی عبارتوں کا خلاصہ سمجھنا چاہئے بس جس واقعہ کی جزئیات کو تفصیل سے بیان کر کے بڑی تاریخوں میں طول دیا گیا ہے انہیں امور کو علامہ ابو الفدا نے مختصر کر کے ذکر کر دیا ہے۔ پھر بھی جو ضروری چیزیں عبارت بالا میں درج ہونے سے رہ گئی ہیں کوشش کیجائیگی کہ ان سب کو دوسری کتابوں سے بھی آئندہ صفحات میں ذکر کر دیا جائے تاکہ یہ سوانحمری انشاء اللہ ہر طرح مکمل اور ممدوح کے حالات کا سچا آئینہ ہوجائے۔

دوسری فصل

آپکی خلافت سے مسلمانوں کی پریشانی

یہ عجیب امر ہے کہ حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو خلیفہ بنایا تو تمام اہل اسلام کو اس درجہ ناپسند ہوا کہ وہ سب تڑپ اٹھے۔ تاریخ کے کل اوراق الٹ جاؤ تم کو کسی خلیفہ کے مقرر ہونے پر (خواہ وہ خلفاء راشدین سے ہو یا خلفاء بنی امیہ یا بنی عباس یا خلفاء قسطنطنیہ کے عثمانی خاندان سے) اہل اسلام کا وہ اضطراب نہیں ملے گا جو آپ کے متعلق ظاہر ہوا۔ صرف چند روایتیں بطور نمونہ ذکر کی جاتی ہیں۔ دخل طلحۃ علی ابی بکر فقال استخلفت علی الناس عمر وقد رأیت ما یلقی الناس منه وانت معه۔ فکیف به اذا خلا بهم وانت لاق ربك فسائلك عن رعیتك۔ طلحہ نے (جو عشرہ مبشرہ سے تھے) حضرت ابو بکر سے کہا تم نے عمر کو لوگوں کا حاکم اور اپنا خلیفہ بنا دیا؟ حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ جب تم موجود تھے تب مسلمانوں نے ان سے کیا کیا مصیبتیں جھیلیں۔ پھر جب تم اپنے پروردگار کے پاس جاتے ہو اور ان کو میدان خالی ملتا ہے تو وہ کیا کچھ نہ کریں گے؟ خدا تم سے تمہاری رعیت کے بارے میں ضرور ہی سوال کرے گا (طبری جلد ۴ ص ۵۲)

یہ تو صرف طلحہ کا بیان واضح ہوا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ کا نام سن کر مسلمانوں کی کل متعدد جماعتیں خواہ وہ مہاجرین ہوں یا انصار بے چین ہو گئی تھیں اور ان لوگوں نے اس پر صبر کرنا گوارا نہیں کیا۔ بلکہ فریادیں کیں۔ استغاثے بلند کئے۔ حضرت ابو بکر کو خدا اور روز قیامت کی بازپرس سے بہت ڈرایا اور اس کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا کہ کسی طرح آپ اس جگہ پر نہ معین کئے جائیں۔ مندرجہ ذیل روایت سے اس انتشار کا کچھ پتا چلتا ہے دخل علیه المهاجرون والانصار حین بلغهم انه استخلف عمر فقالوا انك استخلفت علینا عمر وقد عرفته وعلمت بوائقه فینا وانت بین اظهرنا۔ فکیف اذا ولیت عنا وانت لاق الله فسائلك فما انت قائل۔ مہاجرین و انصار کو جب خبر ملی کہ حضرت عمر خلیفہ بنا دیئے گئے تو وہ سب کے سب دوڑے

ہوئے حضرت ابوبکر کے ہاں آئے اور فریاد کرنے لگے ۔ کہا ہم دیکھتے ہیں کہ تم نے ہمارے اوپر عمر کو خلیفہ مقرر کر دیا ہے حالانکہ تم ان کو خوب پہچانتے ہو اور اُن کے اُن سب بوائق (فتنے ۔ فساد ۔ ظلم وستم ۔ اذیات ۔ سفاکی وغیرہ) سے بھی اچھی طرح واقف ہو جو تمہارے زمانہ میں وہ کرتے تھے ۔ پھر جب تم ان کو خلیفہ بنا کر چلے جاؤ گے تو وہ کیا کچھ نہیں کر ڈالیں گے ؟ تم اللہ سے ملو گے اور وہ تم سے اس کی باز پرس کریگا تو اُس کو کیا جواب دو گے ؟ (کتاب الامامۃ والسیاستہ ص۳۲) مگر حضرت ابوبکر پر ان استغاثوں کا کوئی اثر نہیں ہوا ۔ اور ہوتا بھی کیونکر ۔ انھوں نے نہایت دلیری سے اپنی کارروائی کی مدح وثنا کے پل باندھ دیئے اور دکھا دیا کہ آپ اپنی ذاتی رائے کے مقابلہ میں تمام مہاجرین والانصار کی رایوں کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے ۔ اس طرح اجماع کے زور۔ اس کی حقیقت اور اسکی حجیت کو اپنی چٹکیوں سے اُڑا دیتے ہیں ۔ اور دنیا کو دکھا دیتے ہیں کہ خلافت اولےٰ وثانیہ کے متعلق اجماع کا دعوےٰ آج تک شرمندۂ دلیل نہیں ہوسکا پہلی خلافت صرف حضرت عمر کی بیعت سے مسلّم ہوگئی ۔ اور اُسکے جواب یا معاوضہ میں دوسری خلافت بھی صرف حضرت ابوبکر کی ذاتی اور شخصی تمنا اور آرزو سے مسلمانوں پر مسلط کر دی گئی اجماع کی تاویل بس مضحکہ ہی مضحکہ ہے ۔ یہ وہ لفظ ہے جس کا عملی دنیا میں کوئی معنی ہی نہیں ہے !!!

فقال طلحۃ والزبیر ما کنت قائلاً لربک اذا ولیتہ مع غلظتہ وفی روایۃ قال طلحۃ اولی علینا فظا غلیظا ۔ ما تقول لربک اذا لقیتہ ۔ فقال ابوبکر ساندونی فاجلسوہ فقال اباللہ تخوفنی اقول استعملت علیھم خیرا ھلک ۔ طلحہ وزبیر نے حضرت ابوبکر سے کہا جب تم عمر کو ہم پر باوجود ان کی غلظت (سخت مزاجی ۔ تندی ۔ بد اخلاقی وغیرہ) کے خلیفہ مقرر کرتے ہو تو اپنے پروردگار کو کیا جواب دو گے ؟ اور دوسری روایت میں ہے کہ طلحہ نے کہا کیا تم ہم پر فظ غلیظ کو خلیفہ بناتے ہو ؟ لہ جب تم اپنے

لہ فظ سخت گو سخت مزاج ۔ غلیظ درشت خو ۔ اکھڑ ۔ کھرا ۔ (انوار اللغۃ) دونوں میں مزاج کی برائی اور سختی شامل ہے ۔ خدا نے حضرت رسولخدا صلعم کو خاص طور پر اس عیب سے بچایا تھا بلکہ اس نے اس برائی کو اس درجہ قابل نفرت سمجھا ہے کہ قرآن مجید میں فرمایا تھا

پروردگار سے ملوگے تو اُس کو کیا جواب دوگے؟ اس پر حضرت ابو بکر نے اپنے لوگوں سے کہا تم لوگ ذرہ مجھے سہارا تو لگا دینا۔ لوگوں نے ان کو بٹھایا تو کہا کیا تم مجھ کو خدا سے ڈراتے ہو؟ جاؤ۔ میں خدا کو جواب دے دوں گا کہ میں نے اس شخص کو ان کا حاکم بنا دیا جو تیرے اہل میں سب سے اچھا تھا (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۲۶۹)۔ خدا کو ہادیانِ دین و پیشوایانِ مذہب کی خوش خلقی۔ نرم مزاجی۔ تواضع و انکسار اس درجہ مطلوب تھی کہ حضرت سید المرسلین ایسے رحمۃ للعالمین کو بھی بار بار اس کی تاکید فرماتا رہا کہ مزاج میں تعلّی نہ آنے دینا بلکہ واخفض جناحک للمومنین ان مسلمانوں سے (اگرچہ وہ غریب ہوں) جھک کر ملا کرو (پارہ ۱۴- ع ۶) واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین فان عصوک فقل انی بریٔ مما تعملون وتوکل علی العزیز الرحیم الذی یراک حین تقوم۔ اے رسولؐ جو مومنین تمہارے پیرو ہو گئے ہیں اُنکے سامنے اپنا بازو جھکاؤ (تواضع کرو) پھر بھی اگر لوگ تمہاری نافرمانی کریں تو تم صاف صاف کہہ دو کہ میں تمہارے کرتوتوں سے بری الذمہ ہوں اور تم اُس خدا پر جو سب سے غالب اور بڑا مہربان ہے بھروسا رکھو کہ جب تم نماز تہجد میں کھڑے ہوتے ہو تمہیں دیکھتا ہے (پ۱۹ ع ۱۵)۔ اس قسم کی آیتیں بے حد و حساب ہیں۔ حضرت رسولؐ کی

(بقیہ حاشیہ ص۲۹۹) رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک۔ اے پیغمبر یہ بھی اللہ کا بڑا ہی فضل ہے کہ تم ان لوگوں کو نرم دل پیشوا ملے ہو۔ اگر تم مزاج کے اکھڑ اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ کبھی کے تمہارے پاس سے تتر بتر ہو گئے ہوتے۔ ایک بھی تمہارے گرد نہ پھٹکتا (قرآن مجید پ ۴ ع ۸)۔ یہ عجیب امر ہے کہ جن عیوب سے خدا نے آنحضرتؐ کو بچایا ہے اونھیں برائیوں کو حضرت عمر میں بیان کر کے صحابہ کرام آپکی خلافت سے اختلاف کرتے تھے لیکن حضرت ابو بکر ان عذروں کو کیونکر قبول کرتے۔ اور جب ابتدا اسلام سے آپ نے ممدوح کے مقابلہ میں کسی کو کوئی چیز نہیں سمجھا تو اب کون طاقت آپ کا خیال بدل سکتی تھی۔ اور اگر آپ اسکے خلاف چاہتے بھی تو حضرت عمر آپ کو کامیاب کیونکر ہونے دیتے ۱۲

احادیث میں بھی بڑا ذخیرہ اس امر کا ہے کہ عامۂ مسلمین تک کو خوش خلق اور نرم دل ہونا چاہیئے۔ چہ جائے کہ وہ لوگ جو اُن کے پیشوا مانے جائیں کہ اُن کا ان صفات میں دوسروں کے لئے نمونہ ہونا ضروری ہے۔ اگر ایک دو صحابی حضرت عمر کے متعلق ان خرابیوں کی شکایت کرتے تو اُن کا قول لاپروائی سے ٹال دیا جاتا لیکن مہاجرین و انصار سب کا اک زبان ہو کر شکایت کرنا ضرور قابل توجہ تھا۔

تیسری فصل

حضرت عمر کا خطبہ پڑھنا اور حضرت امام حسینؑ کا کہنا کہ میرے باپ کی جگہ سے اُتر آیئے

علامہ ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے وقع للحسین نحو ذلک مع عمر وھو علی المنبر فقال له منبر ابیک واللہ لا منبر ابی۔ ایسا ہی واقعہ[1] امام حسینؑ کا بھی ہے کہ جب حضرت عمر

---

[1] یہ اشارہ اس طرف ہے کہ پہلے یہ بات حضرت امام حسنؑ حضرت ابوبکر سے کہہ چکے تھے امام دارقطنی نے لکھا ہے کہ حضرت امام حسنؑ جناب ابوبکر کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ حضرت رسولؐ کے منبر پر بیٹھے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ میرے باپ کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ اس سے آپ اُتر آیئے۔ حضرت ابوبکر بولے سچ کہا آپ نے خدا کی قسم یہ آپ کے باپ ہی کی جگہ ہے۔ پھر آپ کو گود میں بٹھا کر رونے لگے (صواعق محرقہ ص۱۰۵ و تاریخ الخلفاء ص۵۵ و ریاض نضرہ ص۱۳۸ و تاریخ خطیب و نہایۃ العقول فخر رازی وغیرہ)۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت امام حسنؑ تک کو جو اُس وقت دس سال کے تھے معلوم تھا کہ حضرت رسولؐ کا منبر حضرت ابوبکر کے نہیں بلکہ حضرت علیؑ کے بیٹھنے کی جگہ اور حضرتؑ ہی کا حق ہے۔ اس وجہ سے اُن پر اعتراض کیا اور اس پر سے اُتر آنے کی تاکید کی۔ اس کے جواب میں حضرت ابوبکر نے قسم کھا کر کہا کہ بے شک یہ آپ کے باپ ہی کی جگہ ہے۔ یہاں ایک مشکل امر پیدا ہوتا ہے کہ اگر خلافت حضرت علیؑ کا حق نہیں تھا تو حضرت امام حسنؑ نے کیوں فرمایا اور حضرت ابوبکر نے بھی کیوں قسم کھا کر کہا کہ یہ آپ کے باپ ہی کے بیٹھنے کی جگہ ہے؟

منبر پر تھے تو کہا میرے باپ کے منبر سے اُتر آئیے۔ حضرت عمر نے جواب دیا بلا شک آپ کے باپ ہی کا منبر ہے اور خدا کی قسم میرے باپ کا منبر نہیں ہے (صواعق محرقہ ص۱۰۵) اور علامہ ابن حجر عسقلانی وغیرہ نے لکھا ہے حدثنی الحسینؑ بن علیؑ قال اتیت عمر وھو یخطب علی المنبر فصعدت الیہ۔ فقلت انزل عن منبر ابی واذھب الی منبر ابیک۔ فقال عمر لم یکن لابی منبر۔ واخذنی فاجلسنی معہ۔ فلما نزل انطلق بی الی منزلہ فقال لی من علمک۔ قلت واللہ ما علمنی احد۔ قال بابی لوجعلت تغشانا۔ قال فاتیتہ یوما وھو خال بمعویۃ وابن عمر بالباب۔ فرجع ابن عمر فرجعت معہ فلقینی بعد فقال لی لم ارک۔ قال انی جئت وانت خال بمعویۃ فرجعت مع ابن عمر۔ فقال انت احق من ابن عمر فانما انبت ما ترے فی رؤسنا اللہ ثم انتم۔ حضرت امام حسینؑ بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں حضرت عمر کے ہاں گیا۔ دیکھا وہ منبر پر خطبہ دے رہے ہیں تو میں بھی منبر پر چڑھ گیا اور ان سے کہا میرے باپ کے منبر سے اُتر آیئے اور اُس منبر پر جا کر بیٹھئے جو آپ کے باپ کا ہو۔ حضرت عمر نے کہا میرے باپ کا تو کوئی بھی منبر نہیں ہے !!! یہ کہکر وہیں مجھے بھی بٹھا لیا اور جب اس سے اُترے تو مجھے بھی اپنے ساتھ گھر لیتے گئے۔ وہاں پہنچکر مجھ سے پوچھنے لگے

(بقیہ حاشیہ ص۲۰۱) ظاہر ہے کہ وہ منبر رسولخدا صلعم کا تھا حضرت علیؑ کا نہیں تھا پس اگر حضرت صلعم کے بعد حقیت خلافت کے ذریعہ سے وہ جگہ حضرت علیؑ کے بیٹھنے کی نہیں ہو گئی تھی تو حضرت ابوبکر کی یہ قسم کیسی تھی؟ کیا اس سے حضرت علیؑ کی اُس شکایت کی تائید نہیں ہوتی جس کو امام مسلم تک نے لکھا ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا ولکنک استبددت علینا بالامر وکنا نحن نرے لنا حقا۔ تم نے ہم لوگوں کو الگ کرکے اپنی رائے سے اکیلے خلافت پر قبضہ کر لیا حالانکہ خلافت ہمارا حق تھا (صحیح مسلم جلد ۲ ص۹۱)۔ اور علامہ طبری نے لکھا ہے نرے ان لنا فی ھذا الامر حقا فاستبددتم به علینا ثم ذکر قرابته من رسول اللہ وحقھم فلم یزل علی یقول ذلک حتے بکے ابوبکر۔ حضرت علیؑ نے حضرت اول سے فرمایا کہ اس خلافت کو ہم لوگ اپنا حق سمجھتے

کیوں بھائی یہ بات آپ کو کس نے سکھائی تھی؟ میں نے کہا خدا کی قسم کسی نے بھی نہیں (بلکہ میں نے اپنے دل سے کہی تھی)۔ تب حضرت عمر بولے میرا باپ آپ پر فدا ہو جائے آپ کبھی کبھی میرے ہاں آیا کریں۔ اس پر میں ایک دن ان کے ہاں گیا مگر معلوم ہوا کہ معویہ ان کے پاس ہیں اور وہ دونوں تخلیہ میں کچھ کر رہے ہیں۔ حضرت عمر کے بیٹے دروازے پر ہیں۔ وہ بھی اندر نہیں جا سکے بلکہ پلٹ آئے۔ تو میں بھی پلٹ آیا۔ اس کے کچھ دنوں بعد حضرت عمر مجھ سے ملے تو کہا آپ میرے ہاں آئے نہیں؟ میں نے کہا میں آیا تو تھا مگر آپ اور معویہ تنہائی میں کچھ کر رہے تھے تو میں بھی عبداللہ ابن عمر کے ساتھ واپس گیا۔ حضرت عمر نے کہا میرے لڑکے سے زیادہ آپ کا حق مجھ پر ہے کیونکہ ہم لوگوں کے سروں کا ایک ایک بال تک صرف خدا کے فضل اور آپ کے طفیل ہی میں پیدا ہوا ہے (اصابہ جلد ۲ ص۱۵۔ و تہذیب الکمال و کنز العمال جلد ۷ ص۱۰۵ و ازالۃ الخفا جلد ۲ ص۸۰) حضرت عمر نے اس قول میں اعتراف کیا کہ گویا ان کی خلقت۔ ان کا گوشت پوست اور ہر نعمت ان حضرات ہی کی طفیل میں ملی ہے

(بقیہ حاشیہ ص۳۰۲) تھے مگر تم لوگوں نے ہم کو الگ کر کے خود ہی اس پر قبضہ کر لیا۔ پھر حضرت نے رسول خدا صلعم سے اپنی قرابت بیان کی اور اپنے حقوق ذکر کئے۔ حضرت برابر یہ بیان کرتے ہی رہے یہاں تک کہ حضرت ابوبکر رونے لگے (طبری جلد ۳ ص۲۰۲)

لہ اسی کے قریب حضرت رسول خدا کے مشہور صحابی ابوہریرہ نے بھی کہا تھا۔ علامہ طبری وغیرہ نے لکھا ہے عن ابی المہزم قال کنا مع ابی هريرة فی جنازة فلما رجعنا اعيا الحسين فقعد فجعل ابوهريرة ينفض التراب عن قدميه بثوبه فقال له الحسين انت يا ابا هريرة تفعل هذا - قال دعنی فوالله لو یعلم الناس منک ما اعلم لحملوک علی عواتقهم

ابو المہزم بیان کرتے تھے کہ ایک جنازہ میں ابوہریرہ کے ساتھ میں بھی تھا جب دفن کر کے سب پلٹے تو حضرت امام حسینؑ چڑھائی کی وجہ سے تھک گئے تھے۔ یہ دیکھ کر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرتؑ کے دونوں پاؤں اپنے کپڑوں سے جھاڑنے لگے۔ تو امام حسینؑ نے فرمایا اے ابوہریرہ تم یہ کیا کر رہے ہو۔ انھوں نے جواب دیا۔ مجھے ایسا ہی کرنے دیجئے کیونکہ آپ کے جو فضائل مجھے معلوم ہیں اگر وہ سب دوسرے لوگوں کو بھی معلوم ہو جائیں تو وہ لوگ آپ کو اپنے کاندھوں پر سوار کر کے لے جایا کریں (تاریخ طبری جلد ۳ ص۱۵)

چوتھی فصل

کیا حضرت ابوبکر و عمر کی خلافت جمہوری تھی؟

زمانہ حال کے نامور مصنف مولوی شبلی صاحب نعمانی نے لکھا ہے "فلسفہ تاریخی کا یہ ایک راز ہے کہ جو واقعات جس قدر زیادہ شہرت پکڑ جاتے ہیں اسی قدر ان کی صحت زیادہ مشتبہ ہوتی ہے۔ دیوار قہقہہ۔ چاہ بابل۔ آب حیواں۔ مارضحاک۔ جام جم سے بڑھکر کس واقعہ نے شہرت عام کی سند حاصل کی ہے۔ لیکن کیا ان میں ایک بھی اصلیت سے علاقہ رکھتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اکثر واقعات کسی خاص وقتی سبب سے شہرت کی منظر پر آجاتے ہیں پھر عام تقلید کے اثر سے جو خاصہ انسانی ہے شہرت عام کی بنا پر لوگ اس پر یقین کرتے چلے جاتے ہیں اور کسی کو تنقید اور تحقیق کا خیال تک نہیں آتا یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہ مسلمات عامہ میں داخل ہو جاتے ہیں"۔ پھر ایک مثال ذکر کر کے لکھتے ہیں "اس واقعہ کا کانوں میں پڑنا تھا کہ گویا خدا کا خاص قاصد آکر ایک ایک کے کان میں وحی پھونک گیا۔ بچے۔ جوان۔ بوڑھے۔ جاہل۔ عالم۔ رذیل۔ شریف۔ نیک۔ بد سب یہی راگ گانے لگے۔ رفتہ رفتہ تقریر۔ تحریر۔ ضرب المثل۔ تلمیحات۔ افسانہ کوئی چیز اس سے خالی نہیں رہی لیکن بالآخر تحقیق کی عدالت نے فیصلہ کیا ع

عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ" (رسالہ اورنگ زیب مطبوعہ لاہور ص۲)

بعینہٖ یہی حال خلافت شیخین کی جمہوریت کا بھی ہے کہ کچھ سادہ لوح لوگوں نے کہا دونوں بزرگوں کی خلافت جمہوری تھی اور تقلید کے شیدائی اس آواز کو لے اڑے۔ اب کوئی نہیں دیکھتا کہ جمہوریت کی تعریف کیا ہے اور اس کا ہزارواں حصہ بھی ان خلافتوں پر صادق آتا ہے یا نہیں۔ حد ہو گئی کہ مولوی شبلی صاحب ایسے فہمیدہ۔ روشن خیال۔ اور باخبر مصنف بھی اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے اور اس وہمی بنیاد پر بہت بڑی عمارت کھڑی کر دی۔ لکھتے ہیں "پہلے یہ بتانا چاہیئے کہ اس (حضرت عمر کی) حکومت

داخل کر دیا۔ کاغذ لکھائی چھپائی سب اعلیٰ درجہ کی۔ صفحات ۔۔۔ قیمت صرف ۔۔۔ پانچ
استفادہ سے صرف نظر ملاحظہ فرمائیے۔ جلد طلب کیجئے۔ یہ کتاب ایک نعمت بے بہا ہے۔ اگر جلد منگائیں
تو دوسری بار کا شدید انتظار کرنا ہوگا۔ کیا عجب کہ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا جائے۔

مجالس خاتون اردو زبان میں چند سال قبل تک کوئی کتاب ایسی نہیں ملتی تھی جو خاص عورتوں کی زنانی مجلسوں کے لئے لکھی گئی ہو۔ اور جس کو بیبیاں خود پڑھکر دوسری بہنوں کو سنائیں اور انہیں رلائیں۔ یہ کمی بہت دنوں سے محسوس ہو رہی تھی۔ اس کو رفع کرنے کے لئے کتاب مجالس خاتون لکھی گئی جس میں پہلی محرم سے ۱۰ محرم تک ہر روز اور ہر رات میں عورتوں کے پڑھنے کی تین تین مجلسیں لکھی گئی ہیں۔ اس طرح ۳۰ مجلسوں کا یہ ایسا قیمتی ذخیرہ ہو گیا ہے جس کا ہر شیعہ عورت کے پاس ہر وقت رہنا ضروری ہے۔ ہر مجلس کے آخر میں مصائب بہت رقت خیز اور رلانے والے دردناک نوحے بھی لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ بہنوں کو حدیث پڑھنے کے بعد کسی دوسرے نوحے کے رکھنے کی ضرورت نہ ہو بلکہ اسی کتاب سے یہ ضرورت بھی رفع ہو جائے۔ پہلی دفعہ چھپ کر یہ کتاب ختم ہو گئی تھی اب دوبارہ چھپوائی گئی ہے۔ اسکے بھی صرف چند نسخے باقی ہیں جلد منگائیے ورنہ تیسری بار کا انتظار کرنا ہوگا۔ قیمت

حضرت ابوبکر کی سوانح عمری بھی خدا کے فضل و کرم سے بڑی تحقیق و جامعیت سے لکھی اور شائع کی گئی ہے جسکے دو حصے ہیں پہلے میں بعثت کے مفصل حالات حضرت تک شائع ہوئے ہیں اسمیں خاصکر یہ مضامین نہایت دلچسپ اور ایمان افروز ہیں۔ آپکی نسبی حالت اور عرب میں آپکے خاندان کی حیثیت۔ آپکے والدین و اجداد و اخوات و دیگر اعزہ مخصوصین کے حالات۔ آپکا خاندانی پیشہ۔ آپ کے خاندانی پیشہ کے نتائج اور اس کے دنیوی و دینی خصوصیات۔ آپکی ولادت کے حالات۔ حلیہ۔ نام۔ کنیت۔ القاب۔ اور ان کے وجوہ و اسباب۔ عہد طفولیت تعلیم و تربیت ذریعۂ معاش حضرت رسول خدا سے آپکا برتاؤ۔ خاندان بنی ہاشم سے تعلقات۔ حضرت عمر سے تعلقات زمانۂ جاہلیت کے کارنامے۔ آپکا قبول اسلام۔ اولیت اسلام کی بحث۔ آپکے اسلام یا ایمان کی حقیقت ابتدائے اسلام میں آپکا جہاد۔ حضرت رسول خدا کی مالی اعانت کرنے کی تحقیق۔ سفر ہجرت کے کارنامے۔ معیت غار اور اسکے کارنامے۔ کاغذ۔ لکھائی۔ چھپائی اعلیٰ۔ ۲۶۰ صفحہ قیمت ۔۔۔

مشعلِ ہدایت جناب حاجی سید اظہار حسنین صاحب بی۔ اے ۔۔۔ اور تحقیقی کتاب جسمیں دکھایا گیا ہے کہ خدا نے کلام پاک میں ۔۔۔ اصحاب کے سلسلہ کیا فرمایا ہے۔ اور قرآن مجید سے ۔۔۔ [illegible]
۔۔۔ قیمت ۔۔۔ [illegible]

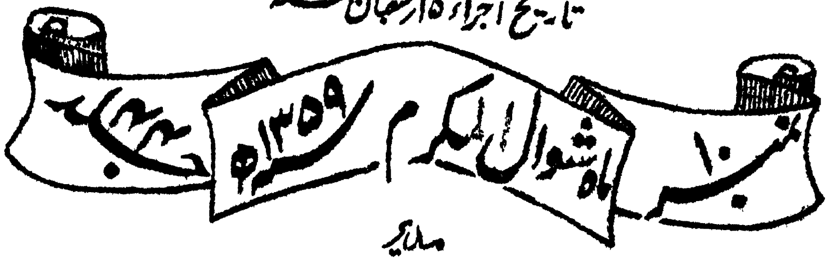
[illegible] (Bihar Circle)

المشتہر: مینیجر اصلاح کھجوا (صوبہ بہار)

جریدۂ مبارکہ

اصلاح

تاریخ اجراء ۱۵ شعبان ۱۳۱۵ھ



مدیر

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام ظلہم

مقام اشاعت
کھجوا (صوبہ بہار)

سوانح عمری کو جلد مکمل کرائیے | ہمدردان دین و ملت! الحمد خدا کے فضل و کرم سے سوانح عمری
خلیفہ دوم کا دوسرا حصہ بھی ختم کے قریب پہنچا۔ البتہ اسکی اشاعت میں تاخیر ہوئی اور اس سال
اصلاح کئی کئی مہینوں کے بعد نکلا مگر یہ عیب باقی رہتا۔ اگر سوانح عمری جلدی کی وجہ سے پوری
تحقیق سے مکمل نہ ہوتی تو اس کتاب میں یہ عیب باقی رہ جاتا جس سے آپکے مذہب کی یہ عظیم الشان
محنت بالکل ضائع جاتی۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ دیر آید درست آید کے مطابق اب یہ قابل
فخر سوانح عمری پوری ہوا چاہتی ہے صرف ۸۰ /۱۲۰ صفحوں کے کاغذ کی اور فکر ہے کہ اس کا بھی سامان
ہو جائے تو انشاء اللہ ایک ہی مہینہ میں آپ اس تحقیقی و تبلیغی کتاب کو مکمل پائیں گے مجبوراً
پھر درخواست کی جاتی ہے کہ اگر آپ صرف پچاس حضرات اپنے اعزہ و احباب کو دفتر کی صرف تین کتابیں یعنی
جوہر قرآن قیمتی ۱۲ / تاریخ ائمہ قیمتی ۱۲ / سوانح عمری خلیفہ دوم حصہ اول قیمتی ... کی خریداری پر
آمادہ کر دیں تو بہت آسانی سے مطلوبہ مقدار کا کاغذ آجائے اور اس اہم فرض سے بھی دفتر اصلاح
سبکدوش ہو جائے جس کے بعد تیسرے بہت دلچسپ اور مفید مذہبی ناول تحفہ بخاری
کا انتظام کیا جائے۔ وی پی طلب کرنے میں ان کتابوں کی قیمتیں نہایت بہت دیر کر کے پہنچیں گی
بہتر یہ ہے کہ ان خریداروں سے ان کتابوں کی قیمت آپ خود وصول کر کے جلد از جلد بذریعہ
منی آرڈر روانہ کر دیں کہ فوراً کاغذ منگا لیا جائے اور ان خریداروں کو کتابیں روانہ کر دی جائیں
انشاء اللہ اس کتاب سے حضرت دوم کی پوری اور اصل تصویر نمایاں ہو جائیگی اور دین حق
کی تبلیغ کا زبردست فرض بھی انجام پائے گا۔ کیونکہ حضرت عمر ہی مذہب اہلسنت کے بنیاد ڈالنے والے ہیں
جوہر قرآن و تاریخ ائمہ و سوانح عمری حصہ اول ایسی دلچسپ اور مفید کتابیں ہیں کہ آپ اپنے
احباب کو دکھائیں گے تو وہ حضرات جلد انکی خریداری پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے
آپ کو زیادہ زحمت بھی نہیں ہو گی۔ البتہ توجہ کی شدید ضرورت ہے اور جس قدر جلد آپ
متوجہ ہونگے انشاء اللہ اسی قدر جلد یہ کتاب پوری ہو جائیگی اور آپکی قوم و ملت کی یہ دیرینہ
آرزو پوری ہو گی کہ حضرت ممدوح کی بھی سوانح عمری لکھی جائے۔ آپ اصلاح کے نمبروں میں
پڑھ چکے ہیں کہ اس سوانح عمری کے پہلے ہی حصہ کو پڑھ کر کتنے سنی بھائیوں نے مذہب حقہ قبول
کر لیا۔ اگر اور بھائیوں کو بھی آپ شیعہ کرنا چاہتے ہیں تو جلد اس کی تکمیل کی کوشش کیجئے
کتاب صرف ... کی وجہ سے یہ دینی خدمت ادھوری رہ گئی ہے اور تحفہ بخاری بھی رکی ہوئی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِصلاح

نمبر ۱ | ماہ شوال المکرم ۱۳۵۹ہجری | جلد ۴۴

۱۳۶۱ھ میں واقعۂ کربلا کی عظیم الشان یادگار اور اُس کا مکمل خاکہ

اکابر علمائے ہند کی متفقہ اپیل واقعۂ کربلا کو ۱۳۶۱ہجری میں پورے تیرہ سو برس ہو جائیں گے۔ اس واقعہ کی اہمیت یقیناً اسکی مقتضی ہے کہ اسکی یاد اس موقع پر امتیازی شان سے تازہ کیجائے۔ افراد قوم کو لازم ہے کہ وہ اس تحریک کیطرف پوری توجہ مبذول کریں اور بارگاہ حسینی میں اپنی عقیدتمندی کا ثبوت دیں۔ نجم الحسن عفی عنہ بقلمہ ۔ ناصر حسین عفی عنہ بقلمہ ۔ علی الحائری بقلمہ

مجلس علمائے شیعہ کی اہم تجویز ۲۴ صفر ۱۳۵۹ھ یوم دوشنبہ سرکار نجم الملۃ شمس العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ صدر مجلس علمائے شیعہ کے شریعتکدہ پر ایک اہم جلسہ منعقد ہوا جس میں حسب ذیل تجویز باتفاق آراء طے پائی :- یہ جلسہ مجلس علمائے شیعہ کا تجویز کرتا ہے کہ ۱۳۶۱ھ میں واقعہ کربلا کی سیزدہ صدسالہ یادگار قائم کرنے کے لئے تمام عالم اسلامی کے افراد کو توجہ دلائی جائے اور اس تحریک کو وسیع بنانے میں پوری جد وجہد کیجائے۔

۱۳۶۱ھ کا محرم اور اُس کی اہمیت یہ ہماری زندگی کا ایک ایسا موقع ہے جو موجودہ نسل انسانی کو نہ اب تک اسکے پہلے آیا اور نہ اسکے بعد آسکتا ہے ۱۳۶۱ھ میں واقعۂ کربلا کو پورے تیرہ سو برس ہو جاتے ہیں یعنی اسلام کو جو نشاۃ ثانیہ ۶۱ھ میں کربلا کی سرزمین پر حاصل ہوا اوسکو پوری تیرہ صدیاں گزر جائیں گی۔ دنیا کے واقعات میں واقعہ کربلا کو وہ امتیاز حاصل ہے جسکی مثال کوئی دوسری نہیں ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اس موقع پر اس واقعہ کی یادگار ایک ممتاز اور شایان شان صورت سے انجام پائے جو اس واقعہ کی اہمیت کا تقاضا ہے۔ یوں تو ہر سال ہی محرم آتا ہے اور محرم کے ساتھ واقعۂ کربلا کی یادگار منائی جاتی ہے مگر اس سیزدہ صدسالہ

یادگار کو ایسا امتیاز حاصل ہونا چاہیئے جسے تمام اقوام عالم محسوس کریں۔ یہ کوئی وقتی کام نہیں ہے بلکہ ایک صدی کی خدمت ہے۔ ہماری ذمہ داری اس لئے زیادہ ہے کہ جو مثال ہم قائم کرینگے وہ بعد کی صدیوں کے لئے نمونہ قرار پائے گی۔

سیزدہ صد سالہ یادگار کیلئے عملی تجاویز اس یادگار کو قائم کرنے کے لئے حسب ذیل صورتیں سرِ دست پیش نظر ہیں۔ **پہلی تجویز** ایک کتاب واقعۂ کربلا کے متعلق جس میں مکمل طور پر اس واقعہ کے اسباب و نتائج، نوعیت اور تفصیلات پر بحث کی جائے۔ اسکی تصنیف کے لئے ایک مجلس علمی کی تشکیل ہو جسکے افراد مختلف عناوین کو اپنے ذمہ لیکر انکی تکمیل میں مصروف ہوں۔ **اس کتاب کی خصوصیات** واقعہ کربلا کے متعلق یوں تو اس قدر کتابیں اور رسالے اور مضامین شائع ہوئے ہیں جن کا شمار بھی ممکن نہیں ہے مگر اب تک کوئی ایسی کتاب شائع نہیں ہوئی ہے جسمیں امام حسینؑ کی سیرت، شخصیت اور واقعۂ کربلا کے تفصیلات اور نوعیت پر اس طرح جامعیت کے ساتھ تبصرہ کیا گیا ہو کہ ایک ناواقف انسان امام حسینؑ اور آپکے کارنامۂ جاوید کو سمجھنا چاہتا ہو تو وہ اس کتاب سے پورے طور سے سمجھ سکے۔ نہ صرف اردو میں جو سرمایہ کے لحاظ سے ابھی بہت تہی دست ہے بلکہ فارسی اور عربی میں بھی کوئی ایسی کتاب موجود نہیں ہے۔ حالانکہ اس زمانہ میں ضرورت ہے کہ یورپ کی مشہور زبانوں میں کارنامۂ حسینی کا تعارف موجود ہو۔ ایک ایسی کتاب کی تصنیف کا حق ایک شخص سے ادا نہیں ہو سکتا۔ کوئی کتنا ہی بالغ نظر کیوں نہ ہو لیکن تمام پہلوؤں پر اُس کی نگاہ نہیں پہونچ سکتی اس لئے ایک مجلس عاملہ کی تشکیل کی ضرورت ہے۔ اسمیں ایسے افراد شرکت کرینگے جو صرف منقولی طور پر نہیں بلکہ عقلی حیثیت سے واقعۂ کربلا کے ہر پہلو کو روشن کر سکتے ہوں نیز ذوق تحقیق و جستجو رکھتے ہوں کیونکہ یہ کتاب کسی وقتی تصنیف کی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ ایک صدی کی عظیم خدمت ہے۔ اس معرکہ آراء تصنیف کے لئے "عناوین و مضامین" کا مکمل خاکہ ترتیب دیا گیا ہے جو اخباروں میں بھی شائع ہوا ہے اور علیحدہ پمفلٹ کی صورت سے بھی طبع ہو گیا ہے۔ ارباب قلم سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ ان ابواب میں سے جس باب کو مناسب سمجھیں اپنے ذمہ لے کر کامل تحقیقات کے ساتھ اسکی تکمیل میں مصروف ہو جائیں اور اس مقصد کے لئے اپنے خدمات کے پیش کرنے کا اعلان فرمادیں۔ مقصود یہ ہے کہ کتاب انتہائی حدود امکان تک مکمل ہو اور کسی حیثیت سے تشنہ نہ رہے۔

مجوزہ زبانیں طے پایا ہے کہ یہ عظیم الشان تصنیف کم از کم حسب ذیل زبانوں میں شائع کی جائے۔ (۱) انگریزی (۲) فرانسیسی (۳) عربی (۴) ہندی (۵) اردو (۶) مرہٹی (۷) گجراتی (۸) بنگلہ (۹) چینی (۱۰) روسی۔

دوسری تجویز ۱۳۶۱ھ میں یکم محرم سے ۸ ربیع الاول تک کی مدت کو تمام اطراف ملک میں ایک مرتب نظام کے ماتحت دنوں پر تقسیم کرکے مسلسل جلسے ہوں جن میں تمام اقوام کے اکابر کو شرکت اور اظہار خیال کی دعوت دی جائے اور کسی ایک مرکزی مقام پر ایک ایسا اہم اجتماع ہو کہ جس میں بیرون ہند سے بھی مختلف اکابر کی شرکت کا انتظام کیا جائے۔ **تشریح** ہندوستان میں دو مہینے آٹھ دن عزاداری کی مدت سمجھی جاتی ہے بلکہ بعض مقامات پر ۲۷ ذی الحجہ سے ابتدا کردی جاتی ہے۔ اس خیال سے کہ شہدائے کربلا کی تعداد کے مطابق ۷۲ دن عزاداری کے ہو جائیں۔ اس میں اکثر مقامات پر مجالس اور جلسے منعقد ہوتے ہیں مگر وہ کسی مرتب نظام کے ماتحت نہیں ہوتے۔ ۱۳۶۱ھ میں یہ مناسب ہوگا کہ اس تمام مدت کو تقسیم کرکے تمام اطراف ملک میں جغرافیائی حیثیت کے لحاظ سے ترتیب کے ساتھ حسینی جلسے منعقد کرائے جائیں اس طرح کہ کسی جگہ کا جلسہ دوسری جگہ کے جلسہ سے متصادم نہ ہو اور یہ ایک اس طرح کا حلقہ ہو کہ اگر کوئی شخص چاہے کہ تمام مقامات کا دورہ کرکے تمام جلسوں میں شرکت کرسکے تو اس کے لئے ممکن ہو۔ ان جلسوں میں ملک کے بڑے افراد کو جو ہر قوم و مذہب سے تعلق رکھتے ہوں جیسے گاندھی جی۔ ڈاکٹر ٹیگور۔ پنڈت جواہر لال نہرو۔ سر تیج بہادر سپرو۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ مسٹر محمد علی جناح سر شاہ محمد سلیمان وغیرہ کو دعوت دی جائے کہ وہ جس جگہ پر جس شخص کو ان میں سے سہولت ہو وہاں کے ہفتہ میں آکر اپنے نقطہ نظر سے واقعہ کربلا پر تبصرہ کریں ان تقریروں کو شارٹ ہینڈ کے ذریعہ سے قلمبند کیا جائے اور قابل اشاعت تقریروں کی اشاعت ہو۔ اسکے ساتھ کسی ایک مرکزی مقام پر (جسکے لئے شاید بمبئی زیادہ موزوں ہوگا) ایک ایسا اجتماع ہو جس میں بیرون ہند سے بھی مختلف اکابر کی شرکت کا انتظام کیا جائے۔ نیز ریڈیو کے ذریعہ سے مختلف زبانوں میں واقعہ کربلا کی تمام دنیا میں اشاعت ہو۔

تیسری تجویز آثار حسینی کے لئے ایک حفاظت گاہ (میوزیم) کی تشکیل اس تاریخی مظاہرہ گاہ میں واقعہ شہادت سے متعلق جس قدر لٹریچر بھی ہو سکے مہیا کیا جائے۔ کتب احادیث، مقاتل، مراثی، تواریخ، رسائل، جرائد غرض جن جن چیزوں میں اس شہادت عظمیٰ کا تذکرہ ہے خواہ وہ قدیم ہوں خواہ جدید مطبوعہ ہوں یا غیر مطبوعہ وہ سب کی سب اس ادارہ میں یکجا کی جائیں۔ اسی طرح شہدائے کربلا کی طرف جتنی منسوب چیزیں اور تبرکات دستیاب ہو سکیں سب اس مظاہرہ گاہ میں محفوظ ہوں تاکہ یہ میوزیم حسینیت کی تبلیغ و اشاعت کے علاوہ واقعہ کربلا پر ریسرچ (تحقیقات) کے لئے ایک سیر حاصل مرکز کا کام دے سکے۔

عملی کام شروع ہو گیا یہ تجاویز کس قدر اہم ہیں۔ اس کا ہر شخص فیصلہ کرسکتا ہے۔ انکی عملی تشکیل

کے لئے کام شروع ہو گیا ہے۔ ڈیڑھ پونے دو برس کی مدت اس اہم خدمت کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ ہم اگر غفلت کر بیٹھے تو وقت اور تاریخ کے ایک بہت بڑے گناہ کے مرتکب ہوں گے۔

افراد ملت سے گزارش آپکی زندگی حسینؑ بن علیؑ کے کارنامۂ جاوید سے وابستہ ہے۔ حسینؑ نے اسلام کو زندہ کیا ہے اور موجودہ مشکلات کے دور میں اسلام کی بقاء بھی حسینؑ کے نام کی بقاء سے ہے۔ ۱۳۶۱ھ کا یہ موقع آپکی غیرت و احساس ملی کے سب سے بڑے امتحان کا وقت ہے۔ اُٹھئے اور ثابت کر دیجئے کہ آپ حسینؑ کے نام پر کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ موجودہ تحریک اور موجودہ تجاویز کی کامیابی آپ کے اتحاد عمل کے ساتھ وابستہ ہے سب سے مقدم سوال سرمایہ کا ہے اور چندہ کی فراہمی کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ خود بھی اس امر خیر میں زیادہ سے زیادہ امداد کریں اور اپنے حلقۂ احباب میں دوسرے حضرات کو بھی آمادہ فرمائیں حسینیت کا جذبہ آپ کو آواز دے رہا ہے۔ لبیک کہنا آپ کا کام ہے۔ والسلام (مولانا مفتی سید احمد علی عفی عنہ (پرنسپل مدرسہ ناظمیہ)۔ (مولانا سید) عدیل اختر (پرنسپل مدرسۃ الواعظین)۔ (پروفیسر سید) مسعود حسن رضوی (ادیب ایم۔ اے۔ صدر شعبۂ فارسی و اردو لکھنؤ یونیورسٹی)۔ (مولانا سید) محمد نصیر (پروفیسر شیعہ عربی کالج لکھنؤ)۔ (مولانا سید) محمد سعید (ابن حضرت ناصر الملۃ مدظلہ)۔ (حاجی) سید جلال الدین حیدر (ایم۔ اے بانی انجمن وظیفہ سادات و مومنین)۔ (مولانا حافظ) کفایت حسین (واعظ مدرسۃ الواعظین و پروفیسر ناظمیہ کالج) سید قیصر حسین رضوی (ایم۔ اے وکیل صدر امامیہ مشن لکھنؤ)۔ (سید العلماء مولانا سید) علی نقی النقوی (ناظم مجلس علمائے شیعہ ہند)۔ (شیخ) ممتاز حسین جونپوری (جوائنٹ سکریٹری شیعہ کانفرنس)

مرکز خط و کتابت:۔ (سید العلماء مولانا) السید علی نقی النقوی۔ عبد العزیز روڈ لکھنؤ

مرکز ارسال زر:۔ (پروفیسر) سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم۔ اے صدر شعبۂ فارسی و اردو لکھنؤ یونیورسٹی۔ دین دیال روڈ لکھنؤ۔ (نقل اشتہار مطبوعہ نظامی پریس لکھنؤ)

۱۳۶۱ھ کا محرم مسلمانوں کے مذہبی اور قومی احساس و بیداری کے بڑے امتحان کا موقع ہے کیونکہ اس موقع پر واقعۂ کربلا کو پورے تیرہ سو (۱۳۰۰) برس ہو جاتے ہیں۔ اس موقع پر ضرورت ہے کہ فرزند رسول حضرت امام حسین علیہ السلام کی یاد امتیازی شان کے ساتھ تازہ کی جائے اور اس **سیزدہ صد سالہ (۱۳۰۰) یادگار** کو بڑے پیمانہ پر قائم کر کے اقوام عالم کو مجاہد کربلا کی شخصیت اور انکے زندہ جاوید کارنامۂ شہادت سے روشناس کرایا جائے۔ اس یادگار کی تکمیل کے لئے **کام شروع ہو گیا ہے** اور سرمایہ کی فراہمی کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ تمام افراد ملت سے درخواست ہے کہ وہ اس اہم کام میں زیادہ سے

زیادہ امداد فرمائیں اور اس یادگار کے قائم کرنے میں پوری ہم آہنگی اور جوش سے حصہ لیں۔
والسلام:۔ (نجم الملۃ مولانا سید) نجم الحسن عفی عنہ (صدر مجلس علمائے شیعہ)۔ (ناصر الملۃ مولانا سید) ناصر حسین عفی عنہ قبلہ۔ (عمدۃ العلماء مولانا) سید کلب حسین (مصور فطرت خواجہ) حسن نظامی (دہلی) (شمس العلماء مولانا محمد ہدایت حسین (سابق پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ) (مولانا) عینی شاہ نظامی (حیدر آباد دکن) (راجہ) محمد امیر احمد (آف محمود آباد) (راجہ سید) احمد علی علوی (آف سلیم پور) (راجہ) سید محمد مہدی (آف پیرپور) (راجہ) سید محمد اکبر علی خاں (آف پنڈراول) (مہاراجکمار) محمد امیر حیدر خاں (صدر آل انڈیا شیعہ کانفرنس) (مولانا) سید محمد سبطین (گورنمنٹ کالج لودھیانہ)۔ (خطیب اعظم مولانا) سید محمد (دہلوی)۔ (سید الخطباء مولانا) سید ابن حسن نونہروی (مولانا) اولاد حسین (ناظم امور مذہبی و واعظ و افسر امور خیر و اوقاف ریاست رام پور)۔ (مولانا) سید عدیل اختر (پرنسپل مدرسۃ الواعظین لکھنؤ)۔ (مولانا) حافظ کفایت حسین (واعظ مدرسۃ الواعظین) (مولانا) سید ابن حسن رضوی جارچوی (ایم۔ اے۔ ایم۔ او۔ ایل) (مولانا) غلام حسنین (پھلواری شریف)۔ (مولانا) نعمت امام (معلم اعلیٰ مدرسہ عزیزیہ اسلامیہ جےنگر ہزاری باغ) (مولانا) سید اظہر حسن زیدی۔ (حاجی) سید جلال الدین حیدر (ایم۔ اے بانی و صدر انجمن وظیفہ سادات و مومنین)۔ (فخر قوم مولوی) سید کلب عباس (گورنمنٹ پلیڈر ایم۔ ایل۔ سی و صدر آل انڈیا شیعہ پولٹیکل کانفرنس)۔ سید اصغر حسن (ریٹائرڈ جج و صدر تنظیم المومنین) (نواب حاجی) احسان علی (آف مالیر کوٹلہ صدر پنجاب شیعہ کانفرنس) (سید) غلام عباس (رئیس اعظم رجوعہ سادات ضلع جھنگ)۔ سید محمد نواز گردیزی (رئیس ملتان) سید علی رضوی (پیشاور)۔ (نواب) سید علی جعفری (حیدر آباد دکن)۔ (رئیس) سید محمد عباس صفوی (رئیس شمس آباد)۔ (نواب) آغا علی خاں (رئیس دریا آباد الہ آباد)۔ رضا حسین خاں (تعلقہ دار مٹھوارہ)۔ (خانبہادر نواب مولوی سید) محمد مہدی حسن الرضوی۔ (کیپٹن) محمد اشرف (ملیٹری اسٹیشن آفیسر لکھنؤ)۔ (خواجہ) غلام السیدین (ڈائرکٹر آف ایجوکیشن کشمیر)۔ (ڈاکٹر) سید عابد حسین (پی۔ ایچ۔ ڈی جامعہ ملیہ دہلی)۔ سید مقصود حسین نقوی (ایم۔ اے پروفیسر ٹریننگ کالج آگرہ)۔ مرزا عابد حسین (ایڈوکیٹ لکھنؤ)۔ سید اکبر علی (پرنسپل شیعہ کالج لکھنؤ)۔ (حاجی) سید حسن (رئیس آگرہ)۔ حامد حسین رضوی عشروی (سکریٹری انجمن عقد بیوگان گونڈہ) محمد عبد الرؤف عباسی (ایڈیٹر روزنامہ حق)۔ سید برجیس (ایڈیٹر پیغام عمل فیروز پور)

مرکز خط و کتابت:۔ سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ عبد العزیز روڈ لکھنؤ۔

مرکز ارسال زر: ـ پروفیسر سید مسعود حسن صاحب رضوی ایم۔ اے۔ ادیب (صدر شعبہ فارسی و اردو لکھنؤ یونیورسٹی) دین دیال روڈ۔ لکھنؤ (نقل اشتہار مطبوعہ نظامی پریس لکھنؤ)

۱۳۶۱ہجری میں کیا ہوگا؟ اس موقع پر واقعۂ کربلا کی سیزدہ صد سالہ یادگار قائم کیجائے گی جسکے لئے حسب ذیل صورتیں تجویز کی گئی ہیں:۔ (۱) ایک ایسی کتاب کی اشاعت جسمیں واقعۂ کربلا کے حالات، اسباب اور نتائج پر اس طرح تبصرہ کیا جائے جو ناواقف اشخاص اور غیر اقوام کے لئے مفید ہو۔ یہ کتاب دنیا کی بہت سی مشہور زبانوں میں شائع ہو اور کثیر تعداد میں ممالک غیر تک پہونچائی جائے۔ اس کتاب کا خاکہ ابھی سے مرتب ہو گیا ہے اور اردو انگریزی دونوں زبانوں میں موجود ہے۔ اس کتاب کی تصنیف میں ممتاز اہل قلم کے حصہ لینے کی امید ہے۔ (۲) ۱۳۶۱ھ کے محرم میں تمام ہندوستان میں ایک پروگرام کے ماتحت حسینی جلسوں کا انعقاد جن میں تمام اقوام و مذاہب کو شریک کرنے کی کوشش کی جائے اور مختلف اقوام کے اکابر کو اظہار خیال کی دعوت دی جائے۔ اور کسی شاہی مقام پر ایک ایسا اجتماع جس میں ممالک خارجہ سے بھی نمایندگان کی شرکت کا انتظام کیا جائے۔ نیز ریڈیو کے ذریعہ سے تمام دنیا میں نہایت وسیع پیمانہ پر حسینی پیغام کی اشاعت کی جائے (۳) حسینی میوزیم یعنی منسوبات حسینی کے لئے ایک "دارالآثار" کا قیام اس میں ایک بڑا کتب خانہ ہوگا۔ جس میں واقعۂ کربلا کے متعلق تمام زبانوں میں جو کچھ لٹریچر فراہم ہو سکے اسکو یکجا کیا جائیگا۔ اسکے علاوہ واقعۂ کربلا سے متعلق کوئی بھی ایسی چیز جو ندرت رکھتی ہو اس "دارالآثار" میں محفوظ رہیگی۔ خیال ہے کہ اس دارالآثار کے لئے ایک مستقل عمارت بھی ہو جو ۱۳۶۱ھ کے لئے ایک تعمیری یادگار کی حیثیت رکھتی ہو۔ ان تمام تجاویز کی تکمیل آپ کے اتحاد اور تعاون پر موقوف ہے۔ کیا شمع حسینیت کے پروانے اس موقع پر سرد مہری سے کام لیں گے؟ ہرگز نہیں اٹھئے اور ثابت کردیجئے کہ دنیا میں **حسینؑ کا پیغام زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔**

الناشر:۔ مرکز اشاعت یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ ۔ مرکز خط و کتابت:۔ (سید العلماء مولانا) السید علی نقی النقوی ۔ عبدالعزیز روڈ لکھنؤ۔ مرکز ارسال زر:۔ (پروفیسر) سید مسعود حسن رضوی ادیب ایم۔ اے۔ صدر شعبۂ فارسی و اردو لکھنؤ یونیورسٹی دین دیال روڈ لکھنؤ۔ (نقل اشتہار مطبوعہ نظامی پریس لکھنؤ)

یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ میں امداد کے طریقے (۱) قوم شیعہ میں کثیر التعداد اوقاف ہیں انمیں سے اکثر اوقاف میں عزائے امام حسین علیہ السلام کے لئے مصارف مقرر کئے گئے ہیں۔ نیز

مطلق امور خیر کے لئے کچھ رقم قرار دیگئی ہے۔ اس تحریک یادگار حسینی میں مطلق امور خیر کی مد سے بھی اعانت کیجا سکتی ہے اور عزاے حضرت سید الشہداء کی مد سے بھی امداد دیجا سکتی ہے (۲) ابھی محرم میں جو ۱۳۶۱ھ کے پہلے آئیگا ہر فرد عزادار اپنا فرض سمجھ لے کہ وہ بہ نسبت ہر سال عہ زائد صرف کرے یعنی علاوہ ان تمام مصارف کے جو ہر سال ہوتے ہیں ابھی عہ اس یادگار کے قیام کے لئے روانہ کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ بہ سبب گرانی کے مصارف ہمیشہ یکساں نہیں رہتے۔ ابھی اس اہم موقع کی خصوصیت سے اگر عہ کا اضافہ ہو جائے تو بیمحل نہیں۔ اس سے زیادہ توفیق خاص پر موقوف ہے (۳) وہ ادارے جن سے ہر سال واقعہ کربلا کی نشر و اشاعت کیلئے خدمات انجام دیئے جاتے ہیں اپنے ہر سال کے مصارف کے لحاظ سے عہ کا اضافہ منظور کریں یعنی علاوہ اپنے معمولی خدمات کے دس روپیہ اس تحریک کی مرکزی تقویت کے لیے روانہ فرمائیں (۴) حضرات واعظین و ذاکرین سے امید ہے کہ وہ ابھی ایام عزا میں اپنی آمدنی میں سے فیصدی پانچ روپیہ اس کار خیر کے لئے مرحمت فرمائیں۔ ظاہر ہے کہ ان حضرات سے زیادہ کسی کو اس مقصد کی اہمیت کا احساس اور اندازہ نہیں ہو سکتا اس لئے ان حضرات سے اس ایثار کی توقع بیمحل نہیں والسلام نجم الحسن عفی عنہ بقلمہ۔ ناصر حسین عفی عنہ بقلمہ۔ ابن حسن عفی عنہ بقلمہ (مفتی) احمد علی بقلمہ۔ کلب حسین عفی عنہ بقلمہ علی نقی النقوی عفی عنہ۔ باسمہ عز شانہ۔ اس تحریک کی اہمیت واضح ہے۔ جن طریقوں سے اس میں امداد ممکن ہو دی جا سکتی ہے اور مذکورہ طریقوں سے بھی اس میں اعانت باعث اجر و ثواب ہے۔ فقط محمد علی عفی عنہ بقلمہ (م ف)۔ مرکز خط و کتابت:۔ سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ۔ عبدالعزیز روڈ لکھنؤ۔ مرکز ارسال زر:۔ پروفیسر سید مسعود حسن صاحب رضوی ایم۔ اے۔ ادیب (صدر شعبۂ فارسی و اردو لکھنؤ یونیورسٹی) دینیال لکھنؤ

(نقل اشتہار مطبوعہ نظامی پریس لکھنؤ)

اسماء تاریخی بابت ۱۳۶۱ھ

(الف) مردانہ نام:۔ ناظر الحسنین۔ رسول الغالب۔ شہید چراغ امام شمشیر نقی۔ چراغ یوسف۔ حیرات الحسن۔ مکرم غنی۔ منیر غنی۔ حضور ہاشم۔ محمد نظر حسن۔ منظور العباس مفتی بصیرت حسین۔ مخدوم سید رشید امام۔ سید مظہر الرضا۔ محمد تائید الاخیار۔ مخبر تقی۔ سید محمد ذیشان عباس سید حرجیس رضی۔ احمد رضا شاہ۔ مخدوم اخی مہدی۔ نواب قمر کاظم۔ مرزا ضمیر نبی۔ مرزا معظم نبی۔ مرزا نبی معظم۔ مرزا محمد عظیم۔ مرزا قسیم شم علی حیدر۔ مرزا انجبت علی۔ مرزا آغا علی۔ مرزا عشرت علی بیگ۔ مرزا نذر السبطین۔ مرزا سالک رضا۔ اشرف حسین خاں۔ وزارت الدین خاں۔ وزیر المجتبی خاں۔ شیخ ابرار ولی۔ شیخ شمس الہدیٰ۔

(ب) زنانہ نام:۔ ضمانت زینب۔ زینب صغرا۔ سیدہ نیک اختر۔ عصمت ترتیب خانم۔ فیاض البتول

سیدہ اختر البتول - سید طاہر الفاطمہ - اصغری بانو - فیروز خاتون - مختر بتول بیگم - مرحوم محمد یحیٰی حسن بنیٹر اساتذہ انجمن

لندن میں یا علیؑ کے نعرے لندن ۸ر اگست ۱۹۴۰ء ملک معظم اور ملکہ معظمہ نے آج ہندوستانی فوجی دستوں کا معائنہ کیا۔ ملک معظم فیلڈ مارشل کے لباس میں ملبوس تھے۔ ملکہ معظمہ نیلے ہندوستانی لباس میں تھیں۔ جنرل سڈنی نے شہنشاہ و ملکہ کا استقبال کیا۔ ہندوستانی فوج دو لمبی صفوں میں کھڑی تھی۔ ملک معظم نے نہایت مسرت و انہماک سے ہندوستانی بہادروں کا معائنہ کیا۔ ملک معظم نے سپاہیوں سے فرانس اور بلجیم وغیرہ کی جنگوں کے متعلق جو تجربات ہوئے اُن کے بارے میں سوالات کئے معائنہ کے بعد ملک معظم اور ملکہ معظمہ نے کیمپ کا گشت لگایا جہاں باورچی خانہ میں سپاہیوں کے لئے کھانا تیار ہو رہا تھا۔ اس جگہ ایک چپاتی ملک معظم کو دکھائی گئی جسے شہزادیوں نے لے لیا۔ وہ سپاہی جو بیمار تھے اپنی مرضی سے پریڈ میں شامل ہوئے۔ ملکہ نے انھیں اپنی صحت کی حفاظت کرنے کا مشورہ دیا۔ ایک سپاہی جو موٹر میں بیٹھ کر ہسپتال سے نکلنے ہی والا تھا ملک معظم کے پہونچنے پر وہیں رُک گیا۔ اور ملک معظم نے اپنے ہاتھ سے اس موٹر کو ڈھکیلا۔ جب پریڈ سے ملک معظم معائنہ کرکے واپس ہونے لگے تو سپاہیوں نے "یا علیؑ" اور "اللہ اکبر" کے نعرے لگائے۔ تمام ہندوستانی اور برطانی افسران سے ملک معظم کا تعارف کرایا گیا اور فوجی افسروں کے ساتھ شاہ و ملکہ نے چاے نوشی کی (خلافت بمبئی)۔ (منقول از اخبار سرفراز ۱۴ اگست ۱۹۴۰ء صفحہ ۳ کالم ۳)

اخبار غم افسوس (۱) رسالہ اصلاح کے قدیم ہمدرد اور بڑے قدردان و معین عالی جناب مولوی حکیم سید ابو محمد صاحب رئیس فتحپور ضلع بارہ بنکی نے ۵ رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ کو حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال کیا۔ آپ ایک کامیاب طبیب اور مذہبی امور کے رکن رکین تھے۔ قبلہ و کعبہ حضرت فخر الحکماء طاب ثراہ کے خاص دوستوں میں تھے۔ جب ملاقات ہوتی تھی نہایت اخلاص سے ملتے تھے (۲) ہمارے عزیز قریب مولوی سید حسن صاحب (ابن جناب مولوی حاجی سید محمد نقی صاحب مرحوم رئیس کجھوا) نے بھی ۱۷ر شوال کو انتقال کیا۔ بالکل اچانک موت ہوئی۔ ابھی عمر بھی کم تھی۔ خدا ان لوگوں کے درجات عالی کرے اور پسماندگان کو صبر دے۔ مومنین سورہ فاتحہ و توحید کا ثواب انکی روحوں کو ایصال کریں۔

سوانحعمری خلیفہ دوم کی تصنیف خدا کے فضل سے تقریباً مکمل ہو گئی اب صرف تھوڑے سے صفحے چھپنے اور باقی ہیں۔ ناظرین اصلاح تاخیر اشاعت سے گھبرائیں نہیں۔ انشاء اللہ دیر آید درست آید ہوگا۔

کی ترکیب اور ساخت کیا تھی؟ یعنی شخصی تھی یا جمہوری . . . حضرت عمر نے بغیر کسی مثال اور نمونے کے جمہوری حکومت کی بنیا دڈالی اور اگرچہ وقت کے اقتضاء سے اُسکے عام اصول و فروع مرتب نہ ہوسکے تاہم جو چیزیں حکومت کی روح ہیں سب وجود میں آگئیں" (الفاروق حصہ ۲ صہ ۱۵)۔

افسوس مولوی صاحب نے جمہوری حکومت کی تعریف نہیں کی ورنہ جو نتائج ممدوح نے پیدا کئے ہیں وہ سب خود ساقط ہو جاتے۔ جمہوری حکومت کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ اُس کا حاکم جمہور کی رائے و مشورہ سے مقرر کیا جائے۔ یعنی جمہور جس کو کہیں جس کا نام بتائیں۔ جس کے متعلق رائے دیں اُسی کا انتخاب کیا جائے۔ اگر دو آدمیوں کے درمیان اختلاف ہو کچھ لوگ ایک شخص کو چاہیں دوسرے لوگ دوسرے کو پسند کریں تو کثرت آراء پر عمل کیا جائے۔ اگر کسی حاکم کے تقرر میں یہ اصول ملحوظ نہیں رہیگا تو وہ ہرگز جمہوری حاکم یا جمہوری خلیفہ نہیں کہا جاسکتا اور نہ اس کی حکومت یا خلافت جمہوری کی صفت سے متصف ہوسکتی ہے۔ اس زمانہ میں یورپ، امریکہ کی مختلف حکومتوں نے دونوں کے فرق کو اس درجہ واضح کردیا ہے کہ اب جمہوری حکومت کی تعریف محتاج بیان نہیں رہی۔

پھر حضرت ابوبکر کی حکومت جمہوری کیسے کہی جاسکتی ہے؟ اور حضرت عمر کی خلافت اس صفت سے کیونکر متصف ہوسکتی ہے؟ حضرت ابوبکر کی بیعۃ صرف حضرت عمر نے کی تھی اور پھر دوسروں کو زبردستی اسکی طرف کھینچا جس کو خود ممدوح بعد کو کہتے تھے فلا یغترن امرءٌ ان یقول انما کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ وتمت الا وانھا قد کانت کذلک لکن اللہ وقٰی شرھا۔ کوئی شخص اس دھوکے میں نہ پڑے کہ کہنے لگے ابوبکر کی بیعۃ تو ناگہانی طور پر ہوگئی اور پوری ہوئی۔ یہ صحیح ہے کہ وہ اسی طرح ہوئی لیکن خدا نے اس کے شر سے تو سب کو بچا لیا (صحیح بخاری مطبوعہ احمدی میرٹھ صفحہ ۱۰۰۹)۔ اس کی شرح میں لکھا ہے انہ لم یکن مع ابی بکر حینئذٍ من المھاجرین الا عمر وابو عبیدہ۔ اُس وقت جماعت مہاجرین سے حضرت ابوبکر کی بیعۃ سوائے حضرت عمر و ابو عبیدہ کے کسی نے نہیں کی (فتح الباری پارہ ۲۸ صہ ۳۶۹)۔ اور علامہ جوہری نے تصریح کردی ہے ذکر صاحب الصحاح ان الفلتۃ الامر

الذی یعمل فجاءۃ من غیر تردد ولا تدبر وھکذا کانت بیعۃ ابی بکر لان الامر لم یکن فیھا شوریٰ بین المسلمین وانما وقعت بغتۃ لم تمحض فیھا الآراء ولم یتناظر فیھا الرجال وکانت کالشئ المستلب المنتھب۔ علامہ جوہری نے لغت کی مشہور کتاب صحاح میں لکھا ہے کہ فلتۃ سے مراد وہ امر ہوتا ہے جو اچانک بغیر غور و فکر کے ہو جائے۔ حضرت ابوبکر کی بیعت اسی طرح واقع ہوئی۔ کیونکہ اس کے متعلق مسلمانوں سے بالکل مشورہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ ناگہانی ہو گئی جس میں نہ لوگوں کی رائیں دیکھی گئیں اور نہ ان کو اس میں غور و غوض کا موقع دیا گیا بلکہ اس طرح کر لی گئی جس طرح کوئی چھینی آچکی اور غصب کی ہوئی چیز ہوتی ہے (منقول از شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ا صفحہ ۱۲۷) اب جو لوگ حضرت ابوبکر کی حکومت کو جمہوری کہتے ہیں وہ حضرت عمر کی تکذیب کرتے ہیں یا تصدیق؟ حضرت عمر کے بیان سے تو واضح ہو گیا کہ حضرت ابوبکر کی خلافت جمہوری نہیں تھی۔ آپ خود آپ کی خلافت کو دیکھو۔ کیا اس کو کوئی شخص جمہوری کہ سکتا ہے جس کے بارے میں گزر چکا (دیکھو صفحہ ۲۹۸) کہ تمام مہاجرین و انصار نے اس کی مخالفت کی۔ لیکن حضرت ابوبکر نے سب کو ڈانٹ بتائی اور خلیفہ بنا کر رہے۔ کیا جمہوری حکومت کا لاکھواں حصہ بھی اس خلافت پر پڑا؟ اب دیکھو کہ حضرت عمر نے مسند آرا ہونے کے بعد خلافت کے کام جمہوری اصول پر کئے یا شخصی حکومت کے مطابق۔ آپ کے زمانہ کے مشہور واقعات لے لو۔ وہی خود فیصلہ کر دینگے۔

(۱) آپ نے خلیفہ ہوتے ہی خالد کو معزول کیا۔ انھیں مولوی شبلی صاحب کے الفاظ میں سنو "تمام مورخین کا بیان ہے کہ حضرت عمر نے عنان خلافت ہات میں لینے کے ساتھ پہلا جو حکم دیا وہ خالد کی معزولی کا تھا۔ ابن اثیر وغیرہ سب یہی لکھتے آئے ہیں... حضرت عمر خالد کی بعض بے اعتدالیوں کی وجہ سے مدت سے ناراض تھے... حضرت عمر کو انکی یہ خود مختاری کیونکر پسند ہو سکتی تھی... خالد کو لکھا کہ تم اسی شرط پر سپہ سالار رہ سکتے ہو... خالد نے اس شرط کو نامنظور کیا اور اس بنا پر وہ سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کر دیئے گئے" (الفاروق صفحہ ۱۶)۔ کیا اسی حکومت کو جمہوری کہتے ہیں کہ تمام معاملات خود حضرت عمر نے انجام دیئے۔ شرط بھی خود پیش کی۔ جواب بھی خود ہی پایا۔ فیصلہ بھی خود ہی کیا۔

اور خالد کی معزولی کا پروانہ بھی خود ہی روانہ کر دیا۔ انصاف کرو سکندر۔ تیمور۔ چنگیز خاں
اور نادر شاہ کی حکومت اور حضرت عمر کی حکومت میں سر مو برابر بھی فرق ہے؟ وہ بھی تو
جس کو چاہتے بغیر کسی سے کچھ دریافت کئے مقرر کرتے جس کو چاہتے معزول کرتے۔ حضرت
عمر نے بھی بغیر مسلمانوں کی رائے و مشورے کے خالد کو معزول کر دیا۔ غرض وہ بھی دوسروں
کی رائے و مشورہ کے محتاج نہ تھے اور حضرت عمر بھی نہ ہوئے۔ تیمور وغیرہ کا نام خود مولوی
صاحب نے لیا ہے۔ لکھتے ہیں "سکندر اور چنگیز۔ بخت نصر۔ تیمور۔ نادر جتنے بڑے
بڑے فاتح گزرے ہیں سب کے سب سفاک بھی تھے" (الفاروق جلد ۲ صٹ)
اس وجہ سے ہم نے بھی ان لوگوں کا ذکر کیا کہ جس طرح وہ لوگ جو چاہتے کرتے کوئی ٹوکنے
والا نہیں تھا۔ اسی طرح حضرت عمر بھی اپنے دل کی حکومت کرتے تھے۔ کوئی شخص ان کا
رد کرنے والا نہیں تھا۔ ہمارا یہ مقصود نہیں کہ خالد کی بے جا حمایت کریں یا حضرت عمر پر نکتہ چینی
پسند کریں بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ جو امر جیسا ہے ویسا ہی بیان کیا جائے۔ حضرت عمر نے
جو کچھ اپنے اجتہاد یا ذاتی رائے سے کیا وہ انہیں کا فعل کہا جائے۔ اُس کو جمہوریت کا نام دیکر
لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا نہ کیا جائے۔ خالد کی معزولی بہت بڑا امر تھا۔ حضرت عمر نے حضرت
ابو بکر کی خلافت میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا تھا کہ وہ کسی طرح ان کو معزول کر دیں مگر حضرت
ابو بکر نے ان کے مقابلہ میں حضرت عمر کو بھی کوئی چیز نہیں سمجھا اور انکی کل کوششیں برابر ناکام
ہی ہوتی رہیں۔ جب آپ کے اصرار پر خالد دربار خلافت میں بلائے گئے تو حضرت عمر نے
حضرت ابو بکر کے پاس جا کر کچھ کہنا چاہا مگر آپ دروازہ پر روک دیئے گئے۔ اور صرف خالد
کو اجازت ملی۔ حضرت ابو بکر نے خالد سے کہا تم نے ایک مسلمان کو قتل کیا اور اوسکی بیوی کو چھین
لیا؟ خالد نے جواب دیا اے خلیفۂ رسول میں آپ کو قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا آپ نے رسولخدا سے
نہیں سُنا کہ فرماتے تھے خالد سیف اللہ (اللہ کی تلوار) ہے؟ حضرت ابو بکر نے کہا ہاں میں نے
سنا ہے۔ خالد نے کہا شمشیر خدا سوائے کسی کافر یا منافق کے کسی اور کو نہیں مارتی۔ حضرت ابو بکر
نے یہ سُن کر واپس جانے کی اجازت دی اور خالد خوشی خوشی باہر آئے اور اپنے لشکر کی طرف متوجہ
ہوئے۔ علامہ طبری نے یہ بھی لکھا ہے فخرج خالد حین رضی عنه ابو بکر و عمر جالس
فی المسجد فقال هلم الی یا ابن ام شملة قال فعرف عمر ان ابا بکر قد رضی عنه فلم

یکلمہ و دخل بیتہ - حضرت ابو بکر جب خالد سے خوش ہو گئے تو خالد ان کے پاس سے نکلے اس وقت حضرت عمر مسجد میں بیٹھے تھے۔ ان کو دیکھکر خالد نے کہا اے ام شملہ کے بیٹے اب چلا آ - یہ سن کر حضرت عمر سمجھ گئے کہ حضرت ابو بکر ان سے راضی ہو گئے ہیں تو خالد سے آپ کچھ نہ بولے اور اپنے گھر میں گھس گئے (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۴۳) لہ

(۲) مغیرہ کا واقعہ بھی قابل غور ہے جو بتاتا ہے کہ حضرت عمر کی حکومت پر جمہوری حکومت کا سایہ بھی نہیں پڑا تھا - اس واقعہ کی خبر حضرت عمر کو ملی - آپ نے نہ صحابہ سے مشورہ کیا اور نہ کسی سے رائے لی بلکہ خود ہی اس کے کل امور انجام دیئے - اگر جمہوریت کا شبہ بھی ہوتا تو جب زیاد نے باقی تینوں گواہوں کے بالکل مطابق شہادت نہیں دی تھی اور صرف چند الفاظ کا فرق ہو گیا تھا تو آپ ارباب حکومت سے (بشرطیکہ وہ کچھ رہے بھی ہوں) مشورہ کرتے - ان کی رائے طلب کرتے - ان سے بحث و گفتگو کرتے

لہ علامہ حلبی نے خالد سے حضرت عمر کی دشمنی کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ بچپن میں حضرت عمر اور خالد میں کشتی ہوئی تھی - خالد قوی تھے انھوں نے حضرت عمر کی پنڈلی کی ہڈی توڑ دی تھی جو بعد میں علاج سے جڑ گئی (انسان العیون مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۲۲۴) اصلی وجہ جو کچھ بھی ہو مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت عمر اور خالد میں بنتی نہیں تھی اور یہ اُن کی برابر توہین پر آمادہ رہتے تھے - ایک دفعہ حضرت ابو بکر نے انکو کوئی ناگوار خط لکھا تو خالد نے پڑھکر کہا ھذا عمل الاعیسر یعنی عمر بن الخطاب - یہ اس شخص کی کارروائی ہے جو بائیں ہاتھ سے کام کرتا ہے - اس سے مقصود حضرت عمر تھے (طبری جلد ۳ صفحہ ۲۵۴) - اس قسم کی عبارتیں کتابوں میں بھری ہوئی ہیں جن سے واضح ہے کہ وہ آپ کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے - اور حضرت عمر کی مخالفت کو کہتے تھے کہ حسد کی وجہ سے ہے - فلما اتے خالد اکتاب ابی بکر بذلک قال خالد ھذا عمل الاعیسر ابن ام شملہ یعنی عمر بن الخطاب حسدنی ان یکون فتح العراق علی یدی - جب حضرت ابو بکر کا خط خالد کو ملا تو کہا یہ کھبے ام شملہ کے بیٹے کی کارروائی ہے اس نے مجھ پر حسد کیا کہ میں عراق کا فاتح کیوں ہوا (طبری جلد ۴ صفحہ ۲۴)

زیاد کی جرح کراتے لیکن آپ نے مغیرہ کی اس درجہ طرفداری کی کہ اشارہ سے زیاد کو اپنے مافی الضمیر پر مطلع کردیا اور اُس کے بیان ہی پر مغیرہ کو چھوڑ کر باقی تین گواہوں پر حد جاری کردی۔ فقہی حیثیت سے قطع نظر بھی کرلی جائے تو عدل و انصاف کی رو سے آپ کا یہ طرز عمل کہاں تک ممدوح قرار پا سکتا ہے؟ آپ پر اگر مقدمہ ثابت نہیں تھا تو آپ نے دوسروں سے مشورہ کیوں نہیں کیا۔ دوسروں کی رائے کیوں نہیں حاصل کی۔ دوسروں کو بھی اپنے خیالات ظاہر کرنے کا موقع کیوں نہیں دیا۔

عجیب تماشہ ہے کہ خالد نے مالک بن نویرہ کو قتل کر کے اس کی زوجہ سے زنا کیا تو حضرت عمر کو اس درجہ غیظ و غضب ہوا کہ آپ حضرت ابوبکر سے خالد کو سزا دینے کے لئے گویا جنگ کرتے رہے اور وہاں کسی سے یہ نہیں پوچھا کہ خالد نے اس عورت کے ساتھ کیا کیا۔ کس طرح کیا۔ کسی نے وہ فعل کرتے اپنی آنکھوں سے دیکھا بھی تھا کسی نے گواہی بھی دی تھی کہ اس نے اپنی آنکھ سے خالد کی یہ حرکت مشاہدہ کی۔ وہاں بھی کسی سے حضرت عمر نے یہ جرح کی تھی کہ جس طرح سرمہ دانی میں سلائی جاتی ہے اس طرح اس عورت کی ... خالد ...

لیکن مغیرہ کی حمایت میں آپ نے یہ سب اہتمام کیا۔ دونوں واقعات کو ملاؤ۔ دونوں کے متعلق حضرت عمر کی جد و جہد کو دیکھو۔ دونوں کے بارے میں آپ کے جذبات کا جائزہ لو تو صاف معلوم ہوگا کہ دونوں کا واقعہ ایک ہی ایسا مگر آپ کا طرز عمل بالکل متضاد۔ اور دونوں صورتوں میں جرم ایک ہی مگر آپ کے حکم میں زمین و آسمان کا فرق۔ اور جمہوریت تو دونوں موقعوں کے فیصلوں سے پناہ مانگنے کو طیار!!!

اسلامی تاریخ کی ایک ایک کتاب پڑھ جاؤ۔ اور ہر ہر کتاب کا ایک ایک ورق اُلٹ جاؤ مگر تم اس امر کی تحقیق میں کسی طرح کامیاب نہیں ہو سکتے کہ حضرت عمر نے خالد کے متعلق جرم زنا کو کیوں فوراً قبول کرلیا۔ کیوں اس کے بھی چار گواہ نہیں طلب کئے۔ کیوں ان گواہوں کی بھی جرح و تعدیل نہیں کی۔ کیوں خالد اور ام متمم کو بھی بلا کر ان کا خاص بیان انکی زبان سے نہیں لیا۔ کیوں خالد کے مقدمہ میں بھی کسی گواہ کو اشارہ نہیں کیا کہ خدا اسکے ذریعہ سے ایک صحابی رسولؐ کو فضیحتی سے محفوظ رکھے گا۔ مغیرہ کے صحابی رسولؐ

ہونے کا تو آپ نے اتنا لحاظ کیا۔ پھر خالد کے صحابی رسول ہونے کی پروا کیوں نہیں کی۔ درحقیقت کہ خالد کا درجہ مغیرہ سے کہیں بڑھا ہوا تھا۔ خالد کو حضرت رسولخدا صلعم نے سیف اللہ کا خطاب دیا تھا اور ان کے جہادی کارناموں سے خوشی ظاہر فرمائی تھی۔ اس کے برعکس مغیرہ کو کوئی امتیاز نہیں حاصل تھا۔ لطف یہ کہ اس زمانہ میں آپ کے خلیفہ ماننے والے جس قدر اہل اسلام تھے وہ بھی بُت بنے ہوئے ان تمام امور کو دیکھتے رہے اور کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ اے خلیفہ جب آپ نے خالد کے مقدمہ میں گواہی نہیں طلب کی جب اس قضیہ میں آپ نے اس قسم کی جرح نہیں کیں تو آپ مغیرہ کو کیوں اس کا نفع پہنچاتے ہیں یہاں وجہ ترجیح کیا ہے۔ اس کو بھی تو بیان فرما دیجئے تا کہ آپ کے فیصلوں پر ہم لوگوں کو بھی اطمینان ہو۔ علامہ ابن خلکان اپنی تاریخ وفیات الاعیان ترجمہ یزید بن زیاد میں لکھا ہے کہ (مغیرہ کے مقدمہ میں گواہی کے لئے) زیاد آیا تو عمر فاروق نے اس کو دیکھ کر کہا دیکھو وہ شخص آگیا جس کی زبان کی بدولت مہاجرین سے ایک شخص رسوائی سے بچ جائیگا اور مغیرہ نے زیاد سے کہا اے زیاد خدا سے ڈرنا اور وہ سوء منظر جو تم نے دیکھا ہے اُس سے وہ بات نہ کہنے لگنا جو تم نے نہیں دیکھی ہے کیونکہ اگر تم میرے اور اُس عورت کے پیٹ کے درمیان بھی ہوتے تو بھی مجھ کو داخل کرتے ہوئے نہ دیکھ سکتے تھے پس حضرت عمر نے پوچھا تو زیاد نے کہا کہ میں نے مغیرہ کو اس عورت کی ٹانگیں اُٹھائے ہوئے اور اُسکے خصیوں کو اس کی رانوں کے درمیان آتے جاتے دیکھا ہے اور شدید دھکے اور بلند سانس کی آواز سُنی ہے مگر اس طرح نہیں دیکھا جس طرح سرمہ دانی میں سلائی آتی جاتی ہے پس حضرت عمر نے فرمایا اللہ اکبر اے مغیرہ اٹھو اور ان تینوں گواہوں کو حد افتراء کے کوڑے مارو۔ پس مغیرہ نے اسی اسی کوڑے تینوں کو مارے۔ کوڑے کھانے کے بعد ابو بکرہ نے کہا میں اب بھی گواہی دیتا ہوں کہ مغیرہ نے ایسا کیا۔ اس پر حضرت عمر فاروق نے دوبارہ حد مارنی چاہی تو حضرت علیؑ نے فرمایا اگر اس کو مارتے ہو تو اپنے صاحب کو رجم کرو۔ پس حضرت عمر نے اُسے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد موسم حج میں ام جمیل حضرت عمر سے ملی۔ مغیرہ بھی وہاں موجود تھے۔ حضرت عمر نے مغیرہ سے

پوچھا تم اس عورت کو جانتے ہو؟ مغیرہ نے مزاحی جواب دیا تو حضرت عمر نے کہا تم مجھ سے تجاہل عارفانہ کرتے ہو؟ واللہ میں گمان نہیں کرتا کہ ابوبکرہ نے تم پر جھوٹی گواہی دی۔ جب میں تم کو دیکھتا ہوں تو مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں مجھ پر آسمان سے پتھر نہ آپڑیں (وفیات الاعیان جلد ا صفحہ ۲۹۱)

مغیرہ کا قصہ حضرت عمر کی خلافت کا اس درجہ حیرت ناک واقعہ ہوا کہ آج تک آپکے ماننے والے علماء کو اس کا تشفی بخش جواب نہیں ملا۔ اور وہ اپنی کتابوں میں اسکی مختلف تاویلیں کرکے ممدوح کے دامن کو پاک کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن خود بھی سمجھتے ہیں کہ یہ باتیں کسی کی عقل میں آنے والی نہیں ہیں۔

(۳) حضرت عمر کا پہلا خطبہ جس کی عبارت پہلے تاریخ ابوالفداء سے نقل کی گئی خود حضرت عمر کے قول سے جمہوریت کے دعوے کو باطل کرتا ہے۔ ممدوح نے فرمایا تھا کہ "خدا کی قسم تم میں سے کوئی شخص میرے نزدیک کمزور سے زیادہ مضبوط نہیں ہے یہاں تک کہ میں اس کے لئے حق کو حاصل کر لوں۔ اور مضبوط سے زیادہ کمزور کوئی نہیں ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق کو حاصل کر لوں" جس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ کرینگے حضرت تنہا اپنی رائے۔ اپنی عقل۔ اپنی فہم۔ اپنے زور۔ اپنے اقتدار سے۔ اس میں نہ کسی کو شریک کرینگے۔ نہ کسی سے رائے لیں گے۔ نہ کسی سے کچھ دریافت کرینگے۔

(۴) خالد کے معزول کرنے کے بعد آپ نے شامی لشکروں کا سردار جناب ابوعبیدہ کو مقرر کیا۔ کیا اس میں بھی آپ نے جمہوری حکومت کا شبہہ پیدا ہونے دیا؟ کل مورخین کی عبارتوں کو چھوڑ کر مولوی شبلی صاحب ہی سے دریافت کرو کہ حضرت عمر نے یہ کارروائی لوگوں سے دریافت کرکے کی یا خود اپنی ذاتی رائے اور محض شخصی پسند سے انجام دی۔ لکھتے ہیں "خالد نے اس شرط کو نامنظور کیا اور اس بنا پر وہ سپہ سالاری کے عہدہ سے معزول کر دیئے گئے ... بایں ہمہ ان کو بالکل معزول نہیں کیا بلکہ ابوعبیدہ کے ماتحت کر دیا" (الفاروق جلد ا صفحہ ۱۶۰)

اللہ اکبر آپ کے عہد حکومت میں اتنا بڑا تغیر ہوتا ہے کہ خالد سیف اللہ معزول اور

ابوعبیدہ سردار مقرر کئے جاتے ہیں۔ لیکن نہ کسی سے پوچھا جاتا۔ نہ کسی سے مشورہ کیا جاتا اور نہ کسی کو کچھ بولنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ علامہ طبری وغیرہ نے لکھا ہے کان اول کتاب کتبہ عمر حین ولی الی ابی عبیدۃ یولیہ علی جند خالد۔ یعنی حضرت عمر نے خلیفہ ہوتے ہی سب سے پہلا فرمان جو لکھا وہ ابوعبیدہ کی طرف تھا جس میں ان کو لکھا کہ تم کو میں نے خالد کی فوج کا سردار مقرر کیا (طبری جلد ۴ صہ ۵۷)۔ غرض ہر کتاب کا ایک ایک ورق پڑھ جاؤ۔ تم کو کہیں یہ بات نہیں ملے گی کہ حضرت عمر نے ابوعبیدہ کو سردار فوج مقرر کرنے کے لئے کسی سے مشورہ کیا ہو۔ پھر جمہوریت کس کو کہتے ہیں؟

(۵) نہ صرف یہ کہ حضرت عمر خود جو چاہتے کرتے سرداران فوج بھی مطلق العنان چھوڑ دیئے گئے تھے۔ جو چاہتے کرتے اور ان کے افعال سے تعرض کرنے والا کوئی نہیں تھا مثلاً جب قنسرین کا محاصرہ ہوا ہے تو وہاں والوں نے شکست کھا کر صلح کی درخواست کی۔ ان کی یہ درخواست اس شرط پر منظور کی گئی کہ ان کا شہر تباہ و برباد کر دیا جائیگا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ بیچارے اس پر راضی ہوگئے اور وہ شہر برباد کر دیا گیا۔ کیا یہ مناسب کارروائی تھی؟ شکست خوردہ فوج جو طالب صلح ہوئی تھی اس پر کیوں مجبور کی گئی کہ ان لوگوں کا وطن مٹا دیا جائے۔ ان کی عمارتیں ڈھادی جائیں۔ ان کی زراعتیں تباہ کر دی جائیں۔ ان کی زندگی کے تمام آثار فنا کر دیئے جائیں۔ مگر ان لوگوں نے کیا اور حضرت عمر نے اپنی خاموشی سے ان سب کارروائیوں پر مہر رضا ثبت کر دی۔ اور کسی دوسرے دردمند وہمدرد حکومت نے بھی ان کارروائیوں پر زبان استفسار نہیں کھولی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس شہر نے کیا قصور کیا تھا جس کی سزا اس کو اس طرح دی گئی وہاں کی کمزور اور بے زبان مخلوقات کی کیا خطا تھی جس کی وجہ سے وہ سب بھی پیس دیئے گئے کیا اب بھی آپ کی حکومت کے متعلق کوئی شخص جمہوری کا نام لے سکتا ہے؟

(۶) گزشتہ سوال کی طرح یہ بھی ہے کہ جناب خالد نے مرعش کو فتح کیا اور اس کے کل باشندوں کو وہاں سے جلاوطن کر کے اس مقام کو بھی ویرانہ کر دیا۔ لیکن کسی نے بھی ان کو نہیں ٹوکا۔ اگر جمہوری حکومت کا دھبہ بھی اس پر پڑا ہوتا تو اس قسم کی کارروائیاں

کیا باقی رہ سکتی تھیں ؟ کیا جمہور خاموش رہتے ؟ (۷) جبلہ بن ایہم کا واقعہ بھی اس دعوے پر روشنی ڈالتا ہے۔ وہ ایک ممتاز اور ذی اثر شخص بلکہ شام کا مشہور رئیس بلکہ بادشاہ تھا اور مسلمان ہو گیا تھا لیکن ابھی اسلام کی تمام جزئیات پر اس کی نظر نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اس سے ایک معمولی غلطی ہو گئی کہ ایک فزاری شخص کی بے ادبی پر ایک طمانچہ لگا دیا۔ آپ نے اس سے فدیہ طلب کیا۔ وہ متوحش ہوا مگر آپ نے اسکی کچھ بھی دلدہی نہیں کی بلکہ جب وہ مرتد ہو جانے پر آمادہ ہوا تب بھی آپ کو تنبہ نہیں ہوا اور اس کے قتل کی دھمکی دیدی آخر وہ قسطنطنیہ چلا گیا۔ اور وہ اور اسکے ساتھ پانچ سو مسلمان بھی عیسائی ہو گئے۔ اس واقعہ میں بھی جو کچھ کیا تنہا حضرت عمر نے کیا نہ حکم خدا کا خیال کیا۔ نہ عمل رسولؐ کو دیکھا۔ نہ کسی سے رائے لی۔ نہ کسی سے مشورہ کیا۔ حالانکہ جانتے تھے اور دیکھ چکے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ میں منافقین کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جاتا تھا اور انکی کس درجہ دلجوئی کر کے ان کو اسلام کے حلقہ میں باقی رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اسی وجہ سے ان کو مؤلفۃ القلوب کہتے تھے۔ خود مولوی شبلی صاحب نے ان لوگوں کی حیثیت تسلیم کی ہے لکھتے ہیں " مکہ کے اکثر رؤسا جنہوں نے حال میں اسلام قبول کیا تھا ابھی تک مذبذب الاعتقاد تھے۔ انہی کو قرآن مجید میں مؤلفۃ القلوب کہا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں غنیمت کے مصارف بیان کئے ہیں ان لوگوں کا نام بھی ہے۔ آنحضرتؐ نے ان لوگوں کو نہایت فیاضانہ انعامات دیئے ... جن لوگوں پر انعام کی بارش ہوئی عموماً اہل مکہ اور اکثر جدید الاسلام تھے۔ اس پر انصار کو رنج ہوا۔ بعضوں نے کہا رسول اللہ نے قریش کو انعام دیا اور ہم کو محروم رکھا حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں۔ بعض بولے کہ مشکلات میں ہماری یاد ہوتی اور غنیمت اوروں کو ملتی ہے۔ آنحضرتؐ نے یہ چرچے سُنے تو انصار کو طلب فرمایا... آپ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں۔ میں نے ان کو جو کچھ دیا حق کی بنا پر نہیں بلکہ تالیف قلب کے لئے دیا " (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۳۹۶)۔ بالکل اسی طرح جبلہ بھی جدید الاسلام تھا۔ اسکے ساتھی بھی تازہ مسلمان تھے۔ ابھی ان کو اسلام کے کل قواعد و آداب کا علم نہیں تھا۔ وہ اس کے قوانین سے واقف نہیں تھے۔ اور ابھی

جبلہ کے دماغ سے شاہی بو زائل نہیں ہوئی تھی۔ اس وجہ سے اس نے فزاری کو ایک چپت لگادی۔ حضرت عمر اس کو سمجھا دیتے آئندہ کے لئے تاکید کر دیتے۔ بتا دیتے کہ اسلام میں اس کا بھی فدیہ دینا ضروری ہوتا ہے۔ اپنے پاس سے اس کو ادا کر کے اتنی بڑی جماعت کو حلقۂ اسلام میں باقی رکھ لیتے اور حضرت رسول صلعم کی تاسی کر کے ارباب بصیرت کو کہنے کا موقع دیتے کہ یہ خلیفہ رسولؐ ہیں۔ جس طرح رسولؐ نے نئے مسلمانوں کے ساتھ خاص برتاؤ کر کے ان کو متوحش نہیں کرتے تھے آپ نے بھی ان جدید الاسلام لوگوں کے ساتھ غض بصر کرنا مناسب سمجھا۔ لیکن افسوس یہ سب کچھ نہیں کیا اور دوسروں سے رائے مشورہ بھی نہیں کیا۔ نہ کسی کو کچھ بولنے کا موقع دیا۔ ایسی حالت میں بتاؤ آپکی حکومت کو جمہوری کس معنے میں کہا جاسکتا ہے؟ (۸) سنہ۱۷ ہجری میں آپ نے مسجد حرام کو وسیع کیا۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "حرم محترم کی عمارت کو وسعت دی اور اوسکی زیب و زینت پر توجہ کی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کو جو روز افزوں وسعت ہوتی جاتی تھی اس کے لحاظ سے حرم محترم کی عمارت کافی نہ تھی اسلئے ۱۷ھ میں گرد و پیش کے مکانات مول لے کر ڈھا دیئے اور اُن کی زمین حرم کی صحن میں شامل کردی" (الفاروق جلد ۲ صلہ۱۴)۔ سوال یہ ہے کہ اس کام کو ممدوح نے خود اپنی ہی رائے سے انجام دیا یا کسی سے رائے و مشورہ بھی کیا؟ کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا کہ آپ کا یہ فعل دوسروں کی رضامندی سے ہوا ہو۔ پھر آپکی حکومت جمہوری کیونکر ہوئی؟ حیرت تو یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے مکانات بیع نہیں کئے حضرت عمر نے ان سب کے مکانوں کو زبردستی ڈھا دیا اور سب کو تلوار کے زور سے خاموش کر کے انکی زمین مسجد میں شامل کردی۔ کیا یہ فعل صحیح ہوا؟ کیا یہ امر شریعتِ اسلام کے مطابق انجام پایا؟ کیا خدا اور رسولؐ نے اس کی اجازت دی ہے کہ لوگوں کے مکانوں کو غصب کر کے ڈھا دو اور اس جگہ مسجد بنا دو؟ حضرت عمر نے جس طرح لوگوں کے مکانوں کو قہر و غلبۂ زورِ حکومت سے لیا اور سب کو منہدم کرا کے مسجد حرام میں داخل کیا اس واقعہ کو محدثین و مورخین اسلام نے نہایت عبرت خیز الفاظ میں لکھا ہے (دیکھو تاریخ ابوالفدا۔ کتاب الاعلام۔ تاریخ مکہ از علامہ ازرقی وغیرہ) غالباً دنیا کا کوئی اور قابل

ذکر مذہب ایسا نہ ہو جس کی عبادت گاہ دوسروں کا مکان غصب کر کے بڑھائی گئی ہو اور وہ مکان والے بھی اسی مذہب کے ہوں۔ معلوم نہیں حضرت عمر کی اس توسیع کو اس وقت کے مسلمانوں نے کن نظروں سے دیکھا۔ یا جن لوگوں کے مکان لینے کی خواہش کی گئی ان کے ساتھ حضرت عمر نے کس قسم کا برتاؤ کیا کہ وہ اہل مکہ باوجود خود اہل اسلام ہونے کے اپنے مکانات دینے پر راضی نہیں ہوئے اور حضرت عمر کو ان سب کے حاصل کرنے کے لئے اپنی حکومت کی طاقت خرچ کرنے کی ضرورت ہوئی۔ اگر حضرت عمر کی حکومت جمہوری ہوتی تو آپ سب سے مشورہ کر کے یہ کام کرتے اور ایسی صورت میں دوسروں کے مکانوں کو زبردستی لے لینے اور ان کے منہدم کرا دینے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ نہ آپ پر یہ شدید الزام عائد ہوتا۔

اس جگہ حضرت رسول خدا صلعم کا طرز عمل بھی دیکھو تا کہ معلوم ہو سکے رسول کے فعل اور حضرت کے خلیفہ کے طرز عمل میں کس حد کا فرق ہے۔ اس کو بھی مولوی شبلی صاحب ہی کی عبارت میں دیکھو لکھتے ہیں "مدینہ میں قیام کے بعد سب سے پہلا کام ایک خانۂ خدا کی تعمیر تھی۔ اب تک یہ معمول تھا کہ مویشی خانہ میں آپ نماز پڑھا کرتے تھے۔ دولتکدہ کے قریب خاندان نجار کی زمین تھی۔ جس میں کچھ قبریں تھیں۔ کچھ کھجور کے درخت تھے۔ آپ نے ان لوگوں کو بلا کر فرمایا کہ "میں یہ زمین بہ قیمت لینا چاہتا ہوں" وہ بولے کہ "ہم قیمت لیں گے لیکن آپ سے نہیں بلکہ خدا سے"۔ چونکہ اصل میں وہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی آپ نے خود ان یتیموں کو بلا بھیجا۔ ان یتیم بچوں نے بھی اپنی کائنات نذر کرنی چاہی لیکن آپ نے گوارا نہ کیا۔ حضرت ابو ایوب نے قیمت ادا کی اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۲۰۵)۔ اس عبارت کا جو بہت مختصر کر کے لکھی ہے ایک ایک لفظ پڑھو اور دیکھو کہ حضرت رسول کو وہ زمین مفت ملتی تھی مگر حضرت نے گوارا نہیں کیا۔ اور حضرت عمر کو مکہ والے کسی طرح اپنا مکان دینے پر راضی نہیں تھے لیکن آپ نے زبردستی سب کے مکان منہدم کرا کے مسجد میں داخل کر لئے ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

(۹) آپ کے انتظامات میں یہ بھی ہے هو الذی اخر مقام ابراهیم الی موضعه الیوم کان ملصقا بالبیت آپ ہی وہ ہیں جنہوں نے خانہ کعبہ میں مقام ابراہیم کو اسکی جگہ

سے پیچھے ہٹا کر وہاں کر دیا جہاں وہ اب ہے حالانکہ وہ پہلے بیت الحرام سے ملا ہوا تھا۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۹۳)۔ یہ تغیر بھی ممدوح نے اپنی ذاتی رائے اور شخصی حکومت کی بنا پر کیا۔ نہ کسی صحابی سے رائے لی۔ نہ کسی مسلمان سے دریافت کیا۔ نہ اس کے لئے لوگوں کو جمع کر کے ان کے سامنے اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا نہ کسی کو بولنے کا موقع دیا۔

(۱۰) ھو اول من سن قیام شھر رمضان آپ ہی پہلے وہ بزرگ ہیں جنہوں نے ماہ رمضان المبارک میں تراویح کی ایجاد کی (تاریخ الخلفاء صفحہ ۹۳)۔ یہ بھی آپ کی محض ذاتی کارروائی تھی۔ نہ کسی اور مسلمان کے ذہن میں یہ بات آئی۔ نہ کسی اہل اسلام نے اس کا ارادہ کیا۔ اور نہ آپ ہی نے کسی سے رائے لیکر اس ایجاد کو اسلام میں داخل کیا۔ اسی وجہ سے مورخین اسلام نے اس واقعہ کو بھی آپ کے اولیات میں داخل کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ کہ وہ باتیں جن کی ایجاد کا سہرا صرف حضرت عمر کے سر پر ہے۔ کسی اور کو اس میں کسی قسم کی شرکت کا شرف حاصل نہیں ہوا۔

(۱۱) ھو اول من ضرب فی الخمر ثمانین۔ حضرت عمر پہلے وہ بزرگ ہیں جنہوں نے شراب پینے کی سزا میں اسی کوڑے مارنے کا حکم جاری کیا (تاریخ الخلفاء صفحہ ۹۳) مولوی شبلی صاحب بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ لکھا ہے "شراب پینے کی جو سزا پہلے سے مقرر تھی اس کو زیادہ سخت کر دیا یعنی پہلے ۴۰ دُرّے مارے جاتے تھے۔ انہوں نے ۴۰ سے ۸۰ کر دیئے" (الفاروق صفحہ ۲۱۴)۔ پہلے ۴۰ دُرّے تھے اس کا مطلب یہی تو ہوا کہ حضرت رسول خدا صلعم کے زمانہ میں یہ سزا تھی اور حضرت عمر نے اس کو بڑھا کر ۸۰ کر دیا۔ یہ مسئلہ علیحدہ ہے کہ خدا کے مقرر کئے ہوئے حدود اور حضرت رسول کی بتائی ہوئی سزا میں اصلاح دینے کا حق حضرت عمر کو تھا یا نہیں۔ ابھی اس کو اس حیثیت سے دیکھو کہ حضرت عمر کے یہ احکام اور تغیرات کیا جمہوری حکومت کے نتائج تھے؟ یا ذاتی حکومت۔ شخصی سلطنت۔ اپنے خاص اجتہاد کے کارنامے؟ پھر حضرت کی حکومت کے بارے میں جمہوریت کا نام کس طرح لیا جا سکتا ہے؟

(۱۲) ھو اول من حرم المتعۃ آپ ہی پہلے وہ بزرگ ہیں جنہوں نے متعہ کو حرام کیا (صفحہ ۹۳) اس کا ذکر نہیں کہ آپ نے ایسا کر کے شریعۃ اسلام میں دخل دیا۔ اور جس امر کو خدا و رسول

نے حلال کیا تھا اُسے حرام کیا بلکہ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ آپ نے اس کو جمہوری اصول کے مطابق
روکا یا شخصی حکومت کی رو سے۔ اگر جمہوری حکومت تھی تو آپ نے اس کے متعلق کس سے
مشورہ لیا۔ کس کی رائے دریافت کی۔ کس کو اظہار خیالات کا موقع دیا۔ کس کی رائے
پر عمل کرنے کی آمادگی ظاہر کی۔ اگر یہ سب کچھ نہیں ہوا تو آپ کے ذاتی اجتہادات
کا شرف آپ سے کیوں چھینا جاتا اور آپ کو انتظام جمہور کی رائے کا غلام کیوں
بنایا جاتا ہے؟ (۱۳) وھو اول من نھی عن بیع امھات الاولاد۔ آپ ہی وہ ہیں
جنہوں نے اولاد والی لونڈیوں کی خرید و فروخت منع کر دی (ص ۹۳)۔ اس کا مطلب
بھی واضح ہے کہ حضرت رسولؐ کے زمانہ میں جس امر کا رواج تھا اور خدا و رسولؐ نے
جس معاملہ کی اجازت دے رکھی تھی حضرت عمر نے اس کو روک دیا۔ مذہبی نقطہ نظر
چھوڑ کر دیکھو کہ جمہوری اصول کے مطابق آپ کا یہ طرز عمل کہاں تک ممدوح تھا۔
کیا اسکے لئے آپ نے عام مسلمانوں سے مشورہ کیا؟ کیا ارباب علم و فہم کی رائے دریافت
کی؟ کیا کسی کو بحث و تنقیح کا موقع دیا؟ (۱۴) ھو اول من جمع الناس فی صلوۃ الجنازۃ
علی اربع تکبیرات آپ ہی نے سب سے پہلے لوگوں کو حکم دیا کہ نماز جنازہ میں صرف
چار تکبیریں کہا کریں (ص ۹۳)۔ نماز جنازہ حضرت رسول خدا صلعم کے زمانہ میں بھی
ہوتی تھی اور خدا و رسولؐ ہی نے اس کا طریقہ بھی معین کر دیا تھا مگر حضرت عمر نے اسمیں
بھی اصلاح دے دی کہ پہلے چار تکبیروں پر اس کو ختم نہیں کیا جاتا تھا۔ آپ نے
اس کو لازمی قرار دے دیا۔ شرعی لحاظ سے اس کا جو مطلب سمجھا جائے لیکن
بحث تو جمہوری حکومت کی ہے۔ کیا اس میں جمہوریت کا کوئی اثر ظاہر ہوتا ہے؟ کیا
مسلمانوں کی رائے و مشورہ سے ایسا کیا گیا؟ کیا ارباب علم و عقل سے اس کو دریافت
کیا گیا؟ کیا اسکے متعلق بحث و تحقیق کی صورت اختیار کی گئی؟ اگر ایسا ہوا تو اُس زمانہ کے
کل اہل اسلام پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ سب نے خدا و رسولؐ کے احکام میں دخل
دیا اور سب شریعت اسلام میں تحریف کے مرتکب ہوئے۔ مگر کسی کتاب سے
نہیں معلوم ہوتا کہ قوانین اسلام میں کسی دوسرے مسلمان کو بھی کسی قسم کا تغیر کرنے کی جرأت
ہوتی تھی غرض حضرت عمر کے اس فعل میں بھی کسی اور کی کچھ شرکت نہیں ہوئی۔ اس وجہ سے

ماننا پڑے گا کہ حضرت عمر نے ملکی انتظامات کئے ہوں۔ یا سیاسی اصول ترتیب دیئے ہوں۔ یا مذہبی امور کو بدلا ہو سب کچھ خود ہی کیا اور کسی دوسرے کو ان امور میں شرکت کا شرف نہیں حاصل ہوا (۱۵) ھو اول من أعال الفرائض۔ حضرت ہی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے فرائض (میراث) میں عول کی صورت[۱] ایجاد کی (" صفحہ ۹۳) اس جگہ بھی اس کا ذکر نہیں ہے کہ مذہبی امور میں تغیر کر دینے یا خدا اور رسول کے مقرر کئے ہوئے قوانین میں اصلاح دینے کا حق حضرت عمر کو تھا یا نہیں اور کہاں تک یہ باتیں دائرۂ اسلام میں قرار پاسکتی ہیں۔ بلکہ سوال یہ ہے کہ حکومت کی حیثیت اور سلطنت کے اصول سے یہ باتیں جمہوری طرز حکومت کو ثابت کرتی ہیں یا شخصی اور ذاتی بادشاہت کو۔ مولوی شبلی صاحب نے مذہبی حیثیت سے ان تغیرات کی تاویل کرنے کی کوشش کی ہے لکھتے ہیں "جن چیزوں میں آنحضرت کے ارشادات منصب رسالت کی حیثیت سے نہ تھے ان میں اس بات کا موقع باقی رہا کہ زمانے اور حالات موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کئے جائیں۔ چنانچہ معاملات میں حضرت عمر نے زمانہ اور حالات کی ضرورتوں سے بہت نئے نئے قاعدے وضع کئے جو آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں" (الفاروق جلد ۲ صفحہ ۲۳۸)۔ اس توجیہ پر بڑا مشکل سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کو پیغمبر بنانے والا یقیناً خدا اور اسلام کے

---

[۱] عول علم فرائض کا ایک عمل ہے وہ یہ ہے کہ سہام کو بڑھا دینا جب حصہ والوں پر برابر تقسیم نہ ہو سکے ... اول من اعال الفرائض عمر بن الخطاب اول جس نے ترکوں میں عول کا قاعدہ نکالا وہ حضرت عمر تھے ... جب حضرت عمر ... جو خلفاے راشدین میں سے ہیں عول منقول ہے تو اب نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم کا قول انکار عول میں لائق تسلیم نہیں" (انوار اللغۃ پارہ ۱۸ صفحہ ۲۳۳) اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عول اسلام میں وہ نئی بات ہے جس کو بڑے بڑے علماء اب بھی پسند نہیں کرتے اور اس سے صاف صاف انکار کر دیتے ہیں اور اس وقت تک علماء اسلام اس سے سخت متوحش رہتے ہیں اور اسکی کوئی تاویل نہیں کر سکتے ۱۲

احکام کا حضرتؐ تک پہنچنے والا بھی وہی معبود برحق ہے۔ تو کیا اس نے قرآن مجید یا احادیث قدسیہ میں اس تفریق کو بتایا ہے جس پر مولوی شبلی صاحب اتنی بڑی عمارت کھڑی کر دیتے ہیں؟ کیا اس نے کسی طرح اس بات کی طرف اشارہ بھی کیا ہے کہ آنحضرتؐ کے کچھ ارشادات منصب رسالت کی حیثیت سے ہوتے ہیں اور کچھ اسکے خلاف؟ کچھ احکام اسلام ایسے ہیں جن میں تغیر نہیں ہو سکتا اور کچھ ایسے جن میں حضرت عمر اور خلفاء جس طرح چاہیں اصلاح دے دیں؟ اگر خدا نے اس کی صورت ظاہر نہیں کی تو کیا حضرت رسولخدا صلعم نے اس کو فرمایا ہے کہ میرے بعض ارشادات منصب رسالت کی حیثیت سے ہوتے ہیں اور بعض دوسری حیثیت سے؟ خدا نے تو آنحضرت صلعم کے بارے میں واضح اصول مقرر کر دیا ہے کہ وما ینطق عن الھوے ان ھوالا وحی یوحی رسولؐ کوئی بات اپنے دل سے نہیں کہتے بلکہ جو کچھ بیان کرتے ہیں میری وحی نازل ہونے کے بعد (پ ۲۷ ع ۵) پھر آنحضرتؐ کے ارشاد کو دو حصوں پر تقسیم کرنے کا حق کس کو ہے؟ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "حضرت عمر ان باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے کہ وہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں اُن میں دخل دیتے تو بزرگ ماننا درکنار ہم اُن کو اسلام کے دائرے سے بھی باہر سمجھتے" (الفاروق جلد ۲ صـ ۲۳۷)۔ اس پر پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر ان باتوں کو منصب رسالت سے الگ کیوں سمجھتے تھے؟ ان باتوں کو منصب رسالت سے الگ سمجھنے کا حق کیا کسی مسلمان کو ہے؟ کیا خدا اور رسولؐ نے کسی کو اس کی اجازت دی ہے کہ ان باتوں کو آنحضرتؐ کے منصب نبوت و عہدۂ رسالت سے الگ سمجھے؟ یہ گفتگو تو مذہبی حیثیت کے مطابق تھی۔ لیکن اصل بحث تو اس میں ہے کہ حضرت عمر کی حکومت جمہوری کس اصول پر کہی جاتی ہے؟ کیا حضرت ممدوح کی اس کثرت سے اصلاحیں جو آپ نے احکام خدا و رسولؐ میں کیں آپ کی ذاتی کارروائیاں اور شخصی تدبیریں نہیں تھیں؟ کیا جمہور نے ان سے کہا تھا کہ اسلام کے ان اصول و آداب کو آپ اس طرح بدلیں حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ کے امور میں یوں تغیر دے دیں؟ اگر کسی ایک مسلمان نے بھی ایسی جرءت کی ہو تو اس کا نام بتانا چاہیئے۔ ورنہ صاف اعلان کر دینا چاہیئے کہ

حضرت عمر جو کچھ کرتے تھے تنہا اپنی رائے۔ اپنے اجتہاد سے۔ کسی اور کو اس میں ذرہ برابر دخل نہیں تھا۔ اس امر کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اصول مسلمہ ہے تاویل القول بمالا یرضیٰ بہ قائلہ (کسی قول کی ایسی تاویل جس پر اس کا کہنے والا راضی نہ ہو) جائز نہیں ہے۔ مولوی شبلی صاحب نے اس پر بہت زور دیا ہے کہ حضرت عمر جس جس حکم خدا و رسولؐ میں اصلاح دیتے تھے اس کے متعلق ان کا خیال تھا کہ حضرت رسولؐ نے اس کو منصب نبوت سے الگ ہو کر کہا تھا۔ اگر اس خیال سے ایسا نہ کرتے تو آپ دائرۂ اسلام سے خارج سمجھے جاتے۔ لیکن یہ تو خود مولوی شبلی صاحب کی توجیہ ہے۔ پہلے بتانا چاہیئے کہ حضرت عمر نے بھی اپنے کسی قول سے اس کو واضح کیا ہے کہ وہ حضرت رسولؐ کی دو حیثیتیں قرار دیتے ہیں۔ ایک حیثیت وہ جس کی رو سے حضرتؐ کا کوئی حکم۔ کوئی قول۔ کوئی فتوے محتاج ترمیم نہیں تھا۔ اور دوسری حیثیت وہ جسکے مطابق آنحضرتؐ کے احکام اس قابل تھے کہ ان میں اصلاح دے دی جائے۔ مولوی صاحب کا بہت بڑا فرض یہ تھا کہ پہلے اس کو ثابت کرتے کہ حضرت عمر آنحضرت صلعم کی خدمات دین کو اس طرح تقسیم کرتے تھے لیکن افسوس آپ نے اس کی زحمت گوارا نہیں کی۔ یہ بھی بتانا چاہیئے تھا کہ حضرت عمر حضرت رسولخدا صلعم کے جن اقوال و احکام کو اصلاح طلب سمجھتے تھے ان میں اصلاح دینے کا اہل بھی صرف اپنی ہی ذات مبارکہ کو جانتے تھے یا اوروں کو بھی اس لائق خیال کرتے تھے۔ یعنی وہ یہ طے کئے ہوئے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے جس حکم کو خود چاہیں بدل دیں اور جس کو چاہیں باقی رکھیں۔ یہ اصول صرف آپ ہی تک محدود تھا یا حضرت ابو بکر۔ حضرت عثمان۔ معویہ۔ یزید۔ عبد الملک وغیرہ کو بھی اس کا حق حاصل تھا۔ اسکی بھی توضیح ضروری تھی کہ اس امر کا معیار کیا ہے کہ حضرت عمر نے آنحضرتؐ کے فلاں فعل کو منصب نبوت کی حیثیت سے الگ سمجھا اور فلاں کو اس کے مطابق خیال کیا۔ اگر صرف دنیوی امور میں ایسا ہوتا تب بھی کچھ سہولت ہوتی مگر ہم تو دیکھتے ہیں کہ نماز۔ روزہ۔ زکوۃ۔ میراث۔ حدود۔ غرض جس قدر دینی ابواب ہیں تقریباً سب میں ممدوح نے احکام خدا و رسولؐ پر اصلاح دے دی۔ تو اب وہ کون سے مسائل یا احکام تھے جن کے بارے میں تسلیم کیا جائے کہ حضرت عمر نے ان کو اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ آپ سمجھتے

تھے آنحضرتؐ نے ان سب کو منصب نبوت کے مطابق فرمایا تھا۔ (۱۶) ھو اول من اخذ زکوۃ الخیل۔ آپ ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے گھوڑوں کی زکوۃ لی۔ (تاریخ الخلفاء صسہ۹۳) ۔ معلوم ہے کہ زکوۃ اسلام کا مقرر کیا ہوا فریضہ ہے ۔ قرآن مجید ہی نے بار بار فرمایا ہے اقیموا الصلوۃ و آتوا الزکوۃ تم لوگ نماز قائم کرو اور زکوۃ دیا کرو ۔ اسکے متعلق موزخین نے تصریح کی کہ گھوڑوں کی زکوۃ سب سے پہلے حضرت عمر نے لی ۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ نہ حضرت ابو بکر نے لی اور نہ حضرت رسولؐ نے اور نہ خدا نے اس کو مقرر کیا بلکہ اس کی ایجاد حضرت عمر نے کی۔ مذہبی حیثیت سے اس پر سوال ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے کیوں ایسا کیا؟ ان کو کس نے یہ حق دیا کہ جس چیز کی زکوۃ خدا و رسولؐ نے نہیں معین کی اس کی زکوۃ وہ خود مقرر کریں ۔ لیکن ابھی گفتگو اس میں ہے کہ کیا حضرت عمر کی حکومت جمہوری تھی ۔ اس کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھو کہ جب حضرت عمر نے خدا اور رسولؐ کے مقرر کئے ہوئے اصول زکوۃ میں ترمیم کردی اور نہ کسی صحابی سے اس میں رائے لی ۔ نہ کسی مسلمان سے مشورہ کیا ۔ نہ عامہ مسلمین کا خیال دریافت کیا ۔ نہ دوسروں کو اظہار رائے کا موقع دیا تو آپکی حکومت جمہوری کس معنے سے کہی جا سکتی ہے ؟ (۱۷) وقال النووی فی تھذیبہ ھو اول من اتخذ الدرۃ وکذا ذکرہ ابن سعد فی الطبقات قال و قد قیل بعدہ لدرۃ عمر اھیب من سیفکم ۔ علامہ نووی نے اپنی کتاب تہذیب میں لکھا ہے کہ حضرت عمر ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے درہ کو اختیار کیا ۔ اور یہی مضمون علامہ ابن سعد نے بھی اپنی کتاب طبقات میں لکھا ہے ۔ اور بعد کو کہا جاتا تھا کہ حضرت عمر کا درہ تم لوگوں کی تلوار سے زیادہ ہیبت ناک ہے (ایضاً صسہ۹۳) ۔ اگر حضرت عمر معمولی بادشاہ ہوتے تو جو چاہتے کرتے لیکن چونکہ آپ نے مسلمانوں پر حکومت اس حیثیت سے کی کہ آپ حضرت رحمۃ للعالمین کے خلیفہ تھے اس وجہ سے دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی کہ آپ کا دُرّہ ایجاد کرنا کہاں تک مناسب تھا۔ اور ایسا کرنے سے آپکی حکومت جمہوری ثابت ہوتی ہے یا شخصی ۔ (۱۸) وھو الذی اخرج الیھود من الحجاز الی الشام واخرج یھود نجران الی الکوفۃ ۔ حضرت عمر ہی

وہ بزرگ ہیں جنہوں نے یہودیوں کو حجاز سے شام کی طرف اور نجران کے یہودیوں کو کوفہ کی طرف نکال دیا (تاریخ الخلفا، ص۱۳۹) ۔ حجاز عرب کے اس حصہ ملک کا نام ہے جہاں مکہ ہے اور شام وہاں سے بہت دور شمال کی جانب ہے ۔ حضرت عمر نے حجاز کے یہودیوں کو نکال دیا کہ شام میں چلے جائیں ۔ یہ مرقوم نہیں کہ یہودیوں کے کس قصور کی سزا ان کو یہ دی گئی کہ اپنے ملک سے نکال دیئے گئے ۔ اپنے وطن سے جلاوطن کر دیئے گئے ۔ اپنے گھر ۔ اپنی جائداد ۔ اپنی زراعت ۔ اپنے مقامی تعلقات سے محروم کر دیئے گئے ۔ اگر کسی خطا کا ذکر ہوتا تو دیکھا جاتا کہ کیا اس جرم کی اتنی بڑی سزا مناسب تھی یا نہیں ۔ لیکن جب ان کے کسی سبب کا ذکر نہیں تو ماننا پڑے گا کہ اُن کے صرف یہودی ہونے کی سزا ان کو یہ دی گئی کہ وہاں سے نکال دیئے گئے ۔ مذہبی حیثیت سے اس پر جو اعتراض ہوتا ہے اس کی وجہ سے آج اسلام تمام اہل مذاہب کے سامنے شرمندہ ہے کہ اسلام دوسرے مذہبوں کے ساتھ بربریت کا برتاؤ کرتا رہا ۔ مگر یہاں تو گفتگو حضرت کی حکومت کے متعلق ہے کہ جمہوری تھی یا شخصی ۔ اگر جمہوری حکومت تھی تو کیا جمہور میں عیسائی داخل نہیں تھے ؟ یہود کا ان میں شمار نہیں تھا ؟ ان کو ان میں دخل نہیں تھا ؟ پھر کیا حضرت عمر نے ان لوگوں سے رائے لے کر ان سب کو حجاز سے شام اور نجران سے کوفہ کی طرف نکالا ؟ اگر نہیں تو پھر یہ حکومتِ جمہور کیسے ہوئی ؟ اچھا پھر کیا دوسرے مسلمانوں سے اس کے بارے میں رائے لی گئی ؟ عامہ مسلمین سے اس کے متعلق مشورہ کیا گیا ؟ کسی کو بھی ان تجویزوں کے بارے میں کچھ کہنے کا موقع دیا گیا ؟ ان یہودیوں کے کم از کم اعذار تو دریافت کر لیئے گئے ہوتے ۔ ان کی مجبوریاں تو سُن لی گئی ہوتیں ۔ لیکن افسوس ان غریبوں کے ساتھ انسانیت کا ادنے برتاؤ بھی نہیں کیا گیا ۔ اور پھر دعوے یہ ہے کہ حضرت عمر کی حکومت جمہوری تھی !!!

(۱۹) مورخین و محدثین نے تفصیل سے لکھا ہے ثم قال لابنه یا عبد الله انظر ما علی من الدین فحسبوه فوجده ستة وثمانین الفا ونحوها ۔ جب حضرت عمر کی وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے صاحب زادے سے کہا اے عبد اللہ دیکھو مجھ پر کس قدر قرض ہے ۔ لوگوں نے اس کا حساب کیا تو ۸۶ ہزار نکلا (تاریخ الخلفاء ص۹۲ و ریاض نضرہ جلد ۲ ص۴۸ وغیرہ)

یہاں پہنچکر جمہوریت اپنا پورا حساب لینے کو طیار رہے۔ جمہوری حکومت کا ایک بڑا اصول یہ ہے کہ جمہور کا مال جمہور کی رائے و مشورہ سے خرچ کیا جائے۔ بیت المال کے مالوں کو حضرت عمر نے جس جس طرح صرف کیا اس کی تفصیل بہت طولانی ہو گی۔ بطور نمونہ یہی عبارت کافی ہے۔ حضرت عمر سمجھتے تھے کہ آپ نے بیت المال کی جس قدر رقم قرض کے نام سے لی ہے وہ اتنی کم ہوگی کہ جناب عبد اللہ خود ہی اس کا حساب کرکے بتا دینگے۔ اس وجہ سے ان کے ذمہ یہ کام کر دیا۔ مگر صاحب زادے اس میں ناکامیاب رہے تو بہت سے ہمدردوں نے اس کا حساب کیا۔ اور معلوم ہوا کہ وہ رقم دہائی تک محدود نہیں ہے سیکڑوں تک بھی نہیں ہے بلکہ ۸۶ ہزار ہے۔ اس رقم کو حضرت عمر نے کیا جمہور کی رائے و مشورہ سے خرچ کیا تھا؟ کیا کسی کو اس کی اطلاع بھی دی تھی کہ میں بیت المال کی دولت اپنی ذات میں صرف کر رہا ہوں؟ نہیں اور یقیناً نہیں تو آپ کی حکومت جمہوریت کی صفت سے کیونکر متصف کی جاتی ہے؟ یہ واضح ہے کہ اس زمانہ کے کل مسلمان ایسے خوش حال نہیں ہو گئے تھے کہ کسی کو ان مالوں کی ضرورت نہ رہی ہو۔ ایسی صورت میں آپ کا اتنی گراں قدر رقم کو صرف اپنی ذات میں خرچ کر دینا اچھی طرح واضح کرتا ہے کہ جس قدر مستحق لوگوں کا کام اس رقم سے نکلتا ان سب کی ضرورتیں معطل رہیں۔ اور وہ نقصان اوٹھاتے رہے اور حضرت عمر ان کی حاجتوں سے چشم پوشی کرکے بیت المال کی رقموں کو اپنی ذات میں صرف کرتے چلے گئے۔ اور اگر آپکی وفات کا زمانہ نہ آجاتا تو معلوم نہیں وہ رقم ۸۶ ہزار سے بھی بڑھکر کتنے لاکھوں تک پہنچ جاتی فاعتبروا یا اولی الابصار۔ (۲۰) حضرت عمر کی زندگی کا آخری انتظام بھی اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "اُس وقت اسلام کے حق میں جو سب سے اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا۔ تمام صحابہ بار بار حضرت عمر سے درخواست کرتے تھے کہ اس مہم کو آپ طے کر جایئے۔ حضرت عمر نے خلافت کے معاملہ پر مدتوں غور کیا تھا اور اکثر اس کو سوچا کرتے تھے۔ بار بار لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطاں پیچاں ہیں۔ مدت کے غور و فکر پر بھی اُن کے انتخاب کی

نظر کسی شخص پر جمتی نہ تھی۔ بار ہا اُن کے منہ سے بے ساختہ آہ نکل گئی کہ افسوس اس بارِ گراں کا کوئی اوٹھانے والا نظر نہیں آتا۔ تمام صحابہ میں اُس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی علیؓ۔ عثمانؓ۔ زبیرؓ۔ طلحہؓ۔ سعد و قاصؓ۔ عبدالرحمن بن عوفؓ لیکن حضرت عمر ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے [۱] اور اس کا اونھوں نے

---

[۱] حضرت عمر نے اور بزرگوں کی نسبت جو خردہ گیریاں کیں گو ہم نے اُن کو ادب سے نہیں لکھا لیکن اُن میں جائے کلام نہیں۔ البتہ حضرت علیؓ کے متعلق جو نکتہ چینی حضرت عمر کی زبانی عام تاریخوں میں منقول ہے یعنی یہ کہ اُن کے مزاج میں ظرافت ہے۔ یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ ظریف تھے مگر اُسی قدر جتنا ایک لطیف المزاج بزرگ ہو سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش کسی طرح اُن کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ علامہ طبری نے اس معاملہ کے متعلق حضرت عمر کے خیالات مکالمہ کی صورت میں نقل کئے ہیں۔ ہم اُن کو اس موقع پر اس لئے درج کرتے ہیں کہ اس سے حضرت عمر کا رازِ سربستہ معلوم ہوگا۔ مکالمہ عبداللہ بن عباس سے ہوا تھا جو حضرت علیؓ کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے۔

حضرت عمر۔ کیوں عبداللہ بن عباس! علیؓ تمہارے ساتھ کیوں نہیں شریک ہوئے؟

عبداللہ بن عباس۔ میں نہیں جانتا۔

حضرت عمر۔ تمہارے باپ رسولؐ اللہ کے چچا اور تم رسولؐ اللہ کے چچیرے بھائی ہو۔ پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہیں ہوئی؟

عبداللہ بن عباس۔ میں نہیں جانتا۔

حضرت عمر۔ لیکن میں جانتا ہوں تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہیں کرتی تھی۔

عبداللہ بن عباس۔ کیوں؟

حضرت عمر۔ وہ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں۔ شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابوبکر نے تم کو خلافت سے محروم کر دیا لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں۔ ابوبکر نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔

مختلف موقعوں پر اظہار بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ طبری وغیرہ میں ان کے ریمارک بہ تفصیل

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۴) اگر وہ تم کو خلافت دینا بھی چاہتے تو اُن کا ایسا کرنا تمہارے حق میں کچھ بھی مفید نہ ہوتا۔ دوسرا مکالمہ اس سے زیادہ مفصل ہے۔ کچھ باتیں تو وہی ہیں جو پہلے مکالمہ میں گزریں۔ کچھ نئی ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

حضرت عمر۔ کیوں عبداللہ بن عباس! تمہاری نسبت میں بعض بعض باتیں سُنا کرتا تھا لیکن میں نے اس خیال سے اس کی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کم نہ ہو جائے۔

عبداللہ بن عباس۔ وہ کیا باتیں ہیں؟

حضرت عمر۔ میں نے سُنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافہ حسداً اور ظلماً چھین لی۔

عبداللہ بن عباس۔ ظلماً تو میں نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں لیکن حسداً تو اس کا تعجب کیا ہے۔ ابلیس نے آدمؑ پر حسد کیا اور ہم لوگ آدمؑ ہی کی اولاد ہیں پھر محسود ہوں تو کیا تعجب ہے؟

حضرت عمر۔ افسوس خاندان بنی ہاشم سے پُرانے رنج اور کینے نہ جائیں گے۔

عبداللہ بن عباس۔ ایسی بات نہ کہئے۔ رسول اللہ صلعم بھی ہاشمی ہی تھے۔

حضرت عمر۔ اس تذکرہ کو جانے دو۔

عبداللہ بن عباس۔ بہت مناسب (دیکھو تاریخ طبری صفحہ ۲۷۶۸ و ۲۷۷۱)۔

مولوی شبلی صاحب نے ان تعلقات کی تشریح نہیں کی جن کی وجہ سے قریش کسی طرح حضرت علیؑ کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ اسلامی تاریخ کا ایک ایک ورق پڑھ جاؤ۔ کوئی بھی مولوی صاحب کے اس خیال کی تائید کرنے کے لئے طیار نہیں ہے بنو ہاشم قریش ہی تھے بلکہ قریش کے رکن اعظم۔ ان کے بارے میں موصوف نے اسی الفاروق میں بار بار لکھا ہے کہ بنو ہاشم حضرت علیؑ کے سوا کسی کی خلافت نہیں چاہتے تھے۔ اس خاندان کے بعد قریش کا جو خاندان سب سے زیادہ طاقتور سب سے زیادہ مقتدر۔ سب سے زیادہ ذی اثر تھا وہ بنی امیہ کا تھا۔ وہ اس وقت تک حضرت علیؑ ہی کی خلافت کے لئے زور دیتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے سردار اعظم ابوسفیان نے حضرت علیؑ سے اپنے پورے خیالات ظاہر کر کے ثابت کر دیا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ یا

مذکور ہیں۔ مذکورہ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علیؑ کو سب سے بہتر جانتے تھے لیکن بعض اسباب سے ان کی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے" (الفاروق جلد ۱ صفحہ ۲۰۶)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۵) ان کے خاندانوں کو کسی طرح اس کا اہل نہیں سمجھتے ہیں۔ پہلے وہ عبارتیں لکھی جا چکی ہیں۔ یہاں پھر دیکھو۔ لما اجتمع الناس علے بیعة ابی بکر اقبل ابو سفیان وھو یقول واللہ انی لاریٰ عجاجة لا یطفئھا الا الدم۔ یا آل عبد مناف فی ما ابو بکر من امورکم۔ این المستضعفان۔ این الاذلان علی والعباس۔ وقال اباحسن ابسط یدک حتے ابایعک فابے علی علیہ۔ جب لوگوں نے حضرت ابو بکر کی بیعت کر لی تو (بنی امیہ کا سردار) ابو سفیان یہ کہتا ہوا آگے بڑھا کہ خدا کی قسم میں (فتنہ و فساد کا) وہ غبار دیکھ رہا ہوں جس کو خون ریزی کے سوائے کوئی چیز زائل نہیں کر سکتی۔ اے عبد مناف تمہارے امور میں ابو بکر کو کیا دخل؟ جو دونوں شخص کمزور سمجھ لئے گئے وہ کہاں ہیں؟ یعنی جو دونوں علیؑ و عباس مغلوب کر لئے گئے وہ کہاں ہیں؟ اسکے بعد کہا اے ابو الحسن (حضرت علی) آپ اپنا ہاتھ پھیلایئے میں آپکی بیعت کرتا ہوں مگر حضرت علیؑ نے (اس اختلاف سے) انکار کر دیا (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۰۳)۔ مولوی صاحب بتائیں کہ اگر حضرت علیؑ کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ ہوتے کہ قریش کسی طرح اُن کے آگے سر نہیں جھکا سکتے" تو بنو ہاشم کیوں ہمیشہ اسی فکر میں رہے۔ بنو امیہ کے سردار نے کیوں حضرت علیؑ کو خلافت پر قبضہ کر لینے کے لئے اُبھارا؟ انصار کیوں کہتے تھے کہ ہم حضرت علیؑ کے سوائے کسی کی بیعت نہیں کریں گے؟ اسلام کے رکن یہی تین قبیلے تھے اور تینوں قبیلے مصر تھے کہ حضرت علیؑ ہی خلافت کو زینت بخشیں کسی اور کو یہ نہ ملے۔ حضرت عمر کے مکالمہ پر بھی انہیں باتوں سے کافی روشنی پڑتی ہے۔ ممدوح نے معلوم نہیں کس عالم میں جناب عبداللہ سے سوال کیا کہ "تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہیں ہوئی" وہ کون قوم تھی جو حضرت علیؑ کی طرفدار نہیں ہوئی؟ بنی امیہ کی حالت تم نے ابھی سنی۔ انصار کا ایک زبان ہو کر حضرت علیؑ کے طرف ہونا

پوری عبارت پڑھ جاؤ کسی ایک لفظ سے بھی یہ وہم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے اپنی حکومت میں جمہور کو ذرہ برابر بھی دخل دیا؟ آپ خلافت کے مسئلہ پر مدتوں غور و فکر کرتے رہے مگر یہ آپ کا ذاتی فعل تھا۔ اور اس سے کسی کو انکار کی وجہ نہیں ہے لیکن سوال یہ ہے کہ آپ نے اس کے بارے میں مسلمانوں سے کیا رائے و مشورہ کیا؟ عامۂ مسلمین کے خیالات دریافت کئے؟ کسی کو اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنے کا بھی موقع دیا؟

(بقیہ حاشیہ ط۳۲۶) تم پہلے معلوم کر چکے۔ بنو ہاشم تو حضرتؑ کے تھے ہی۔ جن کے بارے میں مولوی صاحب لکھ چکے ہیں "بنو ہاشم اپنے ادعا پر رکے رہے اور حضرت فاطمہؑ کے گھر میں وقتاً فوقتاً جمع ہو کر مشورے کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمر نے بزور اُن سے بیعت لینی چاہی لیکن بنو ہاشم حضرت علیؑ کے سوا اور کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔" (الفاروق ص۱۷)۔ سب کا نتیجہ یہی تو نکلا کہ صرف حضرت ابو بکر و عمر اور آپ ہی کے طرفدار ایسے تھے جو حضرتؑ کی مخالفت پر جمے ہوئے تھے ورنہ تمام عرب کی یہی تمنا تھی کہ حضرت رسولؐ کے خلیفہ حضرت علیؑ ہی ہوں۔ حضرت عمر نے یہ عجیب و غریب دعوے کیا ہے کہ "تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہیں کرتی تھی"۔ اگر قوم سے مراد صرف حضرت ابو بکر و عمر کی ذاتیں تھیں تو صحیح ہے۔ اور اگر اس قوم سے مراد کچھ اور لوگ تھے تو بتانا چاہیئے وہ کون تھے۔ حضرت عمر کا یہ قول اور زیادہ حیرت خیز ہے کہ وہ یہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں کا رہنا پسند نہیں کرتے تھے حضرت عمر کا فرض تھا کہ وہ اس کی بھی تصریح کر دیتے وہ کون لوگ تھے جن کا یہ خیال تھا۔ عرب کے رہنے والوں کا حال تو معلوم ہو چکا کہ بنو ہاشم حضرت علیؑ کے سوا کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ بنو امیہ کے سردار ابو سفیان کا جوش بیان ہو چکا کہ وہ حضرت علیؑ کی حمایت میں مدینہ کو سوار اور پیدلوں سے بھر دینے کے لئے حضرت علیؑ کی صرف اجازت چاہتا تھا۔ انصار قاطبتہ یہی کہتے تھے کہ ہم حضرت علیؑ کے سوا کسی کی بھی خلافۃ تسلیم نہیں کریں گے۔ اور حضرت عثمان کی خلافت کے بعد انہیں مہاجرین و انصار نے متفق اللفظ حضرت علیؑ کی خوشامدیں کیں کہ اس خلافت کے بار کو اٹھا لیجئے۔ حضرت

اگر نہیں تو آپ کی حکومت شخصی ہوئی یا جمہوری؟ اللہ اکبر حضرت عمر دنیا سے جا رہے ہیں اور تمام مسلمانوں کی حکومت کسی اور شخص کے ذمہ ہونے والی ہے مگر آپ کسی سے بھی مشورہ نہیں کرتے اور جو کچھ انتظام کرتے ہیں اپنی عقل و فہم۔ اپنے علم۔ اپنے جذبات اپنی خواہش دل اور اپنے نفس کی قوت فیصلہ پر اور پھر زور و غرور سے کہا جاتا ہے کہ حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۲۶) برابر انکار ہی کرتے رہے لیکن کوئی نہیں مانا اور حضرتؑ کو مجبوراً ظاہری خلافت قبول کرنی ہی پڑی۔ اس وقت کیا نبوت اور خلافت دونوں ایک ہی خاندان میں نہیں آئیں؟ غرض وفات رسولؐ کے وقت اکثر مسلمانوں کی خواہش اور چوتھی خلافت کے موقع پر تمام اہل اسلام کے زور نے واضح کر دیا کہ حضرت عمر کا مذکورہ بالا خیال صحیح نہیں تھا اور اس کی وجہ سے آپ شدید غلط فہمی میں مبتلا تھے۔ بس صرف دو موقع پر کتابوں سے زیادہ پتا نہیں چلتا کہ ان لوگوں نے حضرت علیؑ کی خلافت کے لئے اس طرح زور دیا ہو جس طرح پہلی اور چوتھی خلافت کے وقت کوشش کی اولاً حضرت ابوبکر کی وفات پر اور وہ غالباً اس وجہ سے کہ حضرت ابوبکر نے خود ہی اپنا خلیفہ حضرت عمر کو مقرر کر کے سب سے آپ کی بیعت لے لی اور کسی کو کچھ بھی بولنے کا موقع نہیں دیا۔ دوسرے حضرت عمر کے بعد کہ آپ نے مجلس شوریٰ کا انتظام کر کے پھر مسلمانوں کی زبانیں بند کر دی تھیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اور بھی چند مکالمے نقل کر دیئے جائیں۔ جن سے ان امور پر کچھ زیادہ روشنی پڑے۔ یہی جناب عبد اللہ بن عباس کہتے تھے کہ ایک دفعہ میں اور حضرت عمر ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے مدینہ کے ایک کوچہ میں چلے جاتے تھے تو اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

حضرت عمر۔ اے ابن عباس میں گمان کرتا ہوں کہ تمہارے صاحب (حضرت علیؑ) پر ظلم ہوا۔

عبد اللہ بن عباس (نے اپنے دل میں کہا کہ قسم بخدا ابھی پھر ایسا موقع ہاتھ نہیں آئیگا۔ اس وجہ سے میں نے جواب دیا) اے خلیفہ! پھر جو کچھ اُن (حضرت علیؑ) سے بظلم چھینا گیا ہے انہیں واپس کیوں نہیں کر دیتے؟

حضرت عمر (نے یہ سنکر میرے ہاتھ میں سے اپنا ہاتھ نکال لیا اور تھوڑی دور گنگناتے ہوئے

عمر کی حکومت جمہوری تھی۔ کیا اس تعریف کی کوئی اور مثال بھی دنیا میں مل سکتی ہے؟
ہاں اس میں شبہہ نہیں کہ حضرت عمر نے بعض موقعوں پر ممتاز صحابہ سے مشکل مواقع میں مشورے کئے ہیں۔ ان سے رائیں لی ہیں۔ ان سے اپنی پریشانیاں ظاہر کی ہیں اُن کی عقل و فہم اور علم و حکمت سے مدد لی ہے اور جس بات کو خود حل نہیں کر سکے اس کے متعلق

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۸) چلے گئے۔ پھر ٹھہر گئے اور میں اُن تک جا پہونچا فرمانے لگے اے ابن عباس میں گمان کرتا ہوں کہ تمہاری قوم نے تمہارے صاحب کی کم سنی کی وجہ سے اُن کو خلیفہ نہیں ہونے دیا۔ انہوں نے ان کو صغیر سمجھا۔
عبداللہ ابن عباس۔ (میں نے اپنے دل میں کہا کہ پہلا فساد تو یہی ہے اور حضرت عمر کو جواب دیا) ۔خدا کی قسم اللہ اور اسکے رسولؐ نے تو حضرت علیؑ کو کم سن نہ جانا جب انہیں حکم دیا تھا کہ تمہارے صاحب (حضرت ابو بکرؓ سے) سورہ براءۃ واپس لیکر مکہ والوں تک پہونچائیں۔
حضرت عمر نے اس جواب پر مجھ سے منہ پھیر لیا اور دوسری طرف خاموش چلے گئے تو میں بھی واپس آیا (شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحہ ۱۰۵ از کتاب موفقیات زبیر ابن بکار) یہی جناب عبداللہ بن عباس کہتے تھے کہ میں ایک دفعہ حضرت عمر کے ساتھ ملک شام کی طرف گیا۔ وہ ایک دن اپنے اونٹ پر اکیلے نکلے۔ میں بھی ساتھ ہو لیا تو مجھ سے کہنے لگے اے ابن عباس! میں تم سے تمہارے ابن عم (حضرت علیؑ) کی شکایت کرتا ہوں۔ میں نے اُن سے کہا تھا کہ میرے ساتھ چلو مگر وہ نہ آئے۔ اور میں ان کو ہمیشہ اپنے سے غضب ناک ہی دیکھتا ہوں۔ کیا تم کو بھی اس کا کچھ سبب معلوم ہے وہ مجھ سے غضب ناک کیوں رہتے ہیں؟
عبداللہ بن عباس۔ یہی بات ہے۔ انھیں یہ یقین ہے کہ رسولؐ اللہ نے خلافت انکو عطا کی تھی
حضرت عمر۔ اے ابن عباس! رسولؐ اللہ کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے جب خدا نے نہ چاہا۔ بات یہ ہے کہ رسولؐ اللہ نے چاہا تھا اور اللہ تعالے نے اسکے خلاف چاہا تو خدا کی مراد جاری ہوئی اور رسولؐ اللہ کی مراد جاری نہ ہوئی۔ دیکھو رسولؐ اللہ نے بہت ہی چاہا کہ اُن کا چچا اسلام لائے لیکن خدا نے نہ چاہا تو وہ اسلام نہیں ہی لایا۔

دوسروں کیطرف رجوع کی ہے۔ مثلاً حضرت علیؑ ہی سے آپ نے بے حساب موقعوں پر علمی، عملی، دینی، دنیوی، سیاسی، و انتظامی اعانتیں حاصل کی ہیں اور حضرت علیؑ نے بار بار آپ کی مدد کی جس پر آپ بول اوٹھے لولا علی لھلک عمر۔ اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتا لا بقیت لمعضلۃ لیس لھا ابوالحسن جس مصیبت کے دفع کرنے کے لئے

(بقیہ حاشیہ ۳۲۹) رسولؐ اللہ نے تو یہ بھی چاہا تھا کہ مرض موت میں خلافت کے لئے علیؑ کا نام لکھ دیں مگر میں نے فتنہ اور امر اسلام کے پراگندہ ہوجانے کے خوف سے روک دیا۔ رسولؐ اللہ بھی میرے دل کی بات کو سمجھ گئے اور رُک گئے۔ اور اللہ نے جو مقدر کیا تھا وہی ہوا (شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ صـ ۱۱۴)

یہی عبد اللہ بن عباس یہ بھی کہتے تھے کہ میں حضرت عمر کی ابتدائی خلافت میں ایک دفعہ اُن کے پاس گیا دیکھا کہ ایک صاع (ساڑھے تین سیر) کھجوریں بوریئے پر اُن کے آگے رکھی ہیں۔ مجھ سے کہا تم بھی کھاؤ۔ میں نے ایک کھجور اوٹھائی۔ حضرت عمر حسب معمول کھاتے رہے اور اکیلے ہی سب کھا گئے۔ پاس ٹھلیا رکھی تھی اس میں سے پانی پیا اور گاؤ تکیہ پر کہنی لگا کر لیٹ رہے۔ اور بار بار شکر خدا کرنے لگے۔ پھر اسطرح باتیں ہونے لگیں

حضرت عمر۔ اے عبد اللہ کہاں سے آئے؟

ابن عباس۔ مسجد سے۔

حضرت عمر۔ تمہارے ابن عم کیا کر رہے تھے۔

ابن عباس۔ (کہتے تھے کہ میں سمجھا عبد اللہ بن جعفر کو پوچھتے ہیں۔ اس وجہ سے میں نے کہا)۔ اپنے ہم جولیوں میں کھیل رہے ہیں۔

حضرت عمر۔ میری مراد وہ نہیں ہیں بلکہ تم اہلبیت کے بزرگ (حضرت علیؑ) مقصود ہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔

ابن عباس۔ وہ تو فلاں شخص کے کھجوروں کے باغ میں پانی دے رہے ہیں اور قرآن مجید کی تلاوت اس حالت میں بھی کئے جا رہے ہیں۔

حضرت عمر۔ اے عبد اللہ تم کو قسم ہے سچ کہنا۔ اگر چھپاؤ گے تو تم پر اونٹنیوں کی قربانی

حضرت علیؓ نہ ہوں اس کے نازل ہوتے وقت تک خدا مجھے زندہ ہی نہ رکھے۔

مسٹر امیر علی نے لکھا ہے کہ "حضرت عمرؓ کے عہد حکومت میں جس قدر کام رفاہ عام کے ہوئے وہ سب حضرت علیؓ ہی کے صلاح و مشورہ سے عمل میں آئے" (تاریخ اسلام)۔ لیکن یہ سب ذاتی اور شخصی اصول کے مطابق تھا۔ جس طرح ہر مطلق العنان بادشاہ جو جمہور کا بالکل تابع نہیں ہوتا کوئی مشکل پیش آنے پر اپنے ملک کے ہر اس شخص کی طرف رجوع کرتا ہے جس کو اس کام کے حل کرنے کے لئے مناسب سمجھتا ہے۔ خواہ وہ اس کا وزیر ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۳۰) واجب ہو جائے گی۔ آیا اب بھی علیؓ کے دل میں خلافت کا کچھ خیال باقی ہے؟

ابن عباس۔ یقیناً باقی ہے۔

حضرت عمر۔ کیا اُن کو یقین ہے کہ رسولؐ اللہ نے انکی خلافت کے لئے نص کردی تھی؟

ابن عباس۔ ہاں اور اس سے بڑھکر سُنئے میرے والد (حضرت عباس) سے حضرت علیؓ کے دعوے کے بارے میں دریافت کیا گیا تھا تو اونھوں نے بھی کہا تھا کہ یہ سچا دعوے ہے۔

حضرت عمر۔ بے شک رسولؐ اللہ سے علیؓ کے بارے میں بعض باتیں ایسی ہوتی تھیں جن سے کوئی حجت ثابت نہیں ہوتی اور عذر قطع نہیں ہوتا یعنی صریح نہیں ہوتی تھیں اور کبھی حضرتؐ اُن کے بارے میں مبالغہ کرتے تھے اور اس محبت کے سبب جو علیؓ سے رکھتے تھے۔ حضرت رسولؐ اللہ علیؓ کے باب میں حق سے باطل کی طرف مائل ہو جانا چاہتے تھے۔ اور یہ بھی یقینی ہے کہ حضرت رسولؐ نے اپنے مرض موت میں علیؓ کے نام کی تصریح کردینی چاہی تھی۔ مگر میں نے اس سے ان کو روک دیا۔ جس سے میری غرض صرف اسلام کی ہمدردی تھی۔ کعبہ کے رب کی قسم علیؓ کے بارے میں کبھی قریش کا اجتماع نہ ہوگا۔ اور اگر لوگ ان کو خلیفہ بنا بھی لیں گے تو ہر طرف سے عرب ان سے شورش کریں گے پس رسولؐ اللہ سمجھ گئے کہ میں انکے دل کی بات تاڑ گیا۔ غرض وہ رُک گئے۔ علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ اس خبر کو احمد بن ابی طاہر نے اپنی تاریخ بغداد میں لکھا ہے (شرح ابن ابی الحدید جلد ۳ صفحہ ۹۷) اور علامہ مسعودی نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر اور جناب ابن عباس میں اسطرح

یا مدار المہام۔ یا اس کی ریاست کا کوئی بڑا مدبر۔ یا کسی فن کا استاد۔ یا کسی مذہب کا پیشوا
سکندر۔ بخت نصر۔ چنگیز خاں۔ تیمور وغیرہ جس قدر خود راے بادشاہ گزرے ہیں سب
اپنے اعوان و انصار سے راے و مشورہ بھی کر لیا کرتے تھے اور جو بات ان کو مفید معلوم
ہوتی تھی اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ تو کیا اس کی وجہ سے ان کی حکومت شخصی یا ذاتی سلطنت

(بقیہ حاشیہ ۳۳۱) باتیں ہوئیں:۔
حضرت عمر۔ اے ابن عباس! حمص کا حاکم مرگیا! اور وہ اہل خیر سے تھا۔ اور ایسا اہل خیر
ہمیشہ کم ہوتے ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ تم بھی اہل خیر سے ہو۔ مگر ہم کو تمہاری طرف سے ایک
کھٹکا ہے جس کو تم سے دیکھا نہیں۔ اور اس نے ہم کو تھکا دیا ہے۔ تو تمہاری کیا راے
ہے وہاں کی حکومت قبول کرو گے؟
ابن عباس۔ جب تک آپ اُس خلش کو بیان نہ کرینگے ہم اس منصب کو قبول نہیں کرینگے۔
حضرت عمر۔ تمہیں اس بات سے کیا غرض۔
ابن عباس۔ غرض ہے کیوں نہیں۔ اگر وہی بات ہے جس کا خوف ہم کو اپنے نفس سے ہے تو
اس سے بے شک خوف کرنا چاہئے۔ اور اگر جس کا ہم کو خوف ہے وہ نہیں ہے کوئی دوسری
بات ہے جس سے ہم بری ہیں تو بے شک آپکے حکم کو قبول کرینگے۔ کیونکہ میں کمتر کسی بات
کو دیکھتا یا گمان کرتا ہوں مگر یہ کہ اُس کا مشاہدہ کر لیتا ہوں۔
حضرت عمر۔ وہ بات یہ ہے کہ مجھ کو اس کا خوف ہے کہ اگر اجل ہمیں میری اُس زمانہ
میں آگئی کہ تم ہماری طرف سے وہاں کے حاکم ہو تو تم ضرور لوگوں کو اپنی طرف کھینچو گے اور لوگوں
سے کہوگے کہ ہماری طرف آؤ۔ حالانکہ تمہاری طرف تم لوگوں کے سوا اور لوگ نہ جائینگے
(مروج الذہب بر حاشیہ کامل جلد ۵ صفحہ ۱۳۵)۔ یہی جناب ابن عباس یہ بھی بیان کرتے
تھے کہ میں ایک رات حضرت عمر کے ساتھ سیر کر رہا تھا۔ وہ خچر پر تھے اور میں گھوڑے
پر پس اونھوں نے ایک آیت پڑھی جس میں حضرت علیؑ کا ذکر تھا۔ پھر کہا اے فرزندان
عبد المطلب! خدا کی قسم علی تم لوگوں میں اس خلافت کے لئے ہم سے بھی بہتر تھا اور ابوبکر
سے بھی۔ میں نے اپنے دل میں کہا اگر میں یہاں جواب سے درگزر کروں تو خدا مجھ سے

کے مفہوم سے خارج ہو کر جمہوری نظام کی تعریف میں آجائیگی؟ بس اسی طرح حضرت عمر بھی کل انتظامات ذاتی اور شخصی حکومت کے مطابق انجام دیتے۔ اور کسی کی رائے و مشورہ کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ہاں جب خود ان کو کوئی مجبوری پیش آتی تھی تو دوسرے مطلق العنان بادشاہوں کی طرح مشورہ بھی کر لیتے تھے۔

پانچواں باب ۵

پہلی فصل۔ حضرت عمر کے فتوحات پر تبصرہ

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمر کو عظیم الشان فتوحات حاصل ہوئیں۔ اور بڑی بڑی کامیابیوں نے آپکے قدم چومے۔ مسلمانوں نے نئے نئے ملکوں کی سیر کی۔ وہاں کی حکومت کے

(بقیہ حاشیہ ص۷۳۲) درگزر نہ کرے۔ اور اس طرح باتیں ہوئیں:۔

ابن عباس ۔ آپ ایسا کلمہ کہتے ہیں۔ حالانکہ آپ اور آپ کے صاحب (حضرت ابو بکر) ہی وہ دو شخص تھے جو اس موقع پر کود پڑے اور حضرت علیؑ کے حق کو چھین لیا اور کوئی تو اس کا باعث نہیں ہوا۔

حضرت عمر ۔ دور ہو جاؤ۔ اے فرزند ان عبد المطلب تمہیں معلوم رہنا چاہیئے کہ تم اصحاب عمر سے ہو۔

جناب ابن عباس کہتے تھے کہ حضرت عمر کا یہ خشم ناک کلام سن کر میں کچھ پیچھے ہٹا اور وہ کچھ ویر کے لیئے آگے بڑھ گئے۔ پھر کہا کہ تم جاؤ ہم نہ جائیں گے۔ پھر کہا اپنے کلام کا پھر سے اعادہ کرو۔ میں نے کہا اے خلیفہ! آپ نے ایک بات کہی تھی تو میں نے بھی اس کا جواب دے دیا۔ اگر آپ سکوت کرینگے تو ہم بھی خاموش ہو جائیں گے۔

حضرت عمر ۔ واللہ ہم نے یہ کام عداوت سے نہیں کیا مگر ہم نے حضرت علیؑ کو کم سن جانا اور اس بات سے ڈرے کہ عرب ان پر مجتمع ہوں گے حالانکہ قریش ان سے علیحدہ رہنے والے ہوں گے۔

مزے لوٹے ۔ ان کے باشندوں کی دولتوں پر قبضہ کیا ۔ وہاں کے رہنے والوں کو اپنی رعایا اور غلام بنایا ۔ سلطنت کا شغل پیدا کیا ۔ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے لگے ۔ لطف دنیا اچھی طرح حاصل کرنے لگے ۔ مگر یہ امر بھی دیکھنے کا ہے کہ اسلام کی حقیقی روح ان لوگوں سے کس قدر دور ہوتی گئی ۔ وہ رسولؐ جو فرمایا کرتے الفقر فخری (ذلت و عسرت ۔ اور مالی پریشانی میرے لئے باعث فخر و مباہات ہے) اُن کے خلیفہ ۔ بلکہ اکثر پیروؤں کے پاس ہر طرف سے خزانے پر خزانے برسنے لگے ۔ پھر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے اپنے کو دنیا کا فاتح ۔ دنیا کا شہنشاہ یا بادشاہ سمجھا تھا یا حضرت رسولخداصلعم کا خلیفہ ۔ اگر پہلی حیثیت تھی تب آپ کے فتوحات اسی نظر سے دیکھے جانے چاہیئے جس نظر سے بڑے بڑے فاتحان عالم مثلاً سکندر ۔ بخت نصر ۔ چنگیز خاں ۔ نادرشاہ وغیرہ کے کارنامے گزرے ۔ لیکن اگر آپ حضرت نبی آخر الزمان کے خلیفہ سمجھے جائیں تب آپ کو فتوحات سے کیا تعلق ؟ اس لئے کہ یہ فتوحات اور قتل و غارت کے واقعات کیا کسی دینی پیشوا اور مذہبی رہنما کے شایانِ شان ہو سکتے ہیں ؟ حضرت آدمؑ سے حضرت رسولخدا تک کوئی نبی یا وصی ایسا گزرا جس نے ان امور کو کبھی پسند کیا ہو ؟ کیا انبیاء و مرسلین ملک فتح کرنے کے لئے آتے تھے ؟ کیا اُن کے اوصیاء و خلفاء بادشاہت کا درجہ حاصل کرنے کے لئے ان کے قائم مقام بنائے جاتے تھے ؟ کیا وہ لوگوں کے خون کی ندیاں بہانے کو بھیجے جاتے تھے ؟ کیا وہ مخلوق خدا کے مال و اسباب کو لوٹنے کے لئے مقرر کیئے جاتے تھے ؟ کیا وہ لوگوں کو اُن کے ملکوں سے آوارہ وطن کرنے اور ان کے آبائی وطنوں کو ویران ۔ تباہ و برباد کرنے کے لئے ان کے جانشین بنائے جاتے تھے ؟ کیا ان کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ جو

(بقیہ حاشیہ صہ ۳۳۳) ابن عباس ۔ رسول اللہ تو حضرت علیؑ کو تنہا بھیجتے تھے اور حضرتؑ سب کو پچھاڑ دیتے تھے ۔ حضرتؐ نے کبھی ان کو صغیر نہ جانا ۔ اب آپ اور آپ کے صاحب ان کو صغیر جانتے ہیں ۔

حضرت عمر ۔ ہاں پھر دیکھتے ہو کہ کس طرح ہم اُن کے مشورہ بغیر کوئی کام نہیں کرتے اور نہ کوئی کام بغیر انکی اذن کے کرتے ہیں (کتاب المحاضرات امام راغب اصفہانی) ۱۲

شخص خدا کو نہ مانے۔ یا اس کی توحید کا اقرار نہ کرے یا تم کو پیغمبر یا اس کا وصی نہ تسلیم کرے
اسے گرفتار کرو۔ آگ میں پھونک دو۔ پہاڑ پر سے گرا دو۔ کنوئیں میں لٹکا دو۔ انکی عورتیں
بچوں تک کو ذبح کر ڈالو - ان کے بیمار اور زخمی تک کو تلوار کی باڑھ پر رکھ لو۔ ان کے
مکانوں کو منہدم کر دو۔ ان کی عمارتوں کو مٹا دو۔ ان کی جائدادوں کو تباہ کر دو۔ انکے
گاؤں، قصبوں، شہروں کو ویرانہ بنا دو۔ ان کے ذرائع معاش کو فنا کر دو۔ دنیا میں کسی
پیغمبر نے یہ کارروائیاں کیں؟ کسی وصی یا خلیفۂ نبی نے اس کا لاکھواں حصہ بھی کیا؟
کیا خود حضرت رسولخدا صلعم نے کسی کو اس سبب سے قتل کیا کہ وہ اسلام کیوں
نہیں قبول کرتا۔ خدا کو ایک کیوں نہیں مانتا۔ آپ کو پیغمبر کیوں تسلیم نہیں کرتا۔ حضرت
کا جو کچھ کام تھا اس کو خدا نے صاف فرما دیا ہے هو الذی بعث فی الامیین رسولا
منهم یتلوا علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة وان کانوا
من قبل لفی ضلال مبین - وہ خدا ایسا ہے جس نے جاہلوں میں ایک رسول
بھیجا جس کا کام یہ ہے کہ لوگوں پر خدا کی آیتوں کی تلاوت کرے۔ ان کے
اخلاق کو درست کرے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے (پ ۲۸ سورہ جمعہ)
قل لا اقول لکم عندی خزائن الله - اے پیغمبر کہدو میں تم سے یہ دعوے
نہیں کرتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں (پ ۷ رکوع ۵) (یہ اشارہ ہے اس
طرف کہ رسول اللہ کو خزانہ سے کیا تعلق؟ نبی کو دولت سے کیا ربط؟ ہادی کو دنیوی
زخارف سے کیا واسطہ؟) ان هو الا نذیر مبین - پیغمبر اور کوئی نہیں - مگر وہ اللہ
کے عذاب سے کھلا ڈرانے والا ہے (پ ۹ رکوع ۲۳) لقد جاءکم رسول من انفسکم
عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم - لوگو! تمہارے پاس
تم ہی میں سے ایک پیغمبر آیا ہے تمہاری تکلیف اس کو ناگوار ہے - تمہاری
بھلائی کی اس کو لو لگی ہے - ایمان والوں پر بہت شفقت کرتا مہربان ہے (پ ۱۱
رکوع ۱۶) - ولکن رسول الله وخاتم النبیین - مگر یہ رسول اللہ کا پیغمبر اور نبیوں کا
ختم کرنے والا ہے (پ ۲۲ رکوع ۵۶) - ان انت الا نذیر - تم اور کچھ نہیں - بس
خدا کی طرف سے ڈرانے والے ہو (پ ۲۲ رکوع ۲) الا انما انا نذیر مبین - اور

کچھ نہیں۔ میں کھلا ڈرانے والا ہوں (پ ۲۳ رکوع ۵)۔ وانک لتھدی الی صراط مستقیم۔ اے پیغمبرؐ تم تو لوگوں کو سیدھی راہ دکھاتے ہو (پ ۲۵ رکوع ۵)۔ اس قسم کی آیتیں بھری ہوئی ہیں۔ سب پڑھ جاؤ اور دیکھو کہ کہیں اشارۃً بھی خدا نے یہ کہا ہے کہ رسولؐ دوسرے ملکوں پر فوج کشی کریں گے۔ فتوحات حاصل کرینگے سلطنت پیدا کرینگے۔ بادشاہت کی کوشش کرینگے۔ لوگوں کو اپنی رعایا اور غلام بنائیں گے۔ خود حاکم اور دوسروں کو اپنا محکوم کریں گے۔ نہ ماننے والوں کو قتل کرینگے ان کی عورتوں بچوں کو ذبح کریں گے۔ ان کو جلاوطن کرینگے۔ اور ان کے مقامات کو تباہ و ویران کریں گے؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو حضرتؐ کے کسی جانشین کے لئے یہ امر کیسے مناسب سمجھا جا سکتا ہے؟ جو لوگ حضرتؐ کا دین نہ قبول کریں یا حضرتؐ کا حکم نہ مانیں اُن کے بارے میں بھی حضرتؐ کے فرائض کو خدا نے صاف صاف فرما دیا ہے۔ جس کی چند آیتیں پہلے (صفحہ ۲۴۵ میں) گزر چکیں۔ اور بھی دیکھو۔ وما جعلناک علیھم حفیظا وما انت علیھم بوکیل۔ اور اے رسولؐ! ہم نے تم کو ان پر داروغہ نہیں بنایا اور نہ تم ان سب کے پاسبان ہو (پ ۷ رکوع ۱۳) افمن حق علیہ کلمۃ العذاب افانت تنقذ من فی النار۔ بھلا جو شخص اپنے کو عذاب کا مستحق کر رہا ہے کیا تم اس کو زبردستی دوزخ سے باہر نکال سکتے ہو؟ افانت تسمع الصم او تھدی العمی ومن کان فی ضلال مبین۔ اے پیغمبرؐ کیا تم اس شخص کو سنا سکتے ہو جو تمہاری کوئی بات سننا ہی نہیں چاہتا یا اس کو سیدھا راستہ دکھا سکتے ہو جو اس کو دیکھنا ہی نہیں چاہتا یا اس کی ہدایت کر سکتے ہو جو کھلی گمراہی میں پڑا ہے (پ ۲۵ رکوع ۱۰) غرض ان سب آیات نے اچھی طرح بتا دیا کہ کوئی نبی زبردستی لوگوں کو مسلمان بنانے ان سے اپنا دین قبول کرانے۔ خدا کو سجدہ کرانے۔ نماز پڑھوانے۔ زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ بلکہ سب کا فرض صرف اس قدر تھا کہ لوگوں کو سمجھا دیں اور دین خدا ان تک پہونچا دیں۔ اگر وہ مانیں تو سبحان اللہ۔ نہیں تو اُن کو اُن کے حال پر ترک کر دیں۔ ان کے مرنے پر خدا ان سے خود سمجھ لے گا۔ اب آسانی سے فیصلہ کر لو کہ حضرت عمر کی فتوحات ملک گیری اور سلطنت پسندی کس اصول کے ماتحت تھی۔ بہ حیثیت

پیشوائے دین یا بطور فاتح جبار و قہار۔

حضرت عمر اور حضرت علیؑ بعض سادہ لوح بلکہ نادان لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر نے بڑے بڑے ملک فتح کئے۔ کروڑوں اشرفیوں کی دولتیں حاصل کیں۔ اسلام کی عظیم الشان سلطنت قائم کی۔ عرب کو دنیا کے معتدبہ حصہ کا بادشاہ بنادیا۔ اور ترقی کی غیر معمولی حدود تک اہل اسلام کو پہنچادیا۔ مگر حضرت علیؑ نے کوئی ملک فتح نہیں کیا۔ کسی بڑے شہر پر قبضہ نہیں کیا۔ اسلامی ممالک میں کسی نمایاں جزو کا اضافہ نہیں کیا۔ اہل اسلام کی ترقی کو آگے نہیں بڑھا سکے مسلمانوں کی سلطنت کو زیادہ نہ کرسکے۔ ان لوگوں کے لئے دنیا کی کوئی دولت حاصل نہیں کرسکے۔ ان کو زیادہ خوش حال نہیں کرسکے انکی زندگی کے لئے عیش و عشرت کا سامان مہیا نہ کرسکے۔ اور حضرت ابوبکر و عمر سے یہ کل فوائد حاصل ہوئے۔ اس وجہ سے حضرت رسولخدا کی خلافت کے لئے مناسب حضرت ابوبکر و عمر ہی تھے نہ حضرت علیؑ۔ کیونکہ آپ کو شاندار کامیابی نہیں حاصل ہوئی۔ لیکن ایسا خیال کرنے والے یہ نہیں سمجھتے کہ اگر حضرت علیؑ نے ایسا نہیں کیا تو کیا حضرت آدمؑ نے ایسا کیا؟ حضرت نوحؑ سے یہ کام ہوسکے؟ حضرت ابراہیمؑ کے یہ کارنامے کہیں بھی ملتے ہیں؟ حضرت موسیٰؑ کا اس قسم کا کوئی واقعہ کوئی شخص بتا سکتا ہے؟ حضرت عیسیٰؑ نے یہ باتیں انجام دیں؟ حضرت رسولخدا صلعم سے یہ فوائد حاصل ہوئے؟ اگر نہیں اور قطعی نہیں تو حضرت علیؑ کو اس جماعت میں رکھو جس میں یہ پیشوایان دین گزرے ہیں۔ اور حضرت ابوبکر و عمر کو اس گروہ میں قرار دو جس میں دنیا کے عظیم الشان فاتحین و سلاطین تھے۔ کیونکہ شروع سے دنیا میں دو قسم کے سردار گزرے ہیں۔ ایک دنیا کے حکام۔ دوسرے مذہبی پیشوا۔ اگر حضرت ابوبکر و عمر دنیوی سرداروں میں قرار پاتے ہیں تو حضرت علیؑ دینی پیشواؤں میں محسوب کئے جائیں گے۔ اور ان کی زندگی کے کارناموں سے ان لوگوں کی تقسیم اس طرح کی جائیگی کہ دونوں کے درمیان موازنہ کرنے کی گنجائش باقی ہی نہیں رہے گی۔ اور ہر شخص آسانی سے بول اوٹھیگا کہ دونوں کی دو راہیں تھیں دونوں کا مقصود جداگانہ تھا۔ دونوں کی معرفت آپس میں متضاد تھی۔ دونوں کا میدان عمل ایک دوسرے سے مختلف تھا۔

دنیا کے بڑے ہادی	دنیا کے بڑے فاتح
(۱) حضرت آدم علیہ السلام	(۱) سکندر
(۲) حضرت نوح علیہ السلام	(۲) بخت نصر
(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام	(۳) جولیس سیزر
(۴) حضرت ایوب علیہ السلام	(۴) چنگیز
(۵) حضرت یحییٰ علیہ السلام	(۵) نپولین بوناپارٹ
(۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام	(۶) محمود غزنوی
(۷) حضرت ہارون علیہ السلام	(۷) تیمور
(۸) حضرت عیسیٰ علیہ السلام	(۸) اکبر
(۹) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	(۹) حضرت ابوبکر
(۱۰) حضرت علی علیہ السلام بلکہ کل ائمہ طاہرین	(۱۰) حضرت عمر

غالباً اسی مناسبت کو ملحوظ رکھ کر حضرت رسولخدا صلعم نے اپنی مشہور حدیث تشبیہ ارشاد فرمائی تھی کہ قال قال رسول اللہ من اراد ان ینظر الی آدمؑ فی علمہ والی نوحؑ فی فہمہ والی ابراہیم فی حلمہ والی یحییٰ ابن زکریا فی زہدہ والی موسیٰ بن عمران فی بطشہ فلینظر الی علی ابن ابیطالبؑ۔ جو شخص چاہے کہ حضرت آدمؑ کو انکے علم میں۔ حضرت نوحؑ کو ان کے فہم میں۔ حضرت ابراہیمؑ کو ان کے حلم میں۔ حضرت یحییٰ بن زکریاؑ کو ان کے زہد میں۔ حضرت موسیٰؑ کو انکی صولت میں دیکھے اس کو مناسب ہے کہ صرف حضرت علیؑ کو دیکھ لے (کہ ان میں سب کی تصویر نظر آجائیگی) (ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۸)۔ اس حدیث کے ذیل میں علامہ فخرالدین رازی نے لکھا ہے ھذا الحدیث یدل علی ان علیا کان مساویاً لھولاء الانبیاء فی ھذہ الصفات ولاشک ان ھولاء الانبیاء کانوا افضل من سائر الصحابۃ والمساوی لافضل افضل فوجب ان یکون علی افضل منھم۔ یہ حدیث ثابت کرتی ہے کہ ان صفات (علم۔ فہم۔ حلم زہد بطش) میں حضرت علیؑ مذکورہ بالا انبیاء کرام کے برابر تھے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں

کہ یہ کل انبیاء و تمام صحابہ سے افضل تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ جو شخص افضل کے برابر ہوگا وہ بھی افضل ہی ہوگا۔ لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت علیؑ بھی کل صحابہ سے افضل تھے (اربعین فی اصول الدین وارجح المطالب ص۴۵۵)۔ آنحضرت نے حضرت علیؑ کو اپنی ذات کے مثل بھی فرمایا ہے۔ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ ما من نبی الا وله نظیر فی امته فعلی نظیری اخرجه الخلعی۔ انس بن مالک صحابی بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے ہر نبی کی کوئی مثال اس کی امت میں ضرور ہوتی ہے۔ اور میری امت میں میری مثال علیؑ ہیں۔ اس حدیث کو خلعی اور دیلمی نے ذکر کیا ہے (ارجح المطالب ص۴۵۴)۔ پس جس طرح حضرت رسولخدا صلعم فاتح ممالک و بلاد اور قابض اموال و املاک نہیں تھے اسی طرح حضرت علیؑ کو بھی یہ خطابات نہیں مل سکتے۔ لیکن جس طرح حضرت رسولخدا صلعم دنیا کے سب سے بڑے پیغمبر تھے اسی طرح حضرت علیؑ سب سے بڑے خلیفہ اور وصی تھے۔ جس طرح حضرت رسولخدا صلعم نے لوگوں کو ایمان کی راہ دکھائی حضرت علیؑ بھی لوگوں کو ہدایت کرتے اور صراط مستقیم دکھاتے رہے۔[۱]

[۱] حضرت عمر ایسے بزرگ نے بھی حضرت علیؑ کی اس خصوصیت کا اعلان کر دیا تھا۔ علامہ محب طبری وغیرہ نے لکھا ہے عن عمر انه قال حین طعن وادعیٰ ان ولوها الاجلح۔ سلک بهم الطریق المستقیم یعنی علیا۔ حضرت عمر جب زخمی کئے گئے تو وصیت میں یہ بات بھی کہی کہ اگر یہ اجلح خلیفہ بنائے جائیں تو یہ تم لوگوں کو صراط مستقیم پر لے چلیں گے۔ اجلح سے مراد حضرت علیؑ تھے۔ وفی لفظ ان ولوها الاصیلع یحملهم علی الحق وان کان السیف علی عنقه۔ ایک روایت میں ہے کہ کہا اگر لوگوں نے اصیلع کو خلیفہ بنایا تو وہ لوگوں کو حق پر قائم رکھیں گے اگرچہ انکی گردن پر تلوار بھی دھر دی گئی ہو (ریاض نضرہ جلد ۲ ص۲۴۱)۔ اجلح اور اصیلع اوس شخص کو کہتے ہیں جس کے سر پر آگے کے بال اڑ گئے ہوں یا پیدا ہی نہ ہوئے ہوں۔ اسی طرح حضرتؑ کو انزع البطین کہتے تھے۔ ان کا معنے بھی وہی ہے۔ جنھوں نے

اور جس طرح حضرت رسولخدا پر جب دشمنوں نے حملہ کیا تو حضرت نے اپنی ذات اور مومنین کے بچانے کے لئے ان سے دفاعی جنگ کی بالکل اسی طرح جب حضرت علیؑ پر جمل و صفین و نہروان میں دشمنوں نے یورش کی تو حضرت نے بھی اپنی ذات اور مومنین کی حفاظت کے لئے ان سے جہاد کئے۔ چنانچہ حضرت رسول اللہ نے اس کی پیشین گوئی بھی فرمادی تھی۔ حضرت علیؑ سے فرماتے تھے انک تقاتل علے تاویل القرآن کما قاتلت علےٰ تنزیلہ۔ اے علیؑ تم بھی قرآن کا مطلب بتانے کے لئے لوگوں سے اسی طرح جہاد کرو گے جس طرح میں قرآن کا حکم پہونچانے کے لئے ان لوگوں سے جہاد کر رہا ہوں (صواعق محرقہ باب ۹ ص ۱۰۱)

روی ابن عساکر عن علیؓ قال امرنی رسول اللہ بقتال الناکثین والمارقین والقاسطین والمراد بالناکثین طلحۃ والزبیر اصحاب الجمل وبالمارقین الخوارج وبالقاسطین معویۃ۔ ابن عساکر نے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے تھے مجھے حضرت رسولخدا نے حکم دیا تھا کہ ناکثین، مارقین و قاسطین* سے جہاد کرنا۔ ناکثین سے مراد طلحہ و زبیر جنگ جمل والے ہیں، مارقین سے مراد خوارج ہیں اور قاسطین سے مراد معویہ ہیں (سیرۃ محمدیہ مطبوعہ مصر ص ۴۵۹ و مجمع بحار الانوار لغت نکث ص ۳۹۵)

اگر آنحضرت صلعم کو کبھی اس کا موقع مل گیا کہ حضرت ابوبکر و عمر اور حضرت علیؑ کی جنگ اور انکی ایمانی حالت پر تبصرہ فرمائیں تو حضرت علیؑ ہی کی جنگ کو دینی جہاد فرمایا۔ اور آپ ہی کے ایمان کی تصدیق کی۔ اور اُن دونوں حضرات کے بارے میں سوال بھی کیا گیا تو حضرت نے سوائے لا (نہیں) کے کچھ نہیں فرمایا۔ محدثین محققین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا یا معشر قریش واللہ لیبعثن اللہ علیکم رجلا منکم۔ قد امتحن اللہ قلبہ للایمان ولیضرب بنکم علے الدین اولیضرب بعضکم قال ابوبکر انا ہو یا رسول اللہ۔ قال لا۔ قال عمر انا ہو یا رسول اللہ۔ قال لا ولکن ذلک الذی یخصف النعل وقد اعطے علیا نعلہ یخصفہا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۹) نے یوں ترجمہ کیا ہے کہ شرک سے خالی ایمان اور علم سے پیٹ بھرا ہوا" (انوار اللغۃ پارہ ۲۵ ص ۱۴۴) ۱۲

کل ہم قریش خدا کی قسم تم لوگوں پر اسد ایسے شخص کو مقرر کرے گا جو تم ہی میں سے ہے اور جس کے دل کا امتحان خدا نے کر لیا ہے۔ وہ تم لوگوں سے یا تمہاری جماعت سے دین حق پر جہاد کرے گا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا اے رسول خدا! کیا وہ شخص میں ہوں گا؟ فرمایا نہیں۔ تب حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا میں ہوں گا؟ ارشاد ہوا نہیں بلکہ یہ وہ ہوگا جو میری جوتی ٹانک رہا ہے۔ اور اس وقت حضرتؐ نے اپنی جوتی حضرت علیؑ کو ٹانکنے کے لئے دی تھی (ازالتہ الخفاء مقصد ۲ صفحہ ۲۵۶)۔ اس سے واضح ہوا کہ حضرت رسول خدا نے پیشین گوئی فرما دی تھی کہ حضرت علیؑ کا جہاد خالص طور پر دینی ہوگا۔ اور حضرتؑ کے ایمان کا امتحان بھی خدا لے چکا ہے۔ برخلاف اس کے حضرت ابوبکر و عمر کے فتوحات کو آنحضرتؐ نے نہ دینی کارنامہ بتایا اور نہ ان دونوں بزرگوں کے ایمان کی تصدیق کی۔ یہ تو حضرت علیؑ کے جہاد کی حالت تھی کہ بدرجۂ مجبوری اس پر آمادہ ہوئے تو اس میں بھی بالکل رسولؐ کی پیروی کی۔ لیکن حضرتؑ کے اصلی فرائض وہ تھے جو حضرت رسول خدا کے تھے اور جو اوپر بیان کئے گئے کہ جس طرح آنحضرتؐ لوگوں پر آیات خدا کی تلاوت کرتے، لوگوں کے اخلاق کی اصلاح فرماتے اور اُن کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے تھے بالکل اسی طرح حضرت علیؑ نے بھی یہی خدمات انجام دیں۔ آیات خدا کی تلاوت اس شان سے کی کہ اب تک لوگ آپ کے ارشادات سے ایمان تازہ کر رہے ہیں۔ خصوصاً آپ کی کتاب مستطاب نہج البلاغہ آیات خدا کی تلاوت کا مکمل خزانہ ہے جس کے ایک ایک لفظ کو پڑھ کر آج عیسائی قومیں بھی اپنا سر دھنتی اور متحیر ہوتی ہیں کہ معرفت خدا۔ توحید باری۔ حقائق ایمان کے اتنے اعلےٰ مضامین اور ایسے دقیق مطالب کیونکر حضرتؑ کی زبان مبارک سے صادر ہوئے۔ علماء محققین نے مجبور ہو کر حضرتؑ کے کلام کے بارے میں کہہ دیا کہ تحت کلام الخالق و فوق کلام المخلوق۔ حضرتؑ کا یہ کلام (جو نہج البلاغہ میں بھرا ہوا ہے) اس پایہ کا ہے کہ خدا کے کلام سے تو نیچے مگر مخلوق کے کلام سے بالاتر ہے جس تک انسانی دماغ کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اور لوگوں کے اخلاق اس طرح درست کئے کہ اس وقت تک دنیا حضرتؑ کی تعلیم سے بہرہ ور ہو رہی ہے۔ حضرتؑ کی مذکورہ بالا کتاب

نہج البلاغہ کو آج عیسائی علماء و محققین دیکھکر مبہوت ہو جاتے ہیں۔ اس کے مطالب پر غور و فکر کرکے ششدر رہ جاتے اور وہ اس کے مصنف کو اسلام کی نہایت عظیم الشان قابل فخر ہستی سمجھکر گویا سجدہ کر رہے ہیں۔ اس کتاب میں جس کو بڑے بڑے عیسائی ملکوں کی یونیورسٹیوں میں علم ادب و معارف کی تعلیم و درس کا بہترین ذریعہ قرار دیا جاتا ہے۔ زیادہ تر توحید خدا، تزکیۂ نفس اور تکمیل اخلاق ہی کا فلسفہ بھرا ہوا ہے جس پر اگر انسان عمل کرے تو فرشتہ کی حد سے قریب ہو جائے۔ رہی کتاب و حکمت کی تعلیم تو یہ صفت بھی حضرت رسولخدا کے بعد بوجہ اتم و بدرجہ اکمل حضرت علیؑ ہی میں تھی۔ قرآن مجید پر سیکڑوں اعتراضات خلفاء ثلثہ کے زمانہ میں ہوتے اور حضرت علیؑ ہی سب کو حل کرتے۔ قرآن مجید کی تفسیر بیان کرنا شروع کرتے تو شام سے صبح تک ایک لفظ کی تفسیر بھی ختم نہیں ہوتی۔ عن ابن عباس قال یشرح لنا علی نقطۃ الباء من بسم اللہ الرحمن الرحیم لیلۃ فانفلق عمود الصبح فرأیت نفسی فی جنبہ کالفوارۃ فی جنب البحر المتعجر۔ ابن عباسؓ کہتے تھے کہ کسی رات کو حضرت علی بسم اللہ الرحمن الرحیم میں جو ب ہے اس کے نقطہ کی تفسیر بیان کرنے لگتے تو صبح ہو جاتی مگر وہ تفسیر پوری نہیں ہوتی۔ اُس وقت مجھے معلوم ہوتا کہ قرآن کا جس قدر علم میں رکھتا ہوں وہ حضرت علیؑ کے علم کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسے ایک چھوٹا پانی کا گڈھا سمندر کے بازو۔ کہاں سمندر اور کہاں ایک گڈھا (انوار اللغۃ پ ۱ صفحہ ۳۶)۔ اور حکمت کی تعلیم آپ نے اس اعلےٰ درجہ سے کی کہ کتابوں میں اسکے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ یورپ کی کئی زبانوں میں بھی ان کے ترجمے ہو چکے۔ ایک کتاب درر الکلم و غرر الحکم بھی انہیں چیزوں کا ایک جزو ہے۔ مختصر یہ کہ حضرت رسولخدا نے آپکے متعلق بہت صحیح فرمایا تھا کہ انا مدینۃ العلم و علی بابھا (میں علم کا شہر اور علی اُس کا دروازہ ہیں) انا دار الحکمۃ و علی بابھا (میں حکمت کا گھر اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں) پس جس کو وہ روحانی منافع اور نورانی فوائد دیکھنے ہوں جو حضرت رسولخدا صلعم سے دنیا والوں کو حاصل ہوئے یا ہو سکتے تھے وہ حضرت علیؑ کی طرف رجوع کرے۔ اور جسکو حکومت دنیا، ملک گیری اور تحصیل مال و دولت کا تماشہ دیکھنا ہو وہ دوسری جماعت

کی طرف نظر کرے۔ کیونکہ جب حضرت علیؓ رحمۃ للعالمین کے نفس اور جانشین تھے تو کسی پر بے وجہ حملہ کیوں کرتے ؟ کسی ملک پر فوج کس غرض سے بھیجتے ؟ اور جب یہ باتیں آپ نے حرام سمجھیں تو کوئی ملک کس طرح فتح ہوتا ؟ اور جب کسی سلطنت کو آپ نے لوٹا ہی نہیں تو اپنا خزانہ کیسے بھرتے ؟

دوسری فصل

جو لوگ آپکا موازنہ سکندر چنگیز خاں وغیرہ سے کرتے ہیں انکے اس خیال پر تبصرہ

مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "پہلے حصہ میں تم فتوحات کی تفصیل پڑھ آئے ہو۔ اس سے تمہارے دل پر اس عہد کے مسلمانوں کے جوش، ہمت، عزم و استقلال کا قوی اثر پیدا ہوا ہوگا... لیکن ایک نکتہ سنج مورخ کے دل میں فوراً یہ سوالات پیدا ہوں گے کہ چند صحرانشینوں نے کیونکر فارس و روم کا دفتر الٹ دیا؟ کیا یہ تاریخ عالم کا کوئی مستثنیٰ واقعہ ہے؟ آخر اس کے اسباب کیا تھے؟ کیا ان واقعات کو سکندر و چنگیز کی فتوحات سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی؟ جو کچھ ہوا اس میں فرمانروائے خلافت کا کتنا حصہ تھا؟ ہم اس موقع پر انہیں سوالات کا جواب دینا چاہتے ہیں لیکن نہایت اجمال کے ساتھ۔ پہلے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ فتوحات فاروقی کی وسعت اور اس کے حدود اربعہ کیا تھے؟ حضرت عمر کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ ۲۲۵۱۰۳۰ میل مربع یعنی مکہ معظمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶ مشرق کی جانب ۱۰۸۷ جنوب کی جانب ۴۸۳ میل تھا۔ مغرب کی جانب چونکہ صرف جدہ تک حد حکومت تھی اسلئے وہ قابل ذکر نہیں۔ اس میں شام۔ مصر۔ عراق۔ جزیرہ۔ خوزستان۔ عراق عجم۔ آرمینیہ۔ آذربائیجان۔ فارس۔ کرمان۔ خراسان اور مکران جس میں بلوچستان کا بھی کچھ حصہ آجاتا ہے شامل تھا۔ ایشیائے کوچک پر جس کو اہل عرب روم کہتے ہیں ۲۰ھ میں حملہ ہوا تھا لیکن وہ فتوحات کی فہرست میں شمار ہونے کے قابل نہیں... پہلے سوال کا جواب یورپین مورخین نے یہ دیا ہے کہ اس وقت فارس

دہ روم دونوں سلطنتیں اوج اقبال سے گر چکی تھیں۔ فارس میں خسرو پرویز کے بعد نظام سلطنت بالکل درہم و برہم ہو گیا تھا کیونکہ کوئی لائق شخص جو حکومت کو سنبھال سکتا موجود نہ تھا۔ دربار کے عائد و ارکان میں سازشیں شروع ہو گئی تھیں اور انہیں سازشوں کی بدولت تخت نشینوں میں ادل بدل ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ تین ہی چار برس کے عرصہ میں عنانِ حکومت چھ سات فرماں رواؤں کے ہات میں آئی اور نکل گئی۔ ایک اور وجہ یہ ہوئی کہ نوشیرواں سے کچھ پہلے مزدکیہ فرقہ کا بہت زور ہو گیا تھا جو الحاد و زندقہ کی طرف مائل تھا۔ نوشیرواں نے گو تلوار کے ذریعے سے اس مذہب کو دبا دیا لیکن بالکل مٹا نہ سکا۔ اسلام کا قدم جب فارس میں پہنچا تو اس فرقہ کے لوگوں نے مسلمانوں کو اس حیثیت سے اپنا پشت و پناہ سمجھا کہ وہ کسی مذہب اور عقائد سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ عیسائیوں میں نسطوری فرقہ جس کو اور کسی حکومت میں پناہ نہیں ملتی تھی وہ بھی اسلام کے سایہ میں آ کر مخالفوں کے ظلم و ستم سے بچ گیا۔ اس طرح مسلمانوں کو دو بڑے فرقہ کی ہمدردی اور اعانت مفت میں ہات آ گئی۔
روم کی سلطنت خود کمزور ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ عیسائیت کے باہمی اختلافات ان دنوں زوروں پر تھے اور چونکہ اس وقت تک مذہب کو نظام حکومت میں دخل تھا اس لئے اس اختلاف کا اثر مذہبی خیالات تک محدود نہ تھا بلکہ اس کی وجہ سے خود سلطنت کمزور ہوئی جاتی تھی۔
یہ جواب گو واقعیت سے خالی نہیں لیکن جس قدر واقعیت ہے اُس سے زیادہ طرزِ استدلال کی ملمع سازی ہے جو یورپ کا خاص انداز ہے [1]

[1] جس امر کی شکایت مولوی شبلی صاحب کو یورپ کے مصنفوں سے ہے وہی اکثر مسلمانوں کو خود مولوی شبلی صاحب سے ہے کہ آپ نے اپنے طرزِ استدلال کی ملمع سازی سے حضرت عمرؓ کو اس درجہ بلند کرنے کی کوشش کی کہ ظاہری تفرد میں آپ ہر اعتبار سے حضرت رسولخدا صلعم سے بھی افضل و اعلم بلکہ حضرت کے استاد اعظم ثابت ہوتے ہیں جس کو کوئی مسلمان پسند نہیں کر سکتا ۱۲ منہ

بیشبہ اس وقت فارس و روم کی سلطنتیں اصلی عروج پر نہیں رہی تھیں لیکن اس کا صرف اس قدر نتیجہ ہو سکتا تھا کہ وہ پُرزور قوی سلطنت کا مقابلہ نہ کر سکتیں۔ نہ یہ کہ عرب جیسی بے سروسامان قوم سے ٹکرا کر پُرزے پُرزے ہو جائیں۔ روم و فارس گو کسی حالت میں تھے تاہم فنون جنگ میں ماہر تھے۔ یونان میں خاص قواعدِ حرب پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں اور جو اب تک موجود ہیں رومیوں میں ایک مدت تک اون کا عملی رواج رہا۔ اس کے ساتھ رسد کی فراوانی سروسامان کی بہتات آلاتِ جنگ کے تنوع، فوجوں کی کثرت میں کمی نہیں آئی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی ملک پر چڑھ کر جانا نہ تھا بلکہ اپنے ملک میں، اپنے قلعوں میں اپنے مورچوں میں رہ کر ملک کی حفاظت کرنی تھی۔ مسلمانوں کے حملے سے ذرا ہی پہلے خسرو پرویز کے عہد میں جو ایران کی شوکت و شان کا عین شباب تھا۔ قیصر روم نے ایران پر حملہ کیا اور ہر ہر قدم پر فتوحات حاصل کرتا ہوا اصفہان تک پہنچ گیا۔ شام کے صوبے جو ایرانیوں نے چھین لئے تھے واپس لئے اور نئے سرے سے نظم و نسق کیا۔

ایران میں خسرو پرویز تک تو عموماً مسلّم ہے کہ سلطنت کو نہایت جاہ و جلال حاصل تھا۔ خسرو پرویز کی وفات سے اسلامی حملے تک صرف تین چار برس کی مدت ہے۔ اتنے تھوڑے سے عرصہ میں ایسی قوی اور قدیم سلطنت کہاں تک کمزور ہو سکتی تھی! البتہ تخت نشینوں کی اُدل بُدل سے نظام میں فرق آگیا تھا لیکن چونکہ سلطنت کے اجزاء یعنی خزانہ۔ فوج اور محاصل میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ اس لئے جب یزدگرد تخت نشین ہوا اور درباریوں نے اصلاح کی طرف توجہ کی تو فوراً نئے سرے سے وہی ٹھاٹھ قائم ہو گئے۔ مزدکیہ فرقہ گو ایران میں موجود تھا لیکن ہم کو تمام تاریخ میں اُن سے کسی قسم کی مدد ملنے کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح فرقہ نسطورین کی کوئی اعانت ہم کو معلوم نہیں عیسائیت کے اختلاف مذہب کا اثر بھی کسی واقعہ میں خود یورپین مورخوں نے کہیں نہیں بتایا ... ہمارے نزدیک اس سوال کا اصلی جواب صرف اس قدر ہے کہ مسلمانوں میں

اوس وقت بانئ اسلام کی بدولت جو جوش، عزم، استقلال، ہمت، بلند حوصلگی دلیری پیدا ہوگئی تھی اور جس کو حضرت عمر نے اور زیادہ قوی اور تیز کر دیا تھا روم و فارس کی سلطنتیں عین عروج کے زمانہ میں بھی اوسکی ٹکر نہیں اوٹھا سکتی تھیں ... سکندر اور چنگیز وغیرہ کا نام لینا یہاں بالکل بے موقع ہے۔ بے شبہ ان دونوں نے بڑی فتوحات حاصل کیں لیکن کیونکر قہر، ظلم اور قتل عام کی بدولت۔ چنگیز کا حال تو سب کو معلوم ہے۔ سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ جب اُس نے شام کیطرف شہر صور کو فتح کیا تو چونکہ وہاں کے لوگ دیر تک جھگڑتے رہے تھے اس لئے قتل عام کا حکم دیا" (الفاروق جلد ۲ ص ۳)۔ مولوی صاحب کا آخری جملہ توجہ اور غور کے قابل ہے۔ آپ نے سکندر و چنگیز کے قہر و ظلم وغیرہ کا ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ حضرت عمر کی فتوحات قہر، ظلم وغیرہ سے پاک تھیں۔ مگر کیا تاریخ کے اوراق بھی آپ کے اس دعوے کی تائید کرتے ہیں؟ کسی شخص کے ملک پر بغیر کسی وجہ یا عذر کے لشکر کشی کرنا۔ وہاں فوجیں بھیجنی۔ وہاں کے لوگوں سے جنگ کرنی کیا قہر نہیں ہے؟ ان کو شکست دے کر ان کے خاص ملکوں پر قبضہ کر لینا کیا ظلم نہیں ہے؟ اور ان لوگوں نے اپنے وطن کی حفاظت کرنی چاہی تو ان کو ہلاک کرنا کیا قتل عام کا حکم نہیں رکھتا؟ مولوی صاحب کو چاہیئے تھا کہ پہلے قہر، ظلم اور قتل عام کی تعریف بھی کر دیتے اس کے بعد دکھاتے کہ حضرت عمر کی فتوحات اس تعریف سے خارج تھیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ "حضرت عمر کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ ۲۲۵۱۰۳۰ میل مربع تھا"۔ سوال یہ ہے کہ اتنے ممالک پر ممدوح نے جو قبضہ کیا یہ قہراً کیا یا رضاءً؟ ظلماً کیا یا عدلاً؟ قتل عام کی بنا پر کیا یا آبادی عام کی بنا پر؟ ان ملکوں کے باشندوں نے کیا ممدوح کو طلب کیا تھا کہ جا کر ان کے ملکوں پر قبضہ کریں؟ کیا اُن لوگوں نے حضرت ممدوح کو دعوت دی تھی کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں اور ان ملکوں پر قبضہ کریں؟ کیا اُن لوگوں نے حضرت سے اپنے ملکوں کا زر ثمن پا لیا تھا جس کے عوض آپ نے ان پر قبضہ کیا؟ کیا اُن لوگوں نے اپنے ملکوں کے عوض دوسری ملکیں جائدادیں آپ سے پالی تھیں۔ جس کے عوض ان ممالک کو آپ کے حوالہ کر دیا؟ کیا اُن لوگوں نے

اپنے ملکوں کا ہبہ نامہ حضرت ممدوح کے نام لکھ دیا تھا جس کے بعد آپ نے ان سب پر قبضہ کرلیا؟ کیا اُن لوگوں نے اپنے اپنے مقام پر حضرت کی قابلیت۔ سیاست وغیرہ کا شہرہ سنکر آپ کو اپنے ملکوں کا سلطان تجویز کرلیا تھا جس کی وجہ سے آپ نے ان پر قبضہ کیا؟ کیا وہاں کے غریبوں اور کمزوروں نے آپ سے فریادیں کی تھیں کہ وہاں جاکر آپ ان لوگوں کی مدد کریں اور ان کو مصائب سے چھڑائیں جس پر رحم کھاکر آپ اُن کی طرف بڑھے اور سب پر قبضہ کرلیا؟ کیا اُن پر کوئی بیرونی دشمن حملہ آور ہوتا تھا جس کے ظلم و قہر سے بچانے کے لئے آپ نے اُن ملکوں کی طرف رُخ کیا اور اس بیرونی دشمن کو دفع کرنے کے بعد ان ملکوں پر قبضہ کرلیا؟ مولوی صاحب کا فرض تھا کہ بتاتے حضرت عمر نے کس عقلی اور شرعی قاعدہ کے مطابق اتنے ممالک پر قبضہ کیا اور ان لوگوں پر بادشاہت کرنے لگے۔ اگر ایسی کوئی بات نہیں تھی تو حضرت کی فتوحات قہر۔ ظلم۔ اور قتل عام کی تعریف سے کیوں مستثنےٰ سمجھی جائیں گی؟

سوانح نویس کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ جس کے حالات لکھے اس کی بیجا حمایت نہ کرے۔ اُس کے واقعات زندگی کو اپنے طرزِ استدلال کی ملمع سازی سے محفوظ رکھے۔ اُس کے ہنر کو بھی اُسی طرح پیش کرے اور اُس کے عیوب کو بھی صاف صاف بیان کردے۔ اگر مولوی صاحب حضرت عمر کے پہلے ہی سے ماننے والے اور آپ کے آباء و اجداد حضرت ممدوح کے معتقد نہ ہوتے تب بھی کیا آپ حضرت کی فتوحات کو قہر و ظلم سے علیحدہ ہی ثابت کرتے؟ یہ سوال اس طرح بھی ادا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر کی مدح میں آپ جس فصاحۃ و بلاغۃ کے دریا بہا رہے ہیں کیا سکندر کا مداح اور معتقد بھی اس کی مدح و ثنا اس سے زیادہ رطب اللسانی سے نہیں کرسکتا؟ کیا چنگیز کا حامی بھی اُس کی تائید و تصویب میں یہی بلکہ اس سے بڑھکر تقریر نہیں کرسکتا؟ کیا نادر شاہ کا ہوا خواہ بھی اس قسم کی باتیں کرکے دوسروں کی نظر میں اس کو بے عیب ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرسکتا؟ پھر کیا ایسا کرنے والے اچھی نظروں سے دیکھے جاسکتے ہیں؟ کیا حق و انصاف ان لوگوں کی ان کارروائیوں پر بھی چیخ نہیں اٹھیں گے؟ کیا بے تعصب افراد (جن سے دنیا کبھی خالی نہیں رہتی) ان

مصنفین کی ظلمت پرستی پر ماتم نہیں کرینگے؟ کیا عقل سلیم والے اس علمی جور و جفا پر خاموش رہ جائیں گے؟ کیا صاحبان علم و معرفت اس حق پوشی اور باطل کوشی کو کبھی پسند کر سکینگے؟ غالباً سب کا جواب یہی ہو کہ ہرگز نہیں۔ اب ذرہ مختصر طور پر دیکھو کہ حضرت عمر نے جن ملکوں کو فتح کیا اس کی وجہ کیا تھی؟

عراق عراق پر لشکر کشی حضرت ابو بکر کے زمانہ میں شروع ہوئی اور حضرت عمر نے اسکی تکمیل کی۔ اس کی وجہ کیا تھی مولوی شبلی صاحب ہی کے الفاظ میں سنو: "پوران کے زمانہ میں مشہور ہو گیا کہ فارس میں کوئی وارث تاج و تخت نہیں ... اس خبر کی شہرت کے ساتھ عراق میں قبیلہ وائل کے دو سرداروں مثنےٰ اور سوید عجلی نے عراق کی سرحد حیرۃ و ابلہ کی طرف غارتگری شروع کی یہ حضرت ابو بکر کی خلافت کا زمانہ تھا ... مثنےٰ نے حضرت ابو بکر کی خدمت میں حاضر ہو کر عراق پر حملہ کرنے کی اجازت حاصل کی ... ان نومسلموں کا ایک بڑا گروہ لیکر عراق کا رخ کیا۔ ادھر حضرت ابو بکر نے خالد کو مدد کے لئے بھیجا۔ خالد نے عراق کے تمام سرحدی مقامات فتح کر لئے اور حیرۃ پر علم فتح نصب کیا ... حضرت عمر مسند خلافت پر بیٹھے تو سب سے پہلے عراق کی مہم پر توجہ کی" (الفاروق جلد ا صـ۸)۔ یہ مولوی شبلی صاحب کی ضروری عبارت ہے سب پڑھ جاؤ کسی لفظ سے تم کو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر نے عراق پر کس عقلی یا شرعی یا اخلاقی وجہ سے حملہ کیا۔ اور اس کے فتح کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اور پھر حضرت عمر نے کیوں اس مشن کو جاری رکھا اور اسے پورا کر کے رہے؟ تاریخ طبری۔ مروج الذہب۔ ابن خلدون۔ ابو الفدا۔ تاریخ خمیس سب کو پڑھ جاؤ تم کو عراق والوں کا اتنا جرم بھی نہیں مل سکتا جس کو پرشہ برابر کہہ سکیں۔ لطف یہ کہ عراق کے دو سردار مثنےٰ اور سوید نے عراق کی سرحد پر غارتگری شروع کی اور حضرت ابو بکر سے اس غارت گری میں مدد کے خواستگار ہوئے تو حضرت نے یہ نہیں کہا کیا کسی کی غارت گری جائز ہے؟ کیا غارت گری کی تعلیم کسی عقل نے دی ہے؟ کیا غارت گری کو اسلام پسند کرتا ہے؟ کیا غارت گری سے خدا و رسول خوش ہو سکتے ہیں؟ ان سب کے عوض ممدوح نے اس غارت گری کے بڑھانے پر کمر ہمت باندھ لی۔ سب کام چھوڑ کر اس کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اس کے لئے فوجیں بھیجیں۔

اس کے لئے لشکر کشی کی۔ اور اسی غارت گری کے سلسلہ کو جو حضرت ابوبکر کی وفات سے مکمل نہیں ہو سکا حضرت عمر نے خلیفہ ہوتے ہی پورا کیا۔ غرض عراق کے فتوحات کی بنیاد اور اصلی اساس یہی غارت گری تھی جس کو تمام مورخین کھلے لفظوں لکھتے آرہے ہیں اور ہمارے مولوی شبلی صاحب تک پوشیدہ نہیں کر سکے۔ صاف صاف لکھ دیا کہ "غارت گری شروع کی" اور غارتگری ہی پر یہ سلسلہ ختم بھی ہوا۔ اردو زبان میں غارت گری کو ڈاکہ اور غارت گر کو ڈاکو کہتے ہیں۔ اب سمجھ لو کہ مثنیٰ اور سوید کون تھے۔ کیا کرتے تھے۔ کس کام میں حضرت ابوبکر کی مدد چاہی اور آپ نے صرف مدد ہی نہیں دی بلکہ اس کام کو پورا اپنے ہاتھ میں لے لیا اور حضرت عمر نے اسی غارت گری کے کام کو مکمل کیا۔ عراق کے حملوں میں جب حضرت عمر کی فوج کو شکست ہوئی تب بھی آپ کو یہ خیال نہیں ہوا کہ ایک دفعہ غارت گری کر کے اور نقصان اٹھایا۔ اب اس غارت گری سے باز آئیں۔ اس کے عوض آپ نے کیا کیا۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں " اس شکست نے حضرت عمر کو سخت برہم کیا اور نہایت زور شور سے حملہ کی طیاریاں کیں۔ تمام عرب میں خطباء اور نقیب بھیج دیئے جنہوں نے پرجوش تقریروں سے تمام عرب میں آگ لگا دی۔ اور ہر طرف سے عرب کے قبائل امنڈ آئے ... یہ جوش یہاں تک پھیلا کہ نمر و تغلب کے سرداروں نے جو مذہباً عیسائی تھے حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے اس قومی معرکہ میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں۔ ان دونوں سرداروں کے ساتھ اُن کے قبیلہ کے ہزاروں آدمی تھے اور عجم کے مقابلہ کے جوش میں لبریز تھے ... مثنیٰ نے فوج کو للکارا کہ گھبرانا نہیں۔ یہ نامردانہ غل ہے عیسائی سرداروں کو جو ساتھ تھے بلا کر کہا تم اگرچہ عیسائی ہو لیکن ہم قوم ہو اور آج قوم کا معاملہ ہے۔ میں مہران پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا۔ انہوں نے لبیک کہا۔ مثنیٰ نے ان سرداروں کو دونوں بازوؤں پر لے کر دھاوا کیا اور پہلے ہی حملہ میں مہران کا میمنہ توڑ کر قلب میں گھس گئے۔ دیر تک بڑی گھمسان کی لڑائی رہی۔ انس بن ہلال جو عیسائی سردار تھا اور بڑی جانبازی سے لڑ رہا تھا زخم کھا کر گرا ... مہران کے قتل

پر لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ عجم نہایت ابتری سے بھاگے۔ مثنیٰ نے فوراً پل کے پاس پہنچکر رستہ روک لیا کہ عجم بھاگ کر نہ جانے پائیں۔ مورخین کا بیان ہے کہ کسی لڑائی نے اس قدر بے شمار[1] لاشیں اپنی یادگار میں نہیں چھوڑیں۔ چنانچہ مدتوں کے بعد جب مسافروں کا اُدھر گزر ہوا تو اونھوں نے جا بجا ہڈیوں کے انبار پائے۔ اس معرکہ کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقہ میں پھیل پڑے" (الفاروق حصہ اصفحہ ۹)

اس عبارت نے بقیہ شک و شبہہ بھی زائل کر دیا۔ حضرت عمر حضرت رسول خدا کے خلیفہ تھے۔ اور اسلام ہی کے نام پران ملکوں کی فتح شروع کی تھی لیکن واقعہ یہ ہے کہ جنگ کرتے وقت اسلام کا نام ترک کر دیا گیا اور عرب میں جوش پیدا کیا گیا کہ یہ ملکی جنگ اور قومی لڑائی ہے۔ مسلمانوں کا غیر مسلموں سے نہیں بلکہ عرب کا عجم سے مقابلہ ہے۔ صرف مسلمان ہی نہ لڑیں بلکہ عرب میں جس مذہب کے بھی لوگ ہیں سب مل کر حملہ کریں۔ اس قدر مذہب کو علیحدہ کر دیا گیا۔ اس درجہ دینی خیالات لوگوں کے دماغوں سے مٹا دیئے گئے کہ عیسائی جماعتیں بھی جو اسلام اور مسلمانوں کی سخت دشمن ہیں حضرت عمر کی فوج میں شریک ہو گئیں اور اُن کے سرداروں نے خود حضرت عمر سے لڑنے کی درخواست کی۔ غرض یہ فتوحات بھی عرب و عجم کی جنگ کا نتیجہ تھیں۔ اسلام اور کفر کی لڑائی سے اس کو بے تعلق سمجھنا چاہیئے۔

مولوی شبلی صاحب آپ کی فتوحات کو قہر و ظلم و قتل عام کی سفاکیوں سے بری ثابت کرنے کا دعوے کرتے ہیں۔ کیا وہ اپنے ہی لکھے ہوئے ان الفاظ کا مطلب بھی بتا دیجئے "مثنیٰ نے رستہ روک لیا کہ عجم بھاگ کر نہ جانے پائیں۔ کسی لڑائی نے اس قدر بیشمار لاشیں نہیں چھوڑیں" بھاگی ہوئی فوج کا تعاقب کرنا اور "رستہ روک کر" اس قدر بیشمار

[1] مولوی شبلی صاحب بڑے انشاپرداز بھی کہے جاتے ہیں۔ آپ کی عبارت قابل ملاحظہ ہے کہ لاشوں کی کثرت ظاہر کرنے کے لئے آپ نے "اس قدر بے شمار" کا جوڑ لگایا ہے جس کی خوبصورتی کو اہل ادب اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ تصریح میں وہ لطف نہیں اس وجہ سے اشارہ ہی کافی ہے ۱۲ منہ

لاشوں کا سامان کرنا کیا قہر کے عوض رحم۔ ظلم کے عوض عدل۔ اور قتل عام کے عوض آمانِ عام کی دلیل ہے؟ حضرت رسولؐ کے متعلق مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "معمول تھا کہ جب کسی قوم پر حملہ ہوتا تو اہل فوج چاروں طرف دور دور پھیل جاتے جس سے راستے بند ہو جاتے۔ گھروں میں آنا جانا مشکل ہو جاتا راہ گیروں کا مال و متاع لٹ جاتا، یہ طریقہ ایک مدت سے چلا آتا تھا، ایک لڑائی میں قدیم دستور کے مطابق یہی حرکتیں لوگوں سے سرزد ہوئیں آپ نے منادی کرا دی کہ جو شخص ایسا کرے گا اس کا جہاد جہاد نہیں۔ ابو داؤد میں انس جہنی سے روایت ہے غزوت مع نبیؐ اللہ غزوۃ کذا وکذا فضیق الناس المنازل وقطعوا الطریق فبعث نبیؐ اللہ منادیا ینادی الناس ان من ضیق منزلا او قطع طریقا فلا جہاد لہ۔ میں فلاں غزوہ میں آپ کے ساتھ تھا، لوگوں نے دوسروں کے پڑاو پر جا کر ان کو تنگ کیا۔ لوٹا مارا، آپ نے ایک شخص کو بھیجا جس نے منادی کی کہ جو دوسروں کو گھروں میں تنگ کرے یا لوٹے مارے اس کا جہاد قبول نہیں (ابو داؤد کتاب الجہاد جلد ۱ صفحہ ۳۶۵ از سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۴۴۴)

حضرت عمر کے سرداروں نے عجمیوں کو صرف روکا ہی نہیں بلکہ ان کا تعاقب بھی کیا۔ کیا عقلی یا اخلاقی حیثیت سے یہ پسندیدہ کہا جا سکتا ہے؟ جب ان بےقصوروں بے خطاؤں پر آپ کی فوج نے حملہ کیا تو ان سب کا فرض تھا کہ جس طرح ہر شخص کسی شیر یا سانپ کے حملہ سے بچنے کے لئے اس شیر یا سانپ کا مقابلہ کرتا ہے اسی طرح وہ بھی مسلمانوں کے حملہ سے بچنے کے لئے ان کا مقابلہ کریں۔ لیکن جب ہار گئے تو کیا انسانیت کا تقاضا یہی تھا کہ شکست خوردہ فوج کو بھاگنے کا موقع بھی نہ دیا جائے اور وہ راہ روک روک کر پکڑے اور قتل کئے جائیں؟ کیا کوئی مہذب ملک یا قوم ایسا برتاؤ کسی مفتوح جماعت کے ساتھ کرتی ہے؟ یا کوئی شخص کسی کی ان حرکتوں کو پسند کر سکتا ہے؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو حضرت عمر کی فوجوں کے بارے میں کیا کہا جائے؟ کیا صرف اس وجہ سے مدح کی جائے کہ یہ باتیں دوسروں کی نہیں بلکہ خاص خلیفہ دوم حضرت عمر بن الخطاب کی ہیں؟

اب اُن احکام کو بھی دیکھو جو جنگ سے بھاگنے والوں کا تعاقب کرنے کے متعلق ہیں۔ محدثین نے لکھا ہے عن امرأة من بنی اسد قالت سمعت عمار ابعد ما فرغ علی من اصحاب الجمل ینادی لا تقتلوا مقبلا ولا مدبرا ولا تذففوا علی جریح ولا تدخلوا دارا ومن القی السلاح فھو آمن ومن اغلق بابه فھو آمن۔ ایک عورت بیان کرتی تھی کہ میں نے جناب عمار صحابی رسولؐ سے سُنا کہ جنگ جمل کے بعد ندا دیتے تھے خبردار کوئی شخص کسی آنے والے کو نہ قتل کرے اور نہ کسی بھاگنے والے کو قتل کرے اور نہ کسی زخمی کی جان لے اور نہ کسی کے گھر میں گھُسے۔ اور جو شخص ہتھیار ڈال دے وہ امان میں ہے اور جو اپنا دروازہ بند کر دے وہ بھی امان میں ہے۔ عن علی قال لا یذفف علی جریح ولا یقتل اسیر ولا یتبع مدبر۔ حضرت علیؑ کا حکم تھا کہ کسی جہاد کے زخمی کی جان نہ لی جائے اور نہ کوئی قیدی قتل کیا جائے اور نہ کسی بھاگنے والے کا تعاقب کیا جائے (منتخب کنز العمال جلد ۲ ص۳۱۵) "حضرت علیؑ نے جنگ جمل کے دن منادی کرائی جو شخص پیٹھ موڑ کر بھاگے اوس کا پیچھا نہ کرو اور جو کوئی قید ہو جائے اُس کو قتل نہ کرو اور جو شخص زخمی ہو جائے اوسکی جان نہ لو۔" (انوار اللغۃ پارہ ۹ ص۱۶) ؎

؎ حضرت عمر اور حضرت علیؑ کا طرزِ عمل دیکھ چکے۔ اب حضرت ابو بکر کا اصول بھی دیکھو۔ آپ اپنی فوجوں کو تاکید کرتے تھے فان اظھرہ اللہ علیھم ان شاء اللہ وامکنه منھم فلیقتلھم بالسلاح ولیحرقھم بالنار ولا یستبق منھم احدا قدر علی ان یستبقیه ولیقسم اموالھم۔ اگر اس فوج کو خدا اُن لوگوں پر فتح دے اور وہ اس کے قابو میں آجائیں تو اُن کو ہتھیاروں سے قتل کر دے۔ سب کو آگ میں جلا دے اور کسی کو باقی نہ چھوڑے اور اُن سب کا مال تقسیم کر لے (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۲۲۵)۔ ایک شخص شریک فزاری بیان کرتا تھا کہ حضرت ابو بکر نے مجھے بھی اپنے سردار فوج کی طرف روانہ کیا وکتب معی الیه یوصیا وفی آخرھا ان اظفر کلہ باھل الیمامة فایاک والابقاء علیھم اجھز علی جریحھم واطلب مدبرھم

حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت علیؑ کے درمیان اصول و قوانین جہاد و آداب جنگ کے متعلق بھی ذرہ برابر فرق نظر نہیں آتا جس طرح حضرت رسولخدا صلعم بھاگنے والوں کا تعاقب نہیں کرتے۔ حضرت علیؑ بھی نہیں کرتے۔ جس طرح آنحضرتؐ زخمی کے قتل سے منع فرماتے حضرت علیؑ بھی سب کو اس سے روک دیتے۔ جس طرح حضرت رسولخدا صلعم ہتھیار ڈالنے والوں پر رحم کرتے حضرت علیؑ بھی کرتے۔ بلکہ انکی حمایۃ پر آمادہ ہوجاتے۔

(بقیہ حاشیہ ص۳۵۲) واحمل اسیرھم علی السیف وھول فیھم المقتل واحرقھم بالنار وایاک ان تخالف امری۔ اور اس سردار فوج کے پاس میرے ہاتھ ایک خط بھیجا جس میں بہت سی باتوں کی تاکید تھی۔ آخری بات یہ تھی کہ (حضرت ابوبکر نے لکھا) اگر تم یمامہ والوں پر فتح پاؤ تو خبردار اُن پر ذرہ برابر بھی رحم نہ کھانا۔ ان میں جو لوگ زخمی ہو کر تڑپتے ہوں اُن کو بھی مار ڈالنا۔ جو بھاگیں اُن کا بھی تعاقب کر کے گرفتار کر لینا۔ اُن میں سے جو لوگ تمہاری قید میں آسکیں اُن سب کو اسیر کر کے تلوار کی باڑھ پر رکھ دینا۔ ان کے درمیان قتل کا ہول عظیم پیدا کر دینا اور اُن لوگوں کو آگ میں جلا ڈالنا۔ خبردار میرے حکم کے ذرہ برابر بھی خلاف نہ کرنا (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۲۴۳) حضرت ابوبکر کے کل احکام کی پوری تعمیل کی گئی۔ علامہ ابن اثیر جزری وغیرہ مورخین نے لکھا ہے فاتوہ بھم فمثل بھم وحرقھم ورضخھم بالحجارۃ ورمی بھم من الجبال ونکسھم فی الآبار وارسل الی ابی بکر یعلمہ مافعل۔ حضرت ابوبکر کی فوج والے اُن مخالفین کو پکڑ کر اپنے سردار فوج کے پاس لائے تو اُس نے اُن بیچاروں کا بدن ٹکڑے ٹکڑے کرایا۔ ان کو آگ میں جلا دیا۔ ان کے بدنوں کو پتھروں سے خوب کوٹ کوٹ کر چور کر دیا۔ انکو پہاڑوں پر لے جا کر وہاں سے نیچے پھینک دیا اور انکی ٹانگوں میں رسیاں باندھ کر اُن کو کنوؤں میں اُلٹا لٹکا دیا کہ بیچاروں کے سر نیچے اور پاؤں اوپر تھے اور حضرت ابوبکر کو ان سب کارروائیوں کی اطلاع بھی کر دی (تاریخ کامل جلد ۲ ص۱۳۲) کتاب زہری میں ہے کہ پھر حضرت ابوبکر کی فوج والے طلیحہ والوں کے پاس پہنچ کر

(۲) شام کی فتح | مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "فتوحات شام۔ سلسلۂ واقعات کے لحاظ سے ہم اس موقع پر شام کی لشکر کشی کے ابتدائی حالات بھی نہایت اجمال کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے آغاز ۱۳ھ ۶۳۴ء ہجری میں شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کی ... فوجوں کی مجموعی تعداد ۲۴۰۰۰ ہزار تھی" (الفاروق جلد ۱ ص ۱۲۴)۔ افسوس مولوی صاحب نے اس لشکر کشی کی عقلی یا نقلی

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۳) ان کو قتل اور گرفتار کرنے لگے اور (حضرت ابوبکر کے سردار فوج) خالد نے پکار کر اپنی فوج والوں سے کہا کہ جو شخص دیگچی میں کچھ پکانا یا پانی گرم کرنا چاہے وہ (پتھر وغیرہ کا چولھا نہ بنائے بلکہ) انھیں مقتولین کے سروں کا چولھا بنائے اور اُن میں آگ روشن کرکے ان پر پکائے یا گرم کرے۔ اور خالد نے یہ بھی حکم دیا کہ بڑے بڑے گڈھے کھودے یا گھروندے بنائے جائیں پھر اُن میں آگ روشن کی جائے جب یہ سب کام ہو چکے تو حکم دیا کہ جتنے لوگ قیدی بنائے گئے ہیں سب اس آگ میں جھونک دیئے جائیں۔ اس پر وہ سب اس میں جلا دیئے گئے۔ اسی روز حامیہ میں سبیع بھی آگ میں جلا دیا گیا جس کو حضرت رسولخدا نے اس کی قوم کی زکوۃ وصول کرنے کے لئے مقرر کیا تھا (تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۲۳۳) یہاں تک نوبت پہنچی کہ ایک عورت بھی اس آگ کا شکار ہو گئی وثبت فاقتحمت النار۔ وہ عورت اپنی جگہ سے اُچھلی اور آگ میں کود پڑی (تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۲۳۳) ان خالد اجمع الاسارے فی الحظائر ثم اضرمها علیهم فاحترقوا وهم احیاء حضرت ابوبکر کے سردار فوج خالد نے قیدیوں کو گھروندوں میں بھرا۔ پھر اُن لوگوں میں آگ لگا دی تو وہ سب اس میں جل گئے حالانکہ وہ سب کے سب اُس وقت زندہ تھے (یعنی اُن کو زندہ ہی آگ میں ڈال کر جلا ڈالا) جب خالد نے حکم دیا کہ بڑے بڑے گڈھے کھودے جائیں تو لوگوں نے ان سے پوچھا یہ کس لئے کھودے جاتے ہیں؟ کہا ان سب کو انہیں گڈھوں میں بند کر کے جلا دوں گا۔ اس کے بارے میں لوگوں نے ان سے گفتگو کی تو کہا میں کیا کروں مجھے

شرعی یا اخلاقی، ملکی یا سیاسی غرض کوئی وجہ نہیں لکھی کہ کس سبب سے آپ نے شام پر لشکر کشی کی۔ مورخ کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ کسی جنگ کی حالت لکھنے کے قبل اس کے وجوہ و اسباب کو تفصیل سے بیان کردے تاکہ ناظرین تاریخ کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو کہ اس فوج آرائی میں حملہ آور کا قصور تھا یا ان کا جن پر حملہ کیا گیا۔ جس قدر اسلامی تاریخیں موجود ہیں سب کا ایک ایک حرف پڑھ جاؤ تم کو کسی سے بھی یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ شام والوں نے حضرت ابوبکر سے کوئی بے ادبی کی ہو۔ مسلمانوں پر کوئی زیادتی کی ہو۔ اہل اسلام کا کچھ نقصان کیا ہو۔ یا حضرت ابوبکر کو خود طلب کیا ہو کہ آکر ہم لوگوں پر حملہ کیجئے اور ہمیں غلام بنایئے۔ شام کیا کسی ملک والوں کا کوئی جرم نہیں بتایا جا سکتا جو حضرت ابوبکر کے حملوں کو مناسب ثابت کر سکے۔ اس کی دو ہی وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک حضرت ابوبکر کا شوق جہاں گیری۔ دوسری حضرت عمر کی زبردست رائے۔ کیونکہ جب آپ زمانہ جاہلیت میں ملک شام کی طرف گئے تھے تو وہاں کے عیسائی پیشوا نے آپ سے پیشین گوئی کی تھی کہ آپ کچھ زمانہ بعد وہاں کے بادشاہ بنا دیئے جائیں گے۔ اس کی تفصیل اسی سوانح عمری حصہ اول کے صفحہ ۲۴۳ و ۲۵۹ میں گزر چکی ہے۔ ناظرین اس مقام پر اس کو پھر پڑھ لیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵۴) یہی حکم دیا گیا ہے دیکھو یہ حضرت ابوبکر کا تاکیدی فرمان میرے پاس ہے جس میں مجھے حکم دیا ہے کہ اگر تم فتح پاؤ تو سب کو زندہ ہی جلا دو (خمیس جلد ۲ صفحہ ۲۳۱)۔ ایک شخص فجارۃ سلمی حضرت ابوبکر پاس بھیج دیا گیا تو آپ نے حکم دیا کہ آگ روشن کی جائے۔ غرض محلے مدینہ میں آگ روشن کی گئی پھر فجارۃ کی اچھی طرح مشکیں باندھ دی گئیں اور وہ اس میں پھینک دیا گیا جس میں بیچارہ جل گیا (کامل جلد ۲ صفحہ ۱۳۴ وغیرہ) چونکہ حضرت ابوبکر کے تقریباً کل امور حضرت عمر ہی کی رائے و مشورہ سے انجام پاتے تھے اس وجہ سے حیرت ہوتی ہے کہ کیونکر حضرت عمر نے ان سختیوں کو پسند کیا۔ کیا خلیفہ رسول ان احکام کو دے سکتا اور ان کارروائیوں کو پسند کر سکتا ہے ۱۲ منہ

(۲) فتح مصر: مصر کی فتح کو درحقیقت حضرت عمر سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ اس کے شدید مخالف تھے مگر عمرو عاص نے حد سے زیادہ اصرار کرکے آپ کو مجبور کیا کہ اجازت دے دیں۔ پھر ان کے روانہ ہو جانے کے بعد بھی خط لکھ کر اس سے سختی کے ساتھ روکا لیکن عمرو عاص نے پالیسی سے کام لیا اور اس کو فتح کرکے رہے۔ مولوی شبلی صاحب نے بھی دبی زبان اس کو تسلیم کیا ہے لکھتے ہیں "مصر کی فتح اگرچہ فاروقی کارناموں میں داخل ہے لیکن اس کے بانی مبانی عمرو بن العاص تھے، وہ اسلام سے پہلے تجارت کا پیشہ کرتے تھے اور مصر ان کی تجارت کا جولانگاہ تھا۔ اس زمانہ میں مصر کی نسبت گو اس قسم کا خیال بھی ان کے دل میں نہ گزرا ہوگا لیکن اُسکی زرخیزی اور شادابی کی تصویر ہمیشہ ان کی نظر میں پھرتی رہتی تھی۔ حضرت عمر نے شام کا جو اخیر سفر کیا اُس میں یہ اُن سے ملے اور مصر کی نسبت گفتگو کی حضرت عمر نے پہلے احتیاط کے لحاظ سے انکار کیا لیکن آخر ان کے اصرار پر راضی ہو گئے اور چار ہزار فوج ساتھ کر دی۔ اس پر بھی اُن کا دل مطمئن نہ تھا۔ عمرو سے کہا کہ خدا کا نام لے کر روانہ ہو لیکن مصر پہنچنے سے پہلے اگر میرا خط پہنچ جائے تو اُلٹے پھر آنا عریش پہنچے تھے کہ حضرت عمر کا خط پہنچا۔ اگرچہ اسمیں آگے بڑھنے سے روکا تھا لیکن چونکہ شرطیہ حکم تھا عمرو نے کہا کہ اب تو ہم مصر کی حد میں آچکے" (الفاروق جلد ا صفحہ ۱۹۴)

مولوی صاحب نے اجمال سے کام لیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے "۱۸ھ میں خلیفہ دوم شام کے شہر جابیہ میں آئے تو عمرو عاص نے تخلیہ میں مصر پر چڑھائی کرنے کے لئے عرض کی کہ یہ موقع غنیمت ہے اگر حملہ کر دیا جائے تو بہت انسب ہوگا کیونکہ روم کی ابھی کمر ٹوٹ ہی چکی ہے۔ مدافعت کی قوت نہیں۔ بہت آسانی سے فتح ہو جائیگی۔ خلیفہ دوم نے جن وجوہات سے قطعی انکار کیا مورخین نے انہیں نہیں لکھا ہے بلکہ صرف خوف کی نسبت دی ہے کہ وہ خائف ہوئے۔ جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ لشکر کی موجودہ حالت نے کہ اتنی بڑی جنگ سے کس قدر تھکی ہوگی اُن کو خوف زدہ بنایا ہوگا جو فی نفسہ ایسے دلوں کے ڈرانے کے لئے کافی ہے حالانکہ اکثر اوقات خود اس شخص کی کامیابی ایسی جرأت و ہمت دلانے والی ہوتی ہے کہ ہزاروں تھکن

پر وہ غالب آجاتی ہے۔ عمرو عاص کا اصرار ترقی کرنے لگا اور اچھی طرح سمجھایا کہ یہ ملک نہایت زرخیز ہے۔ مال کثیر ہاتھ آئے گا۔ مصری لوگ عام طور پر جنگجو نہیں۔ مزدور ہیں۔ لڑائی سے بہت ڈرتے ہیں۔ اُن میں نہ قوت ہے نہ جرأت اس ملک کے فتح سے مسلمانوں کو پوری قوت و شوکت حاصل ہو گی۔ حضرت عمر خائف تھے کیونکہ جنگ دو سردار دممکن ہے ہم کو شکست ہو جس سے نقصان کثیر اٹھانا پڑے اور مسلمانوں کو بعوض نفع نقصان ہو۔ عمرو عاص اپنے اصرار پر برابر قائم رہے۔ اصول جنگ سمجھاتے رہے کہ اسلامی رعب بنا ہوا ہے۔ فتح کچھ مشکل نہیں یہاں تک کہ حضرت عمر نے بہ خاطر ان کے چار ہزار یا ساڑھے چار ہزار فوج قبیلۂ عک سے انکے حوالہ کی۔ حضرت عمر نے اگرچہ بکمال اکراہ تین یا چار پلٹن مرحمت کی اور ان کو اجازت دی کہ مصر پر حملہ آور ہوں مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ میں اس بارہ میں خدا سے استخارہ کروں گا اور بہت جلد بذریعہ خط کے خبر دوں گا۔ دیکھو یہ خط خاک مصر میں داخل ہونے کے پہلے اگر تم کو ملے اور اُس میں حکم واپسی ہو تو بلا تامل واپس آنا۔ اور اگر خاک مصر میں داخل ہونے کے بعد یہ حکم نامہ ملے تو خدا پر بھروسہ کر کے چلے جانا۔ عمرو عاص چونکہ اس ملک کے لئے بیتاب ہو رہے تھے لہذا شب ہی کو اونہوں نے کوچ کیا اور اپنی مختصر فوج کے ساتھ ڈبل مارچ کرتے چلے جا رہے تھے جس کی خبر نہ خلیفہ کو معلوم ہوئی نہ کسی دوسرے کو۔ صبح کے وقت خلیفہ نے استخارہ کیا جس سے اُن کی فطری قلبی حالت نے فیصلہ کیا کہ خدا کا حکم نہیں۔ اس جنگ میں خیریت نہیں۔ چنانچہ اسی بنیاد پر انہوں نے تاکیدی حکم نامہ بنام عمرو عاص لکھا کہ "جلد مع فوج واپس آؤ"۔ یہ خط عمرو عاص کو بمقام رفح ملا جو سرحد مصر کے اسی طرف تھا۔ لہذا عمرو عاص کو یہ خوف دامن گیر ہوا کہ اگر اس حکم نامہ میں مراجعت کا حکم ہو گا جو ضروری ہے تو اوس کی تعمیل میں کوئی عذر نہ رہے گا۔ یہ سوچ کر عمرو نے قاصد سے وہاں خط نہ لیا اور بہ لطائف الحیل ٹالتے چلے گئے یہاں تک کہ بہ کمال سرعت رفح عریش کے درمیانی گاؤں میں پہنچ گئے جو خاک مصر میں داخل تھا۔ یہاں پر عمرو

نے قاصد سے خط لیا۔ پھر لشکر کے روبرو پڑھکر سنایا اور کہا تم جانتے ہو کہ یہ گاؤں ملک مصر کی سرحد میں داخل ہے جس کے بارے میں خلیفہ نے فرمایا تھا کہ اگر یہ خط سرحد کے اس طرف ملے تو اس کی تعمیل کرنا۔ اور اگر داخلۂ خاک مصر کے بعد یہ خط ملے تو تم چلے جانا اور اس کی تعمیل لازمی نہ ہوگی۔ جس کو کل اہل لشکر نے قبول کیا اور عمرو نے ملک مصر کی راہ لی (کتاب حسن المحاضرہ تاریخ مصر و قاہرہ صلہ)

یہاں تحقیق طلب نگاہیں ضرور متفحص ہونگی کہ وہ کون سی قوت تھی جس نے عمرو عاص کو فتح مصر کے لئے ایسا بے چین کیا کہ نہ مخالفت خلیفہ نے اُن کو روکا نہ قلت لشکر نے۔ حالانکہ سب کو معلوم ہے کسی فوج کے جنرل کو کسی ملک کی فتح سے بذاتہٖ تعلق نہیں۔ نہ وہ منافع اس کو ہوتے ہیں جو خود بادشاہ کو حاصل ہوں۔ اور اسلامی قانون سے تو بلا اجازت رسول و امام نہ کسی کو جہاد کرنے کا منصب ہے نہ کسی جنرل فوج کو مال غنیمت سے زیادہ لینے کا حکم ہے۔ کیونکہ یہاں سردار کا بھی وہی حصہ ہے جو معمولی سپاہی کو حاصل ہوتا ہے۔ تو کیا جوش قوت ایمانی میں عمرو عاص بڑھے ہوئے تھے حضرت عمر سے جو وہ مصر تھے اور یہ مانع؟ کیا شجاعت میں عمرو عاص فائق تھے جو اس طرح تڑپ رہے ہیں اور حضرت عمر کے دل میں وہ ولولہ نہیں؟ حالانکہ ہر بادشاہ خصوصاً جو فاتح ہوتا ہے ملک گیری کے لئے بے چین ہوتا ہے۔ کیا فوج کی حالت سے حضرت عمر زیادہ واقف تھے جو مدینہ میں تھے اور عمرو عاص اس سے ناواقف تھے؟ حالانکہ اسی فوج کے ساتھ وہ مدت سے مصروف کارزار تھے۔ پھر ان کو کیوں ایسا اصرار تھا؟ ان کل سوالوں کا جواب ضرور نفی میں ہوگا کہ نہ عمرو عاص کی قوت ایمانی خلیفہ سے بڑھی تھی۔ نہ شجاعت میں وہ فائق تھے، نہ فوج کے ضعف و قوۃ کے اندازہ میں یہ گھٹے ہوئے تھے جو اس درجہ اصرار کر رہے ہیں بلکہ وہ ایک دوسری قوۃ ان کی محرک تھی جس کا نہ علم خلیفہ کو تھا نہ وہ ان کے لئے محرک ہو سکتی ہے۔ کیونکہ عمرو عاص کو زمانہ جاہلیت میں ایک خاص ذریعہ سے معلوم ہو چکا تھا کہ ہم ایک روز ضرور حاکم و مالک مصر

ہوں گے۔ وہی اطلاع آج ان کو گذر رہی ہے کہ جلد مصر پر چڑھائی کرو۔ نہ حکم خلیفہ پر اُن کی نظر ہے نہ قلتِ فوج کا خیال ہے۔ نہ استخارہ خلیفہ کا انتظار کرنے دیتا ہے بلکہ استخارہ والے حکم کو اس حیلہ سے ٹال رہا ہے کہ کوئی الزام بھی نہ آنے پائے اور جنگ مصر بھی ہاتھ سے نہ جائے۔

تفصیل اسکی علامہ سیوطی اس طرح لکھتے ہیں کہ "عمرو عاص زمانۂ جاہلیۃ میں جب کہ آفتاب رسالت کا بھی طلوع نہ ہوا تھا ایک دفعہ بغرض تجارت بہت سے قریش کے ساتھ وارد بیت المقدس ہوئے۔ وہاں ایک عیسائی پادری بھی جو اسکندریہ کا رہنے والا تھا بغرض زیارت بیت المقدس آیا تھا۔ پادری بیت المقدس کے اعمال زیارت سے فارغ ہوکر بغرض سیر و تفریح پہاڑوں پر چڑھ گیا اور سیر و تماشا کر رہا تھا کہ پیاس نے اوس پر غلبہ کیا۔ اور شدت تشنگی سے جاں بہ لب ہوا۔ عمرو عاص وغیرہ قریشی کا معمول یہ تھا کہ ہر روز ایک شخص باری باری اپنے اور قافلہ والوں کے اونٹ کو چرانے کے لئے پہاڑ پر لے جایا کرتا تھا۔ چنانچہ جس روز یہ پادری پہاڑ پر آیا تھا عمرو عاص کی باری تھی کہ اوس نے پانی مانگا اور سیراب ہوکر وہیں سو رہا۔ اتفاقاً جہاں وہ پادری سویا تھا اُس کی بغل میں ایک گڈھا تھا جس سے ایک اژدہا نکلا اور اُس نے اُس پادری کیطرف رُخ کیا۔ عمرو عاص دور سے دیکھ رہے تھے۔ وہیں سے اونھوں نے نشانہ بٹھا کر ایک ایسا تیر مارا جس سے وہ اژدہا وہیں مرکر چیت ہوگیا۔ پادری صاحب جب خواب سے بیدار ہوئے تو اتنے بڑے مردہ سانپ کو اپنے زیر بغل دیکھکر حیران ہوئے کہ یہ موذی کہاں سے آیا اور کس نے میری جان بچائی۔ عمرو عاص نے اُن کے استفسار پر سارا قصہ سانپ نکلنے اور تیر مارنے کا بیان کیا۔ جس سے وہ نہایت درجہ شکر گزار ہوا۔ پادری اُن کے سر کا بوسہ لیکر کہا کہ خدا نے تمہاری بدولت دو مرتبہ میری جان بچائی کہ ایک دفعہ شدت تشنگی سے میں جاں بلب تھا تم نے اس صحرائے بے آب میں پانی پلا کر مجھے زندہ کیا۔ دوسری مرتبہ اس سانپ سے رہائی دلوائی۔ اب بتلاؤ تم کس غرض سے یہاں آئے ہو اور تمہارا مقصود کیا ہے۔

عمرو عاص۔ ہم قریش کے ساتھ یہاں بغرض تجارت آئے ہیں کہ شاید کچھ نفع حاصل ہو۔
یادرڑی۔ کس قدر نفع کی تم کو امید ہے؟
عمرو عاص۔ میرا خیال یہ ہے کہ ایک اونٹ کی قیمت کے موافق نفع ہو کیونکہ اس وقت میری ملکیت میں کل دو اونٹ ہیں۔ ایک اونٹ اور خریدلوں تو تین اونٹ ہوجائینگے۔
یادرڑی۔ تمہارے یہاں دیت یعنی خوں بہا کسی شخص کا کس قدر دیا جاتا ہے۔
عمرو عاص۔ سو اونٹ۔
یادرڑی۔ ہم لوگ اونٹ وغیرہ نہیں جانتے۔ یہ بتاؤ کہ اُس کی قیمت کتنی ہوگی کیونکہ ہمارے ہاں درہم و دینار کا رواج ہے۔
عمرو عاص۔ ہزار اشرفی۔
یادرڑی۔ میں ایک مرد غریب مسافر ہوں۔ یہاں بغرض ادائے نذر آیا تھا کہ بیت المقدس میں نماز پڑھوں۔ اور ایک مہینہ یہاں رہوں۔ اب زمانہ میری معاودت کا آگیا ہے۔ وطن جانا چاہتا ہوں اگر تم میرے ساتھ چلو تو میں بعہد خدا قسم کھاتا ہوں کہ دو آدمیوں کا خوں بہا (دو ہزار اشرفیاں) تم کو دوں گا۔ کیونکہ خدا نے دو مرتبہ میری جان تمہاری بدولت بچائی۔
عمرو عاص۔ تمہارا وطن کہاں ہے؟
یادرڑی۔ ملک مصر میں ایک شہر اسکندریہ ہے۔
عمرو۔ میں تو اُس کو نہیں جانتا نہ کبھی وہاں گیا ہوں۔
یادرڑی۔ اگر تم وہاں چلو تو تم کو معلوم ہو کہ ایسے ملک زرخیز میں آج تک تمہارا گزر بھی نہیں ہوا۔
عمرو۔ اچھا قسم کھاؤ کہ اپنے عہد پر ثابت قدم رہوگے اور ایفائے وعدہ کروگے۔
یادرڑی نے قسم کھائی اور قول و قرار محکم ہوگیا۔
عمرو عاص۔ یہ سفر کتنی مدت میں ختم ہوگا؟
یادرڑی۔ ایک مہینہ میں۔ دس روز سفر۔ دس روز قیام اور پھر دس روز واپسی اور میں اس کا بھی عہد کرتا ہوں کہ بحفاظت تم کو پہنچادوں گا اور وقت معاودت ایک

شخص کو ساتھ کر دوں گا جو بہ حفاظت یہاں پہنچا دے گا۔
عمرو عاص نے اپنے دوستوں سے ایک شخص کو بایں شرط ساتھ لیا کہ جو کچھ ہاتھ آئیگا اس میں سے تم کو بھی حصہ دیں گے۔ باخود ہا یہ صلاح ٹھہرا کر روانہ ملک مصر ہوئے۔ وہاں پہنچکر مصر کی عمارات اور کثرت مال نے عمرو کی آنکھوں میں چکاچوند کر دی۔ کیونکہ اس قسم کی عمارتیں آج تک خواب میں بھی نہ دیکھی تھیں۔ ایک نئی دنیا نظر آئی۔
عمرو عاص کا داخلہ اسکندریہ میں (جہاں پادڑی کا مکان تھا) حسن اتفاق سے اُس زمانہ میں ہوا جو ان لوگوں کے خاص عید کا موسم تھا جس میں ایک روز معین تھا کہ مصری شاہزادے اُس طلائی گیند سے چوگان بازی کرتے جس کے خواص سے یہ تھا کہ جسکی آستین میں وہ گیند پڑ جاتا ایک دفعہ سلطنت مصر پر وہ ضرور فائز ہوتا جس کا صدہا مرتبہ وہ تجربہ کر چکے تھے۔ پادڑی کو چونکہ دو ہزار اشرفیوں کی فکر تھی جس کا وعدہ عمرو سے کیا تھا لہذا اوس نے اوسی روز معین کو انتخاب کیا جس میں مصر کے کل شاہزادے اور امراء و رؤسا قسمت آزمائی کے لئے اُس میدان میں جمع ہوتے اور منتظر رہتے کہ دیکھئے آج کس کا پاسا پڑتا ہے۔ اس خیال میں پادڑی نے بروز معین عمرو عاص کو بھی لباس دیبا و حریر سے مزین کر کے وہیں پہنچایا جہاں یہ چوگان بازی ہو رہی تھی اور ہر شخص کی نظر اوسی ہمائے سعادت پر تھی جو بظاہر ایک گیند تھا ؎
خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال ؞ کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری ہو جائے
گردشِ فلکی کو سب ہی جانتے ہیں۔ اس دفعہ ارضی گردش بھی ہو گئی کہ مصریوں کو چھوڑ کر اس گیند نے اپنا مرکز عمرو عاص کی اوس لانبی آستین کو بنایا جس کی نسبت دنیا میں کسی متنفس کو بھی گمان نہ تھا کہ یہ کسی بادشاہ کے دربار میں داخل ہو سکیگی۔ چہ جائے کہ خود فرعون مصر بن جائیں۔ چنانچہ وہ سب شاہزادے خود کہہ پڑے کہ اس گیند نے تو کبھی ہم کو دھوکا نہیں دیا ہے اس دفعہ کیا ہوا جو اس عرب کی آستین میں پناہ لی۔ کیا یہ اعرابی کبھی ہمارا بادشاہ ہو سکتا ہے؟ یہ کلام جس سادہ لوحی سے اُن کی زبان سے نکلا تھا اوسی طرح اس نے عمرو عاص کے دل میں ایسا اثر کیا کہ ان کو اپنی کامیابی کا کلی یقین ہو گیا۔ اس کے بعد پادڑی نے اُن شاہزادوں سے

اپنا سارا قصہ بیان کیا اور ہر شخص سے مستدعی اعانت ہوا۔ ہر شخص نے حسب لیاقت اشرفیاں دیں جس سے فوراً وہ تعداد دو ہزار کی پوری ہو گئی جس کا وعدہ یاوڈری نے کیا تھا۔ بعدہٗ بکمال عزت و احترام ان کو رخصت کیا (حسن الحاضرہ ۴۲)

آپ معلوم ہوا یہی وہ قوت محرک تھی جس نے عمرو عاص کو تسخیر ملک مصر پر آمادہ کیا کہ باوصف مخالفت خلیفہ وہ تین چار ہزار فوج سے حملہ آور ہوئے اور بہت کم زمانہ میں مصر کو فتح کیا۔

تیسری فصل

فتوحات شیخین کی کامیابی کا راز

گزشتہ صفحوں میں تم پڑھ چکے ہو کہ چند صحرانشینوں نے کیونکر فارس و روم کا دفتر اُلٹ دیا؟ اس کا جو جواب یورپین مورخوں نے دیا ہے اس کو بھی پڑھ چکے اور مولوی شبلی صاحب نے جو وجہ بیان کی اس کو بھی دیکھ چکے لیکن اصلیت سے دونوں ہی دور ہیں۔ اس کا واقعی سبب یہ تھا کہ اوس زمانہ کے غیر تعلیم یافتہ عربوں کو جہاد کا مطلب غلط ذہن نشین کرا دیا گیا جس کی وجہ سے اُن کو یقین ہو گیا کہ خلیفہ وقت جس سے لڑے۔ جس ملک پر حملہ کرے۔ جس قوم کے تباہ و برباد کر دینے اور جس مذہب کو فنا کر دینے کا حکم دے اس کے لئے آمادہ ہو جانا درحقیقت جہاد ہے جس کو خدا و رسول نے ہر مسلمان پر واجب کیا ہے۔ اور جو شخص اس پر عمل نہیں کرے گا وہ جہنم میں جائے گا اور جو اپنی جان لڑا دے گا اوس کو بہشت میں جگہ ملے گی اور حور و غلمان سے وصل کی لذت حاصل ہو گی۔ اور چونکہ خدا نے جہاد و مجاہدین کے اجر و فضل کو قرآن مجید میں اور حضرت رسول خدا صلعم نے اپنی حدیثوں میں بہت کثرت سے بیان کیا ہے اس وجہ سے سب نے خیال کر لیا کہ کفار سے بے وجہ لڑنا بھی ان کل درجات و فضائل کا مستحق بنا دیتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں خدا نے فرمایا ہے کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم۔ مسلمانو! تم پر کافروں سے جہاد فرض کیا گیا۔ اور وہ

تم کو ناگوار ہوگا (پ۲ ع ۲۶) ان الذین آمنوا والذین ھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ اولئک یرجون رحمۃ اللہ واللہ غفور رحیم - جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں لڑے ان ہی کو رحمۃ خدا کی امید ہے اور اللہ غفور رحیم ہے (پ۲ ع ۲۷) ولئن قتلتم فی سبیل اللہ او متم لمغفرۃ من اللہ ورحمۃ خیر مما یجمعون - اگر تم راہ خدا میں مارے جاؤ یا مرجاؤ تو اللہ کی بخشش اور رحمت اس چیز سے بہتر ہے جو وہ بٹورتے ہیں (پ۴ ع ۱۷) فالذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم واوذوا فی سبیلی وقاتلوا وقتلوا لاکفرن عنھم سیئاتھم ولادخلنھم جنات تجری من تحتھا الانھار ثوابا من عند اللہ واللہ عندہ حسن الثواب جن لوگوں نے ہجرت کی اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور قتل کئے گئے البتہ میں ان کے گناہوں کو مٹادوں گا اور ایسے بہشتوں میں ان کو جگہ دونگا جن میں نہریں بہتی ہیں - یہ اللہ کے پاس سے ان کو ثواب ملے گا - اور اللہ کے پاس کیسا اچھا ثواب ہے (پ۴ ع ۱۰) - اسی طرح بکثرت آیات ہیں جو حقیقتہ سب اوس وقت کے لئے ہیں جب جنگ دفاعی ہو یعنی مسلمانوں پر غیر مسلموں کی طرف سے حملہ کیا جائے - وہ ستائے جائیں - پریشان کئے جائیں - ان کی ذات - مال - جائداد اور مذہب کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے تب اُن سے لڑنا صحیح جہاد ہے تاکہ اہل اسلام کی مذکورہ بالا چیزیں محفوظ رہیں - اور جو جنگ اس معیار سے نہیں ہوگی وہ جہاد نہیں بلکہ جدال ہے - قرآن مجید نے اس مسئلہ کو بھی متعدد آیتوں میں صاف کردیا ہے - واضح طور پر کہتا ہے :-

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین - اور جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کی راہ میں اون سے لڑو اور زیادتی مت کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (پ ۲ ع ۲۴) ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا اور یہ کافر تو ہمیشہ تجھے لڑتے رہیں گے اس غرض سے کہ اگر ان کا بس چلے تو تم کو تمہارے دین سے

پھرالیس (پ ۲ ع ۲۷) یا ایھا الذین آمنوا خذوا حذرکم فانفروا ثبات اوانفروا جمیعا - اے ایمان والو اپنے بچاؤ لئے رہو اور جتھے جتھے نکلو یا سب مل کر نکلو (پ ۵ ع ۱۰) ومالکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا - اے مسلمانو! تم کو کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کی راہ میں اور اُن بےبس مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لئے دشمنوں سے نہیں لڑتے جو عاجز آکر خدا سے دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے کہیں نجات دے جہاں کے رہنے والے ہم پر ظلم کر رہے ہیں اور خود ہی اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور خود ہی کسی کو اپنی طرف سے ہمارا مددگار بنا (پ ۵ ع ۷)- وان جنحوا للسلم فاجنح لھا اگر کافر صلح کرنا چاہیں تو تم بھی صلح کرلو (پ ۱۰ ع ۴) - وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ - اور مشرکوں سے سب مل کر لڑو جس طرح وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں (پ ۱۰ ع ۱۱) غرض اس مضمون کی بے شمار آیتیں ہیں کہ اگر کفار تم پر حملہ کریں تم پر ظلم کریں - تمہیں نقصان پہنچائیں تب ان کا جواب دینے یعنی اپنے کو بچانے کے لئے تم بھی اُن سے لڑو - اور اگر وہ اسے ترک کردیں یا صلح چاہیں تو تم بھی جنگ روک دو۔ حضرت رسول خدا صلعم کی حدیثیں بھی اسی مقصود کی ہیں اور حضرتؐ کا طرز عمل بھی یہی رہا۔ مکہ معظمہ میں حضرتؐ ۱۳ سال تک نبوت کے بعد رہے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کا کوئی دقیقہ اوٹھا نہیں رکھا - اس کے عوض حضرتؐ پر پتھر مارے جاتے - کوڑا کرکٹ ڈالا جاتا - اوجھڑیاں پھینکی جاتیں - حضرتؐ کو ساحر - کاہن مجنون کہا جاتا لیکن حضرتؐ نے کوئی جارحانہ قدم نہیں اوٹھایا - جب کفار مکہ حضرتؐ کے قتل پر آمادہ ہوئے اور حضرتؐ نے ہجرت کی تو مدینہ آنے پر بھی حضرتؐ کا وہی اصول عمل رہا - البتہ جب یہاں کفار مکہ نے اپنے مظالم کے ساتھ حضرتؐ سے جنگ کا سامان بھی کیا تب حضرتؐ بھی دفاعی جہاد کرنے کے لئے آمادہ ہوئے - مواہب لدنیہ اور زرقانی میں لکھا ہے کہ خدا نے ۱۲ صفر ۲ھ میں جہاد کی اجازت دی اول

آیۃ نزلت فی الاذن بالقتال اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر۔ پہلی آیت جو قتال کی اجازت میں نازل ہوئی وہ یہ ہے:۔ اذن للذین الخ یعنی جن سے لڑائی کی جاتی ہے (مسلمان) ان کو بھی اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ اُن پر ظلم کیا جاتا ہے اور خدا ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے (زرقانی بحوالۂ صحیح نسائی جلد ا صفحہ ۴۶۶)۔ تفسیر طبری میں ہے کہ جہاد کے متعلق سب سے پہلی آیت یہ نازل ہوئی قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں (پ ۲ ع ۸) غور سے دیکھو کہ دونوں آیتوں میں اونہی لوگوں سے لڑنے کی اجازت ہے جو پہلے مسلمانوں سے لڑنے آتے ہیں۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان درحقیقت لڑنے پر مجبور کئے جاتے تھے۔ غزوات کے حالات تم کو بتائیں گے کہ اس دعوے میں ذرہ برابر مبالغہ نہیں ہے۔ قریش نے رسولؐ کی ہجرت کے ساتھ ہی مدینہ پر حملہ کی طیاریاں شروع کر دی تھیں جن کا انجام غزوۂ بدر کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ہر عقل فیصلہ کریگی کہ جب مکہ کے کفار آنحضرتؐ پر چڑھائی کرکے آئے اور مسلمانوں کو پیس ڈالنا چاہا تو حضرتؐ کیا اپنے کو اُن سب کا نشانہ بنا دیتے؟ کیا وہ حملہ کرتے رہتے اور حضرت مسلمانوں کو حکم دیتے کہ خاموش تلوار اور نیزہ کا وار کھاتے جاؤ؟ نہیں اور یقیناً نہیں۔ اس وجہ سے آنحضرت صلعم کی طرف سے جنگ مدافعانہ ہی تو ہوئی۔ لیکن بہر صورت کفار سے حضرتؐ کو جنگ کرنی پڑی۔ بس اسی امر کو خلفاء ثلثہ نے اپنے عالم گیری مقصود کی بنیاد قرار دی اور مسلمانوں کو سمجھایا کہ جس طرح رسولؐ کفار سے لڑتے تھے تم بھی لڑو۔ جس طرح حضرتؐ کے حکم سے ان لوگوں کو قتل کیا جاتا تھا۔ اب ہمارے حکم سے دوسروں کے ملکوں پر چڑھائی کرکے سب کو تہِ تیغ کرو۔ جس طرح حضرتؐ کے جہادوں میں مخالفین کے ہتھیار۔ جانور۔ مال و اسباب غنیمت کے طور پر لوٹے جاتے تھے تم بھی ایران۔ عراق۔ شام۔ مصر کے باشندوں کو اچھی طرح زیر کرنے اور پوری شکست دینے کے بعد ان کی کل دولت۔ جائداد۔ املاک۔ مال و اسباب پر قبضہ کرو نہ یہ سب تمہارے لئے جائز۔ حلال۔ طیب طاہر ہے۔ وفات

رسولؐ کے بعد فوراً یہ ذہنیت پیدا ہوئی اور اسی کو زور شور سے ہر مسلمان کے دماغ میں راسخ کیا گیا۔ اور اوس وقت کے سادہ لوح اہل اسلام جہاد کے اس جدید مگر بالکل غلط معنے کو بہت آسانی سے قبول کرکے اس پر عامل ہو گئے۔ صرف حضرت علیؑ اور آپ کے مختصر تبعین اس سے علیحدہ رہے۔ مسلمانوں کو کفار سے جہاد پر جوش دلانے کے لئے یہ نسخہ اکسیر کا حکم رکھتا تھا کہ ان کو اچھی طرح سمجھایا جاتا تھا تمہاری ہر طرح جیت ہی جیت ہے۔ کوئی مسلمان کسی کافر سے جہاد کرنے میں اصل شکست پا ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تم دشمن پر غالب آؤ۔ اس صورت میں اس کی دولت اس کا مال اس کا ملک تمہارے قبضہ میں آئیگا اور دنیا کی بادشاہت یا حکومت یا عیش و راحت تمہارے قدم چومے گی۔ اگر تم مغلوب ہوئے مارے گئے تو بہشت تمہاری منتظر ہے۔ وہاں کی نعمتیں، وہاں کی لذتیں، وہاں کی راحتیں ایسی ہیں جو دنیا کے شہنشاہوں کو بھی میسر نہیں۔ وہاں کی حوریں اتنی اور ایسی خوبصورت ہیں جن کے حُسن کا لاکھواں حصہ بھی دنیا کی کسی شاہزادی تک کو نہیں مل سکا۔ پھر تم اپنی جان ہتھیلی پر رکھکر جہاد کیوں نہ کرو کہ ہر طرح تمہاری ہی کامیابی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جتنی لڑائیاں ہوئیں ہر موقع پر تم کو سردار اور تابع سب کے اقوال اور خیالات میں یہی مفہوم ملے گا۔ مثلاً ایران پر مسلمانوں نے حملہ کیا تو رستم نے مسلمانوں کے سفیر مغیرہ کو بلایا۔ اور دونوں میں حسب ذیل مکالمہ ہوا جو اس دعوے پر بلوری روشنی ڈالتا ہے۔ قال رستم ما جاء بکم۔ قال انا کنا قوما فی سوق ضلالۃ فبعث اللہ فینا نبیا فھدانا اللہ بہ و رزقنا علے یدیہ فکان مما رزقنا حبۃ زعمت تنبت بھذا البلد فلما اکلنا ھا و اطعمنا ھا اھلینا قالوا لا صبر لنا عن ھذہ انزلونا ھذہ الارض حتی ناکل من ھذہ الحبۃ فقال رستم اذا نقتلکم فقال ان قتلتمونا دخلنا الجنۃ و ان قتلنا کم دخلتم النار اوادیتم الجزیۃ۔

رستم۔ (مغیرہ سے) تم لوگ ہمارے ملک میں کیوں آئے ہو؟

مغیرہ - بات یہ ہے کہ ہم سب گمراہی کی دنیا میں پڑے تھے - اب خدا نے ایک نبی ہماری ہدایت کے لئے بھیجا اور اُن کے ذریعہ سے ہمیں بڑی بڑی نعمتیں عنایت فرمائیں - انہیں نعمتوں میں وہ اعلےٰ درجہ کا غلہ بھی ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اسی ملک میں پیدا ہوتا ہے - جب ہم لوگوں نے اس غلہ کو کھایا اور اپنے اہل و عیال کو کھلایا تو سب کو وہ اتنا لذیذ معلوم ہوا کہ کہنے لگے ہم لوگ بغیر اس غلہ کے رہ ہی نہیں سکتے ہیں - اب ہمیں اسی ملک میں لے چلو جہاں یہ پیدا ہوتا ہے تاکہ وہیں سکونت اختیار کر کے خوب اس کو کھایا کریں -

رستم - پھر تو ہم تم لوگوں کو قتل ہی کر دیں گے -

مغیرہ - اگر تم ہم کو قتل کرو گے تو ہمیں کچھ پروا نہیں کیونکہ ہم مر کر سیدھے بہشت میں پہنچیں گے (اور وہاں یہاں سے زائد عیش و راحت پائیں گے) اور اگر ہم ہی نے تم کو قتل کر دیا تو تم لوگ جہنم میں جاؤ گے - ورنہ جزیہ دو (تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۴ صـ۹۳)۔

ایک ایک لفظ کہتا ہے کہ ان فتوحات کی غرض صرف یہ تھی کہ عمدہ غذائیں حاصل کی جائیں نفیس لباس پہنے جائیں اور دنیوی لذات میں زندگی بسر کی جائے - دوسروں کی خدمت کرنی ان کو آرام پہنچانے ان کو ترقی دینے ان کی حالتوں میں اصلاح کرنے کا تصور کسی کے ذہن تک میں نہیں آتا تھا - اور ساتھ ساتھ یہ خیال بھی تھا کہ اگر ہم جنگ سے ہم دنیا کا عیش و آرام نہیں حاصل کر سکے - یہاں کی ترقی سے محروم رہے - اس زندگی کی لذتوں میں اضافہ نہیں ہو سکا تو قتل ہوتے ہی بہشت میں پہنچ جائیں گے جہاں یہاں سے لاکھوں درجہ زیادہ عیش و راحت کا سامان مہیا ہے - پھر کیوں نہیں خوب دل لگا کر جنگ کریں اور ظاہر ہے کہ جب انسان کے دل میں ایسے خیالات پختگی سے بیٹھ جاتے ہیں تو ایک شخص دس آدمیوں پر بھی بھاری ہو جاتا ہے - جہاد کے معنے میں اس درجہ تحریف کر دی گئی تھی کہ جب اسی ملک ایران میں حضرت عمر کی فوج پہنچی ہے تو وہاں کے بادشاہ یزدجرد نے مغیرہ سے پوچھا تم لوگ یہاں کیوں آئے ہو ؟ انھوں نے اس کو بھی تقریباً وہی جواب دیا جو رستم کو دیا تھا - اس میں خدا کے بارے میں مغیرہ نے بیان کیا ہے قال من تابعکم

علے هذا فله مالكم و عليه ماعليكم ومن ابى فاعرضوا عليه الجزية ثم امنعوه مما تمنعون منه انفسكم ومن ابى فقاتلوه فانا الحكم بينكم - فمن قتل منكم ادخلته جنتي ومن بقى منكم اعقبته النصر علے من ناوأه۔ ہمارے خدا نے ہم لوگوں سے (اپنے رسولؐ کے ذریعہ) کہا ہے کہ جو لوگ تمہارا مذہب اختیار کریں ان کو وہ کل منافع حاصل ہو جائینگے جو تم کو حاصل ہیں (یعنی ہر حالت میں تم اور وہ لوگ برابر رہیں گے) اور جو لوگ اس مذہب سے انکار کریں اُن سے کہو کہ جزیہ دیں پھر ان کی ہر اُس چیز سے حفاظت کرو جس سے اپنی حفاظت کرتے ہو۔ اس سے بھی اگر وہ لوگ انکار کریں تو ان سے لڑائی چھیڑ دو۔ کیونکہ تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا میں ہی ہوں کہ جو شخص تم میں سے قتل کیا جائے گا اس کو میں اپنے بہشت میں جگہ دوں گا اور جو شخص بچ جائے گا اس کی مدد کر کے میں اس کو دشمن پر غلبہ دے دوں گا (طبری جلد ۴ صفحہ ۹۵) جس خدا نے صاف فرمادیا ہے لا اکراہ فی الدین وہ کیا کہہ سکتا ہے کہ جو شخص اس دین کو قبول نہ کرے اوس سے قتال کرو؟ پھر اسکے بارے میں ایسا کہنا کیا اس پر افترا و بہتان نہیں ہے؟ غرض اسی قسم کے عقائد ان لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیئے گئے تھے کہ جو شخص کفار کو مذہب اسلام میں نہ لاسکے وہ اس کو تلوار کے خوف سے ادھر لائے۔ اگر اس پر بھی کامیابی نہ ہو تو اس کو قتل کر دے۔ اگر قتل کرنے میں کامیابی ہو تو اس کا مال و اسباب ملے گا۔ اگر اس میں نا کامیاب رہا اور خود قتل ہو گیا تو شہید مرا اور اس کو خدا بہشت کے اعلےٰ درجہ میں جگہ دیگا۔ پھر کون مسلمان ایسا ہو سکتا ہے جو کفار سے لڑنے میں دبے یا ڈرے یا جھجکے۔ یا کسی امر کی پروا کرے۔ اسی وجہ سے ان کو غیر معمولی کامیابی ہوتی گئی اور اسلامی فتوحات کا سیلاب خوب بڑھتا گیا۔ اسی جنگ کے سلسلہ میں عرب کے مشہور خطیبوں نے جو خطبے دیئے ہیں اُن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس بات پر برانگیختہ کرتے تھے کہ جان توڑ کر لڑو۔ اگر تم فتحیاب ہوئے تو مال غنیمت کی حد و حساب نہیں ہے اور اگر تم قتل کئے گئے تو تمہارے قبضہ سے جنت نہیں جاتی۔ قیس بن ہبیرہ نے کہا لوگو کیا دیکھتے ہو گھمسان کی لڑائی لڑو فان الجنة او الغنيمه امامكم کیونکہ تمہارے

آگے یا بہشت ہے یا مال غنیمت (تاریخ طبری جلد ۴ ص۱۹۵) ۔ اور عاصم بن عمرو نے کہا یا معاشر العرب انکم اعیان العرب وقد صمدتم الاعیان من العجم و انما تخاطرون بالجنة ویخاطرون بالدنیا فلا یکونن علی دنیاھم احوط منکم علی آخرتکم اے عرب کے سردارو! تم عجم کے سرداروں کے مقابلہ میں بڑھے ہو ۔ اور تم لوگ بہشت حاصل کرنے کے لئے اپنی جان خطرے میں ڈالتے ہو ۔ اور یہ ایرانی دنیا حاصل کرنے کے لئے تمہارا مقابلہ کرتے ہیں تو دیکھو یہ لوگ اپنی محبت دنیا کو تمہاری محبت آخرت سے زیادہ نہ ثابت کر دیں ۔

اور ربیع بن بلاد نے کہا یا معاشر العرب قاتلوا للدین والدنیا وسارعوا الی مغفرة من ربکم وجنة عرضھا السماوات والارض ... وقام کلھم بنحو من ھذا الکلام وتواثق الناس وتعاھدوا واھتاجوا لکل ما کان ینبغی لھم ۔ اے عرب والو! اپنے مذہب اور دنیا کے لئے خوب لڑو اور اپنے پروردگار کی اس بخشش اور بہشت کی طرف دوڑو جس کی وسعت کل آسمان و زمین ہیں ... غرض بہت سے مقرر اور شاعر اسی قسم کا کلام کرتے رہے جس پر لوگوں میں اتنا جوش پیدا ہو گیا کہ سب نے ایک دوسرے سے قسمیں کھائیں ۔ عہد و پیمان کرلئے اور جس قدر اُن کے بس میں تھا مارنے اور مرنے پر تل گئے (طبری جلد ۴ ص۱۱۶) ۔ مولوی شبلی صاحب نے سب کا خلاصہ لکھا ہے "فوجیں آراستہ ہو چکیں تو عرب کے مشہور شعراء اور خطیب صفوں سے نکلے اور اپنی آتش فشانی سے تمام فوج میں آگ لگا دی ۔ شعراء میں شماخ ... اور خطیبوں میں قیس ... میدان میں کھڑے تقریریں کر رہے تھے اور فوج کا یہ حال تھا کہ اُن پر کوئی جادو کر رہا ہے ... اس کے ساتھ قاریوں نے میدان میں نکل نکل کر نہایت خوش الحانی اور جوش سے سورہ جہاد کی آیتیں پڑھنی شروع کیں جس کی تاثیر سے دل ہل گئے اور آنکھیں سرخ ہو گئیں (الفاروق جلد ۱ ص۸۱) [۱]

[۱] اس جگہ بعض تاریخوں کا یہ بیان بھی دلچسپی سے دیکھا جائیگا کہ نخیرجان ایک ایرانی

چوتھی فصل

غزوات رسولؐ اور فتوحات خلفاء ثلثہ میں فرق

خلیفہ کا معنے قائم مقام ہے۔ اس وجہ سے خلفاء ثلثہ کی فتوحات اس شان کی ہونی چاہییں جو خود بتائیں کہ یہ حضرت رحمۃ للعالمین کے جانشینوں کے کارنامے (وقائع

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶۹) امیر خسرو پرویز کے ساتھ بہت تقرب رکھتا تھا۔ اوسکی بیوی جو اپنے زمانہ کی عورتوں میں سب سے زیادہ خوبصورت تھی خسرو کے محل میں آتی جاتی تھی۔ خسرو پرویز نے اس سے مخفی تعلق کر لیا۔ مگر یہ بھید نخیرجان پر کھل گیا تو اوس نے اپنی بی بی سے علیحدگی اختیار کر لی۔ خسرو پرویز کو پتا چل گیا کہ اس کی وجہ سے جو اس کا ناجائز تعلق ہو گیا اس کی خبر نخیرجان کو ہو گئی ہے۔ اس نے ایک دن نخیرجان سے سادہ لوح بن کر کہا کہ ہم نے سُنا ہے کہ تمہارے پاس آب خوشگوار کا ایک چشمہ ہے مگر تم اس سے پانی نہیں پیتے۔ نخیرجان نے جواب دیا کہ بادشاہ سلامت! میں اوس چشمہ سے برابر پانی پیا کرتا تھا لیکن ایک روز اس چشمہ کے قریب میں نے شیر کے پاؤں کا نشان دیکھا جس سے مجھ پر خوف غالب ہوا پھر اُس چشمہ کے پاس نہیں جا سکا۔ بادشاہ خسرو کو یہ جواب بہت پسند آیا۔ اپنی عورتوں کے محل میں آ کر جو تعداد میں تین ہزار تھیں سب کا زیور لے کر اپنی معشوقہ (نخیرجان کی بیوی) کو دے دیا اور ایک سونے کا تاج جس میں یاقوت اور موتی جڑے ہوئے تھے نخیرجان کو عطا کیا۔ جب نخیرجان جنگ قادسیہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا تو اوسکی اولاد نے وہ تاج مرصع اور تمام وہ زیور و جواہر نہاوند کے ایک گاؤں میں دفن کر دیئے نہاوند کی لڑائی میں جب وہ لوگ بھی جو اس خزانہ پر متصرف تھے مارے گئے تو ایک دہاتی شخص نے عربوں کے ایک شخص سائب بن اقرع کے پاس آ کر کہا اگر تم میری جان و مال اور اولاد اور ساتھیوں کو امان دو تو میں تم کو ایسا خزانہ بتاؤں جس کی قیمت کا

الفقر فخری (فقر و ناداری پر مجھے فخر ہے) کی مایہ ناز دینی خدمات ہیں۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حضرت رسول صلعم کے غزوات کے بالکل برعکس ان خلفاء کی فتوحات کی تفاصیل ہیں۔ اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی اعانت کے لئے بیت المال کی ضرورت ہوئی تو حضرت رسولخدا صلعم کافروں کے یہاں ڈاکہ نہیں ڈالتے صحابہ کرام کو ڈاکو نہیں بناتے۔ دوسروں کی جائداد زبردستی نہیں لیتے۔ دوسروں کو تلوار کے زور سے اپنا غلام نہیں بناتے۔ دوسرے ملکوں پر حملہ نہیں کرتے تھے بلکہ صرف خدا کا سچا دین لوگوں کے دلوں میں راسخ کرنے کی کوشش فرماتے تھے اپنا مشن صرف یہ رکھا تھا کہ لوگ خدا کو مانیں۔ اوسکی معرفت حاصل کریں اُسکے سچے مذہب کو اختیار کرکے آدمی بنیں۔ اخلاق کریمہ سے آراستہ ہوں۔ صفات حسنہ سے متصف ہوں۔ دوسروں کو بھی دنیا میں آرام سے زندگی بسر کرنے کا موقع

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۰) کوئی شخص اندازہ تک نہ کرسکے۔ سائب نے کہا اگر تیری بات سچی ہے تو تیری درخواست منظور ہے۔ غرض سائب نے اپنے معتمد آدمی اس دہاتی شخص کے ساتھ کردیئے اور دہقان کے بتانے پر اونھوں نے ایک مقام سے دو صندوق نکالے ایک میں کسرے کا مرصع تاج تھا اور دوسرے میں کسرے کی بی بیوں کے وہ زیورات و جواہر تھے جو خسرو پرویز نے نخیرجان اور اوسکی بیوی کو عطا کئے تھے۔ حذیفہ بن الیمان نے مال غنیمت کا خمس اور یہ دونوں صندوق سائب بن اقرع کے ساتھ حضرت عمر کی خدمت میں مدینہ روانہ کردیئے۔ طبری ابن اثیر اور سید احمد دحلان وغیرہ نے سائب سے روایت کی ہے وہ کہتا تھا کہ حضرت عمر نے ان صندوقوں کو دیکھکر کہا کہ انہیں بیت المال میں داخل کردے اور تو اپنے لشکر سے جا مل۔ ہم سوچینگے کہ ان جواہرات کو کیا کیا جائے۔ سائب کہتا ہے کہ میں نے وہ صندوق بیت المال میں داخل کردیئے اور میں فوراً مدینہ سے نکل کر کوفہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اوس رات کو حضرت عمر سو کر جب صبح کو اوٹھے تو اونھوں نے ایک قاصد میرے پیچھے روانہ کیا۔ لیکن وہ مجھ تک اوس وقت پہنچا جب میں کوفہ میں داخل ہوچکا تھا۔ پس اوس نے

دیں۔ ایک دوسرے کے حقوق کا خیال کرے۔ سب میں اتفاق و اتحاد پیدا ہو۔
سب زیور تعلیم سے آراستہ ہوکر علمی روشنی حاصل کریں۔ دنیا کو مزرعہ آخرۃ
سمجھکر اس کو کامیابی سے بناتے ہیں۔ اور زندہ رہو اور زندہ رہنے دو کا اصول ہر
شخص سختی سے اختیار کرے اور اس کا پابند بنے۔ لیکن خلفاء ثلثہ کے کل فتوحات
کا اصول یہ نظر آتا ہے کہ جہاں تک ہوسکے دنیا کی دولت حاصل کی جائے۔ ملکوں
کو فتح کیا جائے۔ جائدادیں قبضہ میں کی جائیں۔ دوسرے لوگ اہل اسلام
کی غلامی کا کلمہ پڑھیں۔ زبردستی اس دین کو اختیار کریں ورنہ جزیہ دیں۔
اگر ان دونوں صورتوں میں عذر ہو تو تلوار کے پانی سے سیراب ہوں۔
آنحضرتؐ کے غزوات اور خلفاء ثلثہ کے فتوحات کا یہ فرق دونوں کے تاریخی حالات
دیکھنے سے بہت آسانی سے معلوم ہوسکتا ہے۔ آنحضرتؐ نے مکہ معظمہ میں تبلیغ

(بقیہ حاشیہ ص۳۷۱) مجھ سے کہا چل امیر المومنین نے تجھے بلایا ہے۔ میں فوراً اُسکے
ساتھ ہولیا۔ جب حضرت عمر فاروق کے پاس آیا حضرت نے مجھے اپنے پاس بٹھایا
اور فرمایا کہ جس رات کو تو مدینہ سے گیا ہے اوسی رات کو میں نے خواب میں دیکھا
کہ فرشتے مجھے ان صندوقوں کے پاس لے گئے اور ان میں سے آگ کے شعلے
نکل رہے تھے (روضۃ الاحباب میں ہے کہ فرشتے ان جواہرات کو میری طرف پھینکتے
تھے اور وہ چنگاریاں میرے بدن سے چمٹ جاتی تھیں۔ میں نے ان کے ہاتھ سے
مجبور ہوکر اپنے خدا سے عہد کیا کہ اوس خزانے کو اوسی لشکر کے لوگوں میں تقسیم
کرادوں گا۔ اور ان فرشتوں نے) کہا ہم ان میں تجھے ڈال دینگے۔ پس میں نے
قسم کھائی کہ میں ان کو مسلمانوں میں تقسیم کردوں گا۔ اے سائب ان کو لے جا اور بیچکر
مسلمانوں میں تقسیم کردے۔ پس میں نے اُن کو مسجد کوفہ میں فروخت کے لئے لاکر
رکھا تھا۔ تاجروں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور عمرو بن حریث مخزومی نے وہ سب
دو لاکھ درہم کو خرید لئے (روضۃ الصفا جلد ۲ ص۲۸۲ و روضۃ الاحباب و تاریخ اعثم کوفی)
اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ خدا ایسے مال و دولت اور اسکے حاصل کرنے والوں کو کس طرح دیکھتا ہے ۱۲

شروع کی، لوگوں کو دین اسلام کی طرف بلانے لگے۔ اور معبود برحق کی عبادۃ کی طرف سب کو متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ برخلاف اسکے خلفاء ثلثہ نے عراق۔ ایران۔ شام۔ مصر۔ دور دراز کے ملکوں پر حملے کئے اور جس قدر ان لوگوں کو دولت ملتی جاتی تھی اُتنا ہی زیادہ ان کا شوق ملک گیری و جہان رانی بڑھتا جاتا تھا برخلاف اسکے حضرت رسولخدا صلعم نے ایک منٹ کے لئے بھی دولتِ دنیا کی طرف نظر نہیں کی۔ اگر حضرت رسولخدا صلعم کا مقصود بھی دنیا کو فتح کرنا ہوتا تو حضرتؐ بجائے مذہب کی مخالفت خیز تحریک شروع کرنے کے کفار مکہ کو جمع کرکے فرماتے کہ بھائیو! کیوں میری مخالفت کرتے ہو۔ تم لوگ بہت نادار اور گمنام ہو۔ آؤ ہم سب مل کر دنیا کو فتح کرنے کی کوشش کریں۔ ہم سب دوسرے ملکوں پر حملہ کریں۔ وہاں کے رہنے والوں کو قتل کریں۔ وہاں کے لوگوں کو غلام بنائیں اور خود سب پر حکومت کریں کہ اس سے دنیا کی پوری ترقی حاصل ہوگی۔ لذات دنیا اچھی طرح سے ملینگی اور عیش و عشرت کی زندگی ہم لوگوں کے قدم چومے گی۔ ہم سب لوگ بالکل بدوؤں کی جنگلی اور وحشی زندگی بسر کرتے ہیں۔ جانوروں میں اور ہم لوگوں میں بہت کم فرق ہے۔ دنیا کے مزوں سے ہم سب ناآشنا ہیں۔ ایک جگہ پڑے ہوئے دوسرے مقامات کی عافیت و راحت کے ذرائع سے بالکل بےخبر ہیں۔ کیوں نہ اپنی تلوار، نیزے اور تیروں کے زور پر ہم لوگ نکل پڑیں اور دنیا کو اپنے قبضہ میں کرکے اپنی زندگی زمین سے آسمان پر پہنچا دیں۔ لیکن حضرت رسولخدا صلعم کی غرض تو دنیا کی ترقی یا راحت یا عیش سے ذرہ برابر کا لگاؤ نہیں رکھتی تھی۔ صرف دین حق کی تبلیغ آپ کی زندگی کا اصلی مقصود تھا۔ اگر حضرتؐ کی غرض ملکی فتوحات ہوتیں تو کفار مکہ بجائے دشمن ہونے کے حضرتؐ کے غلام ہو جاتے اور سکندر و چنگیز کی طرح اوسی وقت عربی حملوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا لیکن حضرتؐ نے تو اس کو کبھی بھی پسند نہیں کیا۔

مورخین نے لکھا ہے "غرض جب آنحضرتؐ نے اعلان دعوت کیا اور بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی تو قریش کے چند معززوں نے ابوطالب سے آکر شکایت

کی۔ ابوطالب نے نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا۔ لیکن چونکہ بنائے نزاع قائم تھی یعنی آنحضرتؐ ادائے فرض سے باز نہ آسکتے تھے اس لئے یہ سفارت دوبارہ ابوطالب کے پاس آئی۔ اس میں تمام روسائے قریش۔ یعنی عقبہ بن ربیعہ شیبہ۔ ابوسفیان وغیرہ شریک تھے۔ اِن لوگوں نے ابوطالب سے کہا کہ تمہارا بھیتجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے۔ ہمارے آباء و اجداد کو گمراہ کہتا ہے۔ ہم کو احمق ٹھہراتا ہے۔ اس لئے یا تو تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ یا تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ ابوطالب نے دیکھا کہ اب حالت نازک ہو گئی ہے۔ قریش اب تحمل نہیں کر سکتے اور میں تنہا قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا آنحضرتؐ سے مختصر لفظوں میں کہا کہ جان عم! میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال کہ میں اوٹھا نہ سکوں۔ رسولؐ اللہ کی ظاہری پشت و پناہ جو کچھ تھے ابوطالب تھے آنحضرتؐ نے دیکھا کہ اب اُن کے پائے ثبات میں بھی لغزش ہے۔ آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا خدا کی قسم یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لا کر دے دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤنگا۔ خدا یا اس کام کو پورا کرے گا یا میں خود اس پر نثار ہو جاؤں گا۔ آپکی پُر اثر آواز نے ابوطالب کو سخت متاثر کیا۔ رسوؐل اللہ سے کہا جا! کوئی شخص تیرا بال بیکا نہیں کر سکتا" (سیرۃ النبی جلد ا صـ۱۶۲ و ابن ہشام صـ۸۹)۔ اگر حضرت رسولخدا صلعم دنیا حاصل کرنے اس عالم میں ترقی کرنے۔ ملکی فتوح کرنے دوسروں کو اپنا غلام بنانے اور دنیوی دولت و حکومت کا مزہ لوٹنے کی غرض سے تشریف لائے ہوتے تو اس موقع پر بہت آسانی سے کفار کو جواب دیتے کہ تم لوگ کیوں میری مخالفت کر رہے ہو؟ اس دین کو قبول کر لو تا کہ دنیا کے فتح کرنے کا سامان کیا جائے۔ میرا کلمہ پڑھنے لگو تا کہ عراق و ایران و شام و مصر پر فوج کشی کی کوشش کی جائے۔ مسلمان ہو جاؤ تا کہ دنیا کی دولت پر قبضہ کر سکو اور دوسرے ملکوں کے خزانے لُٹ کر تمہارے گھروں میں بھر جائیں۔ لیکن حضرتؐ جس کام کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے اوس کے مقابلہ میں سورج اور چاند کے قبضہ کو بھی کوئی چیز

نہیں سمجھے۔ اب خود طے کرلو کہ حضرت رسولخدا صلعم کے غزوات اور خلفاء ثلثہ کی فتوحات میں کیا فرق ہے ۔ ؎

؎ البتہ حضرت علیؑ کے جہاد بالکل حضرت رسولخدا صلعم کے غزوات کے مشابہ تھے جس طرح حضرت رسولخدا صلعم نے صرف دفاعی جہاد کیا۔ اسی طرح حضرت علیؑ نے اپنے زمانہ میں صرف دفاعی جنگ کی۔ جس طرح حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے مخالفین کا اوس وقت جواب دیا جب آں حضرتؐ پر ان لوگوں کی طرف سے حملے ہونے لگے۔ اسی طرح حضرت علیؑ نے بھی جنگ جمل، جنگ صفین، اور جنگ نہروان میں اوسی وقت جنگ کی جب آپ کے مخالفین کسی طرح حق کی طرف واپس نہیں آئے۔ جس طرح حضرت رسولؐ اپنی ذات۔ اپنے صحابہ اور اپنے کلمہ گویوں کی حفاظت کے ذمہ دار تھے کہ مخالفین کے مصائب سے ان کو روکنے کی کوشش کریں اوسی طرح حضرت علیؑ بھی اپنے ماننے والوں اور بیعت کرنے والوں کی جان و مال کے حافظ تھے کہ کوئی ان کو ستانا چاہے تو حضرتؑ ان کے بچانے کی کوئی کوشش اوٹھا نہ رکھیں۔ اور جس طرح حضرت رسولؐ اہل اسلام کو تاکید کرتے تھے کہ خبردار انسانی اخلاق و آداب سے جنگ میں بھی خالی نہ رہنا۔ اسی طرح حضرت علیؑ بھی اپنی فوج کو حکم دیتے تھے کہ کمزوروں۔ شکست کھانے والوں اور بھاگنے والوں کے ساتھ رحم دلی کا برتاؤ کرنا۔ اپنی طرف سے کبھی ابتداء نہ کرنا۔ پہلے سب کو اچھی طرح سمجھانا۔ وعظ و پند کرنا۔ پوری طرح اتمام حجت کرلینا۔ ہر طرح غلط فہمی دور کر لینے کی کوشش کرنا۔ اور جب وہ کسی طرح نہ مانیں تم کو قتل ہی کرنے پر آمادہ رہیں تب تم صرف اپنے کو بچانے کے لئے ان کا جواب دینا۔ حضرت علیؑ ظاہری خلیفہ ہوئے تو آپ کو دو مرحلے پیش ہوئے۔ ایک دنیوی۔ دوسرا دینی۔ دنیوی مرحلہ کہتا تھا کہ جس طریقہ پر آج تک عمل درآمد ہوتا رہا آپ بھی کیجئے کہ چین سے حکمرانی فرمایئے۔ سابق ارکان سلطنت پر بدستور بار ڈال دیجئے۔ جس طرح چاہیں فتوحات کریں۔ حضرتؑ اس میں مزاحمت نہ کریں۔ ظالموں کو معزول نہ

پانچویں فصل

کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا؟

مخالفینِ اسلام یہ اعتراض بہت زور شور سے کرتے ہیں اور کئی سو سال سے اسکی ادھم مچی ہوئی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا۔ لوگوں کو موت کے ڈر سے خوف زدہ کر کے اس دین میں لایا گیا۔ قتل و ہلاکت کی دھمکی دیکر

(بقیہ حاشیہ ص۳۷۵) کریں۔ مظلوموں کی فریاد نہ سنیں۔ چنانچہ مشورے بھی اسی کے دیئے جاتے۔ یہاں تک کہ حضرتؑ کے اخص خواص بھی یہی رائے دیتے رہے۔ مگر دینی مرحلہ کہتا تھا کہ حضرتؑ پر جو بھی گزر جائے لیکن آپ اسلام حقیقی کی تعلیم قائم کریں۔ اور لوگوں کو بتادیں کہ سچا اسلام کیا چاہتا ہے کن اصول پر جہاد ہو کن اصول پر فتوحات ہوں۔ کن اصول پر انتظام ہو۔ کن اصول پر قضایا فیصل کئے جائیں۔ کیا قواعد مقرر ہوں جن سے لوگوں کو معلوم ہو کہ اسلام کی اصلی تعلیم کیا ہے۔ اسکے واقعی احکام کیا ہیں۔ اس کے سچے اصول کیا ہیں۔ کیونکہ حالت موجودہ میں تو اسلام ایک غارتگر مذہب ثابت ہوتا ہے جس میں بجز ستم پروری اور جبر و تعدی کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔

حضرت علیؑ کی کشمکش اس وجہ سے اور بڑھ گئی کہ جس طرف سے آواز آتی یہی کہ آپ اپنے سابق خلفاء کی تقلید کریں اوسی راہ پر چلیں۔ وہی طریقہ اختیار کریں۔ اوسی سیرت پر گامزن ہوں کہ اس طرح تمام مہمات خلافت درست ہو جائینگے مگر جو بزرگ اس لئے پیدا ہوا ہو کہ خدا اور رسولؐ کے احکام کی پیروی کرے۔ جو اس لئے دنیا میں آیا ہو کہ سنت رسولؐ سے ایک انچ ادھر اُدھر قدم نہ رکھے۔ جو اس غرض کے لئے مخلوق ہوا ہو کہ اصلی اسلام کا مربی ہو۔ سچے اسلام کی ترویج کرے۔ وہ کیونکر دنیا کو دین پر ترجیح دے سکتا ہے؟ وہ کس طرح اسلام کو خلل

اُن سے خدا اور رسُول کا کلمہ پڑھوایا گیا - اُن کو دنیوی طاقت و ترقی و حکومت و راحت کی امیدیں دلا کر اس مذہب کی اشاعت کی گئی - اُن کو عہدے اور مناصب کا لالچ دے کر مسلمان بنایا گیا - اگر حکومت کی طاقت نہیں صرف ہوتی اگر فوج کشی نہ کی جاتی - اگر سر پر تلوار ... کر اسلام لانے کو نہ کہا جاتا - اگر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۶) و خوار کر سکتا ہے؟ وہ کس دل سے اسلام کی روح کو تباہ کر سکتا ہے؟ وہ کیونکر اسلام پر ایسا بدنما دھبہ آنے دے سکتا ہے جو قیامت تک نہ مرتفع ہو - کیونکہ اب تو سب یہی کہیں گے کہ خلافت اوسی شخص کے ہاتھ میں گئی جو ابتدا سے اس دین کا وزیر اور مشیر تھا - پھر کیوں وہی مظالم جاری رہے اور اسی ملک گیری و جہانرانی کو رائج کیا جس پر پہلے روتے تھے کہ ہائے اسلام بدنام ہو رہا ہے لہذا حضرت نے دین کو دنیا پر ترجیح دی اور خود زحمتوں کو گوارا کیا کہ اسلام کے سر سے کسی طرح یہ الزام دور ہو - اگرچہ حضرتؑ کو خود ایک منٹ کا آرام بھی نہ ملے - مثلاً جنگ جمل میں حضرتؑ نے کیا عمل اختیار کیا - غور سے سنو - عن مالک بن الجون قال قام علی بالربذة فقال من احب ان یلحقنا فلیلحقنا ومن احب ان یرجع فلیرجع ماذونا له غیر حرج ... ولما التقی الفریقان یوم الجمل صف امیر المومنین الناس ثم نادی لا یرمین رجل بسهم ولا یطعن برمح ولا یضرب بسیف ولا تبدؤا الیوم بالقتال وکلموهم بالطف کلام لان هذا مقام من فلج فیه فلج یوم القیامة - فلم نزل وقوفا حتی تعالی النهار فنادی القوم باجمعهم یا ثارات عثمان - فنادی علی محمد بن الحنفیة ما یقولون - قال یقولون یا ثارات عثمان فرفع علی یدیه فقال اللهم اکب الیوم قتلة عثمان لوجوههم - وعن محمد بن عمر بن علی لم یقاتل یوم الجمل حتی دعا الناس ثلاثا حتی اذا کان الیوم الثالث دخل علیه الحسن والحسین وعبد الله بن جعفر فقالوا قد اکثروا فینا الجراح - فقال یا ابن اخی والله ما جهلت شیئا من امرهم الا ما کانوا فیه وقال لی

اسلام سے انکار کرنے کی سزا موت یا غلامی نہ قرار دی جاتی تو اسلام کی اتنی اشاعت نہیں ہوتی۔ غالباً یہ اعتراض حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ ہی کی فتوحات سے پیدا ہوا کیونکہ حضرت رسول خدا صلعم نے تو کسی کافر کسی مشرک کو اسلام کے لئے نہ قتل کیا۔ نہ گرفتار کرایا۔ نہ کوئی سزا دی۔ البتہ کفار عرب جب خود حضرتؐ سے لڑنے کے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۷۷) ماء فصب له ماء فتوضأ ثم صلے رکعتین حتے اذا فرغ رفع یدیه ودعا به وقال ان ظفرتم علیهم فلا تطلبوا مدبرا ولا تجهزوا علے جریح وانظروا ما حضروا به الحرب من آنیة فاقبضوه وما کان سوے ذلک فهو لورثته ـ وعن بشر الشیبانی فی قصة حرب الجمل قال فاجتمعوا بالبصرة فقال علی من یاخذ المصحف ثم یقول لهم ماذا تنقمون تریقون دماءنا ودماءکم فقال رجل انا یا امیر المؤمنین قال انک مقتول قال لا ابالی ـ فاخذ المصحف فذهب به الیهم فقتلوه ثم قال من الغد مثل ما قال الامس فقال رجل انا ـ فقال انک مقتول کما قتل صاحبک قال لا ابالی فذهب فقتل ثم قال آخر کل یوم واذا جل قد حل لکم قتالهم الآن فبرز هولاء وهولاء فاقتتلوا قتالا شدیدا فرد علیهم ما کان فی العسکر حتے القدر ـ مالک بن جون سے روایت ہے کہ جب حضرت علیؓ بقصد جنگ جمل مدینہ سے روانہ ہوئے تو بمقام ربذہ قیام کیا اور فرمایا جو شخص چاہے ہم سے ملے اور جو چاہے واپس جائے۔ اس کو میری دلی اجازت ہے۔ کوئی حرج نہیں۔ اس پر حضرت امام حسنؑ کھڑے ہوگئے اور عرض کی اے پدر بزرگوار! اگر آپ کسی سوراخ میں بھی چھپے رہتے اور عرب کو آپ کی حاجت ہوتی تو وہیں سے آپ کو نکال کر لاتے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا بیٹا میں نے اس معاملہ کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ اور جب دونوں فوجیں ملیں تو حضرت امیرالمومنینؑ نے اپنی فوج کی صف درست کرکے لوگوں میں منادی کرا دی کہ خبردار کوئی شخص دشمن کے کسی شخص پر تیر نہ چلائے۔ نہ اس کو نیزہ سے مارے۔

لئے بڑھے اور مسلمانوں کو مٹادینے کی کوشش کی تو حضرتؑ نے اپنے کو بھی بچایا اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے بھی تلوار اُٹھائی۔ کل غزوات کے حالات پڑھ جاؤ۔ کسی ایک سے بھی نہیں معلوم ہوتا کہ کسی لڑائی میں حضرتؑ کی طرف سے جنگ کی ابتدا کی گئی ہو اور صرف سلطنت قائم کرنے یا اسلام کو تلوار کے زور پر

(بقیہ حاشیہ ص۳۷۸) اور نہ اس پر تلوار کا وار کرے اور تم لوگ لڑائی کی ابتداء بھی نہ کرو بلکہ پہلے ان لوگوں سے خوب نرمی سے گفتگو کرو۔ کیونکہ یہ ایسی جنگ ہے جس میں جو شخص فتح یاب ہوگا وہ قیامت کے روز بھی کامیاب ہوگا۔ غرض حضرتؑ اسی طرح کھڑے رہے یہاں تک کہ دن بلند ہوا تو حضرت عائشہ کی طرف کے لوگوں نے آواز بلند کی کہ اے عثمان کے خون کا بدلہ چاہنے والو! یہ سن کر حضرت امیر المومنینؑ نے جناب محمد بن الحنفیہ سے فرمایا یہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ انھوں نے عرض کی کہتے ہیں اے عثمان کے خون کا بدلہ چاہنے والو۔ اس پر حضرت علیؑ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کردیئے اور فرمایا اے خدا آج عثمان کا خون کرنے والوں کو ان کے منہ کے بل گرادے۔ اور محمد بن عمر کہتے تھے کہ حضرت علیؑ نے اوس وقت تک حضرت عائشہ کے لشکر سے جنگ نہیں شروع کی جب تک تین دن تک سب کو اچھی طرح سمجھا نہ لیا اور خوب پند ونصیحت نہ کرلی۔ جب تیسرا روز ہوا تو حضرت امام حسنؑ وامام حسینؑ وعبد اللہ بن جعفر حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی اب تو ہمارے لشکر کے لوگ بہت کثرت سے زخمی ہوگئے (کب تک حضور ان سے لڑنے کی اجازت نہیں دینگے؟) حضرتؑ نے (اپنے بھتیجے عبد اللہ بن جعفر سے) فرمایا اے برادر زادے خدا کی قسم میں کسی حال سے بے خبر نہیں ہوں۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ تھوڑا پانی لاؤ۔ پانی لایا گیا تو حضرتؑ نے وضو کیا پھر دو رکعتیں نماز پڑھیں پھر ہاتھ اوٹھا کر دعا کی اسکے بعد ہم لوگوں سے فرمایا اگر تم لوگ ان پر فتح پاؤ تو خبردار کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرنا اور جو زخمی ہوکر گرے اس پر حملہ نہ کرنا۔ اور دیکھو وہ لوگ جو چیزیں جنگ میں لائے ہوں صرف وہی لوٹی جائیں۔ ان کے علاوہ مقتولین کی جو چیزیں ہوں وہ سب

سے پھیلانے کے لئے آنحضرت صلعم نے ایک جہاد بھی کیا ہو یا ایک منٹ کے لئے بھی اس کو جائز رکھا ہو۔ اگر ایسا کرنا حضرتؓ کا مقصود ہوتا تو حضرتؓ قرآن مجید کا حکم لا اکراہ فی الدین لوگوں سے ذکر ہی نہ کرتے اور اسے مخفی رکھ کر لوگوں کو بزور شمشیر مسلمان بنانے کی جد وجہد کرتے کیونکہ قرآن مجید کی ہر آیت تو حضرتؓ ہی

(بقیہ حاشیہ ص۳۷۹) ان کے وارثوں کا مال ہے۔ ان تک پہنچا دینا۔ بشر شیبانی جنگ جمل کے حالات بیان کرتے ہوئے کہتے تھے کہ جب جنگ جمل والے بصرہ میں جمع ہو گئے تو حضرتؓ نے اپنی فوج سے خطاب کرکے فرمایا تم میں کون ایسا بہادر ہے جو قرآن مجید لے جا کر ان لوگوں سے پوچھے کہ تم لوگ کیوں فساد پر آمادہ ہو کر اپنا خون بھی بہاتے ہو اور ہم لوگوں کا بھی؟ یہ سن کر حضرتؓ کی فوج کا ایک شخص بولا۔ اے امیر المومنینؑ! میں حاضر ہوں۔ حضرتؓ نے فرمایا مگر یہ سمجھ لو کہ تم ضرور قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اُس نے کہا مجھے اسکی پروا نہیں۔ غرض وہ قرآن مجید لے کر گیا اور حضرتؓ کا پیغام پہنچایا۔ اس کے جواب میں واقعاً لوگوں نے اس کو قتل کر دیا۔ دوسرے روز بھی حضرتؓ نے وہی تقریر کی۔ پھر ایک شخص نے کہا میں جاؤں گا۔ حضرتؓ نے فرمایا مگر تم بھی اوسی طرح قتل کیئے جاؤ گے جس طرح کل تمہارا ایک ساتھی قتل ہو چکا ہے۔ اوس نے بھی کہا تو پروا ہی کیا ہے۔ غرض گیا اور وہ بھی مار ڈالا گیا۔ حضرتؓ ہر روز آخر وقت فرماتے میں دیکھتا ہوں کہ اب تم لوگوں کے لئے ان سے لڑنا حلال ہو گیا۔ غرض تیسرے روز دونوں فوجیں ایک دوسرے پر حملہ آور ہو گئیں اور بہت گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔ جب حضرتؓ کو فتح ہوئی تو حضرتؓ نے دشمنوں کے لشکر کی ہر چیز ان لوگوں کو واپس کر دی یہاں تک کہ کھانا پکانے کی دیگچی بھی۔ (روضہ ندیہ ص۳۲)۔

حضرتؓ کا وہ خطبہ قابل دید ہی نہیں بلکہ لائق حفظ ہے جسے حضرتؓ نے ظاہری خلافت پر قدم رکھتے ہی ارشاد فرمایا تھا حمد اللہ واثنیٰ علیہ ثم قال ان اللہ انزل کتابا ھادیا بین فیہ الخیر و الشر فخذوا بالخیر ودعوا الشر۔ الفرائض

پر نازل ہوئی تھی۔ حضرتؐ کے قبل کسی آدمی کو بھی اس کے نزول کی خبر نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر زور اور طاقت سے اسلام کی اشاعت پسند کرتے تو اس آیت کا اُن لوگوں سے پوشیدہ رکھ لینا حضرتؐ کے لئے کیا مشکل کام ہوتا۔ لیکن حضرتؐ کلام مجید کی کل آیات علانیہ بیان کر دینے کے بعد اپنے کلام اور عمل سے بھی ہمیشہ یہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۰) ادوها الے الله تعالے یؤدکم الی الجنة ان الله حرم حرمات غیر مجهولة وفضل حرمة المسلم علی الحرم کلها وشد بالاخلاص والتوحید حقوق المسلمین فالمسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده الا بالحق لا یحل دم امرء مسلم الا بما یجب۔ بادروا امر العامة وخاصة احدکم الموت فان الناس امامکم وان ماخلفکم الساعة تحدوکم تخففوا تلحقوا۔ فانما ینتظر بالناس اخراهم۔ اتقوا الله عباد الله فی بلاده وعباده انکم مسئولون حتی عن البقاع والبهائم اطیعوا الله فلا تعصوه و اذا رأیتم الخیر فخذوا به و اذا رأیتم الشر فدعوه واذکروا اذ انتم قلیل مستضعفون فی الارض۔ حضرتؓ نے پہلے خدا کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا یقیناً خدا نے ایسی کتاب (قرآن مجید) نازل کی ہے جس میں خیر و شر دونوں کو واضح طور پر بیان فرما دیا ہے۔ اب تم لوگوں کا فرض ہے کہ خیر پر عمل کرو اور شر کو چھوڑ دو۔ دیکھو فرائض کا پورا لحاظ رکھو۔ فرائض کو کبھی نہ بھولو۔ سب کو ادا کرکے خدا تک پہنچاؤ کہ اسکے سوا خدا بھی تم لوگوں کو جنت تک پہنچائے گا۔ خدا نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے وہ چھپی ہوئی نہیں ہیں۔ اور مسلم کی حرمت کو خدا نے کل حرمات پر ترجیح دی ہے اور اخلاص و توحید کی وجہ سے مسلمانوں کے حقوق کی اور بھی تاکید شدید کی ہے۔ پس سچا مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ سوائے اسکے کہ کسی مسلمان کو اس کے کسی جرم کے عوض سزا دی جائے کہ یہ جائز ہے۔ سُن رکھو کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے سوائے اس صورت کے کہ وہ خود ہی (مثلاً کسی کو قتل کرکے) اس کو واجب کر دے ... خدا کے شہروں اور خدا کے بندوں کے

ثابت کرتے رہے کہ جس کو اسلام کی خوبی نظر آئے اور جو اس دین کو پسند کرے وہ اس میں داخل ہو۔ اور اسی وجہ سے آنحضرتؐ کو مدینہ والوں نے اپنے ہاں بلایا اور اسلام قبول کرکے اپنا سردار و پیشوا بنالیا۔ پس جو روحانی طاقت اہل مدینہ کے مسلمان ہونے کی باعث ہوئی وہی دوسرے حقیقی مسلمانوں کے دین اسلام میں

(بقیہ حاشیہ ص۳۸۱) بارے میں ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً تم لوگوں سے زمین کے ٹکڑوں اور جانوروں تک کے متعلق بھی حساب کیا جائیگا، بازپرس ہوگی۔ غرض اللہ کی اطاعت کرو اور کبھی اس کی نافرمانی نہ کرو۔ اور جب تم خیر کو دیکھو تو اوسی کو اختیار کرو۔ اور جب شر کو دیکھو تو اوس کو چھوڑ دو۔ اور اوس زمانہ کو یاد کرو جب تم زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے (تاریخ کامل جلد ۳ ص۱۶۳ و تاریخ طبری جلد ۵ ص۱۵۷)۔ اس خطبۂ مبارکہ کا ایک ایک لفظ سونے کے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہے خصوصاً خطبہ کا آخری حصہ بتاتا ہے کہ اولیاء خدا کے کیا فرائض ہوتے ہیں۔ حضرتؑ کل مسلمانوں سے تاکید فرماتے ہیں کہ ملکوں، شہروں، قصبوں اور ہر جگہ کے بندگانِ خدا کا (خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم) خیال رکھو اور ان کے بارے میں خدا سے ڈرو۔ اس کا مطلب یہی تو ہے کہ اُن کو بے وجہ بغیر کسی جرم کے نہ ستاؤ۔ نہ سزا دو۔ نہ اُن پر حملہ کرو۔ نہ ان پر فوج کشی کرو۔ نہ ان کے ملکوں کو چھینو۔ حضرتؑ نے یہ بھی فرمادیا کہ انکم مسئولون حتی عن البقاع والبہائم۔ تم سے ہر چیز کے بارے میں سوال کیا جائیگا یہاں تک کہ زمین کے ٹکڑوں اور جانوروں کے بارے میں بھی پوچھے جاؤگے کہ کیوں ان پر چڑھائی کی۔ کیوں جانوروں کی خوراک زراعت وغیرہ تباہ کی۔ حضرت عمر کے متعلق تم معلوم کرچکے کہ بیت المال کا ۸۶ ہزار درہم اپنی ذات میں خرچ کردیا تھا۔ اب حضرت علیؑ کا عمل بھی دیکھ لو۔ حضرتؑ کی طرف سے بیت المال کے خزانچی ابورافع تھے۔ ایک روز جناب امیرؑ داخل بیت المال ہوئے تو دیکھا کہ حضرتؑ کی کوئی صاحبزادی زیور پہنے ہوئے ہیں۔ اس میں ایک موتی بھی تھا جس کو حضرتؑ پہچانتے تھے۔ حضرتؑ نے پوچھا اس کو یہ کہاں سے ملا؟ یہ تو بیت المال کا مال ہے۔

داخل ہونے کا سبب بھی تھی۔ البتہ آنحضرتؐ کے بعد خلیفہ اول اور حضرت عمر نے جن ملکوں کو فتح کیا اور جن لوگوں کو مسلمان بنایا اُن کے متعلق تاریخ کے اوراق یہی کہتے ہیں کہ سب تلوار کے زور سے اس مذہب کی طرف کھینچے گئے۔ اور چونکہ ان حضرات نے اپنے کو حضرت رسولخدا صلعم کا قائم مقام مشہور کیا اس وجہ سے

(بقیہ حاشیہ صـــ ۳۸۲) میں اس کا ہاتھ کاٹوں گا۔ ابورافع نے جب حضرتؑ کا یہ غیظ و غضب دیکھا تو سچی بات کہہ دی کہ خدا کی قسم اس صاحب زادی کو یہ موتی میں نے پہنایا ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا کیا خوب! دنیا کی زینت سے مجھے یا میری اولاد کو کیا کام؟ تم جانتے نہیں کہ) جب میرا عقد فاطمہؑ سے ہوا تو ہمارے پاس کوئی ایسا فرش تک نہیں تھا جس پر ہم دونوں سوتے۔ صرف ایک بھیڑ کی کھال تھی جس پر شب کو ہم لوگ سوتے اور دن کو اُس پر ہمارا اونٹ دانہ کھاتا تھا۔ اور فاطمہؑ کے سوا کوئی نوکر نہیں تھا جو گھر کا کام کرتا... عاصم بن کلیب کہتے تھے کہ جناب امیرؑ کے پاس کچھ مال اصفہان سے آیا تو آپ نے اُس کو سات حصوں پر تقسیم کر دیا۔ اس میں ایک روٹی تھی اس کے بھی حضرتؑ نے سات حصے کئے اور فوج کے سرداروں کو بلا کر ساتوں حصے دیدیئے۔ ہارون بن عنترہ کہتے تھے کہ میں جناب امیرؑ کی خدمت میں بمقام خورنق گیا۔ وہ فصل جاڑے کی تھی۔ دیکھا حضرتؑ ایک پرانی چادر اوڑھے ہوئے ہیں اور سردی کی اذیت سے کانپ رہے ہیں۔ میں نے کہا یا امیرالمومنینؑ! خدا نے آپ کا اور آپ کے خاندان کا حصہ بھی تو اس میں مقرر کیا ہے پھر کیوں یہ حالت ہے؟ اور کیوں اپنے نفس پر اس قدر سختی گوارا کر رہے ہیں؟ حضرتؑ نے فرمایا واللہ ما ارزءکم شیئا وما ھی الا قطیفتی التی اخرجتھا من المدینۃ خدا کی قسم میں تم لوگوں کے مال سے ذرہ برابر بھی کم نہیں کروں گا (اپنی ذات میں خرچ نہیں کروں گا) اور میرے جسم پر جو لباس ہے یہ بھی میری وہ کملی ہے جو میں مدینہ سے لایا تھا وان کان لیؤتی بحبوبہ من المدینۃ فی جراب حضرتؑ کے کھانے کا غلہ بھی حضرتؑ کی ذاتی جائداد سے جو مدینہ میں تھی آیا کرتا تھا۔

مخالفین اسلام بھی اُن کے افعال اور اعمال کو آنحضرتؐ کی طرف منسوب کر کے حضرتؐ کو بھی بدنام کرتے اور اسلام کو بھی اپنے طعن کا نشانہ بناتے ہیں۔ حالانکہ اس کے ذمہ دار صرف یہ حضرات ہیں۔ حضرت رسول خدا صلعم کو اس سے کوئی تعلق نہیں اور اسلام اِس سے بالکل بری ہے۔ حضرت عمرؓ نے صرف ملکوں کو فتح ہی نہیں کیا بلکہ آپ اسلامی احکام کو دوسروں پر زبردستی مسلط بھی کرتے تھے۔ علامہ ابن القیم وغیرہ نے لکھا ہے وقد حرق عمر بن الخطاب قریۃ بکمالھا یباع فیھا الخمر وحرق حانوت رویشد الثقفی وسماہ فویسقا وحرق قصر سعد علیہ لما احتجب فیہ عن الرعیۃ حضرت عمر کے زمانہ میں ایک گاؤں میں شراب بکتی تھی۔ آپ نے اس پورے گاؤں میں آگ لگوا کر اس کو جلا ڈالا اور رویشد ثقفی کے حانوت (شراب کی دوکان) کو بھی جلا دیا

(بقیہ حاشیہ ص۷۸۳) (تاریخ کامل جلد ۳ ص۱۵۹) الغرض اکبر دنیا میں سوائے حضرات انبیاء کے کوئی بھی ایسا سردار گزرا ہے جو بندگانِ خدا کی خدمت میں اپنا پورا وقت بسر کرے اور اس کا طعام لباس تک اس کا ذاتی ہو۔ ان بندگانِ خدا کی کوئی چیز وہ اپنے استعمال میں نہ لاتا ہو۔ حالانکہ اس بزرگ کے پیش رو اپنی ذات میں بیت المال کا بے حساب مال خرچ کر چکے ہوں۔ سچ ہے ع گر بہوش کے بعد تو ایسا امام ہو۔ اس کے مقابلہ میں حضرت عمر مسلمانوں کے مال سے پانچ ہزار سالانہ اپنا مشاہرہ پاتے تھے۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "خلافت کے چند برس کے بعد انہوں نے صحابہ کی خدمت میں مصارف ضروری کے لئے درخواست کی اس پر حضرت علیؑ کی رائے کے موافق اس قدر تنخواہ مقرر ہو گئی جو معمولی خوراک اور لباس کے لئے کافی ہو۔ ۱۵ھ ہجری میں جب تمام لوگوں کے روزینے مقرر ہوئے تو اور اکابر صحابہ کے ساتھ ان کے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر ہو گئے۔ (الفاروق حصہ ۲ ص۲۹۸)۔ اس سالانہ رقم کے علاوہ بیت المال کا ۸۶ ہزار روپیہ آپ کے ذمہ قرض نکلا تھا۔ اب دونوں بزرگوں کے درمیان فیصلہ کر دو کہ الفقر فخری پر کس نے عمل کیا اور اسی زندگی پر کس نے عمل۔ اور کون بزرگ سیرۃ رسولؐ کے کامل نمونہ تھے ۱۲ منہ۔

جوہر قرآن [illegible] عجیب کتاب ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح [illegible]
ایک تعلیم یافتہ نہایت تیز شیعہ لڑکی کی شادی ایک زبردست محقق و علامہ اہلسنت سے ہو گئی۔ بعد
سنی مولانا صاحب نے اپنی شیعہ بی بی کو سنی کرنا چاہا تو شیعہ لڑکی نے کہا آؤ تحقیق کر لیں کہ قرآن مجید سے
سنی مذہب کا حق ہونا ثابت ہوتا ہے یا شیعہ مذہب کا۔ قرآن مجید جس کے مذہب کو صحیح کہے اسی مذہب کو
ہم دونوں آدمی اختیار کریں۔ چنانچہ زبردست بحث شروع ہوئی اور کل اصول و فروع دین میں
دونوں شخص اپنی قابلیت کے جوہر دکھانے لگے خصوصاً تقیہ۔ تبرا۔ خدا کے مجسم ہونے۔ توحید
بداء۔ عدل۔ تحریف قرآن۔ قرآن مجید پر شیعوں کے ایمان ہونے یا نہ ہونے۔ قرآن مجید کے
ساتھ سنیوں اور شیعوں کے برتاؤ۔ نبوت۔ امامت و خلافت۔ مسح قدمین۔ نماز میں ہاتھ کھولنے
بسم اللہ کہنے۔ روزے کے مسائل۔ متعہ کی تحقیق۔ نماز جماعت۔ نجاست مشرکین وغیرہ پر خوب
خوب بحثیں ہوئیں مگر ہر مسئلہ میں شیعہ بی بی نے ثابت کر دیا کہ مذہب شیعہ ہی قرآن مجید کے مطابق
اور مذہب اہلسنت قرآن مجید کے مخالف ہے۔ آخر سنی مولانا صاحب نے مذہب بدل کر اپنے
شیعہ ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ ۵۱۶ صفحہ کی اس کتاب میں سنی و شیعہ کے کل اختلافات پر کامل تحقیق
و جامعیت سے تبصرہ کر کے صراط مستقیم بالکل واضح کر دی گئی۔ کاغذ۔ لکھائی۔ چھپائی سب اعلیٰ درجہ
کی قیمت صرف دو روپیہ آٹھ آنہ ہر طرف سے برابر فرمائشیں آ رہی ہیں۔ آپ بھی جلدی منگا لیں

تاریخ ائمہ آج تک اردو زبان میں ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں شیعوں کے کل بزرگان دین کے
ضروری حالات و قابل فخر کارنامے خود اہلسنت کی نہایت معتبر کتابوں سے ایک جگہ جمع کئے گئے ہوں
اس عظیم الشان کتاب میں پہلے مشہور انبیاء کرام کے ضروری حالات۔ پھر حضرت رسول خدا صلعم کے حالات لکھ کر آپکی ازواج
و اصحاب کرام کے حالات لکھے گئے۔ اسکے بعد حضرات ائمہ طاہرین کے مفصل سوانح زندگی اور قابل ناز دینی و دنیوی
کارنامے نہایت دلچسپ طریقوں سے جمع کئے گئے ہیں۔ اسکے ساتھ ساتھ ائمہ طاہرین کی ازواج و اولاد و
اصحاب کے بھی نہایت معلومات خیز حالات لکھے گئے ہیں۔ علم دوست حضرات نے تسلیم کر لیا کہ اس کتاب
میں گویا دریا کو کوزہ میں بند کیا گیا ہے۔ آج تک ہمارے پیشوایان دین کے ایسے قابل قدر حالات دنیا
کی کسی زبان عربی فارسی اردو میں نہیں لکھے گئے۔ جناب مولانا و مقتدانا آغا سید مہدی صاحب قبلہ مجتہد العصر
دام اللہ ظلہ [illegible] شیعہ دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نے اس کتاب کو اس درجہ پسند فرمایا
کہ اسکے نسخے [illegible] طلب کئے اور اسے علیگڑھ کالج و اسکول کے شیعہ طلاب کے نصاب تعلیم میں

ان جلسوں کے لئے مخصوص کی گئی ہے۔ اور جس کو [illegible]

گئیں۔ یہ کتاب بہت دنوں سے [illegible] ہو رہی تھی۔ ان کو جمع کرنے کے لئے [illegible]

[illegible] رجب سے [illegible] رجب تک ہر سال [illegible] ان کے پڑھنے کی [illegible]

گئیں۔ [illegible] ایسا [illegible] ہو گیا ہے جس کا ہر شیعہ [illegible] کے پاس ہر

وقت رہنا ضروری ہے۔ ہر جلس کے آخر میں [illegible] صاحب بہت رقت خیز اور رلانے والے [illegible]

بھی لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ [illegible] کو حدیث پڑھنے کے بعد کسی دوسرے [illegible]

[illegible] بہت ضرورت ہے [illegible] کر یہ کتاب ختم ہو گئی تھی

[illegible]

حضرت [illegible]

[illegible]

[illegible] آپ کے والدین [illegible] اور [illegible]

خاندان [illegible] آپ کے [illegible]

[illegible]

[illegible] حضرت [illegible]

[illegible] اسلام [illegible]